رجسٹرڈ نمبر [illegible]

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جنوری ۱۹۲۶ء

قیمت عہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

عدد اول	ماہ جمادی الثانی و رجب ۱۳۴۵ھ مطابق جنوری ۱۹۲۷ء	مجلد نوزدہم

مضامین

لغات جدیدہ،

مجلد نوزدہم | ماہ جمادی الثانی و رجب ۱۳۴۵ھ مطابق جنوری ۱۹۲۷ء | عدد اوّل

مضامین

لغات جدیدہ،

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ "منیجر"

شذرات

یہ انگریزی سال کا نیا مہینہ ہے، سال نو کی آمد پر خوش ہونا اس ظاہری دنیا کے رسم و رواج مین داخل ہے، ہم بھی اس رسم و رواج کے مطابق خوش ہین کہ ہم نے زندگی کا ایک اور سال پایا، معارف کا پہلا پرچہ رمضان ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی ۱۹۱۶ء مین شایع ہوا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب دنیا مین جنگ وجدل کے شرارے اڑ رہے تھے، کاغذ کی گرانی اور سامانِ طبع کی نایابی نے پرانے پرانے مطبعون کے دیوالے نکال دیئے تھے، لیکن معارف نے پوری دلیری سے ان مشکلات کا مقابلہ کیا، اور کامیابی حاصل کی،

معارف کی عمر کا یہ بارھوان سال ہے، بارہ سال کا زمانہ کوئی بڑی مدت نہین ہے، تاہم ان بارہ برسون مین اردو رسائل کی دنیا مین کافی انقلاب اور تغیر ہو گیا ہے، معارف جب نکلا تھا تو زمانہ (کانپور) الناظر (لکھنؤ) نقاد (آگرہ) اور مخزن (لاہور) کے سوا کوئی قابلِ ذکر رسالہ موجود نہ تھا، اور ان مین سے الناظر کے سوا بقیہ تمام رسائل کا سرمایہ تمامتر ادبیات تھا، سنجیدہ، ٹھوس علمی اور محققانہ مضامین کی ملک مین نہ مانگ تھی نہ درآمد تھی، معارف اس غیر مطلوبہ سامان کو لیکر جب بازار مین آیا تو خلاف توقع قدر دانون نے اس کو پسند کیا اور ہاتھون ہاتھ لیا،

اردو مین رسائل کی تاریخ جب لکھی جائیگی تو اس کے چند دور بھی قرار دیئے جائین گے، ہماری رائے مین پہلا دور تہذیب الاخلاق سے معارف (علی گڈھ) تک ہوگا، دوسرا دور معارف (علی گڈھ) سے مخزن تک،

تیسرا الندوہ سے شروع ہوگا، اور چوتھے کا آغاز شاید معارف اعظم گڈھ سے ہوا، ان مین سے ہر دور کا رسالہ اپنے نمونہ پر متعدد رسالون اور صحیفون کے وجود کا باعث ہوا ہے، اب اس وقت بحمد اللہ ملک کے کئی گوشون سے اردو کے اچھے اچھے، اور مفید اور دلکش رسالے نکل رہے ہین اور نکلتے جاتے ہین، اور ادبیات اور خصوصاً ادب لطیف کی لعنتون سے اردو پاک ہو رہی ہے، اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے، یا ہو رہا ہے،

عین اسوقت جب ہم اردو رسالون کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال رہے ہین، اردو کا وہ سب سے پرانا رسالہ اور اس کا وہ ایڈیٹر یاد آتا ہے جس نے سال کے آخری مہینہ کی آخری تاریخون مین ہماری دنیا کو الوداع کہا، یعنی مولانا عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی ایڈیٹر دلگداز، مولانا ہمارے انشا پردازون مین سب سے پرانے اور کہنہ انشا پرداز تھے، اکہتر برس[۷۱] کی عمر مین بعارضۂ فالج وفات پائی، مرحوم نے اپنی عزت اور شہرت تنہا خود اپنے قلم سے حاصل کی تھی، وہ اپنی شہرت کے لیے کسی اور نامور ہستی سے انتساب کے ممنون نہ تھے، انھون نے اپنے تمام معاصرین مین سب سے زیادہ اپنی زبان کی خدمت کی فرصت پائی، ہمارے خیال مین سنہ ۱۸۸۲ء سے انھون نے اپنے کام کا آغاز کیا، اور آخر زمانۂ وفات دسمبر سنہ ۱۹۲۶ تک قائم رہا، بیچ بیچ مین کبھی کبھی حیدرآباد کے قیام کی مصروفیتین پیش آجاتی تھین، تاہم ان کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہ پایا، ۴۴ برس کا عہد خدمت ان کے کسی معاصر کو میسر نہ آیا، پھر ان کے ادبی اور علمی خدمات کی گوناگونی، اور کثرت بھی ان کا خاص امتیاز ہے، اور یہ کہنا بھی سچ ہو کہ انھین کی تصنیفات نے اردو مین سیکڑون انشا پرداز پیدا کیے، اور ملک مین تاریخ کا مذاق پیدا کیا اور سنجیدہ تصنیفات کے لیے حسن قبول کا راستہ صاف کیا،

مولانا کا شرف نیاز سنہ ۱۹۰۳ء مین مجھے حاصل ہوا، اور یاد آتا ہے کہ وہ اس وقت حیدرآباد سے واپس آئے تھے، اور اتحاد اور پردۂ عصمت نکالنا شروع کیا تھا، وہ عربی زبان کے مستند عالم تھے، بچپن مین وہ اپنے نانا کے ساتھ واجد علی شاہ کے مٹیا برج مین رہے تھے، اور اس طرح جب ہوش سنبھالا تو اپنے کو سخنوران اردو کی آغوش مین

پایا، لکھنؤ آکر عربی علوم کی باقاعدہ تعلیم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی کے حلقۂ درس مین پائی تھی، اور حدیث کی تعلیم دہلی جاکر مولانا سید نذیر حسین محدث سے حاصل کی تھی، اسی لیے مولانا کا میلان زیادہ تر اہل حدیث کے مسلک کی طرف تھا، اور عقائد مین سخت اور غالی اشعری تھے، اور امام ابوالحسن اشعری سے ان کو خاص عقیدت تھی، عربی کیساتھ ان کو انگریزی سے بھی واقفیت تھی، اور کسی قدر فرنچ سے بھی آشنا تھے، یورپ کی بھی سیر کر آئے تھے، واپسی مین جب وہ جبرالٹر (جبل طارق) سے گذرے ہین تو مسلمان مورخ کی آنکھون کے سامنے اندلس (اسپین) کی تصویر کھنچ گئی، وطن پہنچکر سب سے پہلے اسکی یاد مین آنسو گرائے، اور اسپین پر ایک پر درد مضمون لکھا، جو اس زمانہ مین بہت مقبول ہوا تھا،

بظاہر وہ صرف ایک ناولسٹ یا افسانہ نگار تھے، اور اسی حیثیت سے لوگ ان کو زیادہ تر جانتے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ عربی علم ادب، محاضرات اور تاریخ کے بھی ماہر تھے، ان کے مضامین کا بڑا ماخذ اغانی کی ضخیم جلدین ہوتی تھین، اور وہ ان کو نہایت پسند تھین، وہ روایتون مین تنقید اور جرح پر تامل نہین کیا کرتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ انکو اپنے موضوع کے لحاظ سے اسکی ضرورت بھی نہ تھی، انکی تصنیفات مین منصور موہنا، درگیش نندنی، فتح اسپین، مقدس نازنین، ملک العزیز ورجنا، فردوس برین، اور فلورا فلورنڈا مشہور ناول ہین، تاریخون مین تاریخ سندھ اور تاریخ سسلی، اور سوانحعمریون مین خاتم المرسلین، ابوبکر شبلی، جنید بغدادی، انکی مشہور تالیفات ہین، مرحوم گو شاعر تھے شرر تخلص تھا، مگر غیر مقفّی اشعار کے نمونون کے علاوہ آغاز شباب کے بعد کبھی انھون نے اپنا کوئی کلام شائع نہین کیا، مولانا کا آخری علمی کارنامہ تاریخ اسلام ہے، جسکو وہ جامعہ عثمانیہ کی فرمائش سے لکھ رہے تھے، اور کچھ حصے اس کے لکھ بھی چکے تھے،

مرحوم اخلاق کے لحاظ سے نہایت باوضع، خاکسار، پابند اوقات، اور ملنسار تھے، چھوٹون سے ملنے مین اور انکی عزت و تعظیم اور ان کے کامون کی قدر شناسی مین کبھی کوتاہی نہین کرتے تھے، چوک مین منشی نثار حسین صاحب ایڈیٹر پیام یار اور خواجہ عشرت کی دکان پر انکی شام کی نشست انکی وضعداری کی دلیل تھی، ان کی کتابون کی بری

مانگ تھی، اور تمام مطبع والے بے پوچھے گچھے ان کی کتابیں چھاپتے رہے، مگر انھوں نے کبھی بازپرس نہ کی، مرحوم رات کو جاگ کر کام کرنے کے عادی تھے، اور رات کو کئی کئی بجے تک لکھا کرتے تھے، انکی موت نے ۱۸۸۴ء سے شروع ہونے والے عہد علمی کا خاتمہ کر دیا،

دلگداز ان کا خاص رسالہ تھا جس میں وہ زیادہ تر تاریخی مضامین و قصص شائع کیا کرتے تھے، اس کا آخری نمبر جو ان کے قلم سے نکلا وہ دسمبر ۱۹۲۶ء کا ہے، یہ دلگداز کی چھبیسوین جلد کا آخری نمبر ہے، لیکن اسکی اشاعت کا زمانہ ۴۰ برس سے یقیناً زیادہ ہے، حیدرآباد کی اقامت کے زمانہ میں اسکی اشاعت میں ناغہ ہو جاتا تھا، دلگداز کے علاوہ تین اور رسالے بھی اپنے نام سے انھوں نے نکالے ہیں، موجودہ بے پردگی کے خلاف **پردۂ عصمت** انھوں نے نکالا، سب سے پہلے انھین نے مسلمانوں میں ہندو مسلم اتحاد کی باقاعدہ تحریک کی اور اسکے لیے **اتحاد** نکالا، کچھ دنوں کے لیے **تصوف** کا بھی ایک رسالہ نکالا تھا جسکا نام اس وقت یاد نہیں آتا، مہذب نام ایک اور صحیفہ نکالا تھا، بہرحال وہ جو کچھ تھے، ہماری زبان کے نامور مصنف، ہندوستان کا فخر اور لکھنؤ کی آبرو تھے، ان کے فانی جسم نے مفارقت کی مگر ان کی ابدی زندگی انشاءاللہ ہمیشہ قائم اور باقی رہے گی،

ابھی شرر اردو کے ماتم سے ہم فارغ نہیں ہوئے تھے کہ نظم اردو کے پرانے استاد، عظیم آباد کے مشہور باکمال شاعر میر علی محمد شاد کی موت کی خبر آئی، ۷ر جنوری ۱۹۲۷ء کو غالباً ۸۲ برس کی عمر میں اپنے وطن عظیم آباد پٹنہ میں وفات پائی، ساٹھ برس سے زیادہ کی مشق سخن تھی، لاکھوں شعر ان کے نتائج فکر میں، میر اور انیس کے مقلد اور متبع تھے، اس دور میں وہ پورب میں زبان اردو کے تنہا استاد رہ گئے تھے، ہموطنی کے باوجود کبھی ان کی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، البتہ تحریری نیاز ایک مدت سے حاصل تھا، ادھر انکی علالت کا سلسلہ چند ماہ سے جاری تھا، کچھ دنوں سے ہوش و حواس بھی بجا نہ تھے، تاہم یہ شعر برابر ورد زبان تھا،

آخر ہے عمر ضیق مین دل بھی ہے، جان بھی

مرزا نہ باش ختم ہے یہ امتحان بھی

مرحوم کی تصنیفات مین دیوان اور کلام منظوم کے علاوہ نوائے وطن وغیرہ نثر کتابین بھی ہین، مرحوم کا ایک طویل والانامہ بھی میرے پاس رکھا ہے، جسمین اپنی تصنیفات کی پوری کیفیت لکھی ہے، افسوس کہ انکا پورا کلام کوششون کے باوجود بھی یکجا ہوکر طبع نہ ہوسکا، جو کام کہ انکی غایت احتیاط کی بنا پر انکی زندگی مین نہ ہوسکا شاید اب ان کے مرنے کے بعد انجام کو پہنچ جائے، اپنے طرز کے وہ تنہا مالک تھے، اور زمانہ کا رنگ دیکھکر توقع نہین کہ اس طرز کا سخنور پھر پیدا ہوسکے،

---

۲۶ دسمبر ۱۹۲۴ء کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار نظام صدر جلسہ تھے، ممدوح نے اس موقع پر جو دلگداز تقریر فرمائی، وہ حد درجہ مؤثر تھی، علیگڈہ کے جس علمی حجرہ (مولانا لطف اللہ صاحب کا مسکن) کی یاد انھون نے فرمائی جو گو بظاہر نہایت تنگ تھا، تاہم اسکے فیض و برکات کے دریا کا پاٹ مین سے بخارا تک وسیع تھا، وہ خواب تھا جو وہ دیکھ چکے، اب تو ہماری درسگاہون کی تعمیری وسعت گو مین سے بخارا تک ہو لیکن اسکی علمی تنگی اس حجرہ سے بھی کہین زیادہ ہوگی، پہل پہل رونق اور شان و شکوہ سب کچھ ہے، اگر روح کا فقدان ہے، مردہ لاش کو قاقم و سنجاب اڑھاکر اسکی پر رونق اور پر شکوہ شکل و صورت مین ہم محو تماشا ہین،

تاہم یہ سنکر خوشی ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ ترقی کے منازل طے کرتی جاتی ہے، اس کے دار التالیف و ترجمہ نے تین سو سے زیادہ کتابین جامعہ کے نصاب کے لیے تالیف اور ترجمہ کی ہین، برٹش گورنمنٹ نے بھی اسکی سند کو ایک حیثیت سے قبول کیا ہے، یورپ کی بعض یونیورسٹیون نے بھی اسکی اسناد کو تسلیم کیا ہے، اور اسکی انگریزی ادب کی ساتھ

علوم و فنون کی مادری زبان مین تعلیم کی کامیاب کوشش اب ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیون کو بھی انقلاب پر مجبور کر رہی ہے، لکھنؤ یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی کے مقررین اسناد کی تقریرین اس متوقع انقلاب کی پیشینگوئی ہین،

مسلم یونیورسٹی کے جدید انتخاب نے کسی قدر انقلاب پیدا کیا ہے، صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی جگہ پر نواب مزمل اللہ خان وائس چانسلر مقرر ہوئے ہین، بقیہ عہدہ دار اپنی جگہ پر ہین، صاحبزادہ صاحب اپنی طویل علالت کے سبب سے اپنے عہدہ کے فرائض انجام دینے سے گو ایک حد تک معذور رہے، مگر جیسا کہ ان کے شائع کردہ پمفلٹون سے واضح ہوتا ہے، انھون نے یونیورسٹی کی بے قاعدگیون کو درست کرنے مین خاصی کوشش کی، لیکن غالباً رفقائے کار کی ہمدردی اور اعانت ان کے شامل حال نہ ہو سکی، اور یہی ان کی ناکامی کی بڑی وجہ ہے، نواب صاحب کا عہد دعا ہے کہ کشاکشون سے محفوظ رہے، اور اس تعلیمگاہ کی ترقی کا سامان پیدا کرے، وہ مشرقی الخیال ہین شاید کہ وہ مشرقی علوم کے ساتھ انصاف برت سکین، جدید انتخاب مین یونیورسٹی کورٹ مین علما اور علوم مشرقیہ کے ماہرین مین سے نو نئے ارکان کا انتخاب عمل مین آیا ہے، جنمین سے ایک معارف کا ہیچ باطن و بلند بانگ اڈیٹر بھی ہے

دسمبر کے آخری ہفتہ مین اسلامی مجالس کے تمام سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوئے، تنظیم، تبلیغ، ایجوکیشنل کانفرنس، سودمند کانفرنس، مسلم لیگ، اردو کانفرنس، سب کے مراسم افتتاح عمل مین آئے، سنا ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس کے متعلق جو کچھ اتنے سالون سے کہا جا رہا تھا اسکا ارباب کانفرنس کو بھی اسسال کے اجلاس مین بالعین مشاہدہ ہو گیا، یعنی یہ کہ کانفرنس کا تبلیغی دور ختم ہو گیا، اور اب اسکی زندگی صرف علمی دور کیساتھ قائم رہ سکتی ہے، اسی خیال سے منتخب اشخاص کا ایک تعلیمی بورڈ جسکا ایک ممبر خود اڈیٹر معارف بھی بنایا گیا ہے، اسلیے قائم ہوا ہے کہ وہ مسلمانون کے تعلیمی مسائل پر غور کرے، اور اپنے نتائج و تحقیقات کو وقتاً فوقتاً شائع کرے، اور ان کو مناسب مشورون

اور تجویزون کی شکل مین تعلیمی انسٹیٹیوشنون اور حکام تعلیم کے سامنے پیش کرے، لیکن ہماری پیشینگوئی یہ ہے کہ نہ یہ بورڈ کبھی جمع ہوگا اور نہ کوئی کام کرے گا، کیونکہ ہم مین نہ کوئی ولولۂ عمل ہے، اور نہ کوئی ہماری منزل مقصود ہے، ہماری بیماری ڈاکٹرون کے اجتماع اور مشورون سے بہت آگے بڑھ گئی ہے، ہم آدمیون کے بجے ایک آدمی درکار ہے، ایک آدمی جو سب کچھ اپنی غرض و مقصد پر فدا کرکے عملاً کچھ کر دکھائے،

اردو کی ترقی کے لیے ضرورت ہے کہ ملک کے بڑے بڑے شہرون سے لیکر چھوٹے چھوٹے گاؤن تک اردو کتب خانون کا جال بچھا دیا جائے، ہندی کے حامی یہی کر رہے ہین، اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی ان کے لیے ہر طرح کفیل ہے، اردو کے حامیون کو ان سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے، اور مسرت ہے کہ لوگون مین اس کا احساس ہو رہا ہے، ریاست بہاولپور کے ایک مقام سنجر پور سے سید مبارک شاہ صاحب جیلانی مطلع کرتے ہین، کہ انھون نے وہان ایک جیلانی لائبریری قائم کی ہے، ایک ہزار روپیہ اس کے لیے جمع ہوا ہے، ہمین امید ہے کہ ریاست بہاولپور کے روشنخیال حکام ادھر توجہ فرمائین گے، اور اگر یہ کوئی چلتی ہوئی چیز ہے تو اسکی اعانت سے دریغ نہ فرمائین گے، کہ اس کا وجود خود ریاست کی نیکنامی کی بڑی دلیل ہوگی، شاہ صاحب نے اسکی خواہش کی ہے کہ مصنفین اور مؤلفین اپنی کتابین ہدیۃً کتبخانہ کو عنایت فرمائین، اگر اس مستورالحال طبقہ مین کوئی بلندہمت ایسا ہو تو یقیناً اسکو اپنی فیاضی سے اس لائبریری کے کارکنون اور مشتاقون کو ممنون بنانا چاہیے،

ڈاکٹر کینکر صاحب چیف اڈیٹر ہندی انسائیکلوپیڈیا نے میرے نام ایک طویل خط لکھا ہے، جسمین سوانح نبوی کے متعلق اپنے اس فیصلہ کی جو اخبارات مین شائع ہو چکا ہے اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی یہ خواہش کی ہے کہ چونکہ اس انسائیکلوپیڈیا کے ترجمے ہندوستان کی دوسری زبانون مین ہو رہے ہین، اسلیے اسکے اردو ترجمہ کا کام دارالمصنفین یا کوئی اردو کی انجمن اپنے ہاتھ مین لے، یہ خط اور اسپر گفتگو اور بحث ہم آیندہ نمبر کے لیے اٹھا رکھتے

ہیں، ساتھ ہی ناظرین کو یہ بھی خبر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے فاضل دوست پروفیسر نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) نے انگریزی میں سرور عالم صلعم کے سوانح مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے رد اور تصحیح کے سلسلہ میں لکھنے شروع کیے ہیں، اور اب تک اس کے چار جز لکھے جا چکے ہیں،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

دار المصنفین نے ایسے ارکان کے لیے قوم میں اپیل کی تھی جو غالباً سالانہ ۱۰ ادا کریں، اسکے معاوضہ میں وہ اپنا ماہوار رسالہ معارف، ور سال کی تمام مطبوعات انکی خدمت میں نذر کریگا، الحمد للہ کہ قوم کے متعدد افراد نے اس دعوت کو قبول کیا، اور اس وقت تک سو سے زیادہ ممبر بن چکے ہیں، جنہوں نے چندے وصول ہو چکے ہیں، اور بعض نے بھیجنے کی اطلاع دی ہے، بعضوں نے وی پی مانگے ہیں، ہم کو امید ہے کہ ممبروں کی مطلوبہ تعداد بہت جلد پوری ہو جائے گی۔ شایقین علم کو چاہیے کہ درخواستوں کے بھیجنے میں جلدی کریں تاکہ معارف نئے سال سے مکمل ان کو مل سکے، اور کتابوں کے پہلے اڈیشن کے چھپانے میں انکی تعداد کا لحاظ رکھا جائے آیندہ ہم اپنے تمام ممبروں کے نام شائع کرینگے جنھوں نے علم کی آواز پر لبیک کہا ہے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہیں، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آ چکے ہیں، یہ اس لائق ہیں، کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کیے جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ،

"منیجر"

مقالات

پھر واقدی

امام زہری پر الزام

پروفیسر گولیم (درہم یونیورسٹی انگلینڈ)

کا خط

بنام اڈیٹر اسلامک ریویو ووکنگ

جناب من!

مین اسلامک ریویو کا باقاعدہ اور مستقل پڑھنے والا ہون، فاضل سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون[1] سے جو واقدی پر شائع ہوا ہے، مجھے نہایت دلچسپی ہوئی، کیا مین یہ درخواست کرسکتا ہون کہ آپ میرے اس خط کو مزید آگاہی کیلئے شائع کردین، جو حسب ذیل سوالات پر مشتمل ہے،

اوّل وہ کیا اصول ہے جسکی بنا پر واقدی کی صداقت رد کیجاتی ہے، مہربانی کرکے مجھے یہ کہنے دیجئے کہ مین مذہبی گروہون کے اس حق کے خلاف لڑنا نہین چاہتا کہ وہ ان تحریرون کو جو میرے نزدیک لائق قبول نہون استناد ماننے سے انکار کردین، بلکہ مین وہ اصول جاننا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد و قبول پر حاوی ہے، مین یقیناً جرح و تعدیل کے عظیم الشان لٹریچر، اور متداولہ وغیرہ کے مسائل سے واقف ہون، لیکن واقدی ایک مورخ تھا، دینیات کا مصنف (تھیالوجین) نہ تھا، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ نیک اور ولی نما بخاری کی موت سے ۰۵ سال پہلے وفات پاچکا تھا،

یہ بھی آپکے خیال سے دور نہ رہا ہوگا کہ وہ سندین جو واقدی کی نسبت عمدہ رائین ظاہر کرتی ہین وہ اُن سے جو انکی تنقیص کرتی ہین ایک نسل مقدم ہین،

---

[1] دیکھو معارف جنوری سنہ ۱۹۲۲ء بجواب پروفیسر مارگولیتھ،

پھر آپکے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کیلئے ایک نشانہ بنانا ایک جغرافیہ دان یا ایک مورخ کی شہادت منزل تک نہین پہنچا سکتی ہے" مگر سوال یہ ہے کہ کیون نہین پہنچا سکتی ہے؟ اور ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون، جغرافیہ دانون اور مورخون کے فیصلون کو اس عجلت کیساتھ چھوڑ دین؟ کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو اپنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی؟ اور کیا اسکا فیصلہ صرف مذہبی علما (تھیالوجین) کی رایون سے ہوگا،

یہ نہ سمجھیے کہ مین یہ سوالات مناظرہ کے لیے کر رہا ہون، ممکن ہے زیادہ تر مین یہ سوالات اپنی زیر تالیف روایات اسلام کے چوتھے باب کے متعلق معلومات تلاش کرنے کیلئے کر رہا ہون، میرے خیال مین ابوحاتم کا واقدی کی نسبت بری رائے ظاہر کرنا درحقیقت موضوع سے خارج ہے، پھر ابراہیم حربی نے واقدی کے طرز تحریر یعنی ہر واقعہ کی الگ الگ سند لکھے بغیر روایت کی مذمت کی ہے، یہ ایسا طرز تحریر ہے جو یاد رہے کہ واقدی کی وفات کی ایک نسل بعد تک کم رائج نہ تھا، کیونکہ زہری اور ابن اسحاق ان دونون نے بھی ایسا ہی کیا ہے، آپکے فاضل مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ گو زہری اور ابن اسحق کی طرح واقدی بھی بلند تر ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون کہ کیون؟ مین جانتا ہون کہ علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی نظر مین انکی زیادہ وقعت ہے، لیکن مغازی مین انکی وقعت کیون زیادہ ہے؟ کیا یہ فراموش کر دیا گیا ہے کہ زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھون نے دباؤ سے مجبور ہوکر جھوٹی حدیثین بنائی ہین؟ اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء (اسپر ہمکو ان بادشاہون نے مجبور کیا) پھر بہت سے مصنفین نے صحیحین کی حدیثین بھی رد کر دی ہین اور نیز یہ کہ بخاری کے راویون مین ایک ابوہریرہ بھی ہین، جو روایت کرتے ہین کہ چاند پھٹ گیا تھا (شق القمر) اس بنا پر کوئی اس خیال سے باز نہین رہ سکتا کہ کوئی قوی سبب اس کا نہین ہے کہ واقدی کو بخاری کے فیصلہ کی بنا پر رد کر دیا جائے،

اسلام کے ایک سچے طالب علم ہونے کی حیثیت سے مین نہایت مشکور ہونگا کہ اگر سید صاحب یا کوئی دوسرا فاضل مجھکو وہ اصول بتائے جسکی بنا پر کسی ابتدائی مسلمان کی شہادت قبول یا رد کیگئی ہے،

آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو اعلیٰ سند تسلیم کرین تو یہ مشکل مناسب ہوگا کہ بعد کی نسل کے علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی بلا دلیل رایون کی بنا پر اسکو جھوٹا کہکر بدنام کیا جائے،

آپکا مخلص
الفرڈ گوئیم
پروفیسر عربی، ڈرہم یونیورسٹی، انگلینڈ

الجواب

از سید سلیمان ندوی

پروفیسر موصوف کے ان سوالات کو پڑھکر سب سے پہلے اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے فاضل مستشرقین کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ سیرۃ نبوی کے لکھنے کے لیے تنہا ابو الفدا ایک ماخذ ان کے سامنے تھا، اس کے بعد واقدی، اور پھر ابن سعد اور ابن اسحاق کی باری آئی، یہان تک پروفیسر مارگولیتھ نے اس کا سب سے بڑا ماخذ حدیث کو قرار دیا، اور خصوصاً ابن حنبل کی ضخیم جلدون کو، لیکن ابھی تک اسکی کسر تھی کہ انھون نے کسی واقعہ کی تنقید مین اصولِ روایت سے کام نہین لیا، مگر کیا پروفیسر گولیم کے ان سوالات سے یہ خوشخبری نہین معلوم ہوتی کہ وہ اب ہمارے ان اصول وضوابط کو سمجھنا چاہتے ہین، جنپر اسلام کی ابتدائی روایتون کی تنقید کی اصلی بنیاد قائم ہے،

دنیا مین صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جس نے واقعات وروایات کی تنقید وتصحیح کیلئے اصول وضوابط قائم کئے اور اس سلسلہ مین اصولِ حدیث، اسماء الرجال، علم الجرح والتعدیل، اختلاف الحدیث اور اسناد وغیرہ متعدد فنون کی بنیاد ڈالی، اسی کیساتھ درایت کے اصول اور نقد کے قوانین بنائے، اور ان پر صدہا کتابین لکھین، اور وہ ہماری مشرقی درسگاہون کے نصاب تعلیم کا ایک جزء ہین، اور محض عربی زبان کی، دبی واقفیت ان مشکلات کی گرہ کشائی نہین کرسکتی،

مسلمانون مین اس فن کی نظر سے واقعات کی تنقید دو پہلوؤن سے کیجاتی ہے جنمین سے ایک اصولِ روایت اور دوسرا اصولِ درایت ہے، روایت کے مختصر اصول یہ ہین کہ شروع سے آخر تک واقعہ کے ناقل اور راوی معتبر اور ثقہ ہون، پہلا راوی یا خود واقعہ کے وقت موجود اور اس کا عینی شاہد ہو یا کسی شریکِ واقعہ اور عینی شاہد سے اس نے خود سنا ہو، یا اسکے متعلق یہ تجربہ سے ثابت ہو کہ وہ ہمیشہ عینی شاہدون سے سن ہی کر اس قسم کی روایتین کیا کرتا ہے، پھر یہ کہ ہر راوی یہ اقرار کرے کہ اس نے خود دوسرے راوی یعنی اپنے پیشرو راوی سے یہ سنا ہے، یا یہ ثابت ہو کہ وہ اس سے عمر مین ایکدفعہ بھی کم از کم ملا ہے، یا یہ کہ وہ دونون کم از کم ایک زمانہ مین موجود تھے، اور ایک کی دوسرے سے سماعت ممکن ہے، اول سے اخیر تک سند کی کڑی متصل اور ملی ہو کہین سے ٹوٹی نہ ہو، یعنی بیچ کا راوی کوئی نامعلوم نہ ہو،

روایت کے مختصر اصول یہ ہیں کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ دیگر مستند تاریخی بیانات کے مخالف تو نہیں ہے، کسی دوسری صحیح تر سند سے اسکے خلاف کوئی ایسی شہادت تو موجود نہیں ہے، جو اسکی تکذیب کرتی ہو، راوی سے مطلب سمجھنے میں تو کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے، راوی نے کوئی ادھوری بات تو نقل نہیں کی ہے، اسلام کے مسلمہ متفقہ اور معروف اصول کے خلاف تو نہیں ہے،

یہ اس فن کی مختصر دفعات ہیں جن پر اسلام کی ابتدائی تاریخ و احکام کی نقل روایت کی بنیاد قائم ہے، اسلام کے ابتدائی مصنفین نے خواہ وہ علمائے حدیث ہوں، علمائے مغازی ہوں، یا علمائے تاریخ ہوں انہیں اصول کی پیروی جہانتک زیادہ کی ہے وہیں تک انکی تصنیفات امت کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہوئی ہیں، اسی بنا پر امام بخاری کی جامع صحیح کا پھر امام مسلم نیشاپوری کی کتاب کا پھر علی الترتیب اسی طرح حدیث کی دوسری کتابوں کا ترتیبی درجہ ہے،

امام بخاری نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی روایت متن کتاب میں نقل نہیں کی ہے جسمیں کہ ہر ایک راوی نے دوسرے راوی سے اپنی ملاقات اور سماعت کا اقرار نہیں کیا ہے، امام مسلم نے ایسے راویوں کی روایتیں بھی قبول کرلی ہیں جنکی باہمی ملاقات اور سماعت کا کوئی ثبوت نہ ہو، اور صرف اتنا ثابت ہو کہ وہ دونوں ایک عہد اور ایک زمانہ میں موجود تھے، اس بنا پر ہر منصف مزاج یہ یقین کریگا کہ روایات اور وقائع کے تمام دفتر میں صحیح بخاری سے بڑھکر کوئی کتاب نہیں، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد کیوں قرار دیا گیا ہے، دوسری کتابوں کے مصنفین نے اپنا اصول یہ قرار دیا ہے کہ وہ ہر اس واقعہ کو قبول کرتے ہیں جسکی نسبت علما کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا نہیں ہے، اور ہر اس راوی کو قبول کیا ہے جسکو علما نے جھوٹا، کاذب، اور دروغگو نہیں کہا ہے، نیچے درجے کے مصنفین نے اس اصول کو بھی برقرار نہیں رکھا ہے، بلکہ ہر جھوٹی سچی روایت کو قبول کرکے اپنی کتاب میں بھر دیا ہے، اس لیے اسی ترتیب سے انکی کتابوں کے بھی اہل فن نے درجے مقرر کر دیئے ہیں،

جو کتابیں مغازی اور سیرۃ پر لکھی گئی ہیں، ان میں ان اصولوں کا عموماً بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، تاہم ان اصولوں کی پابندی، اور خود مصنفین کی ذاتی حیثیت کی بنا پر مغازی کی کتابوں میں سے سب سے اول امام زہری کی مغازی کو جگہ دی گئی تھی، اور اسکی عدم موجودگی میں ان کے شاگردوں میں سے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کا رتبہ ہے، اور اسکے بعد ان کے ہمدرس محمد بن اسحاق کا درجہ ہے، اور واقدی کیلئے اس دربار میں وہی جگہ رکھی گئی ہے، جو اسی کم رتبہ کی حدیث کی کتاب کے مصنف کا پایہ محدثین میں ہے،

پروفیسر صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمائے اسلام کی جماعتی یا فن وار تقسیم سے ناآشنا ہین، اور یقیناً کسی بیرونی قوم کے افراد کو دوسری قوم کے مذہب، علوم، اور زبانون کی اصطلاحات کا سمجھنا اس بنا پر مشکل ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے اس ماحول سے باہر رہے ہین، اور انکی واقفیت کا ذریعہ محض کتابین ہین، اور ان چیزون کے پوری طور سے سمجھنے مین اس قوم کی زبان کی محض ادبی واقفیت پوری معین نہین ثابت ہوتی، اسلیے لامحالہ وہ شخص دوسری قوم کی اصطلاحات، خیالات، اور ماحول کو اپنی قومی اصطلاحات، خیالات، اور ماحول کے مطابق کرکے سمجھتا ہے،

ہمارے پروفیسر صاحب نے اپنے خط مین دو قسم کے علما کے نام لیے ہین، ایک کو وہ تھیالوجین یعنی علمائے الٰہیات، اور دوسرے کو مورخین اور اصحاب مغازی کہتے ہین، لیکن اسلام مین یہ کوئی تقسیم نہین ہے۔ اور ہمارے یہان علمائے الٰہیات، عام علماء سے کوئی الگ نہین ہین، یہان پر علماء کی تقسیم تھیالوجی (الٰہیات) کی بنا پر نہین ہے، بلکہ "روایت" کی بنا پر ہے، اسلیے وہ تمام اشخاص جو کسی قسم کی نقل و روایت کرتے ہین، ایک جنس مین داخل ہین، اور ان کا نام "علمائے نقل" ہے، اور دوسرے "علمائے عقل" ہین جنکا یہان کوئی تعلق نہین، علمائے نقل یعنی وہ تمام اشخاص جو کسی حکم یا واقعہ کو نقل اور روایت کرتے ہین، انکو اس حکم یا واقعہ کی حیثیت کی بنا پر مختلف نام ہین، مثلاً وہ اشخاص جو آنحضرت صلعم اور عہد اول کے ہر قسم کے احکام و واقعات کی نقل و روایت کی خدمت انجام دین، وہ محدث کہلاتے ہین، اور جو صرف آنحضرت صلعم کے سوانح ذاتی اور واقعات اور اخلاق کا ذکر کرین، وہ **اصحاب سیرۃ** ہین، اور جو آپکے صرف اخلاق و عادات کو نقل کرین، وہ **اصحاب شمائل** ہین، اور جو صرف غزوات اور ان کے متعلقات کو بیان کرین، وہ **اصحاب المغازی** ہین، بہرحال محدث، یا صاحب سیرۃ، یا صاحب شمائل یا صاحب المغازی یہ کل کے کل گو مضامین متعلقہ کی حیثیت سے الگ الگ نامون سے موسوم ہین، لیکن روایت کی حیثیت سے ان سب کا ایک ہی درجہ ہے یعنی یہ سب اصحاب روایت اور علمائے نقل ہین، اور تمام اصحاب روایت اور علمائے نقل ایک ہی ترازو کے پلہ مین تولے جائین گے،

اس بنا پر جو شخص بھی اسلامی روایات کا کوئی ٹکڑا بھی کسی سے نقل کرکے بیان کرے گا خواہ وہ دینی احکام و فرائض سے متعلق ہو، خواہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات گرامی سے منسوب ہو، خواہ وہ غزوات اور لڑائیون کے بارہ مین ہو، خواہ وہ آپکے اخلاق و عادات سے تعلق رکھتا ہو، اس کیلئے اس بات کے ثبوت کی ضرورت ہے، کہ درحقیقت یہ ایسا ہی ہے، عقل انسانی

مین پچھلی نسلون یا غائب اشخاص کو اس حکم یا واقعہ کا علم صرف روایت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اور یہی ایک ذریعہ ایک انسان کے ہاتھ مین ایک سے دوسرے تک بات کے پہنچنے کا ہے اور تمام دنیا کے وقائع اور حوادث کے علم کا مدار صرف تاریخ پر ہے

سلامی اور غیر اسلامی روایات مین فن کی حیثیت سے یہی سب سے بڑا اور ممتاز فرق ہے کہ غیر مسلم قومون نے اپنے انبیاء اور ہادیون کے اقوال اور افعال کی روایتون کی جانچ اور پرتال کے متعلق کوئی اصول مدون نہین کیا ہے، اور مسلمانون نے اسکے لیے بہت سے اصول مدون اور منضبط کئے ہین، اور اسی معیار پر غلط اور صحیح، سچی اور جھوٹی روایت کو وہ پرکھتے ہین، مثال کے طور پر یہ ہے کہ ہمارے عیسائی بھائیون کے یہان ان چار مشہور انجیلون کے علاوہ اور بہت سی انجیلین ہین مگر انھون نے چار کو مسلم مان کر بقیہ کو جعلی اور ناقابل تسلیم قرار دیا، مگر ہمین وہ اصول نہین معلوم جنکی بنا پر اس جھوٹ اور سچ صحیح اور جعلی مین فرق کیا جا سکے لیکن مسلمانون کے پاس اس کے جانچنے کے لیے وہ فن ہے جس کا نام اصول ہے، اور جسکی متعدد شاخین ہین،

آج تنقیدی تاریخ کے فن نے یورپ مین بے انتہا ترقی کی ہے، اور ابن خلدون کے بنیادی فلسفۂ تاریخ نے یورپ جاکر عظیم الشان برگ وبار پیدا کیا ہے، اور اس امر پر بڑا زور صرف کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کا فلان واقعہ فطرت، مقتضائے عہد اور اس زمانے کے ماحول کے لحاظ سے ممکن بھی ہے یا نہین، غرض درایت کے نقطۂ نظر سے کوئی پہلو جدید یورپ کے نقاد مورخین کی محققانہ نگاہ سے اوجھل نہین ہونے پاتا، لیکن یہ پہلو کہ اس واقعہ کو کس نے دیکھا؟ کس سے سنا؟ ہم تک کس واسطہ سے پہنچا؟ کبھی معرض بحث مین نہین آتا،

آج یورپ مین مقننین اور عدالتون نے حوادث اور واقعات مین شہادت کی حیثیت کو جو اہمیت دی ہے، وہ مخفی نہین ہے، اور شاہدون اور گواہون کی وقعت، پوزیشن، اخلاق، عینی شہادت اور سچائی کو ہر طرح سے جانچنے کی انتہائی کوششین کیجاتی ہین، پھر یہ کیا ظلم ہے کہ موجودہ واقعات کی تحقیق کے سلسلہ مین تو شاہدون اور گواہون کے متعلق یہ احتیاط برتی جائے اور گذشتہ واقعات کے قبول و رد مین اس کے بالمقابل شہادت کے تمام اصول کو بالائے طاق رکھدیا جائے، اور سچے اور جھوٹے مین کوئی تفریق نہ کیجائے، نہ اسکی تلاش اور جستجو کیجائے،

حدیث و روایت بھی دنیا کے ہزارون علوم و فنون مین سے ایک فن ہے، ہر علم و فن کی طرف جو لوگ منسوب ہین یا جو کسی علم و فن کی آگاہی اور واقفیت کے مدعی ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ ان سب کا درجہ برابر نہین ہوتا، بہت سے ان مین

محض فن کے آشنا اور اس علم کے محض ابجد خوان اور حرف شناس ہیں، دوسرون کی حالت ان سے بہتر ہوتی ہے، بعض کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے، اور چند ان میں سے ایسے باکمال بھی ہوتے ہیں جو اس علم یا فن کے محقق اس کو ترقی دینے والے، اس کے تمام حقائق اور اسرار کے کامل ماہر ہوتے ہیں، اور اس کا فیصلہ کہ اس کو اس علم یا فن میں نقص یا کمال کا کونسا درجہ حاصل ہے، اس علم و فن کے متعلق اس کے کارنامے، اس کے معاصر و ہم پیشہ فضلاء کی رائیں، اور اس زمانہ کے قبول عام کی نگاہیں اسکو نمایاں کر دیتی ہیں، اور بالآخر ان کو اس علم و فن کا معیاری درجہ اور رتبہ حاصل ہو جاتا ہے، ہر عہد اور ہر زمانہ میں علم و فن کی ہر شاخ میں اسکی ہزاروں مثالیں گذر چکی ہیں، اور گذر رہی ہیں، گذشتہ اور موجودہ علماء اور مصنفین کے اعتبار استناد، اور صحت نقل کا پیمانہ اسی معیار پر قائم ہے،

یہی اصول اسلامی روایات کے حاملین اور ابتدائی مسلمان مصنفین کے فرق مراتب اور امتیازات میں قائم ہے اور جسکی بنا پر مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن حنبل، ابن ماجہ، ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابن ہشام، طبری، اور کلبی، وغیرہ ابتدائی مسلمان مصنفین کی کتابوں میں مراتب اور درجات ہیں،

ہر علم و فن کے مسائل کے متعلق اسی کے جاننے والوں اور محققوں کی رائے معتبر ہو سکتی ہے، ایک عالم لغت کی رائے کیمسٹری کے کسی مسئلہ کی نسبت، یا ایک جغرافیہ دان کی رائے طب کے متعلق، ایک ادیب کی رائے ما بعد الطبعیات کے بارہ میں، یا ایک محدث کی رائے ہیئت کے کسی مسئلہ کے فیصلہ میں بالکل بیسود ہے، مسلمان علماء اور حکماء میں اسکی مثالیں ڈھونڈھیے، ابو تمام حریری سے ریاضیات کی نسبت، اور موسیٰ خوارزمی سے مقامات کی نسبت سوال بیکار ہوگا، ابو علی سینا سے حدیث کی تحقیق اور امام بخاری سے طبعیات کے مسائل حل نہیں کئے جا سکتے، اس بنا پر بالکل صاف ہے کہ حدیث و روایت نبوی کی تحقیق میں ایک انشا پرداز، جغرافیہ دان، اور محاضرات نویس کی رائے کیوں معتبر نہیں، جس طرح گبن کا کام میوٹن سے نہیں لیا جا سکتا، اسی طرح ابن حجر کا کام یاقوت سے نہیں لیا جا سکتا، اور نہ یاقوت کا کام ابن حجر سے لیا جا سکتا ہے، اسلیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کے لیے ایک انشا پرداز، ایک جغرافیہ دان اور ایک مورخ (یاقوت مورخ نہیں سوانح نگار تھا) کی شہادت منزل تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے فیصلہ میں یہ صحیح نہیں ہے کہ متقیا لوجین (عالم الٰہیات) اور غیر متقیا لوجین کے تعصب کی دیوار حائل ہے، بلکہ فن کی واقفیت اور تحقیق کی دیوار حائل ہے، کسی شہر کی جائے وقوع اور اس کے نام کی صحت کے بارے میں، ابن خردازبہ، مقدسی،

مسعودی، ادریسی، اور یاقوت جغرافیہ دانانِ اسلام کی جو رائے ہوگی اس کے مقابلہ مین، امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، خطابی، کرم ابن حجر کی رائے قابل تسلیم ہوگی، یہ بالکل ایسا ہی لطیفہ ہے، اسلیے آپکی یہ حیرت کہ ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون، جغرافیہ دانون، اور مورخون کے فیصلون کو اس نجابت کیساتھ چھوڑ دین، کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو بنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی اور کیا اس کا فیصلہ صرف مذہبی علماء (یعنیا تھیالوجینس) کی رایون سے ہوگا؟" دور ہوجائے گی،

اب مین آپکے اس سوال پر آتا ہون، کہ وہ کیا اصول ہین جنکی بنا پر واقدی کی صداقت ردکیجاتی ہے۔ وہ اصول عرض کرنا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد و قبول پر حاوی ہے، پہلے گذر چکا ہے کہ ہر علم وفن کے فضلاء، اور محققین کے کارنامے، معاصرین کی شہادتین، اس علم وفن کیساتھ اس کا شغف و شوق اور کاوش و تحقیق ان کے مرتبہ اور درجہ کو متعین کردیتی ہے۔ اور ایک ناآشنا فن، عطائی، مدعی محض، آشنا، عالم، فاضل، اور محقق کامل کے متفاوت درجون کی تعیین کردیتی ہے، یہی حال سلسلۂ روایت اور اسناد کے واقفون، عالمون اور محققون کے رتبون اور درجون کی تعیین اور تشخیص کا ہے، امام بخاری کے سامنے بغداد مین روایات کے دس متفرق سلسلے باہم الٹ پھیر کر امتحاناً پیش کیے جاتے ہین، وہ بہ ترتیب ان سلسلون کو اپنی اپنی جگہ رکھکر پیش کردیتے ہین، اور علماء کا مجمع ان کی حیرت انگیز یادداشت اور حافظہ کو دیکھکر دنگ رہجاتا ہے، اس بنا پر اس فن مین امام بخاری کا جو درجہ ہوگا وہ اس واقدی کا نہین ہوسکتا جس کو اپنی کسی روایت کی پوری سند بھی نہین معلوم،

اوّل بعض مصنفین کو لیجیے، فضل وکمال، دیانت وتقویٰ، حفظ یادداشت، فہم واستنباط کے لحاظ سے ان مین بہت کچھ فرق ہوتا ہے، پھر آپکو معلوم ہے کہ کم ازکم ایک دو نسل تک اسلامی روایات کا بڑا حصہ زبانی کتاب کے سبقون کی طرح رٹکر یاد کیا جاتا تھا، اسلیے راویون کی قوتِ حافظہ کا امتحان بھی ضروری تھا،

اب اسلامی فنِ روایت کے اصول کی بنا پر کسی مصنف کی کتاب مین کسی واقعہ کے مستند طور سے درج ہونے اور اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے، کہ :۔

۱۔ مصنف خود معتبر ثقہ، دیانتدار، اور صادق القول، اور اپنی روایتون کے تمام سلسلون سے واقف ہو، اور اپنے راویون کے انتخاب مین اس نے پوری کوشش کی ہو اور کامیابی حاصل کی ہو،

۲- اسکی ہر روایت کا سلسلۂ سند ہو،

۳- اسکی روایت کا ابتدائی راوی واقعہ کا عینی شاہد ہو یا کسی عینی شاہد سے اس کے سننے کا کافی ثبوت ہو،

۴- واقعہ کے شاہد عینی سے لیکر مصنف تک ہر دور کے راوی کی کڑی موجود ہو،

۵- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ بھی معلوم ہو کہ وہ ثقہ معتبر اور صادق تھا،

۶- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنے پیشرو سے سنا ہے، اور یا کم ازکم یہ کہ یہ دونون ایک زمانہ مین موجود تھے،

یہ چند اصول ہین جو ایک ایسے مختصر مضمون کی چند سطرون مین بیان کئے جاسکتے ہین، اس معیار پر ہم بخاری اور واقدی کی روایتون کو جانچتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے تمام معاصرین بالاتفاق اسکو ثقہ معتبر، صادق، استدین اور روایت کے اشخاص اور رجال کا سب سے بڑا پرکھنے والا کہتے ہین، اور دوسرے کے اکثر معاصرین اسکو جھوٹا، کاذب اور دروغگو، اور روایت کے اشخاص رجال سے اسکو نابلد محض کہتے ہین، نتیجہ ظاہر ہے،

اب ان دونون کے راویون کا حال دیکھتے ہین تو پاتے ہین، کہ بخاری اپنی ہر روایت کے شروع سے اخیر تک راویون کو نام بنام گناتے ہین، اور ان مین سے اسکے ہر دور کا راوی اپنے زمانہ کا مشہور و معروف استدین، راستباز، اور معتبر تھا، دوسری طرف واقدی کے یہان سرے سے یہی معلوم نہین کہ اس نے واقعہ کو کس سے سنا؟ اس نے کس سے کہا، اور اسکا شاہد عینی کون تھا؟ ہر منصف مزاج روایت کے دونون مصنفون کے بیانات کے ردوقبول کا بآسانی فیصلہ کرسکتا ہے،

واقدی نے اگر کہین کہین ایک دو راویون کے نام لکھے بھی ہین تو وہ غیر مشہور، نامعتبر، یا مجہول ہین، اور بخاری کا ہر راوی اپنی جگہ پر معاصرین مین مسلم الثبوت اور اہل فن کے نزدیک مستند رہا ہے، پھر نفس واقعہ اور اسکی تفصیلات کو دیکھتے ہین تو ثابت ہوتا ہے کہ بخاری کے بیان کی تصدیق دوسری معاصر و مماثل روایتون کی تائید سے بھی ہوتی ہے، اور واقدی کے خاص بیان کی تائید کسی معاصر سے نہین ملتی، اس قسم کی متعدد مثالین جب دو مصنفون مین ملینگی تو ضرور ایک کو مستند اور دوسرے کو غیر مستند قرار دیا جائیگا، یہ اصول ہے جسکی بنا پر ایک مصنف کو قبول اور دوسرے کو رد کیا جاتا ہے،،

جس طرح دوسرے علوم وفنون کے ممتاز و مستند محققین ہر زمانہ مین ہوتے رہے ہین، اسی طرح اسلامی

علم روایت کے ممتاز و مستند محققین بھی ہر دور میں گذرتے رہے ہیں، جنکا تدین جنکی ثقاہت جنکا علم و فضل خود ان کے کارنامون علمی کاوشون، ان کی زندگیون کے سوانح اور ان کے معاصرین کی شہادتون سے ثابت ہے، اور جنھون نے اپنی پوری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ روایتون کی تحقیق، راویون کی چھان بین، رجال کی تلاش و تفتیش میں بسر کیا، خود ان کے عہد کے انسانون نے انکے تدین، تحقیق اور فضل و کمال پر بھروسہ کیا، انکی تحقیقات اور بیانات اس عہد کے راویون کے متعلق معیار قرار پائے،

اور چونکہ مختلف اشخاص کے متعلق ان کے مختلف واقف کارون کے تجربے کبھی کبھی مختلف بھی ہوتے ہیں اسلیے راویون کے متعلق مختلف رائین بھی ہیں، ان رایون کی صحت کا معیار خود ان صاحب رایون کا فضل و کمال ہے، اور یہ اختلاف رائے خود علم اسماء الرجال کی صداقت کی دلیل ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعی مختلف اشخاص کے ذاتی تجربون پر قائم ہے، اگر ان میں بجائے اختلاف کے یکسانی ہوتی تو اول تو یہ اشخاص کے متعلق نقد و تجربہ کی غیر فطری مثال ہوتی، دوسرے اس سے شبہہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ ایک جعلی، بناوٹی اور متفقہ جھوٹ ہے، اس بنا پر کسی راوی کے متعلق اگر مختلف ناقدین کی مختلف رائین ہون تو ان رایون میں سے کسی ایک پہلو کی ترجیح کے حسب ذیل اصول ہیں،

۱۔ معاصر ناقدین کی اکثریت کدھر ہے؟

۲۔ مختلف رایون کے ناقدون میں سے اعلیٰ درجہ کے مستند ناقدین کس طرف ہیں؟

۳۔ عام ناقدین کی اکثریت کس طرف مائل ہے؟

کسی راوی کے متعلق متاخر عہد کے غیر معاصر ناقد جب اپنی رائے دیتے ہیں تو اسکی بنیاد حسب ذیل چیزون پر ہوتی ہے،

۱۔ راوی کی موجودہ روایات کے ذخیرہ کی نوعیت کیا ہے، اور زیادہ تر اس میں معروف یا منکر کس قسم کی باتین ملتی ہین،

۲۔ دوسرے مستند لوگون کے بیانات سے اس کا بیان کہان تک موافق یا مخالف ہے،

۳۔ اس مختلف فیہ راوی کے معاصر فضلا کی رائین اسکے متعلق کیا ہین، اور اگر وہ مختلف ہین تو ان مین مشہور و معروف ناقدین کدھر ہین، یا ان کی کثیر تعداد کس جانب ہے،

۴۔ متاخر ناقد نے گو خود اس راوی کو نہین جانچا مگر اس کے متعلق اس نے اپنے شیوخ کی زبان سے سنا جو اس راوی کے معاصر تھے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ واقدی کے متعلق پچاس برس بعد امام بخاری کیونکر اپنی رائے ظاہر کرسکتے ہین؟

واقدی کے متعلق ابو حاتم رازی کی رائے موضوع سے خارج ہے، ابو حاتم کا منشا یہ ہے کہ واقدی کے معاصر محدثین اور فضلاے روایت نے دیکھا کہ واقدی مدینہ کے نامعلوم اور غیر معروف راوی جنکے حالات سے واقفیت نہین، ان سے روایت کیا کرتا ہے، اور ایسی روایتین کرتا ہے جو منکر ہین یعنی کسی ثقہ اور معتبر راوی کے بیان سے انکی تائید و تصدیق نہین ہوتی، اور نہ جنکو ہم جانتے ہین؛ اب ایسی حالت مین یہ اشتباہ ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے کہ یہ منکر اور غیر مصدقہ روایتین خود واقدی نے گھڑ لی ہون، اور دوسرے غیر معروف شیوخ کی طرف ان کو منسوب کر دیا ہو، یا یہ کہ یہ جھوٹی روایتین انھین غیر معروف شیوخ کی ساختہ ہون، اور واقدی نادانستگی مین ان کو لیکر بیان کیا کرتا ہے تشکک کے ان دونون پہلوؤن مین سے ایک کی تعیین واقدی کے ہمعصر فضلا رنے اس طرح کی کہ دیکھا کہ وہ مشہور و معروف اساتذہ جن سے قسم کی منکر روایتین ہرگز نہین کرتے، اور نہ انھون نے کی، واقدی ان سے بھی اس قسم کی روایتین علانیہ انکی طرف نسبت کر کیا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ ان لغو و مہمل اور غیر مصدق روایتون کے گھڑنے کا کارخانہ خود اسی کے گھر مین قائم تھا،

کیا یہ موضوع بحث سے خارج رائے ہے؟

ابراہیم حربی جنھون نے واقدی کی حمایت کی ہے، اور کہا ہے کہ :-

"مفصل سند کے بغیر روایت کرنا اگر جرم ہے تو امام زہری اور محمد بن اسحاق بھی اس سے بری نہین"

مین نے اپنے گذشتہ مضمون مین اس کے دو جواب دیئے ہین،

۱- زہری اور ابن اسحاق واقدی سے بہت زیادہ بلند ہین، اسلیے ان کی بلاسند بات بھی واقدی کی بے سند بات سے زیادہ وقیع ہے کہ واقدی کا جعل ساز ہونا ثابت تھا اور وہ دونون اس الزام سے قطعاً بری ہین، اور خصوصاً زہری تو امام الائمہ ہین، اور ابن اسحاق گو ان سے بہت کم رتبہ ہین تاہم واقدی سے تو ان کا پایہ بلند ہے،

۲- زہری اور ابن اسحاق نے ایسی بے سند بات کی کہین کہین مختلف سندون کو ایک جگہ ملا کر روایت کی ہے بقیہ ہر جگہ انھون نے اپنی ہر بات اور ہر روایت کی الگ الگ سندین ذکر کی ہین، اور واقدی نے یہ کیا ہے کہ ایک جگہ

تا ہے کہ آغاز مین سو پچاس آدمیون کے نام اکٹھے کرکے باقی پوری کتاب بلا سند ایک کہانی اور ایک قصہ کی طرح سنا دی ہے اسلیے ان مین عظیم الشان فرق ہے،

علاوہ ازین اگر زہری اور ابن اسحاق نے واقدی ہی کی طرح کوئی بے سند روایت کردی ہے تو اس روایت کا درجہ بھی واقدی ہی کی روایت کے قریب قریب ہوگا، گو زہری اور واقدی کے ذاتی امتیاز (فضل و کمال) کا جو فرق ہو وہ اب بھی محسوس نہ ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ مغازی کی کتابون کا درجہ احادیث کی کتابون سے نہایت فروتر ہے، واقدی ہی کی مغازی کی تخصیص نہین، مغازی کی ہر کتاب احادیث کی کتابون کے مقابلہ مین کمرتبہ ہے۔

پھر آپ میری نسبت کہتے ہین کہ "آپکے مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ زہری اور ابن اسحاق کی سطح واقدی سے بلند ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون، کہ کیون؟" آپ یقیناً پوچھ سکتے ہین، یہ سطح کا نشیب و فراز اسلیے ہے کہ امام زہری کا کوئی جھوٹ ثابت نہین ہوا، محمد بن اسحاق بھی اس الزام سے بری رہے ہین، گو ان پر بے احتیاطی کے اور الزامات ثابت ہوئے ہین، اور واقدی کی نسبت ان کے معاصرین کا بار بار یہ تجربہ ہوا ہے، کہ وہ جھوٹی اور گھڑ کر اور بے احتیاطی سے روایت کیا کرتا تھا، زہری ہمیشہ ایسے راویون سے اپنی روایتین کرتے ہین، جو اپنے عہد کے مشہور و معروف و ثقہ تھے، اور محمد بن اسحاق ان سے کم درجہ، اور واقدی بالکل غیر معروف اور مجہول ہین، اور اس بنا پر ہر علم اور ہر فن کے فنکارون اور ماہرون کے تفاوت مدارج کی نسبت ہر زمانہ کے علماء فیصلہ کیا کرتے ہین، اسی طرح زہری اور ابن اسحاق اور واقدی کی سطح کی بلندی اور پستی کا فیصلہ بھی انھین نے کیا ہے، تاہم سند کے لحاظ سے زہری کی بھی ہر قسم کی روایتین یکسان نہین ہین، اور ان کی بے سند روایت بھی مستند روایت کے مقابلہ مین چھوڑ دیجائے گی، یا کم سمجھی جائیگی،

آپ کہتے ہین کہ مین جانتا ہون کہ علمائے مذہب (تھیالوجینس) مین انکی (زہری اور ابن اسحاق کی) وقعت زیادہ ہے، لیکن مغازی مین ان کی وقعت کیون زیادہ ہے؟ اول عرض یہ ہے کہ زہری تو بلاشبہہ ہر صنف روایت مین اعتبار و استناد کے بلند ترین درجہ پر ہین، مگر ابن اسحاق کا یہ حال نہین ہے، وہ صرف مغازی مین مقبول ہین، احکام مین دوسرے معتبر لوگون کے مقابلہ مین انکی کوئی وقعت نہین ہے، بہرحال آپ کا یہ سوال ہے کہ "مغازی مین زہری

اور ابن اسحاق کی وقعت واقدی سے کیون زیادہ ہے؟ کئی دفعہ عرض ہو چکا، کہ اسلامی اصول روایت مین مغازی اور غیر مغازی کا کوئی فرق نہین ہے، ہر وہ شخص جو آنحضرت صلعم کے متعلق کوئی بات نقل کرتا ہے اسکو انھی مقررہ اصول پر جانچا جائیگا، خواہ وہ لڑائیون کا حال ہو یا اخلاق کا بیان ہو یا کسی مذہبی حکم کا ذکر ہو، گو یہ سچ ہے کہ محدثین نے عملاً جانچ پڑتال کی وہ سختی اور شدت مغازی اور فضائل کے باب مین اتنی نہین کی جو احکام کے باب مین کی، اور اس کا انھون نے علانیہ اقرار کیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مغازی اور فضائل مین کثرت سے لوگون نے مجہول اور لغو روایتین شامل کر دی ہین، اور فن کے ناآشناؤن مین وہ مقبول ہین، اور عوام مین دلپسند ہین،

واقدی کی مدافعت مین تین باتین کہی گئی ہین،

۱- واقدی کی وفات سے ایک نسل بعد کا طریقہ روایت یا طرز تحریر (یعنی حذف اسناد یا خلط اسناد کا طریقہ) قابل اعتراض نہ تھا،

۲- امام زہری اور ابن اسحاق نے بھی ایسا ہی کیا ہے پھر وہ کیون واقدی کے مقابلہ مین معتبر اور مقبول ہین؟

۳- امام بخاری پر بھی لوگون نے جرحین کی ہین، پھر وہ کیون غیر معتبر نہین، اور ان کو اس کے بعد کیا حق رہتا ہے کہ وہ واقدی پر معترض ہون،

گو مین اپنے سابقہ بیانات مین ضمناً ان سوالات کا جواب دے چکا ہون مگر براہ راست بھی دیدینا چاہتا ہون

۱- یہ صحیح نہین ہے کہ واقدی کی ایک نسل بعد تک یہ طرز تحریر یا طریقہ روایت قابل اعتراض نہ تھا، جن لوگون نے واقدی کے اس طرز پر اعتراض کیا ہے وہ اس کے معاصر ہی تھے اس سے ثابت ہوا کہ خود اس کے عہد مین یہ طرز ناپسندیدہ تھا

زہری اور ابن اسحاق کے طرز عمل سے اس پر استدلال کرنا صحیح نہین ہے جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اور آگے پھر کہتا ہون

۲- زہری نے کہین کہین ساری روایتون مین دس پانچ جگہ ایسا کیا ہے، ابن اسحاق نے اس سے زیادہ ایسا کیا ہے لیکن واقدی نے اپنی پوری کی پوری کتاب اسی طرز پر لکھ ڈالی ہے، اسلیے اگر زہری اور ابن اسحاق کی صرف چند روایتین جو اس طرز پر ہین قابل اعتراض ہین، تو واقدی کی پوری کتاب قابل اعتراض ہے، واقدی نے جہان جہان

سند ہی لکھی ہین، ان کو کہین ایک جگہ بھی اصل اخیر شاہد عینی تک پہنچانے کی کوشش نہین کی ہے، یہان تک کہ زہری کی روایتون کا بھی اس نے یہی حال کیا ہو،

زہری باوجودیکہ امام الائمہ اور تمام محدثین کے شیخ اعظم ہین، تاہم ان کی مرفوع متصل روایتون کا مرتبہ جو درجہ مراسیل اور بلاغات کا نہین ہے اور وہ بھی اسی طرح کم وقعت ہین جس طرح دوسرے ثقہ غیر مرفوع اور غیر متصل روایتین، مگر اتنا فرق ہوگا کہ چونکہ زہری بذات خود معتبر ہین اور واقدی جھوٹا، کاذب اور جعلساز ہے، اسلئے زہری کی بے سند روایت کا اعتبار واقدی کی بے سند روایت سے زیادہ ہوگا، اور یہ وہی فرق ہے جو ایک صادق البیان مورخ اور ایک گپ ہانکنے والے مصنف مین تمام دنیا کرتی ہے،

سہ امام بخاری پر دارقطنی وغیرہ نے بیشک اعتراضات کئے ہین لیکن وہ اعتراضات صرف فضل وکمال کی نمایش کیلئے محض اصطلاحی اور لفظی (ٹکنیکل) ہین، واقعی نہین ہین، اسی لیے وہ اعتراضات علماء کے نزدیک ناقابل قبول ٹھیرے اور ابن حجر نے مقدمہ مین ان مین سے ایک ایک اعتراض کو رد کر دیا ہے، علاوہ ازین کسی نے یہ جرأت نہین کی ہے کہ واقدی کی طرح بخاری کو جھوٹا اور دروغگو کہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ بخاری کے چند راویون کی معتبری اور نامعتبری پر بعض لوگون کو اعتراضات ہین، اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ان معترضین کے نزدیک بخاری کی وہ روایتین قابل اعتراض ہونگی، مگر اس سے یہ لازم نہین آئیگا کہ بخاری کی ہزار روایتین فوراً معیار سے گرجائین، برخلاف واقدی کے کہ اسکی ہر غیر مصدق روایت پایۂ اعتبار سے ساقط اور نامعتبر ہے،

بخاری کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے آپنے لکھا ہو کہ اس کے راویون مین ایک ابوہریرہ ہین جنھون نے شق القمر جیسا واقعہ نقل کیا ہے، یہ طرز استدلال تو صحیح نہین، ورنہ دنیا کے ہر مذہب کا مجموعۂ روایت ناقابل تسلیم ہو جائیگا، خواہ وہ نبوت کے ستارہ کا طلوع ہو یا کسی کی موت کے وقت دنیا جہان کا تین دن تک اندھیرا ہوجانا ہو اور اس کے علاوہ سیکڑون ہزارون معجزات ہین، چاند کا پھٹنا، یا پانی پر چلنا عقلاً ممکن ہے یا نہین، اور روٹی اور مچھلی کے چند ٹکڑے سیکڑون انسانون کو یکوقت سیر کر سکتے ہین یا نہین، اسکی بحث کا یہ موقع نہین، مین نے اپنی سیرۃ نبوی کی تیسری جلد مین اسپر کافی بحث کی ہے، اور

ہیوم کے فلسفہ (معجزات) سے متفق ہوں، کہ معجزات ممکن ہیں، بشرطیکہ ان کا ثبوت قطعی شہادت سے ہو سکے، لیکن یہ مباحث اس موقع کے لیے موزون نہیں ہیں، بہرحال آپ بھی ہم سے متفق ہونگے کہ کسی راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا یہ معیار نہیں کہ اس نے کسی معجزہ کی روایت کی ہو، یا نہیں کی ہے، کہ اسکے وقوع اور عدم وقوع اور امکان یا عدم امکان میں ہم سب متفق نہیں ہیں۔

اب میں آگے بڑھکر یہ دعوی کرتا ہوں کہ ابو ہریرہ نے شق قمر کی روایت قطعاً نہیں کی ہے اور نہ بخاری میں انکی یہ روایت مذکور ہے، شق قمر کے راوی صحابہ میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم، علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان وغیرہ ہیں، ابو ہریرہ اس واقعہ کے تقریباً آٹھ برس بعد مسلمان ہو کر اپنے وطن یمن سے مدینہ آئے ہیں، اس بارہ میں ان کا کوئی بیان بخاری میں قطعاً نہیں ہے، اور نہ کسی دوسری کتاب میں میری نظر سے گذرا،

اس الزام کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہو کہ "امام زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھوں نے دباؤ سے مجبور ہو کر جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں" اور میں یہ کہنے کی ہمت نہیں پاتا کہ انگلینڈ کی ایک بڑی یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ایک معمولی عربی عبارت کے سمجھنے میں قصداً غلطی کرتا ہے، یا وہ اضطراراً غلطی پر مجبور رہے خوش قسمتی سے اس نے وہ عبارت بھی نقل کر دی ہو جس کے معنی اس نے یہ سمجھے ہیں کہ زہری نے خود اعتراف کیا ہو کہ انھوں نے بادشاہوں کے دباؤ سے جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں، اصل عبارت یہ ہے

(اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء) بادشاہوں نے ہم کو اس پر مجبور کیا،

اب فوراً سوال ہوتا ہے کہ کس امر پر مجبور کیا؟ اس کا اشارہ الیہ اس منقولہ عبارت میں موجود نہیں، اسلیے جہاں سے یہ عبارت بالا نقل کیگئی ہے، وہیں سے اس کا بقیہ ٹکڑا بھی نقل کر کے فقرہ کو مکمل کیا جائے،

عن عبد الرزاق عن معمر عن الزهري قال كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا عليه هؤلاء الامراء فرأينا ان لا نمنعه احدا من المسلمين
(ابن سعد جزء قسم ثانی صفحہ ۱۳۵)

عبدالرزاق معمر سے اور معمر زہری سے روایت کرتے ہیں کہ زہری کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم (حدیث) کو لکھنا ناپسند کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو بادشاہوں نے (یعنی خلفائے بنو امیہ نے) اس کے لکھنے پر مجبور کیا، اور اب ہم یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان کو اس سے منع نہ کریں،

یہی عبارت مختصر جامع بیان العلم لابن عبد البر صفحہ ۳۰ مصر، تقیید العلم ابن جوزی اور تہذیب التہذیب وغیرہ میں ہے

اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ بعض علماء حدیث کے لکھنے سے منع کرتے تھے، اور وہ نسبت اس سے پرہیز کرتے تھے مگر سلاطین بنو امیہ نے فرمائش کر کے محدثین کو مجبور کر دیا کہ وہ احادیث کو اوراق میں لکھیں اور ان کے تحریری مجموعے ترتیب دیں اور آخر امام زہری کو بھی اسکی مصلحت معلوم ہوئی، اور انھون نے اسکی تعمیل کی، چنانچہ ان کے ترتیب دیئے ہوئے احادیث کے مجموعے ولید کے خزانہ سے اس کے قتل کے بعد برآمد ہوئے (ابن سعد ۲-۲-۱۳۶) غور کیجئے کہان زہری کا یہ اقرار کہ انھون نے سلاطین کی فرمائش سے احادیث کے مجموعے مرتب کئے؛ اور کہان یہ اقرار کہ سلاطین کے مجبور کرنے سے انھون نے حدیثین وضع کین اور گھڑین؟ اللہ اکبر!

بہبین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

فاضل پروفیسر کا یہ کہنا کہ "وہ سندین جو واقدی کی نسبت عمدہ رائین ظاہر کرتی ہین، وہ ان سے جو اسکی تنقیص کرتی ہین ایک نسل مقدم ہین" تحقیق نہین بلکہ فقط واقدی کیساتھ حسن ظن پر مبنی ہے، واقدی کے موافقین اور مخالفین دونون مین اس کے ہمعصر اور اس کے بعد کے لوگ داخل ہین، مزید ثبوت کے لیے ذیل مین دونون کی ولادت اور وفات کی تاریخین لکھدی جاتی ہین، چونکہ واقدی کے موافقین اس کے مخالفین کے مقابلہ مین کم درجہ لوگ ہین اسلیے انکین اکثر کی ولادت کی تاریخین کم از کم مجھکو نہ مل سکین؛

ا۔ محمد بن عمر الواقدی

سنہ ولادت	سنہ وفات
سنہ ۱۳۰ھ	سنہ ۲۰۷ھ

۲۔ موافقین واقدی،

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۱-عبدالعزیز بن محمد دراوردی	×	سنہ ۱۸۶ھ	۲-یزید بن ہارون	سنہ ۱۱۷ھ (شاید)	سنہ ۲۰۶ھ
۳-ابوعبید قاسم بن سلام	سنہ ۱۵۰ھ (شاید)	سنہ ۲۲۴ھ	۴-مصعب بن عبداللہ الزبیری	سنہ ۱۵۶ھ (شاید)	سنہ ۲۳۶ھ

نام	سالِ ولادت	سالِ وفات	نام	سالِ ولادت	سالِ وفات
۵۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر	×	۲۳۴ھ	۸۔ یعقوب بن شیبہ	×	۲۶۲ھ
۶۔ محمد بن اسحاق مسیبی	×	۲۳۶ھ	۹۔ محمد بن اسحاق الصنعانی	×	۲۷۰ھ
۷۔ عباس عنبری	×	۲۴۶ھ	۱۰۔ ابراہیم الحربی	×	۲۸۰ھ

۲۔ مخالفین واقدی

نام	سالِ ولادت	سالِ وفات	نام	سالِ ولادت	سالِ وفات
۱۔ امام شافعی	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ	۹۔ جوزجانی (ابراہیم بن یعقوب)	×	۲۵۶ھ
۲۔ یحیی بن معین	۱۵۸ھ	۲۳۳ھ	۱۰۔ ابوزرعہ رازی	۲۰۰ھ	۲۶۴ھ
۳۔ احمد بن حنبل	۱۶۰ھ	۲۴۱ھ	۱۱۔ ابوداؤد سجستانی	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
۴۔ علی بن المدینی	۱۶۱ھ	۲۳۴ھ	۱۲۔ امام نسائی	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ
۵۔ اسحاق بن راہویہ	۱۶۱ھ	۲۳۸ھ	۱۳۔ ابوبشر دولابی	۲۲۴ھ	۳۱۰ھ
۶۔ محمد بن بشار بندار	۱۶۷ھ	۲۵۲ھ	۱۴۔ ابن عدی	۲۷۷ھ	۳۶۵ھ
۷۔ ابوحاتم رازی	۱۹۵ھ	۲۷۷ھ	۱۵ دارقطنی	۳۰۶ھ	۳۸۵ھ
۸۔ امام بخاری	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ			

امام بخاری کی وفات کا واقدی کی وفات کے پچاس برس بعد واقع ہونا ان دونوں کی معاصرت کی نفی کی کوئی دلیل نہیں، معاصرت کا حساب دونوں کی زندگیوں کے کم و بیش ایکجا ہونے سے لگایا جاتا ہے نہ موت سے، واقدی نے ۲۰۷ھ میں وفات پائی اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے ہیں، اسلیے وہ اس وقت ۱۳ برس کے طالب العلم تھے اور واقدی کے ذاتی طور سے ملنے والے اور جاننے والے تمام درسگاہوں میں موجود تھے، امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں جو کچھ لکھا ہے اسکا یہی مطلب ہے، انھوں نے واقدی کے متعلق لکھا ہے (ص ۲۲۸۔ الہ آباد) ترکوہ یعنی لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے، یہ ظاہر

کہ یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو امام بخاری سے پہلے کے تھے یا انکے زمانہ میں تھے، پہلی صورت میں یہ چھوڑنے والے خود واقدی کے معاصرین ہونگے اور دوسری صورت میں کچھ معاصر ہونگے، اور کچھ معاصرین سے سننے والے ہونگے اس سے ثابت ہوا کہ بخاری کے مرنے سے واقدی کا پچاس برس پہلے مرجانا، بخاری کی واقدی سے عدم واقفیت کی دلیل نہیں ہو سکتی، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہوگا کہ وہ بچپن سے تحصیل علم میں مصروف ہوگئے تھے اور واقدی کی وفات کے دو برس بعد ہی وہ عرب جانے کے لیے عراق پہنچ چکے تھے۔

بہر حال موافقین کی ولادت کی تاریخیں چونکہ کمتر معلوم ہیں اسلیے واقدی المتولد ۱۳۰ھ والمتوفی ۲۰۷ھ کے معاصرین کا حال پورے یقین سے نہیں معلوم ہو سکتا، تاہم مخالفین کی تاریخوں کی نظیر سامنے رکھکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۵ھ تک جس نے وفات پائی ہے، اس نے واقدی کا زمانہ پایا ہے، اس لحاظ سے موافقین میں سے نمبر ۷ تک یعنی عباس عنبری تک اسکے معاصرین میں ہیں، اور تین متاخرین،

مخالفین میں امام شافعی المتولد ۱۵۰ھ، یحیی بن معین المتولد ۱۵۸ھ، احمد بن حنبل المتولد ۱۶۴ھ، علی بن المدینی المتولد ۱۶۱ھ، اسحاق بن راہویہ المتولد ۱۶۱ھ، بندار المتولد ۱۶۷ھ، چھ ایسے جلیل القدر ائمہ فن ہیں جنھوں نے اسکی ہمعصری کا زمانہ پایا ہے اور کم از کم ۵ برس سے ۴۰ برس تک ان سے انکی معاصرت قائم رہی ہے، واقدی کی وفات کے وقت، امام بخاری کی عمر ۱۴ برس کی تھی، جیسا کہ ابھی کہا گیا، ابوحاتم رازی کی عمر اس وقت ۱۳ برس کی، اور ابو زرعہ رازی کی عمر ۽ برس کی تھی، اور اس وقت واقدی کا چرچا درس کے ان حلقوں میں کافی موجود ہوگا جنمیں جاکر وہ بیٹھے، بقیہ اشخاص کی رائیں ذاتی تجربہ پر نہیں بلکہ واقدی کے مجموعوں، اور اپنے ان شیوخ کی آرا پر مبنی ہیں جنھوں واقدی کو خود دیکھا تھا، یا واقدی کے دیکھنے والوں کو دیکھا تھا، البتہ ابو بشر دولابی، ابن عدی اور دارقطنی کی رائیں، اس کے متعلق اسکے معاصر جمہور علما، اور بعد کے اکابر کے اختتامی فیصلہ پر مبنی ہیں، اسلیے واقدی کے معاملہ کے متعلق یہ اصول صحیح نہ ہوگا کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو علی سند تسلیم کریں تو بمشکل مناسب ہوگا کہ بعد کی نسل کے ہتیا توجنیس کی بلا دلیل رایوں کی بنا پر اس کو جھوٹا کہکر بدنام کیا جائے۔

واقدی کے مخالفین اور موافقین کی ترازو کا فیصلہ دو اور پاسنگ سے بھی ہو سکتا ہے، ایک ان کے

ل وکمال، جمہور اہل عصر میں ان کے اعتبار و استناد، اور انکی شہرت اور عزت کی بنا پر، چنانچہ آپ خود فیصلہ کر سکتے
ہین، کہ بحیثیت ایک سچے طالب العلم، سلام کے ان دو جماعتون مین سے آپ سب سے زیادہ کس سے واقف
ہین، اور اسلامی لٹریچر مین کس کے نام کو اہمیت اور کس کی رائے کو وقعت حاصل ہے؟ امام شافعی، امام بخاری،
علی بن مدینی، ابن حنبل، ابن معین اور ابن راہویہ کو یا دراوردی، زبیری، مسیبی، یزید بن ہارون اور عنبری کو
دوسرا ترجیحی معیار یہ ہے کہ واقدی کا ابتدائی زمانہ گو مدینہ مین گذرا، لیکن اسکی عمر کا بڑا حصہ بغداد مین بسر
ہوا، اور وہین اس کو شہرت حاصل ہوئی، اس بنا پر ان ائمہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہے جو بغداد اور عراق مین
عموماً سکونت رکھتے تھے، یا اکثر آتے جاتے تھے، اس حیثیت سے ان دونون جماعتون کا یہ حال ہے، کہ
دراوردی مدینہ مین رہے ۱۸۶ھ مین وفات پائی اور بغداد آکر واقدی مین جو خاص انقلاب ہوا اور جو
انکی موت سے کم از کم ۲۲ برس بعد تک رہا، اسکی واقفیت سے وہ قطعاً محروم رہے، اسلیے ان کی رائے واقدی
کی صرف مدنی زندگی تک محدود رہے، بقیہ مین ایک زبیری البتہ بغداد مین رہتے تھے، ابن نمیر کوفہ مین اور
یزید بن ہارون واسط مین رہتے تھے، مگر مخالفین کو دیکھو کہ ان مین بیشتر اصحاب یا بغداد ہی مین رہتے تھے
یا بہت دنون تک مدینہ اور بغداد دونون مین رہے تھے، چنانچہ احمد بن حنبل، اور یحیی بن معین خاص بغداد
کے تھے، علی بن مدینی مدینہ اور بصرہ مین تھے، بندار بصرہ اور بغداد مین سکونت رکھتے تھے، اسحاق بن راہویہ
عراق ہی مین سکونت پذیر تھے، امام شافعی مدینہ مین رہے اور بغداد بھی آتے رہے، نتیجہ صاف ظاہر ہے،

نفسیات ترغیب

مصنفہ پروفیسر ریاض الدین صاحب اورنگ آباد کالج

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز، یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اسکے نفسیاتی اصول
کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلئے تاجر،
مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سبکو اس کتاب کی ضرورت ہے، قیمت عا

نفسیات جذبات

از

جناب احمد عبد الولی صاحب بی اے (عثمانیہ) حیدرآباد (دکن)

کوئی مہذب سوسائٹی، کوئی اعلی بزم صحبت، کوئی ناانصفانہ معرکہ، کوئی ظالمانہ رزم، کوئی مذہبی اجتماع، کوئی معاشری مناقشہ ایسا نہین جنمین جذبات کی کارفرمائی نہ ہو، جہان تک زندگی کا تعلق ہے، جذبات کی ہمہ گیری سے مفر کی راہ نہین، زندگی کے ہر دور مین عمر کی ہر منزل مین ایام زیست کے ہر لمحہ مین جذبات کا استیلا قائم رہتا ہے تاہم جب کبھی ہم "جذبات" کا لفظ بولتے یا سنتے ہین تو بجائے اس کے کہ کوئی خاص مفہوم ہماری سمجھ مین آئے، غم وغصہ، خوف وخوشی، اُمید وبیم، شادی وراحت کی مختلف متفاوت صورتین ہمارے آئینۂ ذہن پر منعکس ہوتی ہین، لیکن اتنا ضرور ہے کہ جذبات کی انہین مختلف ومتفاوت صورتون مین سے ہر ایک مین کوئی نہ کوئی بات مشترک ہے جس کے سبب سے ان سبھون پر ایک ہی صورت سے جذبات کا اطلاق ہوتا ہے،

(Introspection) مشاہدۂ باطن کی روسے ہم کہہ سکتے ہین کہ جذبہ "ذہن کی حالتِ اختلال کا نام ہے" مگر جو تعریف مشاہدۂ خارجی کی روسے کیجائے وہ شاید زیادہ بہتر ہوگی، کیونکہ کسی جذبہ مثلاً غصہ کو لین اور اسکی ماہیت پر غور کرین تو معلوم ہوگا کہ وہ بہ نسبت ذہنی حالت کے زیادہ تر کسی فرد کی جسمانی حالت ہوگی، اسلیے ذہنی حالت کے بجائے فرد کی جسمی حالت کہی جائے، تو جذبہ کی تعریف نسبتہً بہتر ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ "جذبہ فرد کی ایسی جسمی حالتِ اختلال کا نام ہے جس کا شعور ہوتا ہے" یہ تو نہین ہوسکتا کہ کوئی شخص حالتِ غضب مین ہو اور اس حالت کو معلوم

نہ کرسکے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ فرد کی عضوی حالت مین اختلال ہو، اور اسکی ذہنی حالت بلاکسی خلل کے مطمئن رہے،

جذبہ، غم و غصہ، خوف و خوشی کے عمل و احساس دونون موقعون پر استعمال ہوتا ہے، اسکی وسعت غیر معمولی طور پر زیادہ ہے، مدرکہ شعور کی ادنی صورتون سے لیکر تخیل و تصوریت کی اعلیٰ فعلیتون تک جذبہ کی اصل صورت ایک ہی ہے، اس خصوص مین کیا بچہ! کیا جوان! کیا بوڑھا! سب برابر ہین مثلاً بچہ کھلونے کے توڑ دینے سے چلا اوٹھیگا، جوان آدمی گالی کھاکر غضبناک ہوگا، اور سن رسیدہ انسان اپنی بات تسلیم نہ کرنے پر بگڑ بیٹھیگا، یہان تک کہ بڑے بڑے اولیا، اوتار، مرتاض و زہاد، بھی کلیۃً غضب سے خالی نہ تھے، اسی طرح غصہ کی تحریک کے کئی مختلف اسباب ہو سکتے ہین، لیکن عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ خواہ کسی قسم کی رکاوٹ یا مخالفت ہو غصہ پیدا کرے گی، مثلاً کتے یا کسی اور جانور کے بچہ کو چھیڑنا یا کھاتے وقت خلل انداز ہونا یا اسکی دم پکڑ کر کھینچنا غصہ پیدا کرے گا، غرض غصہ کے محرکات عام ہوتے ہین، کوئی خاص قسم ان محرکات کی نہین ہوتی، اور جذبی کردار بھی جنہین جذبات پیاپے ظاہر ہوتے ہین، اپنی نوعیت مین عام ہوتا ہے، غضب ناک کتے کے کردار مین عموماً اس کے جسم کا خاص انداز، دانتون کا باہر نکالنا، پے در پے بھونکنا، اور کاٹنے کے لئے دوڑنا، یہی باتین دیکھی جاتی ہین،

جذبی حالات کی دو حالتین (Origin) ہین جنہین امتیاز پیدا کرنا نہایت ضروری ہے، کبھی تو مقررہ ادراکات یا خیالات جذبہ کا باعث ہون گے جیسا کہ اچھی خبر خوشی کا جذبہ طاری کرتی ہے، اس کے برخلاف کبھی عضوی تغیرات جذبہ پیدا کرتے ہین مثلاً الکحل یا کسی دوسری دوا کے استعمال سے ایک جذبی حالت انسان پر طاری ہوتی ہے اور پھر انسان کا مزاج تندرستی کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، ایک قوی و تندرست آدمی کی جو خوش گوار زندگی ہو سکتی ہے، وہ ایک کمزور و دائم المرض شخص کی ہرگز نہین ہو سکتی، یہ ایک عام واقعہ ہے کہ معمولی سی بات پر بیمار آدمی چراغ پا ہوتا ہے اور صحیح و تندرست آدمی پر اس بات کا کوئی اثر نہین پڑتا،

جذبہ اور کیفیت جذبی مین بھی فرق کرنا چاہیئے، جذبہ تو کسی مقررہ موضوع سے متعلق ہوتا ہے، لیکن عام حالت بیقراری مین جو جذبی کیفیت نیند کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے ظاہر ہوتی ہے کوئی متعین موضوع نہین رکھتی، بلکہ ایک موضوع سے دوسرے پر گذرتی رہتی ہے، اکثر اوقات آپنے دیکھا ہوگا کہ وہ شخص جو صبح سویرے بدمزگی سے اٹھتا ہو ہر پیش آنے والی بات سے، ہر واقع ہونے والی شے سے مشتعل ہوتا ہیگا، اسی طرح ایک جذبی کیفیت خواہ اصلیت کچھ ہی ہو ایک دفعہ مشتعل ہونے کے بعد باقی رہتی ہے اور ہر پیش ہونے والے موضوع پر بھڑک جاتی ہے، جذبہ کی ایک اور ماہیت بھی ہے جسکو صورت اضافی (Periodical) کہا جاتا ہے،

اوپر جن جذبات کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض عام عضوی تغیرات کی وجہ سے یا مقررہ ادراکات یا خیالات کے باعث وجود پذیر تھے، ان کے علاوہ بعض جذبات اور ہین جو عام حالات اور واقع کی بنا پر پیدا ہوتے ہین، یہ جذبات عموماً ثانوی درجہ کے مظاہر ہین، اور خاص خاص میلانات کے سبب سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً اگر کسی کتے کے منھ سے ہڈی چھین لیجائے تو اس کے غصہ کا اظہار مخصوص بھوک کی جھنجھلاہٹ کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح کتیا کا اپنے پلون کی چھیڑخانی پر غضبناک ہونا بچون کی پرورش اور حفاظت کے میلان توالدین کو ظاہر کرتا ہے،

جذبہ کی اہم ترین ماہیت، جسمانی تغیرات ہین جو جذبہ کی حالت مین ظاہر ہوتے ہین اور جذبہ کا نہایت ہی لازمی و ضروری جزو ہین، انھی جسمانی تغیرات پر جیمس اور لینگ دو بڑے ماہرین نفسیات نے اپنے اپنے نظریون کی بنیاد قائم کی ہے، ہمارا ہر روز کا تجربہ جو فہم عام (Common sence) کے بالکل مطابق ہے، یہی بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا کانپ رہا ہے تو اس وجہ سے کہ وہ خائف ہے اگر کوئی آنسو بہار ہا ہے تو اسلیے کہ وہ غمزدہ ہے لیکن مسٹر جیمس اس ترتیب واقعات کو بدل کر یہ کہتے ہین کہ حقیقت مین ایسا نہین ہوتا بلکہ یون سمجھنا چاہیئے کہ "اگر ہم خوفزدہ ہین تو اسلئے

کانپ رہی ہیں اور اگر غمزدہ ہیں تو اسلیے کہ رو رہے ہیں" مسٹر جیمس کا یہ قول بظاہر ناظرین کو نہایت ہی مستبعد اور بعید از قیاس معلوم ہو گر ذرا غور اور تامل سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ جذبہ میں ایک ذہنی حالت فوراً دوسری ذہنی حالت سے متاثر نہیں ہو سکتی، اسلئے ان دونوں حالتوں کے مابین جسمانی تغیرات ضروری طور سے واقع ہونے چاہئیں" اس سے جیمس کی مراد یہ ہے کہ خوف کھانے کی شعوری حالت کانپنے اور تھرانے کے احساسات (Sensations) سے ملکر بنتی ہے جسمین دیگر عضلات اور غددی جوابات کے احساسات بھی بھی شامل ہوتے ہین، یعنی سمجھئے کہ کسی خطرہ کی محض واقفیت جبتک کہ وہ کپکپی اور اسی قسم کی دوسری علامتین پیدا نہ کرے اور اس کے (Sensation) احساسات معلوم نہ ہون خوف کی مکمل حالت نہین ہوتی بغیر ان جسمانی حالات اور تغیرات کے جو کسی جذبہ کا رد عمل (Reaction) پیدا کرنے والے خارجی واقعہ کے ادراک کے بعد ہونگے، خوف زدگی بلا کسی جذبہ کے ایک زرد بے رنگ واقفیت رہجائیگی فرض کیجئے کہ اس حالت مین اگر کوئی شخص کہین جنگل مین زندہ شیر دیکھ پائے تو یہی مناسب سمجھیگا کہ کسی طرح بھاگ جائے اور اگر کسی نے بے حرمتی کی ہو تو انتقام کا منصوبہ باندھے لیکن فی الحقیقت ان افعال مین نہ تو کوئی گھبراہٹ ہو گی اور نہ کسی قسم کا غضب ہی دیکھا جائے گا۔

گو نظریۂ جیمس اپنی جگہ پر کتنا ہی عسیر الفہم کیون نہ ہو، مگر اتنا سچ ہے کہ اسنے تمام دنیا کے نفسیات مین کھلبلی مچا دی ہے بعض تو اس کے سرے سے منکر ہین، بعض نیم رضامند ہین، اور بعض آمادۂ تسلیم ہین اور فی زمانہ نا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اکثریت اسکو مانتی جاتی ہے، جیمس کے اس نظریہ پر جو مختلف اعتراضات کئے گئے مین حقیقت یہ ہے کہ وہ یا تو بالکل سطحی ہین، یا غلطی پر مبنی ہین اور ان کی جواب دہی مین کوئی دشواری نہین ہم ان اعتراضات کو جوابات کے ساتھ ساتھ ذیل مین قلمبند کرتے ہین،

پہلا اعتراض یہ کیا گیا ہو کہ گو جذبہ کی حالت مین اختلال جسمانی ظاہر ہوتا ہے لیکن جسمانی اختلال کو کسی طرح بھی جذبہ نہین کہہ سکتے کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر شخص جو پانی مین گرتا ہے اسمین

یقیناً تموج پیدا کرتا ہے اور وہ تموج اس کے گرنے کیساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، اور ان دونون واقعات کے مابین ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہین ہوتا، تاہم پتھر کو کبھی تموج نہین کہہ سکتے اور نہ تموج کو پتھر کہہ سکتے ہین، اس اعتراض کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ جیمس یہ کبھی نہین کہتا کہ جسمانی اختلال ہی "جذبہ" ہے بلکہ اس کا کہنا صرف اتنا ہے کہ اختلال جسمانی صورتِ جذبہ کا ایک اہم جزو ہے، اور بس، پس اس اعتراض کی کمزوری ظاہر ہے،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جذبہ اختلال جسمانی کا نسور ہے، تو پھر کیون ایک ہی جذبہ مختلف افراد مین مختلف طور پر، اور مختلف حالات مین ایک ہی فرد پر مختلف صورتون سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً جب خوف کا جذبہ طاری ہوتا ہے، بعض یکایک چلا اٹھتے ہین، بعض اٹھ کھڑے ہوتے ہین، اور بعض لوگون کو سکتہ ہو جاتا ہے، اور بعض رو پڑتے ہین۔ اسکی جواب دہی کی دو صورتین ہونگی،

(ا) پہلی تو یہ کہ خوف (سکتہ ہونے، کھڑے ہو جانے، رونے یا چلانے) کی صورتون مین سے ہر ایک مین ایک ہی احساس نہین رکھتا، کیونکہ جسمانی اختلال کی نوعیت بھی چلانے کی صورت مین اس صورت سے مختلف ہوگی جو بھاگ جانے یا رو پڑنے کی صورت مین ہوتی ہے، علی ہذا خوف سے زرد پڑ جانے کی صورت سکتہ کے عالم سے متمائز ہوگی،

(ب) دوسری یہ ہے کہ بفرض محال اگر خوف کی مختلف مثالون مین سے ہر ایک مین لازمی طور سے ایک ہی احساس یا کیفیت پائی جائے تو اس کے لیے اختلال جسمانی کا ایک ایسا اندرونی حصہ (Core) اس سے قبل فرض کرنا ہوگا جو تمام حالتون مین جزو مشترک کی حیثیت سے رہتا ہے، اور ہر کامل جذبہ کی حالت مین ایک ہی اختلال جسمانی پیدا کرتا ہے مگر یہ فرض سرے سے بے بنیاد و غیر ثابت ہے،

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مختلف و متفاوت جذبات اکثر ایک صورت مین ظاہر ہوتے ہین جسکی نظریۂ جیمس کے ذریعہ توجیہ نہین ہو سکتی، جس طرح انسان وفور غم سے رو پڑتا ہے اسی طرح انتہائی خوشی مین آنسو بہاتا ہے، بعض لوگ حالتِ خوف کی طرح غصہ مین بھی زرد پڑ جاتے ہین، اور جہان کثرتِ غم کی وجہ سے

مرگ مفاجات دیکھی جاتی ہے، وہان شادی مرگ بھی ایک نمایان حقیقت رکھتی ہے" اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ جہان جذبی کیفیتین فی الحقیقت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہین، اور ان کے مظاہر بھی گونا گونی دیکھی جاتی ہے، یہ اختلافات اختلال عضوی کے اندرونی حصہ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہین جو مختلف حالات مین مختلف ہوتا ہے، اور جن صورتون مین ایک جذبہ کا جسمانی اختلال دوسرے جذبہ کے جسمانی اختلال سے مطابق ہوتا ہے، جو اکثر حالتون مین حقیقتہً دیکھا جاتا ہے، وہان اس بات کا یادرکھنا ضروری ہے کہ وہ یکسانی اور مطابقت ظاہری ہوتی ہے، اندرونی نہین ہوتی جسکی بنا پر ہر فرد انسان بخوبی جان سکتا ہے کہ وہ انتہائی قہر و غضب کی حالت مین ہے یا کسی رنج و محن مین یعنی یہ کیفیت کسی دشمن کے درپے تضحیک ہونے کی وجہ سے ہے، یا کسی عزیز کے انتقال پرملال کے باعث، اس کے علاوہ بظاہر دیکھنے والون کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی جواب (Internal Responses) غصہ اور خوف کی ہر دو حالتون مین (اگر وہ حالتین قوی اور زبردست ہون) ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اگر تہ کی بات پہچانین تو معلوم ہوگا کہ خوف کسی خطرہ سے بچنے کا نتیجہ ہے اور غصہ کسی پر جھپٹنے یا حملہ کرنے کا، اس مین شک نہین کہ عضوی حالات ہر دو صورتون مین بالکل مشابہ ہین لیکن تیاری ایک حالت کی دوسری حالت کے مقابلہ مین بالکل مختلف ہوتی ہے، چنانچہ غصہ کی عضوی حالت کبھی بچاؤ کا میلان نہین پیدا کر سکتی، اور نہ خوف کی عضوی حالت لڑائی کے میلان کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ یہ دونون میلانات باوجود عضوی حالات کی مشابہت کے اس قدر مختلف ہین کہ یہ خطرناک یا موضوع مخالف کے درک کیساتھ ہی مشتعل ہو جاتے ہین اور ان کی ترتیب مین پہلا جواب (Escape Response) وہ ہوتا ہے جو ہماری طرف سے کسی خوفناک شئے مثلاً شیر یا کسی وحشی درندہ کو دیکھنے کے بعد دیا جاتا ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو خوفناک محل کی واقفیت کے بعد دیا جاتا ہے، تیسرا جواب بچاؤ کی تیاری ہے، چوتھا جواب فوری بچاؤ نہ ہونے کی صورت مین اندرونی استعدادی ردّ اعمال (Preparatory Reaction) بیرونی مظہری حرکات اور ان حرکتون سے

جو بچاؤ کی تحت مین اختیار کئے گئے ہون مرکب ہوتا ہے، پانچوان جواب شعوری اختلال کی حالت ہے جسمین تمام استعدادی ردِ اعمال کے حسیات بھی شامل ہین، چھٹا جواب تعین کے ساتھ بچاؤ کا ردعمل ہے اور ساتوان یعنی آخری جواب اطمینان ورہائی کا ہوتا ہے،

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ کسی جذبہ کا ظہور اختلال جسمانی سے پہلے ہوتا ہے اور قبل اس کے کہ اختلال جسمانی رفع ہو جذبہ خود کافور ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص پر کتا اچانک حملہ کر بیٹھے تو اس شخص مین بظاہر اختلال جسمانی سے پہلے گھبراہٹ پیدا ہوگی، اور جب وہ یہ دیکھے گا کہ کتا اسکی ذات تک پہنچنے سے قاصر ہے، تو خوف فوراً دل سے جاتا رہے گا، مگر جسمانی گھبراہٹ کچھ دیر ضرور باقی رہے گی" نظریہ جمیس کی رو سے اس کا جواب بھی دو طرح سے دیا جا سکتا ہے،

۱۔ پہلے تو یہ کہ بعض بنیادی اندرونی عضوی تغیرات بیرونی جسمی مظاہر (Manifestation) سے قبل ظاہر ہوتے ہین، اور خوف کے ابتدائی ظہور کی خبر دیتے ہین، اور یہی اندرونی تغیرات اس واقعیت کے بعد کہ موجودہ حالت مین کتے کا نقصان پہنچانا بالکل بعید از قیاس ہے رک جاتے ہین، جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف ہوا ہو جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب تک زیادہ سے زیادہ جسمانی اختلال غائب نہ ہو لے خوف حقیقت مین غائب نہین ہوتا، گو خوف کی کیفیت بدل جاتی ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ خوف باقی رہتا ہے، اکثر صورتون مین یہ بات درپیش ہوتی ہے کہ خوف کسی اور جذبہ کو اپنا قائم مقام بناتا ہے، جو جذبۂ طمانیت ہے اور جو اپنے دورے مین بعض خاص عضوی تغیرات اور اختلاف تنفس وغیرہ کے ہمراہ ہوتا ہے،

پانچوان اعتراض جن لوگون نے جمیس کے نظریہ کی مخالفت مین کیا ہے، اس کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ انھون نے جذبہ کو تہیج سے خلط ملط کر دیا ہے، ان کے نزدیک خوف "خطرہ سے بچاؤ کی خواہش" اور غصہ "محرکِ غضب پر حملہ کی خواہش ہے"، ان کے اذعان مین جذبہ ایک قسم کی پرخلل جسمانی حالت نہین، بلکہ محض ایک میلان یا تہیج (Impulse) کسی فعل یا نتیجہ کی طرف ہے جس کو وہ

اندرونی شعور کی صورت تصور کرتے ہین، لیکن یہ خیال صریحی غلط ہے اس لیے کہ بچاؤ کا میلان تو خطرہ کے ادراک کے ساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، وہ نہ تو کسی کے پھریری لینے پر منحصر ہوتا ہے اور نہ بخوف ہونے پر، چنانچہ بعض اوقات قبل اسکے کہ خوف کی کپکپی محسوس کرین، دفعیہ رد اعمال کر بیٹھتے ہین اور ان کے بعد کہین خوف طاری ہوتا ہے اور کانپنے لگتے ہین، بعض وہمی آدمی تو بلا وجہ خائف ہوتے ہین پھر بعد مین اپنے خوف کو کسی نہ کسی غیر متعلق چیز سے ضرور منسوب کر دیتے ہین، اگر کوئی ڈراونی تصویر یا تیرہ کا ہندسہ جو عوام کے نزدیک منحوس ہے ان کے سامنے آجائے تو ان کے قیاس مین جذبۂ خوف کی علت تامہ ہوگا، لہذا اگر محض خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کا تہیج ہے، تو ہمارا خطرہ کی واقفیت سے پہلے اپنا تحفظ اور بچاؤ کرنا بالکل بے معنی اور لغو ہوگا، اس کے علاوہ علم النفس نے حال ہی مین جذبہ اور تہیج مین نمایان فرق قائم کیا ہے، شعوری نقطۂ نظر سے کہا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک طرح کا احساس ہے" اور تہیج "کچھ کرنے کی خواہش"، پھر کرداری نقطۂ نظر سے بیان کیا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک عضوی حالت ہے" اور تہیج "مراکز عصبی کی کسی رد عمل کی طرف تیاری"، ماسوا اس کے تہیج ایک شعوری میلان ہے، چونکہ جذبہ اور تہیجات اکثر ساتھ ساتھ موجود ہوتے ہین، اسلیے بعض ماہرین نفسیات کو دھوکا ہوا، ورنہ دونون کی نوعیت مین بہت بڑا فرق ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اب تک جتنے اعتراضات بھی جیمس کے نظریہ کی مخالفت مین وارد کیے گئے ہین، یا تو ان کی جواب دہی کسی نہ کسی طرح ہو سکتی ہے، یا وہ کوئی ایسی اہمیت نہین رکھتے جس کے لیے جواب دینے کی زحمت گوارا کیجا وے، چونکہ عموماً جس طرح سیاہی سفیدی کو یا ظلمت نور کو نمایان کرتی ہے، کوئی اور شے واضح نہین کر سکتی، اسلیے ہمنے نظریۂ جیمس کے اعتراضی و جوابی ہر دو پہلو ایک ساتھ دکھائے ہین، مگر ان اعتراضات سے باز آنے پر بھی چند ایسے واقعات ہمارے پیش نظر ہین جنسے کوئی ماہر نفسیات (Pathologist) قطع نظر نہین کر سکتا، کہا جاتا ہے کہ مسٹر ہیلس (Mr. Hales) نامی ایک شخص تھا جس کے ایک بیٹے کے جلد

آلاتِ حس بجز ایک آنکھ اور کان کے ایام طفولیت ہی سے بیکار تھے، اسلیے خوبی کا مکمل احساس اس کے
سلیے قریب قریب مفقود تھا، اور تقریباً تمام احساسی تہیجات ناپید ہو چکے تھے تاہم وہ غم اور شرمندگی
کے جذبات کا اظہار کرنے پر قادر تھا اب بیان پر دو باتون کا امکان ہوسکتا ہے، یا تو وہ چند رد
اعمال سے جو ایک آنکھ اور کان سے متعلق تھے سطحی طور پر (SUPERFICIALLY) گذرتا تھا
یا یہ کہ حقیقت مین اس پر جذبات بھی طاری ہوتے تھے، مگر اس قسم کی مثالون مین آخری صورت کی
بہت کم توقع کیجاتی ہے، کیونکہ جب تک خوبی کا احساس پیدائش ہی سے مکمل نہ ہو محض گذشتہ تجربات
کا کافی حافظہ اگر کسی فرد پر اصلی جذبہ طاری کرسکتا ہے تو وہ جذبہ نہایت ہی کمزور ہوگا، اس کے علاوہ
ایک اور عالم نفسیات مسٹر شیرنگٹن نامی نے کتون پر نفسیاتی تجربے کیے تھے جسمین انھون نے جسمانی
قطع و برید سے بھی کام لیا تھا یعنی ان کتون کے نخاع (SPINAL CORD) ٹھیک
(MEDULLA) نخاع مستطیل کے نیچے تک کاٹ دیئے تھے اسی طرح معدہ، شش اور دل کو علیحدہ کرنے
کے بعد بھی احساسی تہیجات غائب نہ تھے اور ان کتون کے سر اور آگے کے آلات حس سے جذباتی
مظاہر نمایان ہوتے تھے، اسلیے مسٹر شیرنگٹن کا یہ خیال ہے کہ عضوی کاروائی جذبی شعور کا کوئی لازمی
جزو نہین، لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہین ہے، کیونکہ نہ معلوم نخاع اور دیگر اعصاب کی
قطع و برید سے کتنا جذبی جسم قطع ہوتا ہے اور کتنا باقی رہتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ریڑھ دار
حیوانات کیون بعض جبلی ردِّ اعمال سے بالکل محروم سمجھے جائین، جنکی فعلیت کے لئے نخاع کے کاٹ
دیئے جانے کے بعد بھی آنکھ، ناک، منھ، کان جبڑا وغیرہ تجربہ کی حالت مین صحیح و سالم رہتے ہین، اور وہ
دماغ کو تہیجات پہنچا سکتے ہین، ہیکلس اور ہولمز (HEACLES & HOLMES) کے تجربی نتائج بھی
ہمارے خیال کی تائید کرتے ہین، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ سیریر (THALMUS) جذبات
کے مظاہر مین لازمی طور سے متعلق ہوتی ہے اور یہ کہ غلاف (CORTER) اس پر حکم امتناع

کا اثر رکھتا ہے، اکثر علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتدائی جذبات صرف غصہ، خوشی، تجسس، شہوت، امید و بیم ہیں جو کبھی تجربہ سے اکتساب نہیں کئے جا سکتے بلکہ صرف خلقی ساخت یا اندرونی بناوٹ کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں یا وہ محض ذہنی حالتیں ہیں یا کردار میں داخل ہونے کی وجہ سے جبلتوں کے مشابہ ہیں، غرض جذبہ وہ شعوری حالت ہے جس کے ضروری خصوصیات بعض عضوی تغیرات اور اندرونی حرکی جلدی تجربات ہیں،

ایک فرق جذبی اور جبلی کردار میں یہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ جذبہ اندرونی جوابات (INTERNAL RESPONSES) پر مشتمل ہوتا ہے، اور جبلت باہر کی طرف راجع ہوتی ہے، یا کم سے کم جبلی افعال کو کسی بیرونی مقصد پر محمول کرتی ہے، جذبہ، جبلت دونوں صورتوں میں جزو مشترک ایک بنیادی ابتدائی تہیج اور ناقابل مدافعت حقیقت ہوتی ہے، اس کے علاوہ کئی ابتدائی جذبات (PRELIMINARY EMOTIONS) خاص خاص جبلتوں سے پیوستہ ہیں، خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کی جبلت سے، غصہ کا لڑائی کی جبلت سے، شہوت کا رجولیت کی جبلت سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور اسی طرح جذبہ تجسس تفتیشی جبلت کا جوڑ ہے، جہاں کہیں جذبہ ہوتا ہے، وہیں فعل کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے، جو کسی اتمامی نتیجہ پر پہنچاتا ہے،

ڈاکٹر میکڈوگل نے اپنی کتاب نفسیات میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ:-

ابتدائی جذبہ محض جبلت کی ایک احساسی (EFFECTIVE) صورت ہے اور یہ کہ ہر جبلت اپنا مخصوص جذبہ اور ایک خاص کیفیت رکھتی ہے، لیکن کسی جذبہ کو جبلت کے عمل کی احساسی صورت سے مطابق کرنے میں ابھی تک تین اہم حقائق غیر واضح ہیں جنکی نظریہ میکڈوگل کے لحاظ سے کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی

(الف) پہلے تو یہ ہے کہ جبلت بغیر کسی جذبہ کو مشتعل کئے خود مشتعل ہو سکتی ہے، اور کردار کو بھی مشتعل کر سکتی ہے جو اسکی خصوصیت ہے،

(ب) دوسرے یہ ہے کہ ایک جذبہ کی تحت میں صرف ایک ہی جبلت نہ ہوگی بلکہ کئی جبلتیں ہونگی

(ج) تیسری بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہی جبلت مختلف جذبات کے نظامات مین مرتب نظر آئینگی،

پہلی صورت مین وہ سادہ جبلتین جو کھڑے رہنے، چلنے وغیرہ مین کام آتی ہین، خارجی حیثیت سے کسی جذبے سے ملی ہوئی نہین ہوتین اور نہ کسی جذبہ کا اشتعال ان کے ہمراہ ہوتا ہے، مگر جس طرح نقل و محاکات کے اندرونی میلانات اپنے تہیجات رکھتے ہین اسی طرح جبلتین بھی اپنے مخصوص تہیجات رکھتی ہین، اور جب ہم شاخ در شاخ جبلتین جو ابتدائی جذبہ کے ماتحت نظر آتی ہین، غور سے دیکھتے ہین تو ان مین ایک یا دوسری جبلت جذبہ سے بطور خلقی کے ملی ہوئی ہوتی ہے، چنانچہ لڑنے کی مختلف جبلتین جانورون کے غصہ سے پیوستہ ہوتی ہین

اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جبلتین بعض دفعہ مشتعل ہوتی ہین تو بغیر جذبات کو ابھارنے کے خصوصی کردار کو اشتعال دیتی ہین، مثلاً جب ہمارا کسی وحشت ناک مقام پر گذر ہوتا ہے تو بعض دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم خود بخود خوف کا مقابلہ کرتے ہین، تیزی، دلجمعی، و طمانیت سے پر سکوت حرکات کو عمل مین لاتے ہین اور آخر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام وحشت سے بلا کسی تاثر جذبہ کے چلتے پھرتے نظر آئے۔ یہ اکثر بات ہے کہ ہم اکثر گذشتہ وحشت انگیز واقعات کا خیال کرکے جذبہ محسوس کرتے ہین، یہی نہین بلکہ بعض موقعون پر تو بغیر کسی جذبہ کے ڈر بھی سکتے ہین، دراصل ہوتا یہ ہے کہ چلنے، پھرنے، اٹھنے بیٹھنے دوڑنے بھاگنے کی حالت مین چونکہ حرکات جلد جلد صادر ہوتے ہین، اسلیے ہمین جذبہ معلوم کرنے کا کوئی موقع ہی نہین ملتا اس کے برخلاف حالت سکون مین ہم انتہائی جذبہ معلوم کرتے ہین مثلاً کسی ایسے مقام پر جہان سے ہماری رہائی کا خیال ہی نہین ہو سکتا ہے انتہا خوف ہم پر طاری ہو جاتا ہے، کسی جبلت کی باز داشت وہ شے ہے جو اکثر اوقات اس کے ساتھ والے جذبہ کو بار بار ابھارتی ہے اس لیے ہم عموماً جبلی کردار کے واقع ہونے سے قبل ہی زیادہ جذبہ محسوس کرتے ہین، غرض ایک جبلت کے آغاز عمل کے لیے یا کم سے کم اس کے شعوری ہونے کے لیے

جذبہ کی کوئی ضرورت نہین، صرف تہیج کی ضرورت ہے، جس کے بغیر عمل جبلت محض ایک اضطراری مرکب ردِ عمل ہوگا،

دوسری صورت مین اگر کوئی جبلت مشتعل ہو تو بغیر بعض جبلتون کے اشتعال یا دوسرے اندرونی میلانات کی مدد کے جذبہ ناقابلِ اشتعال ہوگا، اگر وہی جذبہ اپنے نظام مین جبلتون کی ایک نوع کو شامل کریگا، مثلاً خوف کے جذبہ مین تحفظ و فرار کی دونون جبلتین داخل ہوتی ہین کبھی تو یہ جبلتین ایک دوسرے کے بعد برابر مشتعل ہوتی ہین، اور کبھی ایک ہوتی ہے تو دوسری نہین ہوتی، نظریۂ میکڈوگل کی رو سے ہر ایک مختلف جبلت کو ایک مختلف جذبہ رکھنا چاہئے تھا، لیکن ہم تحفظ و فرار ہر دو صورتون مین وہی خوف کا جذبہ معلوم کرتے ہین، ہمین اس سے انکار نہین کہ خوف بھاگنے اور دبکنے کی صورت مین گو دو جدا جدا احساس رکھتا ہے مگر بہر حال ابتدائی جذبہ تو ایک ہی ہے،

تیسری صورت مین بعض دفعہ ایک ہی جبلت مختلف جذبات کے نظامات سے ملی ہوئی ہوتی ہے یعنی بالفاظ دیگر جبلت جو ایک جگہ مترتب ہو یہ کوئی ضروری نہین کہ دوسری جگہ ظاہر نہ ہو، جس طرح ایک ہی قسم کی عادتین مختلف نظامات مین کار آمد ہوتی ہین، اور جسطرح ایک ہی قسم کے جذبات مختلف حواس (SENTIMENTS) کے موضوع بنتے ہین، اسی طرح ایک ہی قسم کی جبلتین بیٹھنے، اٹھنے، چلنے، بھاگنے کے کئی نظامون کے لیے لابد ہین، علیٰ ہذا القیاس پرواز کی جبلت پرندون مین نہ صرف خوف کے جذبہ سے ظاہر ہوگی بلکہ جنسیت یا بھوک کے جذبہ سے بھی مشتعل ہو سکتی ہے، لڑائی کی جبلت کمزور غصہ کی صورت مین کھیل اور خوشی کی جبلت سے پیوستہ نظر آتی ہے، چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کتے کھیلتے کھیلتے آپس مین کاٹنے لگتے ہین، پھر ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہین اور انجام کار بھاگ پڑتے ہین، ماسوا اگر جبلت کے لیے تہیج موجود ہو تو جذبہ ہمیشہ فعلیت کے ساتھ ساتھ موجود نہین ہوتا، ورنہ وہ اپنی خاص کیفیت کے اظہار کے لیے جبلت کا عمل کرتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ عموماً جذبہ معہ اپنے نظام کے بہ نسبت جبلت معہ اسکے تہیج کے زیادہ وسیع ہوتا ہے اسکے علاوہ جذبی نظام مین اکتسابی میلانات کی ایک تعداد کو بھی داخل سمجھنا چاہیئے جو اختلافات کی وجہ سے مترتب ہوتی ہے، خوف کے نظام مین پرواز اور تحفظ ذات کے میلانات کے سوائے اور میلانات بھی شامل ہین، جن کا تجربہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ مگر باوجود ان تمام میلانات کے جذبۂ خوف کی ابتدائی صورت بہرحال وہی ہوتی ہے، جذبہ کا کام یہ نہین ہے کہ کسی خاص قسم کے کردار کو بروئے کار لانے پر مجبور کرے بلکہ مناسب انتخاب کرنے پر مصر ہو،

بہرکیف جب ہم یہ خیال نہین کر سکتے ہین کہ کسی جبلت کا عمل ہمیشہ کسی نہ کسی جذبہ سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور وہ حرکات اضطراری جو ایک جسمی تہیج کے بعد ہوتے ہین دیگر انتخابی افعال اضطراری سے علحدہ ہوتے ہین تو پہلی قسم کے حرکات کو جبلت سے محدود اور دوسری قسم کے افعال کو جذبہ سے موصوف کرنا چاہیئے،

بعض عضوی حالتین ایسی بھی ہین جو جذبات سے ظاہری مشابہت رکھتی ہین اور جنکی مثالین بھوک پیاس ہو سکتی ہین، زیادہ سے زیادہ ان کو "پرخلل جسمی حالتین" کہا جا سکتا ہے، یا "حدِ اعتدال سے متجاوز بے چین شوری جسمی حالتین" سمجھی جا سکتی ہین، لیکن حقیقت مین بھوک پیاس نہ تو جذبات ہوتے ہین، اور نہ ان کو جذبات کہا جاتا ہے، جس کے دو اہم وجوہ ہین، پہلے تو یہ کہ بھوک اور پیاس اسلیے دو جدا جدا احساس ہین کہ وہ صرف ایک ایک مقام یعنی معدہ اور حلق سے متعلق ہین، لیکن جذبہ کی حالت مین کسی عضو کی کوئی تخصیص نہین ہوتی جب کبھی ہم پر کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو ہم سراسر مغلوب ہوتے ہین، بلاشبہہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جذبات کا مقام دل ہے، مگر اس کے حقیقی معنی صرف اتنے ہین کہ جذبات سب سے زیادہ دل مین محسوس ہوتے ہین، اور سچ پوچھیے تو تکان کے احساسات کی طرح جذبات کا سرے سے کوئی مقام ہی نہین،

دوسری وجہ یہ ہے کہ بھوک پیاس ہر دو عضوی حالتین کسی اندرونی جسمی عمل و کارروائی کا نتیجہ ہوتی ہین، اس کے برخلاف جذبہ کا محرک عموماً کوئی ایسی بیرونی شے ہوتی ہے جبکا جسم کی اندرونی حالت سے کوئی

تعلق نہین ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص اپنی معمولی حالت مین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی عزت پر حملہ کر دے

تو وہ حملہ عصب سمعی (AUDITORY NERVE) دماغ، ادنی مراکز (LOVER CENTRES)

و اعصاب حرکیہ (MOTOR NERVES) سے گذرتا ہوا اندر کی طرف آتا ہے اور فوراً جذبہ طاری

کر دیتا ہے، گو اس مین شک نہین کہ جذبہ کی عضوی حالت بھی دماغ کے ذریعہ مشتعل ہوتی ہے مگر عموماً دماغ

کسی خارجی ہیج (STIMULUS) ہی سے مشتعل ہوتا ہے،

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حالتِ غضب مین کتے، بلی کا عملِ انہضام رک جاتا ہے، اور حال کے علمائے

نفسیات نے تو ہر جاندار کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے کیونکہ جذبہ کی حالت مین کیا انسان! کیا حیوان! سب کی

حالت بدل جاتی ہے اور دل معمول سے زیادہ دھڑکنے لگتا ہے اور پیٹ کی حرکات غیر معمولی طور پر تیز

ہو جاتی ہین، غرض یہ سب باتین اس امر کا کافی ثبوت ہین کہ جذبہ ایک عضوی حالت ہے؛

مسلمان
اور
سیر و سیاحت

از جناب محمد شاکر صاحب بی اے، محمڈن کالج مدراس،

کہتے ہین کہ مدراس کے لوگ اردو نہین جانتے اسی کی تکذیب کے لیے آج یہ مضمون شائع کیا جارہا ہے، محمد شاکر صاحب طالب علم مدرسۂ اعظم (محمڈن کالج) مدراس نے یہ مضمون اکتوبر ۲۵ء میں اپنے کالج کی اردو سوسائٹی مین پڑھا تھا، یہ مضمون بہت معمولی سی اصلاح کے بعد شائع کیا جاتا ہے، معلومات سے زیادہ، ہم کو اسکی اشاعت سے نوجوانان مدراس کی ہمت افزائی کرنا ہے،

(معارف)

ہمارے اسلاف کو سیر و سیاحت سے جو شغف اور جس طرح وہ سفر کی منزلون کو طے کرتے تھے، آج ہم ان کا تخیل بھی نہین کر سکتے، جناب مولانا شیروانی اپنی کتاب علمائے سلف مین تحریر فرماتے ہین:-

"موجودہ حالت دیکھ کر مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم مین بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دھن مین براعظم اور سمندر کاٹے کر ڈالنا ایک بات سمجھتے تھے، جو ایک کتاب کی خاطر صد ہا میل پیادہ پا جاتے اور جو صرف نباتات کے حالات تحقیق کرنے ملکون ملکون پھرتے، اگر ان کے دلون مین وہ جوش اور دماغون مین وہ ولولہ نہ ہوتا تو ہم کو ابن بیطار اور سید شریف نصیب نہ ہوتے"

غور کیجئے کہ اس زمانہ مین ایک شخص کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا آسان بات نہ تھی، (ذرا موجودہ زمانہ کی سہولتون کو پیش نظر رکھیے) اگلے زمانہ مین سفر کو آسان کرنے کے لیے نہ تو

خشکی مین ریل تھی اور نہ دریا مین اسٹیمر، اس زمانہ مین مسافرون کو طرح طرح کی صعوبتین اٹھانی پڑتی تھین خشکی پر وہ سفر کرتے تو قافلون کے ہمراہ اور تاجرون کے ساتھ، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کے صدمے انھین سہنے پڑتے، ریگستان مین تشنگی کی آفتین اٹھانی پڑتین، اور ہفتون بلکہ مہینون کے بعد منزل مقصود تک پہنچتے، جب کبھی وہ بحری سفر پر آمادہ ہوتے تو ان کی مشکلون مین کمی نہ ہوتی، اس زمانہ مین بحری سفر کرنے والے عموماً تاجرون کے جہازون پر روانہ ہوتے تھے، جہاز آج کل کے دخانی جہاز نہ تھے، بخلاف اس کے مسافرون کو یہ معلوم تھا کہ بہ نسبت بری سفرون کے بحری سفر بدترین چیز ہے، انھین دریا مین محض ہوا کے بھروسہ پر سفر کرنا پڑتا تھا بدقسمتی سے طوفان شروع ہوتا تو جہاز اور تمام مسافر غرق ہوجاتے تھے، اس لحاظ سے بحری سفر کرنے والے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے تھے، ایک مقام سے دوسرے مقام تک خیریت کیساتھ پہنچنے کی امید تک نہ رہتی تھی سفر مین ہمیشہ ان کے دلون پر امید و بیم کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی رہتی تھی ؛

سفر کی ایسی ایسی صعوبتون کا لحاظ کرتے ہوئے سامعین اس کے مشتاق ہون گے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جنھون نے ہمارے اسلاف کو بری اور بحری سفرون پر آمادہ کیا، اس کے بہت سے اسباب ہین، لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر مسلمان دائرۂ اسلام مین رہ کر احکام خداوندی اور رسول آخر الزمان ؐ کے اقوال پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا تھا، خدائے تعالیٰ کے جو احکام قرآن مین درج ہین ان مین جہان دینداروں کے متعلق متفرق جگہ متفرق امور پر خدائے تعالیٰ نے پند و نصیحت کی ہے وہان قل سیروا فی الارض، کی آیت بھی موجود ہے جس کے معنی ہین کہ چلو سیر کرو زمین مین، اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانون مین سیر و سیاحت دینی عزت حاصل کرنے کا ایک زبردست ذریعہ تھا، ہمارے اسلاف جو خدا اور رسول کے سچے معتقد تھے ان لوگون نے سیر و سیاحت کو ایک مذہبی فرض قرار دیا اور سمجھا کہ اس کا ادا کرنا ایک ضروری بات ہے سیر و سیاحت کی بدولت دینی عزت حاصل کرنے کے اور اسباب بھی تھے، خدائے تعالیٰ نے جس مقدس

کتاب مین قل سیروا فی الارض فرمایا اسی مین کئی جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حج کرو،

لہٰذا اقدس حاصل کرنے کے لیے جو صاحب تمول ہوتے تھے، وہ طرح طرح کے مصائب اٹھا کر

اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے علاوہ ازین ہر مسلمان کی رگون مین اسلام کا خون اس قدر جوش زن تھا،

کہ وہ اپنی روشنی سے دوسرون کو بھی فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی نفس پر مصیبتین گوارا کرکے سفر کرنا اور ان

لوگون کو جو اسلام سے بالکل ناواقف تھے ترغیب دلا کر راہ مستقیم پر لانے سے دریغ نہ کرتا، احکام خداوندی

فرمانِ رسولؐ، اور تبلیغ اسلام نے مسلمانون مین ایک جوش پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہر مسلمان سیر و

سیاحت کا دیوانہ رہتا تھا،

قطع نظر ان دینی اسباب کے اور دنیاوی وجوہ بھی تھے جو مسلمانون کو اپنے ارادون مین اور

بھی مضبوط کر رہے تھے، تاریخ نے بتایا ہے کہ اگلی سلطنتون نے بھی اپنا تسلط جمانے کا ذریعہ تجارت کو

قرار دیا تھا، اور ایک انسان کو تاجر بننے کے لیے سفر ہی زبردست ذریعہ ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ "سفر

وسیلۂ ظفر ہے" مسلمانون نے دنیا مین دولتمند اور فارغ البال ہونے کے لیے سفر اختیار کیا جسکی بدولت

وہ تجارت ہی مین نہین بلکہ صنعت و حرفت علم اور عمل غرض ہر ممکن میدان مین یادگار زمانہ رہ گئے،

لیکن ہمارے اسلاف نے محض تجارت کیلئے ہی سفر اختیار نہین کیا بلکہ تحصیلِ علم اور اشاعتِ اسلام

ان کے اعلیٰ ترین مقاصد تھے،

جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا اور اس کو حکمرانِ عرب و عجم کا رتبہ حاصل ہو گیا تو

اس وقت بہت سے لوگون کے دل اسلام کے نور سے منور ہو چکے تھے، چنانچہ براعظم ایشیا مین براعظم

یورپ مین براعظم افریقہ مین اور جزائر مالدیپ سوماترا، جاوا، ملوکا، بورنیو، سیلبیز، فلپائن، زولو،

نیوگنی، کریٹ، ملایا، اور ملاکا مین اسلام کا آفتاب کسی نہ کسی زمانہ مین طلوع ہوا، اس میدان مین چند

بزرگ افراد جنھون نے دینی و دنیوی عزت حاصل کرنے کی غرض سے سیاحت کی، ان کا ذکر کرنا اور

ان کے کارناموں پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے، تاریخ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان تاجرون نے لوگون کو دعوتِ اسلام دی، دسوین صدی عیسوی سے جزائر ملایا مین مسلمانون کا دخل ہوا، غرض تاجرانِ عرب کے علاوہ جنوبی ہند سے بھی داعیانِ اسلام ملایا کے جزیرون مین پہنچے، ہندوستان کے ساحل کورومنڈل اور ملیبار مین شافعی مسلمانون کی آبادی، اور جزائر ملایا مین شافعیون کا موجود رہنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان ہی تاجرون کی بدولت ان لوگون نے اسلام کی تعلیم پائی ہوگی، یہ لوگ وہان جاکر بسے، وہان کی عورتون سے شادیان کین، اور مسلمانون کی تعداد بڑھائی، دیگر جزائر مثلاً فیلپائین، سماٹرا وغیرہ مین تاجرون نے اپنی جانفشانی سے اسلام کی خدمت ادا کی، چودھوین صدی عیسوی مین شریف مکہ نے کچھ لوگون کو روانہ کیا کہ سماٹرا کے باشندون کو مشرف بہ اسلام کرین، ان کے رہنما شیخ اسمٰعیل تھے، ان کی وجہ سے جزیرۂ سوماٹرا کے مختلف شہرون مثلاً پاسوری، آرو، لمبری، وغیرہ مین اسلام پھیلا، ملک عرب کے مشہور عالم شیخ عبداللہ نے اپنی سیروسیاحت کے زمانہ مین جزیرہ نمائے ملایا کی کیدا ریاست مین پہنچکر اس کے باشندون کو گمراہی مین پایا، آخر کار انھین راہ راست پر لائے، جزیرہ مدورا، جاوا اور بورنیو کے اسلامی ہیرو جنکے نام ابدالآباد تک زندہ رہینگے، وہ حاجی پرداہو، مولانا ملک ابراہیم اور تاجر سید علی تھے، تاجرون اور حاجیون کے علاوہ مذہب کی اشاعت کرنے والون مین مولوی، معلم، واعظ اور فقیہ بھی ہوتے تھے،

سیروسیاحت کے میدان مین تاجرون اور حاجیون وغیرہ کے علاوہ جنکی بدولت دنیا کے بعض قطعات مین اسلام پھیلا، اور دیگر افراد بھی یادگارِ زمانہ ہین، اشاعتِ اسلام کے علاوہ لوگون نے طالب العلمانہ اور سیاحانہ سفر کئے، جنھین دو گروہ ہین، ایک وہ لوگ ہین جنھون نے مذہبی تعلیم مثلاً حدیث و فقہ پڑھنے کے لیے دور دراز کا سفر کیا،

علمائے سلف نے احادیث نبویہ کے حاصل کرنے کے لیے اپنے اوپر ایسی ایسی صعوبتین اٹھائین کہ جنکے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، چنانچہ حضرت امام مالک نے حضرت سعید بن المسیب

تابعی سے روایت کی ہے کہ مین ایک ایک حدیث کی خاطر شب و روز پیادہ پا چلا ہون صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری کو چودہ سال کی عمر مین ان کا شوق اپنے پیارے وطن سے نکال لایا، ان کی والدہ اور خواہر ان کی ساتھ مین نگران تھین، بخارا سے مصر تک سارے ممالک کی انھون نے سیر کی، ملک اسپین کے محدث ابن حبان نے علم حدیث عراق، حجاز اور یمن پہنچکر ان مقامات کے بزرگون سے حاصل کیا، ان کے حالات سے ان کا قطعی طور پر کسی راستہ سے سفر کرنا معلوم نہین ہوتا، لیکن قیاس سے اتنا اندازہ تو لگا سکتے ہین کہ اگر انھون نے بحری سفر کیا ہو تو بحیرۂ روم اور بحر احمر وغیرہ طے کیا ہوگا،

یہ سنکر اور تعجب ہوگا کہ حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلب حدیث مین کئے، ان مین انھون نے ہر قسم کی تکلیف گوارا فرمائی، سفر پیادہ پا کرتے اور کتابون کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کا اثر کبھی یہان تک پہنچتا کہ ان کے پیشاب مین خون آنے لگتا، لیکن پھر بھی انھون نے گوہر مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، وہ مقامات جہان آپ تشریف لیگئے علی الترتیب یہ ہین،:- بغداد، مکہ مکرمہ، جزیرہ تنیس، دمشق، حلب، جزیرہ، اصفہان، نیشاپور، ہرات، رحبہ، لوقان، مدینہ طیبہ، نہاوند، ہمدان، واسط، ساوہ، اسدآباد، انبار، اسفرائن، آمل، اہواز، بسطام، جرجان، استرآباد، بوسنج، بصرہ، رے، شیراز، قزوین، کوفہ، وغیرہ جو کل ممالک ایران، ترکستان، عراق عرب، عربستان، ملک شام وغیرہ پر مشتمل ہین،

اس گروہ سے بالکل علحدہ ایک اور گروہ ان لوگون کا تھا جنھون نے دنیاوی عزت و عظمت اور اپنے وسعت خیالات کے لیے دور دراز جاکر کچھ نہ کچھ حاصل کیا، ان مین مشہور و معروف "کتاب الہند" کے مصنف ابوریحان البیرونی گذرے ہین، ان کی ولادت ۳۶۳ھ ملک خوارزم مین ہوئی، بچپن سے انھین علم کا شوق تھا، چنانچہ علم ریاضی، نجوم، اور حکمت وغیرہ جانتے تھے، لیکن ان کی پیاس اس سے بجھ نہ سکی، اور اس تحصیل کردہ علم پر انھون نے ہرگز قناعت نہ کی، حالانکہ شہر غزنی مین ایک مستند منجم مانے جاتے تھے، ان کی زندگی کا بہترین حصہ افغانستان مین گذرا، اس کے بعد ہندوستان پہنچکر ملتان اور پنجاب

مین چندے مقیم رہے، اس ملک ہندوستان کے باشندون کے میل جول سے انھون نے سمجھا کہ برہمن بڑے فلسفہ دان، منجم اور محاسب ہین، اس کے علم نے انکی طبیعت مین تعصب تو پیدا نہین کیا، بلکہ جس کسی مین جو خوبی یا خصلت بھلی پائی اس کے شیدائی ہو گئے، چنانچہ عالمانہ حیثیت سے انھون نے ہندو مذہب اور زرتشت مذہب مین نہایت عمدہ طریقہ پر امتیاز کیا ہے، وہ بھگوت گیتا کے فریفتہ تھے انھون نے اہل ہند کو علوم یونان سے آگاہ کیا، اور یہان سے غزنی واپس ہونے کے بعد اپنے عزیز سفر دن کی یادگار کتاب الہند جسمین ہندوستان کے حالات متعلق بہ نجوم، مذہب، فلسفہ، ادب تاریخ اور رسوم وغیرہ ہین، لکھی، اس کے علاوہ ایک کتاب القانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم لکھی، ایک اور کتاب اپنی زبان مین تصنیف کی جسمین ہندوستان کے جغرافیائی معلومات کا انکشاف ہے، اگر وہ ہندوستان کے سفر سے محروم رہتے تو یہ مفید کتابین میسر نہ ہوتین، اور اس کا نام بھی صفحۂ روزگار پر اس قدر مشہور نہ ہوتا،

اس کے بعد طالب العلمانہ سفر مین ابن بیطار ایک باشندۂ ملاکا جس کا سلسلۂ نسب اسی جزیرہ کے مشہور خاندان البیطار سے جا ملتا ہے، گذرا ہے جو چھٹی صدی ہجری مین علم نباتات کا ایک مشہور محقق تھا، ابتدائے عمر مین اسکی تعلیم ابو العباس کے زیر سایہ رہی، یکتائے عصر ابن بیطار نے اپنے وسعت معلومات کے لیے بیس سال کی عمر مین اپنے وطن سے نکل کر شمالی افریقہ، مراکو، الجیریہ اور ٹیونس کی سیاحت کی، ازان بعد اس کا قیام مصر مین رہا، جہان صیغۂ علم نباتات کا عہدہ دار بھی مقرر ہوا، شاہ نجم الدین کی حوصلہ افزائی نے اسے دمشق مین رہنے دیا، اس نے اپنی جانکاہ کوششون سے ملک شام اور ایشیائے کوچک مین تحقیقات کی، اس کا ایک خوش نصیب شاگرد ابن ابی اصیبعہ نامی دمشق اور اس کے جوار مین جڑی بوٹی کی شناخت کرنے کے وقت ہمیشہ ساتھ رہتا تھا، اگر اس مین سیر و سیاحت کی روح نہ رہتی تو ملاکا سے باہر کیون قدم دھرتا، اُسنے اپنی تحقیقات کو جو سفر مین حاصل ہوئین ایک تصنیف الجامع فی الادویا المفردات والاغذا مین جمع کیا، اس کے مرنے کے بعد کئی لوگون نے اس تصنیف سے فائدہ اٹھایا،

بھی تحصیل علم کا شوق تھا جس نے کتاب الخطط والآثار کے مصنف المقریزی کو سیاح مصر کا خطاب دیا، اس نے مصائب اٹھا کر اپنے معلومات کو بڑھایا حتی کہ ملک مصر کے چپہ چپہ کی پیداوار کا بیان کیا ہے جس سے اس کے بعد والون کو بہت کچھ مدد ملی،

طالب العلمانہ سفر کرنے والون مین چند ایسے افراد بھی تھے جنھین علم جغرافیہ سے خاص الفت تھی، ان مین ابن خورداذبہ اور ابن حوقل مشہور ہین، ابن خورداذبہ ملک فارس مین تیسری صدی ہجری مین پیدا ہوا، زندگی کے پہلے حصہ مین جو عموماً تعلیم و تربیت مین صرف ہوتا ہے اس نے علم جغرافیہ کو نہایت دل بستگی کے ساتھ حاصل کیا حالانکہ علم موسیقی مین بھی ایک حد تک دستگاہ حاصل تھی، شہر الجبال علاقہ میڈیا مین صاحب البرید والخبر یعنی ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا، لیکن پھر بھی علم کا شوق اس کو چین سے رہنے نہ دیتا تھا، چنانچہ نزدیک و دور کا سفر کیا اور خاندان عباسیہ کے ایک شہزادہ کے کہنے پر سنہ ۲۳۲ھ کے قریب کتاب المسالک والممالک لکھی، اس سے آیندہ جغرافیہ دانون مثلاً مقدسی وغیرہ نے بہت فائدہ اٹھایا،

ابن حوقل ملک عرب کے رہنے والے تھے، الجیہانی اور دیگر اشخاص کی تصانیف پڑھ کر اس کے دل مین سیر و سیاحت کی آرزو پیدا ہوئی، بعض کہتے ہین کہ وہ تاجر تھا اور بعضون کا یہ خیال ہے کہ وہ بنی فاطمہ کی طرف سے جاسوس مقرر ہوا تھا، اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا تو کہہ سکتے ہین کہ اس نے دیگر ممالک اور انکے حالات سے واقفیت حاصل کرنے اور بذریعہ تجارت روپیہ کمانے کے لیے اسلامی مشرقی و مغربی ممالک کی سیر کی، اس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۳۳۱ھ مین بغداد سے نکلا اور اثنائے سفر مین سنہ ۳۴۰ھ کے قریب ایک مشہور بزرگ الاصطخری سے ملاقات ہوئی،

اسی کی حوصلہ افزائی تھی جسکی وجہ سے اس نے مختلف نقشون کو درست کیا اور ان مین اضافہ بھی کیا، اسکی تصنیف المسالک والممالک، جو سنہ ۳۶۶ھ مین مرتب ہوئی وہ اس کے سفرون کا ثمرہ ہے جسکی بدولت اس کا نام ہنوز جغرافیائے دنیا مین زندہ ہے، اس کے حوصلہ افزا اور رہنما الاصطخری نے جو اس میدان کا ایک

مشہور شہسوار تھا، اپنے مختلف سفرون کے ذریعہ نہایت وسیع خیالات حاصل کئے اور اس فانی دنیا مین ایک تصنیف جو کتاب الاقالیم کے نام سے مشہور ہے، چھوڑ گیا،

ان واعیان اسلام حاجیان بیت الحرام اور طالبان علوم سے علٰحدہ بعض شایقین ایسے بھی تھے جنکے سر مین سفر کا سودا بھرا ہوا رہتا تھا، ان کا مقصد سفر اپنے معلومات کو وسیع کرنا ہی نہین بلکہ خدا کی وسیع کائنات کے متفرق اور قابل دید مناظر تک ہوآنا تھا، ان افراد سے بھی اسلامی وغیر اسلامی دنیا کو مختلف فائدے حاصل ہوئے، ان مین سب سے پہلے ابوالحسین احمد بن جبیر الکنانی باشندۂ ہسپانیہ ہے، یہ گورنر غرناطہ کا سکریٹری تھا حج کی غرض سے ۵۷۸ھ؁ مین غرناطہ سے نکل کر بری اور بحری سفر طے کرتا ہوا بمقام اسکندریہ پہنچا، یہان آکر دیکھا کہ عیسائیون نے راستہ بند کر دیا ہے، چونکہ وہ صلیبی جنگون کا زمانہ تھا، جب مسلمانون اور عیسائیون مین انتہا درجہ کا نفاق پیدا ہوگیا تھا، اسلیے قاہرہ، قوص اور جدہ سے ہوتا ہوا داخل مدینہ ہوا، وہان سے اس نے کوفہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق کی سیر کرتے ہوئے جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کی سرزمین پر قدم رکھا، یہان چندے قیام رہا، اسکے بعد غرناطہ واپس ہوگیا، ۵۸۱ھ؁ مین اس نے دوبارہ مشرقی ممالک کی سیر کی، اس کے سفرنامہ سے جزیرۂ صقلیہ کے حالات ظاہر ہونے کے علاوہ فاتح یروشلم یعنی سلطان صلاح الدین اور حاکم ولیم کے حالات پورے پورے معلوم ہوتے ہین،

ابن جبیر کے شاگرد رشید الشرشتی کے بیانون سے ظاہر ہے کہ اس نے ممالک مصر، عرب، عراق عرب اور شام کی سیاحت کی تھی، اس کے حالات سفر دوسرے لوگون کے دلون مین جوش سیاحت اور ذوق سفر پیدا کرنے مین اعلیٰ ترین درجہ رکھتے ہین، کیونکہ اس مین قابل دید مقامات مثلاً عرب مین مسجد نبوی، شہر مدینہ، بیت الحرام، عراق عرب مین کوفہ، بغداد وغیرہ، ملک شام مین دمشق و حلب وغیرہ اور سرزمین مصر مین قاہرہ اور اس کے عجائبات کا ذکر نہایت وسیع طور پر کیا گیا ہے،

ؔ معارف :۔ وہ صقلیہ (سسلی) اس سے پہلے جا چکا تھا کہ وہ راہ مین بحر روم کے جہازون کا ضروری بندر تھا،

کیا یہ قابل تعجب بات نہین کہ ملک نوبا طہ کا رہنے والا ایک مسلمان سیاحت کے نشہ سے ایسا سرشار ہوا کہ ہزار ہا میل طے کرنے کے بعد بھی اسکی پیاس نہین بجھی، ایک دفعہ کے سفر نے اس کے دماغ مین وہ سودا پیدا کیا کہ دوبارہ سیر و سیاحت کیلئے آمادہ ہوا،

متاخرین مین العبداری اور البلوی بھی مشہور سیاح گذرے ہین، العبداری جو حاحہ (اندلس) کا باشندہ تھا ۱۸۸ھ مین عازم مدینہ ہوا، تاجرون کے جہاز مین وہ دریائی سفر کرتا ہوا اسکندریہ داخل ہوا، پھر وہان سے مکہ اور مدینہ ہوتا ہوا فلسطین پہنچا، کچھ دنون مقیم رہا اور پھر مصر ہوتا ہوا اپنے ملک کو واپس ہو گیا،

دوسرا سیاح البلوی جو قنتوریہ کا باشندہ تھا ۷۳۶ھ مین اسپین سے اسکندریہ کی راہ لی، القاہرہ کے عجائبات دیکھے، چندے یروشلم مین رہا اور پھر ملک شام سے عربستان پہنچا، گرچہ علمی لیاقت اس درجہ کی نہ تھی کہ وہ مستند مصنف بن سکے، لیکن پھر بھی اپنے سفرون اور مشاہدات کو اس نے ایک کتاب تاج المفرق فی تحلیۃ علماء المشرق مین لکھا،

انھین سیاحون مین دو زبردست سیاح سعدی شیرازی اور ابن بطوطہ گذرے ہین، شیخ سعدی کو سیر و سیاحت کا خاص چسکا تھا، چنانچہ ان کی تصنیف گلستان سے پایا جاتا ہے، کہ انھون نے ہندوستان کی سیر کی تھی، بعضون کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ امیر خسرو کے زمانہ مین ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، لیکن یہ قرین قیاس نہین، کیونکہ خسرو کے ابتدائی زمانہ مین یہ بہت ضعیف ہو گئے تھے، ان کی دوسری تصنیف بوستان سے ثابت ہے کہ انھون نے سومنات سے نکلکر ایک بار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا اور وہان سے بحر ہند اور بحر عرب سے گذرتے ہوئے یمن اور حجاز مین داخل ہوئے، انھون نے ایک دو نہین بلکہ چودہ حج کئے اور سب کے سب پیادہ پا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہین کہ انھین اثنائے سفر مین کیسی کیسی صعوبتین اٹھانی پڑی ہونگی، حیات سعدی مین تحریر ہے کہ انھون نے ایشیائے کوچک، بربر، حبش، مصر، شام، فلسطین، آرمینیا، عرب، جملہ ممالک ایران، اکثر ممالک توران، ہندوستان، اروبار، دیلم، کاشغر،

بصرہ، بغداد سے چین اور سد سکندری تک کی سیر کی تھی، اس کے علاوہ انھون نے دریا مین بھی سفر کیا چنانچہ خلیج فارس، بحر عمان، بحر ہند، بحر عرب، بحر قلزم اور بحر روم مین ان کا دریائی سفر کرنا انکی تصنیفات سے ناظرین سے پوشیدہ نہین،

سعدی کے بعد ہندوستان کے سیاحون مین جہان پیما ابن بطوطہ جو باشندہ مراکش تھا گذرا ہے، ہمارے مسلمان سیاحون مین اس کا درجہ بہت بڑا ہے، چونکہ اس نے مختلف ممالک کی بارہا سیر کی، اور بعد مین اپنے سفرون کے اختتام پر اس نے اپنے حالات سفر لکھے، اس کے زمانہ مین اسلام ہر شعبۂ زندگی مین کمال پیدا کر چکا تھا، اور مسلمانون کی طرز زندگی غیر اقوام کے لیے قابل رشک تھی، چنانچہ ۷۲۵ھ مین جبکہ اس کی عمر بائیس سال کی تھی وطن کو چھوڑا، شمالی افریقہ سے گذرتا ہوا مصر داخل ہوا، ملک شام و فلسطین سے ہوتا ہوا شہر مکہ پہنچا، وہان سے عراق، فارس اور موصل کی سیر کی، واپسی مین پھر دوسرے دفعہ حج کا شرف حاصل کیا، اور ۷۲۸ھ اور ۷۳۰ھ مین اسکا قیام مکہ مین ہی رہا، اس کا دوسرا سفر جنوبی عربستان، اور مشرقی افریقہ کے ممالک مین رہا، مصر سے ایشیائے کوچک پہنچکر کریمیا سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا، وہان سے خوارزم، بخارا، اور افغانستان سے گذرتا ہوا ہزار ہا میل کا کٹھن سفر لق و دق میدانون مین طے کیا اور سرزمین ہندوستان مین جو ان دنون مین زرخیز ملک کہلاتا تھا قدم رکھا، اسکی قابلیت پر نظر کرتے ہوئے محمد تغلق بادشاہ ہندوستان نے اس کو قضا کے عہدہ پر مامور کیا، لیکن سفر کا شوق اس بلا کا تھا کہ اس نے اس کو یہان چین سے رہنے نہ دیا، آخر موقع پا کر عازم ملک چین ہوا، لیکن راستہ مین مالدیپ ٹھہر کر وہان ڈیڑھ سال تک کسی ایک خدمت کو انجام دیتا رہا، اس قلیل عرصہ کے بعد پھر سفر کی تیاری کی، سرندیپ، بنگال، سماٹرا سے ہوتا ہوا ملک چین پہنچا، وہان سے ۷۴۸ھ مین واپس عرب ہوکر تیسری دفعہ حج کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد اس نے اپنی تیسری سیاحت شروع کی، فارس، شام، عراق عرب سے گذرتا ہوا مصر پہنچا، وہان سے عرب پہنچکر چوتھی دفعہ بیت الحرام وغیرہ کی زیارت کی، پھر شمالی افریقہ

اندلس پہنچا، ۷۵۰ھ میں غرناطہ کی بھی سیر کی، اس کا آخری اور چوتھا سفر ۷۵۳ھ میں شروع ہوکر ۷۵۴ھ میں
اس وقت جب یہ مراکو واپس ہوا ختم ہوا اور یہین اس نے مشہور و معروف کتاب تحفۃ النظار فی غرائب
الامصار و عجائب الاسفار لکھی اور آخر مراکو ہی مین ۷۷۹ھ مین اس جہان پیما ابن بطوطہ کا انتقال ہوا،

آٹھوین صدی ہجری تک ان سیاحون کے علاوہ اور بہت سے سیاح مثلاً ابن واضح، مسعودی
ابن سعید اندلسی، ہمدانی، یاقوت حموی وغیرہ گذرے ہین، ابن بطوطہ کے زمانہ تک اسلامی ممالک مین
سفر اور تجارت کا زیادہ شوق تھا، حتی کہ ابن بطوطہ نے اپنے مختلف سفرون مین غرناطہ مین ہندیون سے
اور ہندوستان مین غرناطہ و چین والون سے ملاقات کی، اہل علم اور صوفی لوگ بھی اس زمانہ مین چین سے
مغرب تک اور سیلون سے بلغار تک علم طریقت کی تلاش مین پھرتے تھے، دسوین صدی ہجری سے
ادبار کی گھٹا چھانی شروع ہوگئی، چونکہ کیپ آف گڈ ہوپ کے راہ ہند کے انکشاف نے مسلمانون کو
اپنی تجارت سے محروم کیا اسیلیے زمانۂ مابعد مین مسلمانون مین سیر و سیاحت کا چسکا باقی نہ رہا،

اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب تھے، جنکا ذکر یہان چندان ضرور نہ۔ نہین غرض یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے
اقوام یورپ کا دور شروع ہوا، اس کے بعد بھی مسلمانون مین سیاح اگر کثیر تعداد مین نہین تو چند گذرے
ہین، چنانچہ زمانۂ حال مین مولانا شبلی نعمانی کا طالب العلمانہ سفر بھی یادگار زمانہ رہ گیا، ان کا سفرنامہ بھی
متاخرین کی کتابون سے کم نہین، شبلی نعمانی جیسے علامہ نے ہمارے متاخرین کے سفرون اور اسلام کی
یادگارون پر نظر کرکے نہایت حسرت کیساتھ کہا ہے، ؎

در موسمِ گل ۔گر۔ بہ گلستان نہ رسیدیم از دست ندادیم تماشائے خزان را

مولانا شبلی کے بعد ہندوستانیون مین سے عبدالرحمن امرتسری اور منشی محبوب عالم وغیرہ نے سیاحت
کا حق ادا کیا ہے،

اب ہمارے لیے ہمارے اسلاف کے کارنامے داستانون کی حیثیت رکھتے ہین، جیسا کہ

مولانا شیروانی نے فرمایا ہے، ہمیں اپنے بزرگوں کی سیر و سیاحت کا خیال کر کے آجکل کے زمانہ میں مشکل سے باور آتا ہے کہ ہم میں بھی ایسے یادگار زمانہ گذرے ہوں گے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم میں نہ وہ جوش رہا اور نہ وہ ولولہ ورنہ ہم ایسی عزیز بضاعت کو جو حقیقی معنوں میں وسیلۂ ظفر ہے کبھی ہاتھ سے جانے دیتے، مسلمانوں کی سیر و سیاحت کے متعلق سعدیِ ہند اپنے مسدس میں نہایت درد انگیز طور پر فرماتے ہیں:-

سدا ان کو مرغوب سیر و سفر تھا　　　ہر ایک برّ اعظم میں ان کا گذر تھا
تمام ان کا چھانا ہوا بحر و بر تھا　　　جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا
وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک　　　کہ نقش قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں ان کے آثار اب تک　　　انھیں رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر
نشاں ان کے باقی ہیں جبرالٹر پر

ایک نئی اثری تحقیق،
بیانگ شانگ کا چنپا

سنتال پرگنہ مین

از مولوی ابو عمر زکریا صاحب بھاگلپور

دنیا کا ایک ایک ذرہ کتابِ عبرت کا ایک کھلا باب ہے، انسان کو گوشِ شنوا، چشمِ بینا چاہیئے، سیروا فی الارض فانظروا الخ دنیا مین کتنی قومین آئین، بسین اور نکل گئین، جنکے پتے نہین، کچھ سطحِ حجر پر، لوحِ خاک پر، صفحۂ قرطاس پر، اپنی یاد دلا رہی ہین، کچھ ویران کھنڈرون سے اہل نظر کو پکار پکار کر اپنی گم گشتہ شوکت، موجودہ افسوس ناک نکبت پر آٹھ آٹھ آنسو رُلا رہی ہین،

تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا الی الآثار

دنیا کا بہترین شہر بابل جبکو عروس البلاد کہتے تھے، جسکے تمدن نے دنیا کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا تھا، اب صرف خاک کا تودہ ہے لیکن یورپ کے اہل اثر اسکو کھود کھود کر تاریخ کا نیا باب مرتب کر رہے ہین، آریہ ورت کی زمین جب آباد تھی، یہان بھی ایک تمدن تھا، علم و حکمت کا چشمہ ابلتا تھا، ویدانت کی بہترین چلتی تھین، بدھ کی تعلیم جو تمام دنیا مین پھیلی جا رہی تھی، اس کا مرکز مگدھ تھا، جو اب بہار کے نام سے مشہور ہے، پالی زبان مین وہار، خانقاہون کو کہتے ہین، چونکہ اس صوبہ مین بدھون کی خانقاہین بکثرت پھیلی ہوئی تھین، جہان ہر طرح کے علم و حکمت کی تعلیم ملا کرتی تھی اس کا دارالخلافہ چنپا تھا، جو نہایت ہی خوبصورت اور آباد شہر تھا، مستحکم عمارات، خوش منظر تالاب، دلکش باغات شہر کے

حسن کو دوبالا کر رہے تھے، چھٹی صدی عیسوی میں چین کا مشہور سیاح ہوانگ شوانگ جب ہندوستان آیا تو نالندہ کے پنج سالہ قیام کے بعد چنپا کی زلف گرہ گیر نے اس کو کچھ دنون کے لیے اپنا اسیر کر لیا تھا، اپنے سفرنامہ مین جسکو اکسفورڈ یونیورسٹی نے اصلی چینی زبان مین شائع کیا ہے، بڑی تعریف لکھی ہے افسوس اس خوبصورت شہر کو برہمنون کے حاسدانہ عروج و معاندانہ خروج نے اس طرح جلا کر تباہ و برباد کر ڈالا کہ اب اس کے وجود کا کہین پتہ تک نہین ملتا، یورپین مورخون کا خیال ہے کہ وہ مقام بھاگلپور اسٹیشن کی مغربی سمت مین تین میل کی مسافت پر واقع ہے، جہان اب چنپانگر نام کی ایک چھوٹی سی بستی بسی ہوئی ہے، اتمام تاریخ ہند کے مورخون نے ہوانگ شوانگ کے سفرنامہ کے شارح نے بھاگلپور کے چنپانگر کو چنپا لکھا ہے، بدھسٹ انڈیا کے مصنف رمیس ڈیوڈ نے بھی بھاگلپور کے چنپانگر کو چنپا لکھا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ضلع پورنیہ کا ایک گاؤن جس کا نام چنپانگر ہے مستزاد کر دیا ہے مگر بھاگلپور پر سب کا اتفاق ہے، مین نے سب جگہ کی تحقیق کی کہین سے کوئی چیز مثلاً اینٹ، کتبہ، مورتی، یا کوئی کھنڈر اب تک ایسا نہین نکلا جس سے کسی عمارت یا آبادی کا پتہ لگ سکتا، ہزارون جگہ زمین کھودی جاتی ہے کھیتون مین ہل چلتے ہین، زمین کے پیٹ مین کچھ نہین کہ اگل سکے، ہستنا پور (دہلی) مین، پاٹلی پتر (پٹنہ) مین بہت پھلجن کے کھنڈرات دعوے کی تائید کر رہے ہین، مگر چنپا کی تائید مین مورخین یورپ کی کوئی مجوزہ زمین نہین کہتی کہ تلک آثارنا تدل علینا، جہان جائیے سکوت کامل سکوت، تو کیا چنپا سے مایوس ہو جانا چاہیئے، کیا چنپا ایک فرضی معشوقہ تھی، جسکی نوحہ خوانی تاریخ کی اوراق آجتک کر رہے ہیں؟ نہین! نہین! آپ مایوس نہ ہون آپ کو اس کا سراغ کسی مورخ کے ورق سے نہین ملسکتا، آپ آئیے، مین اسکی سیر کراتا ہون، مین کانگریس کی طرف سے کاؤنسل کے ووٹ فراہم کرنے کے لیے سنتال پرگنہ کا دورہ کرتا ہوا ۸ر نومبر ۱۹۲۶ء کو گڈا سب ڈیویژن مین ۲۰، ۲۲ میل کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤن مین گذرا،

یہان والے اس چھوٹے سے گاؤن کو چنپا کہتے ہین، یہ ایک اونچی ٹیلہ نما زمین پر واقع ہے، ایسا

اونچی زمین ۷-۸ میل تک پھیلی ہوئی ہے، جہاں دو تین گاؤن اور کھیت ہی کھیت آباد ہیں، یہاں کثرت سے بڑے بڑے قدیم تالاب پائے جاتے ہین، جنکی قدامت کا پتہ کوئی بتا نہین سکتا، بتوفیق الٰہی میرے دل مین خیال گذرا کہ ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جہان شہر چھنپا بسا ہوا تھا، اس کا سراغ لگانا چاہئیے مین نے گاؤن والون سے اس کے کھنڈرون کے متعلق دریافت کیا، گاؤن والون نے بیک زبان کہا، "یہان جب زمین کھودی جاتی ہے، یا ہل چلایا جاتا ہے، تو بکثرت بڑی بڑی اینٹین، جو دو انچ دبیز اور ایک فٹ مربع کی ہوتی ہین، جیسی اس وقت نالندہ کے کھنڈرون سے برآمد ہو رہی ہین، ملتی ہین" ان اینٹون سے یہان کے رہنے والون نے اپنے مکانون کی دیوارین بنائی ہین، پرانے سکے نکلتے ہین، بدھ ساخت کے بڑے بڑے بت نکل رہے ہین، کچھ مٹی کے ظروف بھی نکلتے ہین، چند مکانات بھی نکلے، جنمین چھوٹے چھوٹے بہت سے کمرے تھے، مین نے اینٹین دیکھین جو کھیتون مین پڑی ہین، کوسون تک اینٹون کے آثار پائے جاتے ہین، مینے بطور یادگار ایک اینٹ بھی ساتھ رکھ لی ہے، جو واقعی نہایت قدیم اور بدھ ساخت کی ہے جو اب نالندہ سے برآمد ہو رہی ہے، اگر محکمۂ آثار قدیمہ ادھر توجہ کرے تو تاریخ کے اندر ایک نادر اور مفید اضافہ ہو جائے گا، مین اپیل کرتا ہون کہ محکمۂ آثار قدیمہ جلد ادھر توجہ کرے تاکہ یہ کھنڈر زمانہ کے دست و برد سے تو محفوظ رہ جائے، اگر میری مدد کی ضرورت ہوئی تو مین ہر طرح کی مدد کے لیے طیار ہون، وقت دونگا، ساتھ جاؤنگا، شریکِ کار رہونگا، واقعی یہ وہی چھنپا ہے، اس مین کوئی شک نہین، جہان کی مورتیان، اینٹین اپنی اگلی پرعظمت تاریخ یاد دلا رہی ہین،

چمن کے تخت پر اک دن شہ گل کا تجمل تھا، ہزارون بلبلون کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا،

خزان کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار حسرت وان بتاتا باغبان رو رو یہان غنچہ یہان گل تھا،

شرعِ اسلام

اور

قدیم رُومن لا،

از مولوی حفیظ اللہ صاحب بی اے ال ال بی منصف تعلقہ کلاکرتی (دکن)

کچھ عرصہ ہوا مین نے الہ آباد لاجرنل مین ایک مضمون مندرجۂ بالا عنوان پر دیکھا تھا جو الہ آباد یونیورسٹی کے ایک مسلمان بیرسٹر پروفیسر (READER) کے قلم سے تھا، اوس مضمون مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی تھی کہ شرعِ اسلامی کا بیشتر حصہ رومن لا (ROMA LAW) سے ماخوذ ہے اگرچہ دلائل ضعیف تھے اور مجھ ایسا جاہل شخص اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی اہلیت نہین رکھتا لیکن مضمون مندرجۂ بالا سے بہتون کے دلون مین شکوک پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اسلئے مندرجۂ ذیل سطور ہدیۂ ناظرین کرنے کی جرأت کرتا ہون، اور توقع کرتا ہون کہ ذی علم حضرات جو عربی، انگریزی دونون زبانون مین کمال رکھتے ہین مسئلۂ زیر بحث پر روشنی ڈالین گے، ساتھ ہی ساتھ مین امید کرتا ہون کہ میرے دوست پروفیسر صاحب میری اس تحریر سے برا نہ مانین گے، اور اگر ان کے مضمون کا حوالہ دینے مین مجھے کہین غلطی کی ہے تو مجھے مطلع و معاف فرمائین گے، کیونکہ ان کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے محض یاد سے کام لے رہا ہون،

صاحب موصوف کے دلائل کی بنیا محض اس مماثلت پر ہے جو احکام شرعی اور رومن لا مین پائی جاتی ہے، اسکی متعدد مثالین بتاکر صاحب موصوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چونکہ اسلامی قوانین

بہت بعد کے ہیں، اسلیے یہ مماثلت اس بات کا ثبوت ہے کہ شرع شریف کے احکام رومی قانون سے اخذ کیے گئے ہیں، ان کا بیان ہے کہ جب مسلم فاتحین رومی سلطنت و رومی تمدن سے دوچار ہوئے اور رومی قوانین سے روشناس ہوئے تو انھون نے آہستہ آہستہ ان قوانین کے مطابق شرعی احکام ڈھالنے شروع کئے، امام ابو حنیفہ وغیرہ نے جو احکام مستنبط کئے ہین وہ انھین قوانین کا نتیجہ ہین،

صاحب موصوف اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بہت بعد مسلمان رومی قوانین سے روشناس ہوئے، اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ احکام قرآن و حدیث رومن لا کے ممنون نہیں ہین، لیکن میرے معزز دوست نے ان مقامات مین جنکی مماثلت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ احکام شرعی رومن لا سے ماخوذ ہین، احکام وراثت کی ایک مثال پیش کی ہے، اور بتایا ہے کہ اسلام کا قانون وراثت (JUSTINIAN جسٹنین کے CODE (ضابطہ) سے بہت ملتا جلتا ہے، لیکن یہ غور کرنے کی بات ہے کہ وراثت و ترکہ کے احکام خود قرآن پاک مین مندرج ہین، اور ایسے زمانہ مین نازل ہوئے تھے کہ مسلمان اس وقت رومی قوانین سے بالکل ناواقف تھے، پھر محض مماثلت کی بنا پر یہ کہدینا کہ شرعی احکام رومن لا سے مستخرج ہوئے ہین کس قدر خطرناک ہے، اس مثال سے تو نعوذ باللہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنی احکام کسی دنیاوی قانون کے ممنون ہین، ایک مسلم کی تحریر سے ایسے نتیجہ کا شائبہ بھی مجھے تو اچھا نہین معلوم ہوتا، محض مماثلت (ANALOGY) سے نتائج اخذ کرنا ضعیف ترین طرز استدلال ہے، دنیا کے تمام مذاہب و قوانین مین بہت سے جرائم مشترک ہین، لیکن اس سے تو یہ نہین کہا جاسکتا کہ ان مین جو سب سے قدیم مذہب یا قانون ہے اسی سے بقیہ سب ماخوذ ہین، اس مماثلت کا سبب خود فطرت انسانی ہے،

علاوہ ازین فقہانے جو مسائل استخراج کئے ہین، وہ سب نص قرآنی اور احادیث سے کئے ہین

اور خود پروفیسر صاحب کو تسلیم ہے کہ احادیث و قرآن پاک کے نزول کے وقت مسلمان رومی قانون سے ناآشنا تھے، پھر ان کے دلائل اسیوقت قبول کئے جاسکتے ہین جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ احکام شرعی قرآن کی یا احادیث سے مستخرج نہین ہوئے ہین، یا پروفیسر صاحب ان احادیث کو جنسے یہ احکام اخذ کئے گئے ہین، بعد کی موضوع کردہ ثابت کردین، ھاتو ابرھانکم ان کنتم صادقین،

آخر مین پروفیسر صاحب نے مضمون مذکور الصدر مین یہ تحریر فرمایا ہو کہ مولانا شبلی نے اس سے انکار کیا ہے کہ شرعی احکام رومن لا سے ماخوذ ہین، لیکن پروفیسر صاحب نے مولانا کے دلائل کو رد کرنے کے بجائے یہ تحریر فرما کر اپنے ناظرین کو تسلی دی ہے کہ مولانا انگریزی سے بے بہرہ تھے، اور اس وجہ سے صحیح نتیجہ پر نہین پہنچ سکے، اس کے متعلق مین نہایت ادب کیساتھ پروفیسر صاحب کی خدمت مین عرض کرونگا کہ اگر مولانا انگریزی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے غلط نتیجہ پر پہنچے ہین، تو کہین آپ عربی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے غلطی مین مبتلا نہ ہون، مولانا مرحوم گو خود انگریزی بہت کم جانتے تھے لیکن وہ انگریزی کتابون کا ترجمہ انگریزی دانون سے سنا کرتے تھے، اور انگریزی کتابون سے مضامین اور انگریزون کے اعتراضات سے کافی واقفیت رکھتے تھے، سیرت نبوی کے ملاحظہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے،

افسوس ہے کہ الہ آباد کا لا جرنل کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے، کہ مین مزید تفصیل سے بحث کر سکون لیکن میری ان چند سطرون سے غالبًا دوسرے حضرات اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت محسوس فرمائین گے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اسکے نصف آڈر آچکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت ۱۲/ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

الشعر الجاہلی،

ہندوستان کی طرح مصر مین بھی نوجوانون کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جس کی زبان، قسلم دل، دماغ اور عقل و فہم پر یورپ کے خیرہ کن تمدن اور ہوشربا علمی کاوشون کا استیلا ہوگیا ہے، یورپ کے بعض مستشرقین جو ہر شے کو تشکیکی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہین، انھون نے ایک مضحکہ خیز نظریہ پیش کیا ہے کہ عربون کے مایہ ناز شعرائے جاہلی کی طرف جو دوادین یا اشعار منسوب ہین، انکی طرف تاریخی حیثیت سے ان کا استناد صحیح نہین،

غالبًا اسی نظریہ کو اساس بناکر جامعہ مصر کے پروفیسر ڈاکٹر طہ حسین نے ایک کتاب "الشعر الجاہلی" کے نام سے شائع کی ہے جو ان چند خطبات کا مجموعہ ہے جسکو مؤلف نے جامعہ مصر کے طلبہ کے سامنے دیا تھا، لیکن اس کتاب مین صرف اسی نظریہ سے بحث نہین بلکہ اسی سلسلہ مین کعبہ کی حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ سے بنا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی حجاز مین سکونت کے واقعات سے بھی انحراف کیا ہے،

اس بناپر علمائے مصر کے درمیان اس کتاب سے بڑی برہمی پیدا ہوگئی ہے، لیکن انھون نے صرف مؤلف کی تفسیق و تکفیر پر اکتفا نہین کیا ہے بلکہ مصر کے اخبارات و رسائل مین تاریخی و علمی نقطۂ نظر سے بھی اس کے مدلل اور مسکت جوابات شائع ہو رہے ہین، یون تو مصر کے متعدد علماء نے مختلف رسائل مین اس کے جوابات دیئے اور متعدد مشہور اہل قلم اصحاب نے اس کے جواب مین مستقل کتابین لکھی ہین،

مؤلف کا اصل دعویٰ یہ ہے کہ قبائل عرب کی زبانین ایک دوسرے سے مختلف تھین اس لئے

شعرائے جاہلی کے اشعار کی زبان بھی مختلف ہونا چاہیئے، لیکن اس کے برخلاف سب کی زبان ایک ہے، اسلیے ان کی طرف ان دواوین کا انتساب صحیح نہین ہے، اس کے علاوہ بعض شعرار کی شخصیت، ان کے تراجم کی صحت اور حضرت اسمعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ اور بنائے کعبہ وغیرہ کے سلسلہ مین جو حقائق تاریخی ہین، انکی واقعیت سے بھی مؤلف کو انکار ہے،

چنانچہ اس نے ایک فصل "شعر جاہلی اور زبان" کے عنوان سے قائم کی ہے، جس مین کہتا ہے "اور رواۃ کا عام اتفاق ہے کہ عدنانیون اور قحطانیون کی زبان ایک دوسرے سے مختلف تھی، چنانچہ ابوعمرو بن ابی العلا کا مقولہ ہے کہ "حمیر کی زبان ہماری زبان کے مثل نہین" اور اس کے علاوہ اثری تحقیقات مین بھی بہت سے ایسے نقوش و نصوص ملے ہین، جو ان دونون کی زبانون کو ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ثابت کرتے ہین جیسے کہ زبان عربی اور سامی زبانون مین سے کسی ایک مین تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن باوجود اس کے قحطانی و عدنانی شعرائے جاہلی کے جو اشعار موجود ہین، ان کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے بجائے بالکل قرآن کی زبان ہے، اسلیے یہ یقینی ہے کہ ان شعرار کے دواوین و اشعار کا صرف انتساب غلط ہے بلکہ یہ سب اسلام کے بعد کی چیزین ہین"

مؤلف نے کہان کی بات کہان پہنچا دی، کلام عرب کے اختلافات سے کون ناواقف ہے، وہ اختلاف کہین ایک آدھ کلمہ، ایک دو حرف، یا طریقۂ اعراب اور بلکہ یون سمجھو کہ صرف طریقۂ ادا مین ہے، اور یہی معنی ابوعمر کے جملہ کے ہین، نہ کہ ایسی مغایرت جیسی کہ عربی اور کسی سامی زبان مین ہے، مؤلف اثری تحقیقات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن اگر واقعی ایسی مغایرت تھی اور اس کے ثبوت مین نقوش اور نصوص موجود ہین تو صرف حوالہ کافی نہین، ان کو پیش کرنا چاہیئے تھا، بلکہ اسکی ضرورت تھی کہ زبان کی اس مغایرت کے زمانہ کی تعیین بھی کیجاتی، کیونکہ شعرائے جاہلی کے جو دواوین موجود ہین، وہ بعثت نبوی سے دو یا زیادہ سے زیادہ تین صدی پیشتر کے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہے اور خود مؤلف نے بھی اقرار

کیا ہے کہ عربون مین بیت الحرام کے حج کا طریقہ بعثت نبوی ؐ سے دو تین صدی پیشتر سے رائج تھا، اور اس وقت سے جزیرۂ عرب کے تمام قبائل اطراف وجوانب سے مکہ معظمہ کو حج کے لیے آتے تھے جن سے قحطانی مستثنی نہین ہین، اور یہ بھی معلوم ہے کہ عراق، نجد، شام، حجاز اور یمن وغیرہ مین عدنانیون اور قحطانیون کی آمد ورفت ہوتی رہتی تھی، ان مین باہم کبھی اخوت ومودت کے تعلقات ہوتے تھے، کبھی لڑائیان ہوتی تھین، اور تجارتی معاملات کا سلسلہ تو ہمیشہ جاری رہا، جنکے ثبوت خود مولف کے قول کے مطابق شعرائے جاہلی کے کلام مین موجود ہین، تو پھر ان قبائل کے اس قدر شدید اختلاط کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ ان مین کوئی ایسا اتحاد لسانی موجود نہ تھا جس سے ان دونون کے شبانہ روز کے تعلقات استوار تھے، اور اگر ان کی زبانون مین باہمی ایسی مغایرت ہوتی جیسے کسی سامی زبان کی ہوسکتی ہے تو پھر وہ دوسری زبان ظہور اسلام کے بعد دفعۃً کیونکر اس طرح فنا ہوگئی کہ عربی ادبیات مین اس کا کوئی نام ونشان تک موجود نہین رہا، اور علاوہ ازین اس شدید مغایرت لسانی کے باوجود وہ ظہور اسلام کے ساتھ قرآن پاک کو کیونکر سمجھ سکے، اور اگر نزول قرآن کے وقت ان کی زبان زندہ ہوتی تو اس کا اثر قرآن کی زبان پر یقینی طور پر پڑتا جبکہ قرآن پاک کے مخاطب مخصوص طور پر وہ بھی تھے،

ہان اگر مؤلف زمانہ کی تعیین کرتا اور مغایرت لسانی کو بعثت نبوی ؐ سے بیس صدی پیشتر سے منسوب کرتا تو اس نظریہ کے معقول ہونے پر بحث کیجاسکتی تھی، اسلئے کہ عدنانی بنو اسمٰعیل ؑ ہین، اور یہ یقینی تھا کہ انکی آمد کے وقت انکی زبان قحطانیون سے بالکل مختلف ہوگی، لیکن جب یثرب کے یہود جو بالکل آخر زمانہ مین عرب مین آئے، بعثت نبوی ؐ سے پہلے ایسے ہی فصیح اللسان تھے جیسے خود عرب، تو عدنانی بیس صدی گذرنے کے بعد جبکہ انھون نے جزیرہ مین باقتدار زندگی گذاری اور ان کے تجارتی، جنگی، اور دینی تعلقات سارے عرب سے ہوگئے تھے، پھر قحطانیون اور عدنانیون مین یہ اتحاد لسانی کیونکر نہ ہوتا،

کعبہ کو حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت اسمٰعیل ؑ سے جو نسبت حاصل ہے، اس کے متعلق مؤلف کا خیال ہے

کہ یہ سب جزیرہ عرب میں یہودیوں کے شائع کردہ مزخرفات میں جنکی تاریخی حیثیت سے کوئی اصلیت نہیں،
لیکن یہودیون کا حجاز سے علاقہ زیادہ سے زیادہ ساتوین صدی سے پیشتر کا ثابت ہوا ہے، جس کا خود
مؤلف کو بھی اعتراف ہے، اور معلوم ہے کہ بعثت نبوی ساتوی صدی کے اوائل میں ہوئی ہے، تو اس قدر
قلیل مدت میں اسلام سے پیشتر ہی یہودیون کے یہ مزخرفات جزیرہ عرب کے تمام عربون کے درمیان
ایک حقیقت ثابتہ اور عقیدہ دینیہ کیونکر قرار پاگئے؟ اور بہ فرض اس عقلی تباین کو اس وقت نظرانداز کیا
جا سکتا تھا، جب مؤلف اپنے دعوی کی کوئی دلیل یا معقول توجیہ پیش کر سکتا، لیکن بغیر کسی دلیل اور معقول
توجیہ کے مؤلف کا نظریہ عقلی گمراہی کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟؛

مؤلف نے اشعار کے انتساب پر طویل بحث کی ہے، اور سیاست، مذہب، قصص اور قبیلہ کی باہم
عصبیت کو اس کا سبب قرار دیا ہے، اور خود رواۃ کی بعض تصریحون سے اس کو پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے،
حقیقت یہ ہے کہ مؤلف کی یہی ایک بحث ہے جو نہ صرف قابلِ اعتنا بلکہ قابلِ قبول بھی ہے، لیکن مؤلف
کے طرز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعرائے جاہلی کے تمام کلام کو موضوع قرار دے رہا ہے، مگر پھر یہ بوالعجبی
دیکھو کہ آگے چلکر وہ خود اس تعمیم پر قائم نہیں رہتا، اور اس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ حکم اکثر اشعار جاہلی پر صادق
آتا ہے، صرف اشعار کی ایک قلیل تعداد ایسی ہے جس کے انتساب کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن سخت افسوس
یہ ہے کہ مؤلف نے کم از کم ان اشعار میں سے چند نمونے بھی پیش نہیں کئے جنکا استناد اس کے نزدیک صحیح ہے
تاکہ پڑھنے والا عدنانی اور قحطانی شعراء کے کلام میں کوئی امتیاز قائم کر سکتا، اور اسکی روشنی میں کلامِ عرب کا
مطالعہ کر کے مؤلف کے نظریہ پر غور کرتا،

علاوہ ازین مؤلف نے کسی شاعر کے صرف ایک دو شعر کے غیر مستند ہو جانے سے اس کے تمام
اشعار پر یہی حکم لگا دیا ہے، اور اسی طرح بعض شعراء کے تراجم میں بعض مبالغہ آمیز روایت کی آمیزش
کی بنا پر اس نے سرے سے ان کی شخصیت ہی سے انکار کر دیا ہے کیا یہ طرزِ عمل اصولِ درایت کے

لحاظ سے صحیح قرار پا سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اس تمام سلسلۂ بحث و تحقیق مین پہلے یہ غور کر لینا چاہئیے تھا کہ اگر فی الواقع شعرائے جاہلی کی طرف اشعار غلط طور پر منسوب کئے گئے ہین تو جن شعرا کی طرف یہ انتساب ہوا ہے کم از کم عرب انکو اس انتساب کے پہلے جانتے ہون گے اور ان کے کلام بھی ان مین رائج ہون گے تو اگر کوئی جعل بنانا تو نقل کو اصل سے ملانے کے لیے جعلی اشعار اسی انداز پر بنانا جس پر پہلے سے اشعار موجود تھے، ورنہ اصل نقل مین کیا تطابق ہوتا، اسلیے اگر واقعی اشعار وضع کئے گیے تو بھی اس امر پر سب بڑی دلیل ہے کہ شعرائے جاہلی کی زبان ایک دوسرے سے مختلف تھی ورنہ یہ وضع کردہ اشعار کی زبان بھی یقینی مختلف ہوتی، اور اگر ایسا نہین تو پھر یہ کون باور کر سکتا ہو کہ پہلے اس قدر کثیر شعراء کے نام وضع کئے گئے پھر ان کی شاعری کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کئے گئے، اور اسی تناسب سے اشعار وضع کئے گئے، کہ ایک شاعر کا مخصوص رنگ دوسرے کے کلام سے ممتاز نظر آئے،؟

اس کتاب کے بہت کم نسخے شائع ہوئے تھے کہ وزارت معارف مصر نے تمام نسخے خرید کر اسکی اشاعت ملتوی کر دی اور اب اس کا مقدمہ مصر کی عدالت مین پیش ہے،

ہندوستانی تاریخی کمیشن کا اجلاس لکھنو،

آج سے نو سال پہلے کلکتہ کے بعض تاریخ دوست اصحاب نے ان کاغذات کو جو حکومت ہند و بنگالہ کے محافظ خانون مین محفوظ ہین، اور جن سے ایک بڑی حد تک نہ صرف ہندوستان کی صحیح تاریخ مرتب ہو سکتی ہے، بلکہ بہت سے راز جواب تک معلوم یا کسی دوسری وجہ سے پردۂ خفا مین ہین ظاہر ہو سکتے ہین) دیکھ کر یہ طے کیا تھا کہ ان کاغذات اور دوسرے اسی قسم کے ذخائر سے مضامین اور کتابین مرتب کیجائین اور حکومت ہند محقق مورخین کو ان کاغذات کے استعمال کی اجازت دے، چنانچہ اسی وقت

ان لوگون نے سرکاری منظوری کے ساتھ "ہندوستانی تاریخی کمیشن" نام ایک انجمن قائم کرکے اس سرایوان کا کو جو سرکاری اعلیٰ عہدہ کی ذمہ داری کیساتھ رسالہ بنگال پاسٹ و پریزنٹ (BENGAL PAST APPRESENT) کے اڈیٹری کی حیثیت سے خاص تاریخی و ادبی شہرت رکھتے ہیں، اس کا صدر اور نواب زادہ عبدالعلی صاحب ایم اے کو جو اس محافظخانہ کے ذمہ دار افسر ہیں، اس کا ناظم مقرر کیا گیا، اور مورخینِ ہند نے اس کا پہلا اجلاس کلکتہ ہی مین منعقد کرکے اس کو مستقل مفید مجلس بنا دیا، اس وقت سے اس کمیشن کے سالانہ اجلاس ہندوستان کے مختلف تاریخی شہرون مین ہوتے رہے ہین، اور اب اس سال اس کا نوان سالانہ جلسہ اودھ کے دار السلطنت اور ایک حد تک اسلامی تمدن کے مرکز لکھنؤ مین گذشتہ دسمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو ہوتا رہا، اس کے ساتھ ہی سرکاری اہم کاغذات اور ذاتی تصاویر تاریخی اسناد، دستاویزات و سکون کی نمائش بھی کیگئی،

مستقل صدر کی عدم موجودگی مین خیال تھا کہ حکومتِ ہند کے قائم مقام رکن تعلیم اس سالانہ جلسہ کی صدارت کرین گے، لیکن انکے وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے، یہ عزت ہندوستان کے مستند مورخ، جامعۂ کلکتہ کے وائس چانسلر اور مشہور مصنف بابو جدو ناتھ سرکار ایم اے، آر، پی، ایس کے حصہ مین آئی، انتخابِ صدر کے بعد وزیرِ تعلیمات صوبہ متحدہ نے گورنر صوبہ کی طرف سے عدم شرکت کی معافی کا پیغام پڑھا اور اودھ کے سرکاری کاغذات کے غدر کے وقت تلف ہونے اور بعد ازان نذرِ آتش ہو جانے پر اظہارِ افسوس کیا اور بتایا کہ یہان دیوانی کے کاغذات ۱۸ وین صدی کے آخر سے اور مال کے کاغذات انیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوتے ہین، اور پانچ سال سے مسٹر ابو محمد ایم، اے ان کے مطالعہ و ترتیب مین مشغول ہین، اس کے علاوہ لکھنؤ اور الہ آباد کے جدید و قدیم جامعون مین بھی جو تاریخی کام ہو رہے ہین ان کا حوالہ دیا، اس پیغام کے خاتمہ پر مختصر لیکن دلچسپ افتتاحی صدارتی تقریر ہوئی اور پھر ۲ بجے تک مختلف اشخاص نے اپنے مضامین پڑھے، ۲ بجے تاریخی نمائش کا جس کے کامیاب بنانے مین نہ صرف ناظم صاحب ممدوح بلکہ مقامی روسا کی

و تاریخ دوست اصحاب نے حصہ لیا تھا۔ رسمی افتتاح کیا گیا، اس افتتاح کے بعد پہلے دن کا اجلاس ختم ہوا،
۱۱ اور ۱۲ کو اجلاس کیساتھ ہی ساتھ دعوتون اور تاریخی مقامات کی سیر کا سلسلہ بھی جاری رہا،

کمیشن کے سہ روزہ اجلاس مین جو مضامین پڑھے گئے ان مین قابل ذکر یہ ہین:-

(۱) سر ایون کاٹن، مینائے ڈی بوائن،

(۲) بابو جدو ناتھ سرکار، سترہوین و اٹھارہوین صدی کے مرہٹونکے خاندانی کاغذات

(۳) جے بے کاٹن، ولیم ناٹن کی مشہور کتاب: ایک مشرقی حکمران کی خانگی زندگی (جو نواب نصیر الدین کے حالات پر مشتمل ہے)

(۴) ڈاکٹر شفاعت احمد خان، مغلیہ ہندوستان پر نئی روشنی (یہ مضمون کمپنی کے صدر دفتر کے کاغذات ۱۱ر دسمبر ۱۶۲۶ء سے ۱۶۷۱ء تک کے مطالعہ پر مبنی ہے)

(۵) پروفیسر جے، سی، سنہا، لارڈ کارنواس کے زمانہ مین کمپنی کی بنگال مین تجارت

(۶) پروفیسر سی، ایس سرنیواس آچاری، براحمل کے کاغذات مین اپنی ڈوبے کا تذکرہ،

(۷) پادری ایچ، ہیراس ایس جے بمبئی جہانگیر اور پرتگالی،

(۸) پروفیسر جے، این، اسماوار، پٹنہ ۱۶۲۰ء مین تسخیر روہتاس کے متعلق بعض مزید معلومات

(۹) پروفیسر ایچ، سی، سنہا ہندوستان مین محدود ذمہ داری کا اولین بینک،

(۱۰) پروفیسر قانون گو، شہزادہ داراشکوہ اور مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ،

(۱۱) رائے رام پرشاد چندا کلکتہ عجائب خانہ مین منڈلا منچ کا تاریخی حصہ،

(۱۲) مسٹر سروب جے سیٹھ ۵۰ اقوام مین ہندوستانیون کی آرمینا مین آبادی،

(۱۳) مسٹر برجندر ناتھ بنرجی، راجا رادھا کانت دیب کی ملکی خدمات،

(۱۴) مسٹر نیڈورنگ، سیواجی کے متعلق پرتگالیون کی حکمت عملی،

(۱۵) نواب زادہ ایم عبدالعلی صاحب شجاع الدولہ،

اجلاس کی کارروائی اور مضامین کی فہرست دیکھ کر جو تکلیف وہ احساس ایک علم دوست مسلمان

کے دل میں پیدا ہوتا ہے، وہ اس مجلس میں مسلمانوں کی عدم شرکت ہے اگرچہ دوران اجلاس میں مسلم

کلب، اور امام باڑہ حسین آباد میں متعدد اشخاص کی دعوت مسلمانوں کی طرف سے ہوئی، لیکن وہ علمی

دلچسپی سے زیادہ ذاتی نمائش کا پہلو لیے ہوئے تھی، ہم کو امید تھی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نہیں تو کم از کم علی گڑھ

کے ارکین تاریخ میں سے کوئی صاحب ضرور اس میں شرکت کریں گے، لیکن اس عنصر کا ایک عام فقدان

ہے، کیا مسلمان اسی طرح دوسری قوموں کا ہر شعبۂ حیات میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، بہت ممکن تھا کہ

وہ اس مجلس میں شریک ہو کر اور ان غلط بیانوں کی تردید پر جو مصدقہ صورت اختیار کرتے جاتے ہیں

مضامین پڑھکر ان کی اصلاح کرتے، اور اس طرح تردیدی مواد کا ذخیرہ بھی ہمارے سامنے آجاتا، لیکن ہم

خود کچھ نہیں کرتے اور جب کوئی دوسرا اپنے نقطۂ خیال سے ہمارے خلاف کچھ لکھتا ہے تو اس کے خلاف

ایک بیکار شورش برپا کر دیتے ہیں، "ن"

حضرت لقمان کی شخصیت

حضرت لقمان عربوں کے درمیان ایک صاحب ایمان اور اہل حکمت کی حیثیت سے روشناس ہیں اور اسی حیثیت سے قرآن مجید نے بھی

انکو پیش کیا ہے، اور ان کے عمدہ نصائح کا تذکرہ کیا ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے انکی شخصیت کی تعیین اور انکی قومیت کے متعلق سخت اختلاف ہے، بعض

انکو خالص عرب بعض حبشی اور بعض یونانی سمجھتے ہیں، جو لوگ انکو عرب مانتے ہیں، وہ بھی انکے سلسلۂ نسب کے بیان میں مختلف ہیں،

جامع ازہر کے ایک عالم نے المنار مصر کے گذشتہ پرچہ میں حضرت لقمان کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ توراۃ میں بلعام بن

باعور کے نام سے جس غیر اسرائیلی حکیم کا تذکرہ ہے، درحقیقت وہی عربوں کا لقمان ہے، عالم موصوف اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"بلعام بن باعور توراۃ میں کفار کے قبیلہ کے ایک حکیم کی حیثیت سے مذکور ہے، جسکو اسکے قبیلہ کے لوگ بنی اسرائیل کو بد دعا

دینے کیلئے بلاتے ہیں، وہ آتا ہے اور بد دعا نہیں کرتا، توراۃ میں ہے کہ وہ خدا کی اجازت سے آتا ہے جب آتا ہے اور وہ اپنا کہتا ہے تو خدا اُسکے منہ میں اپنی باتیں ڈالتا ہے، بہر حال

بلعام بن باعور، عربوں کا لقمان بن باعور حکیم ہے،

اس نظریہ کی تائید پیرس کی جمعیۃ شرقیہ کے سرگرم رکن ڈاکٹر جی ڈرنبرگ بھی کرتے ہیں، اور اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں کہ اول لقمان اور بلعام نسب میں دونوں باعور سے منسوب ہیں، دوسرے ایک قدیم کتاب میں جسکا مصنف ایک مورخ ہے، تصریح موجود ہے کہ "لقمان" اور "بلعام" ایک ہی مسمی کے دو اسم ہیں یعنی بلعام وہی فلسفی ہے، جسکو عرب لقمن کہتے ہیں" لغوی حیثیت سے دیکھو تو "بلع" "لقم" دونوں کے ایک معنی نگلنے کے ہیں، بلع عبرانی میں اسی معنی میں آتا ہے،

ڈاکٹر جی ڈرنبرگ کے اس نظریہ کو قابل قبول سمجھنے میں تاریخی نقطۂ نظر سے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں، لیکن اس میں جو پیچیدگی ہے وہ یہ ہے کہ اگر لقمان اور بلعام دونون ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، تو پھر بلعام کو توراۃ میں کفار کی جماعت کا ایک فلسفی بتانا اور قرآن میں لقمان کو ایک مومن کامل الحکیم کہنا کیا معنی رکھتا ہے، ہماری تفسیرون میں بلعام کے متعلق جو روایات ہیں وہ تمامتر "اسرائیلیات" یعنی یہودیون کی وہ روایتیں ہیں جنکو انھون نے اسلام لانے کے بعد اپنے قدیم مذہبی معلومات کی بنا پر علمائے اسلام کے سامنے بیان کیا، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ان روایات کی کوئی وقعت نہیں، کیونکہ وہ سب یہودیون کے مزخرفات سے ملو ہیں، اس کے بعد توراۃ اور قرآن پاک کے اختلاف کو سامنے لاؤ تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محرف توراۃ میں بلعام کے متعلق جو کچھ ہے اسکی تصدیق ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، کیونکہ توراۃ اور قرآن مجید میں یہ اختلاف صرف لقمان ہی کے متعلق نہیں بلکہ ان دونون کے سوا اور دیگر انبیاؑ کے مقدس حالات اور اخلاقیات کے متعلق بھی شدید اختلافات ہیں، مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت لوط علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرام کے متعلق توراۃ اور قرآن پاک میں اسی قسم کے اختلافات ہیں، حضرت داؤد اور سلیمانؑ توراۃ کے رو سے پیغمبر نہیں سمجھے جاتے اور قرآن ان کو پیغمبر قرار دیتا ہے، حضرت لوط کو توراۃ مجرم اور

قرآن ان کو معصوم ٹھہراتا ہے، اسی طرح بلعام کے کافر ہونے کے متعلق بھی توراۃ مین جو کچھ ہے وہ خود اپنے بیان کے تضاد کے سبب سے ناقابلِ اعتبار ہے، ایک جگہ تو اس کا خدا کی اجازت سے آنا اور پھر آنے پر خدا کا اس پر عتاب کرنا متضاد ہے، اور پھر جب وہ خدا کے حکم سے آتا جاتا ہے اور فرشتے اس کو نظر آتے ہین تو وہ کافر کیونکر ہوگا، اسی بنا پر خود عیسائی علمار نے بلعام کے متعلق توراۃ کے مضطرب، متبائن اور ایک دوسرے سے متضاد بیانات سے عاجز آکر توراۃ کی تمام تصریحات کی تکذیب کی ہے، ایسی حالت مین توراۃ کے یہ مضطرب بیانات قرآن مجید کے بیان کی صداقت پر کیونکر اثر ڈال سکتے ہین، جو اس کو ایک کامل مومن اور موحد حکیم ٹھہراتا ہے،

اسلیے اس نئی تحقیق کی بنا پر بلعام اور لقمان ایک ہی مسمّی کے دو اسم کہے جا سکتے ہین اور اسکے ساتھ یہ تصریح بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ وہ ایک مومن کامل حکیم تھے، نہ کہ کافر۔

ساتوین صدی کی ایک اسلامی گھڑی

قاہرہ کتب خانۂ تیموریہ مین تاریخ کی ایک کتاب کے بعض اجزار ہین، جبکے ناقص ہونے کے باعث ابھی تک نہ اس کے مصنف کا پتہ چلا ہے اور نہ اس کتاب کا نام معلوم ہو سکا ہے، ان اجزاء سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ عام عرب مورخین کی اصول ترتیب کتاب کی طرح اسکی ترتیب بھی سنین پر ہے، کیونکہ ان اجزار مین ۶۲۶ھ سے ۶۴۰ھ تک کے مسلسل واقعات موجود ہین،

انھین اجزار مین حوادث ۶۳۳ھ کے ذیل مین ایک مدرسہ طبیہ اور شفاخانہ کی عمارت کی تکمیل کے حالات درج ہین، جسکو خلیفہ مستنصر عباسی نے مدرسۂ مستنصریہ کے سامنے بنوایا تھا، مدرسۂ طبیہ کی عمارت کے سلسلہ مین مصنف نے ایک گھڑی کے حالات بھی لکھے ہین، جس سے عربون کی صناعی کا پتہ چلتا ہے، اس مین مذکور ہے کہ:-

"اس سال یعنی ۶۳۳ھ مین اس ایوان کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جو مدرسہ مستنصریہ کے سامنے بن رہا تھا، اس ایوان مین ایک بلند اسٹیج بنایا گیا ہے جسپر اطبا کی نشست ہوتی ہے اور اس کے قریب طلبہ کی نشست گاہ ہے تاکہ وہ اطباء کی تشخیص امراض وغیرہ سے مستفید ہو سکین،

اسی اسٹیج کی دیوار پر ایک دائرہ ہے جس مین آسمان کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس مصنوعی آسمان مین چند نہایت خوشنما محرابین بنائی گئی ہین جنمین دروازے لگے ہوئے ہین اور دائرے کے وسط مین سونے کے دو باز بنائے ہین جو سونے کے دو طشت مین کھڑے ہوئے ہین، اور ان مصنوعی بازون کے پیچھے پیتل کے دو گولے ہین جو سامنے سے نظر نہین آتے،

ایک گھنٹہ گذرنے پر پیتل کے دونون گولے بازون کے منہ مین آتے ہین اور پھر ان کے منہ سے سونے کے طشت مین گرتے ہین اور ان کے گرنے کے ساتھ محرابون مین سے ایک کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اس کے بعد وہ گولے اپنی جگہ پر چلے جاتے ہین، اور اسی طرح ایک ایک گھنٹہ پر ایک ایک دروازہ کھل جاتا ہے،

اور نیز طلوعِ آفتاب کے ساتھ اس دائرے کے لاجوردی آسمان مین سونے کے چند ہلال نمودار ہوتے ہین، جو آفتاب کی گردش کے ساتھ گردش کرتے ہین، اور اس کے غروب ہوتے ہی وہ بھی غائب ہو جاتے ہین،

اور جب رات آجاتی ہے تو پھر چند چاند نکلتے ہین، جنکے پیچھے ہلکی سی روشنی ہوتی ہے، اور جیسے جیسے وقت گذرتا ہے، ان مین سے ایک چاند کی روشنی بڑھتی جاتی ہے یہان تک کہ وہ ایک گھنٹہ مین ماہ کامل بنجاتا ہے، اسی ترتیب سے یہ سلسلہ طلوعِ آفتاب تک جاری رہتا ہے، اور اس طرح یہ گھڑی شبانہ روز کے اوقات بتاتی رہتی ہے

نورالدین علی بن ثعلب ساعاتی (گھڑی ساز) المولود ۶۰۱ھ اس گھڑی کا نگران تھا، جو تمام عمر اسی خدمت پر مامور رہا، یہانتک کہ ۶۸۳ھ مین وفات پائی"

"ر"

عراق مین مجمع علمی کا قیام، عراق مین وزارت معارف کی طرف سے دس ہزار روپیے کے سرمایہ سے ایک علمی انجمن "المجمع العلمی العربی" کے نام سے قائم ہوئی ہے، جو عراق مین تصنیف و تالیف کے ذریعہ علمی خدمات انجام دیگی، اس مجمع کے صدر مشہور شاعر السید الرصافی ہین اور رفقاے مجمع مین سے انستاس الکرملی، شیخ طہ الراوی اور ساطع بک الحصری وغیرہ ہین،

نباتات کے اسمار کا ایک لغت، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے "المعجم فیما خفی من اسمار النبات و الشجر" کے نام سے ایک لغت تیار کیا ہے جس مین ہر قسم کے نباتات کے نام جمع کئے ہین، اس لغت مین تقریباً چار ہزار نباتات کے نام ہین، ترتیب یون ہے کہ وسط مین نبات کا لاطینی نام ہے اور اس لاطینی نام کے بائین طرف اسکی کوئی مخصوص علامت بتائی گئی ہے، پھر اسی طرف اس کا فرانسیسی نام ہے، اور پھر انگریزی نام درج ہے، اور پھر لاطینی نام کے دائین طرف اس کا عربی یا معرب نام لکھا گیا ہے، کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور عنقریب مصر کی وزارتِ معارف کی طرف سے شائع ہونے والی ہے،

حکومت بیزنطی کے آثار، برٹش میوزیم نے ایک وفد ترکی کو روانہ کیا ہے تاکہ قسطنطنیہ مین حکومت بیزنطی کے آثار قدیمہ کی جستجو کرے، یہ وفد "سلطان احمد کے میدان" مین کام کرے گا، جہان حکومت بیزنطی کے بہت سے آثار کے ملنے کی توقع ہے، حکومت ترکیہ نے اس وفد کو سال بھر تک اس میدان مین کام کرنے کی اجازت دی ہے،

پھانسی کی سزا کی منسوخی، موسیولینی پر متعدد مرتبہ قاتلانہ حملہ ہونے کے باعث اٹلی میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ پھانسی کی سزا جو اٹلی میں مدت سے منسوخ ہو چکی ہے، پھر نافذ کر دیجائے، اس سلسلہ میں ذیل کا نقشہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس ملک میں کب یہ سزا منسوخ ہوئی،

نام ملک	سنہ تنسیخ	نام ملک	سنہ تنسیخ
پرتگال	۱۸۶۷ء	ہالینڈ	۱۸۷۰ء
اٹلی	۱۸۸۹ء	ناروے	۱۹۰۲ء
روس	۱۹۰۳ء	آسٹریا	۱۹۱۸ء
سویڈن	۱۹۲۱ء	. . .	. . .

ان ممالک کے علاوہ رومانیہ، سوئیٹزرلینڈ اور ولایات متحدہ امریکہ میں سے آٹھ ولایتون میں بھی اس سزا کی تنسیخ ہو چکی ہے،

ان کے علاوہ بعض ممالک ایسے ہین جہان اسکی تنسیخ نہین ہوئی لیکن وہان مدت سے اس پر عملدرآمد نہین ہوا ہے مثلاً فنلینڈ مین ۱۸۲۶ء سے ۱۹۱۸ء تک اور ڈنمارک مین ۱۸۹۳ء سے ابتک کسی کو پھانسی نہین دیگئی، اور اسی طرح بلجیم مین بھی تقریباً ۸۰ برس سے اب تک کوئی شخص پھانسی کے تختہ پر نہین چڑھایا گیا ہے،

تیرنے والا ہوائی جہاز، جرمنی مین ایک ایسا ہوائی جہاز تیار ہوا ہے جس مین طاقت پرواز کے ساتھ سمندرون مین تیرنے کی بھی صلاحیت موجود ہے، اب تک بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ہوائی جہازون کی قوت بیکران سمندرون کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ختم ہوجاتی تھی جسکی وجہ سے وہ اوپر سے گر پڑتے تھے، جس سے ان کی بربادی کے علاوہ مسافرون کی جانین تلف ہوتی تھین،

لیکن اس جدید اختراع سے خاص سہولت یہ ہوگی کہ جب انکی قوتِ پرواز کمزور ہو جائے گی تو ان کو ہوا سے اوتار کر سطح سمندر پر ڈال دینگے اور ان مین تیرنے کی قوت ہونے کی وجہ سے ان کی مسافت کے طے کرنے مین بھی تعویق نہ ہوگی،

امریکہ مین موٹرون کی کثرت، امریکہ مین موٹرون کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہان ان پر صرف آٹھ مہینہ مین اس قدر کثیر رقم صرف ہوتی ہے جس قدر حکومت برطانیہ عظمی نے جنگ عظیم کے دوران مین مختلف ممالک سے قرضے لیے تھے.

نیوزیلینڈ مین درندے کیون نہین ہوتے، یہ عجب اتفاق ہے کہ نیوزیلینڈ مین درندون کا سرے سے وجود نہین ہے حالانکہ بالکل اس کے قریب ہی آسٹریلیا مین وہ بہ کثرت پائے جاتے ہین، اسکی توجیہ یہ کیجاتی ہے کہ یہ مقام دنیا کے براعظمون مین حیوانات کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی اُن سے جدا ہو گیا اسلیے یہان کسی قسم کے حیوان کا وجود نہ تھا، اسکے بعد ان براعظمون سے پرندے اڑکر یہان پہنچے، جنکے پوٹون مین نباتات کے بیج تھے، یا یہ ممکن ہے کہ وہ بیج ان کے پنجون مین لگے رہ گئے ہون، اور یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سمندر نے اپنی موجون کے ذریعے نباتات کے دانے اس مقام مین ڈال دیئے ہون، لیکن درندون کے پہنچنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی، اسلیے ابھی تک یہ ملک ان سے خالی ہے،

آفتاب کی حرارت، ڈاکٹر جابٹر امریکہ کے ماہرینِ فلکیات مین نہایت بلند شخصیت رکھتے ہین، جنکی سی سالہ جد و جہد حرارتِ آفتاب کے متعلق بہت کچھ معلومات بہم پہنچا چکی ہے، اب ان کا مقصد ہے کہ آفتاب کی حرارت کے متعلق انتہائی کد و کاوش سے جزوی سے جزوی معلومات

و قیاسات بھی کرلین، چنانچہ اس مقصد مین کامیاب ہونے کے لیے امریکہ کی جمعیۃ جغرافیہ وطنیہ نے اا ہزار پونڈ عطا کئے ہین، تاکہ ان سے مغربی افریقہ کے جنوبی حصہ مین ایک رصدگاہ قائم کیجاے جو کلیفورنیا اور چلی کی رصدگاہون کو حرارتِ آفتاب کے متعلق روزانہ قیاسات و معلومات حاصل کرنے مین مدد دے سکے، پھر جب کافی سرمایہ جمع ہوجائے گا تو نصف کرۂ شرقی کے شمال مین اسی مقصد کیلئے ایک اور رصدگاہ قائم کی جائے گی،

جامع خاصکی کی محراب، بغداد مین جامع خاصکی نام ایک جامع مسجد تھی جسکی ایک محراب تک موجود ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نہایت قدیم اسلامی عربی تعمیر کی یادگار ہے، یہ طے ہوگیا تھا کہ اس محراب کو صندوق مین رکھکر لندن کے عجائب خانہ مین بھیجدیا جائے مگر خیر گذری کہ بروقت عرب قدر شناسون کے شور و غل نے اس فتنہ کا خاتمہ کردیا، اور اب یہ محراب عربی عجائب خانہ بغداد مین ہے،

کتبخانہ حیدریہ، عراق کی وزارت اوقاف نے یہ طے کیا ہے کہ نجف اشرف مین ایک کتبخانہ قائم کیا جائے، جس کا نام حضرت علی مرتضیٰؓ کے لقب حیدر کی مناسبت سے حیدریہ رکھا جائے، اس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کے مشہد مین جو کتابین موجود ہین، وہ بھی اسی کتب خانہ مین شامل کردیجائینگی،

اسلامی فنون کی نمائش، قاہرہ (مصر) کے بعض پرجوش مسلمان یہ تجویز کررہے ہین کہ مصر مین اسلامی ہنر و فن و صنعت کی ایک نمائشگاہ قائم کیجائے، یہ نمائشگاہ غالباً توران پاشا کے محل واقع میدان باب الحدید مین قائم ہوگی، امیر یوسف کمال اس تحریک کے اصل بانی اور کارفرما ہین،

نیل الاوطار، فقہ اسلامی کی مشہور کتاب نیل الاوطار کے طبع ثانی کی اطلاع معارف مین پہلے شائع ہوچکی ہے، گذشتہ ماہ مین اسکی آٹھوین اور نوین جلد بھی طبع ہوگئی، اور اسی پر کتاب بھی ختم ہوگئی، آخر مین شیخ محمد منیر دمشقی نے اصل متن منتقی اور اسکے مصنف مجدالدین ابن تیمیہ اور نیل الاوطار اور اسکے مصنف قاضی شوکانی کے حالات لکھ کر اضافہ کئے ہین،

"م"

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَاد

اردو کے نئے رسالے،

گذشتہ شش ماہی اردو صحافت مین دو قابل الذکر خصوصیتون کی وجہ سے ممتاز ہے، (۱) نسوانی رسائل کا اجراء، اور (۲) دور دراز صوبون مین مختلف متعدد رسائل کی اشاعت؛

یون تو تقریباً ربع صدی پہلے ہی سے ہندوستان مین نسوانی طبقہ کے لیے مسلمانون مین مخصوص پرچے نکلنے لگے تھے، اور شیخ عبداللہ صاحب وکیل علی گڈہ نے خاتون کے ذریعہ ان کا معیار بلند تر بھی کر دیا تھا لیکن عام فقدانِ تعلیم اور شریف خواتین کے "ذوق مضمون نگاری" کو پرانی وضع کے خلاف سمجھنے کی وجہ سے ان کو وہ ترقی، اعلیٰ مرتبہ، اور حلقۂ اثر کی وسعت نصیب نہین ہوئی جو اب بست و پنج سالہ مغربی تعلیم اس کے اثرات اور نتائج کی بنا پر حاصل ہو رہی ہے، اس وقت بھی تہذیب النسوان، ظل السلطان، پردہ نشین عصمت وغیرہ بحمداللہ زندگی قائم رکھے ہوئے ہین،

لیکن اب تک جتنے زنانہ اخبار یا رسائل شائع ہوتے تھے اُن مین زیادہ تر مردون کے ہاتھ ہوتے تھے، مگر گذشتہ دو سالون سے جو رسالے نکل رہے ہین اُن کی یہی ایک خصوصیت نہین ہے کہ ان کی ذمہ دار کارکن ہستیان علمی حیثیت سے بلند مرتبہ ہین، بلکہ ان کا تعلق بھی اسی جنس لطیف سے ہے، اور اس طرح وہ اگر اپنی بہنون کے خیالات کو بہتر سمجھتی ہین تو ان کے مطالبات کو بھی پورے زور کیساتھ پیش کر سکتی ہین، چنانچہ گذشتہ سال جو دو رسالے، سہیلی، اور سرتاج، علی الترتیب امرتسر و ملتان سے نکلنا شروع ہوئے تھے انھون نے پنجاب صوبہ متحدہ اور بہار تک مین اپنے رفقا، پیدا کر لئے ہین، ان مین سے اس سال سب سے پہلے شائع ہونیوالا رسالہ نور جہان ہے، یہ رسالہ پنجاب کے مشہور اہل قلم مولوی محمد عبداللہ منہاس کی زیر ہدایت محترمہ سعادت

سلطان صاحبہ کی زیرادارت جنوری ۲۲ء سے جاری کیا گیا ہے، مضامین بلندپایہ، مفید اور دلچسپ ہوتے ہین، اس رسالہ نے نصاب تعلیم نسوان کا تشنۂ بحث موضوع چھیڑکر ایک اہم مسئلہ کو ملک و قوم کے سامنے پیش کردیا ہے، اسکی سالانہ قیمت قسم اوّل ۳ روپیہ اور دوم ۲ روپیہ ہے، پتہ منیجر نور جہان امرتسر،

اس کے بعد جو رسالہ ہم تک پہنچا، وہ جناب لیڈی ڈاکٹر بیگم عبدالغفور کا حرم ہے، یہ رسالہ ایک تجربہ کار و واقف حال ہاتھون مین رہنے کی وجہ سے عام فہم، مفید، اور مطابق ضرورت مضامین کے لیے نمایان ہے، خوش قسمتی سے جناب لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے رفیق حیات دونون صاحب ذوق ہین، اسلئے پرچہ کو مفید عام بنانیکی پوری کوشش مین مصروف ہین، جناب عبدالغفور صاحب نے رسالہ کے آخر مین ڈاکٹر براؤن انجانی کے ان خطبات کا ترجمہ دیا ہے جو انھون نے فٹز پٹرک خطبات (FITZ PATRICK LECTURE) سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء کے طور پر دیئے تھے اور جن پر معارف مین ایک مبسوط مضمون بھی شائع ہوچکا ہے، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی بری نہین، قیمت سالانہ تین روپیے ہے، اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے جو فائدہ ہوگا وہ غریب اور بیمار عورتون کے علاج پر صرف کیا جائے گا، پتہ ڈاکٹر بیگم عبدالغفور محلہ ٹکمان پیلی بھیت،

سب سے کمسن زنانہ رسالہ عفت ہے جو صوبہ بہار کے ایک گاؤن گوڑگوانوان سے گذشتہ ماہ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، عفت، اگرچہ ناتجربہ کار ہاتھون مین ہے، لیکن جس جوش، خلوص اور عزم وارادہ کے ساتھ نکلا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے اس کی کامیابی کے ہم متوقع ہین، زیب النساء چھپرہ کی چند ماہہ زندگی کے خاتمہ کے بعد عفت کا نکلنا صوبۂ بہار و بنگال کے لیے یقیناً ایک بڑی کمی کی طرف پہلا تکمیلی قدم ہے، اسکی مرتبہ جناب صالحہ خاتون صاحبہ ہین، قیمت سالانہ تین روپیے، پتہ منیجر عفت آستانہ گورگوانوان، ڈاکخانہ کھگول، (پٹنہ)

اسی سلسلہ مین انجمن خواتین دکن کے رسالہ کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا، بیگم صاحبہ سر سلیمان مرزا بیرسٹر اسکی اڈیٹرس ہین، بیگم صاحبہ کا نام متعدد کتابون کی مصنفہ ہونے کے سبب سے تعلیم یافتہ خواتین ہند مین

خاص طور سے نمایان ہو، یورپ کے دوران مباحث مین اپنے طبقہ کے جذبات امرتبہ اور حقوق کے متعلق
عام مجالس مین جس خوبی سے اظہار فرمایا اس سے اکثر اخبار بین اصحاب واقف ہونگے، ہم خوش ہین کہ بہان
کی ایک محترمہ خاتون، دکن مین اس عام شکایت کی جو بہار کی مسلم خواتین کے متعلق ہے تلافی کر رہی ہین
پتہ، منیجر النساء، تالاب ماں صاحب صغرا منزل حیدرآباد دکن۔

گذشتہ سال اردو کے متعدد رسالے نکلے اور ان مین سے اکثر رسائل پر جون کے نمبر مین تنقید کر دی گئی تھی، عام
طور سے یہ تمام رسائل ایک ہی طرح کے ہین، اور اگر یہیں اس سال شائع ہونا شروع نہ ہوتا تو یہ سال اعلیٰ
رسائل کے لحاظ سے بالکل ہی خالی ہوتا، ان رسائل کے مضامین وہی ہمہ گیری ہے، اور اگر ایک کا سرورق دوسرے
پہ لگا دیا جائے تو کوئی فرق نہ ہو گا، البتہ جیسا کہ ہم نے ابتدا ہی مین بتایا ہے، ان مین سے متعدد رسائل صوبہ
بمبئی اور ایک صوبہ بہار سے نکلنے کی وجہ سے توجہ ہین، صوبہ بمبئی مین چند اردو دوست اصحاب علم کی بدولت
اردو کی توسیع و ترویج کی عام کوشش ہو رہی ہے، اور وہان کا تعلیمی محکمہ بھی اس مین حصہ لے رہا ہے، عہد
ترک موالات مین خلافت وغیرہ کے متعلق جو لٹریچر شائع ہوتا رہا وہ چونکہ عموماً اردو ہی مین ہوتا تھا
اس لئے اردو کو بالواسطہ اس چیز نے بھی وہان قوت بخشی، زبان "کاٹھیاوار کا پہلا علمی و ادبی ماہوار رسالہ
ہے، اس کے اڈیٹر عبدالرحمن صاحب خوشتر ہین، اردو دانان کاٹھیاوار کا یہ پہلا علمی قدم ہے مضامین سے اعلیٰ
علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے، امید ہے کہ کاٹھیاوار اپنے شایانِ شان ترقی اس رسالہ کو بخشنے مین کامیاب ہوگا،
ضخامت ۴۰ صفحے سالانہ چندہ للعہ، پتہ:- منیجر زبان، منگرول، (کاٹھیاوار)

دوسرا رسالہ خاص شہر بمبئی سے نکلتا ہے، اقتباس ۴۰ صفحات کا رسالہ ہے، جناب شبیر بدایونی
"آنریری اڈیٹر" ہین، مضامین تاریخی و ادبی ہوتے ہین، لیکن ان کا زیادہ تر حصہ ترجمہ ہوتا ہے، ایک
ثلث سے زیادہ اوراق وقفِ نظم ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد بنی امیہ کو برا بھلا کہنا بھی ہے،
کیونکہ صرف ایک جولائی نمبر مین کامل ایک جزاسی قسم کے تراجم پر وقف کیا گیا ہے، ایک عنوان ہے

اسمیہ ...معاویہ کے دربارمین ... حق گوعورتون کے بیانات" حالانکہ یہ واقعات مولانا حالی مرحوم نے اپنے ایک مضمون حقوقِ خواتینِ اسلام شائع شدہ معارف علی گڑھ مین آج سے تیس بتیس برس پہلے لکھدیئے تھے، اسی طرح اقتباس کے دوسرے مضامین مین بھی اس قسم کی چیزین ملتی ہین، حق کے اظہار مین ایسا اسلوبِ بیان اختیار کرنا مناسب نہین جو فائدہ کے بجائے مزید افتراق کا موجب بنے، سالانہ قیمت عہ، پتہ دفتر اقتباس قادر بلڈنگ بمبئی ۸،

اسی تجارتی شہرسے تجارت نام ایک اور صحیفہ جناب قاضی محمد عطاء اللہ صاحب ندوی مالک حجازی پریس کے زیرادارت نکلنا شروع ہوا ہے جس مین عام مضامین کے ساتھ بمبئی کی مناسبت سے تجارتی مضامین ومعاملات اور خبرون کا خاص اہتمام ہے، قیمت پتہ:۔ منیجر تجارت بھنڈی بازار بمبئی ۹ ۔ یہین سے

اوبستان نام ایک ادبی رسالہ بھی نکلنا شروع ہوا ہے، انجمن معین الادب کا علمی، ادبی، ماہوار رسالہ ہے، مضامین ادبی، رنگین بھی ہین، افسانے بھی دلچسپ ہین، انتخاب بھی برا نہین، نظم کا بھی حصہ ہے، کاش "ذوقِ سلیم" کو اس سے زیادہ بلند تر اور سنجیدہ ومتین بنانے کی امکانی کوشش کیجاتی، اس کے ساتھ ہر مہینہ کے پرچہ مین عام مذاق کی تصاویر بھی ہوتی ہین، حجم ۳ جزر سالانہ قیمت للعہ، پتہ دفتر اوبستان ۱۷۳ دادر مین روڈ بمبئی ۱۴،

برما کے دوردراز صوبہ سے بھی اردو کی آواز سنائی دیتی ہے، جناب محمد عبدالغفار خان نے مانڈلے سے ایک علمی وادبی ماہوار قابلِ توجہ تحفہ شائع کرنا شروع کیا ہے، مضامین قابلِ شکایت نہین ہین، اور ہم کو امید ہے کہ تحفہ نے اگر موجودہ معیار ہی قائم رکھا تو برما مین کم ازکم احساسِ علم پیدا کرنے مین ضرور کامیاب ہوجائے گا، رسالہ ۳ جز کا ہے، برما کے لحاظ سے طباعت بھی بری نہین، اگرچہ ہماری آنکھین اس سے بہت بہتر دیکھنے کی متمنی ہین، قیمت سالانہ للعہ، پتہ:۔ منیجر تحفہ بی، روڈ، مانڈلے، برما،

حکومت برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر کلکتہ کے افق مشرقی سے ایک درخشان آفتاب طلوع ہونا شروع ہوا ہے، بنگال وبہار کی زمین اردو صحافت کے لیے جس قدر پرشور رہے، ان کو دیکھتے ہوئے،

اس رسالہ کے مفید مضامین، حسن ترتیب، دلچسپ افسانے اور علمی معلومات کا ذخیرہ لائق تحسین ہے، "ہمارے پانچ قومی شعراء" کا کشت زعفران مضمون بہت ہی اچھا ہے، اور گو گمنام چھپا ہے، مگر "عطار" کی لب کشائی سے بے نیاز ہے، مشرقی ہندوستان کے اردو داں اصحاب سے ہم اسکی ہمت افزائی کی سفارش کرینگے، لکھائی چھپائی قابل شکایت نہیں، ہر ماہ متعدد سادہ اور رنگین تصاویر بھی ہوتی ہیں، حجم ۷۰ صفحات قیمت ۱۲ار پتہ:- منیجر آفتاب نمبر ۱ بابو گنگادھر لین، کلکتہ،

بنگال کے بعد صوبۂ بہار کے ضلع چھپرہ سے بابا خلیل احمد داس صاحب نے جو سنسکرت کے عالم ہیں تبلیغی سلسلہ میں ایک ماہوار رسالہ مصلح شائع کرنا شروع کیا ہے، ہم کو اس کے صرف "نمونہ" کا پرچہ ملا ہے، اس میں یجروید کے بعض منتروں کا ترجمہ اور دوسرے اختلافی مباحث پر مضامین ہیں، جہاں تک معلوم ہوتا ہے وہ اس کے ذریعہ ویدوں کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہیں، اگر ایک مستند ترجمہ ہو جائے تو بڑی بات ہو، سالانہ قیمت ۳ر پتہ:- سیوان ضلع چھپرہ،

گذشتہ ماہ سے دہلی سے الکامل نامی ایک رسالہ بھی شائع ہونا شروع ہوا، اب تک ہم کو اس کا صرف ایک نمبر ملا، متنوع مضامین کا مجموعہ ہے، ابو علی صاحب آزاد بہاری اس کے اڈیٹر ہیں، سالانہ قیمت ؎عہ پتہ:- دفتر چشمۂ کامل دہلی،

اسوۂ حسنہ، لاہور کا رسالہ اور خود اپنی زبان میں مذہبی، اصلاحی، تبلیغی، معاشرتی مضامین کا دلچسپ مخزن" ہے چنانچہ ہر موضوع پر ایک دو صفحے ہوتے ہیں، لکھائی چھپائی معمولی، ضخامت ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ ؎عہ ر پتہ:- منیجر اسوۂ حسنہ، مزنگ لاہور،

گذشتہ دو مہینوں میں دو اردو کے رسالے بیدار اور الاکرم بھی نکلنا شروع ہوئے ہیں، اول الذکر قصاب برادری کا وکیل اور مؤخر الذکر مومن برادری کا حامی ہے، ان کے اب تک صرف دو نمبر موصول ہوئے ہیں، دونوں رسالے اپنی برادریوں کی اصلاح و ترقی اور ضروریات کے مطابق مضامین شائع کرتے ہیں

ہم پیشہ وار قومیت کے اسلام میں حامی نہین، اسلیے کہ اس سے ایک طرف اسلام کے اتحاد کا شیرازہ پراگندہ ہونے کا اور دوسری طرف ہندؤن کی طرح مسلمانون مین بھی ذات پات کے تعصبات کی بنیاد پڑنے کا اندیشہ ہے، ان دو باتون کے تحفظ اور بچاؤ کے ساتھ اگر یہ رسالے کامیابی حاصل کرین تو نہایت مبارک، بیعیا بڑی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، قیمت سالانہ صہر، پتہ:- منیجر رسالہ بیدار رجوالاپور ضلع سہارنپور۔ الاکرام پندرہ روزہ ہے، اور ۲۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے، سالانہ سے، پتہ:- الاکرام ہوہ سرائے ضلع پٹنہ،

حمایتِ اسلام لاہور، کا ماہوار رسالہ اب ہفتہ وار اخبار کی صورت مین بدل گیا ہے، اس مین زیادہ تر انجمن مذکور کے مقاصد ہی کے متعلق مضامین ہوتے ہین، اور ساتھ ہی اسلام اور دیگر مسائل اسلاف پر بھی تحریرین اور شذرات شائع ہوتے رہتے ہین، حمایتِ اسلام نہ صرف پنجاب کی بلکہ کل ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سب سے زیادہ عملی اور کامیاب ہے، اگر باہمی تخالف ونفاق سے اس کا دامن پاک ہوتا تو اور زیادہ اسکی ترقی کی امیدین تھین، جہان تک اخبار کا تعلق ہے، اسکی پالیسی رواداری ہے، اور شخصی جھگڑون سے پاک ہے، اور خوش سلیقگی سے مرتب کیا جا رہا ہے، اقتباسات بھی دلچسپ ہوتے ہین، مذہبی رنگ غالب ہے، قیمت سالانہ سے، پتہ دفتر انجمن حمایت اسلام لاہور،

لکھنؤ کا النجم پہلے اخباری صورت مین تھا، اب کچھ دنون سے پندرہ روزہ رسالہ کی شکل مین بدل گیا ہے، اہلسنت کا یہ واحد رسالہ ہے جو اہل تشیع کے دس پندرہ اخبارات ورسائل کے مقابل مین سینہ سپر رہتا ہے، مولانا عبد الشکور صاحب جو اسکے اڈیٹر مین شیعہ سنی کے اختلافی مسائل کے سوال وجواب اور مناظرہ مین کافی دستگاہ رکھتے ہین، اور جو چیز انکی قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ وہ جوابات مین عام مناظرین کی طرح کبھی اپنے دامن کو ابتذال اور سب وشتم سے آلودہ نہین کرتے ہو، موصوف نے اہلسنت سے اپیل کی ہے کہ وہ کم از کم دو ہزار اسکے خریدار پیدا کرین تو یہ رسالہ اپنے خدمات پوری طرح بجا لائے، النجم مین صوری تغیر کے ساتھ ایک معنوی تغیر یہ بھی ہوا ہے کہ وہ اہل تشیع کے ساتھ آریہ سماجی لٹریچر کا بھی جواب دینے لگا ہے قیمت سالانہ للعہ، دفتر النجم لکھنؤ،

"ن"

خلق عظیم، بعثت نبوی کی غایت مکارم اخلاق کی تکمیل تھی، اسلئے کتب احادیث صرف عبادات و معاملات کے ابواب کا مجموعہ نہین بلکہ وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک گرانمایہ سرمایہ بھی ہین جنہین روح اسلام کی حقیقی جلوہ ریزی ہے، جناب مولوی میرولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد کی یہ دینی و ملی خدمت مستحق صد آفرین ہے، کہ انھون نے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کی صحیح تصویر "خلق عظیم" مین پیش کرکے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا کے سامنے نمایان کیا ہے، خلق عظیم مین اخلاقیات کے ۴۰ ابواب قائم کئے گئے ہین، اور ہر باب کے ذیل مین اسکی مناسبت سے پہلے آیۂ کریمہ نقل کی ہے، پھر مختلف کتب احادیث سے صحیح حدیثین حوالہ کے ساتھ مع ترجمہ جمع کی ہین، اور جن احادیث کی تشریح کی ضرورت سمجھی انکی تشریح بھی کر دی ہے، ضخامت ۱۵۱ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ اور قیمت عہر ہے، منیجر دار الاشاعت بادۂ ناب ایبٹ آباد کے پتہ سے مل سکتی ہے،

تاریخ السلف، جناب مولوی خواجہ سید عبد الباری صاحب معنی نے نہایت محنت، کوشش اور جانفشانی سے حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ کے سوانح حیات "تاریخ السلف" کے نام سے مرتب کئے ہین، حضرت سلطان الہند کے حالات زندگی بہت سے تذکرون مین ہین اور ان کے علاوہ آپکے سوانح وحالات پر مستقل کتابین بھی لکھی گئی ہین، لیکن ان کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہین، اسلئے مولف تاریخ السلف نے کتاب کے ایک بڑے حصہ مین ان تذکرون اور سوانح عمریون مین سے ہر ایک پر علحدہ علحدہ ناقدانہ نظر ڈالی ہے، اور سب کے رطب و یابس کو سامنے رکھدینے کی کوشش کی ہے، پھر سوانح وحالات کا حصہ ہے، جسکی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خواجہؒ کے مقدس سوانح کی بہت سی صحیح

نام بھی اور سنین دریافت کئے گئے ہین اور مختلف روایات مین باہم تطبیق یا ترجیح کی کوشش کیگئی ہے ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، جناب مولف سے آستانہ عالیہ اجمیر کے پتہ سے ملسکتی ہے،

بچون کا قاعدہ، جناب سجاد مرزا صاحب ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ نے چھوٹے بچون کی تعلیم کے لیے جدید اصولِ تعلیم کے مطابق یہ بچون کا قاعدہ مرتب کیا ہے جس سے امید ہے کہ بہت کم وقت مین بچے اردو پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرلین گے، رسالہ مین کل بائیس سبق ہین اور ہر سبق کی ابتدا مین اس کے طریقۂ تعلیم کے متعلق معلم کو ہدایتین دیگئی ہین، ان معنوی خوبیون کے ساتھ اس کے ظاہری محاسن یعنی کاغذ اور طباعت و کتابت کی خوشنمائی بھی بچون کے حسب حال ہے، دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

نقشہ مقامات مقدسہ و عالم اسلام، جناب عبد الرحمن بن ابراہیم صاحب فلیتے والے نے مقامات مقدسہ اور موجودہ عالم اسلام کا ایک خوبصورت نقشہ مرتب کیا ہے جس مین تمام عالم اسلام کو جدا جدا رنگ مین نمایان کرکے ان کے بری و بحری راستے مع ریلوے لائن وغیرہ کے نہایت وضاحت سے بتائے گئے ہین، یہ نقشہ ۳۰×۴۰ انچ کی تقطیع پر سفید اور عمدہ چکنے کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قیمت غیر مجلد ۸ع، مجلد ۱۲ع، پتہ :- مولوی شرف الدین الکتبی و اولادہ تاجران کتب معرفت بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تبصیر بجواب اشتہار تنویر، اہل تشیع آیہ الیوم اکملت الخ کی شانِ نزول کے سلسلہ مین جو حدیث موضوع روایت کرتے ہین اس پر زیر تبصرہ رسالہ مین عالمانہ شان تحقیق سے بحث کیگئی ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۴ صفحے، کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، پتہ :- انجمن اہلحدیث سیالکوٹ،

بچون کی دیکھ بھال، جناب مجیب الدین صاحب ایل، ایم پی نے ایک رسالہ مین یورپ کے جدید علم طب کی ہدایات کی روشنی مین بچون کی پرورش اور نگہداشت کے طریقے ان کے روز پیدائش سے

پانچ چھ برس کی عمر تک کے لیے بتائے ہیں، اسی رسالہ کو بچون کی دیکھ بھال کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحون میں شائع کیا ہو، قیمت ۸ ر

المصباح، علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی متوفی ۸۴۵ھ کا ایک رسالہ "تجرید التوحید" ہے، جس میں اسلام کے مسائلِ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے، جناب مولانا محمد صاحب بہاری سنی نے اسی رسالہ کا اردو ترجمہ "المصباح" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے، لیکن افسوس ہے کہ جناب مترجم نے رسالہ کے بعض مکرر مضامین حذف کر دیئے ہیں جس سے اگرچہ نفس مطلب اور مفہوم میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی، لیکن اس سے اصل رسالہ ناقص رہ گیا ہے، ضخامت ۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۲ر پتہ: مینیجر صاحب کشکول بک ایجنسی ڈاکخانہ مہندرو پٹنہ،

سیرۃ ازواج النبی حصہ اوّل، مولانا حکیم ابو البرکات عبد الرؤف صاحب دانا پوری نے امہات المومنین کے مختصر سوانح حالات مرتب کرنا شروع کئے ہیں جس کا پہلا حصہ حضرت ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے مختصر سوانح زندگی کے متعلق شائع ہوا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ ر پتہ:- جناب عبد الرشید خانصاحب مالک کمالی پریس نمبر ۲/۲ اسمٰعیل مدرلین کلکتہ،

نفحۂ عنبریہ، جناب مولانا عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے اس نام سے آنحضرت صلعم کے احوال مبارکہ میں ایک مختصر کتاب لکھی ہے، جسمیں اختصار کے ساتھ تمام حالات پیدائش سے وفات تک معجزات وغیرہ کے سب آگئے ہیں، یہ مختصر رسالہ اس لائق ہے کہ عورتوں اور بچوں اور عام مسلمانوں کے مطالعہ میں رہے، قیمت ۱ر پتہ: دفتر النجم لکھنؤ،

وید کیا چیز ہے، پنڈت سیتہ دیو جی کا یہ رسالہ بھی ویدک تحقیقات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں وید کے لفظ کی کیا تعریف ہے؟ وید کے لفظ کی کیا حقیقت ہے؟ ویدوں کے بنانے والے کون ہیں؟ وید کہاں سے نکلا؟ وید کیونکر لکھے گئے؟ وید کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے؟ وید کے دیوتا کہاں رہتے ہیں؟ وغیرہ سوالات کے جوابات ہندوؤں کی مستند کتابوں سے دیئے گئے ہیں اور اختلافات کو دکھایا گیا ہے، قیمت درج نہیں، پتہ:- دفتر دھرم دیواکر، کاشی بنارس،

کے اصول نفسیہ کا اثر، ذو ترجمہ حسین انسانی جماعت کے اخلاق پبلک رہنماؤن کی خصوصیات اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۴۳، ۶/.

ابن رشد، مشہور مسلمان اُندلسی حکیم جو مسلمانون مین ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے اور جس کی تصنیفات مدتون تک یورپ کی یونیورسٹیون مین پڑھائی جاتی تھین اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن مین مسلمانون کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ مین اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان مین کیا کسی مغربی زبان مین بھی نہین مل سکتا،

ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت [illegible]

پروفیسر سید نواب علی، ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک [illegible] فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ [illegible]

تاریخ صحف سماوی، توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب، قیمت [illegible]

شمع سخن، پروفیسر صاحب کی اخلاقی نظمون کا مجموعہ قیمت [illegible]

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسایل کی فلسفیانہ تحقیق و تشریح، [illegible]

حسب ذیل قلمی اور نادر کتابین معرض فروخت مین ہین

شایقین علم جس کتاب کو پسند فرمائین، اس کی قیمت کے متعلق مشتہر سے خط و کتابت کرین،

نام کتاب	نام مصنف	علم	زبان	سنہ کتابت نسخہ	مختصر حالات
صور الافلاک	حسین بن عمر،	فلکیات	عربی	سنہ ۴۲۱ھ	مصنف کے وقت مین مصنف کے ہاتھ کے لکھے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا ہے، نو سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے، ستارون کی تصویرین ہر ایک بیان مین ہین، اس کتاب کی نظیر نہین مل سکتی ہے، مع جلد ہے، اب تک شائع نہین ہوئی ہے
کلیات حکیم ہمام،	حکیم ہمام،	دیوان	فارسی	دست خط مصنف	یہ کتاب خود مصنف کی بیاض ہے جو اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے [illegible] مین [illegible] کتاب مین موجود ہے، اب تک شائع نہین ہوئی ہے
دیوان حسان،	حضرت حسان بن ثابت	دیوان	عربی	سنہ [illegible]ھ	یہ کتابت [illegible] قدر ہے

نام کتاب	نام مصنف	علم	زبان	کتابت نسخہ	مختصر حالات
تاریخ الحکما (فارسی)	•	تاریخ	فارسی	تحریر نہین	یہ کتاب بے حد قدیم اور بے نظیر ہے، کاغذ بہت قدیم زمانہ کا بخط نستعلیق تحریر ہے، بوجہ کہنہ ہونے کے اصلی رنگ روشنائی کا باقی نہین رہا ہے، حکمائے اسلام کی تواریخ ہے، بیحد قابل قدر ہے، اتبک شائع نہین ہوئی ہی،
سیر السلوک،	•	تواریخ	فارسی	تحریر نہین	یہ کتاب بہ حالات سلطنت تغلقیہ بعہد سلطان ملک شاہ تغلق تصنیف ہوئی یہ نسخہ تہران نہ مین تالیف سے ایک سو برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اب تک شایع نہین ہوئی ہے،
روزنامہ بہادر شاہی	•	"	"	"	نہایت خوشخط، بہادر شاہ اول ابن اورنگزیب بادشاہ کے عہد کا روزنامچہ ہے، اتبک شائع نہین ہوا ہے،
تاریخ عہد شاہ عالم ثانی	•	تواریخ	فارسی	تحریر نہین	یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے عہد کی تواریخ ہے،
تذکرۂ امرائے دکن	•	"	"	"	امراء دکن لاقدر دکن کی تواریخ نایاب بے حد قابل قدر ہے،
بہارستان جامیؒ	مولانا جامیؒ	"	"	"	مرعلما اور مذہب، اعلیٰ درجہ کی خوشخط بخط ولایت ہے، کتاب بیحد قابل قدر ہے
تیمیتہ الدہر	•	"	عربی	سنہ ۶۴۲ھ	پانچسو برس کا لکھا ہوا نسخہ اس زمانہ میں نایاب اور اس لحاظ سے بہت قابل قدر ہے، اتبک شائع نہین ہوا ہے،
کتاب الاسانید،	ملا عابد سندی	علم الرجال	"	تحریر نہین	بہت قدیم لکھی ہوئی کتاب ہے اتبک شائع نہین ہوئی ہے بوجہ قدامت اور نایابی کے بہت قابل قدر ہے،

شیخ علی اصغر معرفت منیجر معارف اعظم گڈھ،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۳۸

معارف

مجلس المصنفین کا علمی رسالہ
ارا کین ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

فروری ۱۹۲۷ء

قیمت ۵ر سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی اور ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ ہے، اور للعہ،

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان عہ،

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت صہ، ہیہ،

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عہ، قسم سوم ہے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، عیہ،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور ان کا فلسفہ عیہ،

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عیہ،

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عیہ،

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ،

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ،

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، قدما کا دور، سے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو، سے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہ،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ۳ر،

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت ہے، ہیہ،

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع عہ، عہ، ۸ر،

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور جدید [illegible] دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت [illegible]

| عدد دوم | ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۷ء | مجلد نوزدہم |

مضامین

شذرات

دارالمصنفین کی رکنیت کی جو تجویز ملک کے شائقین علم کی خدمت میں پیش کی گئی تھی، بحمد اللہ کہ وہ مقبول ہوئی، اس وقت ہندوستان کے مختلف صوبوں سے جن ارکان کی درخواست مع زر رکنیت موصول ہو چکی ہے، انکی تعداد آج ۱۵ فروری تک ۵۶ ہے، جنکی صوبہ وار تقسیم حسب ذیل ہے،

صوبہ بہار ۲۲، صوبہ متحدہ ۱۲، پنجاب ۹ بمبئی، بنگال ۱، دہلی ۴، مدراس ۲ حیدرآباد دکن ۲، بھوپال ۲، برما ۱، سنگاپور ۱،

جنکی درخواستیں آئی ہیں لیکن روپیے ابھی وصول نہیں ہوئے ہیں، انکی تعداد الگ ہے،

صوبہ بہار کے اس نمایاں امتیاز کا سبب مولوی حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا کی مخلصانہ امداد ہے اس فہرست کو دیکھکر سب سے زیادہ تعجب ہمیں زندہ دل پنجاب اور قدر دانِ علم دکن پر آیا، دکن کے متعلق تو بہر حال ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بعض ہمدردانِ دارالمصنفین اس تحریک کو کامیاب بنا رہے ہیں، اور آخر فروری تک کم از کم ۵۰ ارکان کی یکمشت اعانت حاصل ہوگی، مگر ابھی تک پنجاب کی طرف سے کوئی نویدِ بشارت نہیں آئی، حالانکہ اردو مطبوعات کی سب سے بڑی قدر شناس آبادی اسی ملک میں بستی ہے، اور وہی اردو کی آج سب سے بڑی منڈی ہے، پنجاب کے زندہ دلو! کچھ ہماری زندہ دلی کا بھی سامان کرو،

دارالمصنفین کی یہ تحریک ڈیڑھ مہینے سے قوم کے سامنے ہے، صرف ۱۰۰ ایسے ارکان کا مطالبہ تھا جو سالانہ بیس روپیے ادا کریں، ہماری چیخ پکار اور تمام اسلامی اخبارات کی متفقہ تائید کے بعد بھی پورے ملک میں

پانچ سو اردو کے ایسے شائقین بہم نہ پہنچین جو اپنی زبان کی علمی او رنجیدہ تالیفات و تراجم کے مستقل خریدار ہونے کی ہمت کرین، تو کیا یہ خبر اردو کی ترقی کے علمی جد وجہد کرنے والون کے لیے ہمت افزا ہو گی یا ہمت شکن؟ ہم چیخ رہے ہین، چلا رہے ہین کہ ہندی والے اردو کو مٹا رہے ہین، لیکن غور کیجئے کہ آپ خود کیا کر رہے ہین،

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اردو کا کوئی ایک رسالہ بھی بتایئے جسکی اشاعت دو ہزار سے آگے ہو، پھر ہندی رسالون کی اشاعت کی کثرت کو دیکھئے، مالی سرمایہ کی طرف سے اطمینان ہو تو آگے نئے نئے ابواب، زیب و آرائش کیلئے صرف دالی کوششین مضمون نگارون کے انعامات، اچھے اصحاب قلم کو معاوضہ دیکر مضامین کے حصول کی صورتین پیدا ہون، یہی حال کتابون کا ہے، ہزار ڈیڑھ ہزار کی تعداد کی کتابین بھی سالہا سال بک ڈپو کی الماریون کی چھاتی پر سل بنی رہتی ہین، گر یہ سرمایہ جب تک دوبارہ نقد کی شکل مین ہاتھ نہ آئے، کوئی دوسری کتاب کیونکر مطبع مین بھیجی جائے، یہی سبب ہے کہ اردو مین کتابین نسبۃً کم شائع ہوتی ہین،

اس سلسلہ مین ہم کو ملک کے سیاسی خود اختیاری نظامات سے بھی کافی شکایت ہے، ہندی مطبوعات کی کثرتِ اشاعت کا جہان کوئی اور سبب بھی ہے، وہان سب سے بڑی وجہ اوسکی ڈسٹرکٹ بورڈون اور میونسپلٹیون اور تعلیمی سیغون کا تعصب بھی ہے، اگر یہ چیز خود ہمارے مشاہدہ اور تجربہ مین نہ ہوتی تو ہم کبھی یہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے، ہر ضلع کی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور صیغۂ تعلیم کی طرف سے کم از کم سیکڑون کی تعداد مین مکتبون، پاٹ شالاؤن، لائبریریون اور اسکولون کے لیے رسالے خریدے جاتے ہین، مگر یہ فیض کمتر کسی اردو رسالہ کی قسمت مین آتا ہے، اب اگر صرف یو پی (آگرہ و اودھ) کے ۴۸ ضلعون کا حساب لگایئے تو

مجموعی میزان کہان تک پہنچتی ہے؟

غالباً دسمبر ۱۹۱۶ء کی بات ہے، کہ میری اور مولوی عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی کی طرف سے ایک اردو انسائیکلوپیڈیا کی تجویز اخبارات مین پیش ہوئی تھی، اور اس کے مضامین اور ترتیب اور علوم کے شعبون کی تقسیم، اور ہر شعبہ کے لیے ایک ذمہ دار ماہر صاحب قلم کا انتخاب سب کچھ ہوا تھا، اور یقین ہوگیا تھا کہ جنوری ۱۷ء سے کام کا بھی آغاز ہو جائے گا، مگر ع جنبش نکرد و نخل آرزو کی یعنی یہ ساری بلند پروازیان صرف اس بھروسہ پر تھین کہ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے از خود اسکی سرپرستی فرمائی تھی، اور خود اپنی طرف سے اس کام کے لیے ایک لاکھ کا وعدہ فرمایا تھا جب سال بدل گیا، اور دسمبر کی لکھنؤ کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس ختم ہوگئے تو پھر راجہ صاحب نے ایک حرف بھی اس کے متعلق سننا پسند نہ کیا، اور اخبارات مین ان خیالی تجویزون کا الزام ہم غریبون کے سر رہ گیا،

اب جب سے مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا شور وغل ہوا ہے، اردو انسائیکلوپیڈیا کا نام بھی زبانون پر آنے لگا، ایک سال سے زیادہ ہوا لاہور سے ایک صاحب نے "ادب عربی" پر ایک مضمون مجھ سے اس غرض کے لیے طلب کیا تھا کہ وہان کوئی اردو انسائیکلوپیڈیا ترتیب دی جارہی ہے، جس مین عربی ادب کی ذمہ داری مجھے سپرد کیگئی ہے، مین نے معذرت کی پھر اوس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اس پردہ کے پیچھے کوئی حقیقت بھی تھی؟

پچھلے پرچہ مین ڈاکٹر کیتکر چیف اڈیٹر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے خط کا ذکر آچکا ہے، وہ خط حسب ذیل ہے:-

مائی ڈیر مولوی صاحب

میرے ایک مسلم دوست نے مجھے آپ کا نام بتایا تھا، لیکن جس پرزہ کاغذ پر مین نے اسے لکھا تھا وہ گم ہوگیا، اسلیے مین آپ کو آپ کے دفتری لقب سے لکھ رہا ہون، میرے ان دوست نے مجھے بتایا تھا کہ رسول اللہؐ کے متعلق جس عبارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوگئی ہے اس کے آغاز کا فخر جناب کو حاصل ہے آپنے اخبارات مین پڑھا ہوگا کہ آپ اپنے مقصد مین کامیاب ہوگئے ہین اور مین نے وہ صفحات چوتھی جلد سے نکال دیئے ہین،

مجھے اس سلسلہ مین آپ سے ذرا بھی شکایت نہین ہے، آپنے اضطراراً میرے ساتھ بھلائی کی ہے، یعنی جب سے یہ صدائے احتجاج بلند ہوگئی ہے اور مقامی مسلمانون نے اس مین حصہ لینا شروع کیا ہے، میرے بہت سے مسلمان دوست پیدا ہوگئے ہین، مین نے آپ کے متعلق بہت کچھ سنا ہے کہ آپ ایک سچے محب زبان ہین اور اردو کی ترقی مین آپنے بہت کچھ خدمات انجام دی ہین، مین چاہتا ہون کہ ان تمام اصحاب سے جنھون نے اپنی مادری زبانون کی ترقی اپنا مقصد حیات قرار دے رکھا ہے تعارف حاصل کرون کہ بارہ برسون سے مین بھی اسی ایک مقصد کی تکمیل مین مشغول ہون،

اب جبکہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا تقریباً ختم ہوچکی ہے، مین چاہتا ہون کہ ہندوستان کی تمام زبانون مین اس کا ترجمہ ہوجائے، ہر شخص کو اپنی زبان کے ذریعہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنا چاہیئے، اور میری تمنا ہے کہ اس کے حصول کے لیے جو کچھ بھی مجھ سے ہوسکے وہ کرون، مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے گجراتی اور ہندی تراجم کا انتظام کر رہا ہون اور اگر آپ اردو مین انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا چاہین تو مین نہایت خوشی سے اپنے تجربات آپ کی خدمت مین پیش کرون گا، میری یہ خدمات صرف آپ ہی تک محدود نہین ہین بلکہ جو کوئی اردو نولیس جماعت

بھی اس کام کا بیڑا اٹھائے اس کے لیے بھی ہے، مجھے اُمید ہے کہ آپ اس سے اپنے ناظرین کو بھی مطلع کر دینگے، تاکہ کچھ نہ کچھ ابتدا تو ہو ہی جائے، اور ایک جماعت اس کے لیے بنائی جائے، براے عنایت اپنے ناظرین کو یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر مین ڈیڑھ برس کے اندر اندر یہ نہ دیکھونگا کہ اردو انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کا بندوبست ہو رہا ہے تو مین خود اس کام کو شروع کر دونگا، اس سے میرا مقصد محض یہ ہے کہ کوئی زبان بھی بلا انسائیکلو پیڈیا کے نہ رہجائے،

کیتکر

اس خط سے ظاہر ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب اردو والون کو دھمکی دے رہے ہین کہ اگر ڈیڑھ برس کے اندر آپ لوگون نے اردو انسائیکلو پیڈیا کا کام شروع نہ کر دیا تو پھر وہ اس کو اپنے ہاتھ مین لے لینگے، اور اپنی مرہٹی انسائیکلو پیڈیا کا ترجمہ اردو مین شروع کر دینگے، ہر زبان اپنے بولنے والون کے خصوصیات کی جامع ہوتی ہے، مرہٹہ قوم کی انسائیکلو پیڈیا، اردو بولنے والے ہندؤن اور مسلمانون کے لیے تمامتر کار آمد نہین ہوسکتی، اسلیے یہ سوال اس وقت قابل غور ہوگیا ہے،

ہم دوبارہ کسی امیر کبیر کے خزانہ کا لالچ کر کے اردو انسائیکلو پیڈیا کا کام شروع کرنا نہین چاہتے بلکہ جمہور کے بھروسہ پر اس کام کو کرنا چاہتے ہین، مرہٹی انسائیکلو پیڈیا کا کام غالبًا تجارتی اصول پر کیا گیا ہے، یعنی حصہ دارون کے ذریعہ سے فی حصہ رقم معینہ وصول کر کے کل سرمایہ سے اسکو انجام تک پہنچایا گیا، اگر اردو مین بھی اسی طرح یہ کام انجام دیا جائے تو کیسا ہے، اس مین ہندو مسلمان دونون قومون کے اردو اہل قلم کی کوششین شروع ہونگی، امید ہے کہ اہل نظر اور اس کام سے دلچسپی رکھنے والے ہندو مسلمان اصحاب اپنے خیالات سے مستفید فرمائین گے،

اس ذیل مین مولوی عبدالحق صاحب بی اے (اورنگ آباد) ڈاکٹر سر محمد اقبال، شیخ عبدالقادر صاحب بی اے (لاہور) مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی، مولوی ظفر علی خان صاحب، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی (علی گڈہ) پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا نیاز فتحپوری، منشی پریم چند، منشی دیانراین صاحب نگم (زمانہ) پروفیسر محمد ہادی صاحب رسوا، ڈاکٹر بدل الرحمن صاحب (لکھنؤ) پروفیسر نامی صاحب (الہ آباد) سے خصوصیت کے ساتھ التفات و توجہ کی درخواست ہے،

سیرۃ النبی

اب تک اس کتاب کے تین حصے شائع ہوچکے ہین اور تین حصے اور باقی ہین، پہلے حصے مین ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات ہین، اور ابتدا مین ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہی، جسمین سیرۃ کی کتابون پر تنقید کیگئی ہی اور انکی خصوصیات بتائی گئی ہین، اسی مقدمہ مین آپکے سوانح کے متعلق اور بھی چند اہم اور اصولی مباحث مذکور ہین، دوسرے حصہ مین آپکی وفات، آپکے اخلاق و عادات و اعمال و عبادات وغیرہ کا مفصل بیان ہی، اور یہ حصہ تمامتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہی، تیسرے حصہ مین آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہی، اسمین سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثین کیگئی ہین، پھر ان معجزات کی تفصیل ہی جو بروایت صحیحہ ثابت ہین، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہی، قیمت باختلاف کاغذ، حصہ اول تقطیع خورد ے ولایتی، حصہ دوم تقطیع کلان عہ/ ، حصہ دوم تقطیع خورد للعہ روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلان عہ روپئے،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

مقالات

کیا مسلمان حکما صرف فلسفۂ ارسطو کے خوشہ چین تھے؟

(اڈیٹر معارف کا یہ مضمون حیدرآباد کے نئے انگریزی رسالہ "اسلامک کلچر" کے جنوری نمبر مین شائع ہوا ہے)

عام طور سے مشہور ہے کہ مسلمان ارسطو کے فلسفہ کے سراسر مقلد تھے، اور اس کے سوا دوسرے فلسفی اسکولون سے محض ناواقف تھے، یہان تک کہ ایک یورپین تاریخ نگار فلسفہ کو یہ کہنا پڑا، کہ "مسلمان ارسطو کی کارنبی کلی تھے"، ہمارے استاذ معظم علامہ شبلی نعمانی نے ۱۳۲۲ھ کے الندوہ نمبر ۲ "فلسفۂ یونان اور اسلام" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جسکی تمہید مین انھون نے اس اعتراض کا مختصراً جواب دیا تھا، مگر اس وقت سے آج تک متعدد غیر مطبوع کتابین طبع ہوگئی ہین، اور بہت سے نئے مواد سامنے آگئے ہین، اسلیے ضرورت ہے کہ اب اس سوال پر دوبارہ تنقیدی نظر ڈالی جائے،

اسلامی فلسفہ کی تاریخ پر جنکی نظر ہے وہ جانتے ہین کہ اسلام کا تعارف فلسفہ کے ساتھ اس وقت ہوا جب شام کے بعد مصر فتح ہوا، مصر مین اسکندریہ مسیحی یونانی علوم کا مرکز تھا، اور وہ نہ صرف مصر بلکہ مشرق مین ارسطو کے فلسفہ کے متعدد شارحون کا مسکن تھا، امیر معاویہؓ نے ان یونانی علوم مین سے صرف طب کی سرپرستی کی، مگران کے پوتے خالد نے طب کے ساتھ کیمسٹری کو بھی ملالیا، اموی دورِ حکومت تک یونانی علوم مین سے

انھین دو کو عباسی عربی دربار کا نصیب ہوا، سنہ ۱۳۲ھ مین جب دولت عباسیہ کی بنیاد پڑی تو آہستہ آہستہ دوسرے یونانی علوم کی طرف بھی توجہ ہوئی، یہان تک کہ ساتوین عباسی فرمانروا المامون نے اس قطرہ کو سمندر کر دیا، چونکہ یونان، روم اور مصر مین جہان جہان فلسفہ کا چرچا تھا ایک مدت سے ارسطو ہی کا فلسفہ چھایا ہوا تھا، اور عیسائی متکلمین نے اسی کو اپنے لیے مناسب حال پاکر اسکی اشاعت کی تھی اور مسلمانون مین انھین کے ذریعہ سے فلسفہ کا رواج ہوا، اسلیے غیر طبعی امر نہ تھا کہ ارسطو کا فلسفہ مسلمانون مین اس کثرت سے پڑھا گیا اور اس پر کتابین لکھی گئین کہ تماشائیون کو ارسطو کے علاوہ شاید کسی دوسرے یونانی فلسفی کا نام بھی معلوم نہ ہوا، اس سے زیادہ بدبختی یہ ہوئی کہ مسلمانون مین ابن سینا جیسا فصیح زبان آور شارح اس کو مشرق مین، اور ابن رشد جیسا عالی دماغ اور بلند نظر شارح اس کو مغرب مین مل گیا، جسکی آواز بازگشت سے دنیائے اسلام کا مشرق و مغرب دونون گونج اٹھا،

مگر آؤ دل کے کان سے سنین کہ اس دہل بلند بانگ کے علاوہ کچھ اور بھی مدھم سریلی آوازین آرہی ہین، یا نہین، اس سلسلہ مین سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عربی زبان مین ارسطو کے علاوہ کسی اور کے فلسفہ کا ترجمہ بھی ہوا یا نہین، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانون کو ارسطو کے علاوہ کسی اور سے واقفیت کا ذریعہ میسر آیا یا نہین؛

ارسطو سے پہلے یونان مین سات بڑے بڑے فلاسفر مختلف زمانون مین پیدا ہوے جنھین سب سے پہلا طالیس THALES ہے، اس کے بعد انکساغورس ANAXAGORAS انکسیمانس ANAXEMENES اینپذقلس AMPEDOCLES فیثاغورس FYTHAGORAS سقراط SOCRATES اور افلاطون PLATO تھے، ممتاز مسلمان حکما ان ساتون فلاسفہ کے خیالات اور مسائل سے آگاہ تھے، اور اپنی کتابون مین ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے اپنی کتاب ملل و نحل مین ان ساتون اساطینِ فلسفہ کے خیالات، مسائل اور نظریئے پوری شرح اور پوری صحت کے ساتھ لکھے ہین، آج بھی بہتر سے بہتر تاریخ فلسفہ مین ان لوگون

کے خیالات کی تفصیلات اس سے زیادہ نہین ملتی ہین،

مسلمانون کی تاریخِ فلسفہ کے متعلق ایک عام غلطی یہ ہے کہ وہ صرف فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن رشد، امام رازی، طوسی شیرازی، قطب رازی، وغیرہ کی تصنیفات سے عبارت ہے لیکن حقیقت مین مسلمانون کے اصلی معنون مین فلسفہ کا دور متکلمین کی تصنیفات ہین، مثلاً علاّف، ابو الہذیل، نظام، جاحظ، ابو الحسن اشعری وغیرہ، قدیم فلاسفہ کے خیالات کی ترجمانی ان کتابون مین کیگئی ہے جنکا عنوان عموماً کتاب المقالات، یا کتاب الدیانات اختیار کیا گیا ہے، اسی قسم کی کتابون مین یونانی فلاسفہ کے نظریئے اور مسائل مسلمان حکما رنے بیان کئے ہین، امام ابو الحسن اشعری نے "مقالات غیر الاسلامیین" مین ان سبکے خیالات وآرار اور نظریے ذکر کئے ہین،

انبد قلس کے فلسفیانہ مسائل مسلمانون مین خاص طور سے پھیلے، چنانچہ ابو الہذیل معتزلی صفات کے مسئلہ مین اسی انبد قلس کا خوشہ چین[1] تھا، محمد بن عبد اللہ جو قرطبہ کا باشندہ تھا وہ تمام تر اسی انبد قلس کے فلسفہ کا پیرو اور متبع تھا، اور شب و روز اس کے مطالعہ مین معروف رہتا تھا[2]، انبد قلس کی ایک کتاب ساتوین صدی ہجری تک بیت المقدس کے کتب خانہ مین موجود تھی[3]،

فیثاغورس کی متعدد تصنیفات عربی مین منتقل ہوئین، مثلاً کتاب الفادن PHEDON علم النفس مین، اور کتاب السیاستہ المدنیہ وطیماوس الروحانی TEMEE عالم الٰہی عالم عقل اور عالم نفس کی باہمی ترتیب مین، اور کتاب طیماوس الطبیعی، ترتیب عالم مادی مین، یہ کتابین ابن ندیم بغدادی کے زمانہ یعنی چوتھی صدی ہجری کے وسط تک موجود تھین[4]،

فیثاغورس کے فلسفہ کے متبعین متاخرین متعدد گذرے ہین، جیساکہ قاضی صاعد نے طبقات مین

---

[1] طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ صفحہ ۳۰ جلد ۲، مصر، وطبقات الامم صاعد اندلسی صفحہ ۲۳ بیروت، [2] طبقات الامم صفحہ ۲۱ بیروت، [3] اخبار الحکما رقفطی ۱۲ مصر [4] الفہرست صفحہ ۲۴۵، وطبقات الامم صفحہ ۲۲،

لکھا ہے، انھون نے فیثاغورس کے قدیم طبعیات کو مدلل کیا اور اس کو پھر سے زندہ کیا، انھین مین مشہور مسلمان طبیب وحکیم ابوزکریا رازی ہے، یہ ارسطو کے فلسفہ کا سخت دشمن تھا اس نے فیثاغورس کی تائید اور ارسطو کی تردید مین کتابین لکھین، اس کا خیال تھا کہ ارسطو نے فلسفہ کو برباد کر دیا اور قدیم فلاسفہ کے مسائل کو بدل دیا[1]،

خود قاضی صاعد اندلسی جس نے طبقات الامم کے نام سے اپنے زمانہ تک کی ہر قوم کے علوم کی تاریخ مرتب کی ہے، یونان کے تمام مشہور فلسفیانہ مذاہب سے واقف تھا، گو وہ خود ارسطو کے عشاق مین تھا[2] تاہم اُسنے اختصار کے ساتھ یونانی فلسفہ کی پوری تاریخ لکھی ہے اور تمام یونانی فلاسفہ کے خیالات بیان کئے ہین،

اندلس کا دوسرا مشہور عالم اور فلاسفر ابن حزم یونانی فلسفہ کے ہر اسکول سے واقف تھا جیسا کہ اسکی کتاب الفصل فی الملل والنحل کے پڑھنے والے پر ظاہر ہوتا ہے، اسی کیساتھ ارسطو کی منطق کا سخت مخالف تھا اور اسنے ارسطو کی منطق کی غلطیون کی تشریح مین ایک کتاب لکھی جس کا نام تقریب حدود المنطق ہے[3]،

نظام معتزلی بھی ارسطو کے فلسفہ کے رد کرنے والون مین تھا، مشہور عباسی وزیر جعفر برمکی کے دربار مین اس نے ایک دفعہ کہا کہ مین ارسطو کے رد مین ایک کتاب لکھنی چاہتا ہون، جعفر نے کہا کہ تم تو اسکی کتاب سمجھ بھی نہین سکتے، نظام نے اسکی کتاب زبانی پڑھی اور ساتھ ہی ساتھ اسکی تردید کی، اور بعد کو اپنی کتاب لکھی[4]، مشہور معتزلی عالم ابوعلی جبائی نے ارسطو کی کتاب الکون والفساد کا رد لکھا ہے[5]،

حسن نوبختی نے جو تیسری صدی کا مشہور متکلم ہے، اور جسکی نگرانی مین ثابت بن قرہ وغیرہ نے یونانی کتابون کے ترجمے کئے تھے، ارسطو کی منطق کی غلطیان ظاہر کین، اسکی کتاب امام ابن تیمیہ کے زمانہ مین یعنی ساتوین صدی ہجری تک موجود تھی، ابن تیمیہ نے کتاب الرد علی المنطقیین مین اسکا ذکر کیا ہے، حسن نوبختی نے جو کچھ لکھا ہے اس مین اپنے ان پیشرو متکلمین اسلام کے خیالات کو یکجا کیا ہے، جنھون نے ارسطو کی منطق کی غلطیان ظاہر کی تھین، نوبختی کی کتاب

---

[1] طبقات الامم صاعد اندلسی صفحہ ۳۳ بیروت، [2] ایضاً، [3] ایضاً صفحہ ۷۶، [4] ملل ونحل احمد بن یحییٰ مرتبہ ڈاکٹر آرنلڈ حیدرآباد دکن [5] ایضاً،

کا نام کتاب الآراء والدیانات ہے؛

ایک اور شخص ہبۃ اللہ بن علی ابو البرکات ہے جو خلیفہ مستنجد باللہ کا درباری تھا اس نے ارسطو کے فلسفہ کا رد لکھا، اسکی اس کتاب کا نام المعتبر ہے، ابن تیمیہ نے اسکی کتاب کا نام تعریف کے ساتھ لیا ہے،

شہاب الدین مقتول سہروردی الشرقی ۵۸۷ھ وہ شخص ہے جس نے مشائین کے فلسفہ کی تردید کی اور اپنے جانشے افلاطون کے فلسفہ کی تائید کی ہے، اسکی اس کتاب کا نام حکمۃ الاشراق ہے جسمین اشراقی فلسفہ کی تفصیل ہے، میرے خیال مین اس نے اس مین بہت کچھ ایرانی فلسفہ کی آمیزش کر دی ہے، قطب الدین شیرازی نے اسکی شرح لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے، شہاب الدین نے المشارع والمطارحات مین قدماء اور متاخرین تمام فلاسفہ کے خیالات و مباحث کا خلاصہ کیا ہے اور مشائین کے اصول کی دھجیان اڑائی ہین[۱]

مسعودی جو گو ایک مورخ اور جغرافی کی حیثیت سے دنیا مین مشہور ہے مگر وہ ایک بہت بڑا فلاسفر بھی تھا وہ یونان و ایران کے فلسفون سے پوری طرح واقف تھا، چنانچہ مروج الذہب مین اس نے جابجا اپنے معلومات بکھیرے ہین، اخبار الزمان مین اس نے مفصل ان کو لکھا تھا، ان کے علاوہ کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ، کتاب المقالات فی اصول الدیانات، کتاب سرالحیات، اور کتاب نظم الادلہ فی اصول الملۃ کے نام مروج الذہب کے مقدمہ[۲] مین گنائے ہین، جنمین اس نے غالباً اکثر ادیان و مذاہب اور فلاسفہ کے خیالات و آرا کی تفصیل کی ہوگی،

مشہور فلاسفر ابو زید احمد بن سہل البلخی بھی اسی طرح ہندوستان، ایران، چین اور یونان کے مذاہب اور فلسفہ کا عالم تھا، اسکی جامعیت کا کچھ اندازہ اسکی ضخیم کتاب، کتاب البدء والتاریخ سے ہو سکتا ہے جسکو کلمان ہوارٹ HWART نے ۱۹۰۳ء مین پیرس سے شائع کیا ہے،

دیمقراطیس کے مسئلہ اجزائے لاتجزیٰ سے متکلمین اسلام ابتدا ہی سے واقف تھے، اسلیے ارسطو کے ہیولیٰ کو چھوڑ کر انھون نے دیمقراطیس کی رائے کی پیروی کی، اور اسکی پر زور حمایت کی، افلاطون کے "مُثُل" سے بھی

---

[۱] تاریخ الحکماء شہرزوری، موجودہ کتب خانہ ندوۃ العلماء [۲] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۰۲ پیرس

انھون نے پوری ہمدردی کی اور اس کو اپنی کتابون مین جگہ دی، اور صوفیہ مین سے نقشبندی مجددیون نے اس پر عالم مثالی کا ایک نظریہ قائم کرلیا،

چوتھی صدی مین افلاطون کی کتابین مسلمانون مین بکثرت پھیلی تھین، چنانچہ فارابی نے الجمع بین الرائین کے شروع مین لکھا ہے، اور بتایا ہے، کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ "افلاطون اور ارسطو کی کتابون کے پڑھنے والون کے دلون سے اعتراض وشک دور ہوجائے" امونیوس کا ایک رسالہ اس موضوع پر تھا کہ صانع عالم کے متعلق ارسطو اور افلاطون کے کیا خیالات تھے، یہ رسالہ فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کے زمانہ مین مشہور ومتداول تھا،

فارابی نے ایک خاص رسالہ یونانی فلسفہ کے تمام سکولون کی مختصر شرح اور ان کے نامون کی وجہ تسمیہ اور ان کے مختصر خیالات مین لکھا ہے، یہ رسالہ بھی اس کے مجموعۂ رسائل مین ۱۸۹۰ء[1] مین لیڈن مین چھپا ہے، اور وہ ترتیب مین چوتھا رسالہ ہے، اس مین اس نے اصحاب فیثاغورث، ارسطیقوس قورینی، رواقین، دیوجانس کے فرقۂ کلابیہ اور فورون کے فرقۂ مانعہ، ابیکورس کے فرقۂ لذتیہ، اور ارسطو کے مشائین کا ذکر کیا ہے، فارابی نے الجمع بین الرائین مین افلاطون اور ارسطو کے اُن مسائل مین تطبیق دی ہے جنمین اُس کے نزدیک ان دونون فلسفیون مین محض ظاہری اختلاف ہے، یہ رسالہ بھی چھپ چکا ہے،

بیچارہ بوعلی سینا جس کو مسلمان حکما مین ارسطو کے مقلد ہونے کا سب سے زیادہ طعنہ دیا جاتا ہے اس نے منطق المشرقیین کے دیباچہ مین اس کے لیے اپنی معذرت پیش کی ہی،

"اس کتاب مین ہم وہ باتین جمع کرتے ہین جنمین اہل بحث مختلف الرائے ہین، لیکن تعصب سے یہ خالی ہے، ہم کو ان عامیون سے علٰحدہ ہوجانے کی پروا نہین ہے، جن کے لیے ہم نے بہت سی کتابین لکھی ہین، اور جو اُن فلسفیون مین ہین جو مشائین کے فلسفہ کے عاشق ہین، اور جنکا گمان ہے کہ ان مشائیون کے علاوہ اور کسی کو خدا نے حق کی ہدایت دی ہی نہین، لیکن باوجود اس کے ہم کو اس کا اعتراف ہے

[1] رسائل الفارابی صفحہ ۲، لیڈن ۱۸۹۰ء

کہ ان کے فلسفہ کا بانی (ارسطو) اپنے تمام پیشرؤون میں سب سے بہتر ہے، اس لیے کہ اس نے،

۱۔ سب سے پہلے ایک علم کو دوسرے علم سے ممتاز اور علٰحدہ کیا جو پہلون نے نہین کیا تھا،

۲۔ اس نے علوم کی ترتیب سب سے بہتر کی،

۳۔ اکثر مسائل میں اس نے حق کو دریافت کیا،

۴۔ بہت سے نئے علوم کے اسرار معلوم کئے،

۵۔ اس نے اپنی عام فہم تصنیفات سے اہل ملک کے علم کو بڑھایا،

اب پچھلون کا کام ہے کہ وہ غلطیون کو درست، مسائل کی تنقیح، اور اجمال کی تفصیل کرین، چونکہ مین نے ابتدا ہی سے فلسفۂ مشائیہ کی تعلیم حاصل کی، اسلیے وہی فلسفہ مجھ پر چھاگیا، لیکن مین اسکی کمزوریون سے ناواقف نہین ہون، لیکن چونکہ شائقین علم نہایت سختی سے یونانیون مین سے مشائیہ ہی کی طرف راغب ہین، اسلیے مین نے انکی مخالفت مناسب نہین سمجھی، اور اسی جماعت مین مین بھی داخل ہوگیا، اور ان کی کمزوریون پر پردہ ڈالا، اگر کہین مخالفت کی ہے تو ایسے مسئلہ مین کہ اس باب مین ان کی غلطی پر صبر کرنا ممکن نہ تھا۔ . . . الشفا مین نے عوام کے لیے لکھی ہے جو ان کی ضرورت سے بھی زیادہ ہے، اور یہ کتاب ہم نے اپنے لیے لکھی ہے[1]،

ابوالریحان بیرونی جو بوعلی سینا کا معاصر تھا، لیکن ابن سینا کی طرح تنگ نظر نہ تھا، وہ یونان کے مختلف فلسفون کے ساتھ ایران اور ہندوستان کے بھی تمام مذاہب و آرا کا عالم تھا، الآثار الباقیہ اور اسکی دوسری کتابین اس کی شاہد ہین، اور اسکی کتاب الہند، ہندوستانی فلسفہ مین اس کے تبحر کا آئینہ ہے، خود کتاب الہند مین ایک جگہ افلاطون کی کتاب النوامیس (ص ۵۹) اور جالینوس کی اخلاق النفس (ص ۵۹) اور کتاب البرہان (ص۲۳) کا ذکر کیا ہے، پھر یونانی مصنفین اور علما مین سولن، اوروقون، فیثاغورس، اورمنیس کے نام لیے ہین (ص ۱۱)

[1] صفحہ ۳ مطبوعہ مطبعہ سلفیہ مصر ۱۳۲۸ھ

ارطس کی کتاب الظاہرات مین مشتری کے نام جو ترانہ ہے اس کا ذکر کیا ہے (ص ۴۸) اقراطس اور ہومر شاعر کا بیان ہے، اصحاب اسطوان کا مذہب درج ہے (ص ۸۴) یونان کے سات اساطین حکمت کے نام بھی گنائے ہین، اور ان کے مختصر خیالات بھی لکھے ہین، وہ سات نام بقید وطن یہ ہین، سولن الاثینی، ابیوس الفارنی، فاریاندروس القورنتی، وثالس الملیوسی، کیلون اللقاذمونی، فیطیقوس، فیلیبوسس (ص ۵۰) افلاطون کی کتاب طیماوس کا حوالہ بیرونی بھی دیتا ہے، اور یونانیون کی زہرہ پرستی کا تذکرہ کرتا ہے (ص ۸۰) مشہور یحیی نحوی (کتبخانۂ اسکندریہ والا) کی اس کتاب کے مضامین کا حوالہ دیتا ہے جو اس نے ابرقلس کے رد مین لکھی تھی، (ص ۲۰)

قاضی جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ جو مشہور ادیب وجغرافیہ دان یاقوت کا مربی تھا، وہ یونان کے تمام فلاسفہ اور ان کے اسکولون سے پوری طرح آگاہ تھا، اس نے اپنی کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء مین فلاسفہ کی سوانحعمریون کے ضمن مین ہرایک کے خیال ونظریہ کی بھی تشریح کی ہے،

ابو الفضل نے آئین اکبری مین ہندو فلسفہ کی تمام شاخون پر جو بحث کی ہے اور ہرایک اسکول کے مسائل ونظریات کو جس جامعیت سے لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فلسفۂ یونان کے علاوہ ہندوستان کے شش گانہ فلسفہ سے آگاہ و باخبر تھا،

اس مختصر مضمون کے آخر مین اس یگانۂ دہر کا نام لینا چاہتا ہون جسکو دنیا ابن تیمیہ کے نام سے جانتی ہے، وہ گو ایک مذہبی عالم تھا، مگر درحقیقت یہ وہ شخص تھا جو فلسفہ کے طلسم خانہ مین چل پھر کر بڑی آسانی سے باہر نکل آیا تھا، اسکی تمام کتابین فلسفہ کے رد سے مملو ہین، تاہم وہ خود بڑا فلاسفر تھا، اس نے اپنی کتاب العقل والنقل مین حکماء اور فلاسفہ کی حیرانیون کی بڑی ہنسی اڑائی ہے، اور کتاب الرد علی المنطقیین ایک خاص کتاب لکھی ہے جسکو دیکھکر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مین وہی مل کی منطق کا پہلا بانی اور ہیوم کے فلسفہ کا پہلا بنیادی پتھر رکھنے والا ہے،

کتاب العقل والنقل مین وہ ایک جگہ لکھتے ہین، ۔

"ارسطو کے پیروون کو دیکھو کہ ارسطو نے منطقیات، طبعیات، اور الٰہیات مین جو کچھ کہا ہے وہ اسی کی تقلید کر رہے ہین، حالانکہ ان مین بہت سے اپنی عقل سے سمجھتے ہین کہ ارسطو کی رائے قطعاً غلط ہے، لیکن حسن ظن کی بنا پر اسکی مخالفت نہین کرتے، حالانکہ بہت سے عقلا رنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسکی منطق مین غیر مشکوک غلطیان ہین، ارسطو اور ارسطو کے اسکول کے متبعین جیسے اسکندر افرودیسی، ابرقلس، تامسیطوس . . . . . وغیرہ کا کلام الٰہیات مین نہایت غلط ہے" (صفحہ ۸۰ و ۸۶ نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین)

"وہ فلسفہ جس کو فارابی اور ابن سینا نے اختیار کیا ہے وہ مشائین یعنی ارسطو کے مقلدین کا ہے، ارسطو اور اس کے پہلے کے فلاسفہ مین سخت اختلاف ہے، پھر خود اس کے اسکول کے پیروون مین نہایت اختلاف ہے، ان کے ان اختلافات کو ابو الحسن اشعری نے مقالات غیر الاسلامیین (نا مسلمانون کے مذاہب اور آراء) اور قاضی ابو بکر (باقلانی) نے کتاب الدقائق مین، شہرستانی وغیرہ سے دو چند زیادہ بیان کیا ہے" (صفحہ ۹۰،۸۰)

ابن سینا نے الٰہیات مین بہت سی باتین گڑھ لی ہین اور وہ بالکل غلط ہین، عام لوگ یہ سمجھتے ہین کہ ابن سینا نے جو کچھ لکھا ہے وہ ارسطو کے خیالات ہین، ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات مین اس پردہ کو بار بار کھولا ہے اور بتایا ہے کہ یہ محض ابن سینا کا ساختہ پرداختہ ہے، اس کو ارسطو سے کوئی تعلق نہین، ایک جگہ ابن تیمیہ نے فلاسفہ کے اختلافات اور جن حکمائے اسلام نے ان کی تردید مین کتابین لکھی ہین، ان کا ذکر کیا ہے، کہتے ہین:-

فلاسفہ کے باہمی اختلافات کی کوئی حد و پایان نہین، ابو الحسن اشعری نے مقالات غیر الاسلامیین مین بہت سے ان کے وہ مذاہب اور خیالات لکھے ہین جنکا فارابی اور ابن سینا وغیرہ نے ذکر نہین کیا ہے، اور اسی طرح قاضی ابو بکر الباقلانی نے کتاب دقائق مین ان کو نقل کیا ہے، اس کتاب مین قاضی صاحب نے فلاسفہ اور منجمین کا رد لکھا ہے، اور اس مین ارسطو کی منطق پر عرب متکلمین کی منطق کو ترجیح دی ہے،

اسی طرح معتزلی اور شیعہ متکلمین نے ان فلاسفہ کے بہت سے نظریئے نقل کئے ہیں اور ان کا رد کیا ہے،
لیکن فلاسفہ کا وہ مذہب جسکی تائید فارابی اور ابن سینا، ابوبکر بن الصائغ اور ابن رشد وغیرہ نے
کی ہے وہ مشائین یعنی ارسطو کے مقلدوں کا فلسفہ ہے، اور اسی کو غزالی نے مقاصد الفلاسفہ میں
میں لکھا ہے، اور تہافت الفلاسفہ میں اس کا رد کیا ہے، اور جسکو رازی نے ملخص اور مباحث مشرقیہ
میں بیان کیا ہے، اور جس کو آمدی نے دقائق الحقائق اور رموز الکنوز وغیرہ میں لکھا ہے، اور اسی راستہ
پر معتبر کا مصنف ابوالبرکات چلا ہے، لیکن ابوالبرکات نے ارسطو کی اندھی تقلید نہیں کی ہے بلکہ اسکے
مسائل کی تشریح میں اپنی عقل و رائے کو بھی دخل دیا ہے، اسی طرح رازی اور آمدی بھی مشائیون
پر اعتراض کر جاتے ہیں، اور ابن سینا نے بھی قدماء کی کہیں کہیں تردید کی ہے، اور اسی لیے اس نے
شفا میں لکھا ہے، کہ اس کے نزدیک جو حق ہے اس کو اس نے الحکمۃ المشرقیہ میں لکھا ہے، اور سہروردی
کا جو خاص خیال تھا اس کو اس نے حکمۃ الاشراق میں لکھا ہے، اور رازی نے اپنے بعض نئے خیالات
مباحث مشرقیہ میں لکھے ہیں، اور ارسطو کے قدیم یونانی پیرو تین مشہور ہیں، ہرقلس، اور اسکندر الافرودسی
اور ثامسطیوس جنھوں نے ارسطو کی کتابوں کی شرحیں لکھیں، رازی جب اپنی کتابوں میں کہتے
ہیں کہ "فلاسفہ اس پر متفق ہیں" تو ان "فلاسفہ" سے مقصود یہی لوگ ہوتے ہیں، ورنہ فلاسفہ کے تو بکثرت
الگ الگ اسکول ہیں، اور ان کے درمیان طبعیات، الٰہیات، اور حتیٰ کہ فلکیات میں بھی اختلافات
ہیں، فلاسفہ میں قدمتِ عالم کا قائل سب سے پہلے ارسطو ہوا . . . . . فیثاغورس، سقراط کا معلم، اور
افلاطون، ارسطو کا استاد تھا، اور مسلمان فلاسفہ ہمیشہ ان کی منطق اور دیگر مباحث فلسفہ کی تردید
میں کتابیں لکھتے آئے ہیں، اور نہ صرف سنّی فلاسفہ بلکہ معتزلہ، اشعریہ، کرامیہ، اور شیعہ تک ان کی
غلطیاں نکالتے رہے ہیں، اور ان کی فروگذاشتیں ظاہر کرتے رہے ہیں"

دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:-

تاہ فلسفہ جو ارسطو کے پہلے تھا اور جس کو ارسطو کے پہلے لوگوں نے قبول کیا تھا، ارسطو نے اوس پر اعتراض کیا اور اس کی غلطیاں ظاہر کین، ایک اسکول کے فلاسفہ نے دوسرے اسکول کے فلاسفہ پر رد کیا ہے، اور ابو البرکات وغیرہ نے ارسطو کا رد کیا،

اس کتاب الرد علی المنطقیین مین ایک اور موقع پر وہ کہتے ہین،

وہ فلاسفہ جو ارسطو کے مقلد ہین وہ یہ کہتے ہین۔ . . . . قدیم فلاسفہ کے اس مسئلہ مین دو گروہ ہین، فیثاغورس اور اس کے پیرو، اور افلاطون اور اس کے مقلدین اس مسئلہ مین بالکل غلطی پر تھے، اس لیے ارسطو نے ان کی تردید کی، فیثاغورس کا خیال تھا کہ . . . . . اور افلاطون کے پیرو کہتے ہین کہ . . . . . .

ابن تیمیہ کی کتاب الرد علی المنطقیین، اس لائق ہے کہ علوم اسلامیہ کے اصلی شائقین اسکی طبع واشاعت کا سامان کرین، ہندوستان مین اس کے دو مختلف نسخون کا پتہ چلا ہے، ان مین سے ایک حیدرآباد مین ہے اور دوسرا سندھ مین، حیدرآبادی نسخہ کی دو نقلین ہین، ایک کتب خانہ ندوۃ العلماء مین، اور دوسری دار المصنفین مین، دار المصنفین کے ایک رفیق (فیلو) اسکی تصحیح و ترتیب مین مصروف ہین، اور ارکان دار المصنفین نے اپنے جلسہ مین اس کی اشاعت کی منظوری دی ہے، یہ کتاب چھپکر اور کسی یورپین زبان مین ترجمہ ہوکر جب دنیا کے سامنے آئے گی تو اس وقت مسلمانون کے فلسفیانہ تحقیقات کی داد دیجائیگی اور یہ معلوم ہوگا کہ مسلمان صرف فلسفہ ارسطو کے خوشہ چین اور اسکی گاڑی کے قلی نہ تھے، بلکہ وہ خود بھی کچھ تھے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف اڈ آچکے ہین، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون کو ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۲۶۰ صفحے قیمت عہ "منیجر"

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی

بلگرام کا ایک یمنی محدث مصری صوفی

اور

اُسکی ایک کتاب

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، شیخ الحدیث جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

دستور ہے، کہ تعارف و بصیرت کے لیے عموماً کتابوں کی ابتدا میں اس کے مؤلف کا حال اور اس کتاب کے اہم خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اس مقدمہ کے درج کرنے کی معمولی وجہ تو یہی ہے لیکن اسی کے ساتھ مجھے مسلمانانِ ہند کے سامنے اُن کے ایک ہموطن فاضلِ جلیل کا تذکرہ پیش کرنا ہے، جسے سب جانتے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس حیثیت سے جاننا چاہیے ہندوستان کے مسلمان اس نقطۂ نظر سے بہت کم جانتے ہیں، نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابجد العلوم میں مؤلف کتاب کے تذکرہ کو درج کرنے کے بعد بالکل سچ لکھا ہے، کہ

"میں نے اس بزرگ کے حالات میں ذرا بسط سے اس لیے کام لیا ہے کہ نہ صرف عوام الناس

سلہ دراصل یہ مضمون کتاب "نفحۂ قدسیہ" کے ترجمہ کا تعارفی مقدمہ ہے، ہمارے مخدوم اخوانی اللہ مولانا عبد الباری پروفیسر عثمانیہ کالج کے اصرار سے معارف میں اشاعت کے لیے بھیجدیتا ہوں، اس مقدمہ سے ناظرین کو کیا فائدہ پہونچے گا، اسکے جوابدہ مولانا عبد الباری ہیں میں نے محض اُن کے حکم کی تعمیل کی ہے، تاہم برادران اودھ سے اتنا تو ضرور عرض کرون گا کہ اگر مصر دین کیلیے نہیں تو کیا ہندوستان کے مسلمانوں کیلیے کوئی زبیدی کیوں نہیں اُٹھتا ہندوستان کا شیراز بجاے لندن و دلی کے شیراز ہی رہتا تو اچھا تھا، کیا بلگرام وخیرآباد، سندیلہ و سہالی، کاکوری اور گوپامئو و دیوہ اور بانسہ کے مسلمان میری اس آرزو کو سنتے ہیں ۱۲

بلکہ اہل علم بھی اس شخص کے حالات سے بالکل ناواقف ہین"

حالانکہ ہندوستان کا یہ وہی فرد وحید ہے جس کے متعلق جدید طبقہ کے ایک ممتاز رکن مولوی عبد الحق صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو وصدر کلیہ عثمانیہ اورنگ آباد نے حسب ذیل الفاظ مآثر الکرام کے مقدمہ مین لکھتے ہین

"علماء ہند کے حالات مین کوئی کتاب اس وقت تک کامل نہین ہو سکتی جب تک اسمین علامہ سید مرتضیٰ صاحب تاج العروس کا ترجمہ نہو"

مولوی صاحب نے اس کے بعد وعدہ کیا ہے کہ کتاب کے آخر مین اُن کے حالات کا اضافہ کیا جائیگا، لیکن اسوقت تک مآثر الکرام کے جتنے نسخے میری نظر سے گذرے کسی مین یہ اضافہ نہ پایا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ایفاء وعدہ کا موقع نہ مل سکا، واللہ اعلم

بدقسمتی تو دیکھو! کہ خود مآثر الکرام مین سید علامہ کا جہان تذکرہ ہے، کاتب اور مصحح کی مہربانی سے وہان نام غلط درج ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد کی کامل کتاب مولوی عبد الحق صاحب کو ناقص نظر آئی،

واقعہ یہ ہے کہ علامہ سید مرتضیٰ آزاد بلگرامی مؤلف مآثر الکرام کے زمانہ مین نوعمر تھے اس لیے آزاد نے آپ کا کوئی مستقل ذکر تو نہین کیا ہے لیکن آپ کے جد امجد سید قادری کے حالات مین اُنھون نے اتنا لکھا تھا،

"ابنائے او سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید قادری مسطور کتب عربی تحصیل کردہ در حد اقیت من توفیق زیارت حرمین شریفین یافتہ، ودر ١١٦٣ھ باین سعادت فائز گشتہ، ودر اماکن متبرکہ علم حدیث تحصیل نمود، درین ایام درزبیدین اقامت دارد، و نزد شیخ عبد الخالق زبیدی فن حدیث سند می کند حق تعالیٰ او را عمر بہ افزاید، وترقیات ذہنی کرامت نماید"

کاتب نے بجائے "مرتضیٰ" کے "متقدی" لکھدیا، اور صرف اس ایک غلطی نے ہماری نگاہوں سے اس یگانۂ عصر فاضل کو چھپالیا، ورنہ آزاد مرحوم نے اپنے مختصر و مفید جملوں میں اُن کے متعلق سب کچھ لکھ دیا تھا،

بہرحال حق سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ہے کہ مصر کے اس ہندوستانی علامہ صوفی کے حالات قلم بند کرنے کی توفیق اس نے مجھے عنایت فرمائی، موقع ومحل کے لحاظ سے اس وقت اختصار سے کام لیا جائیگا، لیکن اگر اعانت ایزدی نے مدد فرمائی تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی سید علامہ کا مفصل تذکرہ اُن کے علوم وسوانح، خواطر و تفردات کو ایک مستقل تالیف کی شکل میں مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی؛

والامر بیدہ سبحانہٗ وتعالیٰ

مؤلف کتاب کا نسب و وطن | کتاب نفحات قدسیہ فی الطریقۃ العیدروسیہ جس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے اسکے مؤلف کا نام سید محمد مرتضیٰ، اور کنیت ابو الفیض ہے، نسبی تعلق مشہور بلگرامی واسطی سادات سے ہے شجرۂ طیبہ مآثر الکرام سے آپ کا کامل نسب نامہ اسطرح مرتب ہوتا ہے؛

سلہ سادات بلگرام حضرت ابوالفرح واسطی کے اولاد میں ہیں، علامہ عبدالواحد بلگرامی کا اسی بنا پر یہ مشہور شعر ہے ؎

دانی کہ خوش نویسی بہر چہ حیثیت | مائیم واسطی و قلم نیز واسطی

سید ابوالفرح واسطی امام زید شہید بن سید الساجدین، امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خانوادۂ شرافت وسیادت کے مشہور بزرگ ہیں آپ نے خود ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف نہیں فرمایا لیکن آپکے تین صاحبزادے یہاں تشریف لائے اور انہیں کی اولاد ہندوستان میں پھیلی، سید مبارک محدث، او میر عبدالجلیل بلگرامی سے شجرۂ طیبہ میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"و از انجملہ سید ابوالفراس کہ جد سادات بلگرام ہست دعا چیز رسید، و سید ابوالفضائل در جہاتر و سید داؤد در قصبہ یودہ وطن گرفتند"

ان ہی ابوالفراس کی نسل میں ایک بزرگ علی بن حسین تھے جن کے چار بیٹے تھے ان میں سے ایک بلگرام میں آکر بسے، شجرۂ طیبہ میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ پر دیکھئے)

سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید قادری بن سید ضیاء اللہ بن سید خان محمد بن سید عبد الغفار بن سید تاج الدین بن سید دولارہ بن سید حسین بن سید محمد بن سید محمد بدھن بن سید جلال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید سالار بن سید محمد صغری بن سید علی بن سید حسین بن سید ابو الفرح ثانی بن سید زید بن سید عمر بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن محمد عیسیٰ موتم الاشبال بن امام زید شہید بن امام ہمام سیدنا و سید المسلمین امام زین العابدین بن شہید کربلا امام حسین علیہ السلام بن اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب و سیدۃ فاطمۃ الزہرا بضعۃ رحمۃ للعلمین امام المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

سید مرتضیٰ اگرچہ عام طور پر زبیدی کی نسبت سے مشہور ہین، لیکن آپ کی ولادت باسعادت شیراز دیار ہند کے مشہور مردم خیز قصبہ بلگرام مین ہوئی، بلگرام کی اسلامی آبادی اس زمانہ مین دو حصون مین منقسم تھی، ایک حصہ کو سید واڑہ اور دوسرے کو سیدان پورہ کہتے تھے،

میر غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ کے آبا و اجداد کا موروثی مکان سید واڑہ مین تھا، لیکن سسرالی تعلقات کی وجہ سے آپ کے سلسلہ کے ایک بزرگ سید عبد الغفار نامی سیدان پورہ کے محلہ مین رہ پڑے اور اسی محلہ مین سید مرتضیٰ پیدا ہوئے،

ابتدائی تعلیم تعلیم کا ابتدائی زمانہ بلگرام مین بسر ہوا، اگرچہ کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہین ہے تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے، کہ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم سید علامہ نے بلگرام مین پائی، کیونکہ ابا عن جد

سلہ مآثر الکرام صفحہ ۱۳۹، ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱)

"سید محمد در بلگرام و سید جعفر در مدولی و سید احمد در دہرسوا و سید معز الدین در جاجیز بوطن گرفتند"

جاجیزی سادات کا ایک خاندان صوبہ بہار کے بارہ گانوان مین آباد ہوا اور بحمد اللہ کہ راقم الحروف کا بھی تعلق اسی خاندان سے ہے ۱۲ معارف الحمد للہ کہ اڈیٹر معارف کا ننہالی نسبی تعلق بھی انھین جاجیزی سادات سے ہے،

خاندان علم و فضل کی روشنی سے معمور تھا، آپ کے جدامجد سید قادری کا تعلق اکابر سلف کے ان بلند ہمت نفوس سے تھا جن کو علم و عرفان کی تلاش نے ہر قسم کی وطنی خصوصیات و مالوفات سے بالکل آزاد کر دیا تھا، ماثر الکرام میں ہے کہ سید قادری نے علم طب میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم کی باضابطہ سیر کی آخر میں حماۃ شام کی خانقاہ قادریہ میں لنگر ڈال دیا، اور سید یسین حموی سے جو اس زمانہ میں سجادہ نشین تھے، مرید ہوئے اور طریقۂ قادریہ کی تعلیم حاصل کی، پھر بغداد میں رہ کے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد دہلی پہونچے، بالآخر خلوت گزینی کا جذبہ آپ پر غالب آیا، اور عمر کا بقیہ حصہ بلگرام کے گوشۂ عافیت میں ختم کیا، سادات بلگرام پر آپ کی جلالت شان کا جو اثر تھا اُس کا ثبوت ان تاریخی شعروں سے ملتا ہے،

رحل القادری سیدنا صاحب الکشف والکرامات
الھم مجیق عام رحلتہ اذ: للمنتفی لحسنات

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ان کو خود دیکھا تھا، ان کا بیان ہے، کہ سید قادری نہ صرف سیر و سلوک تصوف و حقائق میں شیخ کامل تھے بلکہ فقہ و حدیث و تفسیر میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، قرآن مجید کے حافظ تھے، تجوید و قرأت کے ماہر تھے، مشہور ہندوستانی فاضل ملا جیون اُن کے ہندوستانی اُستاد تھے، اور بیرون ہند میں اُن کے سب سے بڑے استاد مولانا سلطان بن ناصر بن احمد خلابوری تھے، صحاح ستہ اور تجوید کی سند انھیں سے حاصل کی تھی،

تعلیمی سفر | غالباً سید قادری کی یہی علمی اولوالعزمیاں تھیں جو اُن کے پوتے کی طلب علم میں مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ دادا کا نقش قدم سامنے تھا، سید مرتضیٰ نے بھی وطن کو خیرباد کہا، اور شروع شروع میں دولہ آباد پہونچے، یہاں اسوقت ملا فاخر الہ آبادی المتخلص بہ زائر کی درس و تدریس کا طوطی بول رہا تھا، کچھ اُن سے پڑھتے رہے پھر دہلی پہونچے، دلّی اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دلّی

ولی حکیم الہند کے درس میں تحقیق و تدقیق کا دریا موجیں مار رہا تھا، سید مرتضیٰ زانوئے تلمذ تہ کرکے بیٹھ گئے اپنی ایک یادداشت میں نہایت جوش و مسرت کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر کیا ہے، صحیح طور پر اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دہلی کی علمی حلقہ میں سید علامہ کب تک رہے، تاہم ان کی تالیفات میں جو تحقیق و جامعیت کا رنگ پایا جاتا ہے اس میں "ولی اللّٰہی" مذاق کو بہت کچھ دخل ہے،

سفر حج ابھی عنفوان شباب تھا، کہ حج کا شوق مستولی ہوا، اور نوعمری میں حجاز روانہ ہوگئے،

میر غلام علی آزاد نے لکھا ہے،

"در حداثت سن توفیق زیارت حرمین شریفین یافتہ"

ایک سید جب عرب پہونچتا ہے تو اس کو اپنا آبائی وطن یاد آجاتا ہے، اگرچہ عارضی وطن کی آسانیاں اسے پھر اسے اپنے ملک میں واپس لے آتی ہیں، مگر سید مرتضیٰ جب اپنے حقیقی وطن میں پہونچ گئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کو گویا بالکل بھول گئے، اور کچھ اس طرح بھولے کہ پھر اس دیس کی طرف کبھی رخ نہیں کیا، عموماً غریب ہندوستان کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ گویا اس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا،

سفر زبید اسلامی علوم میں سے سید مرتضیٰ کا فطری میلان زیادہ تر حدیث اور ادب کی طرف تھا، ہندوستان میں اس وقت میر زاہد سلّم کی دھوم مچی ہوئی تھی، دہلوی خاندان اگرچہ حدیث و قرآن کا علم بردار تھا، تاہم ملک کا عام علمی ماحول معقولی تھا، جس سے غالباً سید مرتضیٰ کچھ خوش نہ تھے، جب عرب پہونچے، تو یہاں معقولات سے زیادہ ان کو اپنے مذاق کی چیزیں نظر آئیں، حدیث ادب تفسیر کے بڑے بڑے ماہرین، عرب کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں درس دے رہے تھے، پھر کیا تھا علم کا متلاشی دھونی رما کر جم گیا، اگرچہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بجائے خود دار العلوم تھے، لیکن سارے عرب میں

یمن کو علمی حیثیت سے امتیاز حاصل تھا، اور اب بھی ہے، یمن کا مشہور تعلیمی شہر زبید تھا اور سنا جاتا ہے کہ اب بھی ہے، سید مرتضیٰ زبید کی شہرت سن کر اسی طرف روانہ ہوئے، یہ حسن اتفاق تھا کہ زبید کے مشاہیر ارباب درس میں اس وقت علامہ عبد الخالق بن زین مزجاجی بھی تھے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف علماء و مشائخ سے پڑھا اور فائدہ اٹھایا، جن میں علامہ حیات سندی شیخ عبد الکریم ہندی، شیخ امر اللہ ہندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس لحاظ سے شیخ عبد الخالق پر ہندستان کا خاص حق تھا، بلگرام کا نوجوان طالب علم جب زبید پہونچا، تو سب سے پہلے شیخ عبد الخالق ہی کے سایۂ عاطفت میں اسکو جگہ ملی، جسکی خبر ہندوستان بھی پہونچی تھی، اور میر غلام علی نے مآثر میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے،

آخر میں زبید کا مشہور علمی قدیم خاندان اہدلیہ اُن پر مہربان ہوگیا، اس زمانہ میں اس خاندان کی درسی و افادی ریاست شیخ احمد بن محمد شریف مقبول اہدل[1] پر ختم ہوتی تھی جو نہ صرف علوم نقلیہ کے ماہر بصیر تھے، بلکہ علوم عقلیہ مثلاً منطق، حساب، ہیئت میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے، پیچیدہ مسائل کے حل میں اُن کو خاص کمال تھا، تقریباً یہ کمال اُن کو تمام علوم متداولہ میں حاصل تھا، علامہ مرتضیٰ شیخ عبد الخالق کے بعد اُنھیں کے فیوض سے مستفیض ہوتے رہے، اور زبید کی علمی دلچسپیوں میں کچھ ایسے منہمک ہوئے کہ گویا یہی اُن کا وطن ہوگیا، تاج العروس کے خاتمہ نویس نے لکھا ہے:-

واقام بزبید مدۃ طویلۃ حتی	ایک زمانۂ دراز تک زبید میں رہے، یہانتک کہ لوگون نے
قیل لہ الزبیدی واشتھر بذلک	زبیدی کہنا شروع کیا اور آجتک اسی نسبت سے مشہور ہیں،

اور خود ان پر بھی زبید کا بہت گہرا اثر تھا، مصر سے ایک دوست کے نام خط لکھتے ہیں اس میں

[1] اہدل کے معنی عام طور پر اقرب (قریب کے لیے) جاتے ہیں لیکن بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ "علی اللہ دلہ" کی مصحف شکل ہے واللہ اعلم بالصواب،

جب زبید کا ذکر آیا تو قلم سے بیاختہ یہ جملے نکل پڑے،

خداے واحد منان سے یہ دعا ہے کہ کاش! مجھے پھر اس خطہ دلنشین میں پہونچاتا، تاکہ

اپنے پرانے گذرے ہوے دنون کی یاد تازہ کرتا اور اُس سرزمین سے انس حاصل کرتا،

حج مکہ اور طریقہ عیدروسیہ میں بیعت | عموماً تاریخون مین لکھا ہے کہ سید علامہ نے متعدد حج کیے ہین انہین معلوم کہ یہ کس حج کا واقعہ ہے کہ یہ زبید سے مکۂ مکرمہ بارادۂ حج آئے ہوے تھے کہ خدا کے گھر ہی مین قسمت نے ٹھکانے کا اُن کو ایک آفتاب مل گیا یعنی وہ روشنی تھی جس نے سید کی حقیقت مین انقلاب پیدا کردیا، اُن کے علم کو عرفان سے دانستن کو شناختن سے بدل دیا یعنی عیدروسی طریقہ کے ایک "حبیب" سید عبدالرحمن بن مصطفی العیدروسی کی زیارت نصیب ہوئی، خدا جانے سید علامہ نے ان مین کیا دیکھا، کہ بلگرام، الہ آباد، دہلی اور زبید کی گلیون مین گھوم گھوم کر جو سرمایہ اتنی طویل مدت مین جمع کیا تھا اس کو اس عیدروسی درویش کے قدمون پر نثار کردیا، تاج العروس کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے،

واجتمع بالسیّد عبد الرحمن العیدروس بمکّة المشرفة ولازمه ملازمة کلیة | مکہ مکرمہ مین سید عبدالرحمن عیدروس سے اُن کی ملاقات ہوئی اور کلی طور پر پھر انھین کے ہو رہے،

سید علامہ خود لکھتے ہین،

ونامنه من رباني وبلبان تادیبه غذاني، | انھون نے میری پرورش فرمائی اور اپنی تادیب کے دودھ سے مجھے سیراب کیا،

سید عبدالرحمن بن مصطفی عیدروس نے اگرچہ باطنی اور ظاہری کمالات کا اکتساب زیادہ تر اپنے والد مرحوم اور سید عبدالرحمن بافقیہ سے کیا تھا، تاہم ان کے زمرۂ اساتذہ مین چند ہندوستانی علما بھی تھے، ابجد العلوم مین لکھا ہے کہ اُنھون نے شیخ حیات سندی مولوی غلام حیدر ہندی اور سید

فضل اللہ بن احمد ہندی سے بھی پڑھا تھا ممکن ہے کہ اس ہندوستانی رابطہ نے سید عید روسی کی خاص توجہ علامہ مرتضیٰ پر مبذول کرادی ہو، بہرحال کچھ بھی ہو، عید روسیہ سلسلہ مین داخل ہوجانے کے بعد سید علامہ کا علمی ساز، روحانی سوز سے بدل گیا آسمان کے نیچے یہ ایک عجیب تماشا تھا، کہ ایک طرف محدث مسلم الثبوت محدث ولغوی ایک درویش کے قدمون پر جھکا ہوا تھا، نہ اُسے اپنے علم کا خیال تھا نہ اپنے فضل کا لحاظ تھا، حیرت تو اس پر ہے کہ سید مرتضیٰ نے با این ہمہ تبحر و وسعت نظر سید عبدالرحمٰن عیدروس سے مختصر المعانی سبقاً سبقاً پڑھی اور احیاء العلوم غزالی کا بھی ایک حصہ اپنے پیر ہی سے پڑھا، اسی درس سے احیاء العلوم کی اس عظیم الشان ضخیم شرح کی بنیاد پڑگئی جو اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین کے نام سے مشہور ہے، مصریون نے اُسے چھاپ دیا ہے اور ایک قیمتی ذخیرۂ معلومات کی حیثیت سے علمائے اسلام کے ہاتھون مین ہے،

سفرِ مصر | مین کہہ چکا ہون، کہ سید علامہ پر بیعت کے بعد دوسرا رنگ چڑھ گیا تھا وہ اپنی مرضی اور ارادہ سے دست بردار ہوچکے تھے، اب ان کی ہر جنبش ان کا ہر سکون پیر کے اشارۂ چشم کے ساتھ وابستہ تھا، تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے، کہ سید مرتضیٰ اپنے پیر کے حکم و ترغیب سے بجائے ہندوستان کے جو ان کا وطن تھا، سوبسے سیدھے مصر کی طرف روانہ ہوئے اور ۹ صفر ۱۱۶۷ھ مین قاہرہ پہونچے، اور ایک زمانہ تک خان الصاغہ کی سرائے اُن کی قیام گاہ تھی،

مصر کے مشاغل | درویش پیر نے اپنے محدث و لغوی مرید کو مصر کس لیے بھیجا تھا، اس کو کون جان سکتا ہے لیکن سید مرتضیٰ نے اپنے اس قیام کو غنیمت خیال کیا،

اپنے ایک خط مین لکھتے ہین،

> اللہ تعالیٰ کے مجھ پر جو احسانات ہین اُن مین ایک بڑا احسان یہ ہے کہ مین جب مصر پہونچا تو بیکار پڑا نہ رہا، بلکہ فرصت نکال کر یہان بھی طلب علم مین منہمک اور اس کے رموز و اسرار کے

حل مین مصروف ہوگیا،

اوائل مصر کی سیاحت سیّد مرتضیٰ کو علمِ حدیث کی متعدد شاخون مین سے مختلف النوعیت سند کے حصول کا بہت شوق تھا، زبیدنے ایک عالم کے نام ایک گرامی نامہ مین لکھتے ہین،

دہ، ن جوگذرگئے، اُن مین اس کا خاص شوق تھا کہ لوگ عالی سند کی تلاش مین دور دراز ممالک کا سفراختیار کرتے تھے. لیکن اب یہ ذوق معدوم ہورہا ہے، وہ بنا ہی اُلٹ گئی ہمتین پست ہین گرامی کے بنانے والے کوتاہیون سے دور کرے، اسے وہ بزرگان دین کہان ہین جن پر ملت کو فخر تھا،

پھر اپنے متعلق ایک خاص مسّرت ونشاط کے ساتھ لکھتے ہین جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حدیث کی اس صنف کا ذوق اُن پر کسقدر غالب تھا، اُن کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے،

لیکن ان گذشتہ بزرگون کی آثار کا کچھ حصّہ اب بھی باقی ہے، دنیا کے گوشون مین وہ چیزین اب بھی کہین نہ کہین مل جاتی ہین، اور یہ بندہ الحمدللہ اُن لوگون مین ہے جس نے علم حدیث اور علم اسناد کے اساتذہ کی خدمت مین بہت کچھ تگ ودو کی ہے، اور ان سے حاصل کرکے اب اُس نے اپنے علمی صحن مین اپنا دسترخوان بچھایا ہے"

سندِ عالی تلاش کیون کی جاتی ہے، اس کی وجہ اُنھون نے اُسی کتاب مین یہ بیان کی ہے،

حدیث کی سندون مین سند عالی معتبر ہوتی ہے یعنی جسمین وسایط کم ہون، اور یہ قاعدہ ہے، کہ جہان تک وسایط کم ہونگے جھوٹ کا احتمال کم ہوتا جاتا ہے، اور جہان تک واسطے زیادہ ہون گے کذب کا احتمال قوی ہوتا جاتا ہے،

بہرحال قیامِ مصر کے زمانے مین اُن کا ابتدائی مشغلہ یہی تھا کہ مشائخِ حدیث کی خدمت مین حاضر ہوتے اور اُن کے پاس جو سند ہوتی اس کو حاصل کرتے، علمائے مصر مین اُن کو ایک ایسا محدث ملا جسکی سند دیگر معاصرین کی

حالات سے بہت عالی تھی، ایک خط مین خصوصیت کے ساتھ اُن کا تذکرہ کیا ہے اور آخر مین لکھا ہے،

ولم ینتبہ لعلو سندہ الا القلیل　　لیکن اس محدث کی اونچی سند پر بہت کم لوگون کی نظر ہوتی ہے

لاشتغالہم باحوالہم　　کیونکہ عموماً لوگ اپنے ذاتی معاملات مین منہمک ہین،

اسی ذوق مین اُنھون نے قاہرہ سے بھی باہر قدم نکالا اور مختلف اضلاع و بلاد مین گھومتے رہے،
ایک یادداشت مین ان مقامات کی تفصیل بھی لکھی ہے جہان جہان سند کی تلاش مین یہ پہونچے ان مین سے
اسیوط، جرجان، فرشوط، دمیاط، محلہ، سمنود، بوصیر، دمنہور خاص طور پر قابل ذکر ہین،

فلسطین کا سفر سب کچھ مل رہا تھا لیکن علم کی پیاس کسی طرح نہین بجھتی تھی، آخر اسی سلسلہ مین (نیز
بہ نیت زیارت) بیت المقدس کا بھی سفر کیا، ایک خط مین خود لکھتے ہین،

"مین نے بیت المقدس کا بھی سفر کیا اور وہان کے ارباب اسناد کی خدمت مین حاضر ہوا،
بیت المقدس سے رملہ بھی اسی دُھن مین پہونچا، اور ہر جگہ مین نے حدیث کی سماعت کرکے
سند حاصل کی"

تحصیل اجازات محدثین کا دستور تھا کہ اگر کسی استاد کے پاس خود نہین پہونچ سکتے تھے تو خط و کتابت
کے ذریعہ سے اجازت نامے منگوایا کرتے تھے، سید علامہ نے یہ بھی کیا، خود لکھتے ہین،

"مجھے حلب، فاس، تونس، اسولا، تلمسان کے محدثین نے بھی اجازت نامے لکھکر بھیجے، سوا اسکے
مصر مین بھی مغرب اقصیٰ کے چند صاحب اسناد محدثین کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا،
اور اجازت حاصل کی"

مصر کا مستقل قیام اور نکاح جس نے کسب کمال مین اتنی جان فرسا محنت کی ہو، اُس کی علمی وسعت کا کون
اندازہ کر سکتا ہے، سید علامہ مین اُس کے بعد جس قسم کی جامعیت پیدا ہو گئی تھی وہ اپنے زمانہ مین اپنی
آپ نظیر تھی، وہ ادیب تھے، مفسر تھے، محدث تھے، لغوی تھے، منطقی تھے، فلسفی تھے، آپ کو فقہ اربعہ کی

جارت حاصل تھی، اور اُن کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی، کہ اسی عرصہ میں ایک شیخ کامل کی نظرِ توجہ اُن کو نصیب ہوئی، جس نے اُن کے سارے علمی کمالات کو مرکزِ انابت پر گردش دیدیا تھا، نہ صرف علوم بلکہ اس سیر و سیاحت میں اُن کو مختلف اسلامی زبانون پر بھی عبور حاصل ہوگیا تھا، خصوصاً فارسی، ترکی، نہایت آسانی کے ساتھ بولتے اور لکھتے تھے، اور عربی تو ان کی گویا مادری زبان ہوگئی تھی، اگرچہ تاریخون میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بارھوین صدی ہجری کے ہندوستانی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اُردو نہ جانتا تھا بالکل بعید از عقل ہے اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ حبشی اور پشتو کے سوا دنیائے اسلام کی ہر ایک زبان سے وہ واقف تھے اور اس مختلف زبان دانی نے آئندہ زندگی میں اُن کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا،

بہرحال اب سید علامہ نے کسی خاص مقام پر جم کر کام کرنے کا ارادہ کیا، پیر کا حکم مصر میں رہنے کا تھا، پھر مصر کے سوا کہان جاتے، محلہ عطفۃ الغسال میں آپ نے ایک مستقل مکان لیا اور دمیاط کے ایک بزرگ ذوالفقار دمیاطی جو غالباً ان سے عقیدتمند تھے، اُن کی دختر نیک اختر سے جن کا نام زبیدہ تھا، آپ نے نکاح کر لیا، اور تالیف و تصنیف کو اپنا خاص موزون شغل قرار دیا،

تاج العروس کی تالیف قاموس فنِ لغت میں گویا ایک متن متین ہے کیونکہ فیروزآبادی نے نہایت مختصر لفظون میں زیادہ مطالب کے سمیٹنے کی کوشش کی ہے، سید علامہ کی غالباً سب سے پہلی نگاہِ انتخاب اسی پر پڑی اور کامل چودہ سال گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر آپ نے اس ٹھوس اور جامع کتاب کی ایک ضخیم شرح نو جلدون میں لکھی، اور تقریباً ہر جلد کے صفحات پانسو صفحات سے کم نہیں ہین حالانکہ اس کتاب کا طول و عرض بہت غیر معمولی ہے، اگر چھوٹی تقطیع پر شائع کی جائے تو مین یہ خیال کرتا ہون کہ اس کی ضخامت بجائے نو جلدون کے اٹھارہ جلدون تک پہونچ جائے گی،

تاج العروس کی ختم کی تقریب سید علامہ چودہ سال تک نہایت خاموشی کے ساتھ اس مہم کے سر کرنے میں مسلسل

معروف ہے، جب کام ختم ہوگیا، تو آپ نے قدیم دستور کے مطابق، مصر کے تمام اعیان و اشراف کی دعوت و عام سے ایک دعوت کی جسمین علما، صلحا، مشائخ، الغرض ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے، دعوت کے بعد آپ نے سب کو ایک مجلس مین جمع کیا، اور اپنی محنت ان کے سامنے پیش کی، لوگ انگشت بدندان تھے، حیرت تھی کہ ہندوستان کے غریب الوطن مسافر نے یہ کیا کیا، اور بالاتفاق سبھون نے اُن کی جلالتِ قدر کا اعتراف کیا، مصر کے مسلم الثبوت اساتذہ و سر برآوردہ علما نے نہایت فراخدلی کے ساتھ تقریظین لکھین، اُن مین اپنے زمانہ کے شیخ الکل شیخ علی صعیدی، شیخ احمد دردیر، شیخ ابو الانوار خاص طور پر قابلِ ذکر ہین،

تاج العروس کی شہرت عامہ اور اسکی شاہانہ قدر و منزلت مصر مین جس وقت اس کتاب کا غلغلہ بلند ہوا، تو اطراف و جوانب سے جوق در جوق لوگ اس ندرت انگیز، حیرت خیز چیز کے دیکھنے کے لیے اُمنڈ پڑے، رفتہ رفتہ اسکی جلالتِ شان، علوِ مرتبت کا شہرہ دوسرے اسلامی ممالک تک پہونچا، قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین کا فرمان آیا، کہ اس کا ایک نسخہ سلطانی کتابخانہ کے لیے فوراً بھیجا جائے، مراکش کے سلطان نے بھی اس کا ایک نسخہ طلب کیا، دارفور کے امیر نے بھی ایک نسخہ اپنے لیے لکھوایا، حالانکہ اگر بکفایت بھی لکھوایا جاتا تو ہر نسخہ کی لکھائی پر کم از کم ایک ہزار ریال خرچ ہوتا تھا، اس سے مسلمانون کے علمی ذوق اور اسلامی امرا کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ کل کی بات ہے، لیکن زمانہ کی اس نیرنگی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آج اگر کسی اسلامی کتاب کی قیمت بدقسمتی سے دس یا بیس تک پہونچ جاتی ہے، تو اُس کے مصنفین صرف کیڑون اور دیمک کے نگران کار بنکر رہ جاتے ہین،

شغل درس حدیث تاج العروس نے مصریون کی آنکھین کھولدین، اب اُنھون نے پہچانا کہ اُن مین کس گھرانے کا، کس ملک کا، کون آدمی ہے، نہ صرف عوام الناس، بلکہ ممتاز افاضل مصر بھی سید علامہ کی خدمت مین عقیدت کے ساتھ آنے لگے، جیسا کہ مین لکھ چکا ہون، سید ممدوح کو اسناد و اجازات کا

ذاتی شوق تھا آنے جانے والون پر بھی یہ ذوق غالب ہوا اور انھون نے سید سے سند کا مطالبہ شروع کیا،
حتیٰ کہ آخر مین مصر بلکہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے علمی مرکز مین بھی جنبش ہوئی اور ازہر کے شیوخ
واساتذہ بھی حصولِ سند کی غرض سے آپ کی خدمت مین آنے لگے، اسوقت آپنے فرمایا کہ جب تک
میرے سامنے حدیث سنی یا سنائی نہ جائے گی، سند نہین دے سکتا، آخر یہ طے ہوا کہ شیخون کی جامع مسجد مین
جو صلیبیہ مین ہے، ہر پیر او رجمعرات کو سید علامہ حدیث کا درس دین گے، حلقہ مین جو شریک ہونگے
اُن کو سند دیجائے گی، اور اسی کے بعد تالیف کے سوا تدریس کا بھی سلسلہ جاری ہوا،

سید علامہ اُس زمانہ مین محلہ عطفۃ الغسال سے سویقۃ اللالا مین منتقل ہو گئے تھے، یہین سے
آپ شیخون کی جامع مسجد مین جاتے اور درس دیتے،

آغاز درس سب سے پہلی کتاب جو سید علامہ نے شروع کرائی وہ صحیح بخاری تھی، سید حسن شیخونی قاری تھے
اور دوسرے حضرات سنتے تھے، دنیا یہ سُن کر تعجب کرے گی، اس درس مین جامع ازہر کے مشہور اساتذہ
ومعلمین بھی ہوتے تھے، جن مین شیخ احمد سجاعی اور شیخ مصطفےٰ طائی بہت زیادہ ممتاز تھے،

طریق درس مصر مین بھی اس زمانہ مین درس حدیث کا وہی عام طریقہ تھا، جو اسوقت ہندوستان مین مروج ہے
یعنی شاگرد کتاب پڑھتا جاتا ہے اور استاد سنتا رہتا ہے، جہان پر کوئی چیز قابلِ ذکر ہوتی ہے اُسے بتا دیتا
ہے لیکن سلف کا طریقۂ درس یہ نہ تھا، وہ املا کراتے تھے، یعنی استاد متن وسند کے ساتھ حدیث کو زبانی
بیان کرتا تھا، اور پھر مختلف اعتبارات سے اسپر بحث کرتا تھا، سید علامہ نے عام طریقہ کے سوا املا کی
رسم کہن کو پھر زندہ کیا، اپنے ایک خط مین لکھتے ہین،

> مین معمولی درس کے بعد، قدیم حفاظ کی طرح املا بھی کراتا ہون، جس مین متن کے ساتھ سند بھی
> بیان کرتا ہون، اور مطالب ومعانی سے بیچ بیچ مین بحث کرتا جاتا ہون، طلبہ میری ان تقریرون کو
> قلم بند کرتے ہین جو اسوقت متعدد جلدون کی شکل مین مرتب ہو چکی ہین،

طریقۂ تفصیل کی نوعیت | سید علامہ آپنے اس املائی درس مین کس تفصیل و توضیح سے کام لیتے تھے، اس کا اندازہ محض اس سے ہو سکتا ہے کہ ام زرع کی مشہور حدیث جو غالباً بیس، پچیس سطرون سے زیادہ نہین ہے، اس کے متعلق آپنے جن مضامین کا املا کرایا صرف اس کی ضخامت سات جز تک پہنچ گئی، اسی خط مین لکھتے ہین،

ام زرع کی حدیث پر مین نے سات جزون مین املا کرایا ہے اس حدیث کی شرح چودہ مجلسون مین ختم ہوئی طلبہ اُسکی نقلین لے رہے ہین اور مختلف ممالک مین پھیلا رہے ہین،

مصریون پر آپ کا اثر | یون تو جب سے تاج العروس شائع ہوئی تھی آپ کے فضل و جلالت کا پرچم مصر مین لہرا رہا تھا، لیکن حدیث شریف کے اس انوکھے طریقۂ درس نے آپ کی شان و عظمت کو دوبالا کر دیا اور عوام سے لیکر خواص ہر ایک آپ کا ثناخوان اور عقیدتمند تھا، امرا اور اعیان دولت جوش عقیدت مین آکر آپ کو اپنی محلسراؤن مین بلاتے اور اس تقریب سے عظیم الشان دعوتین کرتے،

مجلس دعوت | سید علامہ کا یہ دستور تھا، کہ جب کسی امیر کے یہان سے دعوت آتی تو اپنے طلبہ کاتب اور دیگر متوسلین کو لیکر اس کے مکان پر پہنچتے، داعی اپنے مکان کو ہر قسم کی آرائشون سے سجاتا، گھر کے لوگ نئے کپڑے پہنتے، مردون کا مجمع سامنے ہوتا، عورتین اور بچیان پردے کے پیچھے ہوتین عود بخور اور ہر قسم کی خوشبوئین جلائی جاتین، اسکے بعد سید بخاری، دارمی یا کسی دوسری کتاب کی چند حدیثین سند کے ساتھ سناتے، پھر سب ملکر درود شریف پڑھتے، اسکے بعد کاتب اٹھتا، اور تمام حاضرین خواہ مرد ہون یا عورت بچے ہون سب کے نام لکھتا، پھر اس پر تاریخ و وقت درج کرکے سید علامہ کی خدمت مین لاتا، سید اُس پر "صح ذلک" لکھدیتے، اور یہ محدثین کا قدیم دستور تھا،

بیرون مصر مین آپ کا آوازہ | مین کہہ چکا ہون کہ تاج العروس کی شہرت اسلامی دنیا کے سلاطین تک پہونچ چکی تھی اب اسی کے ساتھ سید علامہ کے درس حدیث کی خوشبو مصر کی دیوارون کو پھاند کر غیر ممالک مین

پہونچی، اکثر اقطار و امصار سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور جو نہیں آسکتے تھے وہ تحریر کے ذریعہ سے سند اور اجازت نامے منگوایا کرتے تھے، سید علامہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں،

"۔ ۔ ۔ وقت تک میں نے عرب (شام) دمشق، حلب، عین تاب، موصل، آذربیجان، (ایران) تونس، الجزائر، دیاربکر ۔ ۔ ۔ اس (ہندوستان) میں اپنی سند اور اجازت نامے بھیجے"

تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے کہ صرف انھیں ممالک سے نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے روزمرہ آپ کے پاس درخواستیں پیش ہوتی تھیں، اور عوام ہی نہیں، بلکہ اُن ممالک کے امرا و سلاطین بھی خطوط لکھتے، اور نہایت نیازمندی کے ساتھ اجازت نامے یا سند طلب کرتے، خاتمہ نگار نے اس سند میں لکھا ہے، کہ یمن، شام، ہندوستان، بصرہ، عراق، مراکش، سوڈان، فزان، الجزائر، الغرض ہر طرف سے شدید تقاضے آتے رہتے تھے،

خلیفۃ المسلمین کی درخواست | آخر میں قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید اوّل نے آپ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی، اور آپ نے منظور بھی فرمالیا تھا، لیکن پھر خدا جانے کیا موانع پیش آئے کہ نہ جاسکے، سلطان نے اس کے بعد یہ درخواست پیش کی کہ تو پھر دہیں سے مجھے اپنی سندوں اور حدیث کی کتابوں کی اجازت لکھ بھیجئے، سید علامہ نے اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر بارگاہ سلطانی میں بھیجا، سلطان کے ساتھ ترکی کے مشہور فاضل خبیر، صدر اعظم علامہ راغب پاشا نے بھی آپ سے سند اور اجازت نامہ حاصل کیا، اور دنیاوی حیثیت سے ایک مسلمان عالم کا یہ آخری نقطۂ عروج تھا، جو ایک غریب الوطن ہندوستانی عالم کو دوسرے ملک میں حاصل ہوا، قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع من تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء

اوراد و وظائف کی اجازت | مصر میں سید علامہ کا قیام اپنے پیر کے حکم سے تھا، وہاں حدیث، تفسیر یا جس چیز کا درس دیتے تھے، سب میں بجائے درس کے تلقین و ذکر کی شان زیادہ غالب تھی اپنے درس میں

خلافیات وجدلیات سے زیادہ حقائق ومعارف، فضائل اعمال کی حدیثون پر زور دیتے تھے، اسی کے ساتھ اپنے شیخ سے جن اذکار اور اوراد کی آپ کو اجازت تھی، طالبین کی اس طرف بھی راہنمائی فرماتے تھے، تاج کا خاتمہ نگار لکھتا ہے،

ویجیبن ھم با وراد و احزاب اور لوگون کو ورد و وظائف کی بھی اجازت دیتے تھے،

سید علامہ کا حلیہ وسیرت | تاج العروس کے خاتمہ نگار نے آپ کی شکل وصورت کی پوری توضیح کی ہے، اور مین اسی سے نقل کرتا ہون، اس کا بیان ہے، سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ میانہ قد، چھریرے بدن کے تھے، رنگ سُنہرا تھا، اعضا متناسب تھے، ڈاڑھی بہت معتدل تھی، لیکن اکثر حصہ سفید ہو چکا تھا، ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے، چہرہ پر ایک دائمی بشاشت رہتی تھی، لیکن اسی کے ساتھ نہایت با وقار اور بھاری بھرکم تھے، اُن کی مجلس بارعب اور پُرہیبت ہوتی تھی، اخلاق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھے، گفتگو نہایت دلچسپ پُرمغز، نوادر ولطائف سے معمور ہوتی تھی، حافظہ نہایت قوی تھا، نہایت سمجھدار اور ذکی طبیعت تھی،

لباس ووضع | سید علامہ اچھے لباس کے شوقین تھے، بدن پر ہمیشہ صاف ستھرا جامہ ہوتا، سر پر یمن والون کی طرح عمامہ باندھتے، جس مین جالیان اور ریشمی زرکش ڈورے پڑے ہوتے،

ذرائع معاش | مین نے تلاش کیا، کہ سید علامہ کے گذر اوقات کی کیا صورت تھی، لیکن کوئی واضح بیان نہ ملا، تاہم اُن کی جو زندگی تھی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فراخی رزق سے بھی اُن کو نوازا تھا، اپنے ایک خط مین اُنھون نے لکھا ہے کہ اسوقت ہمارے یہان دو حبشی لونڈیان اور ایک حبشی غلام ہے، باندیون کا نام سعادہ اور رحمت تھا، اور غلام کا نام بلال تھا، اور یہ عجیب بات ہے کہ سید علامہ جب اپنے لیے کسی عالم سے سند یا اجازت نامہ طلب کرتے تو اس مین لکھتے کہ میری بیوی اور میری لونڈیون اور غلام کے نام سے بھی اجازت نامہ بھیجئے گا،

بہرحال معاشی حیثیت سے سید علامہ کی حالت اچھی تھی، اس کا سامان کہان سے ہوتا تھا، غالباً

گمان یہ ہے کہ حکومتِ مصر یا وہان کے ارباب خیر آپ کی مدد کرتے تھے، اور شہرتِ عامہ کے باعث ممکن ہے کہ خلیفۃ المسلمین یا دوسرے سلاطین کے یہان سے آپ کو امدادین ملتی ہون،

خیر عمر اور وفات | بہرحال جو بھی صورت حال ہو، سید علامہ نہایت عزت وجلال صیت وشہرت کے ساتھ مصر مین زندگی گذار رہے تھے، اور یہ کہنا مبالغہ نہین ہے کہ اپنے عہد مین خدا نے اُن کو وہ بلند رتبہ عطا فرمایا تھا جو نہ صرف اس زمانہ مین بلکہ اس سے بیشتر بھی کم لوگون کو نصیب ہوا تھا، وہ مصر ہی کے نہین، بلکہ اپنے زمانہ مین دنیاے اسلام کے سب سے بڑے محدث، سب سے بڑے ادیب، سب سے بڑے لغوی، اور آخر مین ایک مرتاض، صاحب باطن ولی اللہ تھے، تقریباً ہر اسلامی ملک کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے، اور جیسا کہ بتا چکا ہون کہ آپ تقریباً ہر اسلامی ملک کی زبان سے واقف تھے، اس لیے قدرتی طور پر جو بھی آپ کے پاس آتا تھا وہ آپ کو اپنا پاتا تھا، ایرانی آتے تو اُن سے فارسی مین گفتگو ہوتی، فارسی زبان کے مولفین وشعرا کا کلام اُن کو سناتے، وہ اُس سے خوش ہوتے، ہندی طلبا تو ہندوستانی علما کا حال پوچھتے، ترکی ہوتے تو ترک فضلا وصوفیا کی قیمتی باتین اُن کو سناتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن مین سے ہر ایک آپ کو اپنا سمجھتا تھا، اور غالباً مختلف زبانون کے علم نے آپ کی قابلیت کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، اور پھر یہی نہین بلکہ کچھ دنون سے جو مسلمانون کا ایک عام دستور ہو گیا تھا کہ جن لوگون کو ظاہری علوم وفنون مین انہماک ہوتا ہے وہ باطن سے عموماً صفر یا کم از کم ناآشنا ہوتے ہین اور اسی طرح اربابِ باطن علومِ ظاہری کی طرف کم توجہ فرماتے ہین، اگرچہ سچ یہ ہے، کہ جس نے حقیقت کو پالیا وہ مجاز سے بے نیاز ہو جاتا ہے، تاہم بے بصرون کے لیے نکتہ چینی کا موقع باقی رہتا ہے لیکن سید علامہ کی عجیب شخصیت تھی، وہ ایک ہی وقت مین ایک ہی زمانہ مین اگر ایک طرف سیبویہ اور جوہری کے جانشین تھے، تو دوسری طرف ابن حجر اور عینی کے مسند درس کو اُن پر ناز تھا، اگر ایک حیثیت سے ابن ہمام اور ابن نجیم کی روح اُن کی فقہی نکتہ سنجیون سے مسرور تھی، تو دوسری طرف یہ حیرت انگیز تماشا تھا

یہ سیدنا غوث الثقلین، سیدنا حبیب العیدروس الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک آنکھوں کی آپ ٹھنڈک تھے، اور یہی وہ جامعیت ہے جسکی ائمہ اسلام مین تمنا کی جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ بہت کم پوری ہوتی ہے لیکن جہان کہین اور جب کبھی کسی مین یہ جامع حیثیتین جمع ہوگئی ہین مسلمان اسکی طرف پل پڑے، اسلامی دنیا ایسی شخصیت کے آگے لوٹنے لگی ہے اور یہی حال سید علامہ کا بھی ہوا، لوگ ہر چہار طرف سے اُمڈے پڑتے تھے مختلف آرزو، مختلف سوالات، مختلف مشکلات لیکر آتے اور تشفی حاصل کرکے جاتے تھے، ارشاد و ہدایت، درس و تدریس، وعظ و تذکیر، خط و کتابت کا دریا بہ رہا تھا، اور پیاسے سیراب ہو رہے تھے، وفات سے کچھ دن پیشتر تک خدا کا یہ فیض عمیم اسی طرح موجین مار رہا تھا، کہ یکایک خدا جانے آپ نے کیا محسوس کیا کہ تاج العروس کا خاتمہ نگار لکھتا ہے کہ اچانک:-

لزم دارہ واحتجب عن اصحابہ واعتکف بداخل الحریم واغلق الباب وترک الدروس والاقراء	گھر مین بیٹھ گئے، اور اپنے شاگردون سے چھپ گئے، اور ڈیوڑھی کے اندر معتکف ہوگئے، دروازہ لگا دیا، پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا،

کیا دیکھا، یا کیا دکھایا گیا بہرحال اثر یہ تھا کہ ایسی بلند و وسیع شخصیت یکایک سمٹ گئی، اور جو سب کچھ تھا وہ کسی کے لیے گویا کچھ نہ رہ گیا، اُسی کے کچھ دن بعد قاہرہ مین طاعون پھیلا جامع کردی جو سید علامہ کے مکان کے روبرو واقع ہے، وہین نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے، نماز سے فارغ ہوئے کہ طاعون کا اثر محسوس کیا، گھر پہونچے، اور زبان بند ہوگئی ہفتہ کا دن اسی خاموشی مین گذرا اور اتوار کے دن علم و عرفان کا وہ آفتاب جو گنگا کے ساحل پر طلوع ہوا تھا، نیل کی وادی مین غروب ہوگیا، فانا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲۰۵ھ ہجری شعبان کا مہینہ تھا،

شہر مین شیوع طاعون کی وجہ سے سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی کسی کو اس واقعہ کی خبر بھی نہین ہوئی حتیٰ کہ جامع ازہر کے اساتذہ جن مین آپ کے شاگردون کی ایک بڑی جماعت تھی، اُن کو بھی آپ کی

وفات کا اُسوقت علم نہوسکا، محلہ مین جو چند مسلمان تھے المعنون سنے آپ کی تجہیز و تکفین کی اُدہر کی مشہور درگاہ سیدہ رقیہ مین اس علمی دفینہ کو لوگون نے محفوظ کردیا، تاج العروس کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے کہ سید علامہ نے اپنی زندگی مین ایک قبر اپنے لیے اس درگاہ مین بنوائی تھی اور اس مین مدفون ہوئے

عاش حمید او مات شھید ان الحیٰوۃ حیوتہ والممات مماتہ اللھم اغفر لہ واجعلہ من ورثۃ جنۃ النعیم، و نور قبرہ وقدس سرہ وارض عنہ وعن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین؛

اولاد | مین نے لکھا ہے کہ سید علامہ نے قاہرہ مین شادی کرلی تھی لیکن کوئی اولاد نہین ہوئی،

تالیفات | اگرچہ جسمانی طور پر مصر مین اس دسطی سید کا کوئی سلسلہ جاری نہین ہوا، لیکن اُس کے ان علمی سلسلون کو کون گن سکتا ہے، نہ صرف مصر بلکہ اسلامی دنیا پر چھا گئے، مختلف علوم و فنون مین سید علامہ کی کتابین سو سے متجاوز ہین، جن مین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر حسب ذیل ہین؛

(۱) تاج العروس ۱۰ جلد (۵) الجواہر المنیفہ فی تائید مذہب ابی حنیفہ ۱ جلد

(۲) اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین ۱۰ جلد (۶) امالی حنفیہ ۱ جلد

(۳) تکملۃ القاموس ۱ جلد (۷) حکمۃ الاشراق الی کتاب الآفاق ۱ جلد

(۴) العقیدۃ السند معہ شرحہا ۱ جلد (۸) ترویح القلوب بذکر ملوک بنی ایوب ۱ جلد

ان کے کتابون کے علاوہ سید علامہ کے چھوٹے بڑے رسالے حدیث، تفسیر، تاریخ، لغت، علم الاسناد، تخاریج فقہ، منطق، فلسفہ، ادب، الغرض ہر علم مین آتے ہین کہ اُن کو کون شمار کرسکتا ہے آپکی تالیفات مین سے تاج العروس، شرح احیاء العلوم، الجواہر المنیفہ چھپ کر شایع ہوچکی ہے،

گلبرگہ شریف اور اس کا نواح

از

جناب تمکین کاظمی صاحب

دکن میں اورنگ آباد، گلبرگہ، بیدر وغیرہ ایسے مشہور مقامات ہیں کہ ماہرین فن آثار قدیمہ اور سیاح دُور دُور سے دیکھنے کے لیے آتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ انھیں تفصیلی معلومات بہم پہونچانے کے علاوہ صرف معائنۂ مقامات ہی کے لیے اکثر دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، اگر وقت مساعدت کریگا تو انشاءاللہ ان مقامات کے گائڈ مرتب کردیے جائیں گے تاکہ سیاحوں کو معلومات بہم پہونچیں اور دکن کے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کا حال ایک جگہ جمع ہوجائے، ذیل کا مضمون ایک خاکہ ہے جو گائڈ کی ترتیب کے وقت پیش نظر رہے گا، (تمکین)

گلبرگہ، بہت قدیم ہندو شہر ہے، راجہ کلی چند نے اسکندر رومی کے حملۂ ہند سے قبل اسے آباد کیا اور "کلبرگی" (زمین سنگلاخ) نام رکھا، جو کثرت استعمال سے گلبرگہ ہوگیا، راجہ کلی چند کے بعد مدت تک راجہ ورنگل کے قبضے میں رہا اور چودھوین صدی کی ابتدا میں ورنگل اور بیدر کے ساتھ محمد تغلق کے قبضہ میں آگیا، ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء میں دکن کے امرائے محمد تغلق سے بغاوت کی، اور ظفر خان نے شاہی لقب اختیار کرکے صوبجات دکن (دولت آباد، گلبرگہ، بیدر) پر قبضہ کرلیا اور گلبرگہ کو پایۂ تخت بنایا، ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء سے ۸۳۰ھ ۱۴۲۶ء تک سلاطین بہمنیہ کا پایۂ تخت رہا، احمد شاہ ولی بہمنی نے بیدر کو پایۂ تخت مقرر کیا، مگر گلبرگہ سلاطین بہمنیہ ہی کے قبضہ میں رہا، ۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء میں شاہان عادل شاہیہ بیجاپور کے قبضہ میں آیا، ۹۲۱ھ ۱۵۱۴ء میں امیر برید نے اسپر قبضہ کیا، مگر چند ہی روز کے بعد پھر عادل شاہیون کے قبضہ میں آگیا اور ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷ء میں میر جملہ نے گلبرگہ فتح کرکے سلطنت مغلیہ میں داخل کیا، اور سلطنت دہلی کے صوبجات دکن

مین اس کا شمار ہونے لگا جب حیدرآباد پر نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر نے قبضہ کیا تو گلبرگہ بھی قبضہ مین آیا اور اب تک سلاطین آصفیہ خلد اللہ ملکہ کے زیر فرمان ہے، ۱۸۷۴ء مین صوبہ کا مستقر قرار دیا گیا اور اب بھی ہی، ضلع گلبرگہ اضلاع عثمان آباد و بیدر سے جانب شمال ملحق ہے اور بجانب شرق اضلاع اطراف بلدہ و محبوب نگر اور جنوب مین اضلاع محبوب نگر و رائچور و لنگسگور سے متصل ہے، جانب مغرب ضلع عثمان آباد اور علاقہ بمبئی کے ضلع بیجاپور و اکلکوٹ اسٹیٹ سے ملحق ہے، یہ ضلع درمیان خطوط عرض بلد شمالی ۱۶° ۴۰ و ۱۷° ۴۴ اور مابین طول بلد شرقی ۷۶° ۴۲ و ۷۷° ۴۲ واقع ہے، ۱۹۱۱ء مین اس کا رقبہ بشمول پائگاہ و جاگیرات ۶۰۹۲ مربع میل تھا، مگر خالصہ و صرف خاص کا رقبہ (۴۴۲۸) مربع میل تھا، ایک سلسلہ پہاڑون کا شمال ضلع مین ضلع عثمان آباد سے داخل ہو کر تعلقات بھاگاؤن اور چنچولی (۶۰) میل تک جنوبی مشرقی سمت مین چلا گیا ہے،

گلبرگہ جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن ہے، حیدرآباد سے (۱۳۳) میل اور رائچور سے (۹۰) میل کا فاصلہ ہے،

آثار قدیمہ

قلعہ گلبرگہ، اس قلعہ کی تعمیر سنہ ۴۰۰ قبل مسیح مین راجہ گلی چند نے کی اور رایان بیجانگر نے اسکی ترمیم وغیرہ کی، مگر موجودہ حالت عہد بہمنیہ (۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء - ۹۳۴ھ / ۱۵۲۷ء) کی یادگار ہے، قلعہ کی شکل نہ مدور ہے اور نہ مربع نہ مستطیل بلکہ بیضوی ہے، شمالی دیوار شرقاً غرباً بالکل سیدھی اور جنوبی گولائی لیے ہوے ہے جو گھومتی چلی گئی ہے، مغربی دیوار بھی اُس کے مماثل ہے، البتہ شرقی فصیل سیدھی ہے جسکے گرداگرد پچاس گز عریض اور پچیس گز عمیق خندق ہے، فصیل کا دور قریب ایک میل کے ہے، شرق رویہ اور غرب رویہ دو دروازے ہین، مشرقی دروازہ ایک ہی ہے اور شکستہ حال ہے، مغربی دروازہ کے اندر تین چکردار کمانین مع ایک پھاٹک کے موجود ہین، اور اسی کے دونون جانب چند مرتفع برج ہین جن پر توپین چڑھی ہین، قلعہ کے اندر بند فلک شکوہ

برج ہیں جنپر چھبیس توپیں چڑھی ہوئی ہیں جن میں سے ایک توپ ۲۵ فٹ لمبی ہے،

دولت برج، شرقی دروازہ کے اندر یہ عظیم الشان مستطیل الوضع برج ہے جسکو رن منڈل یا بالا حصار، اور فتح برج بھی کہتے ہیں، اس کا طول شرقاً (۲۰۴)فٹ اور شمالاً (۱۲۰) فٹ ہے اور بلندی بھی (۱۲۰) فٹ ہی ہے، چاروں گوشوں پر مدور عشقے بناکر مضبوطی اور خوبصورتی میں بہت اضافہ کیا گیا ہے، یہ برج سب برجوں سے بڑا ہے، اسکے اوپر تین توپیں رکھی ہوئی ہیں، دو توپیں چودہ چودہ فٹ لمبی ہیں جنپر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے، اس کا قطر سوا فٹ ہے، تیسری توپ پر (چار سنہ) عادل شاہی کندہ ہے، بالائے حصار کی دیوار کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس برج کو سلطان ابراہیم عادل شاہ ۹۶۵ھ ۱۵۵۷ء کے ملازم محمد حید ر نے بنوایا تھا، کتبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ در عہد سلطنت پادشاہ

عالم پناہ مہر سپہر افرازی تاج الدنیا والدین ابوالمظفر ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ

وَاَفَاضَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ بِرّہٗ واحسانہٗ بندہ درگاہ محمد حید ر این برج دولت تمام نمود،،

ہنمنت برج، یہ برج دروازۂ غربی کے شمال میں کالے پہاڑ پر واقع ہے ایک سنگ سیاہ کا کتبہ بخط نسخ دیوار میں نصب ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۶ھ ۱۵۵۸ء میں بعہد سلطان محمد عادل شاہ تیار ہوا، کتبہ

بنام محمد شہ بحر و بر	کرد یافت ملک دکن زیب و شم
سخن سنج نور اللہ سر خیل ملک	کہ ہست اوز اولاد خیر البشر
دگر احسن آباد را داد زیب	بہ تعمیر ہر برج و دیوار و در
چون تعمیر شد گشت تاریخ سال	شدہ حصن گلبرگہ محکم دگر

۹۶۶ھ

حسن بہمنی نے گلبرگہ کو پایۂ تخت بنانے کے بعد نام بدل کر احسن آباد رکھا مگر یہ نام مشہور نہ ہو سکا، کتبہ سے

تیسرے شعر میں اسی احسن آباد کا تذکرہ ہے'

اس برج پر ایک نہایت ہی خوش نما پیچ رسی توپ رکھی ہوئی ہے جو نواب علی خان بہادر کے زمانہ کی ہے جسے اُن کے دیوان رکن الدولہ میر موسی خان احتشام جنگ نے بنوایا تھا، ذیل کی عبارت اس پر کندہ ہے'

رفیق سادات برج نواب رکن الدولہ بہادر ظفر الدولہ بہادر ۱۱۸۴ھ

اس برج کی ضروری تعمیر تھوڑا عرصہ ہوا کہ سررشتۂ آثار قدیمہ کی جانب سے ہو چکی ہے اور اب اچھی حالت میں ہے'

گھڑیالچی برج' یہ برج غربی دروازہ کے جانب شمال بلندی پر واقع ہے' چونکہ شاہان بہمنیہ کے زمانہ میں اسپر گھڑیاں بجا کرتی تھی اس لیے گھڑیالچی برج نام مشہور ہو گیا، اوپر چڑھنے کے لیے ۲۷ سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں اور ایک کتبہ سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برج اور ایک ملحقہ مکان ۱۰۸۶ھ میں بعہد سلطان محمد عادل شاہ باہتمام علی رضا تعمیر ہوا ہے:

کشادہ باد بدولت ہمیشہ این درگاہ

ہذا القصر نظر کردۂ پیر دستگیر اولادِ حسین و حسن پشت و پناہِ اہلِ دکن بندہ نواز مخدوم دنیا و دین سید محمد حسینی گیسو دراز فی عہد السلطان ابو المظفر سلطان محمد عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً و بانیہ کمترین غلامان درگاہ علی رضا بن محمد آقا سنہ ثمان و خمسین و الف بحق اشھد ان لا الٰہ الا اللہ'

اسی برج کے پہلو میں قدیم محبس شاہی کا خرابہ ہے' بہمنی و عادل شاہی قیدی یہیں محبوس رہتے تھے' چنانچہ گلبرگہ سنٹرل جیل کی تعمیر سے قبل سرکار عالی کے بھی ... یہیں رکھے جاتے تھے،

دالان ... برج کے قریب صدر دروازۂ قلعہ کے محاذی ایک مسقف دالان ہے جس کی دیوار پر باہر کی طرف دو کتبے نصب ہیں' یہیں پہلے پولس کا تھانہ تھا، کتبہ نمبر ا

بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان موجب امر خدمتگاری کرد،

العبد ضابطہ خان سنہ ۹۸۱ھ

کتبہ نمبر ۲

بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد بابا جی اخنا طب ضابطہ خان

نائب غیبت شہر احسن آباد؛

ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دالان اور ملحقہ عمارت سنہ ۹۸۱ھ (۷۳-۱۵۷۲ء) میں بابا جی عرف ضابطہ خان نائب

غیبت گلبرگہ نے علی عادل شاہ کے حکم سے بنوایا تھا،

پتلی برج، یہ برج غربی فصیل کی دیوار کے محاذی واقع ہے، ایک کتبہ سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ اور

ایک دیوار پر نصب ہے جس کی پشت کی طرف خندق ہے، اس کتبہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۹۶۵ھ (۱۵۵۸ء) میں

عہد علی عادل شاہ عزت خان نے بنوایا تھا، کتبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین بعہد سلطنت شہنشاہ جہان پناہ ظل اللہ مہر

سپہر سرفرازی ابو المظفر شاہ علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و افاض علی العالمین بره و احسانہ

کمترین بندگان درگاہ عزت خان این برج در وقت عمارت نمود سنہ ۹۶۵ھ ،

نورس برج، قلعہ کے غربی دروازہ کے اندر جنوبی سمت یہ واقع ہے، اس پر ایک بارہ گزی توپ

رکھی ہے، کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برج ملک صندل کے اہتمام سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں

توپ دوازدہ گزی کے لیے بنوایا گیا، سنگ سرخ کے چار کتبے برابر برابر لگائے گئے ہیں۔ کتبہ (۱)

این برج توپ دوازدہ گزی در عہد ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ ابداً عمارت کرد

بندۂ ملک ملک صندل سنہ ۱۰۲۴ھ

(۲) یا سُبُّوحُ (۳) یا قُدُّوسُ (۴) ھُوَ الجلیل برج نورس

سکندر برج یہ عظیم الشان برج قلعہ کے غربی دروازے کے جنوب مین واقع ہے اسے "فیل برج" بھی کہتے ہین اسکے نیچے دو حجرے ہین جنپر توپ چڑھی ہوئی ہے حجرے کی دیوار مین سنگ سیاہ پر بخط نستعلیق کتبہ نصب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیجاپور کے آخری ایام مین بعہد سکندر عادل شاہ خواص خان صدر اعظم کے حکم سے سیدی سنبل ملک عنبر نے ۱۰۸۳ھ مین غالباً عالمگیری حملہ کی مدافعت کی خاطر اس کو بنوایا تھا، کتبہ

یا حافظ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا حافظ

الملک للہ

در اوایل جلوس سلطان سکندر عادل شاہ قادری الغازی بن علی عادل شاہ بحکم آصف زمان خواص خان وزیر حکومت در سنہ ثلاث سبعین الف بندہ کمترین درگاہ سیدی سنبل ملک عنبر صوبہ دار و تو ... در و ار عمارات این برج فلک شکوہ کہ مسمی بسکندر برج است نمود، ۱۰۸۳ھ

[left margin:] ... [right margin:] ...

اس کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سنہ آغاز تعمیر کا اور دوسرا اختتام تعمیر کا ہے،

ان برجون کے علاوہ نو برج اور ہین جن پر توپین چڑھی ہوئی ہین مگر کتبے نہین ہین،

زنجیری دروازہ قلعہ کے مغربی دروازہ پر جسکو زنجیری دروازہ کہتے ہین ایک کتبہ نصب ہے، جو استداد زمانہ کے باعث بہت خراب ہو گیا ہے، غالباً یہ کتبہ عہد بہمنیہ کا ہے، کتبہ

عجب قلعہ دیدم کہ شانش نبود چنین کہ در اقلاع عالم ہست

تحصنت بذی الملک والملکوت واعتصمت بذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ

والقدرۃ والکبریاء والجبروت دخلت فی حرز اللہ فی حفظ اللہ وفی امان اللہ

من شرور الفتن اجمعین کہیعص بحق حمعسق ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہاڑ باؤلی فصیل قلعہ کے اندر سلاح دروازہ کے پاس ایک برج مین جو قلعہ کے شرق مین واقع ہے ایک بڑی باؤلی خراب و خستہ حالت مین ہے جس کی کمان کے بائین جانب ایک کتبہ نصب ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی عادل شاہ کے زمانہ میں اس چاہ و برج کو باباجی ضابطخان اور خان اعظم حمید خان نے ۹۶۰ھ میں بنوایا تھا، کتبہ،

بعہد سلطنت عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ، و افاض علی العالمین برہ و احسانہ بنا کردہ چاہ،

داخل . . . . و قلعہ برج و یک نشستنگاہ بریں خندق نزدیک (بموجب امر خدمت)

گارے کرد باباجی ضابطخان نائب غیبت شہر احسنا باد خان اعظم حمید خان بہمنی سنہ ست و ثمانین و تسعمایہ جمادی الاول سنہ ۹۶۰ھ

باڑ باؤلی کے قریب ایک افتادہ مکان کی دیوار پر باؤلی کے کتبہ کے محاذی ذیل کا کتبہ نصب ہے جسکا سنہ صاف پڑھا نہیں جاتا، کتبہ

بعہد سلطنت عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

بندہ درگاہ حاجی عماد خان این عمارت نمود سنہ . . . .

مسجد کلان: قلعہ کی اس عالیشان مسجد کی نسبت لوگوں کو بہت اختلاف ہے مگر اسکی نسبت ہمارا اپنا یہ خیال ہے کہ اسی جگہ جینیوں کا دیول تھا، جسے توڑ کر علاء الدین نے مسجد بنوائی اس کا ثبوت ان پتھروں سے مل سکتا ہے جو مسجد کی تعمیر میں استعمال کیے گئے ہیں ۱۳۱۷ھ میں جبکہ اس مسجد کا پلاستر جھڑ گیا تو دوسری تعمیر و ترمیم کرائی گئی جسکی وجہ سے یہ معلوم ہوا کہ اندر جسقدر پتھر لگائے گئے ہیں سب پر تصاویر ہیں جو چھپی ہیں، اسکے ۔۔۔ کے لیے صرف چونتیس ہزار روپیہ صرف ہوا، یقین ہے کہ اس مسجد کو علاء الدین بہمنی نے دمشق کی جامع اموی کے نمونے پر اس غرض سے بنوایا ہے کہ جنوبی حصہ بطور دارالامارہ (دربار ہال) کے استعمال ہو سکے اور بقیہ حصہ میں نماز ہوا کرے،

اس مسجد کا چبوترہ ۲۰۰۰ ہزار مربع فٹ ہے گویا یہ کہ مسجد سے صرف دو ہزار مربع فٹ چھوٹی ہے

اس مین تقریباً چھ ہزار آدمی بوقت واحد نماز پڑھ سکتے ہین، اس کا بڑا برج جسکے نیچے محراب و منبر ہین (۷۵ فٹ بلند ہے، اس برج کے محاذی اور دونون جانب داہنے اور بائین مسجد کا اندرونی حصہ ہے جسپر ایک سو گیارہ چھوٹے چھوٹے گنبد اور نہایت ہی حسین محرابین ہین، ساری مسجد لداؤ ہے لکڑی کا نام تک نہین تمام عمارت انجنیری ہی اصول پر بنائی گئی ہے، سقف حصہ کا طول شرقاً غرباً (۲۲۵) فٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۶۸) فٹ ہے اس مسجد مین شمال اور جنوب رُخ دو دروازے ہین، شرق کی طرف کوئی دروازہ نہین بلکہ صحن کے بائین مین ایک چھوٹی سی خوشنما کمان کے اندر نہایت ہی خوش وضع قبور ہین جن مین سے ایک مزار پر ایک خوشنما سی چودری بنی ہوئی ہے، اس مسجد کی وسعت نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، مسجد کے اوپر چڑھنے کے لیے بہی پختہ زینہ ہے، اوپر سے گلبرگہ کا پورا منظر دور دور تک نظر آتا ہے، مسجد کی مشرقی دیوار کے باہر ایک وسیع اور قدیم حوض تھا جسکے شکستہ چبوترے اور کنارون کے علامات ابتک موجود ہین،

قلعہ کی تمام عمارات مین صرف یہی ایک مسجد سررشتہ آثار قدیمہ کی نگرانی مین ہے، اس مسجد مین عیدین اور جمعہ کی نماز ہوا کرتی ہے اور بس،

دروازہ قلعہ مشرقی سمت سے قلعہ مین داخل ہونے پر یکے بعد دیگرے تین کماندار دروازے ملتے ہین، ہر ایک کمان دوسری کمان سے وسیع ہے، آخری کمان بہت پست ہے، غالباً یہ اس لیے کہ ہاتھی اس کمان کے آگے نہ بڑھنے پائین،

مسجد عزت خان: یہ ایک مختصر سی سہ دری مسجد ہے جو اب تک آباد ہے، اندرونی دروازہ پر ذیل کا کتبہ نصب ہے،

بنا ہذا المسجد فی عہد السلطان علی عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و بانیہ عزت خان تقبل اللہ عنہ

(نادعلی صغیر)

وسط صحن مین ایک حوض ہے، مسجد کی جنوبی دیوار کے نیچے ایک بڑی باؤلی نہایت ہی پختہ بنی

ہوئی ہے، اس باؤلی کے شرق مین کسی بزرگ (اللہ صاحب) کا مزار ہے، شرق مین ایک عاشورخانہ عادل شاہیون کے زمانہ کا بنا ہوا ہے، صحن مسجد مین ایک چھوٹا سا گورستان ہے جسکی اکثر قبرین سنگین ہین،

دراصل یہ بہمنیون کی بنائی ہوئی مسجد ہے جس کا اصلی کتبہ نکال کر مسجد کلان کے قریب پھینک دیا گیا ہے اور اس مسجد پر مندرجۂ بالا کتبہ لگا دیا گیا ہے، اصلی کتبہ پر سنہ تسع وستین وسبعمائۃ (۷۶۹ھ/۱۳۶۷ء) اور رفیع بن شہر بن منصور القزوینی و سلطان محمد شاہ بہمنی کا نام کندہ ہے،

زنانی مسجد قلعہ ہی مین ایک چھوٹی سی تین برجیون کی مسجد ہے، جو یا تو کسی بیگم کی بنوائی ہوئی ہے یا بیگمات کی نماز کیلئے بنی ہو، اس مین بعض جگہ رنگ ہے،

مسجد ملک سیف الدین غوری سلطان حسن کی گنبد کے متصل قربان تالاب کے مشرقی بند پر ملک سیف الدین کی بنائی ہوئی مسجد شکستہ حالت مین موجود ہے جسمین پندرہ کمانین سنگین ستونون پر قائم ہین یہ مسجد تمام و کمال سنگ سیاہ کی بنی ہوئی ہے، طول وعرض ۳۶ × ۴۲ فیٹ اور چھت کی بلندی ۱۹ فٹ ہے، چونکہ چھت پر سنگ سیلو کی سلین دی گئی ہین اسی لیے اسکو مسجد سنگ سیلو بھی کہتے ہین اس مسجد پر ایک کتبہ سنگ سیاہ کا (۴ فٹ × ½۱ فٹ) نصب تھا، یہان سے دو سو قدم کے فاصلہ پر منڈھان شاہ کے تکیہ مین چار ٹکڑے ہو کر پڑا ہوا ہے، اس کتبہ مین مسجد کا سنہ تعمیر ۷۵۴ھ/۱۳۵۳ء کندہ ہے اور عبارت ذیل ہے

"این مسجد مبارک اللہ تعالیٰ وتبارک بعہد بانی مبانی خیرات وقبلۂ اقبال سعادت خدایگان سلاطین

علاء الدنیا والدین ابوالمظفر بہمن شاہ عمر اللہ دولتہ بناہ امید وار حضرت کبریا سیف الدولہ شہ ذکریا

درشہور سنہ اربع وخمسین وسبعمائۃ عمارت کرد ابد الآباد آباد و باد بحق عامر بیت معمور کعبہ شہور"

جو خط نسخ سنگ سیاہ پر جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے واضح ہوتا ہے کہ سلطان علاء الدین حسن بقول فرشتہ گنگوی بہمنی ہونے کے بجائے بہمن شاہ سے ملقب تھا، اسکے عہد سلطنت مین سیف الدولہ (ملک سیف الدین) نے یہ مسجد بنوائی تھی، یہ مسجد عہد بہمنیہ کی سب سے پہلی مسجد ہے جو کتبہ کی سند کے ساتھ محفوظ ہے، اس لیے کہ اس سے قدیم ترکوئی

مسجد اہانت سے محفوظ ہو سکی اگرچہ مسجد بہت خراب حالت میں ہے مگر حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں تو کچھ روز اور باقی رہ سکتی ہے،

جامع مسجد شاہ بازار، یہ مسجد محلہ شاہ بازار مین واقع ہے صحن مسجد کا طول شمالاً جنوباً (۱۵۰) فٹ اور عرض شرقاً غرباً (۶۰) فٹ ہے، پندرہ محرابین نہایت ہی خوبصورت اور مضبوط ہین جنکے پیچھے بھی کمانون کا ویسا ہی سلسلہ ہے جو منبر تک پہونچ گیا ہے اسطرح چھ درجے اور نو کمانین ہین ہر کمان پر بیچ سے لفظ اللہ لکھا ہوا ہے محراب مین اللہ اکبر کندہ ہے، احاطہ کی دیوار بہت بلند سنگین ہے صحن دور تک پھیلا ہوا ہے، جانب شرق ایک دروازہ ہے جس کا پھاٹک بہت بڑا ہے، اوپر ایک برج بھی بنا ہوا ہے جنوبی دروازہ بھی اسی قسم کا ہے مگر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے، اسی کے قریب ایک باؤلی بھی ہے، مسجد کے سامنے ہی چبوترے پر اگلے موذنون اور پیش امامون کی قبرین ہین، اسکو سلطان حسن بہمنی گنگوہی نے بنوایا تھا جسے اب پانچسو برس کا زمانہ ہوتا ہے، اسی مسجد مین سلطان داؤد بہمنی کو روح پرور آغاز ہمشیرہ مجاہد شاہ نے بحالت سجدہ غرہ محرم ۷۸۰ھ کو شہید کروایا،

مسجد بیجاپوری، روضۂ منورہ بزرگ اور رومن پورہ کے وسط مین لب سڑک یہ مسجد واقع ہے احاطۂ مسجد مین ایک مقبرہ ہے جسمین بہت سی پختہ قبرین بنی ہوئی ہین، درمیانی محراب کے دونون طرف دو کتبے بخط ثلث نصب ہین کتبہ (۱)

بنائے مسجد و مقبرہ براہ عند اللہ محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن دار الظفر

بیجاپور در شہر ذی حجہ ۱۲۰۰ھ مقدس حسن انصرام یافت عاقبت بخیر باد،

دوسرا کتبہ پورا عربی ہے جسمین درود شریف اور ائمہ مطہرین کے اسماء گرامی ہین مگر اس پر ۹۵۸ھ کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعمیر مسجد سے (۲۲۲) سال قبل کا ہے غالباً یہ کسی اور جگہ کا کتبہ ہے جو کہین پڑا ہوا مل گیا اور تعمیر کنندہ نے تبرکاً نصب کر دیا،

قبرون کے چبوترے پر ایک پرانی قبر کے سرہانے ذیل کا کتبہ رکھا ہوا ہے، کتبہ

مولوی محمد عبد اللہ صدارت خان ابن قاضی الملک مدراسی اد کہ معظلہ درین جا رسیدہ

بتاریخ ۲۴- ربیع الاول ۱۲۸۵ھ برحمت حق پیوستند

اسی مسجد مین منجملہ اور قبرون کے ایک قبر حضرت قابل شاہ صاحب مجذوب کی بھی ہے جو چند

سال قبل موجود تھے،

مسجد مومن پورہ، یہ بھی قدیم مسجد ہے اسکے دروازے پر بخط ثلث ایک کتبہ نصب ہے مگر اتنا

خراب ہو گیا ہے کہ پڑھا نہین جاتا، یہ مسجد بھی عہد بہمنیہ کی ہے، اور بہت ہی خوش وضع اور وسیع ہے نیچے

ملکیاں تہ بھی ہین،

گلبرگہ اور اُس کے نواح مین سینکڑون قدیم مساجد ویران پڑی ہوئی ہین جن مین سے بعض

تو بالکل خراب ہو گئی ہین اور بعض اب بھی کار آمد ہین، ان کی تفصیل ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے،

عیدگاہ حسن آباد کی ویران بستی مین جانب شمال یہ عیدگاہ ہے جو بالکل خراب وخستہ

حالت مین ہے، طرز عمارت سے پایا جاتا ہے کہ عمدہ عمارت ہوگی اُسکے اطراف مین حسن آباد کے مکانات

وغیرہ کے کھنڈر ہین،

لشکر کی عیدگاہ کنٹونمنٹ کے عقب مین ایک پختہ اور وسیع عیدگاہ آبادی سے ۱/۲ میل کے

فاصلہ پر ویران پڑی ہے، یہ بھی قدیم ہے اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ عہد بہمنیہ کی ہو گی جس زمانہ مین گلبرگہ مین

لفٹیننٹ فوج تھی تو نماز عید یہین پڑھی جاتی تھی اسی لیے لوگون نے عیدگاہ لشکر مشہور کر دیا،

ہاشم باؤلی یہ باؤلی مچگوری محلہ مین ہے اسے "خواجہ باؤلی" بھی کہتے ہین مگر دراصل خواجہ باؤلی

یہ نہین ہے، اسکی سیڑھیون پر ایک کتبہ نصب ہے اسکی تعمیر ۱۲۱۴ھ مین ہوئی ہے، سید ہاشم بیجاپوری نے

بنوائی، کتبہ

جشمۂ ہاشم باؤلی از فضلِ رحمان　　بنا کرد محمد امان اللہ خان

سنینش تامل چون کردم بدل　　بگفتا بلفظ غایہ است عیان

اسی محلہ مین ہاشم باؤلی سے کسی قدر فاصلہ پر خواجہ باؤلی ہے جسکی سیڑھیون پر ذیل کا کتبہ ہے اس کی تعمیر سنہ [illegible]ھ مین ہوئی ہے،

بنائے چاہ مسمیٰ خواجہ باؤلی از محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن صوبۂ [illegible]

بیجاپور در شہر ذیحجہ سنہ [illegible] مقدس انصرام یافت عاقبت بخیر باد،

میر محمد شفیع کی باؤلی، یہ باؤلی فرمان والا جاہ کے پیچھے مین بنوائی گئی تھی مگر اب بہت خستہ حالت مین ہے گل براری کے وقت اندر سے ذیل کا کتبہ برآمد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۹۴ھ مین میر محمد شفیع نے بنوایا تھا کتبہ،

در عصر بادشاہ عالمگیر غازی بندہ میر محمد شفیع ولد خواجہ میر تاریخ بست و ہفتم شہر شعبان سنہ سی و ہشت مطابق سنہ ایک ہزار یکصد و پنج فی سبیل اللہ تیار شود،

کیسۃ الحیات

از جناب سید شبیر الحسین صاحب سہسوانی بی۔ ایس۔ سی متعلم یونیورسٹی، علی گڈھ،

سائنس جدید نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر جاندار شے بہت سی جاندار چیزوں سے مرکب ہے، اور ان میں جو زندہ جسم کا سب سے چھوٹا حصہ ہے اور بجائے خود جاندار ہے، اسکو انگریزی میں سیل اور عربی میں کیسۃ الحیات یا خلیہ کہتے ہیں، یہ چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں اور یہی انکی وجہ تسمیہ ہے انگریزی میں سیل کے معنی ایک کوٹھری کے ہیں اور چونکہ یہ خانے اس سے مشابہ ہوتے ہیں، لہذا ان کے لیے یہ اصطلاح وضع کیگئی،

یہ خانے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ آنکھ سے بلا کسی آلہ کے نظر نہیں آ سکتے، اور ان کے دیکھنے کے واسطے ایسی طاقت کی خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں جنکا کام ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ان کی اقسام کا تذکرہ یہاں بیکار ہوگا، قدرت نے ہر جاندار کے جسم میں تقسیم کار کر دیئے ہیں اور ہر عضو کا کام جدا جدا ہے، اور اسی صورت سے ضروریات کے مطابق ہر عضو مختلف کیسوں سے بنا ہے اور ہر عضو میں وہی کیسے وجود میں آئے ہیں جو اس کے کام میں سب سے زیادہ مدد کرنے کے قابل ہیں ہر کیسہ بجائے خود ایک جاندار شے ہوتا ہے، اور بلا امداد غیرے اپنا کام کرتا ہے، ہر خانہ ایک خاص مادہ کا بنا ہوتا ہے اور ایک تھیلی کی طرح ہوتا ہے، جسکی دیواریں سوراخ دار ہوتی ہیں اور جنمیں سے پانی اور اس میں محلول اشیاء ہوکر گذر سکتی ہیں اس تھیلی کے اندر ایک مادہ ہوتا ہے جسکو "مادۃ الحیات" کہتے ہیں، اور یہی جاندار مادہ ہے، ابھی تک صحیح طور پر معلوم نہیں کہ یہ کس چیز کا بنا ہوا ہے مگر یہ بات تحقیق ہے کہ اس میں جان ہوتی ہے اور غذا کی اچھائی اور برائی کی تمیز اسی میں ہوتی ہے، اس میں ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ پانی کے اندر کی وہ محلول اشیاء جو اس کی زندگی کے لیے مضر ہوتی ہیں اندر نہیں آنے پاتیں اور اس میں زبان کی طرح حس ہوتا ہے گویا

جس طرح زبان بدذائقہ اور خراب اشیا کو محسوس کرکے انسان کو ان کے کھانے سے باز رکھتی ہے اسی صورت سے یہ مادہ بھی تمام ان محلول اشیاء کو کیسہ کے اندر آنے سے روک دیتا ہے جو اس کی زندگی کے لیے مضر رساں ہوتی ہیں اس صورت سے جو غذا جسم کو وہی اغذا ملتی ہے جو اس کے لیے مفید ہو، یہ مادہ ٹھوس نہیں ہوتا بلکہ اس میں نمائو ہوتا ہے تاکہ غذا کے لیے جگہ رہتی رہے اور چونکہ کیسے کی دیوارون میں سوراخ ہوتے ہیں اس لئے غذا ایک کیسے سے دوسرے کیسے تک بخوبی جا سکتی ہے اور اس صورت سے جسم کے ہر حصہ میں غذا آسانی پہنچ جاتی ہے، اس میں ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ گھٹتا بڑھتا ہے کبھی حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم، اس صورت سے یہ ایک پمپ کا کام کرتا ہے، بڑھنے سے غذا جو عرق کی صورت میں ہوتی ہے کیسے کے اندر آجاتی ہے اور گھٹنے سے دوسری طرف ہو کر نکل جاتی ہے اس صورت سے ایک مسلسل لہر قائم رہتی ہے اور جسم کو غذا برابر پہنچتی رہتی ہے، کیسے کی حرکت کی وجہ ابھی تک سائنس کا ایک معمہ ہے جو پورے طور پر حل نہیں ہوا،

تمام نباتات اور حیوانات انہیں کیسون کا مجموعہ ہیں جو مختلف صورتوں میں انسان کے پیش آتے ہیں اور بعض حیوان ایسے بھی ہیں جنکا تمام جسم صرف ایک ہی کیسہ سے بنا ہے اور جو تنہا کل کام کرتا ہے گویا ایک کیسہ میں تمام وہ باتیں موجود ہیں جو بلاشمول زندگی کے لیے منحصر ہیں اور چنانچہ یہ جانور جسکو امیبیا (OMABA) کہتے ہیں ایک ہی کیسے سے دنیا میں زندگی کی جد و جہد کرتا ہے

حال میں ایک ڈاکٹر نے جس کا نام میک ڈوگل ہے اور جو واشنگٹن کی نباتاتی تحقیقات کے انسٹیٹیوشن کا ڈائرکٹر ہے جان کے مسئلہ کو ایک کیسہ بنا کر حل کرنے کی کوشش کی ہے اسکو کیمیاوی طور پر ایک کیسہ بنانے میں کامیابی ہوگئی ہے جو قریب قریب اسی مادہ کا ہے جسکا قدرتی کیسہ ہوتا ہے اس نے اسکی بنیاد انڈے کی بناوٹ قرار دی ہے، اور اسی صورت سے جس مادہ کی تھیلی میں اصلی کیسہ ہوتا ہے اوسی مادہ کی ایک تھیلی اس نے بنائی ہے، اس میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ وہ شکر کے شربت میں سے جو

ور کیمیاوی اشیاء بھی ملی ہون، سوڈیم (SODIUM) اور پوٹاشیم POTOSSIUM

(دو دھاتین) کو نکال لیتی ہے اور یہ دھاتین اسکی رسوار کے لیے کافی ہوتی ہین مگر قدرت نے چونکہ انسان

کی عقل کو محدود کر دیا ہے لہذا وہ اسکو مکمل نہ کر سکا اور اسمین یہ کمی ہے کہ وہ صرف پانچ حصہ سوڈیم اور

پوٹاشیم لیتی ہے اور اصلی کیسہ مین سات حصہ دھاتین آجاتی ہین،

اس سے بھی زیادہ کمی یہ ہے کہ جس وقت دونون طرف کی (یعنی اندر اور باہر) دھات کی مقدار

برابر پہنچ جاتی ہے تب اس کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے اور اس وقت اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے

کہ انسان مداخلت کرکے ایک طرف کی یا زیادتی کر دے اور اس عرق کو تبدیل کرکے نیا بھر دے،

اس کے برخلاف قدرتی کیسہ اس کام کو خود بخود کرتا ہے اور کسی کے ہاتھ لگانے کی ضرورت پیش نہیں آتی،

اس صورت سے قدرت کی کاریگری اور انسان کی کاریگری مین فرق محسوس ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے

کہ قدرت نے انسان کو محدود علم عطا کیا ہے جسکے ذریعہ وہ تھوڑی بہت قدرت کی صناعیون کی کبھی کبھی

نقل کر جاتا ہے مگر اصلی راز سے واقف نہیں ہو پاتا اور اس صورت سے اسکی ایجادات اکثر نامکمل رہجاتی

ہیں قدرت نے زندگی و موت کے راز کو اپنی ہی حد تک محدود رکھا ہے جہان پہنچکر سائنس دان

قائل ہو جاتے ہین اور اپنی کوششون مین کامیابی کو قدرت کی امداد پر منحصر سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہین

مخزن لاہور

اردو کا پرانا ادبی رسالہ مخزن لاہور، جناب مولوی ابوالاثر حفیظ جالندھری صاحب کے

زیر ادارت دوبارہ شائع ہونے والا ہے۔

پتہ:- بھاٹی دروازہ لاہور،

ایک تحفہ اور اُس کی قابل دید چیزین

از "گ"

اس سال حیدرآباد کی ایک علمی انجمن نے اپنی سرپرستی مین ایک خانگی نمائش کا افتتاح کیا تھا جس مین شرکائے انجمن اور ان کے متوسلین کے مقبوضات اور مصنوعات اکٹھے کئے گئے تھے، اس مضمون مین صرف کتب سکہ جات، قلمی تصاویر اور قلمی نوشتون کا تذکرہ کیا جائے گا، اور یہی چیزین نمائش کی جان بھی تھین،

کتب قلمی کتابون کا ایسا بیش بہا ذخیرہ تھا کہ دیکھنے والے ہر ہر کتاب کو بیش از بیش حیرت اور تعجب سے دیکھتے تھے، خود مین بھی اس سے مستثنیٰ نہین ہون،

اس سے نادر کتاب گلستان بخط سعدی علیہ الرحمہ ہے، یہ کتاب ربع فلسکیپ سائز سے کچھ ہی بڑے کاغذ پر ہے، حاشیہ کیڑون کے حملون سے چھلنی ہوگیا ہے تاہم عبارت اب تک محفوظ ہے، کتاب کے شروع اور آخر مین شکستہ اور پیچیدہ خط کے بہت سے صفحے ہین اور متن کتاب کے اختتام پر سرخی سے یہ شعر لکھا ہوا ہے،

کتاب گلستان تمام شد شتاب نوشتہ از دست خود

اس سے ذرا اوپر ⟨⟩ سرخی ہی سے لکھا ہوا ہے اور "وقت عصر" کا لفظ بھی پڑھا جاتا ہے، ریمائی پرچے پر لکھا ہوا تھا کہ "یہ کتاب حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نوشتہ ہے اور بزرگون سے وراثتہً ہم تک پہنچی ہے"۔ اس سے زیادہ تفصیل ذہن مین نہین رہی البتہ یہ عرض کرسکتا ہون کہ کتاب کچھ زیادہ خوشخط نہین ہے، جسکی وجہ "شتاب نوشتہ از دست خود" سے معلوم ہوسکتی ہے نیز ان الفاظ سے اصل مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے،

۲- ایک دوسری نایاب کتاب لغت قاموس کا قلمی نسخہ ہے، پرچے پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کتاب مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، نواب صاحب ارکاٹ نے جدامجد حضرت شرف الملک مرحوم کو ایک لاکھ روپیہ انعام دینا چاہا تھا مگر انھون نے اس کی جائے یہ کتاب لینی پسند کی کتاب پر غالبًا نہر اعظم کی مہر تھی،

۳- تیسری نایاب کتاب "گلستان مصورّ" ہے، یہ ایک خوش ترین خط مین لکھی ہوئی گلستان سعدی ہے جس کا ہر صفحہ نقش ونگار سے آراستہ ہے، تین چار متعلقہ تصاویر ILLUSTRATION بھی ہین جنہین گھوڑدوڑ وغیرہ کا منظر ہے، ڈرائنگ اپنی بے نظیر رنگ آرائی ایسی پاکیزہ اور قدامت کے باوجود ایسی صاف ولاجواب کہ ابھی کل کی معلوم ہو، یہ کتاب بھی کئی سو برس پہلے کی ہے اور حسب عادت قدیم کاتب کا نام مٹا ہوا ہے؛

۴- کتاب الانساب للسمعانی نصف ثانی، اس کے شروع مین ایک صفحے پر لکھا ہوا ہے "من خزانۃ المولا امیرالمومنین المتوکل علی اللہ رب العالمین"......؛

۵- تاریخ الاسلام للذہبی (تین جلدین) ان جلدون مین غیر مکمل کتابین ہین، یعنی ہر کتاب کے ابتدائی درمیانی اور آخری کئی کئی صفحات غائب ہین تاہم اچھی حالت مین محفوظ رہی ہین، اسکی تصحیح یوسف بن سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی عہد عباسیہ کی یادگار ہے؛

۶- ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہاتھ کی پوری لکھی ہوئی شمائل ترمذی، علامہ ابن حجرؒ کے ہاتھ کی تسدید القوس کتابین قابل تذکرہ ہین، باقی اتنی اہمیت نہین رکھتین - یہ سب قلمی ہین

سکے کئی سو سکے مختلف مجموعون مین تھے، ان مین سے بعض بہت نایاب اور دلچسپ ہین ان کا چربہ شامل ہذا ہے جس کے لیے منتظمین نمائش کا ممنون ہون!-

(۱) یہ سکہ ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنی امیہ کا ہے خط کوفی کا ٹھپہ ہے اور طلائی ہے،

(دورمین) محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عہد ہنود کے بھی بہت سے سکے تھے، جنکی تفصیل مشکل ہے،

قلمی تصاویر | قلمی تصویرون کے بہت سے بے نظیر مجموعے تھے، بحیثیت مجموعی سب کے رنگ و روغن اچھی حالت مین تھے، تاہم اثنا، کہنگی بہت ہو چلی تھی،

ایک مخملی مطلا جلد مین جو بے حد نفیس مجموعہ ہے، اور جس پر نمائش کی جانب سے انعام بھی ملا ہے،

حسب ذیل تصاویر ہین جو بہت اچھی حالت مین ہین:-

تیمور، اکبر مع ملکہ، ہمایون مع شیخ سلیم چشتیؒ، شاہ عباس جنگل مین شکار کے بعد آرام کر رہا ہے، شاہ جہان بحالت سواری شیخ بہلولؒ، دارا شکوہ، محمد شاہ تخت شاہی پر، نادر شاہ مع زنانہ محافظ، اعظم شاہ غازی، عالمگیر اعظم مع ایک مصاحب، بہادر شاہ، مرزا کام بخش مع ملکہ، شرف الدین خان کوکہ جہانگیر مع ایک ہمراہی، آصف خان، زن و مرد (انتہی من تفصیلہ)، دوبات خان کلاونت، تان سین گویا، زنانہ پھکڑی (ڈانس)، ابراہیم

ان کے علاوہ ایک لیلیٰ مجنون کی خیالی تصویر، عالمگیرؒ، نور النساء بیگم، زیب النساء بیگم، زن و مرد از قوم راجپوت، حضرت علیؓ اور امام حسنؓ و امام حسینؓ اور فرشتون کی خیالی تصویر وغیرہ غرض کوئی بیس بے نظیر تصویرین تھین جنکے منظر اسنے سے قلم عاجز ہے،

ان کے علاوہ کوئی دس پندرہ نہایت قدیم قلمی قطعے اور کئی سو نہین بلکہ دو ہزار کے قریب کم اہم قلمی قطعے موجود تھے جنکی تفصیل غیر ضروری ہے،

قلمی نوشتے | بہت بڑی تعداد ایسے قلمی نوشتون یا ان کی صحیح نقول کی تھی جنسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے جنوبی ہند مین تسلط کی نسبت بہترین تاریخی مواد مل سکتا ہے اور جنسے واضح ہوتا ہے کہ گورنر جنرل، گورنران مدارس اور نور الدین خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ اور مابعد کے رؤسائے کرناٹک کے باہمی تعلقات اور باہمی مراسلت کا کیا طریقہ تھا؛ کس طرح بتدریج تعلقات محکومیت حکومت مین اور حکومت محکومیت مین متبدل و متغیر ہو گئے، فیہا عبرۃ لمن اعتبر!

ان چیزون کے علاوہ نباتیات، جمادیات، وغیرہ کے بھی بہترین نمونے موجود تھے، جنکی تفصیل بے محل ہے،

تلخیص و تبصرہ

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے مقبرہ کا انکشاف

مصر کے ایک رسالہ مین ایک عیسائی اہل قلم نے ایک کتبہ کا مضمون شائع کیا ہے جو اسکو غور مین ایک مقبرہ پر منقوش ملا تھا، اس کتبہ کے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

"یہ قبہ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضہ کی قبر پر بیبرس شاہ مصر کے حکم سے تعمیر کیا گیا، اور اس پر حمص کے حصص مین سے کچھ حصہ وقف کیا گیا، اور اسکی تعمیر ذی الحجہ ۶۶۸ھ مین ناصرالدین محمد کلی ظاہری سعدی نائب مملکۂ محروسۂ عجلون کی نگرانی مین اتمام کو پہنچی"

اس کتبہ سے حضرت ابوعبیدہؓ کی قبر غور مین ثابت ہوتی ہے، حالانکہ مورخین کا عام بیان ہے کہ انکی وفات عمواس کے طاعون مین ہوئی تھی، علاوہ ازین اس کتبہ مین تاریخی نقطۂ نظر سے بعض خامیان ہین، اس لئے حیفا کے ایک اہل قلم عبداللہ مخلص نے رسالہ الزہراء مصر مین پہلے اس کتبہ کی تاریخی کمزوریون کو سنبھالنے کی کوشش کی ہے، پھر مقبرہ کو مستند ظاہر کرنے کی سعی کی ہے،

کتبہ مین تاریخی اعتبار سے جو سقم ہے وہ یہ کہ اوسکی تعمیر ۶۶۸ھ مین بیبرس شاہ مصر کے حکم سے اتمام کو پہنچی ہے حالانکہ بیبرس کا سنہ جلوس ۶۵۸ھ ہے، مقالہ نگار کا خیال ہے کہ کتبہ مین کتابت کی غلطی ہوئی ہے اور بجائے ۶۵۸ھ کے ۶۶۸ھ کندہ ہو گیا، کیونکہ اعداد مین ایسی غلطی اکثر ہو جایا کرتی ہے،

اور کتبہ کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس مین "عجلون" کو ایک صوبہ ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ بیبرس کے

زمانہ مین اسکو صوبہ کی حیثیت حاصل نہین تھی، کیونکہ آٹھوین صدی مین شام کے کل چھ صوبے یعنی صوبۂ شامیہ، کرکیہ، حلبیہ، طرابلسیہ، حمویہ اور صفدیہ تھے، پھر نوین صدی مین ایک اور صوبہ کا اضافہ ہوا، جسکو غزّاویہ سے نامزد کیا گیا، اسلیے بجائے ایک مستقل صوبہ کے یہ انہین صوبون مین سے کسی ایک کے ماتحت تھا،

پھر خود جنگلی کا وجود معرض بحث مین ہے کہ بیبرس کے زمانہ سے جسقدر مشہور امراء و حکام گذرے ہین، ان کے تفصیلی سوانح حیات طبقات کی کتابون مین موجود ہین لیکن جنگلی کا تذکرہ ان مین سے کسی کتاب مین موجود نہین، اسلیے یہ قیاس غالبًا زیادہ صحیح ہے کہ "عجلون" کسی صوبہ کا کوئی ماتحت ضلع ہوگا اور ۷۶۵ھ مین جنگلی کے زیر انتظام تھا،

پھر مقالہ نگار نے کتبہ کے بعض الفاظ پر اس قسم کے دو اور اعتراض کئے ہین، اور پھر اپنے قیاس کے مطابق انکی تصحیح کی ہے،

بعدازین حضرت ابوعبیدہ رض کی وفات اور ان کے مدفن پر تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، ان کی وفات کے متعلق تو عام طریقہ سے معلوم ہے کہ ۱۸ھ مین جب عمواس مین طاعون کی وبا پھیلی تھی تو انھون نے اوسی طاعون مین وفات پائی تھی، اور جہان وفات پائی وہین انکی وصیت کے مطابق انکی تجہیز و تکفین ہوئی تھی، البتہ جائے وفات یا ان کے مدفن کے متعلق مختلف روایتین ہین جنمین سے مشہور تر روایت یہ ہے کہ اردن کی سرزمین مین مقام فحل مین انھون نے وفات پائی، اور وہین مدفون ہوئے، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر مقام بیسان مین بنی تھی، اس کے علاوہ ایک یہ بھی روایت کیجاتی ہے کہ کوہ عجلون کے دامن مین قریہ عمتا مین مدفون ہوئے جو فارس اور عادلیہ کے درمیان واقع تھا،

اس کے بعد مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مدفن کے متعلق مورخین کے اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اس دریافت شدہ کتبہ کو مستند سمجھنے مین تامل کرنے کی کوئی گنجائش نہین ہے، کیونکہ اگرچہ طاعون قریہ عمواس کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین کہ یہ وبا صرف اسی گاؤن تک محدود رہی، بلکہ جیسا کہ

دیاؤن کا طریقہ ہے وہ آہستہ آہستہ دوسری آبادیون مین بھی پھیلتی جاتی ہے، اور اس کا سلسلہ مدتون جاری رہتا ہے اسلیے حضرت ابو عبیدہؓ کا اس زمانہ مین فلسطین کے جنوب سے شمال مین، جانا یا کسی دوسری طرف نقل و حرکت کرنا مستبعد نہین، اسلیے یہ بخوبی ممکن ہے کہ حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار اسلام نقل و حرکت فرماتے ہوئے اردن کے اس مشرقی جانب شہر بیسان کے نواح مین تشریف لائے ہون اور یہین علیل ہوئے ہون، اور پھر وفات پاکر یہین مدفون ہوے ہون، کیونکہ حضرت ابو عبیدہؓ کی یہ ضریح جو زیر بحث ہے بیسان سے ۳۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، وہ بیسان کے مدفن ہونے کے متعلق ہمارے سامنے ایک تاریخی روایت بھی موجود ہے، اسلیے ہمین یقین کرنا چاہیئے کہ یہ ضریح واقعاً حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح سپہ سالار اسلام ہی کی ہے،

اس مقبرہ کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے، قبر پر ایک خوبصورت قبہ بنا ہوا ہے، اور اس کے ایک جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے پھر اسی کے متصل ایک دوسری عمارت ہے جو غالبًا مسافرخانہ ہوگی، اب اس وقت یہ تمام عمارتین نہایت خراب وخستہ اور بوسیدہ حالت مین پڑی ہوئی ہین،

ٹیگور مصر مین،

ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر رابندر ناتھ ٹیگور یورپ کی سیاحت سے واپس ہوتے ہوئے مصر گئے تھے، چونکہ ٹیگور سب سے پہلے مشرقی ہین جنکو نوبل کا سب سے پہلا انعام عطا ہوا، اسلیے وہ مشرقی ممالک اور خصوصًا مصر مین نہایت قدر و منزلت کی نگاہون سے دیکھے جاتے ہین، اور اسلیے ٹیگور کی جو پذیرائی مصر مین ہوئی شاید اسکی مثال کوئی دوسرا مشرقی ملک پیش نہین کر سکتا ہے،

وہ اواخر نومبر ۱۹۲۶ء مین وہان پہنچے تھے اور اس وقت سے آج تک وہان کے تمام ممتاز اخبار و رسائل مین ان کی تصویر کے ساتھ ان کے سوانح حیات، علمی و ادبی خدمات اور ان کے معتقدات وغیرہ کے متعلق مبسوط مضامین شائع ہو رہے ہین،

ابھی وہ بندر سعید پر تھے کہ مصر کے ممتاز اہل علم کی ایک جماعت ان کے استقبال کے لیے جہاز پر پہنچی، اور ایک چائے کی دعوت مین ان سے مختلف علمی مباحث خصوصاً شعر و شاعری پر تفصیلی گفتگو کی، اسی سلسلہ مین اُن سے عربی زبان اور عربی علم ادب کی تاریخ پر بھی تفصیلی طور پر تبادلۂ خیال چاہا، لیکن چونکہ ٹیگور کو اب تک صرف مغربی زبانون اور یا پھر ہندوستان کی مختلف زبانون سے واسطہ رہا، اسلیے اُن کی دلچسپی بھی انھین زبانون تک محدود رہی، جسکی وجہ سے وہ عربی علم ادب کی طرف کوئی اعتنا نہ کرسکے، مگر اس موضوع کو چھیڑنے کا معتد بہ اثر یہ نمایان ہوا کہ مشرق کا یہ بلند پایہ شاعر مشرق کی سب سے بلند پایہ اور وسیع ترین زبان کی طرف متوجہ ہوگیا، اور اس نے نوجوانانِ مصر سے عربی کی تحصیل کا وعدہ کیا،

وہ ۷ ر نومبر کو اسکندریہ پہنچے، اور اہل علم کے ایک ممتاز مجمع مین "روح امن" پر ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا، ۹ ر کو اسکندریہ سے قاہرہ آئے، قاہرہ مین مصر کے سب سے بڑے شاعر ملک الشعراء احمد شوقی بک نے ان کو چائے پر مدعو کیا جس مین ممتاز اہل قلم کے علاوہ اعیانِ حکومت اور ارکانِ دولت بھی شریک تھے جنمین سے سعد زغلول پاشا صدر پارلیمنٹ، اور عدلی پاشا وزیر اعظم خاص طور پر قابل ذکر ہین،

پھر اسی دن شام کے وقت حدیقۂ ازبکیہ (باغ) مین ایک عام مجمع کو خطاب کیا، جسمین ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے،

اس کے بعد مصر کے وزیر تعلیمات کی سرگردگی مین ٹیگور کی پذیرائی کے لیے ایک خاص مجلس منعقد ہوئی جس نے ان کو شیپرڈ ہوٹل مین مدعو کیا، اور چائے کی دعوت کے بعد صدر مجلس وزیر تعلیمات نے اپنی ایک مبسوط تقریر مین ٹیگور کی مدح سرائی کرتے ہوئے مصر مین ان کے ورود کا خیر مقدم کیا، ٹیگور نے اس کے جواب مین ایک نہایت بلیغ اور مبسوط تقریر کی،

اس تمام اعزاز و اکرام کے علاوہ وہان کے مشہور شعراء نے جنمین ابو شادی خاص طور پر قابل ذکر ہین، انکی شان مین قصائد لکھکر پیش کیے، جنمین ان کے علمی ادبی، تعلیمی اور انسانی فلاح و بہبود کے

متعلق ان کے جملہ خدمات کا تذکرہ کیا گیا، اسی کیساتھ ان کے مخصوص فلسفہ اور عام تصانیف پر بھی تبصرہ کیا گیا؛
نیز ان کے احباب و رفقا، اور اعزہ کے متعلق بھی جنمین نند لال بوس (NANDALAL BOSSE)
خاص طور پر قابل ذکر ہین، نہایت مدحیہ کلمات استعمال کئے گئے،

ٹیگور اب مصر سے گو واپس چلے آئے ہین لیکن وہان کے اہل علم کے قلوب بھی اپنے ساتھ لیتے گئے
ہین، چنانچہ وہان ایک ایسی جماعت تیار ہے جو ہندوستان آکر ٹیگور کے فلسفی و اخلاقی کالج شانتی نکیتان
مین داخل ہوکر استفادہ کرنا چاہتی ہے، ان کی واپسی کے باوجود مصر مین اب تک ان کا غلغلہ بلند ہے اور ان کے
سوانح، ان کی کتابون پر تبصرے، اور شانتی نکیتان وغیرہ کے تفصیلی حالات اب تک شایع
ہو رہے ہین،

تاریخ اسلام

ایک اطالین مستشرق کانٹ کاٹیانی نے ۳۰ سال تک اسلامی تاریخ کا مواد جمع کرنے کے بعد
۲۰ ضخیم جلدون مین اسلام کی ایک تاریخ مرتب کی ہے، جس کا سبب تالیف انھین کے الفاظ مین حسب ذیل ہے

> عیسائیت کے بعد دنیا مین اسلام سب سے زیادہ طاقتور مذہب ہے، اور مسلمان اپنی قوت ایمان سے
> عیسائیت کے سیلاب کو روک رہے ہین جسکی وجہ سے ان دونون مذاہب مین ایک غیر منقطع
> جنگ جاری ہے، اور اس جنگ نے ایک مورخ کے سامنے بحث و تنقید کا کافی مواد جمع کردیا ہے؛
> لیکن کلیسا کا یہ افسوسناک خیال ہے کہ چونکہ بہت سے عیسائیون نے اسلام قبول کرلیا، اسلیے
> اسلام کا ظہور عیسائیت کے زوال کا سبب بنگیا، کیونکہ اس کے بجائے اسلام نے بلاقصد عیسائیت
> کو بہت سے فوائد پہنچائے ہین، اگر اسلام کا ظہور نہ ہوا ہوتا اور ارتھوڈکس عیسائیت آج
> تک قائم رہکر عربی و عجمی تمدن کی ترقی مین رکاوٹ پیدا کرتی رہتی تو قرون وسطی مین مغربی
> ایشیا اور یورپ کا کیا حال ہوتا؟ کیا پروٹسٹنٹ مذہب جس نے اس کے بعد ترقی کی دفعۃً

پستی میں نہ گر پڑا، لیکن بایں ہمہ اس دائمی جنگ نے اسلام کے ان احسانات کو نمایاں ہونے نہیں دیا، اسیلیے انیسوین صدی کے وسط تک عیسائی اور مسلمان دونون سخت تعصب مین مبتلا رہے، لیکن اس کے بعد آزادانہ علمی تحریک نے دونون سے تعصب کے اس زنگ کو دور کر دیا اور خالص علمی طور پر دونون مذاہب کے مطالعہ کا سامان مہیا ہوگیا،

اس کے علاوہ اسلامی تاریخ کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جو اس کے سوا اور کسی مذہب مین نہین پائی جاتی کیونکہ اس مذہب کے بانی کے متعلق جو مستند ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ دوسرے مذاہب مین مفقود ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ اور ان کے حالات جو انجیل مین مذکور ہین، غیر تشفی بخش ہین، لیکن حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم اور حقیقی حصہ ہمارے سامنے ہے، جس سے مورخین کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسانیت کی تاریخ مین محمدؐ کی شخصیت نہایت نمایان ہے، اور عیسائیت کے بعد انھون نے اخلاق وسیاست مین عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے"

کانٹ موصوف نے مورخین عرب کے طریقہ پر اس کتاب کو سن وار مرتب کیا ہے، لیکن انھون نے خود بہت کم لکھا ہے بلکہ اسلامی تاریخ کے جو مواد عربی، فارسی اور ترکی کتابون مین متفرق طور پر موجود تھے اور مستشرقین نے اسلامی تاریخ کے متعلق جو بحثین کی تھین، ان سب کو نہایت دیانت کے ساتھ تاریخی ترتیب کیساتھ بلفظہا نقل کر دیا ہے، البتہ اسلامی تاریخ کے قدیم مواد پر جابجا حواشی لکھدیئے ہین، اور غیر ضروری انشا پردازانہ الفاظ کو حذف کر دیا ہے اور جن واقعات سے تمدنی، سیاسی، اور مذہبی مباحث پیدا ہوتے تھے ان پر ایک تمہید لکھدی ہے، اور ہر سال کے خاتمہ پر ان فقہاء، علماء، اور ادبا کی ایک فہرست دی ہے جنھون نے اس سال وفات پائی ہے، ان کے نمایان کارنامون کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ان کے حالات کے ماخذ بتا دیئے ہین، اور جابجا ضروری نقشے اور فہرستین بھی یورپ کے عام مستشرقین کے طرز پر منسلک کی ہین، اور مقدمہ مین وعدہ کیا ہے کہ کتاب کے آخر مین عام معلومات کے لیے ایک عام فہرست

بھی ہوگی جسمین تراجم، جغرافیہ، تاریخ اور زبان وغیرہ کے متعلق مفید معلومات ہونگے،

مؤلف نے اصل کتاب کے معدودے چند نسخے شائع کئے تھے جنکو اس نے اپنے احباب اور یورپ کے ممتاز مستشرقون کی خدمت مین ہدیۃً ارسال کیا، اسلیے اس کتاب سے عام لوگون کا استفادہ کرنا غیر ممکن ہوا، لیکن خوش قسمتی سے ترکون کے مایۂ ناز ادیب حسین جاہد بک، اڈیٹر اخبار طنین نے ترکی زبان مین اسکے ترجمہ کا بیڑا اٹھایا، اور اس وقت تک وہ اسکی آٹھ جلدین باریک حروف کے ۵۰۴۴ صفحون پر شائع کر چکے مین، اور خیال کیا جاتا ہے کہ مکمل کتاب دس پندرہ ہزار صفحون تک پہنچیگی، اور ہمارے لیے اس سے زیادہ باعث مسرت یہ امر ہے کہ مصر کے مشہور ادیب سید محب الدین خطیب مدیر رسالہ الزہراء نے اسکو اس ترکی ترجمہ سے عربی مین منتقل کرنے کا ارادہ کیا ہے، اور وہ اپنے اس کام مین مصر کے ممتاز اہل علم کو بھی شریک کرینگے

(المقتطف)

"م"

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر وہاج الدین صاحب اورنگ آبادی

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز، یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے مین اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلیے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے قیمت ۱۲؍

اخبار علمیہ

سمندر کی حرارت سے جہاز رانی، موسیو جارج کلائیڈ نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جو سمندر وں میں پانی کی حرارت کو اس حد تک جذب کر سکے کہ اسکے ذریعہ سے جہاز وغیرہ چلائے جا سکین، کہا جاتا ہے کہ یہ مشین بہت تھوڑے کوئلہ اور پٹرول وغیرہ سے بے پروا کر دیگی،

مصر کی عربی حکومت کا جغرافیہ۔ امیر عمر طوسون نے مصر کا ایک جغرافیہ فرانسیسی زبان مین مرتب کیا ہے جسمین مصر مین عربی عہد حکومت کو واضح کیا گیا ہے، مؤلف نے اپنی کتاب موتمر جغرافی مین پیش کی ہے، اور موتمر نے اسکو عربی زبان مین منتقل کرنے کا وعدہ کیا ہے،

ٹیلیفون پر بات کرنے والے کی تصویر، ناروے کے میکانکی مہندس مسٹر برٹسن ایک ایسے آلہ کے اختراع مین کامیاب ہوگئے ہین، جسکے ذریعہ سے ٹیلیفون پر بولنے والے کی تصویر بھی سننے والے تک آجاتی ہے، ناروے مین اس آلہ کی آزمائش کیگئی، چنانچہ اس کے ذریعہ سے سب سے پہلی تصویر شاہ ناروے کی لیگئی،

ایک عربی مغنیہ کا مجسمہ، مصر کے محکمۂ آثار قدیمہ نے ایک مغنیہ کا مجسمہ دریافت کیا ہے، جو اپنے ہاتھ مین ایک دف لیے ہوئے چار زانو بیٹھی ہوئی بجا رہی ہے، سر پر ایک مرصع تاج رکھا ہوا ہے، اور تاج کے نیچے سے گیسو کی تین لٹین نکلی ہین، جنمین سے ایک پشت پر پڑی ہوئی ہے جو اس کے نصف قامت تک دراز ہے، اور دو لٹین سامنے کی طرف آتی ہین، گلے مین ایک مالا ہے، اور کلائیون مین کنگن

پہنے ہوئے ہے یہ مجسمہ ۲۵ ملیمیٹر بلند اور ۳۲ ملیمیٹر عریض ہے،

اس مجسمہ کے متعلق مختلف خیال آرائیاں ہو رہی ہیں، بعضوں کا خیال ہے کہ یہ عہد فاطمی کی یادگار ہے، اور بعض لوگ اس مغنیہ کی آنکھوں سے قیاس کرتے ہیں کہ تاتاریوں کے حملہ کے بعد کا یہ مجسمہ ہے، کیونکہ اسکی آنکھیں مغلوں کی آنکھوں سے بہت مشابہ ہیں،

نپولین کے سر کے چند بال، ۱۹ فروری ۱۹۲۶ء کو لندن کے بازار میں ایک ڈبہ فروخت کے لیے آئی جس میں نپولین اعظم کے سر کے چند بال بحفاظت رکھے ہوئے تھے، ان بالوں کی اصلیت پر مسٹر جان ولس (۱۸۰۰ء-۱۸۵۸ء) کی شہادت ثبت تھی، جو انگلستان کا ایک مشہور سیاسی آدمی گذرا ہے،

جان ولس نے ان بالوں کو لارڈ لنڈنڈری سے حاصل کیا تھا، اور انھوں نے مسٹر مالارین سے پایا تھا، اب یہ فروخت ہو کر کسی دوسرے کے پاس چلے گئے ہیں،

دولت کی فراوانی کا ایک عجیب منظر، ایک دولتمند امریکن نے انگلستان میں بود و باش اختیار کر لی تھی، اس کی وفات کے بعد جب اس کا وصیت نامہ کھولا گیا، تو اس میں اس نے منجملہ دوسری رقموں کے ۵۰ ہزار ڈالر اپنے کتے کے حق میں بھی دیئے تھے، اور وصیت کے مطابق اس کتے کے مرنے کے بعد اس رقم کا ترکہ اسکے "اعزہ" میں تقسیم ہوگا،

افریقہ کا ایک قدیم جغرافیہ، ہیروڈٹس کی تاریخ میں ایک جگہ تذکرہ ہے کہ نخو ثانی، شاہ مصر نے اپنے عہد حکومت میں ایک فینیقی شخص حنو نامی کو افریقہ کے ہر چہار طرف جہاز کے ذریعہ طواف کرنے کے لیے روانہ کیا تھا، اس شخص نے واپسی کے بعد اپنا سفرنامہ بھی تیار کیا تھا، اب بعض لوگوں نے افریقہ کے ان مقامات

کا واضح طور پر پتہ چلایا ہے جنکا تذکرہ اس سیاح نے اپنے سفرنامہ مین کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس جدید تحقیق سے افریقہ کے قدیم جغرافیہ پر ایک خاص اثر پڑے گا،

جاپان مین ایک موتمر علمی، ٹوکیو مین ۳۰ اکتوبر سے ۱۱ نومبر تک ایک موتمر علمی ولیعہد جاپان کی سرپرستی اور وزیر اعظم جاپان کی صدارت مین منعقد ہوئی، اس بزم علمی مین جو علوم و فنون زیر بحث آئے انکو نوعی طور پر دو بڑی قسمون مین منقسم کیا گیا، ایک علوم طبیعیہ اور دوسری علوم حیویہ (بیالوجی) ان دونون قسمون کے تحت مین بہت سے مختلف علوم و فنون آئے، جنپر بحث و تمحیص ہوتی رہی، اس کے اجلاس مین جاپان کے اکثر قابل ذکر اہل علم نے شرکت کی تھی،

اٹلی مین خون کی بارش، ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اٹلی مین ظہر کے وقت خون کے مانند سرخی مائل بارش ہوئی، جس سے شہر کے تمام راستے اور درخت کے پتے لالہ زار بنگئے، اور جس وقت بارش ہورہی تھی مشرق کی طرف سے نہایت خنک ہوا بھی چل رہی تھی، پھر شام کو جب بارش موقوف ہوگئی تو سطح زمین سے تقریباً ۵۰۰۰ فٹ بلندی پر نہایت زور و شور سے برق و رعد کا حملہ ہوا جس سے شہر کے در و دیوار کانپ اٹھے، اور اس کا سلسلہ بھی دیر تک جاری رہا، اگر کسی مشرقی ملک مین یہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تو اس کو عذاب خداوندی سے تعبیر کیا جاتا، لیکن مادہ پرست یورپ اسکی توجیہ یہ کرتا ہے کہ ہوا نے صحرائے افریقہ کی سرخ ریت کو مانسون مین ملا دیا، اسلیے پانی کے قطرے سرخی مائل ہوگئے،

خطبات علمیہ، یورپ اور خصوصاً انگلستان مین خطبات علمیہ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، جو لوگون کی ذہنی اور علمی زندگی مین سودمند ہوتے ہین، چنانچہ انگلستان کے ایک علمی انسٹیٹیوشن کی نگرانی مین نومبر

دسمبر ۱۹۱۲ء مین مختلف موضوع پر خطبے دیئے گئے جنکی فہرست درج ذیل ہے، اکتشاف قطب جنوبی، زمانۂ قدیم مین علم طب، ہوا کی کہربائیت، اعصاب وعضلات، ہماری حرکت اور ہمارا احساس، قلب اور دیگر عضلات، پھیپھڑے اور خون، سرعت اور قوت ۔

رکفلر کا ایک اورگرانقدر عطیہ، کیمبرج یونیورسٹی کو ایسی عمارت کی ضرورت تھی، جسمین حیوانات کی نسل کی پرورش و پرداخت کیجائے، اس عمارت کے مصارف کا تخمینہ ۷۰ ہزار پونڈ لگایا گیا تھا، امریکہ کے مشہور فیاض دولتمند رکفلر نے اس مقصد کے لیے ۴۰ ہزار پونڈ اس شرط پر دینا منظور کیا کہ بقیہ مطلوبہ رقم خود انگلستان ادا کرے، یونیورسٹی نے بصد شکر یہ رقم قبول کی، اور اس کے ساتھ انگلستان کے دولتمند طبقہ نے بقیہ رقم پوری کرنے کا وعدہ کیا، چنانچہ اس سلسلہ مین پہلا چندہ ایک فیاض کی طرف سے ۱۰ ہزار پونڈ ادا ہو چکا ہے، اور امید ہے کہ بہت جلد ۲۰ ہزار پونڈ کی بقیہ رقم پوری ہو جائے گی،

ایک مربع میل کے تناسب سے بعض ملکون کی آبادی، امریکہ کے ایک جغرافی رسالہ مین بعض وسیع ملکون کی آبادی کا تناسب ایک مربع میل کے لحاظ سے نکال کر شائع کیا گیا ہے، ذیل میں اسکا نقشہ دیا جاتا ہے،

سوڈان	۱۱- آدمی	ولایات متحدہ امریکہ	۳۵- آدمی
ہندوستان	۱۷۷ "	چین	۲۴۶ "

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان ممالک مین سے پہاڑون کے تمام سلسلے اور دیگر ناقابل بود و ماند مقامات علٰحدہ کر لیے گئے ہین، اسلیے سوڈان کی آبادی کا تناسب تمہین سب سے کم نظر آتا ہے، کیونکہ اس کا لق و دق صحرا اس سے علٰحدہ ہے

ادبیات

جامِ صہبائی

از

جناب اثر صہبائی صاحب بی اے

(۱)

گو ہستیٔ آتشین ہے فانی میری
ہے بزم جہان مین ضو فشانی میری
جل جانا مگر جہان کو روشن کرنا
مانندِ شرر ہے زندگانی میری

(۲)

ہر لطف کے پردے مین ستم پایا ہے
ہر سازِ طرب مین سوزِ غم پایا ہے
میخانۂ دہر مین مئے ناب کہان؟
ہر جام کو آلودۂ سم پایا ہے

(۳)

شیرازۂ ہستی کو بکھرنا ہوگا
ظاہر ہے کہ ایک روز مرنا ہوگا
لیکن یہ سوال ہے ابھی لاینحل
کیا ڈوب کے پھر مجھکو ابھرنا ہوگا

(۴)

گو سلسلۂ دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کو، برہمن کو، صنم کو چھوڑا
افکار کی قید سے نہ آزاد ہوئے
زنجیرِ خیال نے نہ ہم کو چھوڑا

(۵)

کہتے ہیں کہ ہے دامن گلشن ہستی
گلہائے بہار کا ہے خرمن ہستی

آتش کو سمجھ رہے ہیں ہم رنگ بہار
یعنی ہے خس شعلہ بدامن ہستی

(۶)

آزاد ہون، زردار نہیں ہون نہ سہی
سرشار ہون، ہشیار نہیں ہون نہ سہی

مےخانۂ عشق کا ہون اک رند خراب
دانندۂ اسرار نہیں ہون، نہ سہی

(۷)

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری
لیکن ہے عجیب چیز مستی میری

چھوڑا جو خدا، تو خود پرستی ہے اثر
جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری

تجلیات

مولوی سید ابو محمد ثاقب کانپوری

اب آشنائے عرض تمنا زبان نہین
کیا لطف ہے کہ حرف ہوس درمیان نہین

جو کچھ ہوا وہ دل کا غلط اضطراب تھا
حاشا نگاہ ناز سے مین بدگمان نہین

جب عشق خام تھا مجھے احساس درد تھا
اب کچھ نہین خبر کہ کہان ہون کہان نہین

تم کیا گئے کہ رنگ زمانہ بدل گیا
گویا وہ اب زمین نہین وہ آسمان نہین

لیتا ہے دل ہی کچھ مزۂ کاہش فراق
لذت شناس درد محبت زبان نہین

وہ آہ شعلہ بار ہو یا داغ سوز غم
خوش ہون کہ بے چراغ مرا آشیان نہین

ممنون ہون مین دل سے ترا وحشت خیال!
آزاد ہون کہ فکر جہان ہم عنان نہین

اک دل پہ منحصر ہے وجود نشاط دہر
یہ شادمان نہین تو کوئی شادمان نہین

کیون ایک ہی نگاہ مین ثاقب یہ ترک ہوش
بیتابیٔ [illegible]ت دوست ہے کچھ امتحان نہین

باب التقریظ والانتقاد

میخانۂ عبدالنبی

مرتبہ

مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے

آج سے تقریباً چھ سال پہلے جب پروفیسر براؤن انجہانی کی تاریخ ادبیات ایران کی تیسری جلد ہم تک پہنچی تو ہمنے نہایت خوشی سے دیکھا کہ انھون نے جہان ہندوستان کے مورخ وادیب علامہ شبلی رح کی شعر العجم سے استفادہ کرکے انکی محنت وغائر مطالعہ کی حقیقی داد دی ہے، وہین دو ہندوستانی نوجوان علمی مجاہدین کا امید افزا تذکرہ بھی کیا ہے، چنانچہ اپنی تمہید مین انھون نے لکھا تھا:-

"تقریباً تمام پروفون کو حکومتِ ہند کے دو محقق طالب علمون محمد شفیع جو خود میرے کالج کے رکن تھے، اور اب جامعۂ پنجاب کے استاذِ عربی ہین، اور ان کے چلے جانے کے بعد ایک نوجوان صاحب علم محمد اقبال نے جنسے بہت کچھ توقعات ہین، اور جو دونون غیر معمولی علمیت، قابلیت اور محنت کے مالک ہین پڑھا ہے"[1]

ان مسرت بخش الفاظ ہی کو پڑھکر یہ توی امید ہوگئی تھی کہ انشاءاللہ پروفیسر براؤن جیسے تجربہ کار استاد کی یہ پیشنگوئی صحیح ثابت ہوگی اور ہندوستان کی اسلامی علمی دنیا کے یہ دو نئے رئیس گذشتہ وراثت علمی کو قائم رکھتے ہوئے جدید دولت کیساتھ ہمارے خزینۂ علم مین معتد بہ اضافہ کرینگے،

پروفیسر شفیع تقریباً چھ برسون سے خاموشی سے کام کررہے ہین، اور صرف گذشتہ سال کے

---

[1] براؤن:- ادبیات ایران جلد سوم صفحہ ۸ دی،

دوروں سے ادریشیل کالج میگزین کی ادارت قبول کرکے علمانہ علمی کام شروع کیا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ایک ادر عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح ڈاکٹر براؤن اگرچہ استاذ عربی تھے لیکن جو کچھ لکھا وہ بیشتر فارسی اور ایران کے متعلق تھا، اسی طرح ہمارے استاذ عربی بھی ایرانی ساقیوں کے جھرمٹ میں میخانہ بدوش ہی مجلس تصنیف و تالیف میں داخل ہوئے ہیں،

شعر و شاعری کے وجود کیساتھ ہی تذکروں اور انتخابوں نے بھی جنم لیا، اور اشعار دوست اصحاب نے مختلف طریقوں میں ان دو چیزوں کی ترتیب و تدوین شروع کی بعض نے ہر شاعر کے حالات جمع کرکے اپنے ذوق کے مطابق اونکے اشعار جمع کردیئے، بعض نے خاص عہد کے شعرار کو لے لیا، اور بعض نے خاص صنف شاعری کو، مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان میں بھی اسی اصول پر کام ہوتا رہا، چنانچہ صائب کا انتخاب بیاض شعرائے اساتذہ جسے مولانا شبلی نے ایران کا حماسہ بتایا ہے (شعر العجم حصہ دوم صفحہ ۲۰۶) منتخبات نظم موجودہ کتب خانۂ علی حسین صاحب حیدرآباد، انتخاب دواوین، موجودہ کتب خانہ محبوب یار جنگ حیدرآباد جس میں حافظ کامل خجندی حسن دہلوی ناصر بخاری، کاتبی نیشاپوری، اور ابن یمین کا انتخاب ہے، منتخب الاشعار مرتبہ مبتلا وغیرہ ایسے مجموعے ہیں جنمیں صرف شعرار کے کلام کا انتخاب ہے اور تقریباً اسی عہد کے لکھے ہوئے ہیں[1]

عام تذکروں میں تقی اوحدی کی عرفات العاشقین، تذکرۂ طاہر نصیرآبادی (جو صرف گیارہویں صدی کے شعرار کے حالات پر مشتمل ہے) سرخوش کی کلمات الشعرا جسمیں جہانگیر سے اورنگ زیب تک کے شعرار کے حالات ہیں، ہمیشہ بہار مرتبہ کشن چند اخلاص جسمیں جہانگیر سے لیکر محمد شاہ تک کے شعرار کا حال ہے، سفینۂ خوشگو مرتبہ بندرابن داس خوشگو، غلام علی آزاد کی ید بیضا و خزانہ عامرہ، والہ داغستانی کی ریاض الشعرا، سراج الدین آرزو کی مجمع النفائس، لچھمی نرائن کی گل رعنا، لطف علی کی آتشکدہ، احمد علی کی مخزن الغرائب وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]

---

[1] ہندوستان کے مشہور کتب خانے رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷ سنہ ۱۹۱۱ء،

[2] فہرست کتب خانۂ پٹنہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰-۱۷۵،

لیکن میخانہ جس خاص طرز پر لکھی گئی اور جس اصول کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی اسکی مثالیں بہت کم ملتی ہیں؛ البتہ فہرست کتب خانۂ پٹنہ میں[1] خلاصۃ الکلام نام ایک ایسا انتخاب ہے جسمیں صرف ان شعراء کے حالات ہیں جنھوں نے مثنویاں لکھی ہیں، ہر ترجمہ کے بعد صاحب ترجمہ کی مثنوی کا انتخاب ہوتا ہے، اس کے مرتب نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ المتخلص بہ خلیل ہیں[2]، اسی طرح ریاست رامپور کے سرکاری کتب خانہ میں ایک نامعلوم مصنف کی بیاضِ اشعار ہے، جسمیں صرف سلاطین، ان کے رشتہ دار، صدور، و وزراء و امراء، و اطبائے مقرب سلاطین و بعضے احبائے معاصرین کے کلام کا انتخاب سات فرقوں میں دیا گیا ہے[2]، میخانہ بھی اسی قسم کا ایک تذکرہ ہے، جسمیں صرف ان شعراء کے تراجم ہیں جنھوں نے یا کوئی مستقل ساقی نامے لکھے ہیں یا جنکے کلام میں مرتب کو ایسے اشعار ملگئے ہیں جو اس عام سرخی کے ذیل میں آسکتے ہیں،

اس امتیازی خصوصیت کے علاوہ جو چیز اس کو زیادہ وقیع بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں جن حضرات کے تراجم ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کے حالات مؤلف نے خود ذاتی واقفیت کی بنا پر لکھے ہیں اور جو خود نہ مل سکے ان کے اعزا و احباب اور قدماء کے لیے اس نے مستند تذکروں کی ورق گردانی کی ہے، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے

"برائے انور ہنرمندان و ضمیر ضیاگستر خردمندان پوشیدہ نماند کہ مؤلفِ این اوراق پریشان عبدالنبی فخرالزمانی بجہت تحقیق احوال شیخ ابراہیم اکثر کتب معتبر ارباب خبر را بنظر در آورد"

لیکن جب ان کے بیانات کو بھی متضاد پاتا ہے تو صرف اس کتاب کو لے لیتا ہے جس پر اصح ہونے کا خیال ہوتا ہے،

"اقوال ہمہ خلاف یکدگر برآمد، خاطر بہ ہیچ قولے از اقوال آنہا قرار نگرفت مگر بر قول مولوی نامی عبدالرحمان جامی در گفتار حزینی کہ در دیباچہ بر دیوان آن کاشف اسرار ربانی نوشتہ و این ہر دو قول مطابق یکدگر است،

---

[1] فہرست کتب خانۂ پٹنہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۷ نشان نمبر ۷۰۴، ،

[2] ہندوستان کے مشہور کتب خانے، رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۳-۲، ۲۷،

بنابرآن بر بیاض بردہ[1]

اب ذرا تفصیل کیساتھ اس اصول کو خود مصنف کی زبان سے سنیئے:-

"وبقدر وسع خود آنقدر کہ مقدور بود احوال خداوندان این هیبت ودد (؟) ساقی نامہ از متقدمین ومتاخرین از روے اسناد ارباب خبر واز قول مردم معتبر بترتیب بر بیاض برد، امید کہ سہو واقعہ نشدہ باشد، اکنون ذکر ہنرمندان کہ صحیفۂ ایام خجستہ فرجام از سر آبدار ایشان رنگین میشود واحوال خردمندان کہ درین جزو زمان درحیات اند و اشعار سرشاری یافتہ ساقی نامہ گفتہ اند، با بیات ساقی نامہ آنہا بر بیاض می برد وسعادت ملازمت ہر یک ازیں ارباب معانی کہ این سرگشتہ وادی تالیف را میسر گردید احوال آن نکتہ سنجان از روے اقوال ایشان درین تالیف ثبت نمود، چنانچہ جابجا بمقتضی دقت مرقوم قلم شکستہ رقم خواہد گردانید وجمعے راکہ از شرف صحبت کثیر البہجت ایشان فائز وبہرہ ور نگردیدہ حقیقت نشو ونماے آن جماعہ از دوستان حقیقی ویکجہتان آن اعزہ از روے تاکید تحقیق نمودہ بدستیاری خامۂ مشکین شمامہ از روے امتیاز درین میخانہ مندرج گردانید[2]"

تاہم اس نے بعض مقامات پر بہت ہی عجیب وغریب غلطیاں کی ہیں، مثلاً دیوان عرفی کے متعلق اس کا محقق بیان ہے کہ "بتحقیق پیوستہ کہ آن مطلع دیوان نکتہ پروری درایام حیات خود دیوان ترتیب نداد، اما بعد از فوت او یکے از دوستان یک جہتی او این دیوانے کہ الحال درمیان مردم است مرتب ساختہ است و عدد ابیات آن ہمگی از قصیدہ وغزل ومثنوی وغیرہ قریب بہ دوازدہ ہزار بیت[3]" حالانکہ یہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہوچکی ہے کہ چھ ہزار اشعار کے تلف ہوجانے کے بعد ۹۹۶ھ میں اس نے اپنا دیوان مرتب اور اسکے تین سال بعد مرتے وقت یہ دیوان اور دوسرے اشعار عبدالرحیم خانخاناں کے پاس بھیجدیئے جسنے اسکی وفات سے ربع صدی بعد ان کو محمد قاسم سراج کے حوالہ کیا، اور سال بھر کی شبانہ روز کی محنت میں دیوان کی ترتیب پوری ہوئی، کل چودہ ہزار شعر تھے[4]۔

---

[1] میخانہ صفحہ ۲۹، [2] ایضاً صفحہ ۱۲-۱۳، [3] ایضاً صفحہ ۱۰۵، [4] شعر العجم حصہ سوم صفحہ ۹۰-۹۶

اس کے باوجود اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے بعض ایسے شعراء کے تراجم بھی دیئے ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتے، اور بعض شعراء کے تراجم جو دوسرے تذکروں میں مجمل ہیں، انہیں مفصل بیان کئے گئے ہیں[1] مگر اس کے ساتھ اس نے بعض ایسے شعراء کا ذکر بھی نہیں کیا ہے جنکے ساقی نامے موجود تھے اور جو اس سے پہلے یا اس کے ہمعصر تھے، مثلاً ترابی جو اکبر کے زمانہ میں ہندوستان میں تھا اس نے ایک مستقل ساقی نامہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے،

دلا تا بکے پارسائی کنیم،
ززہد ریا خود نمائی کنیم[2]

یا زلالی جس نے اپنے سبعۂ سیارہ میں میخانہ نام ہی ایک مستقل مثنوی لکھی ہے، اور اسے چالیس قدحوں پر تقسیم کیا ہے[3]، یا فیاض جو عبد الرزاق مصنف گوہر مراد کے نام سے زیادہ مشہور ہے یا کلیم جو برسوں ہندوستان میں رہ کر ۱۰۲۲ھ میں اپنے وطن واپس گیا تھا یا احسن جو عہد جہانگیر کا ممتاز علم دوست رئیس تھا انکے تذکرے مطلق نہیں ہیں پروفیسر محمد شفیع صاحب نے میخانہ کے بعد ایک اور دوسری اسی قسم کی کتاب کا جو میخانہ کے طرز پر لکھی گئی ہے تذکرہ کیا ہے، لیکن وہ ہماری نظر سے نہیں گذری ہے اور میخانہ کی طرح شائد وہ بھی خلعت قبولیت عام حاصل نہ کر سکی، البتہ اس عہد کے بعد اشرف، بیدل، حسینی، وفی وغیرہ کے دیوانوں میں مستقل ساقی نامے نظر آتے ہیں

مصنف میخانہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت صفائی سے ہر شاعر کے کلام پر اظہار رائے کرتا ہے اور اس کے مشق سخن میں اگر ترقی ہوتی ہے تو اسے داد دیتا ہے، مثلاً باقی کے حالات میں لکھتا ہے کہ اوّل مرتبہ وہ اس سے ۱۰۲۳ھ میں اجمیر میں ملا تھا اور اس نے "جوانے دید درس بہ بست سالگی . . . دران بلدہ (اجمیر) دلپذیر با اکثر ارباب معانی صحبتہاے داشت" اس کے بعد ۱۰۲۹ھ پٹنہ میں دوبارہ ملاقات ہوتی ہے تو دیکھتا ہے کہ "در سخنوری بنہایت پیش آمدہ"

---

[1] دیباچہ میخانہ ص۲ ادرق [2] ،، ص۳ ،، [3] فہرست کتب خانہ پٹنہ جلد ۳،

اس نے ملا پرتوی کے جو نہایت ہی کم معروف شاعر ہے، ساقی نامہ کو بہترین بتایا اور وہ اس کی نغیر جانبداری کی بڑی دلیل ہے[1]، اسی قسم کی متعدد نمایان خصوصیتون کو مرتب نے بھی اپنے دیباچہ مین لکھا ہے،

اب ہم نفس میخانہ اس کے مصنف اور اس کے مرتب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین،

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مولوی شفیع صاحب کو ایک ایسے مفید تذکرہ کے صرف دو ہی نسخے دستیاب ہوئے، اور انھی دو کی مدد سے پروفیسر ممدوح نے نہایت ہی قابلیت محنت اور حتی الامکان صحت کیساتھ کتاب کو اڈٹ کرنے مین کامیابی حاصل کی ہے، ہم کو نہایت افسوس ہے کہ ہم میخانہ کے اس نسخہ کا جو مولانا شبلی کے پاس تھا اور جسکی وجہ سے یہ کتاب علمی دنیا مین روشناس ہو کر آج ہمارے سامنے ہے، پتہ نہ چلا سکے، البتہ ایک خط سے جس مین انھون نے یہ کتاب مانگی ہے، یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی چھوٹی ہی تقطیع کا نسخہ تھا، یہ خط مولانا سید سلیمان صاحب کے نام ہے اور اس کے الفاظ یہ ہین :-

"میری کتابون مین ایک قلمی کتاب، فارسی زبان مین میخانہ نام ہے، چھوٹی تقطیع ہے اور شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے، اور موضوع صرف وہ شعراء ہین جنھون نے کوئی ساقی نامہ لکھا ہے[2]"

مولانا شبلی نے اپنا تمام کتب خانہ ندوہ کو دیدیا تھا ہمنے وہان بھی دریافت کیا لیکن جواب نفی مین ملا، اگر یہ نسخہ مل جاتا تو کم از کم ابتدائی صفحہ اور دوسرے اختلافات کی ایک گونہ تصحیح ہو جاتی، پھر بھی نہین سے کچھ بہتر ہے کے ندین اصول پر موجودہ دو نسخون ہی کی مدد سے جس بہتر طریقہ سے اس کتاب کو اڈٹ کیا گیا ہے وہ ضرور لائق صد تحسین ہے، ہان پروفیسر ممدوح کا بیان بالکل صحیح ہے کہ مولانا شبلی والے نسخے سے بیانات شعر العجم حصہ دوم اور سوم مین نقل کئے گئے ہین ان مین اور ان دو نسخون کے بیانات مین اختلافات بھی ہین، مثلاً حافظ کی تقسیم اَدنی شعر العجم مین ۲ حصون مین ہے اور میخانہ شفیع مین چار، اسی طرح طالب کے متعلق جو عبارت نقل ہوئی ہے اس مین بھی عبارتون مین سخت اختلاف ہے، اس سلسلہ مین یہ معلوم کرنا خالی از

---

[1] میخانہ صفحہ ۱۱۱ [2] مکاتیب شبلی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳، طبع اوّل

دیکھی نہ ہوگا، کہ ڈاکٹر براؤن نے جہان ترجمۂ عاشقا مین شعرائے عجم کا ترجمہ لکھا ہے، وہان "داماد" کی جگہ باپ کا شبہ تنا ظاہر کیا ہے،

کتاب کی طرح خود غریب مصنف کا حال بھی پردۂ خفا مین ہے، اور یہ ایک تاریخ محمد شاہی کے جس کا مرتب نے حوالہ دیا ہے، اس کا جو کچھ کم و بیش حال معلوم ہوتا ہے وہ اسی میخانہ سے معلوم ہوتا ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کے کتب خانون پر جو رپورٹ شایع کی تھی اس مین البتہ اس کا کچھ حال لکھا ہے، لیکن وہ بھی اسپرنگر کے نسخہ سے ماخوذ ہے،

اب ہم مرتب کی خدمات کا ذکر کرنا چاہتے ہین، پروفیسر شفیع نے جس بہتر اور موجودہ تحقیقات کی طرز پر نہایت ہی محنت، جانفشانی کے ساتھ اسکی طرف اعتنا کیا ہے، وہ عرصہ تک علم دوست حلقہ سے دادِ کمال حاصل کرتا رہے گا، اور آیندہ مرتبون کے لیے باعثِ ہدایت ثابت ہوگا،

مرتب نے ابتدا مین ایک عالمانہ دیباچہ لکھا ہے، جسمین مصنف کے حالات کیساتھ اسکی تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، اور پھر میخانہ کے خصائص پر مفصل طور پر بحث کی ہے، اس کے بعد قلمی نسخون کے بعض خطی خصوصیات کا ذکر ہے، اس کے بعد ارتقائے ساقی نامہ پر ایک اچھا سا پر از معلومات مضمون ہے، پھر ان کتابون کی فہرست ہے جس سے ان کی ترتیب مین مدد لی گئی ہے، ان کی تعداد تقریباً ۶۲ ہے، اس کے بعد فہرستِ شعراء ہے، اور پھر اصل کتاب،

اصل کتاب کو مصنف نے تین طبقون پر تقسیم کیا ہے (۱) "در ذکر سخنورانی کہ داعی حق را لبیک اجابت گفتہ و سر در نقاب خاک تیرہ کشیدہ اند" اس مین ۲۲ شعراء کا تذکرہ ہے (۲) "در ذکر شاعرانے کہ درین ایام خجستہ فرجام در حیات اند و اشتہار سرشاری دارند" اس مین خود مصنف کا ترجمہ شامل کرکے بیس شعراء کا حال ہے، مگر خود اصل کتاب مین تعداد بیست و دو ساقی نامہ ہے، امید کہ دو نام رہ گئے ہون جنکو مصنف نہ بڑھا سکا ہو یا پھر یہ غلط لکھ گیا ہو اور (۳) "در ذکر فضلائے کہ مؤلف کتاب باایشان برخوردہ و باایشان صحبت داشتہ" اس مین ۵۰ شعراء ہین، اس طرح کل مجموعی تعداد

... ہوتی ہے،

نہ اس کتاب کی اہم ترین شئے، جو اگرچہ "نقامت کمتر" لیکن "بقیمت بہتر" ہے، وہ حواشی ہین جو ہر تاریخی وعلمی چیز پر صاحب نے لکھا ہے اور دراصل یہی حواشی پروفیسر موصوف کی وسعتِ نظر، کمال محنت، اور انتہائی باریک بینی اور تحقیق کے بہترین شاہد ہین، ہر مصنف، ہر کتاب، بلکہ ہر نام کے متعلق متعدد مستند کتابون کے حوالے، ان پر محاکمے اور اسی طرح کی دوسری محققانہ چیزین، نہ صرف کتاب کو بہت بلند کر دیتی ہین، بلکہ ہر طالب علم کے لیے ایک اچھا خاصہ مجموعۂ معلومات مل جاتا ہے، اور اس کامیاب جانفشانی کے لیے ہم پروفیسر ممدوح کو مبارکباد دیتے ہین،

البتہ بعض مواقع پر انھون نے صرف ریو کے حوالہ پر اکتفا کر کے مضمون کو تشنۂ تحقیق چھوڑ دیا ہے، مثلاً نظامی کے خمسہ کے متعلق ریو سے بہتر ولیم بیشر (Dr WILHELM BACHER) نے جرمنی زبان مین لکھا ہے اور جسکی تلخیص ڈاکٹر براؤن نے ادبیاتِ فارسی کی دوسری جلد مین دی ہے، یا پروفیسر محمود شیرانی کا مضمون جو "اردو" مین بھی چھپا ہے، تشنۂ ہے، لیکن پروفیسر ممدوح نے صرف ریو ہی پر بڑی حد تک اکتفا کیا ہے، اسی طرح اردو عبارتون مین بعض جگہ روانی کا فقدان ہے، مثلاً ۱۹ برس کی عمر مین وہ مشہد زیارت کے لیے آیا، یہ ہونا چاہئیے کہ ۱۹ برس کی عمر مین وہ زیارت کے لیے مشہد آیا، بعض جگہ طباعت کی بھی غلطیان رہ گئی ہین، مثلاً "ایسے انداز لکھتے ہین" بجائے "ایسے انداز سے لکھتے ہین" یا "گنجد، برائے گنجہ" وغیرہ، لیکن یہ ناقابلِ التفات غلطیان ہین، اور ہم پروفیسر ممدوح کو ایک مرتبہ پھر مبارکباد دیتے ہین کہ ساقی نوازون کے جھرمٹ مین میخانہ بدوش آنے کے بعد بھی ان سے کوئی لغزش نہ ہوئی اور نہ صرف جام و سبو اور خم و پیالہ بلکہ پورا میخانہ کا میخانہ صحیح و سلامت نکال لے گئے،

ہان اصل کتاب کے آخر مین مرتب نے دو مفصل فہرستین بھی دی ہین، پہلی فہرست اسماء رجال کی ہے، اور دوسری مقامات کی، اردو مین اس قسم کی فہرستون کی ترویج کی کوشش کا سہرہ بھی شاید ان ہی کے سر رہیگا، کتاب بل (۵۲) ×ز(۷) × ۱۶×۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، مجلد ہے، لکھائی و چھپائی بھی معقول ہے، قیمت درج نہیں، پتہ:- مسرز عطر چند کپور اینڈ سنز، پبلشرز انار کلی لاہور،

"ن"

مطبوعاتِ جدیدہ

مسند عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز کا شمار محدثین کے نزدیک خلفائے راشدین میں ہے، خالص شرعی انداز کی خلافت صرف چھ بزرگون نے کی ہے، خلفائے اربعہ، امام حسن اور حضرت عمر بن عبد العزیز، یہ صرف خلیفہ تھے بلکہ بڑے پایہ کے فقیہ اور محدث بھی تھے، ان کے فتاوی اور احکام فقہ مین نظیر سمجھے جاتے ہین، امام مالک نے موطا مین ان کے فیصلون سے استناد فرمایا ہے، ابن اثیر کے استاذ شیخ ابو حفص عمر بن طبرزد نے ان کی ان حدیثون کو ایک جزمین الگ جمع کیا تھا، جسے انھون نے اپنے شیوخ ابو المواہب وراق اور ابوبکر انصاری سے سنا تھا، اسی کا نام مسند عمر بن عبد العزیز ہے، اس مسند کا ذکر عام کتبِ فقہ وحدیث مین نہین ملتا، لیکن ابن حجر کی تلخیص حبیر مین ایک موقع پر اس کا ذکر آیا ہے، اسمین جو حدیثین ہین وہ سب مختلف کتبِ حدیث مین مل جاتی ہین، چار پانچ برس ہوتے ہین کہ مکتبہ سلفیہ ملتان نے اس کو چھاپ کر شائع کر دیا ہے، چنانچہ اسی مکتبہ سے ۵۰ء۲ پر ملسکتی ہے،

اسی مسند کو دوبارہ دانستہ یا نادانستہ حال مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے بھی شائع کیا ہے، بنگال کا نسخہ بدرجہا قابلِ ستائش ہے، لیکن افسوس اسکی خوبیون سے صرف مستشرقین یا وہ علما فائدہ اٹھا سکتے ہین جو انگریزی بھی جانتے ہین، اس کتاب کی تصحیح وتہذیب کے فرائض مسٹر ایے، ایچ، بارلے نے انجام دیئے ہین،

اصل کتاب تو صرف ۲۴ صفحات مین ختم ہو جاتی ہے، شروع مین ۲۴ صفحات کا انگریزی زبان مین ایک مقدمہ ہے، جسمین حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر حالاتِ زندگی، اصطلاحِ مسند کی تشریح، اور مسند عمر بن عبد العزیز کے متعلق مختصر نوٹ، اور ابو حفص عمر بن طبرزد سے لیکر حضرت عمر بن عبد العزیز تک ہر راوی پر کلام ہے، آخر مین اشخاص وقبائل کی ایک فہرست ہے، اس کے بعد اصل کتاب کی حدیثون کے متعلق ضروری اشارات ہین، اور ہر حدیث کا درجہ بتایا گیا ہے، یہی چیز ہے جس نے اس کتاب کو بہت زیادہ قابلِ وقعت بنا دیا ہے،

جناب اے، ایچ ہارلے کو اس کام کے انجام دینے میں مولوی محمد یحییٰ صاحب اسسٹنٹ مولوی مدرسہ کلکتہ نے بہت کافی مدد دی ہے، ان حدیثوں پر آخر میں جو اشارات ہیں، قابل اعتماد ہو سکتے ہیں،

التذکیر بآیۃ التطہیر، سورۂ نور میں ایک آیت ہے،

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا، اے گھر والو، خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے نجاست دور کرے اور تم کو پاک کرے،

شیعی حضرات کے نزدیک اس آیت میں امہات مسلمین کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف آل عبا کا نام اہل بیت ہے، خان بہادر مولوی تجمل حسین صاحب کو پاموی مدراسی نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ اصلی اہل بیت امہات مسلمین ہیں، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اگرچہ مناظرانہ انداز میں ہے، مگر تہذیب، شائستگی اور مدارات کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے، مصنف سے نرمل کھڑی مدراس سے ملے گی،

فطرت اطفال، فطرت اطفال کریمین ڈی لارنس کی ایک قابل قدر کتاب دی سائنٹفک ٹریننگ آف دی چلڈرن کا اردو ترجمہ ہے، جس مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی نے اردو کا لباس پہنایا، اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص میں ایک فطری رجحان اور خاص قسم کی دماغی استعداد ہوتی ہے، اور اس استعداد کا کافی لحاظ رکھتے ہوئے بچوں کی تربیت کا اصول بتایا گیا ہے، کتاب اس قابل ہے کہ والدین اور معلم اطفال کے پاس ہو، پتہ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سلطان جہان منزل علی گڈھ

توحید فی الاسلام، اس کتاب میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اسلامی عقیدۂ توحید کی تشریح کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس عقیدہ کا تہذیب، تمدن، معاشرت، اور اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، خواجہ صاحب کی کتابیں جس خاص انداز کی ہوتی ہیں وہ انداز اس کتاب میں بہت نمایاں ہے، اور عقلیت کا پہلو صفحہ صفحہ پر غالب ہے، قیمت : پتہ مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور،

۱۲ ۱۷

[illegible]

[illegible] مسائل، پرک گل کے ناموں سے چھپتے تھے اس مین یکجا کر دیے گئے ہین ۲۰۰ صفحے کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جسمین مثنوی صبح امید قصائد جو مختلف جلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی سیاسی مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور کی مسجد، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھین یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان مین مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہین، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتون کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا حقیقی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۲ر
تفسیر سورہ ابی لہب، ۲ر
تفسیر سورہ والتین، ۲ر
تفسیر سورہ والکوثر، ۲ر
تفسیر سورہ القیامہ، ۲ر
تفسیر سورہ عبس، ۲ر
تفسیر سورہ والمرسلات، ۲ر

[illegible] عیسائیون کے اس باب مین ہر قسم کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے، ۳ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو مین عربی طرز پر عربی گرامر، ۲ر ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان اور خوبی بیان مین اس عہد مین بے نظیر ہے، ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم مین چھوٹے بچون کے حفظ کے لیے، ۲ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین حضرت سلیمان کے امثال کا ترجمہ، ۸ر

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی محنت سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے، عہ

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ، سے،

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۹

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مارچ سنہ ۱۹۲۷ء

قیمت: ھہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دارالمصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام، وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلی تقطیع کلان عسے،

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت عہ، سیہ

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلان قسم اول عسہ قسم سوم سے،

الفاروق حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، عیہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور ان کا فلسفہ عیہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عیہ

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عیہ

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ

شعر العجم حصہ اول۔ شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور، سے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، عہ

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے، سیہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع عیہ عہ

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

جلد نوزدہم | ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۷ء | عدد سوم

مضامین

شذرات

یہ رمضان کا ماہ مبارک ہے، معارف کا پہلا پرچہ ۱۳۳۴ھ کے اسی مہینہ مین نکلا تھا، اور اس وقت ماہ رمضان انگریزی ۱۹۱۶ء کے جولائی مہینہ کے مطابق تھا، اور اب وہی رمضان ۱۳۴۵ھ مین ٹھیک مارچ کے مطابق ہو گیا ہے، ۱۲ برسون مین چار مہینون کا فرق دونون سنون مین پیدا ہو گیا، جو لوگ ہیئت وحساب سے واقف ہین وہ تو جانتے ہین، لیکن بعض ناظرین جو ان مسائل سے واقف نہین انھین اسکی خبر نہین کہ ہجری سنہ چاند کی رفتار سے، اور عیسوی سنہ سورج کی رفتار سے شمار ہوتا ہے، دونون کے سال کے درمیان ۱۰ دن کا فرق رہتا ہے یعنی سورج کا سال، چاند کے سال سے تقریباً دس دن زیادہ ہوتا ہے، شمسی سال ۳۶۵ (اور کسیقدر کسر) کا اور قمری ۳۵۵ دن (اور کچھ کسر) کا ہوتا ہے، اس طرح تین سال مین ان دونون سنون کے درمیان ایک مہینہ کا فرق ہو جاتا ہے،

ناظرین گھبرائینگے کہ اس دقیق فلکی حساب کا شذرات اور معارف سے کیا تعلق ہے؟ کہین یہ روزون کی بدحواسی کا نتیجہ تو نہین ہے، مگر درحقیقت ہمین دوسرون ہی کی "بدحواسی" کو دور کرنا ہے، عموماً اردو رسالے اپنی لوح (ٹائیٹل) پر صرف انگریزی مہینے لکھتے ہین، اور مذہبی پرچے صرف عربی مہینے لکھتے ہین، اسلیے یہ دونون شمسی اور قمری شہور وسنین کے جھگڑون سے الگ ہین، اور نہ انھین کبھی اس تطبیق معقول ومنقول کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن ہمارا قدم جدید وقدیم کے درمیان ہے، عربی قمری مہینے چھوڑ کر ہم اپنے قومی ومذہبی روایات سے الگ ہونا گوارا نہین کر سکتے، اور اسی طرح انگریزی شمسی سال جسکی وجہ سے قمری سال کے مقابل تین سال مین ایک مہینہ کی کفایت ہوتی ہے اسکو چھوڑنا بھی قرین عقل نہین، اس بنا پر معارف کی لوح پر قمری عربی اور شمسی انگریزی دونون مہینے اور سنہ لکھے جاتے ہین، مگر تعامل عام اور لوگون کے حسابات کی وجہ سے وہ نکلتا شمسی مہینہ کے مطابق ہے اور اس کے حسابات بھی اسی سنہ سے رہتے ہین، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین سال مین ایک انگریزی مہینہ کم ہو جاتا ہے، اور یا یون کہیے کہ ایک قمری مہینہ بڑھ جاتا ہے، اس تطابق کی کشتی کو سنبھالنے کے لیے پہلے یہ کیا جاتا تھا

کہ تین سال کے بعد ایک قمری مہینے کا نام چھوڑ دیا جاتا تھا اس سے بعض خریداروں میں یہ بدحواسی چھائی تھی کہ ایک مہینہ کا پرچہ غائب ہو گیا ہے اور اس کے تقاضے کے لیے خطوط آتے تھے، اب یہ کیا گیا ہے کہ قمری مہینہ نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ تین سال کے بعد ایک شمسی مہینہ کے ساتھ دو قمری مہینے ایک ساتھ لکھدیے جاتے ہیں جیسا کہ جنوری ۱۹۳۸ء کے پرچہ پر جمادی الثانی و رجب دونوں لکھدیے گئے ہیں، اس سے پرچہ کے غائب ہونے کی شکایات تو رفع ہو گئیں لیکن یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ ۱۲۰ کے بجائے ۸۰ صفحے کے ایک ہی نمبر میں دو نمبر چھاپ دیئے گئے، حالانکہ ان [illegible] میں سے کوئی واقعہ نہیں، یہ ظاہر ہے کہ مہینے کے سبب اصطلاحی اختلافات ہیں، [illegible] پرچہ پر اسکی ضخامت پر اس کے شمسی نمبروں پر اس کے حسابات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، امید ہے کہ ہمارے بعض ناواقف احباب اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے،

ارکان دار المصنفین کی تعداد بحمد اللہ ایک مہینہ میں بہت کچھ بڑھی حیدرآباد سے ہماری توقع بہت کچھ پوری ہوئی اور اس میں [illegible] نئے ممبروں کا اضافہ ہوا، کچھ بنگال سے بھی آئے، کچھ بہار سے بڑھے، کچھ یوپی کو بھی شرم آئی، مگر پنجاب ہنوز اپنی [illegible] کے ثبوت میں پس و پیش کر رہا ہے، حیدرآباد میں تحریک کی کامیابی، نواب صدر یار جنگ شروانی [illegible] کی فیاضانہ [illegible] کی کوششوں کی رہین ہے، اب مارچ کی ۱۳ تاریخ تک صوبہ وار فہرست حسب ذیل ہے جس میں حیدرآباد نے اپنی جگہ حاصل کرلی ہے

صوبۂ بہار ۶۰، حیدرآباد دکن ۴۹، صوبہائے متحدہ ۲۲، پنجاب ۱۱، بمبئی ۹، بنگال ۸، سرحدی ۵، دہلی ۵،

صوبۂ متوسط ۵، مدراس ۴، برما ۴، سنگاپور ۳، بھوپال ۲،

اردو کتابوں کی اشاعت کی کمی کے اسباب اور بہت کچھ ہونگے لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ذریعۂ تعلیم نہیں، اس وقت تعلیم یافتہ اور اصحاب علم جنکو آپ کہہ سکتے ہیں، وہ وہی ہیں جنھوں نے انگریزی کی تعلیم پائی ہے، یا عربی پڑھی ہے، انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب اردو کی اشاعتوں (کتب، رسائل اور اخبارات) کو قابل التفات نہیں سمجھتے، اور غیر لاطینی حروف میں ان کے نزدیک پڑھنے کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اور انھیں اس پر فخر ہے، عربی خوان اصحاب اور علماء، زمانۂ تعلیم کے علاوہ، مطالعہ

کتب کے فوائد کے متعلق قائل نہین، اور اس زمانہ مین بھی نصاب تعلیم سے باہر کی کسی چیز پر نگاہ ڈالنا گویا حکم صفحی مضر کے خلاف ہے، پڑھکر نکلے تو پھر کسی چیز کے پڑھنے کی انکو ضرورت نہین، اگر کبھی ضرورت بھی ہوئی تو فقط نادی کی بند عربی کتابونکی جنمین ... زود اخل نہین ہے کہ ان مین علم کی کوئی بات ہو کیونکر سکتی ہے، اب بتایئے کہ پڑھے لکھے لوگون مین سے کون طبقہ ... کتابون کو خریدے اور پڑھے ۔

تاہم انگریزی دان طبقہ کے کچھ خاکسار و متواضع لوگ ایسے ہین جو گریجویٹ نہین ہو سکے، یا مولویون مین کچھ ہین جنکے سر پر دستار فضیلت نہین، یا دہ مولوی ہوکر تحریری ہوگئے ہین یا محض اردو فارسی خوان ہین یہی بیچارہ طبقہ ہے جسکو اردو سے عملاً ہمدردی ہے، اور یہی اردو اشاعتون کے تمام بار کا متحمل ہے، ایسی حالت مین اس زبان کی تالیفات، رسائل اور اخبارات کی قلت اشاعت کی کیا شکایت کیجائے جب تک ہم کو اپنی زبان کی تصنیفات و رسائل کے پڑھنے کا شوق نہوگا ... ہی دارالاشاعتون کے کنگال پن، اور اردو مین بلند کتابون کے قحط کا یہی حال رہیگا ۔

اردو انسائیکلو پیڈیا کے متعلق متعدد اصحاب کے خطوط موصول ہوئے ہین جنمین سے ہر ایک مین اسکی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے، اور کام کے شروع کرنے کے متعلق مختلف تجویزین پیش کیگئی ہین، اور اس خیال کو مناسب سمجھا گیا ہے کہ ذاتی چندہ کے بجائے یا کمپنی بناکر حصص کے طریق پر کام کیا جائے، یا صرف یہ کیا جائے کہ پانچہزار خریدارون کے نام رجسٹر ہو جائین جو اسکی ہر جلد کی خریداری کی اطلاع دیدین، پہلی تجویز قاضی نجم الدین احمد صاحب میرٹھ نے اور دوسری مولوی محمد عبدالعزیز صاحب (تحصیلدار بھنڈارا سی پی) نے پیش کی ہے ۔

مسرت کی بات ہے کہ صوبون کی بعض حکومتون نے دیسی زبانون کی طرف توجہ شروع کی ہے صوبہ متحدہ مین "ہندوستانی ایکاڈیمی" کے نام سے ایک سرکاری مجلس ادب اردو ہندی کی ترقی کے لیے قائم ہوئی ہے، صوبہ کے خزانہ سے

پچاس ہزار سالانہ اس کے لیے منظور ہوئے ہیں، ارکان کے نام منتخب ہو کر انکا گزٹ بھی ہو چکا ہے، مگر چند مہینون کے بعد بھی، ممبرون کے اجتماع، مشورہ اور کسی عملی تجویز کا ذکر سننے مین نہین آیا ہے، دوسری طرف بہار سے خبر آئی ہے کہ وہان کی وزارت تعلیم نے بھی اپنے صوبہ مین اردو و ہندی کی ترقی کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے چند اصحاب صوبہ کے باہر سے اور چند اصحاب کا خود صوبہ کے اندر سے انتخاب کیا ہے، ان اشخاص کی مجلس صوبہ بہار مین اردو زبان کی ترقی اور اس کے نصاب تعلیم وغیرہ پر غور کرے گی مجلس تو ختم ہو چکی نتائج سے واقفیت نہین، اتنا سنا ہے کہ نوین جماعت تک طلبہ کو اردو ہندی پڑھنا بھی لازمی کیا گیا ہے، اور یہ بھی تسلیم کرایا گیا ہے کہ اردو اور ہندی اصل مین ایک ہی زبان ہے، ان مین فرق صرف رسم الخط کا ہے، اور یہ بھی تجویز ہے کہ یہان بھی ایک اردو ہندی اکاڈیمی کی بنیاد ڈالی جائے۔

* * *

مگر اس صوبہ کے اردو بولنے والے مسلمانون کا اصلی مطالبہ یہ تھا کہ یہان کی عدالتین اردو خط تسلیم کرین معلوم نہین مجلس نے اسکے متعلق کیا فیصلہ کیا، مولوی سر فخر الدین صاحب وزیر تعلیمات بہار سے یہ توقع ہے کہ اس مجلس کی دعوت اور انعقاد سے انکا مقصد صوبہ مین اردو کی مطالبہ کرنے والی جماعت کی محض زبان بندی نہ ہوگا، بلکہ واقعاً کوئی کام مد نظر ہوگا، ہم صوبہ کے کام کرنے والے اشخاص کی خدمت مین بھی عرض کرینگے کہ وہ محض کسی شخصیت سے الجھنے کے لیے نہ اٹھین بلکہ اپنے فرض کے طور پر اور اپنے صوبہ کی مادری زبان کی حقیقی خدمت کے لیے اٹھین، اور اردو کی ظاہری اور معنوی دونون خدمات انجام دین، پورے صوبہ مین اردو مکاتب اور اردو کتب خانے قائم کرین، صحیح اردو کو رواج دینے کے لیے تمام مدرسون، اسکولون اور کالجون مین اردو انجمنین قائم کیجائین جنمین طلبہ کو صحیح اردو لکھنے اور بولنے کی مشق کرائی جائے،

ہندوستان کا صوبۂ گجرات جس کے نام کو بحیثیت صوبہ کے بمبئی نے چھین لیا ہے، کسی زمانہ مین وہ مسلمانون کے علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا، اس کا پایہ تخت احمد آباد کبھی علما و فضلا و صوفیہ اور مشائخ کا مسکن تھا، اور بڑے بڑے کتب خانون کا بھی مقام تھا، گو اب وہان نہین رہا، مگر چند کتب خانے البتہ وہان یادگار رہ گئے ہین جنکی زیارت کا شرف بحمد اللہ کر حاصل ہو چکا ہے،

انھین مین سے ایک حضرت پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ بھی ہے، حضرت محمد شاہ بارہوین صدی ہجری کے بزرگ ہین، بیجاپور

دکن سے احمد آباد گجرات آکر مقیم ہوئے تھے اور وہین کی ایک مسجد مین معتکف ہوکر تمام عمر گذار دی، وہ شاعر بھی تھے اور اقدس تخلص کرتے تھے

ان کی وفات کے بعد بہت سے لوگ جو زمانہ حیات مین انکے مرید تھے اور معتقدون نے انکا مقبرہ تعمیر کیا جو اب درگاہ پیر محمد شاہ کے نام سے موسوم ہے،

اس درگاہ مین ایک کتبخانہ بھی ہے جب مین نے دیکھا تھا تو وہ کوئی اچھی حالت مین نہ تھا، لیکن اب ہمین بہاد دیا لے دگجرات قومی نیوز اخبار سے اور وہان کے پرانے دوست مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے خط سے یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ چند سال سے اسکی طرف وہان کے مسلمانون کو خاص توجہ ہے، اور مولانا بھی اسکی ترقی مین حصہ لے رہے ہین، اور اسکی جامع فہرست تیار کر رہے ہین، اسکے لیے سنی بوہرون کی ایک منتظمہ جماعت قائم ہوگئی ہے بعض دوسرے شہر کے کتب خانے بھی اسمین شامل کئے جا رہے ہین، کتابین خریدی بھی جا رہی ہین بعض لوگون نے خود بھی اپنے کتبخانے اسمین داخل کردیے ہین، اور چند سال سے ایک ہزار سالانہ کتابون کی خریداری پر صرف کیا جا رہا ہے، اسمین اب سیکڑون قلمی کتابین جمع ہوگئی ہین جنمین سے بعض نوادر مین شمار ہونے کے لائق ہین، نوین سے گیارہوین صدی تک کا ذخیرہ اسمین بکثرت ہے، اور بہت سی تو ایسی ہین جو خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، مثلاً امام سخاوی اور نظام نیشاپوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین، اور دو دیوان نجم الدین ابرو، اور عبید اللہ [illegible] کے دیوان بھی وہان ہاتھ آئے ہین، بارہوین صدی کا نسخہ ہے، مولانا اور ارکان کی یہ کوشش ہے کہ گجرات کا تمام اندوختہ سلف اسمین سمٹ کر آجائے اور اس صوبہ کا یہ بہترین علمی مرکز بنجائے، اور یہ کچھ مشکل نہین،

بنگال کی خلیج ہمیشہ سے ساکن اور غیر متلاطم تھی، مگر جب سے گنگا اور جمنا کے دریا کا پانی جاکر اس مین ملا ہے، اسمین جوش اور تلاطم پیدا ہوگیا ہے، بنگال ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فرقہ وارانہ جذبات کی نمائش سے ہمیشہ پاک رہا، اور کبھی وہان کا فساد کلکتہ سے آگے نہین بڑھا، مگر گنگا اور جمنا کی وادیون سے شدھی اور سنگھٹن کا جوش ابل کر جب سے دور دور کے صوبون مین پہنچا ہے وہان بھی فتنون کا دروازہ کھل گیا ہے، اور کئی دفعہ ہندو مسلمانون مین خون آشام جھگڑے پیش آچکے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ بنگال کے سوتے مسلمانون کو جھنجھوڑنے کے لیے قدرت نے یہ سامان پیدا کر دیا ہے، چنانچہ ان ہنگامون نے مسلمانون مین حرکت پیدا کردی ہے اور صوبہ کے اندر تک یہ حرکت پیدا ہوگئی، اور اس کے متصل صوبہ آسام بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے، اپریل مین پورے آسام

کی تبلیغی انجمنوں کا ایک متحدہ جلسہ ہونے والا ہے، افسوس کہ اسکی صدارت کی ذمہ داری کا مین اپنی مشغولیت اور خرابی صحت کے باعث متحمل نہ ہوسکا، اور اس خوش آیند جنبش و حرکت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکونگا، تاہم معلوم ہوا ہے کہ چاٹگام دقسام مین بارہ سو کے قریب مکتب قائم ہو چکے ہین،

خاص بنگال مین بھی ہر قسم کی ترقیون کی امنگ مسلمانون کے سینون مین پیدا ہو رہی ہے، اردو کی بہت سی علمی تاریخی اور مذہبی کتابون کے بنگالی مین ترجمے ہوچکے ہین اور ہو رہے ہین، پٹنہ سے محمد منجو الدین (منظور الدین) صاحب نے اطلاع دی ہے کہ مولانا شبلی مرحوم کی تصانیف مین سے اورنگ زیب عالمگیر، الغزالی اور المامون کے ترجمہ کا آغاز کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی اطلاع دی کہ وہان تبریج سنگھ نام ایک مجلس اس غرض سے قائم کیگئی ہے کہ وہ بنگالی مین اسلامی کتب و رسائل کی تالیف و ترجمہ و اشاعت کا کام انجام دے،

بردوان (بنگال) سے ایم حسن صاحب بنگال کے متعلق اور بہت سی خوشخبریان سناتے ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست مولانا اکرم خانصاحب نے سیرۃ نبوی پر بنگالی مین مصطفےٰ چریت ایک کتاب لکھی ہے جو وہان بیحد مقبول ہوئی ہے، اسی کے ساتھ ایک اور دل خوش کن خبر یہ ہے کہ مسلمان بنگالیون نے بھی بنگالی زبان پر قبضہ مالکانہ جمانا شروع کر دیا، بنگال مین ایک نوجوان مسلمان شاعر قاضی نذر الاسلام بڑی شہرت پا رہا ہے، اسکے شاعرانہ کمالات نے بنگال کے سب سے بڑے جادوگر رابندر ناتھ ٹیگور کو بھی مسحور کر دیا ہے، اور اس کے اعتراف مین ٹیگور نے اپنی ایک کتاب شبنت (ڈراما) قاضی نذر الاسلام کے نذر کی ہے، یعنی ان کے نام سے اسکو معنون کیا ہے، ہمارا بنگالی نامہ نویس نہایت جوش سے اس خط مین لکھتا ہے کہ:-

"بفضل خدا آج کل بنگلہ زبان مین مسلمان لوگ بہت ترقی کرتے جاتے ہین"

مقالات

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی،

بلگرام کا ایک یمنی محدث مصری صوفی

اور

انکی ایک کتاب،

(۲)

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی الشیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

کتاب النفحۃ القدسیہ بواسطۃ البضعۃ العیدروسیہ

ان ہی کتابون مین سے آپکی ایک کتاب النفحۃ القدسیہ بواسطۃ البضعۃ العیدروسیہ ہے، جس کا ترجمہ شایع کیا جاتا ہے، سید علامہ کے پیرو شیخ حضرت سیدنا عبدالرحمن بن مصطفےٰ عیدروس حضرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجمع السلاسل بزرگ تھے، تقریبًا اکثر شائع و ذائع بلکہ بعض نادر طریقون کی آپ کو اجازت تھی، سید علامہ نے ان تمام طریقون کی اجازت و سند شیخ قدس سرہ سے حاصل کی تھی،

خیال ہوتا ہے کہ ابتداءً سید علامہ کو یہ خیال گذرا کہ ان تمام طریقون کو ایک جگہ جمع کر دون، لیکن اس کے بعد آپ نے اس خیال کو ایک مستقل تصنیف کی شکل مین بدل دیا، جو طریقے شیخ سے پہنچے تھے، ان کے سوا اور بھی کتابون مین آپ کو جو طریقے نظر آئے، سب ہی کو لے لیا، اور حروف تہجی کی ترتیب سے ان کی ایک فہرست تیار کی، درحقیقت اس کتاب کا اصلی موضوع یہی ہے، جو بجائے خود ایک اہم علمی اور دینی خدمت ہے، کیونکہ صوفیا کے حالات و طرق کے متعلق جو کتابین مرتب ہوئی ہین عمومًا ان کا تعلق کسی خاص طریقہ، یا خاص ملک، خاص شہر کے اولیاء اللہ سے ہے، جبکا عام اثر یہ ہے کہ مصر کے مسلمان

نہیں جانتے کہ ہندوستان مین کن کن بزرگون کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، ہندوستانی یہ نہین جانتے کہ عرب مین ارشاد وسلوک کے کتنے طریقے مروج ہین، اور اسکی وجہ سے بسا اوقات ایک ملک کے مسلمان دوسرے ممالک کے بزرگون سے نفع اٹھانے مین کوتاہی کرتے ہین، حالانکہ اسلام ایک ہے، مقصد ایک ہے، پھر اس مین بھی اس قسم کی تنگ نظریون سے اگر کام لیا گیا، تو اس کا انجام بجز محرومی کے اور کیا ہو سکتا ہے،

سید علامہ نے بڑا کام کیا کہ چند مختصر ورقون مین ساری دنیائے اسلام کے ارباب باطن صلحاء اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقون کو قلم بند کر دیا ہے، غالباً یہ کتاب ایسی حاوی ہے کہ عرب، عجم، مصر، مراکو، تونس، ہندوستان، الغرض کسی اسلامی ملک کا کوئی ایسا مشہور و معروف معتبر طریقہ نہین ہے جسکو چھوڑ دیا گیا ہو، اس کے پڑھنے سے ارباب ذوق کے علم مین بہت کچھ اضافہ کی امید ہے اور یہ تو اصل مقصد ہے، لیکن اس کے ماسوا ضمنی اور ذیلی طور پر سید علامہ نے مختلف مقامات پر ایسی قیمتی باتین درج کی ہین، جنکا ایک جگہ ملنا دشوار تھا، اگرچہ ان باتون کا تفصیلی علم تو کتاب کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ اس مین زیادہ تر سندون کا ذکر ہے، جسکے پڑھنے مین ممکن ہے کہ عام لوگون کو دلچسپی نہ ہو، اس سے چند اہم باتون کا ذکر اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے،

۱۔ سید علامہ نے شروع مین ایک مقدمہ لکھا ہے، اس مین یہ بتایا ہے، کہ صوفیہ کے اس کثرت طرق کے اسباب کیا ہین، کیا ان کی سند کسی اختلاف پر ہے، لوگ اسکی کوشش کیون کرتے ہین کہ جہانتک ممکن ہو مختلف طریقون کی ان کو اجازت حاصل ہو، اس اکثار کا کیا نفع ہے اور سب سے اہم بحث "خرقہ" کی ہے، سید علامہ چونکہ صوفی ہونے کے ساتھ محدث بھی ہین، اسلیے محدثانہ طور پر آپ نے اس پر بحث کی ہے، جو غالباً اس کتاب کے سوا دوسری کتاب مین نہین ملسکتی، اس کے بعد تلقین ذکر کے متعلق بھی ایک مفصل محققانہ بیان درج ہے، جس سے نہ صرف صوفی کی، بلکہ محدثین علماء کی بھی راہنمائی ہوتی ہے،

۲۔ اس کتاب کے دیکھنے والون کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ فقر و طریقت کے سلسلے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کے خلفاء ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی جاری ہوئے ہین، سید علامہ نے خاص خاص طریقون کے ذیل مین ان کا ذکر کیا ہے، بلکہ بکریہ، فاروقیہ تو عنوان مین درج ہے، اویسیہ کے ذیل مین طریقۂ فاروقیہ کا، اور مداریہ کے تحت مین آپ نے عثمانی سلسلہ کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہی نہین بلکہ بعض طریقے حضرت انس بن مالکؓ خادم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت ابو درداء صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بھی منتہی ہوتے ہین، لفظ "دردائیہ" کے تحت مین حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ مین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرمایا ہے،

۳- علمائے ظاہر کو یہ دیکھکر بھی تعجب ہوگا، کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری تاج الدین سبکی، شاگرد امام ذہبی، زین الدین عراقی، حافظ مغلطائی، جلال الدین سیوطی، کمال الدین بن ہمام امام الحرمین جیسے علما بھی بارگاہ فقر کے نیازکیشون مین ہین، باضابطہ بیعت، ذکر ارادت سے مشرف ہین، فاعتبروا یا اولی الابصار، اور ان کی عبرت کیلئے تو خود سید علامہ کا وجود دہبت کافی ہے، ان مین کون ہے جو سید کے علمی علو مرتبت اور محدثانہ جلالت کا منکر ہو سکتا ہے، پھر یہ کیا تماشا ہے کہ ایک محدث تریم کے ایک درویش کی غلامی پر نازان ہے، خاتمہ مین سید علامہ نے جو کچھ لکھا ہے اسکو پڑھنا چاہئے،

۴- اس کتاب مین سید علامہ نے متفرق مقامات پر مختلف اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ انھون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برای العین ملاقات کی اجازت حاصل کی اسی طرح حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کی ملاقات کا بھی ذکر ہے، خضر علیہ السلام کی حیات و ممات مین چونکہ علماء ظاہر کو اختلاف ہے، اسلئے طریقۂ خضریہ کے ذیل مین سید نے اس پر سیر کن بحث کی جو قابل دید ہے،

۵- طریقۂ محمدیہ کے ذیل مین، ایک لطیف بیان اس مسئلہ کے متعلق درج ہے کہ کیا اب بھی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نفع اٹھا سکتا ہے، سید علامہ نے اسکی تدبیر بتائی ہے

اور وہ پڑھنے کے قابل ہے،

۶۔ ایک عجیب بات اس کتاب مین یہ بھی ہے، کہ خلفائے عباسیہ جس طرح بیعت سمع وطاعت وخلافت لیتے تھے، اسی طرح وہ بیعت، طریقت وارادت بھی لیتے تھے، لفظ "عباسیہ" کے تحت مین انکی پوری سند درج ہے،

۷۔ امام سحنون، معلم افریقیہ مدون مذہب مالکیہ کے ایک شاگرد بوعقال کی طرف ایک طریقہ منسوب ہے، جسکو افریقہ مین مدولیہ کہتے ہین، سید علامہ نے ان کے ذکر مین "جذب" کی نہایت محققانہ وضاحت کی ہے، جسکو "مجذوب فقراء" کے "فقر" و "وصول" مین شبہ ہے، ان کو خاص طور پر یہ بحث پڑھنی چاہئے،

۸۔ اس زمانہ مین ایک عام خیال یہ بھی پھیلا ہوا ہے، کہ صوفیون نے مسلمانون کے جذبۂ شجاعت کو پامال کردیا، اور اس کے بعد مسلمانون کی سیاسی قوت برباد ہوگئی، ایسے حضرات کے لئے مناسب ہوگا، کہ لفظ "بکتاشیہ" کے ذیل مین جو کچھ لکھا ہوا ہے، پڑھین، انکو معلوم ہوگا کہ مسلمانون کی وہ مشہور ومعروف "فوجی قوت" جس کا نام سنکر یورپ تھراجاتا تھا، یعنی ترکون کی "ینگچری فوج" ایک صوفی کی مرتب کی ہوئی تھی، اور کیا معلوم، کہ ہندوستان، ترکستان، افریقہ مین جو کچھ تھا، اس کا زیادہ تر قیام ان ہی نفوس طیبہ سکے ساتھ وابستہ تھا، جسکی تفصیل کا یہ موقع نہین، انشاء اللہ کسی مستقل تصنیف سے اس کو ظاہر کیا جائے گا،

۹۔ ہندوستان کے مسلمانون کو جس طرح یہ سنکر خوشی ہوگی، کہ ان کا ایک ہم وطن جامع ازہر کے شیوخ کا استاد ہوگیا تھا، اسی طرح وہ یہ سنکر بھی خوش ہونگے کہ ان ہی کے وطن کے ایک بزرگ شیخ تاج الدین زکریا ملتانی جو حضرت شیخ باقی باللہ نقشبندی کے خلیفہ تھے، انھون نے بصرہ، یمن، احساء، نجد اور خود حجاز مین طریقہ نقشبندیہ کو پھیلایا، اور ان ممالک مین ان کے مریدون کی ایک بڑی جماعت تھی، سید علامہ نے لفظ تاجیہ کے ذیل مین ان کا ذکر کیا ہے،

۱۰۔ سید علامہ نے اس کتاب مین "طریقۂ قلندریہ" کا خصوصیت کے ساتھ اور ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے، اسی طرح "ملامتیہ" کے بیان مین بھی، اس کا لحاظ رکھا ہے، کہ ان پر جو اعتراض کیا جاتا ہے، وہ شرعاً قابل لحاظ نہین ہے، اور یہ دونون بحثین دیکھنے کے قابل ہین،

۱۱۔ نقشبندیہ طریقۂ تعلیم و تربیت کے بیان مین بہ نسبت اور سلسلون کے سید علامہ نے بسط سے کام لیا ہے، اور اتنا لکھا ہے کہ محض اس کتاب کی مدد سے آدمی اس طریقہ کے مشاغل کو حاصل کرکے کامیاب ہو سکتا ہے،

۱۲۔ ایک نئی چیز اس کتاب مین یہ بھی ہے، کہ طریقۂ نقشبندیہ کے ذیل مین سید علامہ نے ایک ایسے بزرگ کا تذکرہ کیا ہے، جو کسریٰ نوشیروان کے خاندان سے تھا، ان کا نام نامی ابو علی احمد بن محمد قاسم بن منصور بن شہریار رودباری ہے، اور ایسے تو متعدد بزرگون کا ذکر ہے، جو مختلف خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے،

۱۳۔ لفظ "غازیہ" کے تحت مین سیدی احمد بن علی درعی سے یہ نقل کیا ہے، کہ وہ فرماتے تھے،

"جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا وہ جہنم مین نہین جاسکتا"

اور بعض دوسرے اہل اللہ سے بھی اس قسم کے الفاظ منقول ہین، بظاہر یہ دعویٰ عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد سید علامہ نے اس دعوی کی جو وجہ مسلسل سند سے نقل کی ہے اس سے راز واضح ہو جاتا ہے، سید نے اپنے پیر سے انھون نے حسین بن عبدالرحیم سے انھون نے ابو ناصر سے، انھون نے ابوسالم فشاشی سے وہ سیدی احمد بن علی صاحب دعوی سے راوی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، کہ "نار جہنم اس شخص کو نہین چھو سکتی، جس نے تمکو دیکھا یا تیرے دیکھنے والے کو دیکھا" سید احمد کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد اگر انھون نے دنیا کو یہ بشارت دی، تو پھر اس کے سوا چارہ کیا تھا، یہ تو

انچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

اوراس کے کہنے پر وہ مجبور تھے، ورنہ خود سید ی احمد کا جو حال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس بشارت کو نقل فرمانے اور یہ کہتے کہ:۔

خوت کبھی میرا پیچھا نہین چھوڑ سکتا، اگرچہ مین جنت ہی مین کیون نہ ہون، فرض کرو کہ اس کے بعد بھی اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ جنت سے نکل جا، تو مین کیا کرونگا، وہ کیا بول سکتا ہون"

کیا اس کے بعد بھی ان بزرگون کے اظہار واقعہ کو کوئی دعوی پر محمول کر سکتا ہے، باقی یہ امر کہ ان کو دیکھنے والا جنت کا کیون مستحق ہو جاتا ہے، سید علامہ نے اسکی خود ہی توجیہ کی ہے، فرماتے ہین:۔

"آپ کا یہ فرمانا کہ مین جنت کا ضامن ہون"

اس کا مطلب یہ ہے، مین اس بات کا ذمہ دار ہون کہ ایسے شخص کی موت اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اگر موسیٰ کو دیکھکر ساحرون مین انقلاب پیدا ہو سکتا ہے، اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اقدس عمر کو فاروق اعظم بنا سکتی ہے، تو حضورؐ کے اتباع وخدام کی جنبش نگاہ پڑی، ان مین کوئی ایسا ایمانی انقلاب پیدا ہو جائے کہ اس کے بعد ان سے اہل جنت کے افعال صادر ہون تو اس پر لوگون کو تعجب کیون ہے

"خلوتیہ" کے تحت مین، شعبان آفندی قسطمونی کا یہ عجیب واقعہ سید علامہ نے نقل کیا ہے کہ:۔

"انھون نے جنون کے رئیس سے یہ عہد لیا، کہ ان کے طریقہ والون مین کسی کو جن اذیت نہ پہنچائین اور ایسی کوئی کشتی ڈوبنی نہ جائے جس مین ان کے طریقہ کا کوئی آدمی سوار ہو، اور ان کے سلسلہ کے کسی آدمی پر قرض کا بوجھ نہ رہے، اور خلافت محمدیہ کا خاتمہ ایسے شخص پر ہو، جو آپ کے طریقہ مین داخل ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنون کی بیعت لی، اور ان سے بعض معاہدات کئے، پس اتباع نبوی کا یہ کیا عجیب ثمرہ ہے، کہ انسان کامل ہو جاتا ہے، اور جو کامل ہوتا ہے نہ صرف نباتات

حیوانات بلکہ جن تک اس کے زیر فرمان ہوجاتے ہین،اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگون کے سلسلہ مین داخل ہونے کے بعد انسان کن دینی و دنیوی سعادتون سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے، کیا معلوم کہ خدا کے کس دوست نے اپنے دوستون سے کیا کیا وعدے کئے ہین،

۱۵- لفظ "قادریہ" کے تحت مین طریقہ قادریہ کی اس نماز کا بھی ذکر کیا ہے جو عام طور پر اس سلسلہ کے حضرات پڑھتے ہین اور محدث علامہ نے اس پر کوئی تنقید نہین کی ہے، دیکھنے والون کو دیکھنا چاہئے،

۱۶- طریقہ سیدی ابو یعقوب کے ذیل مین سید علامہ نے قرآن سے خواب کی تعبیر نکالنے کا ایک عجیب کلیہ درج کیا ہے، جو قابل دید ہے، لوگون کو اس کا تجربہ کرنا چاہیئے،

۱۷- حسین بن منصور کا ذکر بھی اس کتاب مین ہے اور ان کے نام سے ایک خاص طریقہ "حلاجیہ" منسوب ہے، سید علامہ نے لکھا ہے کہ:-

"خطیب بغدادی نے حسین کا وسیع تذکرہ کیا ہے"

آج خطیب کی کتاب ناپید ہے، ورنہ دیکھا جاتا کہ بغداد کے اس خطیب نے بغداد کے اس بدنام صوفی کا کیا حال لکھا ہے، ان لوگون کو جو حسین منصور سے بہت برہم ہین خطیب کی تاریخ تلاش کرنی چاہیئے، غالباً ان کو اپنے خیال مین ترمیم کرنی پڑے گی ورنہ اس سے پیشتر اگر حسن ظن سے کام لیا جاتا تو کیا یہ بہتر نہ تھا،

۱۸- اس کتاب مین اور بھی بعض نادر اور عجیب باتین ہین، مثلاً ابو سالم ابراہیم بن احمد زوادی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ایک سو چھتیس سال لکھی ہے، اسی طرح لفظ وفائیہ کے تحت مین حضرت محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھتے ہوئے سید علامہ نے لکھا ہے،

"آپ امی تھے لیکن ادبائے قوم مین آپ بحیثیت زباندانی کے بہت ممتاز تھے، آپ نے سات یا دس سال کی عمر مین بہت سی تالیفین کین:"

الغرض یہ کتاب اگرچہ بظاہر اسمائے اولیاء اللہ کی ایک اجمالی فہرست ہے، لیکن بیچ بیچ میں ایسے عجیب و غریب معلومات، مفید بیانات درج ہیں جو بہت سی کتابوں کے پڑھنے سے بھی میسر نہیں آ سکتے، سید علامہ نے اگرچہ التزام نہیں کیا ہے، تاہم بعض اہم طریقوں کے ذکر میں اس طریقہ کے اصول، فوائد، دستور العمل کو نہایت جامع لفظوں میں لکھ جاتے ہیں، مشہور اکابر اولیاء اللہ کے سنین وفات، مقام وفات، زندگی کے کسی اہم واقعہ کا بھی ضرور ذکر کرتے ہیں، آخر میں خاتمہ لکھا ہے، جو سلسلۂ فقر و سلوک کی جان ہے، اور اگر انسان اسی کو اپنا دستور العمل بنائے تو وہ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

تصور شیخ پر سید علامہ کو بہت اصرار ہے، اور خاتمہ میں اس مسئلہ پر خاص طور سے زور دیا ہے،

۱۹۱ ۔ طریقۂ ہمدانیہ کے ذیل میں سید علامہ نے لکھا ہے، کہ اس طریقہ کے بانی سید علی ہمدانی کشمیری اپنے مریدوں سے خاص خاص اوراد کا صبح و عصر میں ذکر بالجہر کراتے تھے، شیخ الحدیث فی الدیار الہندیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند استاذنا مولانا انور شاہ صاحب کشمیری سے میں نے یہ سنا ہے کہ اس طریقہ سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جنھوں نے اسکو بدعت کہا ہے غلطی پر ہیں،

نیازمند نے ہندوستانی مسلمانوں کے نفع کے لیے، قطب العصر والزمان، سید السادات بقیۃ الکرام البررہ غوث الانام البدر التمام سیدنا و سندنا مولانا الامام سید حبیب العیدروس الحسینی الترمی الحضرمی نزیل حیدرآباد دکن، متعنا اللہ والمسلمین بطول بقائہ کے اشارہ قدسیہ سے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، اور میری محنت کا اگرچہ یہ کافی صلہ ہے، کہ سید امام کے فرمان کی تعمیل ہوگئی، تاہم جن لوگوں کو اس کتاب سے نفع پہنچے، ان سے توقع ہے، کہ اس عاصی و سیاہ کار کی مغفرت کی دعا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کے طفیل میں جنکے اسمائے گرامی کے لکھنے سے اس ترجمہ میں بندۂ عاجز سعادت اندوز ہوا ہے، مجھ پر رحم فرمائے، توفیق خیر عنایت فرمائے، اور میرا حشر ان ہی ابرار و اتقیاء کے ادنیٰ خدام میں کرے، ربنا اغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیأتنا وتوفنا مع الابرار،

نفسیات شناخت

از

پروفیسر مقصد ولی الرحمن صاحب ایم اے معلم نفسیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کسی محفل، یا مجلس مین داخل ہونے کے بعد حاضرین پر ایک متجسس نگاہ ڈالنا افراد انسانی کا خاصہ یا کم از کم ان کی عادت ہے، منجملہ اور غایات کے اسکی ایک غایت یہ ہوا کرتی ہے کہ کوئی ایسا فرد یا افراد معلوم کئے جائین جنسے واقفیت ہے، فرض کیجئے، کہ ہم اسی طرح کسی محفل مین داخل ہوتے ہین اور خواہ مخواہ یا لاچار ہوکر تمام حاضرین کی شکلون کا جائزہ لینے کے لیے ان پر نگاہ دوڑاتے ہین، شروع مین جسطرف ہماری نگاہ جاتی ہے، سوائے ناواقفون کے اور کوئی نظر نہین آتا، ہم کو ایک طرح کی مایوسی ہوتی ہے۔ ان کی شکلین ہمارے لیے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہین رکھتین، اور ہم بہت دیر تک ان کی طرف توجہ بھی نہین کرتے، لیکن اسی تلاش مین دور ایک کونے مین ہماری نگاہ ایک شخص پر جاکر پڑتی ہے، جو ہمارا واقف ہے، اس کی شکل دیکھتے ہی ہم اس کو شناخت کر لیتے ہین، اس کے ساتھ ہی ہماری شعوری حالت مین ایک تغیر واقع ہوتا ہے، ہم کوشش کر کے اس کے پاس جاکر بیٹھ جاتے ہین، اور باتین کرنا شروع کرتے ہین، اس تمام حالت پر غور کیا جائے تو سوال ہوتا ہے، کہ اس "شناخت" کے وقت ہمارے شعور کی کیا حالت تھی؟ دوسرے الفاظ مین یہ کہ شناخت کے عمل مین کون کون سے شعوری اعمال شامل تھے؟

اگر ہم اس وقت کی حالت کو چشم تصور کے سامنے لائین، تو ہم نہایت آسانی سے شناخت کے شعوری اعمال معلوم کر سکتے ہین، سب سے پہلے تو یہ کہ ہم اس محفل مین داخل ہوکر حاضرین کی شکلون کو بغور دیکھتے ہین، پہلے پہلے ہماری نگاہ ان اشخاص پر پڑتی ہے، جنکو ہم ناواقف کہتے ہین، محض اس ناواقفیت کی وجہ سے انکی شکلین ہم پر کوئی خاص اثر نہین کرتین، ان کے وجود و عدم کو ہم برابر سمجھتے ہین، ان کی طرف ہم بالکل اعتنا نہین کرتے، لیکن اسی تجسس مین ہماری نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑتی ہے جو ہمارا واقف ہے،

اس کو دیکھتے ہی ہمارے شعور میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، اس کو دیکھنے سے قبل جو سلسلۂ خیالات ذہن میں تھا وہ یک بیک بدل جاتا ہے مختلف باتیں ہمارے ذہن میں ہجوم کرتی ہیں، اسکو دیکھتے ہی پچھلی زندگی کا ایک خاص وقت اور خاص سمان ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کوئی گم شدہ چیز پالی، یہ ظاہر ہے، کہ اس شخص کے "بصری ادراک" کے بعد ان تمام خیالات و کوائف کا احیاء تلازم کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص مثال میں "شناختی شعور" کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک شخص کے "بصری ارتسام" کے ساتھ خیالات و افکار کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ اسی کو اصطلاحی زبان میں یوں کہنا چاہئے کہ شناخت کی وجہ سے ایک بہت پیچیدہ یک وقتی تلازم صورت پذیر ہو،

لیکن جس وقت یہ تلازم تشکل پذیر ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت ہمارے ذہن میں ایک اور تغیر واقع ہوتا ہے جب ہم اس محفل میں داخل ہوئے تھے اس وقت ہم حالت "بے ہنگی" میں تھے، کوئی خاص خیال ہمارے ذہن میں نہ تھا، اس وقت کی کیفیت حسی بھی خوشگوار تھی، نہ ناگوار، اس واقف شخص کی شکل دیکھتے ہی ایک خاص قسم کا سکون یا اطمینان یا تسکین محسوس کرتے ہیں، اور یہ حالت ایک حد تک خوشگوار ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں ہماری حالت بے ہنگی مبدل بہ خوشگواری ہو جاتی ہے، ہم اس حالت خوشگواری کی مزید تشریح نہیں کر سکتے ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم اس واقف شخص کو دیکھتے ہیں، تو ہم کو بے تکلفی کا سا احساس ہوتا ہے، ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ ہم اور یہ دونوں کبھی وقت ساتھ تھے، اس حالت میں صرف خوشگوار تاثر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف عضوی احساسات کا ایک مجموعہ بھی ہوتا ہے، جو جسم کی حالت سکون و آرام کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خوشگوار کیفیت "شناختی شعور" کی دوسری خصوصیت ہے،

اب ان تمام مذکورۂ بالا نتائج کو یکجا کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شناخت کی نفسی کیفیت تین اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے:۔

(۱) ارتسام (۲) وہ خیالات و افکار جنکا اس ارتسام کی وجہ سے احیاء ہوتا ہے، اور (۳) بے تکلفی کے

احساس کی جذبی کیفیت۔ ان تینون کے ملنے سے شناخت پیدا ہوتی ہے،

ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک خاص کو دیکھکر ہمارے ذہن مین مخصوص خیالات کا تلاطم ہوتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان خیالات کے احیا کی علت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے کچھ دشوار نہین ہم کو معلوم ہے کہ اگر دو یا زائد واقعات (اشیار، یا خیالات) ایک ہی وقت ہمارے تجربے مین آتے ہین، تو ان مین باہم اس قسم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ بعد مین کسی وقت ان مین سے ایک کے پیدا ہونے سے باقیون کا بھی احیا ہو جاتا ہے، اس تعلق کو نفسیات کی زبان مین تلازم کہتے ہین، ہم دو آدمیون کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دیکھتے ہین اگر کسی وقت ان مین سے ایک ہمارے سامنے آئے تو ہم کو فوراً دوسرے کا خیال آجاتا ہے، اس دوسرے شخص کے خیال کا ذہن مین پیدا ہونا نتیجہ ہوتا ہے اس تلازم کا جو ان دونون مین ہمارے لیے پہلے قائم ہو چکا ہے، بعینہ یہی صورت شناخت مین ہوتی ہے، ایک خاص کا بصری ارتسام اور مختلف واقعات اور باتین ایک ساتھ ہمارے تجربے مین آتے ہین، لہذا ان مین بھی تلازم قائم ہو جانا یقینی ہے، اور اس تلازم کی وجہ سے جب کبھی اس شخص کا بصری ارتسام پیدا ہوتا ہے، یا عام الفاظ مین یون کہیے کہ جب ہم اسکو دیکھتے ہین، تو معاً وہ تمام واقعات یاد آجاتے ہین جو اس کے متعلق ہین، ان خیالات و واقعات کے احیار کی بدولت ہم اپنے تمام ذہنی تجربے مین اس وقت کے بصری ارتسام کے خاص مقام کی تعیین کر سکتے ہین، اس لحاظ سے ہم ان تمام خیالات کو استعارۃً "مقامی[1] علامت" کہہ سکتے ہین، پہلے ہمنے یہ بھی کہا ہے کہ ہر شناخت کے ساتھ "بے تکلفی" کی سی کیفیت

---

[1] اگر ہم اپنی آنکھین بند کر لین اور کوئی شخص ہمارے ہاتھ کے دو مختلف مقامات پر کوئی چیز، مثلاً انگلی رکھے، تو ہم کو دو مختلف احساسات لمس کے حاصل ہوتے ہین، اور باوجود اس کے کہ ہماری آنکھین بند ہین، ہم ان کے صحیح مقام کو معلوم کر لیتے ہین، یعنی یہ کہ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دونون احساسات مختلف مقامات پر پیدا ہو رہے ہین، ان کے مختلف مقامات کو صرف اس طرح معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ دونون احساسات کسی لحاظ سے مختلف ہون، مقامات کا یہ فرق اس وقت بھی معلوم ہو جاتا ہے جب ان دونون مین بلحاظ شدت، امتدادیت، یا بقا کے کوئی فرق نہین ہوتا یعنی یہ کہ اس حالت مین بھی ان مین کوئی ایسا فرق ہوتا ہے جسکو ہم محسوس تو کر لیتے ہین لیکن بیان نہین کر سکتے، اسی ناقابل بیان فرق کو پروفیسر لوٹزے نے مقامی علامت کہا ہے،

ہوتی ہے، یہ بے تکلفی کی کیفیت اور یہ مقامی علامت، دونوں ملکر مانوسیت کا احساس پیدا کرتے ہیں، یہی مانوسیت کا احساس شناخت کی گویا جان ہے، بعض مصنفین تو شناخت اور مانوسیت کے احساس کو ہم معنی سمجھتے ہیں، لیکن یہ خیال غلط ہے،

اس تمام بحث کو جدید الفاظ مین اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:- ہم ایک خاص وقت مین ایک خاص شخص کو دیکھتے ہین اور اس وقت اس کے ماحول کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتے ہین، مثلاً اگر یہ شخص ہمارا ماتحت بننے والا ہے، تو ہم اس سے اس طرح پیش آتے ہین جیسے کہ ایک افسر ایک ماتحت سے پیش آتا ہے، اگر یہ شخص ہمارا افسر بننے والا ہے، تو ہمارا رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے، اگر یہ ہمارا ہم رتبہ و ہمسر بننے والا ہے تو ہمارا سلوک جداگانہ ہوتا ہے، مختصر یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھکر اس قسم کی وضع و حالت اختیار کرتے ہین جو اس شخص کے حسب حال ہے، دوسرے الفاظ مین اگر ہم اس کو مہیج کہین، تو ہمارا یہ تمام سلوک ورد یہ اس مہیج کا جواب ہے، لیکن ذرا ہی غور کرنے سے روشن ہو جاتا ہے، کہ صرف وہ شخص اس جواب کا مہیج نہین بلکہ اصلی مہیج وہ ماحول ہے جسمین وہ شخص پایا جاتا ہے، اگر بہت رعایت کیجائے، تو کہا جا سکتا ہے، کہ وہ شخص مع اپنے ماحول کے اصلی مہیج ہے، اگر اس ماحول کو نظر انداز کر دیا جائے، تو اختلاف جوابات قابل توجیہ رہ جاتا ہے، اب ہم اسی شخص کو بعد مین کہین اور دیکھتے ہین اس وقت بھی ہمارا سلوک اس کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو پہلے موقع پر تھا، لیکن اس مساوات سلوک کے لیے لازمی ہے، کہ ہم اس شخص کی شناخت کر لین، کہ یہ پہلے کبھی ہم سے مل چکا ہے، یا بالعکس یون کہیے کہ اس شخص کو شناخت کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ اس کو دیکھکر ہماری طرف سے بعینہ ویسا ہی جواب ہو، جیسا کہ پہلے موقع پر ہوا تھا؛ اس شخص کو دیکھکر جو جواب پہلی ملاقات مین ہم نے دیا تھا، اس مین اور اس دوسری ملاقات مین اس کے جواب مین فرق صرف اس قدر ہوتا ہے، کہ پہلے موقع پر مانوسیت کا احساس نہین ہوتا، اور دوسرے موقع پر یہ احساس شامل ہو جاتا ہے،

اس تمام حالت پر ایک دفعہ اور غائر نظر ڈالیے، ہم نے کہا ہے کہ بعد مین ہم اس شخص کو دیکھتے ہیں، اور

اس کے ساتھ بعینہٖ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں، جیسا کہ گذشتہ موقعہ پر کیا تھا، ہم نے اس کو وہی شخص کہا ہے، لیکن یہ بات ہر ایک پر روشن ہے کہ اب یہ وہی شخص نہیں رہا، اس میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کا ماحول ہی مختلف ہے، ہم پہلے یہ بھی کہہ چکے ہیں، کہ ہمارا اس کے ساتھ ایک خاص سلوک نتیجہ تھا اس ماحول کا جس میں ہم نے اس کو پایا، لیکن طرفہ تماشا یہ کہ باوصف اس کے کہ اس کا ماحول مختلف ہے، ہمارے سلوک میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا، یعنی یہ کہ جب ہم اس شخص کی شناخت کر لیتے ہیں تو اختلافِ ماحول کے ساتھ مساوات سلوک باقی رہتا ہے، یا یوں کہیے کہ سب سے پہلے موقعہ پر تو یہ نتیجہ تھا اس شخص اور اس کے ماحول کا، لیکن اب صرف وہ شخص اسی جواب کا باعث ہو رہا ہے، جواب چونکہ بالضرورت ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور اس دوسرے موقعہ پر جواب میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، لہذا ہم تیقن کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ہم اس شخص کے غیر موجود اصلی ماحول کا جواب دیتے ہیں، اس غیر موجود ماحول کے جواب دینے کا ایک قسم کا تکلیف دہ اور بے آرام کن احساس ہی گویا مانوسیت کا احساس ہے، ہمارے اس بیان کی تصدیق ان حالات سے ہوتی ہے، جن میں ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور معاً ہمارے دل میں اسکی طرف سے برا خیال پیدا ہوتا ہے، اس برے خیال کی توجیہہ اس کے موجودہ افعال و اقوال سے نہیں ہو سکتی ہمارے دل میں ایک کرید لگ جاتی ہے، جو بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، یعنی یہ کہ ہم میں ایک ایسے ماحول کا جواب دینے کا تکلیف دہ احساس پیدا ہوتا ہے جو موجود نہیں، ہماری یہ بے چینی اور بے اطمینانی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ ہم اس کے ماحول میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر لیتے جو اس برے خیال کا باعث ہوا ہے، ظاہر ہے، کہ اس قسم کے حالات میں ہماری تمام بے چینی نتیجہ ہوتی ہے اس بات کا کہ ہم اس شخص کے اصلی گذشتہ ماحول کا احیا نہیں کر سکتے جب کسی طریق سے اس ماحول کا احیا کر لیتے ہیں تو یہ تمام بے چینی بھی رفو چکر ہو جاتی ہے، شناخت کی ہر صورت میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتا ہے، یا ہم کو یاد پڑتا ہے کہ وہ ڈاک خانہ میں کلرک ہے، اس خیال کے آتے ہی ہم اس سے ایسا سلوک کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو کلرکوں کے حسب حال

۔۔ شایان شان ہے، حالانکہ اس وقت وہ ذائقہ ذہن میں موجود نہیں یعنی یہ کہ اس وقت اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ وہ کلرک ہے، یہاں بھی ہم دراصل ایک غیر موجود ماحول کا جواب دے رہے ہیں،

مندرجہ بالا تقریر سے یہ واضح ہو جانا چاہئے کہ مانوسیت کا احساس شناخت کی جان ہے، اور یہ کہ یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ چیز جسکی ہم شناخت کر رہے ہیں، اپنے اصلی ماحول میں نہیں بلکہ مختلف ماحول میں ہو، اگر ہم ایک چیز کو ہمیشہ ایک ہی ماحول میں دیکھتے ہیں تو چونکہ اصلی ماحول غیر موجود نہیں ہوتا، اسلئے مانوسیت کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور جب مانوسیت کا احساس نہیں تو گویا بالکل شناخت کی جڑ کٹ گئی، لہذا شناخت غائب!! متقدمین کی زبان میں یوں کہیے کہ اس چیز کو دیکھنے سے ہماری ذہن میں خیالات کا احیاء نہیں ہوتا اور اس بصری ارتسام کی وجہ سے کوئی یک وقتی تلازم قائم نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ہی شناخت کی وہ مخصوص کیفیت جذبی بھی غائب ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ "مقامی علامت" اور اس کے ساتھ "بے تکلفی" کا احساس غائب ہو جاتا ہے، اور یہی دونوں اجزاء ہوتے ہیں مانوسیت کے احساس کے، گویا ان کے غائب ہونے سے مانوسیت کا احساس ناپید ہو جاتا ہے، اور مانوسیت کے احساس کے ناپید ہو جانے سے شناخت مردہ ہو جاتی ہم اپنے لکھنے پڑھنے کی میز اور اپنی کسی مانوس چیز کی شناخت نہیں کرتے، کسی غیر شخص کو اپنے گھر میں دیکھتے ہیں تو شناخت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہمارے ماں باپ، بھائی بہن، خود اپنے گھر میں اس قسم کی شناخت کے محتاج نہیں ہوتے، ہمارے تمام مملوکات، جب تک ہمارے قبضہ میں ہیں، اس وقت ہم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے لیکن ان میں سے کوئی چیز اگر غیر کے پاس ہو تو ہم پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تو میری ہے!" ابتداءً جب ہم ان سے بہت زیادہ مانوس نہ تھے، تب شناخت حقیقت نفس الامری تھی لیکن جب مانوسیت حد سے متجاوز ہو گئی، اور اس کا خاتمہ ہو گیا اور ساتھ ہی شناخت بھی رخصت ہوئی اب ان اشیاء سے ہمارا علم "بے شناخت" ہو جاتا ہے،

مانوسیت کا اس طرح غائب ہو جانا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن عالم مادی اور عالم روحانی

عادات جسم اور کیفیات نفس حیات جسمانی اور حیات ذہنی دونون مین مغائرت اگرچہ عداوت کے درجہ تک پہنچ چکی ہے، تاہم ایک قانون ایسا ہے، جو ان دونون مین نافذ ہے نفسیات کی زبان مین اسے قانونِ عادت کہتے ہین، ایک کاغذ پر کسی جگہ کوئی شکن پڑجاتی ہے تو کاغذ بعد مین بھی اسی جگہ سے مڑنے اور تہ ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے، زمین پر اگر ایک دفعہ پانی گر جائے تو بعد مین بھی پانی وہی راستہ اختیار کرتا ہے، اگر ہم کو کہین چوٹ لگ جائے، تو بعد مین ہر چوٹ اسی خاص مقام پر لگتی ہے، یہ تمام عالم طبیعی مین قانونِ عادت کی کارفرمائی کی مثالین تھین، بعینہ یہی صورت عالم روحانی کی ہے، عاداتِ حرکات کے علاوہ عاداتِ فکر کا کون قائل نہین ہے، عاداتِ فکر بیشتر عقرب کی طرح، عادی ہوجاتی ہوتی ہین، جو بے موقع ذرا سے بہانے سے ہم کو کہین سے کہین لے جاتی ہین، تیتر کی آواز سنکر بینئے، حجام، قصائی اور صوفی مین سے ہر ایک کے دل مین مختلف خیالات کا پیدا ہونا عاداتِ فکر کی بہترین اور عام ترین مثال ہے، اس عالمگیر قانونِ عادت کو یون، ان الفاظ مین بیان کر سکتے ہین، کہ کسی حرکت کے اعادہ یا کسی نفسی کیفیت کی تکرار سے وہ حرکت، یا نفسی کیفیت سہل الحصول، مستقل اور صحیح تر ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ بعد مین اسکا احیا، آسانی اور درستی کے ساتھ ہو سکتا ہے، محض اعادہ و تکرار کی وجہ سے وہ گویا ہمارے اجسام کا جزو بن جاتی ہے، چنانچہ بعض فلاسفہ نے انسان کو "مجموعۂ عادات" کہا ہے، ان تمام خصوصیات کیساتھ عادت کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی ہے، کہ یہ غیر شعوری ہوتی ہے، بائیسکل کی سواری جس وقت ہم سیکھنا شروع کرتے ہین، اس وقت ہم کو اپنی حرکت کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے، لیکن سیکھ جانے، یا یون کہیے کہ عادت پڑ جانے کے بعد ہم کو اپنی کسی حرکت کا بھی علم نہین ہوتا، چلنے مین ٹانگون کی حرکات تمامتر عادی ہوتی ہین، بھلا غور تو کیجئے، کبھی ہم نے چلنے مین ان حرکات کو معلوم و محسوس کیا ہے؟ ذہنی اعمال مین کرن سا عمل ادراک کے مقابلے مین زیادہ شعوری ہو سکتا ہے، لیکن، بقول پروفیسر اینجل:-

"ہمارے بیان کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جن اشیا کا ادراک و استعمال، ضروریات کی وجہ سے ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، ان کا ہم کو شعور نہین ہوتا، ان کی وجہ سے ہمارے تمام روز مرہ اعمال

اصول عادت کے مطابق ہوتے ہین جس قلم کو ہم ہمیشہ استعمال کرتے ہین اسکی شکل و صورت ہم کو یاد نہین رہتی، لکھنے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم اس قلم کو دیکھتے ہین اور ہمارے ہاتھ کو حرکت ہوتی ہے اور ہم اس کو اٹھا لیتے ہین،" (ماخوذ از نفسیات صفحہ ۱۵۹-۱۷۰)

غرض یہ ہماری شناخت، اور اس کے ذہنی اجزا بھی اس قانون کی گرفت سے باہر نہین، جب شناخت ہمارے لیے عادی ہو جاتی ہے، یعنی جب ہم ایک چیز کی اکثر شناخت کرتے ہین، تو اصول عادت کے مطابق یہ غیر شعوری ہو جاتی ہے،

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس طرح شناخت کے ذہنی اجزا غائب ہو جاتے ہین، یہ دعوی ایسا ہی ہے، جیسے یہ کہنا کہ چلنے مین ٹانگون کی حرکات کا چونکہ ہم کو علم نہین ہوتا، اسلیے وہ حرکات ہوتی ہی نہین، شناخت مین بھی، چلنے کی حرکات کی طرح تمام ذہنی اجزا باقی رہتے ہین، لیکن ان کی طرف توجہ نہین کیجاتی، جو عضوی تغیرات اصلی شناخت مین شامل ہوتے ہین وہ بالکل غائب نہین ہو جاتے، وہ موجود رہتے ہین، لیکن بہ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف اور غیر واضح ہو جاتے ہین، دوسرے الفاظ مین ہین اشیا کا علم بے شناخت ہوتا ہے، مثلاً اپنے گھر مین اپنے بھائی بہنون کا علم، وہ علم واضح اور قوی شناختی کیفیت اور متلازم خیالات کے واسطے کے بغیر ہوتا ہے،

شناخت کی بہت سی مختلف صورتین ہوتی ہین، اسکی توضیح ایک مثال سے ہوگی ہم نے شروع ہی مین کہا ہے، کہ ہم محفل مین داخل ہوتے ہی ایک خاص شخص کو پہچان لیتے ہین، اسکو دیکھتے ہی ہمارے ذہن مین گذشتہ واقعات کے ایک حصہ کا احیا ہو جاتا ہے ہم کو تمام وہ باتین یاد آجاتی ہین، جو ہم نے اس سے کسی وقت کی تھین اور تمام وہ کام خیال مین آجاتے ہین جو ہم دونون نے ملکر کئے تھے یعنی یہ کہ ہم پوری طرح اسکی شناخت کر لیتے ہین، اس قسم کی شناخت معین کہلاتی ہے اسکے مقابلے مین ایک اور صورت شناخت کی یہ ہوتی ہے، کہ اسی محفل مین ہم کسی اور شخص کو دیکھین، اور ہم کو خیال آئے، کہ ہم نے اسکو کہین دیکھا ہے، کہان، کس موقع پر،

اور کن حالات مین اس کو دیکھا ہے ہم نہین بتا سکتے، اسکو معلوم کرنے کے لیے ہم کو باقاعدہ غور وفکر کرنا پڑتا ہے،
بہت ممکن ہے کہ بہت سوچنے کے بعد ہم کو یاد آجائے، کہ فلان مقام پر ہماری اسکی ملاقات ہوئی تھی، یہ بھی
بعید از امکان نہین کہ ہم باوجود کوشش اور غور وفکر کے، اپنی تلاش مین ناکام، اور یہ معلوم کرنے سے قاصر رہین کہ
ہم نے ان کہان ملے تھے، اس شخص کو بھی ہم نے پہچان لیا، لیکن صرف اس حد تک کہ ہم نے اسکو کہین دیکھا ہے،
شناخت کی اس صورت اور مقدم الذکر صورت کا مقابلہ کرنے سے ہم کو ان کے فرق کا علم ہو سکتا ہے، پہلی صورت
کی شناخت مکمل ہے، اپنے واقف شخص کے تمام گذشتہ حوال وکوائف کا کامل اور مکمل طور پر احیاء کر سکتے ہین
لیکن یہان دوسری صورت مین سوائے مانوسیت کے احساس کے ہمارے ذہن مین اور کچھ نہین، اس شخص کا
نام تو ایک طرف ہم کو یہ بھی یاد نہین آتا، کہ ہم کہان ملے تھے، دوسرے الفاظ مین یہ شناخت پہلی شناخت کے
مقابلے مین نامکمل اور غیر واضح ہے، اسی وجہ سے اس کو غیر معین کہتے ہین، اگر اسی حالت مین کسی طرح سے ہم کو اسکا نام
معلوم ہو جائے تو ہماری شناخت معین ہو جاتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ نام کی وجہ سے ہم اس کے گذشتہ
حالات کا پتہ لگالین،

شناخت کی تقسیم ہم نے اوپر کی ہے، اس کا اصول شناخت کی تکمیل ہے، اگر یہ مکمل ہے تو اس کو معین کہتے
ہین، اور اگر نامکمل ہے تو غیر معین، یا یون کہیے کہ کسی چیز کو دیکھنے سے جن خیالات کا احیاء ہوتا ہے، اگر وہ معین ہین
تو شناخت معین ہے، اور اگر یہ غیر معین ہین تو شناخت غیر معین، لیکن شناخت ایک اور اصول کے مطابق بھی تقسیم
کیجا سکتی ہے، اس دوسری تقسیم کا اصول وہ طریقہ ہے جس سے یہ شناخت پیدا ہوتی ہے، اس اصول پر اسکی
دو قسمین بنتی ہین، اول بلاواسطہ اور دوم بالواسطہ، اس کو بلاواسطہ اس وقت کہتے ہین، جب کسی چیز کو دیکھکر جو
خیالات ہمارے ذہن مین آتے ہین، وہ فوراً بغیر کسی واسطے کے پیدا ہون، اور شناختی کیفیت فوراً بلاتوقف ظاہر
ہو جائے، بالواسطہ یہ اس وقت ہوتی ہے، جب ان خیالات کے احیاء کے لیے ہم کو بعض اور متلازم خیالات کی ضرورت

ف۱ پروفیسر میگڈوگل نے ان کو علی الترتیب صریحی اور ضمنی شناخت کہا ہے (خاکہ نفسیات صفحہ ۳۰۴)

پڑتی ہے، محفل میں داخل ہوتے ہی ہم نے اپنے دوست کو دیکھا اور پہچان لیا، یہ بلا واسطہ شناخت ہے، اسلئے کہ اسکو دیکھتے ہی ہمارے دل میں خیالات کا ایک تلاطم ہوا، اور شناختی کیفیت پیدا ہو گئی، لیکن ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے، اور بڑے تپاک سے ملتا ہے، ہم متحیر ہو کر اس کا منہ تکتے ہیں، اور بعد معذرت کہتے ہیں کہ "میں نے آپکو پہچانا نہیں" وہ جواب دیتا ہے کہ "اسکول میں ایک شخص صفا آپ کا ہم جماعت تھا کیا آپ بھول گئے؟" ہم غور کرتے ہیں تو اس نام کا کوئی ہم جماعت یاد نہیں آتا، اس سے پھر کہتے ہیں کہ "حضرت معاف کیجئیگا میں نے اب بھی نہ پہچانا" وہ کہتا ہے "آپ رحیم بخش کو جانتے ہیں جو لاہور کے اسلامیہ اسکول کی میٹریکولیشن کلاس میں آپ کے پاس بیٹھا کرتا تھا، ایک دفعہ ہم دونوں ملکر راوی کی سیر کرنے گئے تھے، گرمیوں کے دن تھے، واپسی میں دھوپ کی تیزی سے بچنے کے لیے ایک گاؤں کے ناخواندہ مہمان ہوئے تھے، وغیرہ ذلک" یہ سنتے ہی ہم اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، بغل گیر ہوتے ہیں اور بیٹھ کر "عہد پیری شباب کی باتیں" کرکے دل خوش کرتے ہیں، اب وہ اجنبیت رفوچکر ہو جاتی ہے، اور "تکلف برطرف" ہم دونوں بے تکلف دوستوں کی طرح ملتے ہیں اور آئندہ ملاقات کے وعدوں پر صحبت ختم ہو جاتی ہے، اس مثال میں اس شخص کو دیکھکر پہلے تو ہم نے پہچانا ہی نہیں، لیکن بعد میں جب اس نے اپنے اور ہمارے تعلقات اور کچھ مشترک واقعات بیان کئے تو خیال آیا کہ واقعی ہم ہمجماعت تھے، یہ صورت بالواسطہ شناخت کی ہے، بعد میں شناختی کیفیت پیدا تو ہوئی، لیکن بعض متلازم واقعات وحالات کے واسطہ سے، اگر وہ شخص ان تمام واقعات کو نہ دہراتا، تو یہ شناخت کبھی پیدا نہ ہوتی، اور ہم اس شخص کو اجنبی اور ناواقف سمجھکر اسکی طرف ملتفت ہی نہ ہوتے، ان تمام کو سنتے ہی ان تمام خیالات کا احیاء ہو جاتا ہے، جس سے مانوسیت کا احساس اور شناختی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور شناخت اس طرح مکمل و معین ہو جاتی ہے

گلبرگہ شریف

اور

اوس کا نواح

از

جناب تمکین صاحب کاظمی، حیدر آباد دکن

(۲)

ہفت گنبد، یہ بلحاظ عمارت بعظمت شان دکن کی منتخب عمارات سے ہین، یہ ایک ہی سلسلہ مین سات گنبد آبادی شہر سے متصل ہین، مگر قلعہ سے ایک میل کا فاصلہ ہے، سب گنبدون کا چبوترہ ایک ہی تھا مگر بعد مین چبوترے کو کاٹ کر بیچ مین سے ایک راستہ شرقاً وغرباً بنا دیا گیا ہے، اسوقت دو جڑوان گنبد شمالی چبوترے پر اور پانچ جنوبی چبوترے پر واقع ہین، جنوبی چبوترہ طول مین شرقاً وغرباً ۶۰۰ فٹ اور عرض مین شمالاً جنوباً ۱۲۷ فٹ ہے، چونکہ یہ گنبد درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز کے تالاب کے مغربی کنارے پر واقع ہین، اس لیے چبوترہ تالاب کی طرف ۲۵ فٹ اور جانب غرب ۵ فٹ بلند ہے،

گنبد نمبر (۱) یہ گنبد جنوبی چبوترے پر مغربی جانب واقع ہے، اسکی دیوار کا طول ۶۰ فٹ اور دور ۲۴۰ فٹ ہے، چبوترے سے کلس تک ۶۰ فٹ بلند ہے، تین دروازے ہین، مغرب کی طرف کوئی دروازہ

نہین ہے اور دونون کتبہ ہی سے چھت پر اندر کلام اللہ کی سورتین اور نقش و نگار ہین اس مین پانچ مزار ہین یہ گنبد روح پرور آغا نے جا ہدشاہ کی قبر پر بنوایا ہے اور یہین خود روح پرور آغا اور زوجہ جا ہد شاہ بھی دفن ہین اور دو مردانہ مزار کن کے ہین معلوم نہو سکا۔ یہ گنبد ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء کے بعد تعمیر ہوا ہے،

گنبد (نمبر ۲) یہ گنبد پہلے گنبد کے مشرق مین واقع ہے اور عرض و طول بلندی وغیرہ مین پہلے گنبد کے مساوی ہے اندر ایک قبر محمد سنجر بن داؤد شاہ کی ہے جسے روح پرور آغا نے تیرہ سال کی عمر مین کھول کر کے قتل کرایا،

گنبد نمبر (۳) یہ گنبد دوسرے گنبد کے مشرقی دروازے سے ملا ہوا ہے اور بالکل دوسرے اور پہلے گنبد کی وضع قطع کا ہے اس مین داؤد شاہ جسے روح پرور آغا نے غرۂ محرم ۷۸۰ھ ۱۳۷۸ء کو جامع مسجد شاہ بازار مین قتل کرایا دفن ہے اور اُس کی تین بیویان بھی،

گنبد نمبر (۴) یہ گنبد تیسرے گنبد سے ۱۴۳ فٹ کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے یہ جڑوان گنبد مین یعنی نمبر ۴ اور ۵ ملے ہوے ہین، دونون گنبد بہترین ساخت کے ہین ان کا طول اور عرض ۷۰ فیٹ ہے بلندی بھی ۷۵ فٹ ہی ہے اُن کی بیرونی دیوارون پر پانچ پانچ عظیم الشان محرابین بنی ہوئی ہین، شمالی اور جنوبی رُخ پر بیچ کی محرابون مین دروازے ہین ان کے اوپر چوطرفہ اور پانچ پانچ محراب ہین جن سے رفعت دوبالا ہوگئی ہے بالائی گنبدون پر خوبصورت جنگلے اور چھوٹی بُرجیان ہین، اسکے وسط مین سلطان فیروز شاہ بہمنی المتوفی ۸۲۵ھ دفن ہے یہ گنبد اُس نے اپنی زندگی ہی مین بنوایا تھا۔ یہ بالکل سادہ اور بغایت خوشنما ہے،

گنبد نمبر (۵) اس گنبد مین نقش و نگار ہین اندر چارون طرف تین تین محراب ہین اور اُن مین سنگین جالیان ہین جو پتھر ہی مین کھود دی گئی ہین، محرابون کے اوپر ایک فٹ چوڑی بیل پتھر مین تراشی گئی ہے اس مین آیۃ الکرسی نقل ہو اللہ سورۂ اخلاص وغیرہ منقوش ہین گنبد مین کوئی قبر نہین ہے ممکن ہے کہ مزارات جن

مگر تعوید مین نکال دی گئی ہین،

گنبد نمبر (۶) شمالی چبوترے پر واقع (۶۰) مربع اور اسی قدر بلند ہے، اندر سنگ سیلو کا فرش ہے چند سال قبل مین مزار شکستہ نظر آتے تھے، مگر اب اُن کے تعویذ بھی غائب ہین،

گنبد نمبر (۷) گنبد سابقہ سے (۱۸) فٹ کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے، سابقہ گنبد کے برابر عریض وطویل ہے، اسمین سلطان غیاث الدین بہمنی کا مزار ہے،

یہ سات گنبد وہ ہین جو چبوترے پر واقع ہین، نیچے اور دو گنبد ہین، ایک گنبد (گنبد نمبر (۵) کے جنوبی دروازے کے محاذی ہے، یہ ۴۰ فٹ مربع اور اتنا ہی اونچا گنبد ہے، اس مین بھی تین مزار ہین، دوسرا گنبد جنوبی چبوترے کے نیچے تالاب کے کنارے گنبد نمبر (۵) کے مشرقی جانب پچاس فٹ پست کرو واقع ہے، جو سابقہ گنبد کے عرض و طول کا ہے اور اسمین دو مزار زنانہ ہین،

چور گنبد۔ یہ گنبد عیدگاہ قدیم کے شمال مغرب مین ایک اونچے ٹیلہ پر واقع ہے جو بہت دو سے نظر آتا ہے، اسکے چارون طرف سنگین فرش دور تک پھیلا ہوا ہے، گلبرگہ کے موجودہ گنبدون مین بہترین گنبد ہے، اوپر جانے کے لیے اندر سے دو طرفہ سیڑھیان بنی ہوئی ہین اور ایک چور راستہ بھی ہے جو پھر کر سیڑھیون پر نکلتا ہے، اس مین ذرا اندھیرا رہتا ہے، کہا جاتا ہے کہ قلعہ سے اس مین چور راستہ تھا، اس لیے چور گنبد مشہور ہوا، بعض لوگ کہتے ہین کہ آبادی سے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اسمین چور رہا کرتے تھے، اس لیے چور گنبد نام مشہور ہوا، سنا گیا ہے کہ اس مین مزار تھے، جن کے تعویذ نکال دیے گئے، اوپر چڑھنے کے بعد دور دور کا منظر پیش نظر رہتا ہے، اندر سنگ سیلو کا فرش ہے، اسمین ایک صفت یہ بھی ہے کہ ہزار ہا قسم کے دستخط نام اور قطعات نظر آتے ہین جو زائرین کی جدت اور ادبیت کے گواہ ہین، چند سال قبل سررشتۂ آثار قدیمہ نے (سمہ ۱۳۳۵) کے صرف سے درست کرائی ہے،

گنبد سلطان علاء الدین حسن بہمنی۔ فرمان تالاب کے مغرب مین بانی خاندان بہمنیہ سلطان علاء الدین حسن کا

گنبد ہی جو ۳۴ فٹ مربع اور اتنا ہی بلند ہے اُسکے بھی تین دروازے ہین گنبد کی چھت مین کاشی کی اینٹین لگی ہوئی ہین چینی کے کام کے نشانات بھی موجود ہین اس مین تین مزار ہین علاء الدین کی قبر سنگ سیاہ کی نہایت ہی خوشنما ہے جسکے پہلو مین ملکہ جہان (المتوفیہ ۷۶۳ھ) آسودہ ہے تیسری نہ جانے کس کی ہے یہ مقبرہ محمد شاہ بہمنی نے بنوایا تھا،

گنبد سلطان محمد شاہ بہمنی، علاء الدین کے گنبد سے مغرب مین سو گز کے فاصلہ پر اسی وضع کا ایک بہترین گنبد ہے جو ایک مربع چبوترے پر (۰۰ فٹ مربع اور اسیقدر بلند ہے تین دروازے ہین چھت مین گلکاری اور رنگین کام کیا ہوا ہے اس مین محمد شاہ بہمنی (المتوفی ۷۷۶ھ) اور اسکے پہلو مین ملکہ جہان بادشاہ بیگم (دختر صدر اعظم ملک سیف الدین غوری) مدفون ہین تعویذ علحدہ کرنے مین پڑے ہوے ہین،

گنبد کے مغربی سمت ایک مسجد تھی اور سامنے قبرستان مگر اب نہ تو مسجد ہی کے آثار باقی ہین نہ قبرین ہی صحیح وسلامت ہین مٹی اور پتھر کے ڈھیر البتہ نظر آتے ہین ان دونون گنبد وانکے اطراف مین کاشت ہوتی ہے، علاء الدین نے کسان کی حیثیت سے ترقی کی اور مرکر بھی اسی جگہ دفن ہوا، جہان کسان ہی بارہ مہینے اسکے گنبد کا طواف کرتے ہین،

گنبد قلندر خان ۔ یہ رفیع الشان گنبد، بہمنی پورہ اور گورنمنٹ ہاؤس کے درمیان واقع ہے اس مین سید قلندر حسینی قلندر خان طرفدار گلبرگہ اور اُن کے قرابت دار مدفون ہین سامنے قبرستان ہے جسکو ایک چہار دیواری گھیرے ہوے ہے ان کا خاندان دکن مین ابتک ممتاز ہے جاگیردار ملکھیڑ انھین مین سے ہین گنبد بہت محفوظ حالت مین ہے اور انھین کے خاندان کی نگرانی مین ہے،

گنبد چاند سلطانہ، درگاہ حضرت بندہ نوازؒ کے جنوب مشرقی گوشہ مین علی عادل شاہ بیجاپوری کی بہادر بیوی چاند بی بی کا گنبد ہے اس کے مینار اور ستون سنگ خارا اور گچ سے بنائے گئے ہین تعمیری نقطۂ نظر سے یہ گنبد بہترین اور سب سے زیادہ عمدہ ہے،

گنبد شیدی عنبر، احاطہ درگاہ حضرت بندہ نواز کے باہر ایک گنبد شیدی عنبر کا بنا ہوا ہے، یہ گنبد شیدی عنبر نے مرتضیٰ نظام شاہ والیِ احمد نگر کے عہد میں جبکہ وہ مختارِ سلطنت تھے بنوایا تھا مگر یہ مدفن نہو سکا، خلد آباد میں مزار بنا، اس گنبد کے دروازہ پر ایک کتبہ بخط نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہے اور حاشیہ منقش ہے کتبہ

چہ خوش دیدہ گنبد بنا کرد عنبر

(۱۰۰۸ھ)

شیخ کا گنبد، محلہ شاہ بازار کے غربی جانب حضرت شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہ کا عالیشان گنبد ہے، یہ گنبد نہایت ہی خوبصورت ہے، روضہ کا عالیشان دروازہ قابل دید ہے جس کے طویل مینار بہت ہی خوبصورت ہیں، یہ مینار یوسف عادل شاہ والیِ بیجاپور نے بنوائے تھے،

خواجہ کا گنبد، محلہ روضۂ منورہ بزرگ میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا عالیشان گنبد ہے، یہ گنبد ان کے انتقال کے بعد ۸۲۵ھ سے بننے لگا اسکی تعمیر احمد شاہ بہمنی نے شروع کی اور علاء الدین بن احمد شاہ نے ختم کی صرف سات سال میں گنبد کی اندرونی استرکاری ختم ہوئی ہے، ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی استرکاری کرائی، محمد عادل شاہ نے ۱۰۵۵ھ میں انکے گنبد کا کلس نکالکر انکے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا دیا اور ان کے گنبد پر نیا کلس لگا دیا، افضل خان سپہ سالار بیجاپور نے پائین میں ایک بڑی کمان اور مسجد اور سرائے بنائی، شہنشاہ عالمگیر نے ۱۱۰۶ھ میں اندرون احاطہ درگاہ ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، گنبد کے بیچوں بیچ میں حضرت کا عظیم الشان طویل مزار ہے جسکے اطراف میں جالی لگی ہے، پیشانی پر یہ شعر کندہ ہیں ؎

نقرۂ این باب و جالی لطغرائے طلا شد بنا از شہ ید اللہ حسینی با نیاز

فیض ہم تاریخ باب آن ولی اللہ نوشت باب جنت ہست باب درگہ بندہ نوازؒ

کتبہ

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز بادشاہِ دین و دنیا تا ابد بندہ نوازؒ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المومنون لا یموتون بل ینقلبون من دار الفناء

بلی دار البقاء ومن جوار الشیطان الی جوار الرحمن ومن جوار الغرور

الی دار السرور ه

چاندی کے کٹہرے پر یہ کندہ ہے،

"والذین آمنوا وعملوا الصلحت فی روضات الجنات"

درگاہ شریف کے دروازے پر؛

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ فاطمۃ حسن حسین سبط رسول اللہ"

چوکھٹ پر نچلے حصہ میں کندہ ہے:-

محمد رسول اللہ ھو الذی ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ

وکفی باللہ شہیداً والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعاً

سجداً یبتغون من فضل اللہ ورضواناً،

حضرت خواجہ کے مزار کے داہنے جانب آپ کے فرزند سید شاہ اصغر حسینی اور بائیں جانب سید شاہ صفی اللہ حسینی مدفون ہیں،

گنبد اکبر حسینی، حضرت بندہ نواز کے گنبد کے محاذی ایک گنبد حضرت کے صاحبزادے سید شاہ محمد اکبر حسینی اور اُن کی بیوی کا ہے، اور ایک دو چھوٹے گنبد بھی ہیں جو قابلِ ذکر نہیں،

گنبد حضرت قبول اللہ حسینی حضرت خواجہ کے گنبد کے بازو دوسری چہار دیواری میں حضرت کے پوتے سید اصغر حسینی کے فرزند شاہ قبول اللہ حسینی کا عالیشان گنبد ہے، یہ گنبد حضرت خواجہ کے گنبد سے کسی قدر چھوٹا ہے گنبد کے اندر درگاہ کے چاندی کے کٹہرے پر نصر من اللہ وفتح قریب دہ غریب نواز ۱۲۸۶ھ کندہ ہے، یہ دونوں گنبد گلبرگہ سے بارہ چودہ میل کے فاصلے سے بھی نظر آتے ہیں، خاصکر حضرت خواجہ کا گنبد مبارک،

مرزا اسمٰعیل مخ، اسمٰعیل مخ وہ شخص ہے جس نے امیران صدہ کو لیکر محمد تغلق سے بغاوت کی اور دکن

میں اسلامی سلطنت کی بنا ڈالی، ۷۴۶ھ ۱۳۴۶ء میں دولت آباد میں نصیر الدین شاہ کے لقب سے سلطنت شروع کی، مگر حسن بہمنی کے تیور دیکھ کر چند ہی مہینوں کے بعد ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء میں حسن کو تخت نشین کرکے خود علحدہ ہوگیا، حسن بہمنی نے اس کو امیر الامرا اور سپہ سالار لشکر کیا، مگر ۷۴۹ھ ۱۳۴۸ء میں بالزام سازش قتل کرایا، اسمٰعیل مخ اور اسکی بیوی کا مزار علاء الدین حسن کے گنبد کے قریب فرمان تالاب کے بھنڈار پر واقع ہے، قبور صفا اور سنگ سیاہ کی ہیں،

مزار ملک سیف الدین غوری، سلطان حسن کے گنبد کے شرقی دروازے کے محاذی ایک پختہ چبوترے پر صدر اعظم ملک سیف الدین غوری کا مزار سنگین واقع ہے، ملک موصوف نے ایک سو سات سال کی عمر میں ۲۲ رجب ۷۹۹ھ ۱۳۹۶ء کو انتقال کیا،

مزار شاہ ضیاء الدین، سلطان محمد بہمنی کے گنبد کے مغرب میں ایک چبوترے پر شاہ ضیاء الدین قتال شہید اور اُن کی والدہ اور بھائی کے مزار ہیں، شاہ صاحب ۷۴۹ھ ۱۳۴۸ء میں بھدراسے بہیرن والی گلبرگہ شہید ہوے تھے،

مزار سلطان محمود شاہ بہمنی، شاہ صاحب کے چبوترے کے جنوب میں ایک چبوترے پر سلطان محمود بن سلطان حسن کا سیاہ سنگین مزار ہے جس نے ۷۹۹ھ ۱۳۹۶ء میں وفات پائی،

مزار صدر الشریعت، جامع مسجد شاہ بازار کے عقب میں ایک خانہ کی ویران مسجد کے شمالی گوشے میں ایک چبوترے پر صدر الشریف سمرقندی اور مولانا سید احمد غزنوی کے پختہ اور سنگین مزار ہیں، عہد حسن بہمنی میں مولانا سمرقندی صدر الصدور اور مولانا غزنوی مفتی تھے،

مزار فضل اللہ انجو، ہفت گنبد کے پاس چبوترے کے پیچھے دوسرے گنبد کے چبوترے پر سید فضل اللہ انجو شیرازی استاد فیروز شاہ وکیل سلطنت و نائب ملک اور اُن کے فرزند میر شمس الدین انجو کے مزار ہیں،

مزار سید شاہ حسام الدین، قلعہ کی شرقی خندق اور مجلس کے درمیان تالاب جگت کے کنارے پر حضرت سید شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ (م ۸۰۶ھ) کا مزار شریف ایک چوکھنڈی میں ہے جس کے

[illegible]

مزار حضرت سعد زنجانی، پُرانی عیدگاہ کے شمال مین ایک چبوترے پر حضرت شیخ سعد زنجانی (م ۴۲۹ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت انصاری، آصف گنج مین رنگین مسجد کے قریب حضرت شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری (م ۸۳۳ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت رکن الدین تولہ، گلبرگہ سے چار میل کے فاصلہ پر جانب مغرب ایک بلند پہاڑی پر انکا مزار واقع ہے، وہ مجذوب تھے، اور رکن الدین تولہ (م ۸۴۳ھ) نام گرامی تھا،

مزار لنگوٹ بند، کوتوال تالاب کے پاس حضرت شاہ بہاء الدین لنگوٹ بند کا مزار ہے جو پانچ گنبد پچیس کلس کے نام سے مشہور ہے، اسپر ایک مختصر سا گنبد بھی ہے،

مزار حضرت حافظ، شیخ ضیاء الدین قتال شہید کے چبوترے کے نیچے ایک سنگین حجرے مین ایک مزار چند آڑے ترچھے پتھرون کا ملاکر بنا یا گیا ہے جو حضرت مولانا حافظ کا مزار ہے،

مزار مولانا قدر، گلبرگہ سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شمال سلطان پور کے دروازے کے پاس حضرت مولانا حافظ کے بھائی مولانا قدر کا مزار ہے،

مزار اختیار الدین، محلہ شاہ بازار مین حضرت مولانا حافظ کے اور ایک بھائی مولانا اختیار الدین کا مزار ہے،

مزار کمال گریان، سلطان پور کے پاس ان کا مزار ہے، چونکہ ہمیشہ روتے رہتے تھے، اس لیے گریان لقب مشہور ہوگیا،

مزار خونزہ سلطانہ، یہ سلطان محمود بہمنی کی صاحبزادی تھین بڑی عابدہ اور صالحہ تھین شمس العشاق عرف میران حسینی سے بیاہی گئین، گلبرگہ سے دو میل شمال کی جانب درختون کے جھنڈ مین انکی چوکھنڈی ہے

علم الاطراف

از

شمس العلماء خان بہادر ڈاکٹر ہدایت حسین صاحب پی ایچ ، ڈی ،

مولانا ہدایت حسین صاحب کا نام علمی دنیا مین محتاجِ تعارف نہین، خود ناظرین معارف اس تنقید سے جو بوہار لائبریری کی عربی کتابون کی فہرست کے سلسلہ مین شائع ہوئی تھی مولانا کے وسعتِ علم سے واقف ہو چکے ہونگے، اس وقت مولانا متعدد اہم فرائض انجام دے رہے ہین، ان مین مآثر رحیمی کی ترتیب اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے شعبۂ لسانیات کی نظامت بھی ہے، مندرجہ ذیل مضمون مولانا نے اسی سوسائٹی کے رسالہ مین شائع کیا تھا اور اس مضمون کی ایک خاص کاپی ہمارے پاس بھی روانہ کی تھی علم الاطراف پر آج تک کوئی مضمون اردو مین شائع نہین ہوا ہے اس لیے امید کہ یہ ترجمہ یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

"معارف"

مسلمانون نے احادیث کے جمع کرنے مین سخت کوشش کی ہے اور اس سلسلہ مین ان کو ... کی تلاش مین دور دراز ممالک کا سفر بھی کرنا پڑا ہے، کسی راوی کے بیان کو قبول کرنے سے پہلے اس کے زہد و اتقاء اور مذہبیت کی تحقیقات کیجاتی تھی، اور اگر اس کے اخلاق یا صداقت کے متعلق ذرا بھی شبہہ پیدا ہو جاتا تو اسے غیر مستند کہکر رد کر دیا جاتا، چنانچہ محدثینِ اسلام اسناد کا اس قدر خیال رکھتے کہ سلسلۂ رواۃ کی اگر ایک کڑی بھی مشتبہہ نظر آتی تھی تو پوری حدیث غیر مستند سمجھ کر رد کر دیجاتی، علامہ سبکی، طبقات الکبریٰ مین لکھتے ہین کہ سفیان الثوریؒ کا قول ہے

کہ "اسناد حدیث کا زیور ہے اور جو شخص اسکی طرف توجہ کرتا ہے خوش قسمت ہے" انہی کا قول ہے کہ "اسناد اسلام کا ہتھیار ہے" عبداللہ بن مبارک رح (المتوفی ۱۸۱ھ) کہتے ہیں کہ "علم الاسناد مذہب کا جز ہے" ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ "علمائے اولین علم الاسناد کو ضروری سمجھتے تھے اور ہر محدث کو اسناد یاد رکھنے پڑتے تھے" اسی علم کے ذریعہ ایک شخص کے تبحر کا امتحان لیا جاتا تھا،

امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) جو فن حدیث کے آفتاب ہیں، ایک مرتبہ بغداد تشریف لے گئے، وہاں کے محدثین نے امتحاناً ان سے متعدد احادیث کے متعلق سوال کیا اور اس سلسلہ میں انھوں نے سلسلۂ رواۃ کو بدل دیا، امام صاحب نے فوراً اس غلطی کو بتا کر صحیح سلسلۂ رواۃ بیان کر دیا، چنانچہ محدثین بغداد نے ان کو سب سے بڑا محدث تسلیم کر لیا، اسناد کے ذریعہ ایک حدیث کی صحت کے متعلق فیصلہ کیا جا سکتا ہے، تاہم ایک مستند کتاب میں کسی خاص حدیث اور اس کے اسناد کی تلاش ایک اہم و مشکل کام ہے، کتب احادیث میں احادیث کی ترتیب کسی اصول پر نہیں ہے، ایک حدیث جو ایک خاص باب میں موجود ہے، وہی حدیث دوسرے ایک متضاد باب میں بھی ہوتی ہے، بڑے بڑے محدثین کو بھی یہ مشکلات پیش آئی ہیں، حضرت امام مسلمؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) کی موت کا واقعہ اس دعوی کا بین ثبوت ہے،

کسی خاص باب کے ماتحت کسی خاص حدیث کی تلاش کی تکلیف سے بچنے کے لیے علماء نے علم الاطراف ایجاد کیا ہے، اس علم کے ذریعہ اگر ہم کو حدیث کا کوئی ٹکڑہ یاد ہے تو اس پوری حدیث کی جگہ ہی معلوم نہیں کر سکتے ہیں بلکہ یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ حدیث کن کن ابواب کے ماتحت لکھی گئی ہے، سب سے پہلے دو آدمیوں نے اسکی طرف توجہ کی،

۱۔ الحافظ ابو مسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی (المتوفی ۴۰۱ھ)

۲۔ الحافظ ابو محمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی (المتوفی ۴۰۱ھ) ان دونوں نے صرف صحیحین (مسلم و بخاری) کے اطراف مرتب کئے، اور ان کو اطراف الصحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،

حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ ترتیب وصحت کے لحاظ سے موخر الذکر بزرگ کی تصنیف بہتر ہے، اس موخر الذکر تصنیف کے دو نسخون کا جن ایک چار جلدون مین اور دوسرا تین جلدون مین ہے، قاہرہ کی فہرست کتب مین تذکرہ ہے، یہ دونوں نسخے نہایت قدیم ہین، ان مین سے ایک ۵۸۵ھ اور دوسرا ۶۳۹ھ کا ہے۔ حاجی خلیفہ نے دو اطراف کا اور ذکر کیا ہے جو اطراف الصحیحین ہی کے نام سے مشہور ہین، ان مین سے ایک کے مصنف الحافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) اور دوسرے کے الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) ہین،

ابو محمد خلف کی تصنیف کے بعد دوسری مستند کتب احادیث کے اطراف کی ضرورت محسوس کیگئی، چنانچہ الحافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی القیصری (المتوفی ۵۰۷ھ) نے امام مالک کی موطا کو چھوڑ کر کتب ستہ کے اطراف مرتب کئے، لیکن المقدسی کی کتاب مقبول نہ ہوئی، اسلئے کچھ زمانہ بعد الحافظ محمد بن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۶۵ھ) نے مقدسی کی کتاب کی دوبارہ ترتیب، ترمیم، و تصحیح کی، پھر بھی اسکو ہردلعزیزی حاصل نہ ہو سکی، چنانچہ الحافظ ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) نے صحیحین اور موطا کے علاوہ صحاح ستہ کی بقیہ چار کتابون کے اطراف مرتب کیے، انھون نے اپنی کتاب کا نام الاشراف علی معرفۃ الاطراف رکھا، پروفیسر بروکلیمن نے اپنی کتاب متعلق تاریخ ادبیات عرب مین اس کتاب کے نسخون کا تذکرہ کیا ہے، ایک قاہرہ مین ہے اور دوسرا قسطنطنیہ مین، قاہرہ کا نسخہ تین جلدون مین ۶۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے،

ابن عساکر کی پیروی کرتے ہوئے ایک اور مصنف عمر بن علی بن الملقن الانصاری (المتوفی ۸۰۴ھ) نے اسی قسم کی ایک الاشراف علی اطراف الکتب لکھی، حافظ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اسی کتاب مین اضافہ کرکے اس کا نام اطراف الاشراف باشراف الاطراف رکھا،

ابن عساکر کی تصنیف کچھ دنون تک اس موضوع پر مستند سمجھی جاتی تھی، اس کے بعد حافظ مزی (المتوفی ۷۴۲ھ) نے ایک ضخیم ومبسوط کتاب صحاح ستہ، ابو داؤد کی کتاب المراسیل، الترمذی کی

کتب الشمائل اور النسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلہ کے اطراف مین مرتب کی، یہ کتاب ابتک مستند ہے،
اس کا نام تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے، پروفیسر بروکلمین نے اس کتاب کے دو نسخون کا تذکرہ کیا ہے،
ایک برلن مین ہے جو نامکمل ہے، اور دوسرا الجزائر مین، بانکی پور کے کتب خانہ مین بھی اس کا ایک نسخہ
چار جلدون مین ہی، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مین بھی دو جلدون مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ مزّی نے یہ کتاب ۲۶ برسون کی محنت شاقہ مین لکھی ہے، اس کو ابتک
ہر دلعزیز اور کثیر الاستعمال ہونے کا فخر حاصل ہے، لیکن چونکہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اسلئے بعد کے دو مصنفین
نے اسکی تلخیص کی ہے، ان مین ایک حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) اور دوسرے حافظ محمد بن علی بن الحسن
الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۶۵ھ) ہین، ابن حجر العسقلانی نے مزّی کی کتاب پر مفید شرح اور حاشیے لکھے ہیں
ہین، اور ان احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے جنکو المزی نے چھوڑ دیا تھا، اس شرح کا نام النکت الظراف علی الاطراف
اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ مین ہے، بانکی پور کی فہرستِ کتب مین ہے کہ مزّی نے خود بہت سی
احادیث جمع کی تھین جنکو اس نے اپنی کتاب مین شامل کرنے کی بجائے لواحق الاطراف کے نام سے علحدہ
جمع کیا تھا،

ابن حجر العسقلانی نے بھی تین کتابین اس فن پر لکھی ہین، (۱) اتحاف المہرہ باطراف العشرہ، یہ
کتاب آٹھ جلدون مین ہے اور صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کے اطراف پر مشتمل ہے، (۲) اطراف المسند المعتلی
باطراف المسند الحنبلی، چونکہ مسند احمد بن محمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) مین السیوطی کے بیان کے مطابق چالیس
ہزار حدیثین ہین، اسلیے ابن حجر العسقلانی نے اس کے لیے علحدہ مستقل اطراف لکھا اور اس حصہ کو اپنی مذکورہ
بالا کتاب سے الگ کر دیا، (۳) اطراف المختارۃ المختارہ، الحافظ محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی (المتوفی
۶۴۳ھ) کی مشہور حدیث ہے، ابن حجر نے اس کے اطراف بھی لکھے،

اگرچہ ابن حجر نے تین ضخیم تصانیف اس فن پر لکھی تھین مگر پھر بھی ایک بہتر تصنیف کے لیے میدان

کھلا ہوا تھا، اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے عبد الغنی بن اسمعیل النابلسی (المتوفی ۱۱۴۳ھ) نے ایک کتاب لکھنا شروع کی، انھون نے اپنے پیشرون کی تصانیف کا مطالعہ کیا، ان کی بہتر ترتیب کی اور غیر ضروری حصص کو قطع کر دیا، انھون نے اس کتاب مین حروف تہجی کے اعتبار سے صرف اس اولین راوی کا نام دیا جو براہ راست رسول اللہ صلعم سے روایت کرتا ہے، راوی کا نام دیکر اس کے نیچے وہ تمام احادیث درج کر دین جو اس نے بیان کی ہین اور ان ابواب کا حوالہ بھی دیدیا جنمین وہ موجود ہین، اس کتاب کا نام ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی اماکن الاحادیث ہے،

یہ کتاب دو ضخیم جلدون مین ہے، پہلی جلد مین ۲۱۱ اوراق ہین اور دوسری مین ۲۲۵ اس کتاب مین النابلسی نے احادیث کی مندرجہ ذیل سات کتابون کے اطراف تحریر کئے ہین،

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ابی داؤد (۴) جامع ترمذی (۵) سنن نسائی (۶) ابن ماجہ (۷) موطا مالک، چونکہ محدثین مین چھٹی کتاب حدیث کے متعلق اختلاف ہے اس لئے مصنف نے دونون متنازع فیہ کتابون کو لے لیا ہے، بعض کا قول ہے کہ چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی اور بعض کی رائے ہے کہ موطا امام مالک، مصنف نے دونون کے اطراف لکھے ہین، اس نے ان تمام احادیث کے لیئے حروف واشارات بھی وضع کئے ہین، بخاری کے لیے خ، مسلم کے لئے م، داؤد کے لیے د، ترمذی کے لیے ت، نسائی کے لیے س، ابن ماجہ کے لیے ہ اور موطا کے لیے ط،

النابلسی نے اپنی کتاب کو ، بابون مین تقسیم کیا ہے، جنمین اصحاب رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک باعتبار حروف تہجی درج ہین، النابلسی نے اپنی اس کتاب کا ایک نسخہ خود اپنے ہاتھ سے لکھکر کتب خانہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو پیش کیا تھا، اسکی ایک نقل کراچی لائی گئی اور اس نسخہ سے میرے ایک دوست مولوی عبد اللہ (مقیم ہوڑہ) نے نقل لی،

النابلسی کی کتاب نے ان تمام مشکلات کو جنسے محدثین متقدمین کو دوچار ہونا پڑتا تھا،

ایک بڑی حد تک کم کر دیا ہے، لیکن چونکہ کسی حدیث کے نکالنے کے لیے اس کے اولین راوی کا نام جاننا ضروری ہے، اسلیے میرے خیال میں اس سے موجودہ حالات میں بہت کم استفادہ کیا جا سکتا ہے، ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ایک موجودہ مصنف نے دو کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں، مشہور مصنف کا نام محمد شریف بن مصطفی التوقادی ہے، ان کتابوں میں سے ایک بخاری کے متعلق ہے جو سنہ ۱۲۹۶ھ میں مصر میں شائع ہو چکی ہے، اور دوسری مسلم کے متعلق، یہ بھی مصر میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپ گئی ہے، اول الذکر تصنیف کا نام مفتاح صحیح البخاری اور موخر الذکر کا مفتاح صحیح مسلم ہے، اس نے ان کتابوں کو آخری مرتبہ سنہ ۱۳۱۲ھ میں مفتاح الصحیحین کے نام سے مرتب کیا اور سنہ ۱۳۱۳ھ میں قسطنطنیہ سے شائع کی، مفتاح صحیح البخاری کے ۱۹۲ صفحات ہیں اور مفتاح مسلم کے ۷۰۵، اس کتاب میں لائق مصنف نے بخاری کی تین مشہور شرحوں القسطلانی (مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۳ھ) العسقلانی (مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۱ھ) اور العینی (مطبوعہ سنہ ۱۳۰۹ھ قسطنطنیہ) اور مسلم کی ایک شرح النووی (مطبوعہ سنہ ۱۲۹۳ھ مصر) کے صفحات کے حوالے بھی دیئے ہیں، مصنف نے احادیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، داہنے جانب کے خانوں میں وہ بخاری اور اسکی شرحوں کی جلد و صفحہ کا حوالہ دیتا ہے، بیچ میں حدیث دیتا ہے، اور بائیں جانب ابواب اور ان کے عنوانات کے نمبر ہوتے ہیں، ہم بخاری اور مسلم دونوں کے مفتاح کا نمونہ ذیل میں درج کرتے ہیں،

هذا مفتاح صحیح البخاری

قسطلانی		عسقلانی		عینی		بخاری		الاحادیث النبویہ	نمبر ابواب	اسامی المباحث
ص	ج	ص	ج	ص	جلد	ص	ج			
۵۳۲	۶	۸۱	۸	۲۱۶	۸	۱۱۷	۵	ائتنا بالمفتاح	۷۹	کتاب المغازی
۴۲۸	۴	۱۷۶	۵	۲۹۲	۶	۱۲۸	۳	ائت المسجد فصل رکعتین	۲۱	کتاب الہبہ

هذا مفتاح صحیح مسلم

اسامی المباحث	الابواب	الاحادیث النبویہ	مسلم		نووی	
			ج	ص	ج	ص
کتاب الحج	۶۷	اُتنی بالمفتاح د اللہ ۱	۱	۳۷۶	۴	۱۱
المساجد	۷	اُتنی بہا این اللہ ۱	۱	۲۰۱	۳	۲۵۲

اس تصنیف مین ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ جن مطبوعہ نسخون کے حوالے دیئے گئے ہین وہ اگر موجود نہ بھی ہون تو بھی ایک شخص ابواب اور عنوانات کے ذریعہ اس سے اچھی طرح مستفید ہو سکتا ہے ۱

مجھے ڈاکٹر اے، ایس، صدیقی صاحب سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ صحاح ستہ اور مسند امام حنبل کی مفصل لفظی فہرستین، پروفیسر اے، جے، ونسنک (جامعہ لیڈن) کی نگرانی مین مرتب ہو رہی ہین، پروفیسر موصوف نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ ہر حدیث کے تمام اہم الفاظ کو فہرست مین داخل کرینگے اور اس کے ساتھ ہی ان تمام الفاظ کو بھی لکھین گے جو فقہی، جغرافی یا لسانی حیثیت سے کوئی امتیاز رکھتے ہین، عربی دان اصحاب عموماً اور اصحاب حدیث خصوصاً اس تصنیف کا پرجوش خیر مقدم کرینگے،

معارف:۔ مگر یہ حقیقت کس قدر شرمناک ہے کہ جو کام ہم کو کرنا چاہیئے تھا وہ اغیار ہمارے لیے کر رہے ہین،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

حضرموت

مترجمہ

مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

حضرموت جزیرۃ العرب کا اہم صوبہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کے جغرافی حالات، سیاسی واقعات اور تعلیمی و اجتماعی کیفیات اور موجودہ صورتِ احوال سے بہت کم لوگ واقف ہین، حال مین حضرموت کے جلیل القدر فاضل سید محمد بن عقیل نے یہان کے حالات الزہرا مین شائع کئے ہین، ناظرینِ معارف کی آگاہی کے لیے اس کے ضروری اجزاء کا ترجمہ درج ذیل ہے،

حدود اربعہ حضرموت، یمن اور عمان کے بیچ مین سواحلِ ہند کے مقابل بحرِ عرب کے ساحل پر واقع ہے، خشکی مین یہ قطعہ، شرق مین وادی ہود، مغرب مین عین یا معبد، مغرب مین بحرِ عرب، شمال مین ریگستان نجد سے گھرا ہے،

چشمے اور مزرعے حضرموت کے رقبہ مین جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ریگستان ہین، لیکن تھوڑے حصہ کے علاوہ باقی سب غیر آباد ہین، البتہ گذشتہ آبادیون کے نشانات اب بھی جا بجا ملتے ہین، جس سے گذشتہ تمدن اور آبادی کا پتہ چلتا ہے، امتدادِ زمانہ سے پانی کے قدرتی وسائل بہت دور ہٹ گئے ہین جسکی وجہ سے کنوئین اور چشمے خشک پڑے ہین، اسی سبب سے شادابی کم اور خشکی زیادہ ہے، اور آباد رقبۂ زمین کی آبادی بھی گھٹ گئی ہے، لیکن ساحلی علاقہ اور بعض وادیون مین زراعت ہوتی ہے،

پیداوار یہان تمباکو کثرت سے ہوتی ہے، غلون مین گیہون، چینا، اور باجرہ پیدا ہوتا ہے، اسکے

علاوہ مختلف قسم کے کھجور، میوہ جات اور سبزیان بھی ہوتی ہین، ہندوستانی روئی بھی تھوڑی بہت ہوتی ہے،
مغربی اضلاع مین اعلیٰ قسم کا شہد نکلتا ہے اور پہاڑون پر مُر اور لوبان پیدا ہوتی ہے،

حیوانات | مختلف قسم کے جانور جو یمن مین ہوتے ہین، یہان بھی پائے جاتے ہین، اور بہت سے ایسے چرند و پرند
جنکا قدیم تاریخون مین تذکرہ ہے اب ناپید ہین، اور ناپید ہوتے جاتے ہین، ان مین ایک خاص جانور جو
پہاڑی بکرے اور ہرن کی درمیانی شکل کا ہے قابل ذکر ہے،

بدوی | حضرموت کے پہاڑون مین بہت سے خالص عربی النسل بدوی آباد ہین، لیکن ان مین ہمیشہ
کشت وخون کا بازار گرم رہتا ہے عام خشک سالی کی وجہ سے یہان کوئی ایسی با اقتدار حکومت عرصہ
تک نہ قائم رہ سکی جو ان کو قابو مین رکھ سکے، اگر کوئی بڑی قوت اٹھتی بھی ہے، تو ذرائع آمدنی کی قلت
اسکی مساعدت نہین کرتی، اور معمولی طاقت کے بس مین نہین آتے،

مہرہ | مہرہ حضرموت کے قریب ایک وسیع رقبۂ زمین ہے، جسکا ایک سرا عمان سے ملتا ہے، اگرچہ یہ
حضرموت سے الگ ہے لیکن اس کا شمار اسی کے ملحقات مین ہے، یہان کی آبادی ایک لاکھ تیس ہزار نفوس
پر مشتمل ہے، اسکی زبان عربی سے علٰحدہ مستقل ہے لیکن بعض حیثیات سے عربی کے مشابہ ہے، البتہ یہ
لکھنے کے کام مین نہین آتی،

آبادی | حضرموت کی آبادی مہرہ کو چھوڑ کر تین لاکھ ہے، اور یہ اجتماعی زندگی کے اعتبار سے تین قسمون
پر منقسم ہے،

پہلا طبقہ علوی سادات کا ہے، جو ۳۱۸ھ مین یہان آکر آباد ہوئے، ان کے علاوہ کچھ حضرمی
قبائل ہین جو ان مین مل گئے ہین، اسی جماعت مین ارباب علم وفضل اور صاحب اقتدار اشخاص پیدا ہوئے،
جنھون نے مدارس، مساجد اور خانقاہین وغیرہ بنوائین اور علم وارشاد کی روشنی پھیلاکر اصلاحات کین،
وراثت اور نکاح کے معاملات انھین کے ہاتھون انجام پاتے ہین،

دوسرا طبقہ زراعت پیشہ، اہل حرفہ اور غلامون کا ہے، یہ لوگ اور پہلا طبقہ باہمی اختلافات اور مقدمات وغیرہ فیصل کرتے ہین،

تیسرا طبقہ مسلح آبادی کا ہے، اور یہی یہان کی بدامنیون اور فتنہ و فساد کے ذمہ دار ہین، اگرچہ ان مین بہت سے سمجھدار لوگ اصلاح کے خواہشمند ہین، لیکن عام مطلق العنانی کے سامنے مصلحین کی نہین چلتی

بعض بڑے قبائل کی چھوٹی شاخین الگ الگ سردارون کی ماتحتی مین آباد ہین، پھر متعدد قبائل کا ایک رئیس اعلیٰ ہوتا ہے، ان مین ہمیشہ آپس مین ہنگامہ آرائی رہتی ہے، لیکن یہ بڑی خوبی ہے، کہ غیر کے مقابلہ مین سب متحد ہو جاتے ہین،

نکاح اور وراثت کے علاوہ تمام مقدمات ان کے خاص رسم و رواج کے مطابق فیصل ہوتے ہین، جو قانون کی شکل مین لوگون کو حفظ ہین،

زبان حضرموت کی عام زبان عربی ہے لیکن عرب کے دوسرے صوبون کی طرح بگڑی ہوئی مگر نجد وغیرہ سے فصیح ہے، اور ہر شہر کی ایک خاص بولی ہے جسکا لب ولہجہ دوسرے سے ممتاز ہے، یہان کی عامی زبان مین بہت سے الفاظ ایسے ہین، جنکا لغت مین کہین پتہ نہین، لیکن وہ سب عربی اوزان پر اور اسی قاعدہ سے بولے جاتے ہین، تاہم یہ زبان فصاحت سے گری نہین ہے،

علوم و فنون یہان کی عام زوال پذیر حالت کی وجہ سے علوم و فنون کا چرچا کم تھا، لیکن چند برسون سے سادات مین کچھ ترقی کی امنگ پیدا ہو چلی ہے، اور انھون نے جابجا مدارس کھول کر اشاعت تعلیم کی طرف قدم بڑھایا ہے، جس مین خاطر خواہ کامیابی بھی ہو رہی ہے، لیکن ابھی اس سے بہت زیادہ جد و جہد کی ضرورت ہے، فی الحال ان مدارس مین نحو، فقہ، اور بقدر ضرورت تفسیر و حدیث سے زیادہ تعلیم نہین ہے، اگرچہ اس وقت بھی یہان علما، ادبا، اور شعرا کی کمی نہین ہے لیکن ابھی تعلیم کے بہت سے مراحل باقی ہین،

امن | چونکہ حضر موت مین کوئی مستقل حکومت نہین رہتی، اسلیے عام بد امنی ہے، اور قتل و خونریزی کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے، خصوصاً متوکل علی اللہ حاکم یمن کی فوجی قوت ہٹنے کے بعد سے لوٹ مار، چوری اور ڈکیتی بہت عام تھی، لیکن اب چوری اور ڈاکہ کی وارداتین کم ہوگئی ہین، تاہم ان تمام بدامنیون کے باوجود قافلون کی گذرگاہین بہت پرامن ہین، لوگ بلاخوف و خطر سونا اچھالتے پھرتے ہین، اور کوئی نہین پوچھتا، حتی کہ اگر ان راستون پر کوئی شخص دشمنی سے کسی کو مار ڈالے، تو اس کا مال و اسباب اس کے ورثہ تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بدویون کا دار مدار اونٹون کے کرایہ پر ہے، اگر اس مین کوئی رکاوٹ ہو تو ان کو روزی نہ میسر آئے،

حکومت اور اسکی تاریخ | جدید حضر موت مین حکومت کی ابتدا کثیری حکومت سے ہوتی ہے، اسکو آل عبد اللہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، یہ حکومت وہان عرصہ دراز تک حکمران رہی، امام متوکل یمنی نے اسکو بڑی تقویت پہنچائی، اس نے کثیری حکومت کے تمام دشمنون کا قلع قمع کر دیا، اور صرف اس شرط پر اسکو علی حالہ قائم رکھا کہ وہ یمنی حکومت کی اطاعت گذاری، شرع محمدی کی حفاظت اور اسکی بقا کی ذمہ دار رہے،

اس حکومت کے بعض حکمرانون نے بڑا نام پیدا کیا ان مین سلطان بدر بن عبد اللہ بن جعفر بن عبد اللہ بن علی عمر الکندی المولود ۹۰۲ھ خاص طور پر قابل ذکر ہے، اسی شخص نے پہلے ترکون کا قدم حضر موت مین نہ جمنے دیا، لیکن پھر اطاعت قبول کر لی اور شحر اور پرتگال کے معرکہ کے پورپین قیدی ہدیۃً قسطنطنیہ بھیجے، اور زبید کے معرکہ مین اپنی فوج سے ترکون کی مدد کی، اور سلطان سلیمان کے عہد مین پورے یمن کو ترکون کا اطاعت گذار بنوایا، سلطان بدر کے بیٹے عبد اللہ نے بغاوت کی اور باپ کو معزول کر کے خود حکمران بنگیا، اس کے بعد اس کا بیٹا جعفر تخت نشین ہوا، لیکن ۹۵۰ھ مین قتل کر دیا گیا، پھر اس کا چچا عمر بن بدر حاکم ہوا،

حکومت یافعی | آل کثیر کے بعض حکمرانون نے اپنی فوجی قوت مضبوط کرنے کے لیے حمیر کی ایک شاخ یافع کے

پھر لوگون کو لاکر فوج مین بھرتی کیا تھا، ان لوگون کو حضرت کچھ ایسا بھایا کہ پھر وطن واپس نہ گئے، بلکہ اپنے قبیلے کے اور بہت سے آدمی بلالئے، اور ان کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہوگئی، اور آہستہ آہستہ اپنی قوت بڑھاکر متعدد مواضعات پر قابض ہوگئے، رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑ لیا کہ ۱۹ئلہ مین آل کثیر کو نکال کر شحر پر قابض ہوگئے، اور ۲۶ سال تک حکومت کرتے رہے، لیکن حکومت کے نشہ مین شریعت کو پس پشت ڈال دیا، اور وہان کے معزز طبقہ علوی سادات اور علما کے ساتھ ناز یبا سلوک کرنا شروع کیا اور جور و ستم کی مشق شروع کردی، آخر کار لوگون نے عاجز ہو کر آل کثیر کی حمایت کرکے ان کو نکال دیا،

آل بریک | ۱۱۶۵ھ مین آل بریک یافع کی ایک شاخ نے شحر مین قدم بڑھانا شروع کیا، اور کچھ دنون کے بعد پورا تسلط ہوگیا، اور ۱۲۳۱ھ مین اس سلسلہ کا آخری فرمان روا علی بن ناجی بن بریک تخت نشین ہوا، ۱۲۶۶ھ مین سید اسحٰق بن عقیل چار سو ترکی سوارون کا دستہ لیکر جدہ سے شحر کی طرف چلا، لیکن سمندر کی طغیانی کی وجہ سے ساحل تک نہ پہنچ سکا اسلیے اسی کے قریب ایک مقام پر اتر گیا، وہان آل بریک سے مقابلہ ہوا، لیکن شکست کھاکر بھاگا اور طغیانی فرو ہونے کے بعد پھر شحر کے قریب اترا، کچھ اور لوگ بھی اسکی مدد پر تیار ہوگئے، لیکن کسادی یافعی نقیب مکلا نے سب کو مار کر بھگا دیا اور سید اسحٰق ناکام واپس ہوا، بالآخر ۱۲۸۳ھ مین سلطان غالب بن محسن کثیری نے بزور شمشیر نکالکر باہر کیا، اور ۸۸ سال حکومت کرنے کے بعد آل بریک کا شحر سے خاتمہ ہوگیا،

سلطان غالب | سلطان غالب اس استیلا کے پہلے، حیدرآباد دکن مین فوجی عہدہ پر ممتاز تھا، نواب خطاب تھا، شجاعت و بہادری اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ تھا، وہان اس نے بڑی دولت کمائی، اسی دولت کے زور سے اس نے آل بریک کو شحر سے بے دخل کیا،

قطیعی خاندان کی حکومت | حاجی عمر بن عوض قطیعی یافع کا ایک شخص تھا، اور حضرمی امرا مین اس کا شمار تھا، عرصہ تک حیدرآباد مین رہا، ۱۲۰۱ھ مین اس نے شحر مین قطیعی حکومت کی بنیاد ڈالی، اسکی ابتدا اصلاح

ہوئی کہ سلطان غالب کے عہد مین جو یافعی حضرموت سے نکال دیئے گئے تھے، ان کو پھر اس نے حضرموت کے آس پاس کے باقی ماندہ مقامات مین بلا کر آباد کیا اور انکی قدر افزائی اور اعزاز و اکرام مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا، اس حسن سلوک سے بہت سے یافعی آکر دوبارہ بس گئے، اور زور پکڑنے کے بعد ۱۲۶۳ھ مین شبام پر قبضہ کر لیا۔ غالب بن محسن کے تین لڑکے تھے عوض، صالح، اور عبد اللہ، یہ سب اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے، جاہ و ثروت، اور اقتدار کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے، حضرموت کے روحانی پیشوا آل کثیر کی بعض نازیبا حرکتون کی وجہ سے ان کے مخالف ہو رہے تھے اور ان کے مخالفین کی امداد پر تیار تھے، چنانچہ انھون نے امیر عوض کی امداد سے حضرموت کے کنارہ کنارہ کا پورا علاقہ مہرہ کے مشرقی سمت سے لیکر وادی حجر تک لے لیا۔

۱۲۸۴ھ مین امیر موصوف نے ایک لشکر جرار لیکر جسمین ہندوستانی بھی شامل تھے، شحر پر حملہ کرکے آل کثیر کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، اس تاریخ سے یافعی حکومت کا نیا دور شروع ہوا، اور انگریزون نے امیر عبد اللہ سلطان عوض کے بھائی سے خط و کتابت شروع کی، اس وقت سے حکومت کا رقبہ برابر بڑھتا گیا تا آنکہ ۱۳۱۰ھ مین حجر پر بھی قبضہ ہو گیا اور ہر طرح سے حکومت مضبوط و مستحکم ہو گئی، ۱۳۲۷ھ مین سلطان عوض نے وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان غالب اس کا جانشین ہوا، اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا،

موجودہ حکومت سلطان عوض کا لڑکا عمر حضرموت کا موجودہ حکمران ہے، اور دوعن، قطن، شبام، حجر اور ابن دغار کے علاوہ پورا ساحلی علاقہ عین یا معبد تک اس کے ممالک محروسہ مین شامل ہے،

اگرچہ اب حضرموت مین آل کثیر کی حکومت نہین ہے تاہم ایک معاہدہ کے رو سے وہ تریم اور سیون کے حکمران ہین، یہ دونون مقام حضرموت کے ممتاز شہرون مین ہین، اگرچہ آبادی کے اعتبار سے یہ چھوٹے ہین لیکن جس قدر ہے، اس مین ارباب علم و ثروت زیادہ ہین،

بہت سے مسافری قبائل جو مختلف گروہون، جماعتون، اور

قبائل سے مرکب ہیں، علحدہ علحدہ اپنے حدود دین آباد ہیں، اگرچہ یہ موجودہ حکومت کے ماتحت نہیں ہیں، تاہم اسی سے ملحق سمجھے جاتے ہیں،

ان آبادیوں اور شہروں کے علاوہ حضرموت کے ایک وسیع رقبۂ زمین میں جو بہت کم حیثیت ہے کسی کی حکومت نہیں ہے بلکہ ہر ہر ٹکڑے کا ایک ایک رئیس ہے،

آثار قدیمہ چونکہ حضرموت پر تمدن کے مختلف دور گذر چکے ہیں، اسلیے وہان بہت سے آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں، جنسے وہان کی تاریخ پر تاریخی کتابون سے زیادہ روشنی پڑتی ہے، چنانچہ چند برسون سے حمیر کے قبرستان میں سیلاب کی وجہ سے سونے، چاندی، پتھر اور بیش قیمت جواہرات کے بہت سے اہم آثار قدیمہ نکلے ہیں، لیکن افسوس یہ گرانقدر یادگارین بہت سستے دامون، عدن اور ہندوستان میں فروخت ہوگئیں، اور بہت سے سونے چاندی کے سکّے زیورات اور بیت عربون نے پگھلا ڈالے، ان کے علاوہ بہت سے سنگی کتبے بھی برآمد ہوئے ہیں لیکن ان کے معمے اب تک حل ہو سکے،

حضارمہ اور نقل وطن حضرمیون کی قدیم تاریخون سے انکی سیاحت اور ہجرت پسندی کا بہت قدیم زمانہ سے سراغ ملتا ہے، قبل از اسلام سواحل صومال اور شمالی افریقہ ان کے جولانگاہ تھے، اور فتوحات اسلامیہ کے بعد عراق، مصر، سوڈان اور اندلس وغیرہ میں پھیلتے رہے، اس سلسلہ میں اشاعتِ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دین، چنانچہ حبشہ، صومال، اور شمالی افریقہ سے لیکر خصوصاً برما، سیام، سماٹرا، جاوہ، اور فلپائن اور اس کے قرب و جوار میں کرورون آدمیون نے ان کی کوششون سے اسلام قبول کیا، ان مقامات مین حضرمیون کا بڑا اثر تھا،

حضرمی بدو حضرموت کے بادیہ نشین بدو اپنے تمام اوصاف و خصائل میں عام عربون کے مشابہ ہین، اور جن مقامون میں ان کی کثرت ہے وہان کی حکومت ان پر پوری نگرانی رکھتی ہے، چنانچہ عرصہ تک جاوہ کی حکومت اس بارہ میں پریشان رہی اور آخر میں اس نے اپنے قوانین اور عدل

انصاف کو نظر انداز کرکے ان پر طرح طرح کی سختیان اور قیود و بند عائد کین تا آنکہ مشہور مستشرق ہارگرونجے نے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی اور ایک حد تک حکومت کی بدظنی دور کرکے ان دونون مین خوشگوار تعلقات قائم کرائے علامہ شکیب ارسلان نے حاضر العالم الاسلامی کے ذیل مین اسی پر کچھ روشنی ڈالی ہی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:

"حکومت ہالینڈ جاوہ مین حضارمہ کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیتی ہے، اور اس طرف پوری توجہ صرف کرتی ہے، اسکوان کی آمد ورفت سے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے، کہ مبادا یہ لوگ دعوتِ اسلام کا سلسلہ نہ شروع کردین، اور وہان کے بھولے باشندون کو بیدار کرکے ایسی چیزون کی طرف نہ متوجہ کردین جن سے وہ لوگ ابھی تک غافل ہین، چنانچہ اس خطرہ سے بچنے کے لیے اس نے حضرمیون پر طرح طرح کی قیود عائد کردی ہین، اوّل تو جاوہ کے داخلہ مین صدہا رکاوٹین پیدا کردی ہین اور اگر اس پر بھی وہ لوگ آجاتے ہین تو ان کی نقل وحرکت کی پوری نگرانی ہوتی ہے، حتیٰ کہ ان حضرمیون سے بھی جو عرصہ دراز سے وہان کے مستقل باشندے ہوگئے ہین، حکومت مطمئن نہین ہے، اور یہ لوگ بھی انکی نگاہ مین کھٹکتے رہتے ہین کہ کہین وہان کی سادہ مزاج مسلم آبادی کو بیدار کرکے ہالینڈ کی استعماریت کو خطرہ مین نہ ڈال دین، اور آئندہ اسکو دشواریون کا سامنا کرنا پڑے، چنانچہ ان کو بھی ایسی سخت بندشون مین جکڑ دیا ہے کہ ان کی زندگی تلخ ہوگئی ہے تاکہ کسی طرح سے پھر یہ لوگ اپنے اپنے وطن واپس چلے جائین

پروفیسر ہارگرونجے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ:-

"حضارمہ پر قیود عاید کرنا سرے سے عدل وانصاف کے منافی نہ تھا اس کے چند در چند اسباب تھے، لیکن حکومت انکی طرف متوجہ نہ ہوئی، اور چند شرائط کیساتھ ان کو داخلہ کی اجازت دیدی، جسکی رو سے یہ آسانی سے قیام کرسکتے تھے لیکن اجازت کے بعد انکی نقل وحرکت کی نگرانی مین ایسی سختی برتی جو ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی، اور جو لوگ اس پر مامور تھے ان کی سیاست مختلف تھی اور اسی پر حضارمہ کیساتھ سختی ونرمی کا دار ومدار تھا، اور اب وہ اس حد تک پہنچ گئی کہ عربون کا امن وامان خطرہ مین پڑ گیا ہے"

لہ ج ۱ ص ۱۶۰

غالب وصہبائی کے خطوط

از

مولوی ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی اے بمبئی

گذشتہ دسمبر میں دہلی کے زمانۂ قیام مین بعض کتابون کی تلاش کے سلسلے مین مجھے مولوی سید منور الدین صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مرحوم خان بہادر شمس العلما مولوی ضیاء الدین خان صاحب ایل ایل ڈی کے صاحبزادے ہین، یہ صاحب کئی لحاظ سے اپنے والد ماجد کے نقش ثانی کہے جا سکتے ہین، خود بھی اہل قلم ہین اور وسیع مذہبی معلومات رکھتے ہین، اگرچہ انھین عام علما کی طرح اپنے علم کا ذرا بھی ادعا نہین انکے والد ماجد اپنے زمانہ کے زبردست مستشرق تھے اور ریاضی کی جملہ فروع مین یکتائے زمانہ تھے، ان کی عربی کی قابلیت کا اہل عرب پر بھی سکہ بیٹھا ہوا تھا، انکی اعلیٰ علمی فضیلت ہی کا نتیجہ تھا کہ ایڈنبرو کی یونیورسٹی نے انھین ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا کی جو صرف نامور ادیبون اور بہترین انشا پردازون کو دی جاتی ہے مرحوم نہ صرف صاحب تصنیف تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کی لائبریری بھی رکھتے تھے جس سے کسی حد تک ان کے علمی ذوق کا اندازہ ہو سکتا ہے، وہ لائبریری اب سید منور الدین صاحب کے تصرف مین ہے، اگرچہ مرورِ زمانہ سے بہت سی نایاب کتابین ضائع ہو گئی ہین، تاہم جو کچھ رہ گئی ہین، سید صاحب حتی الامکان نہایت احتیاط سے ان کی حفاظت کر رہے ہین، ان مین سے ایک کتاب "کلیات صائب" ہے جس کے متعلق یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ صائب ہی کے قلم کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ اس مین شاعر نے بعض اشعار قلمزد کر کے ان کی بجائے نئے اشعار حاشیہ پر تحریر کئے ہین، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نادر قلمی کتابین ہین، سید صاحب کے پاس دہلی سوسائٹی کی شائع کردہ اردو کی کتابین بھی موجود ہین اور چونکہ اردو نثریات کی تاریخ مین وہ نمایان

حیثیت رکھتی ہین، اسلیے ان کا خیال ہے کہ اگر ملک کی لائبریریان انھین خرید لین اور اس طرح سے انھین محفوظ کر دین تو یہ اردو کی بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی، مزید بران انھون نے نہایت محنت سے اپنے والد مرحوم کی باقی ماندہ کتابون کی فہرست بھی مرتب کر لی ہے اور جو صاحب انھین خریدنا چاہین انھین اس فہرست سے ایک گونہ امداد ملے گی، اس کے علاوہ سید صاحب کے پاس مشہور انشا پردازون اور فضلا کے خطوط کا بہت معقول ذخیرہ بھی موجود ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے اکثر علما کے ساتھ خط و کتابت رکھتے تھے یہ مجموعہ اگر چھپ گیا تو انشا و ادب کا بہت قیمتی سرمایہ ثابت ہوگا۔ ان خطوط کو ابھی تک ترتیب نہین دیا گیا ہے، لیکن جب انھین مرتب کیا جائے گا تو یقین ہے کہ ایسے ایسے خطوط نکلین گے جو مشاہیر زمانہ کے حالات زندگی اور بہت سے ادبی مسائل پر حاوی ہونگے، خود مولوی صاحب کے خطوط کا مجموعہ ادبی حیثیت سے ایک نعمت ثابت ہوگا، سید صاحب نے میرے اس مشورہ کو قبول کر لیا ہے کہ جب وہ اپنے سلسلۂ کتب یعنی تدوین فقہ کے اہم کام سے فراغت پالین گے، تو اس وقت اس نایاب ذخیرہ کی جانب اپنی توجہ مبذول کرینگے، اتفاق سے اس ذخیرہ مین سرسری تلاش کے بعد غالب کے دو خطوط نکل آئے ہین جو غالباً "اردوئے معلی" کے مروجہ ایڈیشن مین درج نہین ہین، اسطرح سے خدا جانے اور کتنے خطوط ہونگے جو اس مین درج ہونے سے رہ گئے ہین، بہرحال یہ اصلی خطوط ہین جو غالب کی مہر کے ساتھ محفوظ ہین جو ان کی صحت کا بہترین ثبوت ہے، مجھے امید ہے کہ نہ صرف غالب کے پرستار ان خطوط کا دلچسپی سے مطالعہ کرینگے بلکہ وہ لوگ بھی جو غالب کے معاملہ مین غلو نہین رکھتے ان کے مطالعہ سے یکسان مستفید ہونگے۔ علاوہ ازین صہبائی مرحوم کا بھی ایک خط دستیاب ہوا ہے جسے مین تبرکاً پیش کرتا ہون، اس وقت غالب کا صرف ایک خط پیش کیا جاتا ہے اور

دوسرا خط بعد کو ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا، میرے خیال مین یہ اور اس قسم کے دوسرے خطوط و تحریرات قومی سرمایہ ہین اور ہمارا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے ہم اصل مسودات کو قائم و برقرار رکھین، اس تمہید کے ساتھ مین غالب اور صہبائی کے خطوط ناظرینِ "معارف" کے روبرو پیش کرنے کی عزت چاہتا ہون،

(ضیاء الدین احمد برنی)

غالب کا خط

مولوی صاحب جمیل المناقب جناب مولوی ضیاء الدین خان صاحب کی خدمت مین

بعد سلام عرض کیا جاتا ہے کہ مین عالم نہین مگر شرفِ علم اور فضیلتِ علما میرے دلنشین ہے، اور علم کو زبان عربی مین منحصر جانتا ہون، اللہ اللہ علم عربی کی وسعت! صرف و نحو، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ پانچ سات برس تک آدمی اسکو تحصیل کر سکتا ہے، یعنی طب و نجوم و ہیئت و ہندسہ و ریاضی، اور اس کے سوا اور علوم سب عربی زبان مین ہین۔ . . . فارسی زبان بعد تباہ ہونے یزدجرد کی سلطنت کے مٹتی گئی یہانتک کہ بقدر ایک بولی کے رہ گئی۔ . . . [1] پارسی جو مہر اسپ کے عہد سے یزدجرد کے عصر تک تھی مفقود بلکہ معدوم ہے، خاطر نشان رہے کہ یہ پارسی زبان جو اب ہند و عرب و عجم مین مروج ہے، واضع اس کے اکابر عرب و عظمائے عجم ہین، ان واضعون نے اس کے قواعد منضبط نہین کئے، گویا ان دونون گروہ کے علما نے بہ اتفاقِ رائے ہمدگر اس کو ضرور نہ جانا، اب جو میان انجو اور عبدالرشید اور ٹیکچند اور آرزو رسائل قواعد فارسی تصنیف کر گئے ہین، اس کے سوا کہ قواعد منضبطۂ عربی پر منطبق کر دیا ہے، اور کیا کمال کیا ہے، بالعینہ یہی حال اردو کا ہے، واضعون نے قواعد ضبط نہ کئے، اب میان روشن علی جونپوری اور ان کی امثال و نظایر ہزار در ہزار رسالے تالیف کر رہے ہین، خیر یہ جملہ معترضہ

[1] یہ جملہ صاف پڑھا نہین جاتا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ رہ گئے ہین، خط پر کوئی تاریخ درج نہین ہے،

تھا، علم فارسی مین کلام ہے، اگر متعلم فہم درست اور ذہن رسا رکھتا ہو تو سال بھر مین تحصیل تمام ہے ابوالفضل وسہ نثر ظہوری. سکندر نامہ و یوسف زلیخا والسلام مع الاکرام، ہان اس زبان کے دقائق و لطائف جاننے کو طبیعت کا لگاؤ کہ وہ موہبتی ہے اصل محکم اور اس کے بعد رودکی سے لیکر قاآنی علیہ تک کا کلام غور سے دیکھنا، عبد یہ شخص ایران کا تھا، فاضل تھا، اسکی رحلت کو دس بارہ برس ہوئے ہونگے،

کل جو آپ نے میری زبانی کچھ کلام مجھ سے فرمایا تھا وہ تقریر ناقل کی بدلی ہوئی ہے، میرا قول یہ ہے کہ عربی کے زور سے فارسی کا علم حاصل نہین ہوسکتا اور انتہا اوسکی جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہون وہی نظم و نثر ہے، اس علم فارسی کا منشا مناسبت طبع اور مشاہدۂ کلام اہل زبان ہے. وہ وہب اور یہ کسب، ایک مجلد درفش کاویانی نذر کرتا ہون تخطیۂ اہل فرہنگ و تصحیح لغات کو بھاڑ مین ڈالو جہان سے فوائد شروع ہین وہان سے ہر فائدہ کو بغور پڑھو، ترکیب کلمات فارسی بتاتا ہون اور وہی تحریر مین لاتا ہون، نہ تم جاہل ہو نہ نامنصف یقین ہے کہ اپنی جگر کاوی کی داد تم سے پاؤنگا، آغاز فوائد کے ورق مین کاغذ واسطے نشان کے رکھدیا ہے،

نامہ سیاہ اسداللہ

امام بخش صہبائی کا خط،

مولوی صاحب الطاف نشان مولوی محمد ضیاء الدین صاحب زاد لطفہ،

سید یوسف علی صاحب از متوطنان حضرت اجمیر چندے است کہ بشوق کسب کمال وارد شاہجہان آباد اند و ارادۂ تحصیل علم حساب در خاطر جائے گیر دارند، رقعہ اخلاص کیش را ذریعۂ حصول دولت تلمذ گردانیدہ بخدمت میرسند، اگر نظر توجہ بحال ایشان مبذول گشت از زکوۃ دولت کمالے کہ ودیعت مبدا فیاض و سپردۂ عقل فعال است، مشارالیہ را محروم نگزارید، ہم حصول تمنائے او دست و ہم قبول التماس من، زیادہ درین باب نگاشتن صداع خدام دانستہ بس کرد،

راقم امام بخش صہبائی

تلخیص و تبصرہ

کیا عمر خیام ایک فسانہ ہے

ایک انگریز کی حیرت انگیز بلند پروازی

انگلستان کے بعض خیامی اصحاب نے ایک وفد مرتب کیا ہے کہ وہ نیشاپور جاکر عمر خیام کے منہدم اور شکستہ مقبرہ کی مرمت اور اسکی حفاظت کا مستقل بندوبست کرے، اس موقع سے فائدہ اٹھاکر ایک مستشرق انگریز ڈاکٹر اے ایچ میلر (Dr. A.H. MILLER) نے ایک طویل مضمون اخبار مارننگ پوسٹ مین شائع کیا ہے اور اس مین یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فٹز جیرلڈ نے جن اشعار کا ترجمہ کیا ہے، وہ کسی عمر خیام کی رباعیات نہین ہین کہ دنیائے شاعری مین اس نام کا کوئی آدمی ہی نہ تھا، اور جس عمر خیام کی قبر نیشاپور مین ہے وہ شاعر نہ تھا، اپنے اس عجیب نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے لائق ڈاکٹر نے اپنی جہالت کا جو حیرت انگیز ثبوت دیا ہے وہ دیدہ بینا کے لیے باعث عبرت ہے، اس مضحکہ خیز مضمون کا مختصر و مسکت جواب سر ای. ڈی. راس سابق مدرس علی مدرسہ عالیہ کلکتہ اور اب مہتمم مدرسہ السنہ شرقیہ لندن نے اسی اخبار مین شائع کیا ہے،

ڈاکٹر میلر کا دعوی ہے کہ انھون نے اس موضوع کی تحقیق مین اپنی حیات عزیز کے تیس سے زیادہ قیمتی سال صرف کئے ہین، اب اس سی سالہ تحقیق کے نتائج ملاحظہ ہون:۔

"فارسی مین "رباعیات" کے کیا معنی ہین؟ رباعیات سے مقصد مختلف اشعار کا وہ مجموعہ ہے جو کسی شخص نے وقتاً فوقتاً ایک جگہ لکھ لیے ہون، یا یون سمجھیے کہ رباعیات ایک ایسی بیاض کو کہتے ہین جسمین شائق اشعار اپنے پسندیدہ شعر لکھتا جاتا ہے، فٹز جیرلڈ نے اسی قسم کی ایک بیاض کو بڑی حد تک اپنا ماخذ بنایا ہے

تو پھر اسے عمر خیام کے نام سے کیون موسوم کیا جائے، یہ ایک ایسا سوال ہے جو میری توجہ منبذول کئے ہوئے تھا تو یہ عمر خیام جو ۱۸۵۹ء سے انگریزی ادبیات مین داخل ہو کر مشہورِ عالم ہو گیا، کون تھا؟ مین نے ایران کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، مین نے ادبیاتِ ایران کے دفاتر کی ورق گردانی کی ہو، مین نے اہل علم ایرانی اصحاب سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی ہو، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ ایران، وادبیات ایران دونون کے دونون اس شاعر عمر خیام کے حالات سے تقریباً خالی ہین، اس کے حالاتِ زندگی کا بالکل پتہ نہین اور جو کچھ ہے بھی وہ تمامتر مشکوک ہے جسے کوئی موجودہ مورخ قبول نہین کرسکتا ہو،

اس کے بعد ڈاکٹر میلو "رفقائے ثلاثہ" کے قصہ کا حوالہ دیکر اور اسی چیز کو عمر خیام کے متعلق قدیم ترین حوالہ بتا کر لکھتے ہین کہ نظام الملک نے خزانۂ نیشاپور سے عمر خیام کا ۱۲۰۰ مثقال سونا سالانہ مقرر کردیا، اس کے بعد ملکشاہ نے رصد خانہ کی تعمیر مین اس سے مدد لی اور وہ اس غرض کے لیے ۱۰۷۴ء مین اصفہان سے مرو گیا؛

"جب ایک طالب علم تاریخ ان بیانات کو دیکھے گا تو وہ اس کو ایک دفتر بے معنی سے بہتر خطاب نہ دے گا، ڈی ہربوسٹ کا بیان ہے کہ عمر خیام نیشاپور مین ۵۱۷ھ (۱۱۲۳ء) مین مرا، لیکن یہ بات بہت واضح ہے کہ نظام اس کے بعد بھی زندہ رہا، کیونکہ وہ عمر کی وفات کو جو نیشاپور مین ہوئی تھی لکھتا ہے، اچھا تو نظام نے اپنی وصیت ۱۰۹۲ء کے ابتدائی مہینون مین لکھی ہوگی کیونکہ وہ اسی سال معزول و شہید ہوا، تو کیا ان حالات مین سوانح عمر خیام کی عمارت بالکل بیٹھ نہین جاتی ؟ !!!"

بہت ممکن ہے کہ کہا جائے کہ رباعیات عمر خیام کے جو قلمی نسخے موجود ہین وہ اس کے وجود کے بہترین ثبوت ہین، یہ اعتراض صحیح نہین ہے کیونکہ خود فٹز جرلڈ کا بیان ہے کہ اس کے قلمی نسخے اس قدر کم و خراب ہین کہ مغرب کی فتوحات علمی و عملی کے باوجود یہ چیز مشرق سے وہان صحیح شکل و صورت مین نہ پہنچ سکی، چنانچہ نہ تو دفتر وزیر ہند مین اور نہ پیرس کے قومی کتب خانہ مین اس کا کوئی نسخہ موجود ہے، سب سے قدیم ترین نسخہ بوڈلین لائبریری کا ہے لیکن اس مین صرف ۱۵۸ رباعیات ہین، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک نسخہ

مین نکلا ہے کہ باوجود صرف ۵۱۶ رباعیات ہین اور اس پر بھی وہ نامکمل ہے، پروفیسر کاول ([illegible]
رباعیات، کے قدیم ترین مطبوعہ نسخہ کا جو ۱۸۳۶ء مین کلکتہ مین شائع ہوا تھا حوالہ دیتے ہین، اس مین ۴۳۶ رباعیان
مشترک تھین اور ۵۴ ایسی تھین جو دوسرے نسخون مین نہین ملتین، کیا یہ تمام باتین اس بات کی صحیح دلیل نہین کہ
عمر خیام کی تصنیف کا کوئی مکمل نسخہ دنیا مین موجود نہین ہے، خود مترجم کو اقرار ہے کہ قدیم ترین نسخہ بھی ۱۴۶۰ء کا
لکھا ہوا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ مصنف سے ۳۵۰ سال بعد، خود فٹز جیرلڈ نے نہایت ہی ناقص طور سے اس سے
استفادہ کیا ہے، اس کے پہلے اڈیشن مین صرف ۷۵ رباعیان تھین، دوسرے مین ۱۱۰ ہوگئین اور تیسرے مین
۱۰۱، اور ان مین سے ہر ایک مین اسی بات کا علانیہ اعتراف کیا گیا ہے کہ فٹز جیرلڈ نے بعض رباعیان اپنی طرف سے
بنا کر لکھدی ہین، کہ ان کا اصل قلمی نسخہ مین کوئی پتہ نہین، اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسی نظم (یا مجموعۂ نظم)
کے متعلق جسکا مصنف ۱۰۵۰ء یا ۱۱۲۳ء مین مرا ہو جس کے شعر مشرق مین عموماً اور خود اسکے وطن ایران
اور اس کے ساتھ ہندوستان مین، ۱۷وین صدی تک معروف نہ ہون جس کے اشعار کی تعداد ۲۳۶ سے
۵۴۰ تک باختلاف نسخ ہو جسکا قدیم ترین نسخہ مصنف سے چار سو سال بعد کا ہو ایک محقق کا کیا خیال ہو سکتا ہے

اگر ایک فارسی دان طالب علم بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو بغور ملاحظہ کرے تو اسے نظر آئیگا کہ یہ مجموعہ
حافظ، سعدی، فریدالدین عطار کے منطق (الطیر) وغیرہ کے اشعار لیکر ایک شیرازی کاتب محمود یار بودگی نے
۱۴۶۰ء مین مرتب کیا تھا، اگر مذہب خیامی ہی کی بنا ڈالنی تھی تو اس کے لیے یک آف ماڈرن [illegible]
بہترین کتاب تھی،

سر راس کا جواب

ڈاکٹر راس نے ان الفاظ مین اس کا جواب دیا ہے:-

"ان اصحاب کے لیے جنھون نے اپنی عمر عزیز کو ایک خاص موضوع کے مطالعہ کے لیے وقف کردیا
ہو، یہ کس قدر افسوسناک ہے کہ ان کو دوبارہ پھر ان مسائل کے متعلق جو متعدد دسکت شہادتون کے بعد

غلط ثابت ہو چکے ہین، پھر تردیدی بیان دینا پڑے، مین عموماً کسی شخص سے کسی مسئلہ پر بحث کرنا نہین چاہتا، نہ کہ عمر خیام جیسے موضوع کا جو مستقل حیثیت سے فیصل ہو چکا ہے، اور اب اس کے متعلق بحث کی مطلق گنجائش باقی نہین رہی ہے، تاہم مین ڈاکٹر مر کے خاص "واقعات" کی تردید کر دینا چاہتا ہون جن پر ان کے تمام دعوے کی بنیاد ہے،

"رفقائے ثلاثہ" والا افسانہ عرصہ ہوا آخری مرتبہ ایک مہمل وغیر تاریخی حکایت ثابت ہو چکا ہے، رہا نفس اس نظم یا مجموعۂ نظم کے متعلق جو اعتراضات ہین، اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ:-

تاریخی شہادت

۱- عمر خیام تقریباً ۱۱۲۳ء مین مرا، اس کے متعلق ایک ایسے شخص کا بیان موجود ہے، جسنے ۱۱۱۲ء مین عمر سے ملاقات کی، اور پھر ۱۱۳۵ء مین اس کی قبر پر گیا،

۲- ۱۱۷۶ء، ۱۱۹۱ء، ۱۲۰۹ء، ۱۲۲۰ء، ۱۲۲۳ء، اور ۱۲۴۰ء کے مصنفین نے اس کے شاعر ہونیکا تذکرہ کیا ہے، عہد مغل کے مشہور مورخ جوینی (۱۲۶۰ء) نے اس کی ایک رباعی بھی نقل کی ہے، ۱۳۴۰ء کے ایک فارسی بیاض مین اسکی تیرہ رباعیان دی ہوئی ہین،

۳- یہ ایک فطری بات ہے کہ مختلف بیاض مین اشعار وغیرہ کی تعداد مختلف ہو، اور رباعیات عمر خیام کی ہردلعزیزی کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ دوسرے شعرا کی ہزارون رباعیان اسکی طرف منسوب کر دی گئی ہین،

۴- یہ دیکھتے ہوئے کہ تیرھوین صدی سے پہلے کے چند ہی فارسی کتابون کے نسخے ہم تک پہنچے ہین، یہ بھی ایک قدرتی امر تھا، کہ اس کے قدیم نسخے ہم تک نہ پہنچ سکین، فارسی شاعر کے باوا آدم رودکی کے اشعار و مثنوی بیدپا کے صرف گنتی کے اشعار ہم تک پہنچے ہین،

۵- عمر خیام کی متعدد علمی تصانیف تھین جنمین سے صرف دو مکمل صورت مین ہم تک پہنچی ہین، ان مین

سے ایک جزو مقالہ مین ہے جو فرنچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور دوسری اقلیدس کی تعریفون پر اس کا قلمی نسخہ لیڈن مین ہے،

رہا فٹز جیرلڈ کے ترجمہ کا سوال سو دنیا جانتی ہے کہ اس نے کوئی نقلی ترجمہ نہین کیا، بلکہ بعض جگہ تو ایک سے زیادہ رباعیون کو ملا دیا، اسکے علاوہ مسٹر ہرن ایلن (Heron Allen) نے عمر خیام کی رباعی کا نثر مین ترجمہ کر کے یہ صاف طور سے بتا دیا ہے کہ فٹز جیرلڈ نے کس رباعی کا کس طرح ترجمہ کیا ہے،

اس کے بعد ڈاکٹر اس نے لائق پروفیسر کو نہایت ہی سنجیدگی سے یہ بتایا ہے کہ رباعی کسی بیاض کو نہین کہتے بلکہ وہ ایک صنف شاعری ہے اور اسی کی جمع رباعیات ہے، اکثر شعراء نے رباعیان لکھی ہین اور ان کی وفات کے بعد وہ جمع کیگئی ہین،

اسی سلسلہ مین یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ یہ کیمبرج کے پروفیسر کاول ہی تھے جو انگلستان کے بہترین وقابل فخر مستشرقین مین سے ہین، جنھون نے فٹز جیرلڈ کو عمر خیام سے روشناس کیا، اور اس کے مطالعہ مین اسکی مدد کی، تاہم فٹز جیرلڈ نے بعض مواقع پر فارسی نہین سمجھی، چنانچہ اسکی بعض رباعیان فارسی کا غلط ترجمہ ہین، مثلاً ایک رباعی مین اس نے "صحرا" کے معنی دشت و بیابان کے لیے ہین، اور تنہائی کا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ وہان پر اس سے مقصد دیہات کی کھلی فضا ہے،

کیا ہمارے وہ دوست جو یورپ سے ہر شائع ہونے والی تحریر کو دقیع وصحیح ترسمجھتے ہین ڈاکٹر ملر کے واقعہ سے عبرت حاصل کرین گے،

مسلمانانِ روس

مسلم کرانیکل کلکتہ کا ہفتہ وار اخبار ہے، ایک سال سے بھی کم عرصہ مین اس نے اپنی بلندی معیار، سنجیدگی بیان، صحت رائے، وسعتِ معلومات اور ادبی چاشنی کی وجہ سے ہندوستان کے

انگریزی صحافت مین خاص درجہ حاصل کر لیا ہے، اسی رسالہ کے ۲ فروری کی اشاعت مین مشہور مسلم انگریز خاتون مسلاب
نے اڈیٹر کی درخواست پر مسلمانان روس کی حالت پر تین حیثیتون سے روشنی ڈالی ہے، یعنی آبادی، تعلیم، جائداد،

آبادی

۱۹۲۰ء مین جو مردم شماری ہوئی تھی اس کے مطابق ریاستہائے متحدہ روس مین مسلمانون کی تعداد
۱۶۸۰۰۰۰۰ ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ مردم شماری قومی اصول پر کیگئی ہے۔
اس لیے اس مین وہ مسلمان شریک نہین ہین جو قومی حیثیت سے ایک دوسرے مذہب کی اکثریت والی جماعت
مین شریک ہین، اسلیے ۱۲ فیصدی کا تناسب جو مجموعی تعداد کے اعتبار سے مسلمانون کو دیا گیا حقیقۃً کم ہے، مندرجہ
ذیل اعداد مسلم نسلون کا حال بہتر ظاہر کرتے ہین،

نسل	فیصدی	نسل	فیصدی
تاتار	۳٫۷	کلمک، بریت، یاقوت،	۴٫
کرغزی	۳٫۱	ازبک و ترکمان	۲٫۶
بشکر	۱٫۲	چرکس وغیرہ	۱٫

میزان ۱۲٫۰

تعلیم

مندرجہ ذیل نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ فی ہزار مسلمانون مین کتنے مسلمان تعلیم یافتہ ہین،

نسل	تعداد فی ہزار	نسل	تعداد فی ہزار
تاتار	۱۸۹	بشکر	۹۲
مغل	۱۴۳	چرکس	۵۰
روستائن	۱۴۰	کلمک	۴۲

نسل	تعداد فی ہزار	نسل	تعداد فی ہزار
ترکمان	۶۵	کاربارودین	۱۲
کرغزی	۵۲	"	"

قبل از جنگ کی حالت سے موازنہ کیا جائے تو پتہ چلیگا، کہ تعلیمی حیثیت سے مسلمانون نے خاصی ترقی کی ہے۔ قبل از جنگ مین موجودہ جمہوریہ تاتار کے علاقہ مین کل ۱۲۶۲ مدرسے تھے، ان مین سے ۱۱۴۸ روسی تھے، ۲۵ تاتاری اور ۸۹ دوسری اقوام کے

اب از جنوری سنہ ؁ اسی علاقہ مین ۲۰۰۵ صرف ابتدائی مدارس ہین جن مین ۴۹ فیصدی تاتاری ہین، ان مین ۴۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہین، ان کے علاوہ ۲۵ مدارس ثانویہ ہین، ان کے طلبہ کی تعداد ۴۳۳۲ ہے، ۲۶ مدارس سات سال کے بچون کے لیے ہین، اور ان مین ۸۲۱۹ طلبہ ہین، ۲ مدارس نو سال کے لڑکون کیلئے ہین اور وہ ۸۲۹،۷ ہین، ۱۱ مدارس نوجوان کسانون کے لیے ہین، اور ۱۴ مکتب چھوٹے بچون کے لیے ان مین سے ۱۰ تاتاری ہین،

اعلیٰ تعلیم کی حیثیت سے کالجون، جماعتی مدرسون اور انجمنون مین ۲۹۳۸ تاتار، ۸۳۸۶ روسی اور ۱۰۹ دوسری اقوام کے طلبہ ہین، یہان کے چار و جامعون کے طلبہ کی تعداد ۴۰۶۶ ہے، ان کے ساتھ تین سو دیہاتی تعلیمی گھر سے ہین، ۶۵۰۰ انجمنین جہالت کو دور کرنے کے لیے ہین، ۴۸۰ کتب خانے اور ۲۲۱ مدارس اساتذہ ہین ان کے علاوہ تھیٹر، بائسکوپ وغیرہ بھی اپنا اشاعت تعلیم کا فرض انجام دے رہے ہین،

اس علاقہ مین جو آج وسط ایشیائی جمہوریہ کے نام سے معروف ہے، قبل از جنگ مسلمانون کیلئے تین سو مدارس، اور تقریباً تین سو مسلم طلبہ دوسرے مدرسون مین بھی ہونگے، اب ان کی تعداد کا یہ حال ہے،

مسلم مدارس	۲۷۶	تعداد طلبہ	۴۵۰۰۰
محکمہ تعلیم معاشری کے مدارس	۶۹۵۱	"	۱۲۶۱۹

محکمہ تعلیم سیاسی	۴۴	تعداد طلبہ	۲۳۷۰
صنعتی مدارس	۲۹	"	۳۴۶۵

جمہوریہ بریت مین تو پہلے ہی سال تعلیم عام کردیگئی اور امید ہے کہ ۱۹۳۲-۳۳ء تک یہ کام مکمل ہو جائیگا،

۱۹۲۴-۲۵ء مین ۵۰۰ مدارس تھے ۱۹۲۵-۲۶ء مین ۷۰۰ ہوئے اور اب ۱۹۲۶-۲۷ء مین ۷۶۲ ہونگے اور ۱۹۳۳-۳۴ء تک ان کی تعداد ۸۰۴ تک پہنچ جائے گی، اس کے علاوہ دو مدارس اساتذہ وغیرہ بھی ہین،

جنوبی اوستائن مین میزانیہ کی نصف رقم قومی تعلیم پر صرف کیجاتی ہے، عہد زار مین یہان کل ۸ مدارس تھے اور اب ۴۶ ہین، ان کے علاوہ جاہلون کے لیے ۱۵۰ مرکز قائم کئے گیے ہین، اس کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ خود اسی زبان مین درسی کتابین لکھی جارہی ہین، رہا جرکسی علاقہ سو یہان بھی کافی تعلیمی ترقی ہوئی ہے،

اخبارات

جمہوریہ تاتار مین ۸۱ اخبارات ہین، ان مین سے ۴۲ تاتاری زبان مین ہین، مرکزی دارالاشاعت جو اخبارات شائع کرتا ہے ان مین مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہین:-

۱- یشنے، ہفتہ مین ۵ بار تعدادِ اشاعت تقریبًا ۴ ہزار،

۲- اگن شلیار، کسانون کا ہفتہ وار اخبار " ۸ ہزار،

۳- یش یشنے، ہفتہ وار اخبار " ۲۵۰۰ ہزار،

۴- کشس کنیبا ایہ تنشلیار، ماہوار رسالہ " ۲۵۰۰ ہزار،

ان کے علاوہ متعدد مرکزی تاتاری شہرون سے متعدد اخبارات شائع ہوتے ہین،

ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہین کہ تاتاری زبان مین معاشرت، سیاسیات، اقتصادیات، افسانہ وغیرہ پر بہت سی کتابین شائع ہوچکی ہین، اور ادبیات، فنون لطیفہ، علوم لغات، درسی کتابون کا بھی بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے،

بالشویک حکومت نے مذہبی معاملات مین ہر شخص کو کامل آزادی دے رکھی ہے، اور پیروان اسلام کو بھی یہ مراعات حاصل ہے،

معارف: مضمون بالا پر ایک عنوان اور بڑھانے کے لائق ہے، اور وہ روس کی اسلامی جمہوریتون کا بیان ہے، اڈیٹر معارف کو پہلے سفر جدہ مین جب روسی مسلمان بالشویک سفیر نجیمی سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا، تو ان سے یہ فہرست حاصل کی تھی، اس وقت روس مین حسب ذیل اسلامی جمہوریتین ہین جنکی بنا قومی نسل پر رکھی گئی ہے،

۱۔	تاتارستان	پایہ تخت	شہر قازان
۲۔	باشقردستان	"	شہر اوفا
۳۔	قرغزستان یا قازاقستان	"	شہر اورنبرگ
۴۔	کریمیا	"	شہر سیمفروپل
۵۔	داغستان	"	شہر ولادی قفقاز
۶۔	آذربائجان	"	شہر باکو
۷۔	آجارستان	"	شہر باطوم
۸۔	اوزبکستان	"	شہر سمرقند
۹۔	ترکمانستان	"	عشق آباد
۱۰۔	تاجیکستان	"	خجند
۱۱۔	خیوا	"	شہر خیوا (خوارزم)

"س"

لندن کی تصویری نمائش، ان دنون لندن کے ایک مشہور مکان برلنگٹن مین فلیمی اور بلجین مصورین کے شہ کارون کی نمائش ہو رہی ہے، یورپ کی پانچ حکومتون نے اس مین حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ امریکہ کے شوقین کروڑپتیون نے بھی اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ ان تصاویر کی مجموعی قیمت ایک کرور پونڈ یعنی تقریباً ۱۴ کرور روپیہ ہوگی، ان مین قرون اولی کی جو تصاویر ہین، وہ مذہبی احوال واثرات کو بہت نمایان طریقہ سے ظاہر کرتی ہین،

گھاس کی گھڑی، اخبار ڈیلی میل کے نامہ نگار خصوصی نے اپنے اخبار کو سٹراز برگ سے مطلع کیا ہے کہ مقام گوسلیہ (ہنوور) کے ایک گھڑی بنانے والے کارل رنسرٹ (جرمنی) نے دو سال کی مسلسل محنت کے بعد گھاس کی ایک گھڑی بنائی ہے جس کا نہ صرف چہرہ اور سوئیان گھاس کی ہین، بلکہ اس کا ڈھانچہ گھنٹہ اور تمام دوسرے پرزے بھی اوسی کے ہین، گھڑی صحیح وقت دیتی ہے،

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ اہل جرمنی نے ہاتھ گھڑی کے عوض آستین گھڑی ایجاد کی ہے، وہ کف مین بٹن کی جگہ لگائی جاتی ہے، اگرچہ وہ بہت چھوٹی چیز ہے لیکن وقت نہایت صحت کیساتھ دیتی ہے،

ٹائپ رائٹر اور نقاشی، از نگرام کی مجلس بلدیہ کے ہائی اسکول کے مدرس تجارت نے

ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنا کر اپنی مہارت تامہ کا ثبوت دیا، حال ہی مین اونکی اس طرح کی بنائی ہوئی مسٹر تلک اور بنگالی شاعر رابندرو ناتھ ٹیگور کی تصاویر رسائل نے شائع کی ہے ان کا نام مسٹر ایم وی اسپارو ہے، اسی طرح ایک بنگالی نوجوان بابو گوپی ناتھ گھوش نے بھی ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنانے مین کامیابی حاصل کی ہے،

ارتقاء لاسلکی کا ایک اور قدم، اس وقت لاسلکی طریقہ سے تار، ٹیلیفون، تصویر کشی، دستخط وغیرہ کی ایجاد تو ایک واقعی حقیقت ہو چکی ہے، چنانچہ امریکہ و انگلستان سے لاسلکی ٹیلیفون پر گفتگو ہوتی ہے، تصاویر لیجاتی ہین، مگر اب بعض علمائے برقیات نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اسی سلسلہ مین ایسے آلات ایجاد کرنے مین عنقریب کامیاب ہونے والے ہین، جنکے ذریعہ ایک بولنے والا دوسرے کو دیکھ بھی سکیگا اسطرح ہندوستان کا ایک مجمع پارلیمنٹ کی تقریر ہی نہین سنے گا بلکہ اوس کے ارکان، اور مقررین کی ادا و حرکت کو بھی دیکھ سکے گا،

امریکن پولیس کا نیا حربہ، اس وقت تک پولس کے سپاہی کو قیام امن وامان کے لئے ڈنڈون بندوقون، اور پستولون سے کام لینا پڑتا تھا، جنسے اکثر جانون کے تلف ہونے کا افسوس ناک نتیجہ پیدا ہوتا تھا، اس لیے اب ان چیزون کی جگہ ان کو ایک چھوٹا سا بکس اور بم دیا جاتا ہے، اس بکس مین ایک قسم کی گیس ہوتی ہے، جسکے ذریعہ ایک مجمع کو کچھ دیر کے لیے بے بصر کر دیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک فاؤنٹین پن بھی ایجاد ہوا ہے جس کے اندر اسی قسم کی گیس بھری رہتی ہے، اور چور اور ڈاکو کو اس کے ذریعہ بدحواس کرکے فوراً گرفتار کر لیا جا سکتا ہے، اسی قسم کی ایک چھوٹی سی بندوق بھی بنائی گئی ہے، جس کے ذریعہ وہی گیس مجمع پر چھوڑی جا سکتی ہے، اس بندوق سے ایک مرتبہ مین ۲ ہزار کے مجمع کو

سے دست و پا بنا دیا جا سکتا ہے ،

ہندوستان اور موٹر کے اخراجات، دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان مین بھی موٹر کی عام کثرت ہوتی جارہی ہے، گذشتہ تین سال کے صرف سات سات مہینون یعنی پہلی اپریل سے ۳۱ اکتوبر تک جتنی موٹرین آئی ہین، انکی قیمت سے معلوم ہوگا کہ قریب ہندوستان کا کتنا روپیہ صرف موٹر کی خریداری کے نذر ہو رہا ہے،

سنہ ۱۹۲۴ء . . . . . . ۱۲۱۱۰۷۵۵ . . . . . . روپیہ

سنہ ۱۹۲۵ء . . . . . . ۱۳۰۱۸۴۴۰ . . . . . . "

سنہ ۱۹۲۶ء . . . . . . ۱۵۲۳۶۴۹۵ . . . . . . "

یہ موٹرین ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا، برطانیہ، بلجیم، فرانس، اطالیہ وغیرہ سے آئی ہین، لیکن اولیت کا درجہ امریکہ کو حاصل ہے، ان موٹرون مین سے ۳۰ فیصدی بنگال مین، ۲۹ فی صدی بمبئی مین، سندھ ۱۵ فیصدی، مدراس ۱۵ فی صدی، اور برما ۱۱ فی فیصدی [illegible] ،

اسی کے ساتھ ان تین برسون کی موٹر سائیکلون کی جو ہندوستان آئین قیمت معلوم کر لیجئے،

سنہ ۱۹۲۴ء . . . . . . ۵۴۱۷۴۱ . . . . . . روپیہ

سنہ ۱۹۲۵ء . . . . . . ۴۶۷۱۰۸ . . . . . . "

[illegible] . . . . . . ۲۰۷۶۲۳ . . . . . . "

انھین تین برسون [illegible] ان دو چیزون کی خریداری کی بدولت مفلس ملک کا ۴۱۹۸۲۱۴۲ روپیہ باہر چلا گیا، نہ معلوم وہ دن کب آئے گا جب اس ملک کے امراء کو اسکی صنعت و حرفت کی طرف توجہ ہوگی،

برطانیہ مین بیکاری، اگرچہ حکومت برطانیہ اور سرمایہ دار جماعت دونون برطانوی صنعتون کی

ترویج و توسیع مین انتہائی کوشش کر رہی مین لیکن اس کے باوجود وہان بیکارون کی تعداد برابر بڑھ رہی ہو، چنانچہ گذشتہ ماہ مین انکی تعداد ۲۹۵۸۰۰۰ تھی، یہ تعداد اپنے ایک ہفتہ ماقبل کی تعداد ۲۰۲۲۲ سے ۲۲۲۲ اور ایک سال پہلے کی تعداد سے ۲۴۴۰۹۴ زیادہ ہے،

آلۂ جذبات نما کی ایجاد، پروفیسر اے، وی، ہل نے رائل انسٹیٹیوٹ کی تقریرون کے سلسلہ مین ایک ایسے آلہ کا تعارف و تجربہ کرایا جو ان مختلف حالتون کو جو اعصاب مین مختلف جذبات کی بنا پر پیدا ہوتی ہین صاف ظاہر کرتا ہے۔

پروفیسر ہل کا ایک رفیق کار پانی کے پیالون مین ہاتھ ڈالکر بیٹھ گیا، یہ پیالے ایک برقی سلسلہ سے متعلق تھے، جو اس آلے جو قوتِ مقاومہ کی پیمائش کا ہے ملا ہوا تھا، یہ کہ امتحان کے وقت ایک ترازو پر ایک خاص قسم کی روشنی ڈالتا ہو، اس رفیقِ کار کی عدم واقفیت مین ایک برقی بلب زمین پر پٹک دیا گیا، ایک سخت دھماکہ ہوا معمول چونک پڑا اور وہ نقطۂ نور متحرک ہوگیا، پروفیسر ہل کا دعویٰ ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ ہر شخص کے [illegible] صرف معلوم کئے جاسکتے ہین بلکہ ان کا اقرار کرایا جاسکتا ہے،

جہازی یونیورسٹی:- کچھ عرصہ سے امریکہ مین ایک انجمن قائم ہوئی ہو، اس نے ایک جامعہ کی بنا ڈالی ہو جو مقامی ہونے کی بجائے سفری ہو، اس انجمن کا خیال ہو کہ تعلیم صرف کتابون کے پڑھنے کا نام نہین، بلکہ اس مین مشاہداتِ عالم کا ایک بڑا عنصر بھی ہونا چاہئے، چنانچہ اس نے اسی غرض سے ایک بہت بڑا جہاز بنوایا، اس مین دارالاقامہ ہے، درس کے کمرے ہین علمی معمل ہین، کتب خانہ ہو، اس جہاز کا نام ریندم (RIIDAM) ہو، یہ جہاز امریکہ سے جاپان، چین، سیام، مشرقی جزائر ہند، سنگاپور اور سیلون ہوتا ہوا گذشتہ ماہ بمبئی پہنچا تھا، اس وقت اس مین ۶۰ اساتذہ ۲۸۸ طلبہ (جنمین لڑکے اور لڑکیان دونون ہین) اور جنکی عمر ۱۹ و ۲۴ کے درمیان ہو اور ۲۷۵ جہازی ہین، اسی جہاز پر کھیل کا میدان بھی ہو، سب سے بڑھکر بات یہ ہے کہ خود اسی جہاز پر سے ایک اخبار بھی شائع کیا جاتا ہے،

"ن"

ادبیات

سرودِ شعر

از

پروفیسر محمد اکبر منیر، ملتان گورنمنٹ کالج

"ہمارے دوست اب تک جدید ایرانی شاعر تھے، لیکن وہ اب اس رنگ کو فارسی سے اردو میں منتقل کر رہے ہیں، اور یہ کلام اس کا پہلا نمونہ ہے، موصوف کے فارسی کلام کا مجموعہ "ماہ نو" کے نام سے زیرِ طبع ہے۔"

"معارف"

بلبلِ آسمان ہوں میں　نغمۂ جاودان ہوں میں　مہر ہوں کہکشان ہوں میں　تیغ جہانستان ہوں میں
حسن کا رازدان ہوں میں　عشق کی داستان ہیں میں　زندگیِ عیان ہوں میں　زندگیِ نہان ہوں میں
بلبلِ آسمان ہوں میں　نغمۂ جاودان ہوں میں

ہستیِ کوہسار ہوں　مستیِ جوئبار ہوں　سینۂ رازدار ہوں　دیدۂ غمگسار ہوں
پیکِ وفا شعار ہوں　خنجرِ آبدار ہوں　آتشِ کارزار ہوں　موسمِ نوبہار ہوں
بلبلِ آسمان ہوں میں　نغمۂ جاودان ہوں میں

حسن ہے میری آرزو　عشق ہے میری آبرو　آئینہ سا ہے زندگی　دیدۂ دل کے روبرو
بزمِ جہان میں کو بکو　باغ بباغ جو بجو　رہتی ہے اسکی جستجو　رہتی ہے اس کی گفتگو
بلبلِ آسمان ہوں میں　نغمۂ جاودان ہوں میں

بالگیِ خیال ہوں　سادگیِ غزال ہوں　آئینۂ جمال ہوں　آئینۂ جلال ہوں

حسن ہون خط وخال ہون عشق ہون ذوق وحال ہون انجمن وصال ہون دولت لازوال ہون

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

مین ہون جہان دلبری مین ہون نشان سروری بتگری و مصوری حور و فرشتہ و پری
اختر چرخ چنبری جلوۂ مہر خاوری آئینۂ سکندری معجزۂ پیمبری

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

میری نگہ پہ ہے عیان بزم مکان و لامکان فرش و فضائے خاکدان عرش و بساط آسمان
تو دلون کا ہون مین زبان قومون کا ہون مین پاسبان مین ہون اذان دیر کی مین ہون نوای جاودان

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

جلوہ ہون نور ذات کا آئینہ ہون صفات کا عکس ہون شش جہات کا نقشہ ہون کائنات کا
بتکدۂ ممات کا کشمکش حیات کا باغ کے پات پات کا بزم کی بات بات کا

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

میکدۂ وجود ہون جلوہ گہ شہود ہون بارگہ درود ہون بارگہ سجود ہون
حسن کا تار و پود ہون شعلۂ ہست و بود ہون زندگی کی نمود ہون زندگی کا سرود ہون

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

ڈھونڈھے ہے تیری سادگی نقش ونگار زندگی دیکھ کہ ہون مین سربسر آئینہ دار زندگی
میرے نفس کی آگ ہے جنبش تار زندگی مین ہون شرار زندگی مین ہون بہار زندگی

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

کہتے ہین لوگ زندگی ایک عجیب خواب ہے کوئی کہے سراب ہے کوئی کہے حباب ہے
مین کہون آفتاب ہے جام شراب ناب ہے جوئے روان آب ہے پیکر انقلاب ہے

بلبلِ آسمان ہون مین   نغمۂ جاودان ہون مین

زندگی ایک جنگ ہے عرصۂ نام و ننگ ہے   تو کہے راہ سنگ ہے تیرہ و تار و تنگ ہے
مین کہون آب گنگ ہے جلوۂ رنگ رنگ ہے   مرد کو عود و چنگ ہے بزدلون کو نہنگ ہے

بلبلِ آسمان ہون مین   نغمۂ جاودان ہون مین

مین ہون پیام زندگی تو ہے قیام زندگی   مین ہون حسام زندگی تو ہے نیام زندگی
پی مئے جام زندگی دیکھ خرام زندگی   حسن تمام زندگی نور دوام زندگی

بلبلِ آسمان ہون مین   نغمۂ جاودان ہون مین

عارفِ بزم راز ہو زندگی کی نما ز ہو   حسن ہو جان نواز ہو عشق ہو جان گداز ہو
تازہ ہو یا نیا نہ ہو نوی ہو ا یا ز ہو   قلب نوا طراز ہو دیدۂ پاکباز ہو

بلبلِ آسمان ہون مین   نغمۂ جاودان ہون مین

حسرت موہانی

از جناب جلیل صاحب قدوائی. بی اے (علیگ)

اس سردی کے دنون مین حسرت موہانی صاحب کی یاد تعجب انگیز ہے، شاید اسی سے حضرت حسرت مین نئی گرمی پیدا ہو سکے ،

* معارف

اے وہ کہ ترے سخن نے کی ہے   غمازیِ سوزشِ نہانی!
تیری جو ئے سخن سے اُبلا   سرچشمۂ بادۂ جوانی
پژمردہ رگون مین ہے تری خون   اور خون مین گرمی روانی

ملہ تلوار

صحرا کو بنا دیا ہے گلزار　　　اللہ ری تری خون فشانی

تو رمز شناس عاشقی ہے　　　ہے درد بھری تری کہانی

ہر نقش مین زخم دل ہویدا　　　اللہ ری سوزش نہانی

نغمون مین بھی اک تڑپ ہے پیدا　　　اللہ ری ترانم نہانی

تیرے ہر شعر مین ہے پنہان　　　پیغام حیات جاودانی

نالون مین ترے نہ کیون اثر ہو　　　ہے داغ جگر کی یہ نشانی

تیری رنگینیون مین پنہان　　　انداز نظیری و فغانی

تیری صناعیون کے آگے　　　وہم باطل ہے نقش مانی

اس ملک سخن مین تو ہے یکتا　　　اردو مین ہے کون تیرا ثانی؟

اس دل کو ترے سخن کی گرمی　　　ہے ماحصل حیات فانی

ارباب کمال مین تری قدر　　　افسوس یہی کہ کم سے جانی

ناقدر شناس ہند مین کون　　　سنتا ترے درد کی کہانی

بے حس ہے ابھی فضائے اردو　　　ہوگی کبھی تری قدردانی

تو خلد برین کا میہمان ہے　　　ہوگی وہین تری میہمانی

کیون چپ ہے تو بہت دنون سے　　　اے طوطی گلشن معانی!

پھر روح کو محو ساز کر دے　　　پھر چھیڑ کوئی نئی کہانی

ہو جائین دلون سے دور صدمے

خاموش فضا مین بھر دے نغمے!

قطعۂ تاریخِ وفات شاد عظیم آبادی مرحوم

از حضرت ارمان شاد آبادی متعلم نیو کالج پٹنہ

ارمان صاحب نے ۱۹ شعر کا طویل قطعہ مرثیہ کی صورت مین اس واقعہ پر لکھکر ہم کو بھیجا ہے جس کے لئے افسوس ہے کہ معارف کے صفحات مین گنجائش نہ تھی، مگر تاریخ کا مادہ ارمان صاحب کو ایسا اچھا ہاتھ آیا ہے کہ ہم ناظرین معارف کو اس سے محروم نہین کر سکتے۔

ہائے دنیا سے چل بسے افسوس ❊ خان بہادر علی محمد شاد

حق بجانب ہو گر ہو اس غم مین ❊ ایک ماتم سرا عظیم آباد

بلکہ سارا بہار ہے محزون ❊ کہ یہ ہے اک مصیبت بڑی افتاد

ہے جو ارمان تجھے بھی شاد کا غم

فقرۂ سالِ فوت لکھ غم شاد

۱۳۴۵ھ

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر تاج الدین صاحب اورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین اسکے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے اسلئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے، قیمت عمر

بَابُ التَّقْرِیظِ وَالْاِنْتِقَادِ

نبراس الساری فی اطراف البخاری،

حدیث نبوی کی کتابون مین جامع بخاری کا جو درجہ ہے وہ قرآن پاک کے بعد کسی اسلامی کتاب کو حاصل نہین ہے، صحاح ستہ کی ہر کتاب اپنا ایک خاص موضوع رکھتی ہے، جامع بخاری کا موضوع یہ بتانا ہے کہ ہر حدیث اپنے اندر مختلف احکام، اصول، نکات، اور عملی پیغام رکھتی ہے، اسلیے امام صاحب کو اکثر و بیشتر ایک حدیث کے مختلف اطراف و اجزا، کو متعدد ابواب مین بکھیر دینا پڑا ہے، اس سے دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ جن لوگون کو حدیث کی ہر روایت پر اور اس کے ہر جز پر یکجا غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لیے بخاری شریف کا سرسری مطالعہ کافی نہین ہوسکتا، اور ایک ایک حدیث کے تمام طرق روایت اور اجزا، کے یکجا کرنے مین گھنٹون بلکہ دنون لگ جاتے ہین،

اس لیے ہر زمانہ مین اسکی ضرورت محسوس کیگئی ہے کہ بخاری کے اطراف پر مستقل تصنیفین ہون، لیکن قدمار نے بخاری و مسلم دونون کی اطراف، صحیحین ایک ساتھ لکھین، حافظ ابو مسعود دمشقی، حافظ ابن حمدون واسطی، حافظ ابونعیم اصفہانی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیحین کی اطراف لکھی تھی، مگر اول تو یہ کتابین خود ناپید و نایاب ہین، دوسرے یہ کہ وہ مستقل بخاری کی اطراف نہین، اس کمی کو ہمارے عہد کے ایک عالم جناب مولانا ابوسعید محمد عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) نے پورا کیا ہے، اور نبراس الساری فی اطراف البخاری لکھکر طالبانِ حدیث کی ایک اہم ضرورت کا علاج کیا ہے، یعنی صحیح بخاری کی ہر روایت کے تمام طرق کو خاص ترتیب کیساتھ یکجا کر دیا ہے جس سے گھنٹون اور دنون کا

کام منٹون مین انجام پانے لگا، اس زمانہ مین جبکہ اس قسم کی محنت اور کاوش کا کام شاذ و نادر ہی ہوتا ہے،
مولانائے ممدوح کی یہ محنت اور جانکاہی ہر طرح قابل داد اور تمام اہل علم کے شکریہ کی مستحق ہے،

ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اور جابجا سے اس کے حوالون کو ملایا بھی ہے، کہین سے کوئی اختلاف
نہین ملا، کتاب کے شروع مین مضمون کے اندر جناب مصنف نے اپنا اصول بھی بتا دیا ہے، اور انھین اصول
کو اس اشتہار مین بھی دہرایا ہے جو اس کتاب کے ساتھ ہم کو ملا ہے، سرسری طور پر ان اصول کا ذکر کر دینا ضروری ہے

۱۔ بخاری مین جس قدر حدیثین اس قسم کی ہین جو مفہوم کے اعتبار سے واحد ہین، یا ایک حدیث دوسری
حدیث کا شطر (ٹکڑا) یا طرف (جز) ہے اور اس کا راوی ایک ہی صحابی ہے تو ان سب کو ایک حدیث
قرار دیکر اس باب کے ماتحت درج کیا ہے جسمین سب سے پہلے وہ حدیث وارد ہوئی ہے، پھر اسی موقع پر
یہ بھی بتا دیا ہے کہ فلان فلان ابواب مین یہ حدیث ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بخاری شریف (غالبًا مصححہ مولانا
احمد علی صاحب محدث سہارنپوری) اور فتح الباری اور عینی کے صفحات کا حوالہ بھی دیا ہے، پھر جہان جہان
اس حدیث پر دوبارہ گذرنا پڑا ہے وہان بتا دیا ہے کہ فلان موقع پر اس حدیث کا حوالہ گذر چکا،

۲۔ مختلف علامات کے ذریعہ سے انھون نے ہر حدیث کے طرقِ روایت کی طرف بھی اشارہ
کیا ہے، ہر دو طریق کے رواۃ ایک ہون تو صہ شیخ اول کے علاوہ سارے رواۃ ایک ہون تو صص
صرف صحابی پر اتفاق ہو تو صہ صحابی اور تابعی پر اتفاق ہو تو صع اور اس سے نیچے بترتیب ست
سس کی علامتین مقرر ہین،

۳۔ جن تعلیقات کو دوسرے مقامات پر امام صاحب نے موصول بیان کیا ہے، ان کے متعلق
ایسے ہی مقام کا حوالہ دیا ہے جس کے الفاظ معلّق حدیث کے الفاظ سے زیادہ موافق ہین،

۴۔ جہان کہین متابعات کے مواضع کا ذکر ضروری سمجھا ہے وہان ان کا بھی ذکر کر دیا،

۵۔ کسی حدیث کے حوالہ یا تتبع مین جہان کہین ائمہ و شراح سے کچھ لغزشین ہوئی ہین، ان کو بھی

بتایا گیا ہو اس کے علاوہ اور بھی ضروری اشارات ہین جن سے طالب حدیث کو بہت کچھ فوائد حاصل ہو سکتے ہین؛ طباعت اور کتابت کے لحاظ سے بھی یہ کتاب قابل قدر ہے، شاذ و نادر مواقع پر تصحیح اور کتابت کی غلطیان بھی رہ گئی ہین لیکن جناب مصنف نے خود قلم سے ان مواقع کی اصلاح کر دی ہے، صفحہ ۱۸۹ سطر ۲ کے متعلق انھون نے خود ہی یہ اطلاع بھی کر دی ہے کہ (وقد انتشر طاعمر) کی بجائے (لان عمر وقف) پڑھنا چاہیے

اب تک ہمارے سامنے نبراس الساری کا پہلا حصہ ہے جس مین آغاز کتاب باب بدء الوحی سے لیکر باب اتیان الیہود النبی صلعم حین قدم المدینۃ تک کی حدیثون کا پتہ بتایا گیا ہے، اس حصہ کی قیمت عا ہے، دوسرا حصہ ابھی پریس سے باہر نہین آیا ہے، اسلیے اسکی صحیح قیمت نہین معلوم لیکن پہلی جلد کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکی قیمت بھی عا یا عا ہوگی، یا این ہمہ جو اصحاب اس پہلی جلد کی قیمت کے ساتھ عہ اور بھیجدینگے دوسری جلد اسی قیمت پر ان کو ملجائے گی، دوسری جلد کے خریدار کیساتھ ایک رعایت یہ بھی کیگئی ہے کہ جو لوگ ابھی سے اطلاع دیدینگے کہ چھپ جانے کے بعد ان کے نام وہ بھیج دی جائے ان سے ۸ر اس وقت کی قیمت سے کم لیا جائے گا،

آخر مین ایک بات ہم کو جناب مصنف سے یہ عرض کرنی ہے، کہ دوسری جلد کے ساتھ، فہرست ابواب اور غلطنامہ بھی ضروری ہے، امید یہ ہے کہ ذی علم طبقہ مین یہ کتاب نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی؛

جناب مولانا انور شاہ صاحب مدرس اوّل دار العلوم دیوبند نے اس پر اردو مین تقریظ لکھی ہے، اور وہ اخبارات مین چھپ گئی ہے، پتہ :- جناب مولانا عبد العزیز صاحب خطیب جامع مسجد گجرانوالہ

"ج"

نسیم عرفان

ایک زمانہ تھا کہ اردو شاعری صوفیائے کرام کی حقیقت آشنا نواسنجیون سے معمور تھی، خواجہ درد، مرزا مظہر، میر اثر، شاہ گلشن، شاہ نیاز وغیرہ عرفا کے کلام سے ہماری زبان فیوض و برکات اور حقائق

د معارف سے مالامال ہو رہی تھی، پھر کچھ ایسا انقلاب آیا کہ یہ صرف "حسن رہگذر" اور عشق سر راہ" کے عامیانہ جذبات کے لیے رہ گئی، اور اس پورے دور مین حضرت آسی کے سوا کوئی دوسرا اس نغمہ کا ہماری زبان مین پیدا نہ ہوا،

ادھر چند برسون میں، متعدد نوجوان شعرا ابھرے ہین، جنکی زبان سے بھی کبھی کبھی دانستہ یا نادانستہ معرفت و حقیقت کے ترانے بلند ہوتے ہین، مگر افسوس ہے کہ وہ ان کا قال ہے، حال نہین، وہ سنی سنائی باتین ہین، جانی بوجھی حقیقتین نہین، اسلیے وہ اس اثر اور اخلاص سے خالی ہین، جو ایک صاحب باطن کے کمال کا شیوہ ہے،

ابھی حیدرآباد سے ایک بزرگ کا مختصر مجموعۂ کلام موصول ہوا جسکا نام نسیم عرفان ہے، معلوم ہوا کہ ابھی دنیا ان پرکیف ہستیون سے خالی نہین، بات یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیان، ابنائے زمانہ کے ذرائع شہرت سے نفور ہین اور پرانا ذوق اور عشق کمال مفقود ہے، جسکی بنا پر یہ خزانہ کسی گوشہ مین بھی چھپکر مخفی نہین رہ سکتا تھا،

یہ جناب مولانا عبدالقدیر صاحب متخلص بہ حسرت صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی چند اردو اور بعض فارسی غزلون کا مجموعہ ہے، مولانا ظاہری فضل و کمال کے ساتھ سرمست بادۂ عرفان بھی ہین، وہ ایک شاعر زبان ہونے کے ساتھ صوفی دل بھی ہین، ان کا قال ان کا حال ہے، گو یہ مجموعہ نہایت مختصر ہے یعنی صرف ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، جنمین ۲۴ غزلین ہین، ان غزلون کی زبان مین ممکن ہے کہ وہ شاعرانہ نکتہ پروری نہ ہو، جو دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے لیے خاص ہے، نیز وہ شاعرانہ گرفت اور حرف گیری سے بھی گو پاک نہو، اور کہین کہین خیالات کی بلندی کی بنا پر بڑے بڑے مغلق لفظ ملتے ہون تاہم خیالات کے عمق، جذبات کی بلندی، ادائے تعبیر کی شگفتگی، اور سب سے بڑی چیز ذاتی حالیت اور کیفیت اس مین پائی جاتی ہے، نمونہ یہ ہے،

ساقی مین تیرے دست کرم پر نثار ہون ... اک جام اور دے مین ابھی ہوشیار ہون

بے بود ہے نمود، عدم ہے مرا وجود ... مین چشم اعتبار مین، محض اعتبار ہون

مقصد مراد ہی ہے، جو مطلب ہے یار کا | میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں
دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب | تیرے لیے میں تیری طرح بیقرار ہوں
اس بیخودی نے کہیں بگاڑا مرا تمام | اے شوق وصل تجھ سے بہت شرمسار ہوں

نمود جنبش نوک قلم میں ساری تحریریں | عو انم کیا میں، علم ذات کی ہیں ساری تفسیریں
تماشا گاہ ہے عالم کی استاد کامل کا | یہ ہم تم کیا ہیں گویا سینما کی چند تصویریں
خدا پر چھوڑ اپنے نیک و بد کو سب ہیں لاحاصل | نہ کام آئینگی تدبیریں، نہ تقریریں نہ تحریریں

مری بود ہی کی نمود ہے، یہ حقیقت اور مجاز میں | میں دکھا کے لاکھوں نمائشیں ہوں ہنوز پردۂ راز میں
نہ شراب میں وہ مزا ملا، نہ کباب میں وہ مزا ملا | بخدا ملا جو مجھے مزا، مرے[1] دل کے سوز و گداز میں
تو کمال حسن سے سرفراز، مجھے تیرے عشق سے امتیاز | نہ تیری نظیر ہے ناز میں، نہ میری نظیر نیاز میں
نہ ملیں وہ محفل قدس میں، نہ بلائیں منزل انس میں | کہیں چلتے پھرتے نظر پڑیں وہ مجھے بھی راہ مجاز میں
جو نہ ہو اسی کی نمود ہو، نہ نمود اصل وجود ہو | کوئی کیا بتائے کمال ہے، جو خیال شعبدہ باز میں
ترے درد دل کی کہیں دوا، نہ ملیگی حسرت بینوا | تو تڑپ تڑپ کے تمام ہو یوں ہی نالہائے گداز میں

میں دفن میرے ساتھ ہے دل کی حسرتیں | شکر خدا کہ قبر میں تنہا نہیں ہوں میں
کانوں میں بس گئی ہے اک آواز دلنشیں | مدت ہوئی مگر اوسے بھولا نہیں ہوں میں

تقطیع متوسط، لکھائی چھپائی خاصی، قیمت ۸ر پتہ: عبد الحق ایڈیٹر اورنگزیبی و دوا خانہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

---

[1] معارف: "سینہ مرے دل" کا محاورہ غالباً "مری" اوقات سے کی طرح معانی کے قابل ہے، روزنامہ زمیندار کے مدیر ان کا رسولوٹ انکو نہیں

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ الحسن: یہ جناب مولوی ابو العطاء صاحب امجد کی تالیف ہے، جسمین انھون نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے مبارک سوانح حیات قلمبند کئے ہین، رسالہ کی ضخامت ۸۰ صفحات کی ہے، ان مین امام ممدوح کے تمام حالات مختلف عنوانون کے تحت مین بیان کیے ہین، لیکن افسوس ہے کہ واقعات کی صحت مین بعض مقامات پر زیادہ چھان بین سے کام نہین لیا گیا، مثلاً ابن ملجم کے قتل کا واقعہ یون لکھا گیا ہے، "حضرت حسنؓ نے چاہا کہ قتل نہ کیا جائے بلکہ دیس نکالا دیا(؟) جائے، چنانچہ یہی حکم دیکر سپاہیون کے حوالہ کر دیا، مگر راستہ مین جناب حسین، جعفر، اور ایک اور حضرت مل گئے، جنھون نے ابن ملجم کو سپاہیون سے چھین لیا، تیل اور چٹائی کے ٹکڑے اور آگ لا کر سب سے پہلے ابن ملجم کے ایک ایک اعضا (؟) کو اس کے جسم سے کاٹ کر علحدہ کیا، ہر ایک عضو کٹنے پر وہ آیت قرآنی پڑھتا اور وہ اُف نہ کرتا، یہانتک کہ جب زبان پر دست درازی (؟) کی تب وہ رویا ... آخر کار ابن ملجم پر چٹائی کے ٹکڑے اور تیل ڈالکر آگ لگا دی گئی، اور وہ ذرا دیر مین جلکر خاکستر ہو گیا"، حالانکہ ابن اثیر اور طبری وغیرہ کا متفقہ بیان ہے کہ وہ حضرت حسنؓ کے حکم سے قتل کر دیا گیا، اسلیے یہ تفصیلات تمامتر مزخرفات ہین؟ البتہ یہ صحیح ہے کہ قتل کے بعد عوام نے جوش غضب مین اسکی لاش چٹائی مین لپیٹ کر جلا دی تھی، رسالہ کا کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت مع محصول ڈاک ۵ر پتہ :- مرزا العطاء الرحمن فتحپوری زیر مرکنٹائیل بنک دہلی،

تحریم الزنا، جناب مولانا خطیب عبد القیوم صاحب میلو شارمی نے ایک مختصر رسالہ تحریم الزنا مین جرم زنا کی اہمیت، قرآن وحدیث سے اسکی حرمت، اس کے تباہ کن نتائج وعواقب، حدود شرعی، اور اخلاقی وطبی نقطۂ نظر سے اس کے مضر اثرات پر نہایت حسن وخوبی سے بحث کی ہے، حجم ۲۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، جناب مؤلف سے میلو شارم ضلع شمالی ارکاٹ، مدراس کے پتہ سے ۲ر ٹکٹ ڈاک بھیجکر طلب کیجئے

انا بشر، مسلمانون مین ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو قرآن پاک اور حدیث شریف کی واضح تصریحات کے باوجود آنحضرت صلعم کو بشر کہنا ایک معصیت کبیرہ تصور کرتا ہے، اسی جماعت کو پیش نظر رکھکر جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے اس مختصر رسالہ مین آنحضرت صلعم کی بشریت کے متعلق قرآن پاک وحدیث کی تصریحات پیش کی ہین، اور ثابت کیا ہے کہ آپ کو بشر کہنا، نہ معصیت ہے، اور نہ سوء ادب ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۳۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۱؎ پتہ :- جناب ناظم صاحب دار التصنیف کپورتھلہ۔

الصرف والنحو، جناب مولانا حکیم سید محمد خلیف صاحب دسنوی کی زندگی کا بیشتر حصہ بچون کی تعلیم و تدریس مین صرف ہوا ہے، اسلیے ان کو بچون کے اصولِ تعلیم مین خاص دستگاہ حاصل ہوگئی ہے، چنانچہ انھون نے پہلے فارسی صرف ونحو پر ایک نہایت کارآمد اور مفید رسالہ خیر المصادر لکھا جس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہین، اب اسی انداز پر عربی صرف ونحو پر زیر تبصرہ رسالہ ان کے قلم سے شائع ہوا ہے، جس مین صرف و نحو کے تمام مسائل نہایت استقصار، اور جامعیت سے بچون کی فطرت کو ملحوظ رکھکر ایک خاص اسلوب مین یکجا کر دیے گئے ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ بچون کے لیے مفید ثابت ہوگا، حجم مجموعی ۸۰ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت قسم اول ۸؍ و قسم دوم ۵؍ پتہ :- جناب منیجر صاحب چشمۂ کمال دہلی،

سرورِ عالم، جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے مجالسِ میلاد مین پڑھنے کے لیے ایک رسالہ "سرورِ عالم" کے نام سے تالیف کیا جسمین پہلے بعثت نبوی سے قبل کی دنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت بتائی گئی پھر آنحضرت صلعم کے متعلق کتب مقدسہ کی بشارتین ہین، اس کے بعد ظہور قدسی سے وفات تک کے حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد شمائل نبوی کا ایک باب ہے اور آخر مین "اسلام کی امتیازی خصوصیات" پر مختصر طور پر بحث کیگئی ہے ضخامت ۷۲ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت ۱۲؍ پتہ :- جناب ناظم صاحب دار التصنیف کپورتھلہ،

شرح قصیدہ بانت سعاد، جناب مولوی ابو المغازی علی الاعلی صاحب فاروقی جونپوری

ندوی "المولود ۱۳۱۱ھ" نے عرب کے مشہور شاعر کعب بن زہیر کے اس قصیدہ کا تشریحی ترجمہ کرکے شایع کیا ہے جسکو انھون نے اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام کے مجمع مین آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے آپ کی شان مین پڑھا تھا اور انکو اس کے صلہ مین آپنے اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی، رسالہ کے شروع مین شاعر کے مختصر حالات زندگی بین پھر قصیدہ اور اس کا ترجمہ مع شرح ہے جس مین مشکل لغات کی تشریح بھی کیگئی ہے، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور بامحاورہ ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۳۲ صفحے، کتابت وطباعت اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۶ر پتہ:- دائرہ مطبوعات ملیہ جونپور،

عربی طب، جناب مولوی حکیم شمس الدین احمد صاحب نے مسلم اکاڈیمی لکھنؤ کے ایک جلسہ میں عربون کے علم طب پر ایک مختصر خطبہ دیا تھا، جس مین عربون کے علم طب اور یورپ کے اس سے استفادہ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا تھا، مسلم اکاڈیمی نے اسی خطبہ کو "عربی طب" کے نام سے شائع کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۳ صفحے، کاغذ اور لکھائی، چھپائی اچھی ہے، پتہ: مسلم اکاڈیمی لکھنؤ،

سفر حجاز، جناب قادر بادشاہ صاحب مرحوم رئیس وانمباڑی مدراس کے سفر حج کے حالات کو "سفر حجاز" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، ضخامت ۱۳۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت ۸ر پتہ:- جناب مولوی خطیب محمد عبدالرشید صاحب نمبر ۶، گوڈون اسٹریٹ، مدراس،

ریلوے مسافر، جناب علی احمد صاحب زاہد جبلپوری نے ریلوے ایکٹ مین سے ضروری معلومات کو عام فہم سلیس اردو مین لکھ کر ایک خاص ترتیب کے ساتھ "ریلوے مسافر" کے نام سے شائع کیا ہے، ریلوے سفر کرنے والے لوگون کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۴ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۴ر پتہ:- الیس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور (ممالک متوسط)

لمعات نور، دسمبر ۱۹۲۶ء کے رسالہ مین اردو اشعار کے نئے اور دلچسپ مجموعہ لمعات نور پر جو تبصرہ لکھا گیا تھا اس مین اسکی قیمت ۸ر لکھی گئی تھی، حالانکہ اسکی اصلی قیمت ۱۲ر ہے، پتہ:- حافظ قمر الدین اینڈ سنز تاجران کتب موچی دروازہ لاہور،

"ض"

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۵

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

اپریل ۱۹۲۷ء

قیمت:۔ صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

عدد چہارم	ماہ شوال ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۷ء	مجلد نوزدہم

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ نے گذشتہ ماہ اس دار فانی کو الوداع کہا، مرحوم بنگال کے ان چند ممتاز اہل علم مین تھے جنپر اس صوبہ کو ناز تھا معارف کے صفحات بھی اکثر ان کے مضامین سے زینت پاتے رہے ہین، ہندوستان کے قلمی کتب خانون، اور نادر علمی جواہر کے گوشہ گوشہ ان کو واقفیت تھی، اور ایشیاٹک سوسائٹی کی طرف سے کتابون کی تلاش مین انھون نے تمام ہندوستان کو چھان ڈالا تھا، چند سال سے عجائب خانہ کلکتہ مین آثار قدیمہ کی تحقیق کا کام ان کے سپرد ہوا تھا، افسوس کہ بنگال کا یہ نامور محقق اس عجائب خانۂ عالم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا،

ہندوستانی اکاڈمی کا افتتاحی جلسہ صوبہ کے گورنر کے زیر صدارت ۲۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو قیصر باغ کی بارہ دری مین منعقد ہوا، وزیر تعلیمات نے ایڈریس پیش کیا، گورنر نے جوابی تقریر کی، اور اکاڈمی کے صدر ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے شکریہ ادا کیا، ہندوستانی اکاڈمی جو دیسی زبانون کی ترقی کے لیے قائم کیگئی ہے، اسکی یہ تمام کاروائی بدیسی زبان مین انجام پائی، جب یہ دیسی زبانین خوشی و مسرت اور افتتاح و شکریہ کے عام مضامین کی وسعت بھی اپنے اندر نہین رکھتین تو ان علوم وفنون کی گنجائش ان مین کیونکر پیدا ہوگی جنکی خدمت کا ہم عزم رکھتے ہین،

ہزاکسلنسی گورنر کی تقریر پڑھکر نہایت تعجب ہوا کہ انھون نے دیسی زبانون کی موجودہ حالت کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہین، وہ بہت حد تک صحیح ہین، ہندی کے متعلق تو ہمین پوری واقفیت نہین، لیکن اردو مین عام ناولون اور شاعری کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے ہزاکسلنسی نے سالانہ مستقل تصنیفات کی تعداد کا اندازہ تخمینہ کی ہو یہ بہت زیادہ ہے، مغربی علوم وفنون کے ترجمہ کو اس اکاڈمی مین دوسرے درجہ کی اہمیت دینے کا جو مشورہ

دیا ہے وہ صحیح نہیں، ابھی اردو کے لیے وہ وقت بہت دور ہے جب علوم و فنون پر مستقل تصنیفات کا دور اس میں آئیگا،

اکیڈمی کا باقاعدہ افتتاح بھی ہو چکا، اردو اور ہندی کے جھگڑے کو ہندوستانی کے "عیب پوش لبادہ" میں چھپا بھی دیا گیا، لیکن عمل درآمد میں اگر اس اجمال اور ابہام کا قائم رہنا مشکل ہے چنانچہ اردو دان اور ہندی دان اصحاب کا بحیثیت ممبر کے انتخاب اسکی پوری طرح غمازی کر رہا ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیندہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی تقسیم کی جب نوبت آئے گی تو اس وقت اردو کی قسمت میں کیا آئے گا؟

فارسی سے ہندوستان کا جو تعلق رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن زوالِ حکومت کے بعد چونکہ اس ملک سے تمام سیاسی تمدنی اور علمی تعلقات منقطع ہو گئے، اسلیے ہندوستان میں وہی قدیم فارسی جو درسی کتابوں میں موجود رہ گئی، اور ملک کا ایک بڑا فارسی دان طبقہ جدید فارسی زبان سے بالکل ناواقف ہے، اس کے ساتھ ہی نہ ہندوستان کو ایران کے علمی خزائن اور جدید تصانیف سے واقفیت ہے اور نہ ایران کو ہندوستان کے علمی ذخائر سے آگاہی،

ان دونوں باتوں کو پیشِ نظر رکھکر ایران کے ادبا و فضلا نے مختلف اسلامی ممالک سے علمی برادری قائم کرنے کیلئے ایک مجلس جامعہ معارف کے نام سے قائم کی ہے، اور اب حیدرآباد کے علم دوست اصحاب نے اسی کی شاخ کے طور پر ایک انجمن شعبہ جامعہ معارف کے نام سے حیدرآباد میں قائم کی ہے، کہ ہندوستان و ایران کے قدیم علمی تعلقات کے احیار کے ساتھ ہی اس ملک کو فارسی جدید سے بھی آگاہ کیا جائے، اس ہندی شعبہ کے صدر ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی ہیں، جو اصحاب مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج، حیدرآباد دکن سے خط و کتابت کر سکتے ہیں،

دائرۃ المعارف حیدرآباد علم و فن پر جو احسانات کر رہا ہے اسکی آخری قسط جمہرۃ البلاغہ ابن درید حماسہ ابن

الشجری، سنن کبریٰ للبیہقی اور فارابی کے چند رسائل ہین، نہایت مسرت ہے کہ دائرہ اپنی ادارت تصحیح، تحشیہ، اور خوبی و صفائی مین روز بروز ترقی کر رہا ہے، اگر یہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو شاید وہ دن دور نہین جب اہل ہندوستان اس پر فخر کر سکین گے، قابلِ طبع کتابون کے انتخاب مین پہلے سے بہت زیادہ حسنِ مذاق کا اظہار ہو رہا ہے، جمہور کی تصحیح مین دائرہ نے بہت کچھ صرف کیا ہے، اور یورپ اور ہندوستان کے کئی فاضلون نے اوسکو دیکھا اور صحیح کیا ہے، اسی طرح شجری کی حماسہ کی اشاعت بھی ادب عربی کی قابلِ شکر خدمت ہے، لیکن سب سے زیادہ سنن بیہقی کی اشاعت اہل علم کے لیے نوید مسرت ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہماری ناقدر دانی کے باوجود دائرہ جو علمی ذخیرہ منظر عام پر لا رہا ہے، وہ نہ صرف مسلمانون پر بلکہ اسلام پر احسان ہے،

اسی سلسلہ مین یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے مطبوعہ رسائل اور کتب کی دوبارہ اشاعت جنکے نسخے عام طور سے ملتے ہون دائرہ کے مقصد سے خارج ہونا چاہیئے، فارابی کا جو رسالہ صناعۃ پہلے چھپا تھا اور اب جو چند رسالے پھر چھپے ہین، یہ مدت ہوئی کہ یورپ مین چھپ چکے ہین، پھر مصر مین بھی انکی نقل رسائل فارابی کے ضمن مین چھپ چکی ہے، اسلئے انتخاب مین پہلے سے اسکی دیکھ بھال کہ یہ چیزین کہین چھپی تو نہین ہین، بہت ضروری ہے، امید کہ اہل دائرہ ہماری اس مخلصانہ گذارش کو کسی نامناسب معنی پر محمول نہ فرمائین گے،

دار المصنفین کی اس سال (۱۹۲۶ء) کی جدید مطبوعات مین پہلی کتاب نفسیاتِ ترغیب شائع ہوئی ہے، دوسری کتاب نٹشے ہوگی جسمین اس مشہور جرمن حکیم کے سوانح ہین اور اس کے خیالات، مسائل اور تصنیفات پر ریویو اور تبصرہ ہے، اس حکیم کے خیالات نے جرمن قوم پر جو اثر ڈالا ہے، اور جدید فلسفہ کی تاریخ مین اوس کا جو درجہ ہے اسکے لحاظ سے ضرورت تھی کہ اردو دان جمہور کو اس سے واقفیت کا موقع بہم پہنچایا جائے، یہ کتاب ایک جرمن فاضل گلے کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے، یہ اردو ترجمہ ہمارے فاضل عزیز مولوی سید مظفر الدین ندوی ایم اے لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی کے قلم کا رہین منت ہے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق

خیار و خلع و طلاق و تفریق مین

آج کل کے زیر بحث مسائل مین مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور وقت کی نزاکت اور موسم کی آب و ہوا نے اسکو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، آج جہالت اور بیخبری کے سبب سے مسلمان عورتون کو مذہبًا محروم اور قانونًا مظلوم سمجھا جا رہا ہے، اور یہ سمجھانے کی کوشش کیجا رہی ہے کہ عورتون کے لیے اسلام کا قانون حد درجہ تنگ نظر اور سخت گیر ہی یہ کہتے وقت یہ حضرات اُس حالت اور پوزیشن کو بھول جاتے ہین جسمین یہ جنس لطیف اسلام سے پہلے تھی، اور نہ ان کو وہ آہنی اور طلائی طوق اور زنجیرین نظر آتی ہین جنمین آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے انکی نازک گردنین پھنسی تھین، نہ صرف عرب مین بلکہ تمام دنیا کی قومون مین انکی جو حالت اور کیفیت تھی اسکو سامنے رکھکر اسلام کے قانون کو دیکھو تو اصل حقیقت کا سُراغ لگ سکیگا۔

اس وقت حقوقِ نسوان کے تمام اطراف اور پہلوؤن سے بحث نہین ہی، بلکہ صرف عورت کے اس حق سے بحث ہے جسکی بنا پر وہ مرد کے ظلم و ستم سے عاجز آکر اس کے پنجہ سے رہائی پا سکے، ہندو دھرم شاستر کے رو سے یہ قطعی محال ہی کہ زن و شو کا ایک رشتہ ایکدفعہ قائم ہو جانے کے بعد پھر کسی طرح وہ منقطع ہو سکے، اسلیے عورت و مرد کے باہمی انتخاب کی انسانی غلطی اگر ہو جائے، تو اسکی تلافی عمر بھر نہین ہو سکتی، یہان تک کہ اگر موت اس رشتہ کا خاتمہ بھی کر دے تب بھی عورت کسی دوسرے مرد کا انتخاب نہین کر سکتی، اور گو یا وہ اب بھی مرنے والے کی غلامی سے آزاد نہین ہے، لیکن اب خود ہندو اصلاحات کے نام سے اس قانون کو توڑنے کی فکر کر رہے ہین، عیسائی قانون مین بے وفائی کے جرم اخلاقی کے سوا اور کوئی چیز اس تعلق کا خاتمہ نہین کر سکتی، اور اس پر بھی انجیل کے صحیح حکم کی بنا پر بیوفائی کے

ثبوت کے بعد میاں بیوی میں تفریق تو ہو جاتی ہے مگر دونوں میں سے کوئی پھر دوسرا نیا تعلق اختیار نہیں کر سکتا،

مگر یہ اتنا سخت قانون تھا کہ عیسائی اس کو برداشت نہ کر سکے، چنانچہ عام طور سے بیوفائی کے ثبوت کی تفریق کے بعد عورت اور مرد دونوں کو پھر نئے رشتہ ازدواج کی اجازت دینی پڑی، لیکن اس عیسائی قانون کا سب سے زیادہ تو ہین آمیز پہلو یہ ہے کہ علیحدگی کی خواہشمند عورت اس بات پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ظالم شوہر سے علیحدہ ہونے کیلئے علانیہ بدکاری کا ارتکاب کرے، اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی علیحدگی کی خواہش خواہ کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو، مگر دونوں مجبور ہیں کہ وہ علانیہ عدالت میں ایک دوسرے پر بدکاری اور بیوفائی کا الزام لگائیں، اور انگلستان میں تو عورت اپنے گناہ کی پاداش میں طلاق پا سکتی ہے، مگر مرد اپنے گناہ کا خمیازہ قانوناً اٹھانے پر مجبور نہیں ہے، کیا یہ عورت پر رحم اور اسکی نسوانی حیثیت کا احترام ہے کیا ایسی ناموس برباد عورت، پھر کوئی نیا باعزت خاوند پا سکتی ہے،

یورپ نے جب سے تمدن کی زندگی اختیار کی ہے، اس غیر طبعی اور سخت و تنگ قانون کو دور کرنے کے لیے لگاتار کوشش میں مصروف ہے، اور یورپ اور امریکہ کے بعض ملکوں نے بدکاری کے علاوہ، جنون، حد سے زیادہ شراب خواری اور ظلم کو بھی تفریق و طلاق کے اسباب قرار دیئے ہیں، اور بعض ممالک تو اس میں بہت آگے نکل گئے ہیں، یعنی تفریط کی ایک سرحد سے نکلکر افراط آزادی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں، چنانچہ امریکہ میں عورت اور مرد دونوں کو طلاق کا مساوی حق دے دیا گیا ہے، اور بالشویک روس میں دونوں کو یہ اجازت حاصل ہے کہ تھوڑا روپیہ محصول ادا کر کے ایک دوسرے سے ہر وقت طلاق نامہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس حد تک آزادی انسانی معاشرت کی بربادی کا پیش خیمہ ہے،

یہودی قانون ایک طرف نہایت تنگ اور دوسری طرف نہایت آزاد ہے، اس کے رو سے مرد کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے گھر سے فوراً باہر کر دے لیکن عورت کو کسی مرد سے علیحدہ ہونے کے لیے کوئی شکل نہیں بتائی گئی ہے،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہب، بلکہ قانون نے بھی عورت کے ساتھ کوئی

انصاف نہین برتا ہے، اور اسکی ایک دفعہ کی خود قبول کی ہوئی مصیبت کے علاج سے وہ قطعًا عاجز ہین لیکن دنیا کے آخری ربانی پیغام اور تکمیلی دین نے مذاہب کی ان بے انصافیون کا بھی خاتمہ کردیا، اور جس طرح مرد کے لیے طلاق کی صورت تجویز کی ہے، عورت کیلئے خیار، خلع اور تفریق کی مختلف صورتین رکھی ہین،

خیار | عمومًا نکاح کے جواز کے لیے فریقین اگر بالغ ہون تو اونکی رضامندی شرط ہے، اس بنا پر اگر کسی بالغ عورت کا نکاح کوئی ولی اسکی رضامندی کے بغیر کردے تو وہ اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک وہ عورت اپنی رضامندی نہ ظاہر کرے عمومًا چونکہ کنواری لڑکیان زبان سے رضامندی کے اظہار مین شرم کرتی ہین، اسلئے ان کی خاموشی بھی رضامندی کے قائم مقام تصور کیگئی ہے، یہ مسئلہ صرف قیاس پر مبنی نہین ہے، بلکہ خود شارع علیہ السلام نے اسکی تصریحات کی ہین، صحیحین مین ہے کہ خنساء بنت خدام ایک صحابیہ تھین جنکا پہلے بھی نکاح ہوچکا تھا، مگر ان کا شوہر یا مرگیا تھا، یا طلاق پاچکی تھین، ان کے باپ نے ان کا نکاح انکی رضامندی کے بغیر کردیا، وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئین، اور واقعہ عرض کیا، آپنے اُن کا نکاح رد کردیا، اسی طرح کتب سنن مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک کنواری لڑکی نے عدالت نبوی مین حاضر ہوکر فریاد کی کہ اس کے باپنے اسکی نارضامندی کے باوجود اس کا نکاح ایک شخص سے کردیا، آپنے فرمایا کہ اوسکا قبول یا عدم قبول کا تمکو اختیار ہے،

صحیح بخاری مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کرلیجائے، لوگون نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم، وہ کیسے بولے گی، فرمایا کہ وہ پوچھنے پر چپ رہے،

صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین کہ کنواری لڑکی سے اسکی ذات کے معاملہ کی نسبت اجازت حاصل کرلی جائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے،

وہ عورت جس کا ایک دفعہ نکاح ہوچکا ہو چونکہ وہ نسبتًہ زیادہ آزاد ہوتی ہے، اس لیے اسکی خاموشی اس کی اجازت کے قائم مقام نہین ہوسکتی، اسکو زبان سے اور الفاظ مین اپنے متعلق اجازت دینی شرط ہے، شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ بیوہ اور مطلقہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس کا امر حاصل کرلیا جائے، نیز فرمایا کہ ایک دفعہ جس عورت کا بیاہ ہوچکا ہو وہ اپنے معاملہ مین خود مختار ہے، اور

ولی کو اس پر دباؤ کا کوئی حق حاصل نہین ہے،

البتہ فقہا کی تصریحات کی بنا پر نابالغ لڑکیون کے نکاح کر دینے کا حق جائز ولی کو ہر وقت حاصل ہے، بعض

اس پر حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا جاتا ہے، کہ حضرت عائشہؓ چھ برس کی کمسن بچی تھین، اور

حضرت ابو بکرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا:

ایسی نابالغ لڑکیون کا نکاح اگر اون کے ولی کردین، تو کیا لڑکی کو اپنے بلوغ اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے نکاح کے منظور یا نامنظور کر دینے کا اختیار ہے؟ فقہا نے اس مین تفریق کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ اگر یہ نکاح باپ نے یا باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دادا نے کر دیا ہو تو لڑکی کو بالغ ہونے اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اس نکاح کے فسخ کرنے کا مطلق اختیار نہین، اور چار و ناچار اسکو اپنے باپ دادا کے فیصلہ کو جائز قرار دینا پڑیگا، لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح اپنے اختیار سے کیا ہو تو عین بالغ ہونے اور بلوغ کی علامت ظاہر ہونے کے بعد ہی اپنی نارضامندی کا اظہار کرنے کا اور نکاح کو فسخ کر دینے کا حق حاصل ہے، اور اگر اس وقت وہ خاموش رہ جائے، یا کوئی ایسی بات کرے جس سے اس معاملہ کے قبول کر لینے کا اشارہ پایا جائے تو پھر یہ حق باقی نہ رہے گا، یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق باپ کے علاوہ کسی اور ولی کو حاصل نہین ہے، اگر کوئی دوسرا ولی کر دے تو وہ نکاح گو لڑکی کی رضامندی ہی سے کیون نہ ہو، جائز نہ ہوگا، امام شافعی باپ کیساتھ دادا کو بھی یہ حق دیتے ہیں،

باپ کی ولایت مین نابالغ لڑکی کے نکاح کا جواز عموماً تمام فقہاء کا مسلک ہے، اور ہر عہد مین تمام مسلمانون کا اس پر عمل رہا ہے، لیکن ائمہ سلف مین سے ابو بکر الاصم اور قاضی ابن شبرمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہین (مبسوط سرخسی ۴-۲۱۲) اونکا فتوی ہے کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کا حق باپ کو بھی نہین ہے، وہ بلوغ کے بعد اپنی ہی رضامندی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، نابالغ لڑکی کی اجازت حاصل کئے بغیر اس کے نکاح کے جواز پر عموماً محدثین اور فقہا نے حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا ہے، مگر قاضی صاحب اس کو آنحضرت صلعم کی خصوصیات مین قرار دیتے ہین یعنی اسکی عام مسلمان پیروی نہین کر سکتے (نیل الاوطار شوکانی ۶-۲۷۰) حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ

سے واقفیت اس پر استدلال کرنا درحقیقت کمزور ہے کیونکہ یہ واقعہ کا ہے جب اسلام نے قانون کی شکل اختیار نہیں کی تھی اسلئے ممکن ہے کہ یہ آغاز اسلام کی حالت ہو اور اس وقت تک کواری لڑکیون سے اجازت حاصل کرلینے کا حکم نہین دیا گیا تھا

قاضی ابوبکر اصم نے نابالغ لڑکون اور لڑکیون کے عدم جواز نکاح پر چند اور دلیلین قائم کی ہین،

۱۔ قرآن پاک مین یتیم یعنی بن باپ کے نابالغ لڑکون کے ولیون کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائین، اونکی موروثی جائداد و دولت ان کے سپرد نہ کیجائے، (سورۂ نساء) تو اگر لڑکپن مین ان کی شادی جائز ہوجائے تو اس احتیاط کا جو منشائے الٰہی ہے وہ فوت ہوجائے گا،

۲۔ نابالغون کے لیے ولی مقرر کرنے کی ضرورت انھین چیزون مین ہے جنکی ان کو اس صغر سنی کی حالت مین ضرورت ہو، نابالغون کو نکاح کی کوئی ضرورت نہین، اسلیے بذریعہ ولایت کے نکاح ناجائز ہوگا،

۳۔ ولی کی ولایت نابالغون کے بلوغ کو پہنچنے کے بعد ختم ہوجاتی ہے، اسلئے وہ کسی نابالغ کے لیے کوئی ایسا معاملہ طے نہین کرسکتا جسکا اثر بلوغ کے بعد بھی قائم رہے، اور چونکہ شادی بیاہ تمام عمر کا سودا ہے، اسلیے یہ معاملہ کسی ولی کی ولایت کے تحت مین نہین آسکتا،

۴۔ شریعت او فطرت کو نکاح کی مشروعیت سے خاص مقاصد پیش نظر ہین، یعنی بقائے عصمت اور بقائے نسل، اور چونکہ نابالغی کی حالت مین یہ دونون باتین مفقود ہین، اسلیے نکاح درست نہ ہوگا،

اگرچہ ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کی یہ رائے جمہور فقہائے خلاف ہے اور امام سرخسی نے مبسوط[1] مین ان مین سے ہر ایک کا جواب دیدیا ہے اور مسلمانون کے تعامل اور صحابہ اور تابعین کے آثار سے اسکا جواز ثابت کیا ہے، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے جسمین اس مطلقہ لڑکی کی بھی عدت لکھی ہے جو بلوغ کی ماہانہ علامت سے ہنوز محروم ہے، عدت طلاق کو مستلزم ہے اور طلاق کے لیے پہلے نکاح کا ثبوت ضروری ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نابالغ لڑکیون کا بھی نکاح ہوسکتا ہے، تاہم ہمنے انکی رائے اور دلیلین اسلیے نقل کردی ہین، تاکہ معلوم ہو کہ چند علمائے اسلام اس مسئلہ مین آزادی اور حریت کی اس منزل تک بھی گئے ہین،

[1] جلد ۴ صفحہ ۲۱۲

ہندوستان میں اس مسئلہ میں اصلی دقتیں یتیم لڑکون اور لڑکیون کے معاملہ مین پیش آتی ہین، اکثر باپ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر اولیا اپنے اپنے فائدہ کی غرض سے ایسے نابالغون کا نکاح اپنی اپنی قابو کی جگہ پر کر دینا چاہتے ہیں، اور اپنی ذاتی منفعت کے مقابلہ میں یتیمون کا فائدہ اور انکی جائداد کی حفاظت کا مسئلہ اون کے پیش نظر نہیں رہتا، یہ ہندوستان کی کوئی نئی حالت نہیں ہے، دنیا ہمیشہ سے خود غرض واقع ہوئی ہے، اسیلئے اسلام نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، سورۂ نساء مین ہے،

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا	اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارہ مین تم انصاف نہ
مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ	کر سکوگے تو ان کو چھوڑ کر اور عورتون سے دو دو تین
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء ۱)	تین چار چار سے نکاح کر لو، اور اگر یہ خوف ہو کہ ان مین بھی عدل نہین کر سکتے تو صرف ایک

حضرت عائشہ اسکی تفسیر مین فرماتی ہین کہ یہ آیت ان یتیم لڑکیون کے بارہ مین نازل ہوئی ہے جن کے پاس جائداد اور دولت ہوتی ہے، اور ان کے ولی نہین چاہتے کہ وہ کسی اور سے بیاہ کرین، اسلیے وہ ان سے خود نکاح کر لینا چاہتے ہین، تو فرمایا گیا کہ اگر یہ بدنیتی اور بے انصافی کا خیال تمھارے دل مین ہو تو ان سے تمھارا نکاح کرنا جائز نہین، یہ حدیث اکثر کتب صحاح وسنن مین موجود ہے، قرآن پاک مین دوسری جگہ ہے،

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ	لوگ اے پیغمبر تم سے عورتون کی نسبت حکم پوچھتے ہین کہدو
وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ	کہ اللہ ان کے بارہ اور ان مین سے ان یتیم عورتون کے بارہ مین
الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ	جنکی نسبت قرآن مین حکم دیا جارہا ہے، جنکو تم وہ نہین دیتے
اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ	جو ان کے لیے حق لکھا گیا ہے، اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو
وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا	اور نابالغ لڑکون کے بارہ مین بھی سوال ہے، تو یہ حکم ہوکہ تم
مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا (نساء ۱۹)	یتیمون کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، اور نیکی کا جو کام تم

انھین ہدایات کی بناء پر یتیم لڑکیون کے نکاح کر دینے کا مسئلہ اتنا آسان نہین ہے جتنا ہمارے ملک مین

لوگون نے سمجھ رکھا ہے، امام مالک کے نزدیک تو یتیم لڑکون اور لڑکیون کے نکاح کا اختیار کسی ولی کو قطعاً حاصل نہین ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف باپ، دادا کو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک درجہ بدرجہ تمام اولیا، کو یہ حق حاصل ہے، لیکن ایسے لڑکے اور لڑکیان جس وقت بالغ ہون، انکو اپنے نکاح کے توڑ دینے کا پورا حق حاصل ہے،

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد ان کی یتیم صاحبزادی کا نکاح ان کے بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ یعنی لڑکی کے چچا نے اپنی ولایت مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کر دیا، مغیرہ بن شعبہ نے لڑکی کی ماں کو سمجھا کر سمجھایا تو لڑکی نے اس نکاح کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ دربار رسالت مین پیش ہوا، لڑکی کے چچا یعنی حضرت قدامہؓ نے بہت کچھ کہا کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کر دی تھی، اور مین نے بہت کچھ دیکھ بھال کے یہ شادی کی ہے، اور مغیرہ نے صرف مال کا لالچ دلا کر انکار کرا دیا ہے، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ لڑکی یتیم ہے اور اسی کی رضامندی مقدم ہے، اسکی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا، آپ کے الفاظ یہ ہین:-

ھی یتیمۃ لا تنکح الا باذنھا — یہ یتیم ہے، اسکی اجازت کے بغیر اسکا نکاح جائز نہ ہوگا،

یہ حدیث مسند احمد اور دار قطنی مین ہے، اور صاحب مجمع الزوائد کا بیان ہے کہ مسند کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہین، اسی حدیث کی بنا پر امام مالک اور امام شافعی نے اولیا، کو یتیمون کے نکاح کا حق نہین دیا ہے، علمائے احناف کہتے ہین کہ لڑکی کو بلوغ کے بعد یہ اختیار عطا ہوا، اور اس اختیار کی بنا پر اس نے اس نکاح کو باطل قرار دیا، بایہ کہ وہ لڑکی اس وقت بالغ تھی، اسلیے اس کو یہ حق ملا، بہر حال یہ حدیث بن باپ کی نابالغ لڑکیون کے حق نکاح کو بہت اچھی طرح واضح کرتی ہے، امام مالک و شافعی اور امام ابوحنیفہ کے مسالک مین صرف اسی قدر فرق ہوگا کہ ایسی حالت مین ان دونون امامون کے نزدیک سرے سے نکاح منعقد نہ ہوگا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ منعقد تو ہو جائے گا، مگر بلوغ کے وقت ان کو اپنی نامنظوری اور نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا،

(ناتمام)

پہلوی ادب

از

جناب سید وقار احمد صاحب بی اے، جامعہ عثمانیہ

فارسی ادب کے تین مشہور دور ہین، ایک قدیم فارسی یا ہخامنشی، دوسرا ساسانی یا درمیانی تیسرا اسلامی یا جدید فارسی،

پہلے اور تیسرے دور کے ادب مین بہت فرق ہے، برخلاف اس کے دوسرے اور تیسرے دور مین بہت کچھ تعلق ہے، تیسرے دور کے ادب کو سمجھنے کے لیے دوسرے دور کے ادب کو اچھی طرح جاننا ضروری ہے،

دوسرے یا درمیانی یا نہ وہ زبان جو ساسانی دور مین رائج تھی اسکو پہلوی دور کہتے ہین، پارتھین (اشکانی) کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ ایرانی تھے یا تورانی، بہرحال یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ مادہ (میڈین) یا اشوری قوم کی طرح اجنبی نہ تھے، ان کا نشو ونما ایران ہی مین ہوا،

قومی داستان مین ان کے بہت ہی کم حالات درج ہین، فردوسی نے اپنے ضخیم شاہنامہ مین ان کو صرف ایک صفحہ دیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جاہل تھے اور ناقابل یادگار ہین، برخلاف اس کے ساسانی اس بات کا دعوی کرتے ہین کہ انھون نے قوم و مذہب کو پھر زندہ کیا جو سکندر کے حملہ کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گیا تھا،

لفظ پہلوی[1] دراصل پارتھو سے پارتھوی تھا مگر بعد مین پہلوی بنگیا،

پہلوی ادب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد مین سامی الفاظ ایرانی زبان مین شریک و مختلط ہوئے، ہمین پہلوی ادب کے قدیم ترین آثار، ابدز وہر کی داستانون اور اشکانی (اشغانی) اخیر

[1] بعض کا قول ہے کہ پہلوی دراصل بلخوی (بلخی) تھا،

عہد حکومت (یعنی تیسری اور چوتھی صدی ق م) کے سکون مین ملتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی عنصر بہت قلیل رہ گیا تھا، اس قدر کہنا کافی ہے کہ پہلوی کی ایک صنف مستعمل تھی جو آرامی حروف ہجا مین لکھی جاتی تھی،

کتابات ساسانیہ

حقیقی پہلوی ادب کے قدیم ترین نمونون کا ماخذ شاہان ساسانی کے ابتدائی عہد (یعنی تیسری اور چوتھی صدی مسیحی) کے پہاڑی کتبے ہین، ان کتبون کو ماہرین السنۂ شرقیہ فلو ورشاردان، نیوبہر، کرپورٹر، دسلی، ویسٹرگارڈ خصوصاً فلانڈن اور، ورکوسٹ نے نقول کیا ہے، سلوزے اور اندریاس نے تصاویر لی ہین، دسے ساسی نے اردشیر پاپکان (۲۲۶-۲۴۱) اور اس کے جانشین شاہپوہر (شاپور) (۲۴۱-۲۷۲) کا مثلث الالسنہ (تین زبانون والا) کتابات کا حل کر دیا جو نقش رستم اور نقش رجب کی ابھری ہوئی (نبشت) سطح پر واقع ہین، ان کتبون مین اسماء والقاب ہین جو یونانی اور پہلوی کے دو لہجون (یعنی ساسانی پہلوی اور کلدانی پہلوی) مین کندہ کیے ہوئے ہین، دسے ساسی کی تحلیل و تشریح نے اکتشاف لسانی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا چنانچہ شاہپوہر اور طاق بستان کے کتبے بھی حل کر لیے گئے جو ساسانی پہلوی مین ہین، ان مین نرسہ (۲۹۳-۳۰۲)، شہپوہر دوم (۳۰۹-۳۷۹) اور شہپوہر سوم (۳۸۳-۳۸۸) کے اسما والقاب درج ہین،

ساسانیون کے سکون پر جو قصے درج ہین ان کی تحلیل و تشریح بھی کر لیگئی، لیکن ان کتبون مین محض اسماء والقاب تھے، ہاگ، ٹامس، فلانڈن اور کوسے کی متفقہ کوششون نے نہایت قابل قدر مواد ہندوستان کے پارسیون سے فراہم کیا، اور ہاگ نے شہپوہر (شاپور) اول کے کتبے واقع حاجی آباد قریب اصطخر کو انتخاب کیا، یہ کتبہ دو زبانون کلدانی پہلوی اور ساسانی پہلوی مین مرقوم ہے، دو زبانون مین ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک کے اغلاق و ابہام کو دوسرے کے ذریعہ رفع کر لیا گیا،

اس کتبے کا آغاز بادشاہ شہپوہر اس کے باپ اور دادا کے اسماء والقاب سے ہوتا ہے، اس کتبے کے

ایک ثلث الفاظ کلدانی پہلوی کے اور دو ثلث ساسانی پہلوی کے ہین، اس کتبے کی تحقیق و تطبیق سے یہ
ظاہر ہوتا ہے کہ اس مین بادشاہ کی تیراندازی کی مشق کا حال ہے، جو اعیانِ دولت کے سامنے کیگئی تھی، اور
بادشاہ کا ایک فرمان مندرج ہے کہ وہان روح کے لیے نشانہ (چاندماری) تیار کیا گیا تھا، ور روحانی بادشاہ
نے لکھا کہ روح کے تیر چلانے کے بعد اور کوئی تیراندازی کی جرأت نہ کرے"

ایک نہایت مکمل کتبہ ۱۴ سطرون کا نقش رجب کے قریب ہے جو ساسانی پہلوی مین ہے، اس سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ آہورمزد (اہورہ مزدہ) بادشاہ کو تاج پیش کر رہا ہے،

اگر ان کتبون کی ترجمانی صحیح تصور کر لیجائے تو یہ غالباً بہرام دوم کے زمانہ کے ہین،

فارس مین دو اور کتبے جو بمقام پرسی پولیس (استخر) قصرِ دارا پر ہین، وہ تقریباً مکمل ہین لیکن ان کا
خط پڑھا نہین جاسکتا ہے، نول دیکی نے ان کا ذکر اپنے مضمون Bemerkungen
zu den Inschriften مین کیا ہے،

وہ کتبہ جو اوپر ہے بارہ سطرون کا ہے اور نیچے کے کتبے مین گیارہ سطرین ہین، اوپر کے کتبے مین جس
شاہ پور کا ذکر ہے، وہ شاہ پور دوم ہے، نیچے کے بھی کتبے مین اسی بادشاہ کا حال درج ہے، اور اس کی عبارت
کسی قدر پڑھی جاسکتی ہے، اس کتبہ مین بادشاہ کا نام چھ سات دفعہ آیا ہے،

اسی طرح اور بھی کتبے ہین، ان تمام کتبون سے دس ساسانی بادشاہون کے حالات معلوم ہوتے
ہین، ان کتبات سے سب سے زیادہ بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر پہلوی الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم ہوگیا کیونکہ پہلوی
زبان مین اعراب بالطور ہوتے ہین برخلاف سامی زبان کے جنکی حرکات مین اغلاط کا بہت بڑا احتمال ہے،

اوپر لکھا گیا ہے کہ پہلوی کے دو اقسام ہین، (۱) کلدانی پہلوی (۲) ساسانی پہلوی، اول الذکر
کا استعمال تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک رہا بعد ازان یہ متروک ہوگئی، برخلاف اس کے ساسانی
پہلوی کے آثار قصص سکّے، مہری وجوہری کتبون پر اس کے بعد بھی برابر پائے جاتے ہین، لیکن اس کے

حروف تہجی میں تیسری صدی مسیحی سے لیکر چھٹی صدی کے اواخر تک تدریجی تغیر ہوتا گیا، یہان تک اس نے ایک نئی ہیئت اختیار کر لی جو جدید پہلوی کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔

قدیم ترین پہلوی تحریرات جو اب تک موجود ہین فی زماننا مصر کے مدیریہ (ضلع) فیوم مین قصب البردی پر جو تحریر اور مختلف تحریرات پائی گئی ہین ان مین آٹھوین صدی مسیحی کے پہلوی کتبات بھی ہین، یہ پہلوی زبان کے نہایت قدیم نمونے ہین جو اب تک ہم پہنچے ہین،

ان تحریرون کا پڑھنا زیادہ وقت طلب نہین ہے، ذراسی مشق سے بآسانی پڑھی جاسکتی ہین، ان تحریرون مین یادداشتین اور روزانہ اخراجات کا حساب درج ہے، ان کا خط مختلف ہے۔

پارسیون کے پہلوی علم ادب کا ماخذ یہ قیاس غالب ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے اختتام سے قبل پہلوی ادب مین تمام اصناف ادبیہ موجود تھے، لیکن سلطنت کی سقیم حالت اور بعد ازان عربون کے حملہ نے اس مین رکاوٹین پیدا کر دین تاہم اس کے آثار موجود ہین کہ نوین صدی عیسوی کے اختتام تک پہلوی ادب مین کتابین لکھی گئین، اس کے بعد کا دائرہ صرف دستایر تک محدود ہو گیا، انھون نے پہلوی ادب مین اضافہ کیا چنانچہ بندہشت اس زمانہ کی یادگار ہے،

گیارھوین صدی کا زمانہ وہ ہے جب کہ موجودہ فارسی کے حروف تہجی کا استعمال ہونے لگا تھا اور اوستا کی شرح انھین حروف مین لکھی گئی، مگر اس عہد کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ سامی الفاظ کے بجائے ایرانی الفاظ استعمال کئے جانے لگے،

چونکہ فتح ایران کے پارسی رفتہ رفتہ مسلمان ہونے لگے اس لیے ان کی تعداد مین روز بروز کمی ہوتی گئی، اور دستایر کو جو مذہبی خدمت کو انجام دیتے تھے اپنی مذہبی کتابون کا محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا اس کا نتیجہ ہوا کہ گیارہ اور بارہ صدی عیسوی کے درمیان قدیم پہلوی ادب ضائع ہو گیا۔

ایران سے جو دستایر آٹھوین صدی مسیحی مین ہندوستان چلے آئے ان کے ساتھ مذہبی کتابین

جمع نہین مگر جہان تک معلوم ہوا ہے وہ کتابین بارہوین صدی مسیحی تک ضائع ہوگئین،

۱۰۲۰ھ مین ہندوستان کے پارسیون نے وندیدد کا ایک نسخہ ایران سے منگوایا اور ارتا ویراف نامک کا

ایک نسخہ ۱۰۶۹ء مین ہندوستان آیا، اسی طرح اور بھی کتابین ایران سے ہندوستان مین آتی رہین ۱۲۳۰ھ سے

۱۳۲۵ء تک معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین بعض اہم کتابون کی نقلین جمع کی گئین،

ایران کے جو خطوط ۱۸۰۰ء تک دستیاب ہوئے ہین ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے پارسی

پہلوی زبان بالکل بھول چکے تھے اور انھون نے بہت سی باتین پھر ایرانی پارسیون سے سیکھین اس قسم کے

خطوط جو ۱۸۰۰ء تک وصول ہوئے وہ ہندوستان کے پارسیون کی تاریخ کا بڑا ماخذ ہین،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانون نے ایران مین کس قدر تساہل (رواداری) سے کام لیا اور

ہندوستان کے دستاتیر کس قدر بے پروا تھے کہ انھین پھر ایرانی دستاتیر کا رہون منت ہونا پڑا،

ایران سے ہندوستان کو فارسی کتابین برابر آتی رہین چنانچہ پارنوشت فرمان ۱۲۳۰ء مین آئی،

اور وسپرد اور وشتاسپ نیشت کرمان سے ۱۷۲۰ء مین آئی،

اٹھارہوین صدی مسیحی مین ہندوستان اور یورپ سرزمین ہند مین پہنچین، اس کے بعد داستان

دینیگ، ایرانی بندہشن اور دوسری اہم کتابین اس صدی تک وصول ہوتی رہین، اس طرح اب ہندوستا

کے پارسیون کے پاس ان تمام پہلوی ادب کی کتابون کا ذخیرہ موجود ہے جن کا آج تک پتہ چل سکا ہے

اب ہندوستان کے دستاتیر ایران کے دستاتیر سے کہین زیادہ پہلوی کو سمجھ سکتے ہین،

پس پہلوی ادب کی تین قسمین ہوسکتی ہین،

۱- اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہین،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہین اور جنکا تعلق مذہب سے نہین ہے،

۱۔ اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

تعداد الفاظ تقریبًا ۱۴۱۰۰

۱۔ وندیداد	۱۵۔ ہپتان یشت
۲۔ یسنہ	۱۶۔ سروش یشت ہادوخت
۳۔ نیرنگستان،	۱۷۔ سیروزہ شنک دوم
۴۔ وشتاسپ یشت	۱۸۔ سیروزہ شنک اول
۵۔ ویسپرد	۱۹۔ خورشید نیایش
۶۔ فرہانگ اوایم ہے وک	۲۰۔ آوان نیایش
۷۔ آ او ہرمزد یشت	۲۱۔ آفرین گان دادمان
۸۔ بہرام یشت	۲۲۔ آفرین گان گاتھا،
۹۔ ہادوخت نسک	۲۳۔ خورشید یشت
۱۰۔ آ او گیم دمیت شا	۲۴۔ ماہ یشت
۱۱۔ تشی تک اوستاک گاسال	۲۵۔ یشت (کا بائیسوان قطعہ)
۱۲۔ آتخش نیایش	۲۶۔ آفرین گان فرادرت گان
۱۳۔ ودشرکرت دینیک کا ایک جزر	۲۷۔ ماہ نیایش
۱۴۔ آفرینگان گاہانبار	. . . .

وندیداد۔ اس مین تقریبًا ۴۸۰۰ ہزار الفاظ ہین جنمین سے ۴۰۰ اوستا کے مقولے ہین جو مترجمون کی طرف سے اضافہ کئے گئے ہین،

اوستا کے تحت اللفظ ترجمے کو ہم صحیح معنون مین پہلوی ادب کا نمونہ نہین کہہ سکتے کیونکہ اس قسم

ترجمہ مین مترجمون کو زیادہ آزادی نہین ملتی یعنی انھین اوستا کے الفاظ کی ترتیب کے مطابق ترجمہ کرنا پڑتا ہے مگر کہین کہین انھون نے جولانی طبع دکھلائی ہے، جس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہین۔

نیرنگ | پہلوی پازند مین تقریباً ۳۰۰۰ الفاظ ہین، اس کا بھی ترجمہ وندیداد کے مانند تحت اللفظ ہے،

ہیربدستان | ہیربدستان مین اوستا کے تقریباً ۳۲۰۰ اوستا کے متن اور پہلوی ترجمے ۶۰۰۰ الفاظ اور ۲۰۰۰ پہلوی تفسیر کے اور ۱۰۰ اوستا کے مقولات کے الفاظ شامل ہین، اس کا پہلا نسخہ ہندوستان مین موبد جاماسپ ۱۷۲۰ء مین لایا، ہندوستان مین اسکی تین کاپیان شائع ہوئی ہین، اسکی اصل کاپی مفقود ہے، مگر اسکی صحیح نقل جاماسپ آسانے ۱۷۲۷ء مین کی، یہ ہندوستان مین سب سے زیادہ مستند مانی جاتی ہے،

فرہنگ اوم ایوک | اس مین ۱۰۰۰ اوستا کے اور ۲۲۵۰ پہلوی کے الفاظ ہین اور ۱۸۰۰ اوستا کے الفاظ کے پہلوی معنی لکھے ہین جو بعض اوقات نساخ سے مقتبس ہین، جو اب مفقود ہے، اس مین قانون دستا کے اصطلاحات کی طویل تشریح و توجیہ بھی ہے،

اوگیم دیت شا | اس مین اوستا کے ۲۶ مقولات ۲۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین جنکی تفسیر ۱۴۵۰ الفاظ مین کیگئی ہے، ان مقولات مین سے اب صرف پانچ اوستا مین موجود ہین، اس رسالہ مین اس امر کی تلقین ہے کہ موت لازمی چیز ہے لہذا اس کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے،

تشی تگ اوستک گاسان | اس مین ۴۰۰ اوستا کے اور ۱۱۰۰ سینہ کے پہلوی حروف شامل ہین، اس انتخاب کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی کے اثر کے فرق کو ظاہر کیا جائے، یہ کتاب چودھوین صدی عیسوی مین موجود تھی، اس مین شک نہین کہ اسکی اصلی کاپی ایران سے آئی، زریان ہوشنگ نے ۱۸۶۶ء مین اسکی ایک کاپی یزد مین حاصل کی،

دجاکرت دینیگ | یہ کئی پہلوی تراجم اور مذہبی کتابون کا مجموعہ ہے، ان مین ۳۴۰ اوستا کے الفاظ ہین جنکی پہلوی مین ۹۰۰ الفاظ سے ترجمانی کیگئی ہے، مذہبی کتابون مین ۵۰۰، ۱ پہلوی کے الفاظ ہین جنمین سے ۲۶۰

اوستا کے متون ہیں،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہیں،

۲۸- دین کرت کتب سوم و نہم

۲۹- بوندہشن،

۳۰- داتستانِ دینیک

۳۱- پہلوی وندیداد کی تفسیر

۳۲- روایت متعلق نمبر (۳۰)

۳۳- روایت ہمیت اشوہستان

۳۴- بقیۂ وِدشرکرت دینیک

۳۵- انتخاباتِ زاتِ سپرم

۳۶- شکند گومانیک وِشار

۳۷- شایست لاشایست مع ضمیمہ

۳۸- دنیائے مَم اینوگ خرت

۳۹- رسائل (مکاتیب) مانوشت چہر

۴۰- ارتاویراف نامک

۴۱- ستایشن سی روزک

۴۲- جاماسپ نامک

۴۳- بہمن یشت

۴۴- مادیگان یوشت فریان

۴۵- سوالات جنکے جوابات آذرشتہ کے ذریعہ دیئے گئے،

۴۶- اندرزِ آذرپاتِ مہرسپندان مع حقیقتِ رودشاہ،

۴۷- پیتِ رانیک،

۴۸- پندنامک وُد شورگ مترو.

۴۹- پتیت آذرپات مارسپندان

۵۰- پندنامک زرتوشت

۵۱- اندرزِ آدرشنار وانا ک،

۵۲- آفرین گاہان بار

۵۳- واستک اتشندِ آترپات مارسپندان

۵۴- مادیگان گزستک اباش،

۵۵- مادیگان سی روزش.

۵۶- پتیت وتزگان،

۵۷- پتیت خوط،

۵۸- مادیگان ہفت امیشسپند

۵۹- نصائح مزدیسنیان

۶۰- ہدایات بہدینان،

۶۱- مادیگان ماہ فروردین روزش خرداد

۶۲- خصائص مردخوب نقیب	۷۳- مقالات آتور فرہنگ وبخت آذریت
۶۳- آفرین ہفت امشاسپند	۷۴- نیرنگ پوئی دانتو
۶۴- تعلیم پدر به پسر	۷۵- نام ستائشنیہ
۶۵- ستائش ورزن	۷۶- کہنہ کے پانچ تنظات اور دس مواعظ وتنبیہات
۶۶- آفرین ارتا فروش	۷۷- آفرین ورشورگان
۶۷- اندرز دش داناک مرط	۷۸- آفرین گاہانبار شنا شتنیہ
۶۸- آشیرواد	۷۹- آمد واہرام ور دشا ونند
۶۹- آفرین میزد	۸۰- دازوک خورسندیہ
۷۰- اندرز دش خوسرو کواتان	۸۱- تین علما کا بادشاہ کو جواب
۷۱- تشیم وردن	۸۲- ماتیگان سی یزدان
۷۲- ماتیگ آ او ہرمزد	۸۳- ساسانی عہد مین پارسیون کا اجتماعی قانون

دین کرت کتب سوم ونہم اس کتاب کی تیسری جلد سے نوین جلد تک تمام جلدین ۱۶۹۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین، جو ۱۰۲۰ء مین بغداد مین پائی گئین، ۱۸۶۵ء مین ملا فیروز نے لکھا ہے کہ دین کرت یعنی "اعمال للمذہب" کا مسودہ ۱۷۸۳ء مین ملا بہرام ایران سے سورت لایا، یہ نسخہ سورت کے دستور کو مستعار دیا گیا مگر جب مدت دراز کے بعد اس نے اس کو واپس کیا تو اس کے بہت سے حصے مفقود ہوگئے، اس ناقص مسودہ سے کئی نقلین کیگئین، اس طرح ہندوستان مین جس قدر اسکی نقلین ہین سب مین نقص باقی ہے، یہ ناقص نسخہ بعد مین ملا فیروز کے قبضہ مین آیا اور اب تک اس کے کتب خانہ مین موجود ہے،

دین کرت مزدیستی کے اصول، رسوم، روایات تاریخ اور ادب کا بڑا مجموعہ ہے،

بوندہشن بوندہشن یعنی (جس سے ہندوستانی پارسی واقف ہین)، ۳۰۰۰ الفاظ ہین، اس کو سب سے پہلے

انکوتیل ڈو پرون یورپ لے گیا اور وہاں اس نے ۱۷۷۱ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا،

اس کے بعد ہاگ نے ۱۸۵۴ء میں اس کے پہلے تین باب کا جرمانی میں ترجمہ کیا، ہیبکل نے بھی اسکے بعض اقتباسات کا ترجمہ جرمانی میں کیا، مگر دندش من نے ۱۸۶۳ء میں اس کا مکمل ترجمہ کیا اور اس کے نامو و مضامین پر بہت سے مفید حواشی لکھے اس طرح اس کتاب سے تمام یورپ روشناس ہو گیا،

داستان دینیگ | یہ پہلوی کتابوں کے ذخیرہ میں داستان دینیگ کے نام سے ملی، اس میں ۲۹۰۰۰ الفاظ ہیں اس کا تعلق مذہب سے ہے، قیاس ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۰ء میں ایران سے ہندوستان میں آئی

پہلوی روایت | پہلوی روایت جس کے ساتھ داستان بھی ملحق ہے تقریباً ۲۶۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے، اس میں مذہبی اجتماعی اصول کی تفصیلی بحث ہے۔

شکند گمانیک وچار | یہ کتاب مذہبی جدل کے متعلق ہے، اس میں تقریباً ۱۷۰۰۰ الفاظ ہیں، اس کے مصنف مردان نے اس کتاب میں زرتشتی مذہب کے اثبات و تائید میں ملاحدہ، اذ دین، اسلام اور یہودیت اور مسیحیت کی تردید اور ابطال کیا ہے،

ارتاویراف نامک | اس میں تقریباً ۸۸۰۰ الفاظ ہیں، اور جنت و دوزخ کا بیان ہے، ان کو حق پرست ویراف نے ہفت روزہ خواب میں دیکھا، جو مقدرات کے باعث وقوع میں آیا تھا،

بہمن یشت | اس کتاب میں ۴۰۰۰ الفاظ ہیں، اس میں اہورمزد نے زرتشت کو ایرانی قوم اور مذہب کی آئندہ قسمت کا رسالتی بیان کیا ہے، جرمانی زبان میں اس کتاب کے بعض اقتباسات کا ترجمہ اور باقی حصہ کا خلاصہ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں اور جن کا تعلق مذہب سے نہیں ہے،

۸۴- کارنامک ارتخشیر پاپکان ۸۶- خوشروے کواتان اور اس کا خادم

۸۵- یاتکار زریران (یادگار زریر) ۸۷- فرہنگ پہلویگ،

۸۸۔ القاب در رسائل و مکاتیب ۹۱۔ درخت آسوریگ

۸۹۔ ایران زمین کے شہر ۹۲۔ شادی نامہ

۹۰۔ شترنگ نامک ۹۳۔ عجائب زمین سگستان،

کارنامک ارتخشیر پاپکان | کارنامک مین ۵۷۰۰ الفاظ ہین نولڈیک نے اس کا ترجمہ جرمانی زبان مین کیا ہے،
اس کتاب مین لکھا ہے کہ ایران مین سکندر کی وفات کے بعد چھوٹے چھوٹے حکمرانون کی طوائف الملوکی تھی، اردوان سب کو مغلوب کرکے شاہنشاہ بن گیا، پاپک سرحد کا ... تھا جس کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا ساسان جو دارا کی نسل مین تھا پاپک کا چرواہا تھا، پاپک نے خواب مین اس کا دارا کی نسل سے ہونا دیکھا، پس اس نے اس کو اعلیٰ منصب پر سرفراز کرکے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ارتخشیر رکھا جب اس نوجوان کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو ارتوان (اردوان) نے اس کو طلب کیا، بادشاہ کے لڑکے سے لڑائی کی وجہ سے اس کو اصطبل مین کام کرنے کے لیے بھیجا، اتفاق سے بادشاہ کی خادمہ اس پر عاشق ہوگئی، ارتخشتر نے اس کو ترغیب دی کہ وہان سے بیش بہا جواہر لیکر گھوڑے پر سوار ہوکر فارس فرار ہوجائین، اردوان نے ان کا تعاقب کیا مگر ناکام رہا، بعد ازان امرا و شرفا کی تائید سے اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا،

اس کتاب مین ارتخشتر اور اس کے فرزند شاہپوہری (شاہپور) کے مضمون کے حالات جو اس کے باپ کی حکومت کے دوران مین ہوئے تھے درج ہین، آخرکار ارتخشتر نے اپنے پوتے آہوہرمزد کو جو ... سال سے چھپا ہوا تھا پہچانیا،

فرہنگ پہلویگ | یہ پہلوی پازند کی قدیم فرہنگ ہے، اس مین ۱۳۰۰ پہلوی الفاظ ہین، اگر ضمیمون کو شمار نہ کیا جائے تو اس مین صرف ایکہزار الفاظ رہ جاتے ہین،

پہلوی ادب کی کتابون کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود پہلوی ادب کے تباہ و برباد

---

[1] براؤن کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے،

ہونے کے اب تک کتنی کتابین موجود ہین، موجودہ پہلوی ادب سے ہمین ساسانی دور کے بہت سے واقعات معلوم ہوتے ہین اور پارسی مذہب کے متعلق تو اچھے معلومات حاصل ہو سکتے ہین،

فارسی علم ادب کے انکشافات اور ان کی کتابون کو حل کرنے کا فخر مانی ملر کو حاصل ہے، پہلوی جیسی ادق زبان کا ترجمہ کرنا کس قدر دشوار ہے، اسکی اہمیت اس سے بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اب تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ پہلوی کا اس زمانہ مین کیا صحیح تلفظ ہوگا،

ازوارشن[1] الفاظ کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا وہ کہان تک اصلیت رکھتا ہے اس کے متعلق بھی کامل یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ سامی تلفظ کو پڑھتے تھے یا نہین،

براؤن کی رائے یہ ہے کہ سامی الفاظ تو ضرور لکھے جاتے تھے لیکن پڑھنے مین ہم معنی یا مترادف ایرانی الفاظ بولے جاتے تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح انگریزی مین ہم لکھتے تو ٹم (ال) ہین لیکن اس کا تلفظ پونڈ کرتے ہین، اسی طرح مرد کے بجاے گبرا اور مردم کے بجاے گریم لکھتے تھے،

اس لحاظ سے نہروارشن (ہنروارش) کا مادہ زدار (تزویرے) قرین قیاس معلوم ہوتا ہے،

ابھی فارسی ادب کی کتابون کے دستیاب ہونے کی بہت کچھ توقع ہے اور اس کے ترجمے کی بھی بے حد ضرورت ہے مگر پہلوی ادب کے ترجمہ مین ابہام ہونے کی وجہ سے بہت وقت پیش آتی ہے اور جو کچھ ترجمہ کیا جاتا ہے اس کو کامل یقین کے ساتھ نہین کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے، چونکہ اکثر حصے ایسے آجاتے ہین جو بہت مبہم ہوتے ہین اس لیے ان کو یا تو چھوڑ دینا یا قیاس سے کچھ نہ کچھ ترجمہ کرنا پڑتا ہے،

---

[1] ازوارشن زواریدن سے مشتق ہے جس کے معنی کہنہ اور فرسودہ ہونا،

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی مہاودیالے کالج احمد آباد

مضمون نگار نے موصوف احمد آباد کے قیام کے زمانہ میں آجکل گجرات کی ادبی و ملکی تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں جسکا کام مہاودیالے (گجرات قومی یونیورسٹی) نے شروع کیا ہے اور اسکے متعدد حصے ہیں، اسلامی حصہ مولانا کے سپرد کیا ہے جسکو وہ بخوبی انجام دے رہے ہیں،

"معارف"

گجرات کے پہلے گورنر کے متعلق عام تاریخوں کے مطالعہ سے جو خیال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ الماس بیگ الغ خان جو گجرات کا فاتح ہے، وہی وہان کا ناظم (گورنر) بھی تھا جس نے تقریباً بیس برس گجرات پر حکومت کی، مرآۃ احمدی جو تاریخ گجرات کی مشہور کتاب ہے، اس نے ہر جگہ اس گورنر کا نام الغ خان ہی لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو فاتح بھی تھا اور ناظم بھی، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"بعد فتح نہروالہ (انہل واڑا) الغ خان کے قبضہ میں حکومت گجرات سپرد ہوئی، اسی زمانہ سے گجرات میں ناظم مقرر ہو کر آنے لگے، پٹن (نہروالہ) کی جامع مسجد سرخ پتھر کی تعمیر کی ہوئی اسی الغ خان کی ہے"

غالباً اسی کی اتباع یادگار ایام کے مصنف مرحوم نے کی ہے، بلکہ ایک قدم اس سے بھی آگے رکھا ہے جو پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"قیدیون میں رانیان، اور راجہ کی بیٹی دیول دیوی رانی بھی ہاتھ آئی، ان سب کو الغ خان نے دہلی

روانہ کردیا اور نہروالا کو مرکز حکومت قرار دے کر خاص نہروالا میں جامع مسجد کی تعمیر شروع کردی[1] جو غالباً گجرات میں سب سے پہلی مسجد تھی، اسی الغ خان کو اہل گجرات الپ خان، اور الف خان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں:

فرشتہ نے بھی ہر جگہ الغ خان ہی لکھا ہے، البتہ صرف ایک جگہ وہ اس نام پر "فاتح" و "ناظم" کا اضافہ کرتا ہے، جس سے ناظرین کو (بظاہر) معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی تھے یعنی پہلے وہ فاتح تھا اور بعد میں وہی ناظم مقرر ہوگیا

مرآۃ احمدی: (جو اس موضوع (تاریخ گجرات) پر جدید کتاب ہے) [illegible] کے مصنف نے صفحہ ... میں الماس بیگ الغ خان پر جو حاشیہ لکھا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے۔

"تاریخ فرشتہ میں فاتح اور ناظم دونوں کو الغ خان ... طبقات اکبری میں دونوں کو الف خان لکھا ہے، مگر مرآۃ احمدی کے مصنف نے غلطی سے فاتح اور ناظم دونوں کو ایک ہی شخص جان کر الغ خان لکھا ہے، اسی کی تقلید اکثر انگریزی اور گجراتی مورخوں نے کی ہے۔ منتخب التواریخ نے ناظم کا نام الپخان لکھا ہے"

اس تحریر کے بعد صفحہ ۳۵ میں جہاں پہلے ناظم گجرات کے عنوان سے باب شروع کیا ہے، فرشتہ کی پیروی میں اس نے گورنر کا جو نام تحریر کیا ہے وہ "الغ خان" ہی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مذکور بھی یہی بات صحیح سمجھتا ہے، اور اسی لیے اس نے دونوں جگہ "الغ خان" تحریر کیا ہے، اور فرق کے لیے اس نے فاتح اور ناظم کا اضافہ کیا ہے۔

سید [illegible] حسینی نے حسب عادت اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، انکو یہ بھی خبر نہیں کہ خود علاء الدین نے گجرات فتح کیا یا الغ خان نے،

---

[1] دیگر واقعات کی طرح یہ قیاس بھی غلط ہے، اس سے بہت پہلے بندر کھنبایت میں مسجدیں تیار ہو چکی تھیں، جہاں عرب تاجر دوسری صدی سے مقیم تھے، (دیکھو مسعودی جلد اول و ابن بطوطہ جلد دوم)

مولوی ذکاءاللہ صاحب اردو مین سب سے مبسوط تاریخ ہند کے مؤلف اپنی تاریخ جلد دوم مین ہر جگہ "الغ خان" ہی لکھتے ہین، صرف خضرخان کی شادی کے موقعہ پر الپ خان لکھا ہے، جسکی لڑکی سے خضرخان کی شادی ہوئی تھی، لیکن جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۵ پر تحریر فرماتے ہین کہ:۔

"۶۹۶ھ مین اس نے (سلطان علاء الدین) گجرات کو سپاہ بسرکردگی الف خان (جسکو گجرات کے لوگ الپ خان کہتے ہین) اور نصرت خان کے بھیجی"

آگے چل کر لکھتے ہین:۔

"کہ جب نہروالا فتح ہوگیا اور راجہ کرن باگھیلہ شکست پاکر بھاگ گیا تو الف خان ملک کا حاکم مقرر ہوا"

ان دونون متضاد بیانون سے معلوم ہوا کہ وہ اصل حقیقت سے باخبر نہ تھے، اور بلا تحقیق جو ملا اوس کو نقل کر دیا۔

صوفی پنڈوی صاحب نے جو تاریخ ہند اپنے نام سے لکھی یا لکھوائی ہے اس مین ہر جگہ الغ خان ہی لکھا ہے، حالانکہ اس مقام کا کل حصہ ضیائے برنی کی تاریخ فیروزشاہی سے ماخوذ ہے، اور اس مین ان دونون نامون مین فرق موجود ہے،

امیرخسرو نے مثنوی عشقیہ مین حملۂ گجرات کے وقت الغ خان کا نام لیا ہے، اور خضرخان کی شادی کے وقت "السپ خان" کا ذکر کیا، اور ایک مقام پر الف خان بھی لکھا ہے، جس کے متعلق یہ خیال بالکل درست ہے کہ الف خان درحقیقت "الپ خان" کی تصحیف ہے، چنانچہ ضیا برنی نے عہدہ دارون کی جو فہرست دی ہے اس مین الف خان کوئی شخص نہین ہے، اسی طرح اکثر معتبر تاریخین بھی اس نام سے خالی ہین،

مندرجۂ بالا سطور سے بین طور پر یہ ظاہر نہ ہوسکا کہ فاتح اور ناظم دونون کی شخصیت دو ہے یا ایک ہی، اس لیے اس اشکال کے حل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ دوسری کتابون سے مدد لیجائے،

گجرات کی عربی تاریخ ظفرالوالہ بمظفر والہ کے مصنف محمد بن عمر المکی نے ۶۹۶ھ کے تحت مین لکھا ہے،

وصل اُلغ خان الی نہر والہ وکانت الرا ۲	اُلغ خان نہروالا (انہل واڑا) پہنچکر جہان کا حاکم راجہ
کرن وا ستولی علیہا،	کرن تھا قابض ہوگیا،

پھر ایک دوسرے مقام پر اسی سنہ کے تحت لکھتا ہے۔

وبیامخاجھنا علاء الدین، اُلغ خان ونصرت	اور اس کا بیان یہ ہے کہ علاء الدین نے اُلغ خان، ونصرت
خان الی گجرات فلما کانا بالقرب من نہروالہ	خان کو گجرات سامان کے ساتھ بھیجا جب دونون
خرج الیہما صاحبہا الرائے کرن، وکانت	نہروالا کے قریب پہنچے تو راجہ کرن ان کے مقابلہ کےلئے
بینہم شدۃ، انجلت بھزیمۃ الرائے	نکلا طرفین سے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کرن شکست
الی دیو گیر واستاسر اھلہ[1]	کھاکر دیو گڈھ چلا گیا، اور اسکا خاندان گرفتار ہوگیا،

اس کے بعد لکھتا ہے،

سلک اُلغ خان طریقاً الی دہلی بما معہما	اُلغ خان دہلی کی طرف چلا، اوران دونون (اُلغ خان
من غنائم گجرات وعائلۃ الرائے کرن ومنہا	ونصرت خان) کے ساتھ گجرات کے لوٹ کا مال تھا، اور راجہ
زوجتہ،	کرن کا خاندان جس مین اسکی رانی بھی تھی،

پھر جلد ثانی کے صفحہ ۷۰۱ مین لکھتا ہے،

الی ان قال یوماً وعندہ اُلغ خان وظفرخان	یہان تک کہ ایک دن علاء الدین نے کہا، اور اس کے
ونصرت خان والپ خان،	پاس اُلغ خان، اور نصرت خان، ظفرخان اور الپ خان تھے،

ایک دوسرے مقام پر ۶۹۹ھ کے تحت حملہ رنتھنبور کے متعلق بحوالۂ تاریخ حسام خان تحریر کرتا ہے،

تجہز اُلغ خان ونزل بظاھر بیانہ، وبلغ	اُلغ خان تیار ہوکر بیانہ کے سامنے اترا اور یہ خبر راجہ
ھمیر دیو الرائے ذلک،	ہمیر دیو کو پہنچی،

[1] ظفرالوالہ جلد ثانی ص ۷۸

اسی سال جبکہ قلعہ مذکور فتح ہو گیا ہے تو علاء الدین نے اس قلعہ کو اُلغ خان کو دے دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا

قال المورخ وبعد جهد جهيد كان الفتح
لعلاء الدين وظفر بالرائے هنبير ديو
(همير ديو) وبمن اوى هم من المغل وقتلهم
جميعا. واعطى اخاه القلعة ومافيها،
والولاية[1]

مورخ کہتا ہے کہ بڑی کوشش کے بعد فتح علاء الدین کی
ہوئی اور راجہ ہمیر دیو نے شکست پائی، وہ خود اور مغلون
مین سے جو لوگ اس کے پاس پناہ گزین تھے سب گرفتار ہو کر
قتل کئے گئے اور سلطان نے اپنے بھائی کو وہ قلعہ مع تمام
سامان کے، اور پورا صوبہ اس کے حوالہ کیا،

آگے چلکر صفحہ ۸۱۰ مین اسی کی پھر تکرار کرتا ہے:

وانعم بها وبما فيها وما يليها من الولاية
وجهاتها على اخيه الغ خان، ورجع الى دہلی
وكان الفتح فى الثالث من ذيقعدہ سنه
سبع ماية ـ (۷۰۰ھ)

علاء الدین نے اپنے بھائی الغ خان کو وہ قلعہ اور جو کچھ
اس قلعہ مین تھا مع مضافات صوبہ انعام دے کر دہلی لوٹا
اور یہ فتح تیسری ذیقعدہ ۷۰۰ھ کو ہوئی،

اُلغ خان کے متعلق تمام حالات لکھکر اب الپ خان کے متعلق لکھتا ہے، کیونکہ نصرت، اور ظفر خان کے بابت وہ پہلے لکھ چکا ہے،

وسياتى ماكان منه بالپ خان فى مرض
موته،

اور علاء الدین کے مرض موت مین جو واقعہ الپ خان کے متعلق
ہوا وہ آگے آئیگا،

اور صفحہ ۸۲۶ مین ہے،

واتفق بينه وبين الپ خان اخى محبوبته
ماه رو من العداوة ماكان بها خراب

سلطان کی محبوبہ (زوجہ) ماہ رو بیگم کے بھائی الپ خان
اور ملک کافور کے درمیان عداوت پیدا ہو گئی، اور اسی

[1] ظفر الوالہ جلد دوم صفحہ ۸۰۷

الملك العلائي، واثناء ذالك ابتلى علاء الدين	علاء الدین کے ملک کی تباہی رونما ہوئی، اور اسی اثنا
بعلة الاستسقاء وكان به كل يوم في ازدياد	علاء الدین مرض استسقاء میں مبتلا ہوگیا، اور روز بروز
وكافور والپ خان في نقيض ولكن كان كافور	مرض ترقی پذیر تھا، اور کافور و الپ خان ایک دوسرے
في نيابة ديوگير والپ خان في نيابة	سے برسر پیکار رہتے لیکن کافور دکن کا گورنر، اور الپ خان
گجرات،	گجرات کا گورنر تھا۔

چند سطور کے بعد لکھتا ہے،

فلما حصل كافور وبدأ في اعراض عن	پس جب کافور نے پایا، علاء الدین کو خضر خان اور حرم
خضر خان والحرم، سعى في قتل الپ خان	سے ناراض پایا، تو علاء الدین کے تغیر مزاج کے سبب سے
بما عرف من تغير مزاجه،	الپ خان کے قتل میں جد وجہد کرنے لگا،

پھر اس کے آگے ہے،

وبلغ خبر قتل الپ خان بگجرات من	اور جب الپ خان کے قتل کی خبر گجرات میں پہنچی، تو
اتباعه فخرجوا من الطاعة وشاعت	اس کے کارندے جو گجرات میں تھے باغی ہوگئے، اور فتنہ
الفتنة،	ہر طرف پھیل گیا،

اس بیان سے آپ کو صاف معلوم ہوگیا کہ الغ خان اور الپ خان دو الگ آدمی ہیں، البتہ امیر خسرو کے الف خان کی طرح اس کتاب میں بھی دو جگہ بجائے الپ خان کے الغ خان آگیا ہے، جس کے متعلق آخر میں انشاء اللہ عرض کروں گا،

اسی مورخ کا ہمعصر عبدالقادر بدایونی ہے، جس نے بہت زیادہ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف کردیا ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے عنوان سے لکھتا ہے،

و در بست و دوم ذی حجہ سنہ خمس و تسعین و ستمایہ	۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ میں اپنے بھائی الماس بیگ کے

(۶۹۵) باتفاق برادر خویش الماس بیگ لوائے سلطنت دہلی برافراشت و او را الغ بیگ خان و سنجر خسر پورۂ خود را کہ میر مجلس بود الپ خان و ملک نصرت جلیسری را نصرت خان و ملک بدرالدین را ظفر خان خطاب دادہ در صحرائے سیری نزول نمودہ[1]

مشورہ سے دہلی کی سلطنت کا جھنڈا کھڑا کیا، اسکو (الماس بیگ) الغ بیگ خان، اور اپنے لڑکے کے خسر سنجر کو جو میر مجلس تھا الپ خان کا، اور ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان اور ملک بدرالدین کو ظفر خان کا خطاب دیکر سیری (دہلی) کے میدان میں قیام کیا،

اس عبارت سے مندرجۂ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں،

سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی کا نام الماس بیگ تھا، اور اسکو خطاب الغ خان دیا گیا، علاء الدین کے لڑکے (خضر خان) کے خسر کا نام سنجر تھا، اسکو خطاب الپ خان کا دیا گیا، یہ شخص اس وقت مجلس کے عہدۂ میر مجلس پر ممتاز تھا،

اسی کے ساتھ ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان، اور ملک بدرالدین کو ظفر خان کا خطاب ملا،

پھر چند سطور کے بعد تحریر کرتا ہے کہ:-

در محرم سنہ ستہ و تسعین و ستمائۃ (۶۹۶) الغ خان والپ خان را بر سر ارکلی خان و سلطان رکن الدین نامزد کرد

محرم ۶۹۶ھ میں الغ خان اور الپ خان کو ارکلی خان اور سلطان رکن الدین کے لیے مقرر کیا،

۶۹۸ھ کے ماتحت لکھا ہے،

الغ خان را باعساکر قاہرہ در ولایت گجرات بر سر رائے کرن کہ سی ہزار سوار و ہشتاد ہزار پیادہ و سی زنجیر پیل داشت تعین فرمود، و الغ خان نہروالا را بعد از ہزیمت یافتن رائے کرن نہب و غارت کردہ تعاقب او نمود،

الغ خان کو ایک بڑی فوج کے ساتھ صوبہ گجرات میں راجہ کرن باگھیلہ کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا، جس کے پاس تیس ہزار سوار اور اسی ہزار پیادہ اور تیس زنجیر ہاتھی تھا، اور الغ خان نے راجہ کرن کی شکست کے بعد نہروالا کو لوٹ کر اسکا پیچھا کیا

[1] بدایونی ج ۱ ص ۱۸۲

اسی سلسلہ مین الغ خان کی واپسی گجرات کے متعلق اس فساد کا ذکر کرکے جو نور کے مقام پر لشکر والون نے برپا کیا تھا، آگے لکھتا ہے،

و الغ خان بکوچ متواتر بحضرت دہلی رفت،	اور الغ خان پے در پے کوچ کرتا ہوا دہلی گیا،

پھر لکھتا ہے کہ

و ولایت جھاین در تصرف، الغ خان سپردہ قصد چتور نمود،	اور جھاین کا علاقہ الغ خان کے سپرد کرکے خود چتوڑ کی طرف کا ارادہ کیا،

رنتھنبور کے قلعہ کے محاصرہ کے وقت دہلی میں جو فساد حاجی مولا نے کیا تھا، اس کے فرو ہونے کے بعد الغ خان کو انتظام کے لئے دہلی بھیجا گیا ہے، جہان اس نے اپنی ریاست سے امن قائم کر دیا ہے، اسکے متعلق بدایونی ج ۱ ص ۱۹۲ مین لکھتا ہے،

و سلطان الغ خان را بہ دہلی نامزد فرمود، تا جماعت را کہ درین فتنہ متعلق بودند پیروی نمودہ بمعرض تلف در آورد،	اور سلطان نے الغ خان کو دہلی جانے کے لئے نامزد کیا تاکہ اس جماعت کو جو اس بلوہ مین شریک تھی، اسکو کافی سزا دے کر برباد کر دے،

اس کے صلہ مین سلطان رنتھنبور کی ولایت اس کی جاگیر مین مقرر کرتا ہے،

و سلطان قلعہ رنتھنبور را با ولایت در جاگیر او مقرر فرمودہ باز گشت،	اور سلطان قلعہ رنتھنبور کو مع علاقجات کے اس کی (الغ خان) جاگیر مین مقرر کرکے واپس چلا گیا،

اس کے بعد پھر کوئی تذکرہ الغ خان کا نہین ہوتا ہے، بلکہ اب الپ خان کا ذکر کرتا ہے جس سے ملک کافور عداوت رکھتا تھا، کیونکہ کافور چاہتا ہے کہ تمام طاقتور امرا اور وارثان سلطنت کا کانٹا نکال کر خود تخت شاہی حاصل کرے، اس سے علاء الدین کو برانگیختہ کرنے کے واسطے وہ الپ خان اور خضر خان کی شکایت کرتا ہے، اور بدگمان کرانے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بدایونی مورخ

صفحہ ۱۹۸ جلد اول مین تحریر کرتا ہے،

ملک نائب آمدن خضرخان را بصد آب وتاب بہ	اور ملک نائب نے خضرخان کے آنے کو بڑے آب وتاب
سلطان باز نمود و گفت، کہ الپ خان از گجرات آمدہ	کے ساتھ دکھلا کر کہا کہ گجرات سے آکر الپ خان نے ملکی
بہ تدبیرہا دوراندیشی در کار ملک وطمع نیابت و وکالت	امور کے لیے دوراندیشی سے، اور اپنی نیابت اور
خود خواہر زادہ راطلبیدہ،	وکالت کے طمع سے، اپنے بھانجے (خضرخان) کو بلایا ہے،

اس کے بعد الپ خان کے قتل کے متعلق لکھتا ہے،

واین سخنان را راست شمردہ در حال بہ سیاست	ان باتون کو سچ سمجھ کر فوراً الپ خان کے متعلق سیاست
الپ خان حکم فرمود و آن بے چارہ را ملک نائب وملک	کا حکم صادر کیا اور اس بے چارہ کو ملک نائب اور کمال
کمال الدین گرگ چو گوسپند سلیم گرفتہ، اندرون قصر	الدین گرگ نے بکری کی طرح قصر بادشاہی کے اندر
بادشاہی پارہ پارہ کردند،	ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا،

اب اس کے بعد خضرخان کو پایۂ تخت سے دور بھیجدینے کے متعلق لکھتا ہے،

کہ خضرخان چون از کشتن خال خویش ہراس یافتہ مناسب	چونکہ خضرخان اپنے ماموں کے مارے جانے سے ڈرگیا ہوگا
نیست کہ بجائے خود بر دو. فرمان شد تا بجہت صلاح	اسلیے مناسب نہین ہے کہ اسکو اس طرح چھوڑ دیا جائے
امور ملکی چند روز بجانب امروہہ رفتہ بسر برد،	حکم ہوا، کہ چند دن ملکی مصلحت کے بنا پر امروہہ مین رہے،

ضیاء برنی جو گویا چشم دید گواہ ہے اس نے اپنی تاریخ مین ہر جگہ اسکا خیال رکھا ہے، چنانچہ ناظم گجرات کے متعلق وہ ہر جگہ الپ خان استعمال کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

واورا (ملک نائب کافور) والپ خان کہ خسر دیپ	اور ملک نائب کافور اور الپ خان مین جو خضرخان
خضرخان بود، عداوت جانی افتاد،	کا خسر تھا، جانی دشمنی پیدا ہوگئی،

پھر دوسری جگہ تحریر کرتا ہے کہ:۔

وملک نائب را از دیوگیر (دیوگڈھ یا دولت آباد) والپ خان را از گجرات در شہر طلبیده،

اور ملک نائب کا فوراً دیوگڈھ سے اور الپ خان کو گجرات سے شہر (دہلی) میں بلا لیا۔

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ

وبے ہیچ جرمے وخیانتے الپ خان را از سلطان علاء الدین بکشانید، وخضر خان را بند کنانید، و در گوالیار فرستاد، و ما در خضر خان را از کوشک لعل برآرانید، وہم دران روز قتل الپ خان، وجلا وبند خضر خان خانمان سلطان علاء الدین برافتاد،

اور بغیر کسی جرم و بددیانتی کے الپ خان کو سلطان علاء الدین کے ذریعہ مروا ڈالا، اور خضر خان کو قید کرا کر گوالیار میں بھجوا دیا، اور خضر خان کی ماں کو کوشک لعل (لال محل یا لال قلعہ) سے باہر نکلوا دیا، اور اسی الپ خان کے قتل اور خضر خان کی جلاوطنی و قید کے دن علاء الدین کے خاندان کی بنیاد متزلزل ہوگئی،

لیکن جہاں فاتحِ گجرات کا ذکر کرتا ہے وہاں وہ الغ خان لکھتا ہے،

در اوائل سال سوم جلوس علائی، الغ خان و نصرت خان با امرا و سرلشکران وحشم بسیار، جانبِ گجرات لشکر کشیدند۔

علاء الدین کے تخت نشینی کے تیسرے سال میں الغ خان اور نصرت خان نے امرا اور سرداران لشکر کو لے کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ گجرات پر لشکر کشی کی،

دوسری جگہ لکھتا ہے

با نہب و تاراج گجرات الغ خان و نصرت خان بغنائم بسیار مراجعت کردند،

گجرات کو لوٹ مار کر الغ خان اور نصرت خان لوٹ کے بیشمار دولت کے ساتھ لوٹے،

آگے چل کر پھر لکھتا ہے،

و الغ خان و نصرت خان با مال و پیل و بردہ و غنائمے کہ از نہب گجرات بدست آمدہ بود در دہلی آمدند،

الغ خان اور نصرت خان ہاتھی غلام اور ان تمام مال و دولت کو لیکر جو گجرات کی لوٹ میں ہاتھ آئی تھی دہلی آئے

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے :-

وہم دریں سال کہ الغ خان و نصرت خان در گجرات	اور اسی سال میں الغ خاں اور نصرت خان گجرات بھیجے گئے ظفر خان
نامزد شدہ بودند ظفر خان در سیوستان نامزد شد	سیوستان کے لیے نامزد ہوا،

ضیاؔ[1] برنی نے جہان امراء و عہدہ داران سلطنت کی فہرست لکھی ہے وہاں بھی الگ الگ نام لکھے،

الغ خان الماس بیگ برادر سلطان، ظفر خان ، عرض ممالک

نصرت خان ، وزیر الپ خان، امیر ملتان

اس واقعہ کے تقریباً بیس برس بعد (۷۳۴ھ) مغرب کا مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ آتا ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہوا لکھتا ہے،

"پھر بادشاہ بیمار ہو گیا، اسکی بڑی ملکہ خضر خان کی ماں تھی، اس کا نام ماہک تھا، اس ملکہ کا ایک بھائی تھا، اس کا نام سنجر تھا، اس نے بھائی سے قسم لی کہ وہ اس کے بیٹے خضر خان کو بادشاہ بنانے میں کوشش کرے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ملک کافور نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے، بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آوے اور میں اُس کو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اسکی مشکیں باندھ کر نیچے گرا لیجو، اور اس کو مار ڈالیو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب اس کو (خضر خان) معلوم ہوا، اس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کروا ڈالا تو نہایت غمگین ہوا، اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ الخ[2]"

ان شواہد سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ الغ خان اور الپ خان دو الگ آدمی تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الپ خان ملکہ جہان ماہک بیگم کا بھائی تھا، اور خضر خان کا ماموں، اور اسی الپ خان کی لڑکی سے خضر خان کی پہلی شادی ہوئی، اور یہی الپ خان ہے جسکو علاء الدین نے گجرات سے علالت کے وقت (مرض الموت میں) مشورہ کی غرض سے بلایا تھا،

[1] ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ بیان علاء الدین خلجی، [2] ابن بطوطہ جلد ۲ باب ۱ فصل ۹

نفسیاتِ شناخت

(۲)

از پروفیسر معتضد ولی الرحمن صاحب ایم اے معلم نفسیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

شناخت کی تمام بحث مین بلا واسطہ شناخت متنازع فیہ ہے، جسکو پرکہ ہے کہ اس نوع کی شناخت مین ہم ایک شخص کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہین، اب یہان سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ شناخت کس طرح ہوتی ہی؟ اسکی دو صورتین ہوسکتی ہین، اوّل تو یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھین، اور حافظہ کے ذریعہ سے اسکی ایک تمثیل ذہن مین قائم کرین، اور اس موجودہ احضار کا اس تمثال سے مقابلہ کرین، اور دونون مین مشابہت کی وجہ سے اس شخص کو پہچان لین، دوسری صورت یہ ہے، کہ یہ شناخت اس تمام عمل کے بغیر واقع ہو، یعنی یہ کہ ہم دیکھنے کے ساتھ ہی اس شخص کو پہچان لین، مقدم الذکر خیال پروفیسر ہفڈنگ کی حمایت مین ہے، اور موخر الذکر پر ماہرین نفسیات کا بالعموم اتفاق ہو، لیکن حال کے ماہرین مین سے پروفیسر کلپے اور پروفیسر جیمس نے پروفیسر ہفڈنگ کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی ہے، کلپے، جیمس اور ان کے ہم خیال مصنفین کی رائے ہے، کہ جن احساسات و احضارات کو ہم بلا واسطہ شناخت کر لیتے ہین، ان کے ساتھ ایک وصف "معلومیت" کا ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے اسکی براہ راست شناخت ممکن ہوجاتی ہے،

پروفیسر ہفڈنگ کا خیال ہے، کہ اس قسم کی فوری اور بلا واسطہ شناخت مین ذہنی عمل اس طرح کا ہوتا ہی، کہ ہم ایک شخص زید کو دیکھتے ہین، یہ ہم کو مانوس اس وقت معلوم ہوتا ہے جب اسکی وجہ سے ہمارے ذہن مین اس کی گذشتہ ذات کی ایک تصویر پیدا ہوتی ہے، اگر یہ تصویر پیدا نہین ہوتی، تو یہ شخص اجنبی معلوم ہوتا ہے، یعنی یہ مانوسیت کی کیفیت دماغ مین دو مشابہ اعمال کے انضمام و امتزاج سے پیدا ہوتی ہے، اس خاص مثال مین یہ کیفیت ایک شخص کے ادراک اور اسکی ذہنی تصویر کے دو اعمال کے امتزاج کا نتیجہ ہوتی ہے، جس صورت مین یہ امتزاج نہین ہوتا، وہان مانوسیت کا احساس بھی نہین ہوتا، لہذا شناخت غائب ہوجاتی ہے، استدلال اس کا یہ ہے

کہ اگر ہم کسی شخص، یا چیز کی شناخت بلا متلازم خیالات کے احیا کے ہوتی ہے، تو آخر اسکی توجیہ کیا ہوگی؟ اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس قسم کی شناخت مین تلازمی اعمال کو دخل نہین ہوتا، لیکن اس عمل کی غیر موجودگی مین بھی چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، اگرچہ ہم یہ معلوم نہین کر سکتے کہ ہم نے اس کو کہان اور کس وقت دیکھا تھا، اب اگر اس مین تلازمی اعمال داخل نہین ہین تو شناخت، یا مانوسیت، کا احساس آخر کس طرح پیدا ہوتا ہے، اسکی کوئی نہ کوئی شرط ہونی چاہیئے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم کو یہ احساس ہو جائے، کہ یہ ہمارے تجربے مین آچکی چیز یعنی یہ کہ اس وقت کا ادراک، اور کسی گذشتہ وقت کا ادراک دونون ایک ہی ہین، ان دونون ادراکات کی عینیت کو ہم اس وقت تک معلوم نہین کر سکتے جبتک کہ ان کا مقابلہ نہ ہو، اسی مقابلہ کیلئے ہم اس چیز کے گذشتہ ادراک کا تصویر کی صورت مین احیا کرتے ہین، لہذا موجودہ ادراک اور گذشتہ ادراک کی تصویر، دونون ملکر مانوسیت کی کیفیت پیدا کرتے ہین، یعنی یہ کہ ہم اسکی شناخت کر لیتے ہین،

ہفڈنگ کا یہ نظریہ اور استدلال بہت دلکش معلوم ہوتا ہے، لیکن جب ہم مطالعۂ باطن کی طرف متوجہ کر کے اس قسم کی شناخت کی ماہیت و نوعیت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہین، تو ہفڈنگ کے نظریہ کی تصدیق نہین ہوتی، بلا واسطہ شناخت مین ہم باوجود غور و خوض کے اس قسم کی تصویر کو منکشف کرنے مین کامیاب نہین ہوتے، لیکن پھر سوال ہوتا ہے کہ اگر یہ تصویر نہین ہوتی، تو آخر شناخت کس طرح واقع ہوتی ہے، اسکا جواب مطالعۂ باطن یہ دیتا ہے کہ "صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے، کہ وہ چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے" یعنی یہ کہ اسکی دیگر صفات کے ساتھ ایک صفت مانوسیت کی شامل ہو جاتی ہے، اسی کی وجہ سے ہم براہ راست اسکو شناخت کر لیتے ہین، اور ہم کو کسی متلازم خیال کی ضرورت نہین ہوتی، مانوسیت کا یہ علم ان باتون پر مبنی ہوتا ہے (۱) یہ کہ مانوس ارتسامات حافظہ کی تمثال، مرکزی تہیج کو پیدا کرنے مین خاص طور پر موثر ہوتے ہین، اور (۲) یہ کہ ان کی وجہ سے بالعموم ایک مخصوص کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہے جس مین خوشگوار حسیت اور اس حسیت کے عضوی احساسات بھی شامل ہوتے ہین، اب ان کی تشریح کرینگے،

(۱) یہ ثابت کرنے کے لیے کسی طویل استدلال کی ضرورت نہین کہ معلومہ [illegible] کی نسبت مرکزی تہیج
کو پیدا کرنے مین زیادہ موثر ہوتی ہین، اور یہ دونون [illegible] بت
جلدی مختلف مقامی، مکانی، تعلقی وغیرہ قسم کے تصورات [illegible] ضرورت
اور شے مدرک کے ہر قسم کے تعلقات کو معلوم کر لیتے ہین، [illegible] مقابلہ مین مجہول اشیاء تہیجات ہین، اگر ہم انکو
اپنے موجودہ ذہنی کوائف کے ساتھ متعلق کرنا چاہتے ہین تو [illegible] ذخیرۂ معلومات حال کی ضرورت پڑتی ہے،
یہ سچ ہے کہ ترقی یافتہ شعور کے لیے کوئی شے [illegible] مجہول ہو [illegible] کتنا ہی [illegible]
کیون نہ ہو اس پر کوئی نہ کوئی تصور قابل [illegible] بیان کیا جا چکا [illegible]
ہر احساس سے کسی نہ کسی قسم کا خیال پیدا ہونا لازمی ہے لیکن شناخت [illegible] کے ہم معنی نہین ہے
اس مین ایک مخصوص حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ موجودہ ارتسام کسی گذشتہ موقعہ پر تجربہ مین آچکا ہے، اب اگر یہ
سچ ہے کہ معلومہ اشیاء کی وجہ سے مرکزی تہیجات زیادہ آسانی کے ساتھ پیدا ہوتے ہین، تو ظاہر ہے کہ بلاواسطہ
اور فوری شناخت کی توجیہ کیلئے ہم کو کسی قسم کی تصویر کی ضرورت نہین، اس قسم کی تصویر کی ضرورت وہان
پڑے گی، جہان یہ مرکزی تہیجات پیدا نہ ہون، یا مشکل سے پیدا ہون یعنی یہ کہ وہ اشیاء جو ان کا باعث ہو رہی
ہین، مجہول ہون، پھر اسکے ساتھ اس نفسیاتی حقیقت کو بھی شامل کیجئے کہ کسی چیز کی عام شکل وصورت، اور عام
خصوصیات کا احیا آسان ہوا کرتا ہے، بہ نسبت اسکی تفاصیل کے احیا [illegible] کہ ہم نہایت آسانی کے ساتھ
بتا سکتے ہین، کہ فلان چیز کا عام نقشہ وخاکہ کس طرح کا ہے، لیکن اگر ہم سے اسکی تفاصیل دریافت کیجائین، تو
دقت کا سامنا ہوتا ہے، اشعار کے عام معنی تو ہم کو یاد رہتے ہین، لیکن انکے الفاظ ہمارے ذہن سے خارج ہوجاتے
ہین، بلاواسطہ شناخت مین بھی چونکہ اسی کی ایک عمومی اور کلی تصدیق ہوتی ہے، لہذا یہان بھی اس کے احیا
کے لیے کسی خاص تصویر یا تمثال کی ضرورت لاحق نہین ہوتی، شناخت کی اس صورت مین حکم صرف یہ
لگایا جاتا ہے کہ "یہ معلوم ہے" اس مین کسی قسم کی کوئی تخصیص نہین کیجاتی، کہ معلوم ہے، تو کیون؟ یا یہ کہ گذشتہ

تجربہ مین یہ علم کہاں اور کس وقت حاصل ہوا تھا؟ وغیرہ، ان تمام خصوصیات کی موجودگی کے باوجود اگر ہم اس شناخت کی توجیہ کے لئے کسی تصویر و تمثال کی طرف رجوع کرین تو پراگندگی خاطر کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مانوس اشیار کے ادراک سے جو جذبی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ غیر مانوس اشیا کی پیدا کردہ کیفیت جذبی سے مختلف ہوا کرتی ہے، مانوس اشیار لازمی طور پر ایک قسم کی انبساطی اور انشراحی کیفیت کا باعث ہوتی ہین، ان کے مقابلہ مین غیر مانوس اشیا بعض بعض صورتون مین تو انقباضی حالت پیدا کرتی ہین، وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر ایک ارتسام جاندار جسم مین ایک خاص قسم کے رد عمل کا مہیج بنتا ہے یعنی یہ کہ اس ارتسام سے اس جسم مین مخصوص تغیرات و اعمال پیدا ہوتے ہین، اب ایک مانوس ارتسام سے بعینہ وہی احساسی اور حرکی رد عمل پیدا ہوتا ہے، جو گذشتہ تجربے مین ہوا تھا، اور جسکی ہم نے اس وقت اچھی طرح جانچ کر لی تھی، دوسرے الفاظ مین مانوس ارتسام سے گذشتہ حرکی و احساسی رد اعمال کا نقط احیا ہوتا ہے اور اس لئے ان کے واقع ہونے مین کسی قسم کی کوئی چیز یا بات مانع نہین آتی، اور ہماری دماغی فعلیت بلا روک ٹوک ہوتی ہے، اس کے مقابلہ مین غیر مانوس ارتسام کے ساتھ چونکہ کوئی احساسی و حرکی رد عمل متعلق ہی نہین ہوتا، لہذا اس صورت مین ہم کو ان رد اعمال کو ایجاد کرنا پڑتا ہے، یعنی یہ کہ ہماری دماغی فعلیت اس سہولت و سرعت کے ساتھ نہین ہوتی، جیسی کہ مانوس ارتسام کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، حیاتیات کا دعویٰ ہے کہ دماغ کی بلا مزاحمت فعلیت خوشگواری اور انبساط کی مترادف ہے، اور اگر یہ فعلیت بلا مزاحمت نہین ہوتی تو ناگواری اور انقباض لازمی نتیجہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مانوس اشیار لازمی انبساطی و انشراحی کیفیت پیدا کرتی ہین، اور غیر مانوس اشیار انقباضی کیفیت، اس تمام کو اگر ہم پیش نظر رکھین، تو کہا جا سکتا ہے، کہ قابل شناخت ارتسام حیات اور عضوی احساسات کو ایک مخصوص طریقے سے متغیر کر لیتا ہے۔

بلاواسطہ شناخت کا جو تخیل ہم نے سطور ما قبل مین پیش کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیقات شاذ ہی صحیح ہوتی ہین، ہم مین سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ذاتی تجربے سے اس بیان کی تائید

کر سکتا ہے، یہ غلطیاں بالعموم دو قسم کی ہوتی ہیں :- (۱) ایسی چیز جو کبھی ہمارے تجربے مین نہین آئی ہم کو مانوس معلوم ہو، اور (۲) مانوس چیز غیر مانوس دکھائی دے، اوّل الذکر غلطی بہت کثیر الوقوع ہے، بعض دفعہ ہوتا ہے کہ ہم ایک شخص کو دیکھتے ہین، اور اس کو اپنا دوست سمجھکر اس سے نہایت تپاک اور بعض صورتون مین بے تکلفی سے ملتے ہین، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ہم کو اپنی غلطی کا علم ہو جاتا ہے، ثانی الذکر غلطی کی مثالین نسیان کے دقعات مین بھی ملتی ہین، خود فراموشی اسکی ایک عجیب مثال ہے،

ان دونون غلطیون مین سے پہلی کی توجیہ تو اس طرح ہو سکتی ہے، کہ شناختی تاثرات بعینہ ایک ہی شئے یا اشیا ہی سے پیدا نہین ہوتے بلکہ اگر دو اشیا ایک دوسری سے کم و بیش مشابہت رکھتی ہون یعنی یہ کہ ان کے آپس مین چند مشابہات ہون، اور چند اختلافات، اور ان مین سے ایک ہمارے لیے مانوس ہو تو دوسری بھی بسبب اپنی مشابہات کے مانوس معلوم ہو سکتی ہے، پھر ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دو اشیا مین قابلِ تمیز اختلافات نہ ہون، اگر یہ صورت ہے، تو بلا واسطہ شناخت کی کار فرمائی کا احتمال بہت زیادہ ہوتا ہے، ہم نے اوپر مثال دی ہے کہ بعض دفعہ ہم ایک ناواقف شخص کو اپنا بے تکلف دوست سمجھکر اس سے حسن سلوک کرتے ہین، لیکن بعد مین خود فریبی کا طلسم باطل ہوتا ہے، اس قسم کی مثالون مین ہوتا یہ ہے کہ یہ نیا شخص ہمارے بے تکلف دوست سے ایک یا چند صفات مین مشابہت رکھتا ہے، ہم ان دونون کے اختلافات کو تو نظرانداز کر جاتے ہین، اور محض مشابہت کی بنا پر اس کو اپنا بے تکلف دوست سمجھ لیتے ہین، دوسری غلطی کی توجیہ و تشریح کے لیے بہت زیادہ اصطلاحی اور پیچیدہ بحث کی ضرورت نہین، ظاہر ہے کہ اس کا سبب

سلے پروفیسر وڈ ورتھ نے اسکو جواب بالتمثیل کہا ہے، پروفیسر اینجل نے اس کو حافظے کے التباس کے ضمن مین بیان کیا ہے، اور اسکی انتہائی مثال دی ہے، یعنی یہ کہ ہم کسی نئی جگہ جاتے ہین، اور وہ ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس سے قبل وہان کبھی نہ گئے تھے، اسکے نزدیک اس التباس کی مختلف حالتون مین مختلف علتین ہوتی ہین، وہ خود اسکو مانوسیت کی حسیت کی مختل صورت سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے، کہ یہ فی الواقع ایک غلطی التباس ہے جسمین ایک غیر موزون چیز ان عضوی ردِ اعمال کو پیدا کرتی ہے جو مانوس اشیا کا نتیجہ ہوتے ہین لیکن یہ ردِ اعمال کیون پیدا ہوتے ہین اسبارے مین اینجل خاموش ہے،

آئے، تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چیز بہت زیادہ عرصہ کے بعد ہمارے تجربے مین آئے، اور اس عرصہ مین اسکی شکل و صورت ہمارے ذہن سے نکل گئی ہو، یعنی یہ کہ اس چیز کا ارتسام شناخت کی مذکورہ بالا دو خصوصیات ممیزہ کو پیدا کرنے کے قابل نہین ہوتا، ایک علت یہ ہو سکتی ہے کہ اس چیز کے متعلق ہمارا پہلا تجربہ بہت عارضی، اور بالکل ناکافی ہو، مثلاً یہ کہ کسی خاص موقعہ پر بہت سے آدمیون سے ہماری سرسری ملاقات ہو، کہ ہم انکی شکل و صورت اچھی طرح نہ دیکھ سکین، ایسے اشخاص سے اگر ہم بعد مین ملین تو یقیناً ہم ان کی شناخت نہ کر سکین گے، حالانکہ اس سے قبل ہمارے تجربے مین آ چکے ہین، ایک تیسری وجہ یہ بھی ممکن ہے، کہ وہ چیز کا ہے ماہے ہمارے تجربے مین آئے، ان تمام اسباب سے ایک مانوس چیز ہمارے لیے نامانوس ہو سکتی ہے،

یہ یاد ہوگا کہ ہم پیچھے کہین بلاواسطہ شناخت کو دو اوصاف پر مبنی کیا ہے، اول مرکزی تہیجات کو پیدا کرنے کی موثریت، دوم ایک خوشگوار جذبی کیفیت، اب سوال یہ ہے، کہ ان دونون مین سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، یا یہ کہ دونون مساوی رتبہ و درجہ رکھتے ہین، اس سوال کا جواب [illegible] ذہنی بہرا پن کے مریضون پر جو مشاہدات ہوئے ہین، ان سے، اس سوال پر [illegible] روشنی پڑتی ہے، یہ دونون اصطلاحات پروفیسر منک کی ایجاد مین ان سے اس [illegible] حالت مراد لی ہے جس مین ایک شخص کسی مدرک شے کے مفہوم کی شناخت نہین کر سکتا یا اس کا نام نہین لے سکتا، یا اس کو استعمال نہین کر سکتا، اس قسم کے شخص کے ہاتھ مین اگر چھچہ دیا جائے تو وہ اس کو دیکھتا ہے [illegible] نہین لے سکتا، یا اس کا استعمال نہین کر سکتا [illegible] پروفیسر منک کا بیان ہے، کہ اس قسم کے ایک مریض [illegible] جب ایک کانٹا اس کو دکھایا گیا تو وہ اس کو پہچان نہ سکا، اس [illegible] کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ اس مریض مین کانٹے کے محاکاتی اثرات کا فقدان تھا، دوسرے الفاظ مین یہ کہ یہ خاص ارتسام مرکزی تہیجات کو مطلقاً پیدا نہ کر سکا، لیکن اگر باوجود

اس مرکزی تہیج کی عدم موجودگی کے مانوسیت باقی رہے تو مانوسیت لازماً اس جذبی کیفیت کا نتیجہ ہوگی جو اس ارتسام سے پیدا ہوئی یعنی یہ کہ بلا واسطہ شناخت کے یہ دونوں اسباب مساوی حیثیت نہیں رکھتے جذبی کیفیت بغیر مرکزی تہیج کے شناخت کی صورت پیدا کرسکتی ہے،

اس تمام بحث سے ظاہر ہے کہ ہم محض بلا واسطہ شناخت کی بنا پر یہ دعوی نہیں کرسکتے ہیں کہ حافظہ کی تمثالات اور ادراکات کے احیا کے ہم حتی میں وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم بلا واسطہ شناخت میں ان کا آپس میں مقابلہ نہیں کرتے لیکن بالواسطہ شناخت کی حالت اس سے مختلف ہے جن صورتوں میں کسی چیز کا یاد کرنا بہت مشکل ہوتا ہے یا اس کے ذہنی احیا میں بہت دقت صرف ہوتا ہے وہان ہم اپنے ادراکات اور تمثالات کے صریحی مقابلے کا مشاہدہ کرسکتے ہیں، بالواسطہ شناخت کی دو مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہے، کہ جس چیز کی ہم شناخت کررہے ہیں، اس کا ماحول بعینہ وہی ہو جو گذشتہ تجربے میں تھا، دوسری حالت یہ ہے، کہ یہ ماحول بالکل مختلف ہو، یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ ماحول کی اصطلاح کو ہم صرف مکانی معنون میں استعمال نہیں کررہے ہیں، اس کا عام اور غالباً غلط استعمال ہے. ماحول بالعموم ان تمام اشیار کے ہم معنی ہوتا ہے، جو ایک خاص شے کے ساتھ ساتھ ایک ہی مکان میں موجود ہوتی ہیں، ہمارا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے، ہماری اصطلاح اس عام مفہوم کو حاوی ہے، اور اس کے علاوہ اس میں ہم وہ تمام افعال بھی داخل سمجھتے ہیں جنکا ہم ادراک کرسکتے ہیں، اور جو بوقت واحد واقع ہوتے ہیں، اس وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارے بیان کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی، بالواسطہ شناخت کی پہلی صورت تو بلا واسطہ شناخت کے ایک سلسلے میں تحویل ہوجاتی ہے، یہان ہم ماحول کی تمام مختلف اشیاء و اعمال، اور اس شے کو جسکو ہم شناخت کررہے ہیں، منفرداً مانوس سمجھتے ہیں، بالواسطہ شناخت اس کو صرف اس وجہ سے کہتے ہیں، کہ اس چیز کی شناخت ماحول کی اشیار و اعمال کی شناخت پر موقوف ہوتی ہے، لیکن اگر یہ ماحول اصلی گذشتہ ماحول سے مختلف ہے، تو یہ بالواسطہ شناخت صرف اس طرح ممکن ہوتی ہے کہ ہم اس اصلی ماحول کا اپنے

ذہن مین احیار کرین، جہان ہم نے پہلی مرتبہ اس شے کو دیکھا تھا، ماحول کے اس ذہنی احیا مین گویا ہم ان احساسات کا احیار کرتے ہین جو اس کو، اور اس کے علم کو مختفر کرتے ہین، اب اگر ہم اس احیا مین کامیاب ہوجاتے ہین یا اگر یہ شے مرکزی تہیجات کو پیدا کر سکتی ہے، تو یہ "اشیاء معلومہ" کی فہرست مین شامل ہوجاتی ہے (یعنی یہ کہ اسکی شناخت ہوجاتی ہے ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ جس چیز کی ہم شناخت کر رہے ہین، اس کا مقابلہ ہم اسی چیز کی تمثال سے کرتے ہین، یہ صورت بہت نادرالوقوع ہے. اگر یہ کبھی واقع ہوتی ہے، تو مذکورۂ بالا حالات مین

اس تمام حالت کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ کہنا ناممکن ہوجاتا ہے، کہ کیفی مشابہت کو قائم کرنے کے لیے ادراک اور حافظ کی تمثیل کا براہ راست مقابلہ ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونون کی عینیت کا مفروضہ کسی موجہ تجربی استقرار پر مبنی نہین، بلکہ یہ خیال اس قدیم خیال پر موقوف ہے کہ ہمارا ذہن حافظ مین کسی ایسی چیز کو محفوظ نہین کر سکتا جسکو اس نے حواس کے ذریعہ سے اخذ نہین کیا عضویات کی زبان مین اسی کو اس طرح بیان کرینگے، کہ ادراک اور حافظے کی تمثالات کے عصبی مراکز مختلف نہین، بلکہ ایک ہی مراکز ان دونون اعمال مین عامل ہوتے ہین، ہم نے اس سے قبل پروفیسر منک کے کچھ مشاہدات ذہنی اندھا پن اور ذہنی بہرا پن کے متعلق بیان کئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک اور حافظ کی تمثال کے مراکز مختلف ہین کیونکہ بقول منک ایک شخص کو کانٹے کا ادراک ہوتا ہے، لیکن وہ اسکے حافظ کی تمثال قائم نہین کر سکتا، اگر ان دونون فعلیتون کے مراکز ایک ہی ہین، تو ادراک کے ساتھ حافظ کی تمثالات کا ہونا لازمی تھا، لیکن جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہین، اس سے پروفیسر منک کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے،

شناخت کے اس مختصر مطالعہ کو ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے، یہان تک یہ مطالعہ خالصًا نفسیاتی نقطۂ نظر سے تھا، اب ہم اسی کو عضویاتی روشنی مین پیش کرینگے، اس بحث کو واضح کرنے کے لیے ہم شناخت کو ایک مختلف اصول پر تقسیم کرینگے، یہ تقسیم اس مواد کی نوعیت کی بنا پر کیجاتی ہے جسکی ہم شناخت کرتے ہین، اس لحاظ سے اس کی دو قسمین

بنتی ہین، ایک احساسی اور دوسری تمثیلی؛ احساسی شناخت اس صورت کو کہتے ہین، جہان ہم اپنی کسی ادراکی فعلیت کی شناخت کرتے ہین، ہماری تمام گذشتہ مثالین شناخت کی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہین، ایک آلۂ حس یا بہت سے آلاتِ حس کا تہیج اسکی خصوصیت امتیازی ہے، اس کے مقابلہ مین جب ہم اپنے خیالات و افکار کی شناخت کرتے ہین، جیسا کہ حافظہ مین ہوا کرتا ہے، تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، یہان آلۂ حس کا تہیج مفقود ہوتا ہے، اب ہم ان دونون پر علحدہ علحدہ غور کرینگے،

احساسی شناخت مین عصبی فعلیتون کو معلوم کرنے کا بہترین طریقہ ہے، کہ ہم بچے کی حالت پر غور کرین اور دیکھین کہ اس مین یہ شناخت کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے، ہماری گذشتہ نفسیاتی بحث سے واضح ہو گیا ہوگا، کہ شناخت مین دراصل ہمارے گذشتہ تجربے کا احیا ہوتا ہے، اسی حقیقت کو عضویات کی زبان مین اس طرح بیان کرینگے، کہ شناخت موقوف ہوتی ہے نظامِ اعصاب کے ان راستون کے دوبارہ تہیج پر، جنکو عصبی ہیجانات اس سے قبل قطع کر چکے ہین، اس دوبارہ تہیج کے عضوی ردِ عمل سے شعور مین اسکی صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، اور غالبًا یہین سے شناخت کی بسم اللہ ہوتی ہے، عضویاتی حیثیت سے شناخت کی ترقی اور عادت کی تشکیل مین بہت زیادہ فرق نہین، اس تمام عصبی عمل کو واضح کرنے کے لیے ہم اس بچے کی مثال لیتے ہین جو اپنی مان کو پہچاننا شروع کر رہا ہے،

شروع شروع مین مان اس بچے کو، دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی ہے، تو وہ بچہ اپنی مان کی شکل دیکھتا ہے اس کے لمس کو محسوس کرتا ہے، اور دودھ پینے مین دودھ کا ذائقہ چکھتا ہے، ان بصری لمسی اور ذوقی ہیجانات کی وجہ سے لازمًا حرکات پیدا ہوتی ہین، لیکن چونکہ اس عمر مین اس بچہ کے نظامِ اعصاب کے احساسی راستون اور مخصوص حرکی راستون مین تعلقات نہین ہوتے، لہذا یہ تمام احساسی تہیجات مختلف و متفرق حرکی راستون مین منتقل ہو کر بہت سی غیر متطابق حرکات کا باعث بنتے ہین، یہ تمام حرکات بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہین لیکن ان احساسی ارتسامات کی تکرار کے ساتھ ساتھ جو خوش آیند تجربات حاصل ہوتے ہین، ان کی وجہ سے

یہ متفرق اور غیر منطابق حرکات آہستہ آہستہ منطابق ہوتی جاتی ہین، اور محض تکرار کی وجہ سے یہ تطابقات عادت کی شکل مین مستقل ہونے کی طرف مائل ہوتے ہین، اس استقلال مین یہ تمام خوش آیند تجربات مدد دیتے ہین، یہی وجہ ہے کہ جب وہ بچہ اپنی ماں کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا ہے تو مسکراتا ہے، ہاتھ پاؤن مارتا ہے، اور اسی قسم کی اور حرکات کرتا ہے، یہ تمام حرکی، ردّ اعمال اس مین عادی ہو چکے ہین،

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ متواتر احساسی ارتسامات بہت جلد احساسی حرکی تطابقات قائم کرتے ہین، اور شناخت کا شعور عمل اس تمام عصبی فعلیت کا نفسی لازمہ ہوتا ہے، بعد کو یہ ارتسامات مخصوص حرکات کے ہم معنی ہو جاتے ہین، یہان تک کہا جا سکتا ہے کہ یہ حرکات ان ہی ارتسامات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہین، اور شناخت کی ذہنی حالت، ان عضویاتی ردّ اعمال کا مشاہدہ اور ایک طرح سے ان کی رہنمائی کرتی ہے، قانون عادت کے مطابق یہ تمام ردّ اعمال رفتہ رفتہ قسری ہوتے جاتے ہین، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تمام فعلیت کا نفسی عنصر ہونا شروع ہو جاتا ہے، نفسیات کی زبان مین اسی کو ہم کہین اس طرح بیان کر چکے ہین، کہ اگر ہم کسی چیز کو ایک ہی ماحول مین ہمیشہ دیکھین تو مانوسیت کا احساس، واضح اور معین صورت مین باقی نہین رہتا، ہم اپنے مکان کی چیزون کو دیکھتے ہین لیکن ان کو شناخت نہین کرتے، اپنے لکھنے پڑھنے کی میز پر کی چیزون کو دیکھتے ہین، اور بغیر شناخت کئے ان کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہین، یہ سچ ہے کہ یہ صحیح استعمال ان کی شناخت ہی کا نتیجہ ہے، لیکن یہ شناخت صریحی نہین ہوتی جیسی کہ اس وقت ہوتی ہے جب مین ان اشیا کو کسی اور ماحول، یا بہت مدت کے بعد دیکھتا ہون، اس تمام عمل مین اور زیادہ ترقی ہوتی ہے، تو یہ ظاہری حرکات بھی بے کار ہو کر ختم یا خفی ہو جاتی ہین، بچپن مین ہم اپنی ماؤن کو دیکھکر ہاتھ پاؤن مارتے اور قسم قسم کی حرکات کرتے تھے، لیکن پانچ سات برس بعد ہی یہ تمام حرکات ختم ہو جاتی ہین،

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے، کہ احساسی قسم کی شناخت ان احساسی حرکی تطابقات کے احیا پر منحصر ہوتی ہے، جنکو ہم اپنے گذشتہ تجربات مین قائم کرتے ہین اور یہ کہ ان تطابقات کے قائم ہونے سے قبل ہیجانات اور حرکات مین

تنازع ہوتا ہے، رفتہ رفتہ بعض حرکات کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور تطابقات قائم اور مستقل ہوجاتے ہیں پھر مزید ترقی سے اس تمام عصبی فعلیت کا نفسی لازمہ بھی ختم، یا تقریباً ختم ہوجاتا ہے۔

جب ہم اپنے ادراکات کی بجائے اپنے خیالات وافکار کی شناخت کرتے ہیں، تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، ان دونوں میں ذہنی حیثیت سے کوئی اہم فرق نہیں، مانوسیت کی جذبی کیفیت دونوں قسموں کی شناخت میں مشترک ہے، بالعموم عمل شناخت خوشگوار ہوا کرتا ہے، یہ شناخت احساسی ہو یا تمثیلی، پھر دونوں قسموں کی شناخت کے اعمال کے مختلف حصے بلحاظ وضاحت اور درجہ تکمیل مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے ذہن میں کوئی خیال خطور کرے، اور ہم کو ایسا معلوم ہو کہ "ہم نے اسکو کہیں دیکھا تھا" یا یہ کہ مانوس معلوم ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خیال اور بہت سے متلازم خیالات کے احیا کا باعث ہو اور ہم اسکی صریحاً شناخت کرلیں۔

عضویاتی حیثیت سے بھی ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں، سب سے بڑا اور اہم فرق، جیسا کہ پہلے بیان کرچکے ہیں، یہ ہوتا ہے، کہ احساسی شناخت کے لیے آلۂ حس کا تہیج لازمی ہے، یعنی یہ کہ احساسی شناخت کی عصبی فعلیت کا آغاز آلۂ حس کے تہیج سے ہوتا ہے، اس کے برخلاف تمثیلی شناخت میں عصبی فعلیت کے شروع ہونے کے لیے آلۂ حس کے تہیج کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں قشری فعلیت بغیر آلۂ حس کے تہیج کے ہوتی ہے، لیکن مابعد اس کے حرکی ردعمل اور باقی ماندہ قشری فعلیت دونوں میں یکساں ہوتی ہے، اس تمام بیان کو ہم ذیل کی شکل سے واضح کرسکتے ہیں :-

احساسی شناخت میں عصبی فعلیت کی ابتدا اح (آلۂ حس) سے ہوتی ہے، اس کا تہیج ام (دماغ کا احساسی مرکز) میں پہنچتا ہے، اور ادراک کے نفسی عمل کا باعث ہوتا ہے، یہاں سے یہ یا تو براہ راست ح م

(دماغ کا حرکی مرکز) مین منتقل ہو جاتا ہے، اور اس طرح شناخت کی مذکورۂ بالا حرکات پیدا کرتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اح کا احساسی تہیج ق، پ، پ (مختلف قسری مراکز) مین منتقل ہو، اور یہان سے پھر ح م مین پہنچکر اع (ارادی عضلہ) اور رغ ع (غیر ارادی عضلہ) کی تحریک کرے اور اس طرح احساسی حرکی دور ختم کرکے ایک عادی ردعمل پیدا کرے، تمثیلی شناخت مین تمام عمل اسی طرح کا ہوتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ قسری تہیج کی ابتدا آلۂ حس سے نہین، بلکہ کسی قسری مرکز، مثلاً ق سے ہوتی ہے، اگر تمثیلی شناخت کا عصبی عمل بھی کسی احساسی عمل کا رہین منت ہوتا ہو تو عمل اس تمام سلسلہ مین اس قدر پیچھے ہوتا ہے کہ ہم اس کو انجام کے ساتھ متعلق نہین کر سکتے، یہان یہ کہنے کی تو ضرورت نہ ہونی چاہیئے کہ حرکی ردعمل بہت خام اور منتشر بھی ہو سکتا ہو لیکن ان کے کرنے کا میلان شناخت کے عصبی عمل کا اصلی جزء رہے،

اوراق گذشتہ مین ہم نے شناخت کا ذہنی مطالعہ کیا ہو، ذہنی و جسمانی ارتقا کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی ماہیت اور خصائص معلوم کرنے کے لیے ہم کو ہر مرتبہ اس پر باقاعدہ توجہ کرنی پڑتی یا باضابطہ اختبارات کی ضرورت ہوتی تو ہم اپنی زندگی کے کسی شعبہ مین بھی ابجد سے آگے نہ بڑھنے پاتے، اور ممکن ہے کہ اسی توجہ و اختبار مین وہ چیز ہماری زندگی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیتی، بغیر شناخت کے حافظہ ناممکن التصور ہے، بغیر حافظہ کے گذشتہ تجربات سے استفادہ محال ہو، بغیر اس استفادہ کے ماحول کی مطابقت، اور ضروریات کا پورا کرنا ناممکن ہو، اور بغیر اس مطابقت کے زندہ رہنے کی خواہش خیال خام ہے، یعنی یہ کہ بغیر شناخت زندگی خیال خام ہے، بغیر شناخت کے سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا نہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کے پیتا نہ بچہ، اور بے عقل بچہ بھی اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو پھر وہ صرف اسی چیز سے نہین، بلکہ اسکی ہم شکل اشیا سے بھی دور بھاگتا ہے، کیا اس کا یہ عمل شناخت کا نتیجہ نہین؟ بچہ کی یہی ابتدائی شناخت حافظہ کی بنا بنتی ہے، بعض ماہرین تو حافظہ کو شناخت ہی کی ترقی یافتہ صورت کہتے ہین، مختصر یہ کہ شناخت کی اہمیت صرف نفسیاتی ہی نہین، بلکہ حیاتیاتی بھی ہے،

درختون کا حس وادراک

از

جناب محمد احمد صاحب بی اے، علیگ

لندن یونیورسٹی مین فخرِ ہندوستان سر جگدیش چندر بوس نے اپنی جدید نباتاتی تحقیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ پودے رنج وغم خوشی ومسرت، خوف وخطر اور زہر، دویات سے ہماری طرح متاثر ہوتے ہین، اس کے علاوہ حیوانات اور نباتات کی ساخت ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے" سر جگدیش کے ان جدید انکشافات نے سائنس کی دنیا مین ایک کھلبلی ڈالدی، اور کم وبیش یہ سوالات ہین جنھون نے آج ماہرین سائنس کے غور وتفحص کو مشغول کر رکھا ہے، کیا درختون مین قوتِ حاسہ پائی جاتی ہے؟ کیا ان مین سوچنے اور سمجھنے کا مادہ موجود ہے؟ کیا وہ آدمیون اور دیگر جانداروں کی طرح قوائے تمیز وادراک سے آراستہ ہین؟

نئی دنیا (امریکہ) کے سائنس دان سر جگدیش کے ان خیالات کی قدر کرتے ہین، مگر ان سے کلیۃً متفق نہین ہین، ان مین سے بعض کا تو یہ خیال ہے کہ سائنس کا یہ ہندوستانی دیوتا جدید علوم مین ہندو ویدانت اور فلسفۂ یوگ کو گڈمڈ کر رہا ہے، تاہم اس بات پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ ان انکشافات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ کارزارِ حیات مین نباتات کی تگ ودو بالکل ہماری جیسی ہے بجز اس کے کہ پودے مقامی ہوتے ہین اور چل پھر کر اپنی ضروریات کو پورا نہین کر سکتے، باقی اپنے سارے لوازمِ حیات مین وہ ہم سے مماثلت رکھتے ہین، دنیا مین ان کا وجود نر ومادہ کے اتصال کا رہینِ منت ہے، افزائشِ نسل کے ان مین وہی ذرائع رائج ہین جو حیوانات مین ہین، ان کو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی، اس لیے ان کو کھانے اور پانی دونون کی احتیاج رہتی ہے، وہ کھا پی کر اپنی خوراک ہضم بھی کرتے ہین، ان مین وہ اعضا بھی ہین جن سے

سائنس بیجاتی ہے۔

ان کی اقتصادی زندگی بھی ہماری اقتصادی زندگی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، ان میں تبادلۂ اشیاء کی رسم برابر جاری ہے، اور بعض اوقات تو وہ اپنی دور اندیشی اور ذہانت کا ایسا ثبوت دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، ان میں چھوٹی بڑی ذاتیں بھی ہیں، بد معاش بھی، نیک مزاج بھی، انکی سوسائٹی کا ایک خاص معیار ہوتا ہے، جسمیں امارت اور فلاکت کو بہت کچھ دخل ہے، وہ اپنے ماحول کے اثرات بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، سردی اور گرمی سے بچنے کی فکر کیا کرتے ہیں، حملہ کے وقت مدافعت یا مقابلہ کی تدابیر اختیار کرتے ہیں غرض آدمیوں اور دیگر جانداروں کی طرح وہ اس باغ ہستی کی پرکیف فضا میں رونما ہو کر یہاں کی سردی گرمی، رنج و مصیبت، خوشی و مسرت کے مزے چکھتے ہوئے اپنی مدت معینہ پوری کرکے آخر منزل فنا پر جا پہنچتے ہیں۔

جرمنی کے ایک بہت بڑے سائنس دان کا بیان ہے، کہ درختوں کے آنکھیں ہوتی ہیں، جو نہ صرف ان کو روشنی اور تاریکی کا فرق بتاتی ہیں، بلکہ ہر پتی کو دوسری پتیوں کا لحاظ رکھنے اور اپنی اپنی جگہ مقرر کرنے میں مدد دیتی ہیں، تاکہ تمام پتیاں حرارت شمس سے برابر مستفیض ہو سکیں، پروفیسر ہیرلڈ (Harold Parsons) ایک انگریز سائنس دان نے اس تحقیق کا مزید ثبوت تصویر لیکر بہم پہنچایا ہے۔

اس بات کا کوئی قطعی ثبوت دینا کہ درختوں میں فہم و ادراک کس حد تک موجود ہے، بہر حال سخت مشکل ہے، سائنس نے ابھی اتنی بھی ترقی نہیں کی ہے کہ ہمیں جانوروں کے فہم و ادراک کا صحیح اندازہ ہو سکے بہت چھوٹے چھوٹے جانوروں کا تیزاب سے ڈرنا اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا ہم نے خوردبین سے معلوم کیا ہے، درختوں[1] کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں مشہور ہوتی ہیں،

تقریباً ڈھائی لاکھ درختوں کی تحقیقات ہو چکی ہے، ہر جگہ حیات کے لیے ان میں ایک سفا کانہ

---

[1] سر جگدیش نے اپنے تجربہ گاہ میں جس نازک آلہ سے اس قسم کی تحقیقات کی ہے، اوس کا نام Resonant Recorder ہے۔

جنگ جاری ہے، قدرت کا یہ اٹل قانون کہ "زور آور کے لئے بقا اور کمزور کے لئے فنا" عالم نباتات مین بھی بخوبی نافذ ہے،

زیادہ تر ماہران سائنس کا یہ خیال ہے کہ درختون مین قوت مدرکہ نہین ہوتی بلکہ ان مین ایسے فطری ذرائع موجود ہین جیسے وہ گرمی، روشنی، ہوا اور خوراک جو ان کی زندگی اور نمو کا دار و مدار ہے حاصل کرتے ہین، بعض درخت حصول آب کی غرض سے دور دور تک اپنی جڑین پھیلا دیتے ہین، بعض کے پتے اس قدر ترچھے جاتے ہین کہ وہ بخوبی دھوپ جذب کر لیتے ہین، جنوبی امریکہ کے ایک درخت کی پتیون مین ایک ایسا شگاف ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دھوپ تنے مین لگتی ہوئی پتیون تک اچھی طرح پہنچ جاتی ہے، سورج مکھی کا مشہور و معروف پھول ہمیشہ اپنا رخ سورج ہی کی طرف رکھتا ہے، اب اس کو خواہ درختون کی جبلت کہا جائے یا ادراک، یہ حیرت انگیز ضرور ہے، اور ذیل کے قصون کی سچائی پر دال ہے، جو اکثر سیاحون کی زبانی ہم تک پہنچے ہین،

آدم خور درخت

اس عجیب الخلقت درخت کے متعلق چند روز ہوئے ایک سیاح کا خط شائع ہوا تھا، جسکو ساری دنیا نے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا، سیاح کا بیان ہے کہ جب وہ جزیرہ میڈگاسکر کے وسطی علاقہ مین پہنچا تو اس نے وہان ایک عجیب و غریب درخت دیکھا، جو ۸ فیٹ بلند تھا، اور تقریبًا اسی قدر ضخیم، اسکے بڑے لمبے لمبے پتے، جنمین بڑے بڑے نوکیلے کانٹے لگے ہوئے تھے، زمین تک پہنچ رہے تھے، سیاح کے ہمراہ جزیرہ کے بہت سے باشندے تھے جو اس درخت کو کوئی دیوتا سمجھکر اسکی پرستش کرتے تھے اور بھینٹ چڑھاتے تھے، سیاح کے خوف و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ان وحشیون نے اپنے ایک ہم قوم کو اس درخت کی طرف ڈھکیل دیا اور خود ہر چہار جانب بڑے بڑے بھالے تان کر کھڑے ہو گئے کہ وہ بھاگ نہ سکے، درخت نے آہستہ آہستہ اس شخص کو اپنے پتون مین لپیٹ لیا اور بڑے بڑے کانٹے اس کے جسم مین پیوست ہو گئے، چند ہفتون کے بعد جب سیاح کا اس طرف پھر گذر ہوا تو اس نے

دیکھا کہ درخت کے پتے کشادہ ہین اور اس کے قریب چند ہڈیان پڑی ہوئی ہین، وہ سمجھ گیا کہ اپنے شکار کو ختم کرکے وہ خونخوار درندہ کسی دوسرے بدبخت کو اپنی آغوشِ موت مین لینے کا منتظر ہے،

وسط امریکہ کا بھی ایک ایسا ہی قصہ سننے مین آیا ہے، ایک سیاح نے اپنی تقریر مین بیان کیا کہ وسط امریکہ مین اس نے ایک ایسا درخت دیکھا ہے کہ جو شخص یا جانور اس کے قریب جا پہنچتا ہے، وہ اسکو بغیر مارڈالے نہین چھوڑتا، چنانچہ سیاح کا کتا اس درخت کی لپیٹ مین آگیا اور جب اس نے کتے کو چھڑانے کی کوشش کی تو خود زخمی ہوگیا۔

ممکن ہے آپ کو ان قصون کی صحت مین شک ہو، مگر اہل علم کے تجارب کو آپ کہانتک جھوٹا سمجھینگے؟ ڈارون خود یقین کرتا تھا کہ بہت سے ایسے پودے ہین جو کیڑے مکوڑے کھاکر بسر اوقات کرتے ہین، اور آج بھی ماہرین علم نباتات بہت سے ایسے درختون سے واقف ہین جو کیڑے اگر کھاتے نہین تو پکڑتے ضرور ہین،

مکھی مار درخت | ان کیڑے پکڑنے والے درختون مین (۱) مکھی مار درخت (۲) اور پیالہ دار درخت بہت مشہور ہین اول الذکر ایک نہایت خوبصورت پودا ہوتا ہے، اور اس مین بہت ہی خوشنما نازک پھول لگتے ہین، اسکی پتیان دندانے دار ہوتی ہین، جہان کوئی مکھی یا کیڑا اس کے پاس سے گذرا یہ اسکو اپنی پتیون مین لپیٹ لیتا ہے، اس طرح ایک بار اپنے دام مین پھنساکر یہ اپنے صید کو زندہ نہین چھوڑتا اور آخرکار موت اس کو آزاد کرتی ہے،

دوسرے درخت کی پتیان پیالیون کی طرح ہوتی ہین، اور ان پر سرپوش لگے رہتے ہین، پیالیون کے اندر ایک بودار سیال مادہ ہوتا ہے، کیڑا مادہ کی بو پاکر پیالے کے اندر داخل ہوجاتا ہے، اب جو دیکھتا ہے تو ڈھکنا بند، نکلنے کی ہزار کوششین کرتا ہے مگر سب بیکار، آخر اسی شراب مین غرق ہوکر جس کا مزہ چکھنے وہ اس محبس ہلاکت مین داخل ہوا تھا جان دے دیتا ہے،

یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ درخت حیوانات کی طرح نقل و حرکت پر قادر نہین، مگر قدرت نے ان کے لیے

دیے سامان مہیا کر دیے ہین جنسے اس نقص کی بخوبی تلافی ہو جاتی ہے چنانچہ نر و مادہ کی تلاش ان کو لاحق نہین ہوتی، بلکہ ایک ہی شاخ پر ایسے دو پھول کھلتے ہین جو نر و مادہ[1] کا کام انجام دیتے ہین بعض اوقات ایک ہی پھول مین یہ دونون مادے یکجا جمع ہو جاتے ہین، اور اس یکجائی کا نتیجہ تخم کی صورت مین نمودار ہوتا ہے، اب ان کو یہ ضرورت ہوتی ہے کہ تخم کسی طرح زمین تک پہنچکر انکی افزائش نسل کا ذریعہ بنے، اس کام مین انکی امداد کے لیے قدرت نے اپنی دیگر مخلوقات کو مقرر کر رکھا ہے،

بعض خود رو درختون کے بیج ہوا اڑا کر لیجاتی ہے اور دور دور تک روے زمین پر پھیلا دیتی ہے، اور بعض کی تخم ریزی شہد کی مکھیون، تتلیون، اور اس قسم کے بہت سے دوسرے جانورون کے سپرد ہے، قدرت کے کارخانے عجیب ہین، بظاہر ان جانورون کو تخم ریزی سے کوئی تعلق نہ تھا، مگر انکی تحریص و ترغیب کے لیے پھولون مین شہد پیدا کر دیا گیا، جسکی چاٹ پڑ جانے سے یہ خود بخود درختون کے پاس پہنچتے ہین اور ان کے بیج اپنی ٹانگون مین لگا لاتے ہین،

زندگی کی دوڑ مین درختون کو بھی بہت سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسلیے بعض درخت اپنی کامیابی کے لیے اشتہارات سے کام لیتے ہین، چنانچہ بعض اپنے پھولون کو خوشرنگ بنا کر اور بعض ان مین خوشبو پیدا کر کے کیڑون مکوڑون کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرتے ہین، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ پھولون کا رنگ جو ہماری آنکھون کو اس قدر بھلا لگتا ہی محض کیڑون کو لبھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہی،

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ بعض پودون کو ان حضرت انسان کی بھی خدمت کا شرف حاصل ہے، جو اپنے کو اشرف المخلوقات سمجھتے ہین، ظاہر ہے کہ ان کی اس خدمت گذاری مین بھی اس قسم کا راز پوشیدہ ہے جو

[1] مبصرین کا بیان ہے کہ درختون مین پھول بھی نر و مادہ ہوتے ہین، چنانچہ نر پھول ایک قسم کا پوڈر جس کو دقیق گل (Pollen) کہتے ہین، مادہ پھول مین گراتا ہے، انگریزی مین (Fertilization) کہتے ہین، اور اس طرح تخم وجود مین آتا ہے،

اور کیڑوں کے متعلق بیان ہوا،

آپنے اوپر پڑھا ہے کہ عالم نباتات میں ایک طبقہ جرائم پیشہ درختوں کا ہے، جرائم پیشہ لوگوں کی طرح یہ درخت اپنی جماعت کے مستعد کارکن اور محنتی ارکان کو شکار کرتے ہیں، ایک درخت سالہاسال بڑھکر برگ و بار سے اس قدر لد جاتا ہے کہ اسکو اپنی کسی نہ کسی شاخ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، وہ شاخ جس مقام سے جدا ہوتی ہے، وہاں ایک زخم ڈالدیتی ہے، اس زخم پر کوئی بدمعاش اپنا گھونسلا بنا لیتا ہے، اور چپکے چپکے درخت کا خون چوستا رہتا ہے، خون کے برابر نکلتے رہنے سے درخت کمزور پڑجاتا ہے، اور آخرکار موت اپنا بھیانک چہرہ دکھاکر اس کا خاتمہ کردیتی ہے، بہت کم ایسے درخت ہوتے ہیں جو اپنی موت مرتے ہیں، بلکہ زیادہ تر وہ انھیں ٹھگوں اور رہزنوں کی نذر ہوجاتے ہیں،

قدرت نے بعض درختوں کو حفاظت ذاتی کے لیے اسلحہ بھی دے رکھے ہیں، جو اکثر زہر اور کانٹوں کی شکل میں ہوتے ہیں، بعض درخت اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں جانوروں سے رابطۂ اتحاد قائم کرلیتے ہیں، چنانچہ جنوبی امریکا کا ایک درخت اپنے پتوں پر ایسی ہزارہا گوشت خور چیونٹیوں کو جگہ دیتا ہے، جو ان کیڑوں کو کھا جاتی ہیں جنسے درخت مذکور کے پتوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے،

ہمارے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ دنیا میں نباتات کا وجود بہت قدیم ہے، بہت[1] پرانے پرانے درختوں کے تنے اور جڑیں وغیرہ اکثر زمین سے برآمد ہوتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی روز بروز نئی نئی خاصیت کے پودے دریافت ہورہے ہیں، ابھی حال ہی میں پروفیسر سیموئیل جے رکرڈ نے ایسے دو درختوں کو دریافت کیا ہے جنمیں سے ایک دودھ دیتا ہے، اور ایک سے خون ٹپکتا ہے،

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی ذلکم اللہ فانی تؤفکون،

بیشک وہ خدا ہی ہے جو دانوں اور گٹھلیوں کو چیرتا ہے اور (مردہ) چیزوں میں سے زندہ چیزیں اور زندہ چیزوں سے مردہ چیزیں باہر لاتا ہے یہ ہے تمہارا خدا تو تم کدھر بہکے جا رہے ہو

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ‌‌ ‌ ‌ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

[1] چند روز کا ذکر ہے کہ سنسول کے قریب ایک بہت پرانے درخت کا تنہ زمین سے برآمد ہوا، اور وہ اس وقت کلکتہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے،

چند نایاب کتابین

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

مولانائے ممدوح کا شمار اس وقت کے مشہور "عشاقِ کتب" مین ہے ... یہ عشق ناکام نہین ہر مہینہ ان کو کچھ نہ کچھ کتابین بہم پہنچتی رہتی ہین، ان کے خاص کتب خانہ حبیب گنج (علی گڈہ) مین عربی و فارسی نوادر کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، جب کبھی کوئی نئی چیز ان کے ہاتھ آتی ہے، تو اپنے والا ناموں مین اوسکی اطلاع اڈیٹر معارف کو ضرور کرتے ہین، زیارت حرمین سے فارغ ہوکر جب ہندوستان آئے، دیگر روحانی فیوض و برکات کے ساتھ کچھ علمی تحفون کا بھی سامان ہاتھ آیا، اپنے والانامہ مورخہ ۱۹ رجب ۱۳۴۵ھ مین رقم فرماتے ہین،

۱- التقصی، حافظ ابن عبد البر کی نقل ہو کر مدینہ طیبہ سے آگئی، یہ کتاب مشائخ امام مالک کے حالات مین ہے، ہر شیخ کے ذکر مین اسکی وہ تمام حدیثین بیان کردی ہین جو موطا مین ہین، اور اسی ضمن مین ہر حدیث کے متعلق محدثانہ بحث ہے، اپنی بڑی کتاب التمہید سے اس کو مختصر کیا ہے،

گذشتہ مہینہ حصولِ کتب کے لحاظ سے مبارک تھا، بعض اور نایاب کتابین بھی ہاتھ آئین،

امام سمان المتوفی ۴۴۳ھ نامور امام ہین، "کان عالماً عابداً زاہداً فقیہا" ...... اماماً فی القرآت والحدیث والرجال والفرائض والفقہ وصنف ودرس واملی"، امام موصوف نے ایک کتاب لکھی "الموافقہ بین اہل البیت والصحابۃ وما رواہ کل فریق فی حق الآخر"، اس کتاب کو علامہ زمخشری نے مختصر کیا، بہ حذف اسناد و مکررات اس مختصر کا قلمی نسخۂ نفیس ہاتھ آیا، یہ نسخہ مؤلف

کے نسخہ کی نقل اور اس سے مقابلہ شدہ ہے. نسخہ قدیم ہے اگرچہ سنہ تحریر تحریر نہیں،

۳-ایک نسخہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ارتیاح الاکباد فی ارباح فقد الاولاد، کا

حاصل ہوا، اولاً کتاب نایاب، موضوع بھی خاص لکھا ہے کہ صدمات کی کثرت اور اولاد کی وفات کے

بعد یہ کتاب میں نے لکھی، اس کتاب میں کتاب و سنت سے فقد اولاد کا ثواب واجر نقل کیا ہے اسی کے ضمن میں

سلف صالحین کے اقوال اور اشعار صدمات وغیرہ کی بابت نقل کئے ہیں، اسی طرح صبر تعزیت، بکار، اذکار،

یقولہا من احبب، مین ابواب ہیں، مقدمہ میں فضیلۃ عقل ونقل ولزوم القبول منہا کا بیان ہے، خاتمہ میں ان

کتابوں کا ذکر ہے جو اس کتاب سے پہلے موضوع مذکور پر تالیف ہوئیں۔

دوسری خصوصیت عظیمہ اس نسخہ کی یہ ہے کہ خود حافظ سخاوی کا پڑھا ہوا پڑھایا ہوا صحیح کیا ہوا بہت کچھ

لکھا ہوا ہو حواشی پر جا بجا انکی تصریح وتشریح ہے، حرم محترم میں یہ کتاب زیر درس آئی ہے لکھی حافظ ممدوح

نے قرأت کی ہے اور تلامذہ نے سماعت، ہر سماعت کے بعد شاگرد لکھتے ہیں "بلغت والجماعۃ سماعاً فی الاول یوم

الثلاثاء ثانی ربیع الاخر سنۃ احدی وسبعین وثمانمائۃ بالمسجد الحرام من لفظ جامعہ العلامۃ

الحافظ شمس الدین السخاوی فسح اللہ فی مدتہ وکان لہ وکتب یحیی بن عمر بن فہد الہاشمی عفا اللہ

عنہما، اسی طرح شمار وتاریخ کے فرق کے ساتھ ہر سماعت کے بعد یہ عبارت ہے، کبھی حافظ صاحب نے سنی ہے اور

شاگرد نے قرأت کی ہے. اس موقع پر حافظ ذی شان کے قلم کی یہ عبارت ہے، "اطی الشیخ عبد اللہ بن

فہد فتح اللہ بہ قراءۃ علی فی الثانی والجماعۃ سماعاً کتبہ مولفہ" اسی خط میں کثرت سے تصحیح ہے.

ورق کے ورق اصل کتاب کے تحریر ہیں، ایک جگہ لکھا ہے، بلغ مقابلہ ضخیم کتاب ہے،

۴-ایک کتاب حافظ مغلطائی کی ہے، الاشارہ، الزہر الباسم فی سیر ابی القاسم، کا خلاصہ، مختصر رسالہ ہے

مگر جامع اختلافات، مثلاً تاریخ ولادت مبارکہ کے متعلق تمام اقوال ایک جگہ علی ہذا القیاس، بخط عرب سنہ ...

کا محررہ نسخہ مصنف سے مقابلہ شدہ، ایک مجموعہ فقیہ قطلوبغا الحنفی المصری کے رسائل کا ہے جس میں ان فقہی

سوالوں کے جواب ہین جو وقتاً فوقتاً فقیہ ممدوح سے کئے گئے، جابجا ناقص ہے، بعض سوالوں مین مخاطب حافظ عسقلانی، عینی اور قطلوبغا ہین، اور تینون حضرات کے جواب جدا جدا نقل کئے ہین، یہ نسخہ ۸۵۹ھ کا ہے اور مسودہ مؤلف کی نقل کی نقل ہے، انتھی من المنسوخۃ التی کتبت من مسودۃ المصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ

۶- ایک نسخہ اخبار الکرام باخبار المسجد الحرام، اسدی شافعی کا المتوفی ۸۷۰ھ، محررہ ۱۱۳۳ھ بخط عرب،

۷- ایک نسخہ محب الدین الطبری کی خلاصۃ سیر سید البشر کا نفیس خط مطلا و مذہب، سنہ تحریر مشکوک ہو گئے ہین سنہ مقابلہ ۹۸۳ھ درج ہے، مکہ مکرمہ مین لکھا گیا،

۸- ایک مجموعہ رسائل شیخ علی متقی کے عربی و فارسی رسائل کا ہے، ناقص من آخرہ،

۹- ایک نسخہ چار صد ابیات بر کلام آزاد کا ہے[1] قلمی عمدہ لکھا ہوا محمد باقر آگاہ ایلوری کا مؤلفہ، سنہ تحریر نہین تاہم پرانا ہے، جابجا حاشیہ ہے، منہ کان اللہ لہ۔ ممکن ہے کہ مؤلف نے لکھا ہو، کیا یہ مسودہ قابل مبارکباد نہین؟

[1] معارف: غالباً آزاد بلگرامی پر اعتراضات ہونگے،

تلخیص و تبصرہ

گذشتہ سہ ماہی کی بعض قابلِ ذکر مطبوعات

(یورپ میں)

جنوری، فروری اور مارچ میں جو قابلِ ذکر کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ایک یاقوت کی معجم الادباء کی ساتویں اور آخری جلد کو ہے، پروفیسر مارگولیتھ نے گب میموریل سیریز (سلسلۂ یادگار گب) میں اسے نہایت قابلیت کے ساتھ اڈٹ کر کے شائع کرنا شروع کیا تھا اور بحمداللہ کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی، کتاب کا اصلی نام ارشاد الاریب فی معرفۃ الادیب ہے،

اسی طرح ڈاکٹر سر ای، ڈی، راس نے پروفیسر براؤن کی کتاب "ایک سال ایرانیون مین" کو نظرثانی کر کے مطبع جامعۂ کیمبرج سے شائع کیا ہے اور اب اسی کے ساتھ پروفیسر آنجہانی کے ان مختلف تراجم اشعار کو جو مختلف رسائل وغیرہ مین شائع ہوتے رہے تھے، ایک جگہ جمع کر کے شائع کرنے کا انتظام کر رہے ہین اس مجموعہ کی ابتدا مین تاریخ ادبیاتِ ایران پر ایک مختصر جامع مضمون ہوگا اور مسٹر جے، بی، انکلس پروفیسر مذکور سوانحِ حیات بھی لکھین گے،

سر تھامس رو، انگریزون کا اولین باقاعدہ سفیر تھا جو دربارِ جہانگیری مین حاضر ہوا تھا، اوس نے اپنے اس سفر کے حالات قلمبند کئے تھے، ان حالات کو ہکلیوت سوسائٹی نے ۱۸۹۹ء مین اپنے سلسلۂ کتب مین شائع کیا تھا اور اسی مقبولیت کی وجہ سے اسی زمانہ مین بک گئی تھی، اب اسی کتاب کو حواشی، ضروری نوٹ وغیرہ کیساتھ سر ولیم فاسٹر نے مطبع جامعۂ آکسفورڈ سے شائع کیا ہے، تاریخی حیثیت سے

جو اہمیت حاصل ہے اسکی وجہ سے تمام ادبی۔ رسائل نے اس پر طویل تنقیدات شائع کی ہین،

جامعہ کیمبرج نے کئی برسون سے دنیا کی تاریخ قدیم کا ایک وسیع وضخیم سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے اس وقت تک اسکی چار جلدین شائقین کے ہاتھون مین پہنچ چکی ہین، اب اس کے مطبع نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ بہار مین وہ اسکی تین اور جلدین شائع کریگا، پانچوین جلد کا نام ایتھنز ہوگا اور یہ ایرانی جنگ سے سقوط ایتھنز کے حالات پر مشتمل ہوگی چھٹی جلد مقدونیہ چوتھی صدی ... مین پہلی شائع شدہ چار جلدون کے متعلق ... بہترین تصاویر ہونگی،

ہندوستان کے جنگلون کے متعلق یون تو سرکاری دفا... ... جائے گا، لیکن انکی تنظیم ترتیب تاریخ، حالات وغیرہ پر حال مین جو کتاب ہندوستان کے جنگل کے نام سے ۲ جلدون مین شائع ہوئی ہے، قابلِ ذکر ہے، اس کے مصنف مسٹر سٹیبز اڈنبرا یونیورسٹی مین جنگل اور متعلقات جنگل کے استاذ ہین،

"ن"

مصریین

دو تین ماہ مین جو اہم قدیم مؤلفات شائع ہوئی ہین ان مین سے چند یہ ہین،

اندلس کے مشہور مفسر ابوحیان متوفی ۷۴۵ھ جنکی نایاب تفسیر "البحر المحیط" حکومت مغرب اقصیٰ کے اہتمام سے ۱۳۲۸ھ مین شائع ہوکر اہل علم کے ہاتھون مین آچکی ہے، انکی علوم قرآن پر ایک اور نایاب تالیف تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب مصر کے مشہور علما، کی خاص توجہ سے یورپ کے جدید طرز ترتیب وتصحیح پر شائع ہوئی ہے،

عربی علم ادب وموسیقی کی مشہور کتاب ابوالفرج اصفہانی کی الاغانی جو ۲۰ ضخیم جلدون مین ہے، آسانی کی غرض سے لوگون نے اسکی تلخیص اکثر بھی کی ہے، رنات المثانی نام ہے، لیکن اس ضرورت کا احساس اس سے پہلے بھی ہوچکا تھا چنانچہ عربی زبان کے مشہور اندلسی امام ابن منظور خزرجی مصنف لسان العرب (۶۳۰ھ۔ ۷۱۱ھ) نے مختار الاغانی کے نام سے اس کا خلاصہ کیا تھا، اس کا ایک حصہ چھپکر مصر مین شائع ہوا ہے

اور باقی حصص زیر طباعت ہین،

چند ماہ گذرے کہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ کی کتاب "اخبار الحمقاء والمغفلین" کا تذکرہ "معارف" مین کیا گیا تھا، اب یہ کتاب شیخ عبد القادر المغربی رکن المجمع العلمی العربی دمشق کی خاص توجہ سے ۹۵ صفحون مین شائع ہو گئی ہے، ابتدا مین جناب مرتب کا ایک فاضلانہ مقدمہ بھی ہے،

ان تمام تذکرہ جات مین جو دو تین ماہ مین شائع ہوئی ہین، حافظ ابو الخیر محمد بن محمد خزری دمشقی متوفی ۸۳۳ھ کی کتاب "النشر فی القراءات العشر" خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس مین قرآن مجید کے متعلق نزول وحی سے لیکر اس کے جمع و ترتیب، مختلف صحابہ کے ہاتھون مختلف دیار اسلامی مین اس کے پہنچنے پھر صحابہ سے تابعین اور ان سے دیگر علمائے اسلام تک پہنچ جانے کے تفصیلی حالات سنداً درج ہین، اس کے بعد قراءۃ متواترہ پر ہزارہا اسناد، قراء عشرہ اور دیگر ممتاز قراء مین سے دو سو سے زیادہ کے تراجم، ان کے طریقۂ قراءت اور اصول قراءت پر تفصیلی بحث ہے، نیز علم تجوید کے تمام اصول و قواعد منضبط ہین، غرض کہ قرآن مجید کے متعلقہ مباحث اس ایک تصنیف مین یکجا ہین، اس تالیف کی اہمیت اسلیے اور بھی زیادہ ہے کہ اس کے بعد کے تمام مؤلفین کا ماخذ یہی واحد کتاب ہے، دمشق کے ادیب شیخ محمد احمد دہمان نے اس کتاب کے چار نسخے جو پردۂ عالم مین موجود تھے ان کو یکجا کئے، جنمین سے بعض نسخون کے فوٹو لینے کی ضرورت پڑی جس پر خاص مؤلف کے قلم کی عبارتین موجود ہین، اور اس کے بعد انھون نے انھی چارون نسخون کی مدد سے خاص اہتمام کے ساتھ اس کو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے،

علامہ نویری کی مشہور کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب جو ۲۰ جلدون مین گویا علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اب چھپنی شروع ہوگئی ہے، اور اسکی ایک دو جلدین سرکاری مطبع سے چھپکر شائع ہوئی ہین، آٹھوین صدی کی تصنیفات مین یہ کتاب سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے،

"ر"

ایران میں تعلیمی جدوجہد

جنگ عظیم کے بعد سے ایران میں جو حیرت انگیز انقلاب رضا شاہ پہلوی کے زیر سایہ پیدا ہو رہا ہے اس کا ایک مظہر ایران میں تعلیمی جد و جہد کے کارنامے ہیں، سیکڑوں ایرانی طلبہ یورپ کی مختلف درسگاہوں میں یا خود جا رہے ہیں یا حکومت کی طرف سے بھیجے جا رہے ہیں، قاچاری سلطنت کے عہد میں نئی طرز کا صرف ایک بڑا کالج دارالفنون نام طہران میں تھا جس نے ایک زمانہ میں ایران کی نئی نسل کے بڑے بڑے اشخاص پیدا کئے، مگر پچھلے انقلابات نے اسکو بھی صدمہ پہنچا دیا تھا، جدید حکومت دوسرے ملکی صیغوں کی ترقی و ترتیب کے ساتھ تعلیم کی طرف بھی اپنی توجہ منعطف کر رہی ہے۔

لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی خاص اہتمام ہے، بلکہ بعض اونچے درجوں میں تو لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ ایک مصری رسالہ نے ایک ایرانی صحیفہ سے یہ بیانات نقل کئے ہیں:

"وہاں سب سے بلند معیار کے دو مدرسے ہیں، جنکو مدرسہ عالیہ کہا جاتا ہے، ان دونوں مدرسوں میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۹۲ ہے، اور اس تعداد کی حیرت انگیز تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے ۲۷۳ لڑکے اور باقی ۴۱۹ لڑکیاں ہیں،

ان مدارس کے بعد ثانوی مدارس ہیں جنمیں ۲۰۰۶ لڑکے اور ۳۰۸۴ لڑکیاں زیر درس ہیں، ۲۳۱ مدارس متوسطہ میں ۰۰۴۴۱۱ طلبہ اور ۱۰۹۲۷ لڑکیاں ہیں، ۸۰۴ مدارس ابتدائیہ میں ۴۴۹۰۸ طلبہ اور ۴۰۰۴۴ لڑکیاں ہیں، اس کے بعد ۲۸۳ مذہبی مدارس ہیں، جنمیں ۲۲۷۰۵ طلبہ زیر درس ہیں، اور ان سب کے علاوہ قدیم وضع کے ۲۰۲ مکتب ہیں جنمیں ۵۹۸۴ طلبہ تعلیم پاتے ہیں،

ان تمام مدارس کی مجموعی تعداد ۱۳۰۱ ہے، جنمیں ۱۱۴۰۰ لڑکے اور لڑکیاں اور ۲۴۳۷۲ اساتذہ اور ۵۱۹ معلمہ ہیں"

یہ رپورٹ مسلمانان ہند کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ان کی ہمسایہ سلطنت ایران

ایران مین خواتین طالبات علم کی کسقدر حیرت انگیز کثرت ہے، اور خصوصاً مدارس عالیہ اور ثانویہ مین تو مردون سے کہین زیادہ انکی تعداد ہے، مگر ابھی مسلمانان ہند مین یہی مسئلہ زیر بحث ہے کہ تعلیم نسوان ضروری ہے کہ نہین بلکہ یہ جائز بھی ہے یا نہین؛

"ع"

دائرۃ المعارف یہود

اب جبکہ معارف نے اردو دائرۃ المعارف کی تحریک از سر نو شروع کی ہے، یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ یہودیون کی ایک مقتدر علمی جماعت بھی اپنی قومی دائرۃ المعارف کی تصنیف کا بندوبست کر رہی ہے، موقر سہ ماہی رسالہ ایشیاٹک ریویو نے اس کا اس طرح خیر مقدم کیا ہے:-

"ہم کو بہت مسرت ہے کہ برلن کے اصحاب علم کی ایک مقتدر جماعت نے ایک مجلس اس غرض سے قائم کی ہے کہ وہ یہودیون کے لیے انسائیکلوپیڈیا لکھے، تقریباً ربع صدی پہلے نیویارک مین یہودیون کی ایک دائرۃ المعارف (جیوریش انسائیکلوپیڈیا) لکھی گئی تھی، لیکن اس عرصہ مین نہ صرف معاشرت یہود بلکہ ان کے خیالات مین بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگیا ہے، اس تصنیف کے مرتبین کا خیال ہے کہ اس ابتداء سے موجودہ زمانہ تک کے یہودی مذہب، ادبیات، تاریخ، فلسفہ وغیرہ کا مفصل ذکر ہوگا، اس کے ساتھ ہی مختلف اوقات مین ان کی جو اقتصادی حالت رہی ہے اور نیز جو نئے مسائل پیدا ہوگئے ہین ان پر کافی بحث کیجائے گی یہ دائرۃ المعارف بیک وقت جرمنی اور عبرانی دونون زبانون مین شائع کیجائے گی اور اگر سرمایہ مین گنجائش ہوئی تو اس کے ساتھ ہی انگریزی اڈیشن بھی طبع ہوگا جیسی کہ اس وقت تجویز ہے اسکی دس جلدین ہونگی، ہر جلد مین ۸۰۰ صفحات ہونگے اور تقریباً سات سال مین مکمل طور سے شائع ہوجائے گی،

یہ دائرۃ المعارف اس قسم کی دوسری کتابون سے دو حیثیتون سے ممتاز ہوگی، وہ سختی سے کسی متنازع فیہ معاملہ پر بحث نہ کرے گی بلکہ اس مین دونون گروہون کے دلائل دیدیئے جائینگے اور فیصلہ

پڑھنے والے پر چھوڑ دیا جائے گا، دوسرے یہودیون کی خاص تاریخ، اور ان کے مخصوص خیالات پر مستقل طویل مضامین ہونگے لیکن ان کی شاخون کا تذکرہ سرسری طور سے کر دیا جائے گا، اس دائرۃ المعارف کے رئیس المرتبین (اڈیٹران چیف) ڈاکٹر جیکب کلنزکن (Dr. Jacob Klatzkin) ہین، یہ فلسفۂ یہود کے بڑے ماہر و مصنف ہین، دوسرے ارکان پروفیسر ای، ایبان، پروفیسر ایم، گٹمین ڈاکٹر ایم ایرپرس اور ڈاکٹر ایم، وشنز ہین، اسکی اشاعت کے فرائض بیت المقدس دبرلن کا والک اسکول انجام دے گا،

جرمنی اور عبرانی اوراق اس کتاب کے نمونہ کے طور پر شائع کئے گئے ہین، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف علمی و عملی دونون حیثیت سے بہت بلند ہوگی، ان اوراق نمونہ مین الکیمیا، اسکندریۃ ارمی، ابدان (تشریح) دستکاری، انشین وغیرہ پر ان فنون و مباحث کے اساتذہ کے مضامین ہین، ان سے اس کتاب کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، دستکاری والے مضمون مین یہودیون کی دستکاری کی تاریخ ٹسیٹس کے زمانہ سے آغاز کرکے موجودہ عہد تک بیان کیگئی ہے، اسی طرح دوسرے پر از معلومات و دلچسپ مضامین ہین،

"ن"

سائنس کی ۱۹۲۶ء مین ترقیان

دنیائے علم و حکمت نے اس سال مختلف شعبون مین جو نمایان ترقیان کی ہین وہ یہ ہین کہ :-

بیتار کی برقیات لاسلکی تصویر کشی کا طریقہ برسرکار آگیا اور امریکہ اور انگلستان کے درمیان تصویرون کے منتقل کرنے کے لیے ایک کمپنی بھی بنگئی،

چھوٹی چھوٹی شعاعون کے استعمال اور ان کو لاسلکی ذریعہ سے ادھر ادھر منتقل کر سکنے کی بحث مین مسٹر مارکونی نے کامیابی حاصل کرلی، عنقریب وہ انگلستان اور اسٹریلیا کے درمیان اس طریقہ سے نامۂ پیام کا سلسلہ قائم کرنے والے ہین

لندن اور نیویارک کے درمیان، لاسلکی ذریعہ سے دو بدو بات چیت کرنا بالکل سہل ہوگیا ہے، ایک منٹ گفتگو کا خرچ ۵ گنی پڑتا ہے،

مسٹر بیرڈ نے جنوری سنہ میں ثابت کردیا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک، لاسلکی ذرائع سے تصویرین منتقل کرنا بھی ممکن ہے، اب وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ ایسے آلات ایجاد کرین جنمین سے کسی کی قیمت ۳۰ گنی سے زیادہ نہ ہو؛

فن پرواز | اس سنہ نے فن پرواز مین خاص ترقی کی ہے، اور اب لوگون کو اس کے ذریعہ سے کاروبار کرنے پر مزید وثوق پیدا ہوا، ایک کمپنی نے ڈاک اور مسافرون کے لانے اور لے جانے کے لیے ہلیوپولیس سے کراچی تک ایک ہوائی راہ بنادی، لندن سے اس راہ پر تین جہاز اڑے، جو بغیر کوئی نقصان اٹھائے عراق مین وقت موعود پر پہنچے، تیسرا جہاز جس پر انگلستان کے وزیر پرواز اور انکی خاتون سوار تھین دہلی آیا، لندن سے دہلی تک ۶۳ گھنٹے صرف ہوئے، ۱۲ر جنوری سنہ سے اس راہ پر باقاعدہ پرواز کی آمدورفت شروع ہوگئی ہے؛

اس سنہ مین، امنڈسن انوبلی، اور زور تھ نوبج نامی غبارہ پر سوار ہوکر سپٹسبرگن سے اس کا مارین تک قطب شمالی کے اوپر، اور امریکی مع، ایک فسیق، صرف ایک چھت کے ایک طیارہ پر، سپتسبرجن سے قطب شمالی تک اڑے اور سرالان کوبھم نے لندن سے کیپ تک پھر لندن سے اسٹریلیا تک کامیاب سفر کیا۔

خالص علمی ترقیان | سنہ کا خالص علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ پروفیسر مالکین امیرکی نے آسمانی شعاعون کا وجود، ان کے خواص اور ان کی قوت کی مقدار معلوم کرلی، پروفیسر میکلسن نے ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار فی سکنڈ ۱۸۶۱۷۳ میل ہے، ڈاکٹر کولیج امیرکی نے ایک نلی بنائی ہے، جس سے برق منفی کی شعاعین علحدہ پیدا ہوتی رہتی ہین، ڈاکٹر موصوف کو امید ہے کہ یہ نلی بھی سر ولیم کروکس کے خالی انبوبون کی طرح مباحث طبیعیہ مین نہایت اہم ثابت ہونگے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ ہے کہ ان نلیون سے بجلی اتنی زیادہ مقدار ہوا مین پھیل سکتی ہے، جتنی روشنی ایک ٹن ریڈیم پیدا کرسکتی ہے، اور چونکہ ریڈیم نادر الوجود اور نہایت قیمتی ہے اور اس نلی کی

کوئی بڑی قیمت نہ ہوگی،

ینیتھ اور پیٹرس (جرمنی پروفیسرون) نے ہینڈجن کو ہلیوم بنادیا.

پروفیسر ہپکنس امریکی نے ۶۱ وین جوہر کو دریافت کرلیا، اور اس کا نام الینیوم رکھا ہے، اب صرف دو عنصر یعنی جوہر ۸۷ اور جوہر ۸۵ نامعلوم ہین،

طبی | مرض سرطان کے اسباب اور اس کے علاج کے متعلق کینڈا کے ڈاکٹر ہیوٹ نے تحقیق کیا ہے کہ سرطان کے پیدا کرنے والے مادہ پر، جگر کے ست کا بہت اثر ہوتا ہے، چنانچہ انھون نے اپنی اس رائے کا امتحان چوہون پر کیا جنکے سرطان ہوگیا تھا، انھون نے سور کے (جنین) کی کلیجی کے ست کو انجکشن سے چوہون کے اندر داخل کیا تو نتیجہ خاطرخواہ نکلا، اس کے بعد بہت سے آدمیون پر گائے کی کلیجی کے ست کا استعمال کیا تو اس کا بھی اثر اچھا رہا، کینڈا اور انگلستان کی حکومتون سے درخواست کیگئی ہے کہ اس طرزِ علاج کی اشاعت سے پہلے اس کو بعض شفاخانون مین اور جانچ لیا جائے،

جرمنی کے کسی شخص نے ملیریا کے لیے کونین کے بجائے ایک نئی دوا دریافت کی ہے، جسکا نام ملاسین رکھا ہے اس کا اثر کونین سے کہین زیادہ فوری ہے، بچون کو سل سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی ایک ٹیکہ کی دریافت کا اعلان ہوا ہے،

(مقتطف ۲-۲۷) ض ج

باشندگانِ انگورہ، اس مہینہ مین انگورہ کی مردم شماری اختتام کو پہنچی اور بہت جلد اسکی رپورٹ شائع ہوگئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام باشندگانِ انقرہ کی مجموعی تعداد ۵۹ ہزار ہے جسمین سے ۲۳ ہزار خواتین اور ۳۶ ہزار مرد ہین، لیکن اس کے دار الحکومت ہونے سے پیشتر اسکی آبادی ۱۰ ہزار سے کبھی بھی متجاوز نہین ہوئی تھی،

—— ❋ ——

طلبہ کی بین الاقوامی مجلس:- جہان دنیا مین ہر چیز اندنون ملکی حدود سے نکلکر بین الاقوامی ہوتی جاتی ہے، وہین طلبہ کی جماعت مین بھی یہ تخیل پیدا ہوگیا ہے اور اس نے اب عملی صورت اختیار کرلی ہے، چنانچہ جینوا مین بین الاقوامی مجلسِ طلبہ قائم ہوچکی ہے، اور اس کا پہلا اجلاس اگست سنہ ۱۹۲۶ء مین یوگوسلیویا کے ایک شہر کارلووی مین منعقد ہوا تھا، اس مین مختلف ممالک کے ۲۰۰ طلبہ نے شرکت کی تھی، اس مین ۸ طلبہ ہندوستان کے بھی تھے، اس کا مقصد غریب طلبہ کی مدد، اور اپنی برادری مین اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ہے، اسی مقصد کے لیے اس نے اپنا ایک رسالہ "سٹوڈنٹیم" Vox Studentium بھی شائع کرنا شروع کیا ہے، اس مین فرانسیسی، جرمنی اور انگریزی زبان کے مضامین ہوتے ہین، یہ مجلس اس وقت ۵۰ ہزار پونڈ غریب طلبہ کی امداد مین صرف کرچکی ہے،

—— ❋ ——

اصلاحِ تقویم، عیسوی مہینون کا اختلافِ تعداد اصحابِ تجارت، اربابِ سرمایہ اور مزدورون کے لیے یکسان طور پر غیر منفعت بخش تھا، چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرکے مجلسِ اقوام نے اصلاحِ تقویم کے لیے ایک مجلس مقرر کی تھی کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ کیا مساوی ایام کے مستقل مہینے بنائے جاسکتے ہین،

چنانچہ اس مجلس کے ارکان نے یورپ کے اکثر ممالک کا دورہ کیا، وہان کے لوگون سے تبادلۂ خیالات ہوا اور سبھون نے اس کو پسند کیا، چنانچہ اب یہ سامان کیا جارہا ہے کہ ۱۹۲۹ء کی پہلی جنوری سے اس کا آغاز کر دیا جائے، اس مسئلہ کو آخری مرتبہ طے ہونے کے لیے مجلسِ اقوام کے اجلاسِ اگست مین پیش کیا جائے گا،

اس تجویز کے مطابق تمام مہینے صرف ۲۸ دن کے ہونگے، پہلی تاریخ ہمیشہ اتوار کو ہوگی اور آخری سنیچر کو، اس طرح ہر دن بھی ہمیشہ خاص خاص تاریخ ہی کو پڑا کرے گا، مثلاً بدھ کا دن ۴، ۱۱، ۱۸ اور ۲۵ ہی کو ہوگا، مگر ایک بات ابھی غور طلب ہے اور وہ یہ کہ عیسوی مہینے مین ۳۶۵ دن ہوتے ہین، اسلیے اگر دن اوتنے ہی رکھے گئے تو ایک مہینہ اور بڑھانا پڑے گا اور اس پر بھی عام سال مین ایک دن چھوٹ جایا کرے گا،

ہندوستانی کارخانے، ہندوستان کے کارخانون کی جو رپورٹ متعلق ۱۹۲۵ء شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک نے اس حیثیت سے خاص ترقی کی ہے، ۱۹۲۴ء مین کارخانون کی تعداد ۴۰۰۰ تھی اور ۶ ایک سال کے اندر ان کی تعداد ۶۹۲۶ ہوگئی، اسی کے ساتھ مزدورون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوا، ۱۹۲۴ء مین وہ ۱۴۵۵۵۹۲ تھے اور ۱۹۲۵ء مین ۱۴۹۴۹۵۸، عورتون کی تعداد مین بھی ترقی ہوئی، اور وہ ۲۲۵۳۲۲ سے ۲۴۷۲۵۰ ہوگئی، اسی کے ساتھ جرائم بھی ... سے ۱۰۰۰۰ ہوگئے، ایسے کارخانون کی تعداد جو مزدورون سے ۴۸ گھنٹے کام لیتے تھے، ۲۰ فی صدی تھی، ۴۸-۵۴ گھنٹے والے ۱۷ فیصدی اور ۵۴ سے زیادہ والے ۶۱ فیصد،

معدنیات کی تعلیم، ہندوستان مین تقریباً ہر علم و فن کے خاص مدارس حکومت نے مختلف مقامات پر قائم کر رکھے ہین جہان زراعت، تجارت، جنگل، فوج، صنعت، حرفت وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، لیکن معدنیات کی تعلیم کے لیے اب تک کوئی چیز نہ تھی، ۱۹۱۳ء ہی سے اس کے قیام کی کوشش ہو رہی تھی، مگر اس نے گذشتہ دسمبر مین عملی وجود حاصل کیا ہے، دھنباد کا علاقہ معدنیات کے لحاظ سے ہندوستان کا امیر ترین علاقہ ہے،

اسی جگہ یہ اسکول قائم ہے، اس کے کامیاب طلبہ کا وہی درجہ ہوگا جو لندن کے شاہی مدرسہ معدنیات کے کامیاب طلبہ کا ہوتا ہے،

ایک تاریخی خزانہ کی بربادی، راؤ بہادر پرسنیس، اپنے ذوقِ کتب کے لیے تمام دنیا مین مشہور تھے، انھون نے تاریخ ہندوستان کے متعلق جو عظیم الشان بیش قیمت ذخیرہ جمع کیا تھا وہ اس قدر اہم و مفید تھا کہ لوگ دور دور سے اس چشمۂ علم سے فیضیاب ہونے کو آتے تھے، اس سے بڑھکر جو کام انھون نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے فنِ نقاشی و مصوری کا بہترین ذخیرہ جمع کیا تھا، اور اصحاب الرائے و واقف کار حضرات کا خیال ہے کہ اپنی وسعت و اختلاف کی وجہ سے یہ ہندوستانی تصاویر کا دنیا مین بہترین مجموعہ تھا، ابھی ایک سال بھی نہین گذرے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، اونکی اولاد ان کے اس بیش بہا سرمایۂ حیات کو الگ کرنا چاہتی تھی، لیکن صوبۂ بمبئی کے علم دوست اصحاب نے حکومت کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اس خزانہ کو اپنے قبضہ مین لے لے، اور اس صلہ مین راؤ بہادر کی اولاد کو ماہوار دو سو روپیے برابر دیئے جائین، مگر اب یہ معلوم کرکے سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ صرف کتابون کے لیے ہوا تھا اور تصاویر کا وہ نادر مجموعہ جو دنیا مین اپنی مثال نہین رکھتا اس مین شامل نہین ہے اور راؤ بہادر کے ورثہ اون کی فروخت کے لیے امریکہ سے نامہ و پیام کر رہے ہین، ہندوستان نے اپنی غفلت مین اپنی تمام بیش بہا چیزین یورپ و امریکہ جانے دین لیکن اب جبکہ احساسِ خودداری و وقارِ قومی پیدا ہوچکا ہے، یہ خبر نہایت افسوسناک ہے، کیا ہندوستان اس طرح غریب تر ہوتا رہے گا،

یورپ کے جدید سکّے، حال مین بلجیم کی حکومت نے اپنی مالی حالت کی اصلاح اور شرحِ تبادلہ کے استحکام کے خیال سے ایک نئے طلائی سکّے کے رائج کرنے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ اب وہ سکہ جاری ہوگیا ہے،

اس کا نام بلکا ہے، آئندہ سے تمام قیمتین مزو دریان اور دوسری رقمین اسی سکے کے ذریعہ ظاہر کیجائینگی،

جنگ کے بعد سے مختلف ممالک نے جو سکے جاری کئے ہین ان مین بلکا آخری ہے، دوسرے ممالک

کے سکے یہ ہین:-

جرمن	ریشمارک	ہنگریا	پنگو
پولینڈ	زلوٹی	آسٹریا	شیلنگ

شرق اردن مین بعض آثار قدیمہ، برٹش میوزیم کے وفد نے شرق اردن مین چند نہایت

پرانے کپڑے دستیاب کئے ہین جو نہایت بیش قیمت اور زر و جواہر سے مرصع ہین، ان کپڑون کے

متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بعض نہایت اہم خزانون کے ملنے کا پیش خیمہ ہین، جو مصر کے توت عنخ آمون

سے بھی زیادہ بیش قیمت ہونگے،

عراق کے آثار قدیمہ کیلیے گرانقدر عطیہ، ایک دولتمند انگریز کے وصیت نامہ کے مطابق عراق

کے آثار قدیمہ کے لیے چھ ہزار پونڈ وقف کیے گئے ہین، تاکہ اس سے ایک مدرسہ کی بنا ڈالکر اس مین وہان کے

آثار قدیمہ کی تحقیق و تجسس کیجائے،

برطانیہ کا خیراتی سرمایہ، اخبار ڈیلی میل کی سالانہ کتاب سے ظاہر ہوکر برطانیہ عظمی اور آئرلینڈ کی ان انجمنون کی تعداد جنکے

وجود کے لیے کسی نہ کسی خیرو جود کی ممنون احسان ہین ۰،۵۰۰۰،۲ ہے، اور آخری مرتبہ انکی آمدنی کی جو میزان لگائی گئی تھی وہ تقریباً ……۲۶

پونڈ تھی اس مین وہ رقمین جو لوگ وقتاً فوقتاً گرجا وغیرہ کے لیے دیتے رہتے ہین شامل نہین ہین، جو مبلغین باہر کام کرتے ہین اونکے اخراجات

کیلئے جو رقم وصول ہوئی ہے اسکی تعداد……۲۲ پونڈ ہے، صرف لندن کے ۱۱۰ شفاخانون کی جو آمدنی ۱۹۲۵ء مین ہوئی تھی اسکی تعداد

۳۰ لاکھ پونڈ ہے، انکے اخراجات ۴۹ لاکھ پونڈ تھے، ان شفاخانون مین اس سال تقریباً ستر لاکھ مریضون کا علاج ہوا،

بابُ التقریظ والانتقاد

انڈیا آفس لائبریری کی فہرست مخطوطات اُردو

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے، دار المصنفین

مرتبہ مسٹر جے، ایف، بلوم ہارٹ ایم، اے

یورپ اور ہندوستان کے چہار صد سالہ تعلقات کے سیاسی، اقتصادی و معاشری نتائج جس قدر بھی مفید یا مضر ہوئے ہون اس سے ہم کو بحث نہین، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان علمی خزائن کے اعتبار سے مفلس ہوگیا، علوم و فنون کے دفاتر برباد اور کتب خانے ویران ہوگئے، مکتبون مین گرد اڑنے لگی، مدارس کا شیرازہ بکھر گیا، مشرقی تعلیم کے اوراق پریشان ہوگئے اور یہان کے تمام علمی متاعہائے گران ارز یورپ کے مختلف ممالک مین عموماً اور انگلستان کے شاہی ایوان و جوامع مین خصوصاً پہنچکر ان کی زیب و زینت اور نمائش و زیبائش مین صرف ہو رہے ہین، سلاطینِ دہلی کا علمی خزانہ شاہانِ اودھ کا نادر کتب خانہ ٹیپو سلطان کا ذخیرۂ کتب متعدد علم دوست رؤسا، اور اصحابِ علم کی ذاتی لائبریریون کا آج ہندوستان مین بھی تلاش کرو تو تم کو نظر نہ آئے گا کہ یہ تمام خزانے یورپ کے مختلف ممالک مین منقسم ہو چکے ہین، اصحابِ فہرست نے ان

- ذخائر کی جو ضخیم فہرستین شائع کی ہیں، وہ ہماری علمی بربادی کا گویا مرثیہ اور خاموش ماتم ہیں، لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور جو دولت لٹ چکی وہ کسی دام ہی واپس نہیں مل سکتی، اسلئے اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ہم ان علمی داغ کو ہمیشہ ہرا رکھیں کہ کم از کم آئندہ ہم سے پھر یہ غفلت نہ ہو،

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس طرح ہندوستان مین اپنے کو روشناس کیا اور پھر جس طرح ملک کی حاکم بن بیٹھی، ایک معلوم عام تاریخی حادثہ ہے، اس کمپنی نے ابتدا ہی سے نہ صرف یہان کی دولت، یہان کی خام پیداوار کپڑے وغیرہ لے جانا شروع کئے بلکہ علمی ذخائر کے حصول کی بھی داغ بیل ڈالدی، چنانچہ جب اس کمپنی نے انگلستان کی پارلیمنٹ کے حکم کے مطابق معاملاتِ ہندوستان کے لیے مجلسِ نگہداران قائم کی اور اس کے ساتھ ہی اس کا دفتر عالم وجود مین آیا تو اس کے ساتھ ہی ایک گوشہ مین ایک کتب خانہ بھی بنایا گیا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مین اس لائبریری کا سال قیام ۱۸۰۱ء دیا ہے، اور آج سے دس سال پہلے بھی اسکی کتابون کی تعداد ۰۰۰ ... بتائی ہے، مشہور اردو دوست فرانسیسی مستشرق گریسن دی تاسی اپنی تاریخِ ادبیاتِ ہند مین اس کتب خانہ کو مکتبۂ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے یاد کرتا ہے، یہ کتابین زیادہ تر مشرق کے متعلق اور مشرقی زبانون مین ہین،

آج سے تقریباً سات سال پہلے دار المصنفین کے ناظم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو اولین وفدِ خلافت کے رکن کی حیثیت سے یورپ جانے کا موقع ملا تھا، اس سلسلہ مین انھون نے اس علمی معبد کی بھی زیارت کی تھی اور اس کے مطبوعہ اردو ذخیرہ کے متعلق ایک مضمون ناظرینِ معارف کے لیے لکھکر بھیجا تھا، مولانا ممدوح نے اس مضمون مین اس کتب خانہ کی عام حالت کا ان الفاظ مین تذکرہ کیا تھا،

"اس دوران مین اس دیوانِ حکومت مین جسکا نام انڈیا آفس ہے تین چار دفعہ جانے کا اتفاق ہوا،

اس عمارت مین جہان سیکڑون حقیقی و مجازی زیارت گاہین ہین، ایک زیارت گاہ کا نام انڈیا آفس لائبریری ہے، یہ لائبریری ایک گوشۂ عمارت مین واقع ہے، اور ہندوستان کی علمی تاریخ کا مجسمہ ہے، ایک گول ریڈنگ روم (مطالعہ کا کمرہ) ہے، اس کے پہلو مین کتب خانہ ہے، دوسرے پہلو مین متعدد چھوٹے چھوٹے کمرے ہین

جو مہتممین کتب خانہ کے دفتر مین ....

"اس لائبریری مین عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، بنگالی، گجراتی، ہندی، کتابون کا عظیم الشان ذخیرہ ہے"[1]

مولانا ممدوح نے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اپنے مضمون کو صرف اردو کی مطبوعات تک محدود رکھا ہے، ان مطبوعہ اردو کتابون کی ایک فہرست بھی ۱۹۰۰ء مین شائع ہو چکی تھی اور یہی فہرست مولانا کا ماخذ تھی اس ذخیرہ کو دیکھ کر اردو کی وسعت کے متعلق جو مسرت زا جذبات پیدا ہوئے تھے ان کو انھون نے ان الفاظ مین ظاہر کیا تھا

"بہرحال مطبوعہ اردو کتابون کی اہمیت بھی یہان میری نگاہ مین کچھ کم نظر نہ آئی اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے مغرور ہونا پڑا کہ الحمدللہ ہماری زبان بھی اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ ... صفحہ مین اوسکی فہرست تمام ہوئی ہے"[2]

اگر مولانا کے سامنے مطبوعہ فہرست نے جو مطبوعہ کتب کے متعلق اردو کی وسعت کا نقشہ پیش کر دیا تھا تو زیر تنقید فہرست جو اردو کی غیر مطبوعہ کتب کے متعلق ہے یہ بتانے کے لئے تیار ہے کہ اردو کب عالم وجود مین آئی اور اوس کا ابتدائی رنگ کیا تھا، پھر وہ رفتہ رفتہ کس طرح دبیع و ہمہ گیر ہوتی گئی کس طرح سلاطین، امرا، اصحاب علم حکما، اطبا، تجار، شعرا وغیرہ نے اس کو بڑھایا، کس طرح ہندو مسلم اور یورپین اصحاب نے اس کو ترقی دی اور کس طرح ابتدا ہی سے یہ ایک عام و ہر دلعزیز زبان بنگئی تھی،

کتب مطبوعہ کی فہرست کی طرح یہ فہرست بھی شعبۂ اردو کے مہتمم مرحوم مسٹر جے، الیف، بلوم ہارٹ، ایم اے، کی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے اور ہمارے پاس بغرض تنقید بھیجی گئی ہے، یہ فہرست ۱۹۲۲ء مین تقریباً تمام ہو چکی تھی، مگر مرتب کی مسلسل علالت، اور بالآخر دسمبر ۱۹۲۲ء مین اونکی موت، پھر مسئلہ طباعت کے سوال نے ۱۹۲۶ء تک اوسے شائقین تک پہنچنے سے باز رکھا مسٹر بلوم ہارٹ کے بعد اس فہرست کی نظر ثانی اور پروف خوانی کا کام نائب مکتبہ مسٹر سی، اے، اسٹوری (Mr. C. A. Storey) کے نام نکلا، یہ وہی مسٹر سٹوری ہین جو کسی زمانہ مین علی گڈھ مین تھے، اسلیے ہم کو امید تھی کہ یہ فہرست تحقیق، صحت اور وسعت معلومات کے

[1] معارف ج ۲ صفحہ ۴۰۸-۴۰۹ [2] ایضاً صفحہ ۴۱۰

اعتبار سے ایک قابل قدر چیز ہوگئی ہیکن اس کے مطالعہ نے ہم کو ایک بڑی حد تک مایوس کردیا اور مستشرقین انگلستان کے متعلق جو حسن ظن قائم تھا اس کو بہت صدمہ پہنچایا ،

اس فہرست میں ۲۶۹ قلمی نسخوں کا تذکرہ ہے، یہ نسخے مختلف علوم و فنون سے متعلق ہیں، اور ایک حد تک انہی کے ماتحت ان کو رکھا گیا ہے، انکی تفصیل یہ ہے:-

دینیات ۴۴، (اس میں فقہ، مناظرہ، حدیث، تفسیر، ترجمۂ قرآن وغیرہ سب داخل ہیں) تاریخ ۱۱، سوانح ۲، تذکرہ ۱۲، جغرافیہ ۴، قصص ۲۰، نظم ۱۲۹، اخلاقیات ۲، طب ۳، موسیقی ۱، صناعت ۱، فوجی قواعد ۱، مجموعۂ الفاظ ۴، لغت ۲، قواعد ۷، اور متفرقات ۸ = ۲۶۹.

ترتیب میں کسی خاص اصول کی سختی سے پابندی نہیں کیگئی ہے، مثلاً قصص میں نظم و نثر دونوں قسم کی کتابیں درج کیگئی ہیں، لیکن پھر نظم کی سرخی میں بھی متعدد افسانے اور مثنویاں ملتی ہیں، اسی طرح تاریخ کی کچھ کتابیں اسی سرخی کی ماتحت ہیں اور کچھ نظم کے زیرعنوان ،

مرتب نے جس غیر محتاط طریقے سے فہرست ترتیب دی ہے اس کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے، پہلی ہی کتاب کو لیجئے، اس کا نام امواج خوبی دیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اردو کتاب کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے ترجمہ و شرح کا جو فارسی میں ہے، اصل میں اس کا نام خوب ترنگ ہے، اس کے مصنف کے متعلق مرتب نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے :-

"اصلی دکھنی نظم خوب ترنگ حاشیہ پر لکھی ہے، اسے ۹۸۶ھ میں خوب محمد نے لکھا تھا، یہ شیخ کمال محمد کے ارشادات کا مجموعہ ہے[1]"

اب تاسی کا بیان سنئے :-

خوب (کمال الدین محمد شبستری) امواج خوبی کا مصنف ہے یہ اسی تخلص کے ایک صوفی کی ہندوستانی

---

[1] فہرست مخطوطات ص ۱ و صفہ ۱ ،

مثنوی موسوم بہ خوب ترنگ کا فارسی میں ترجمہ و شرح ہے، یہ شرح ۹۹۱ھ میں لکھی گئی، اور خوب ترنگ کا سال تصنیف ۹۸۶ھ ہےلہ،

اسی طرح نسخۂ نمبر ۹ کا نام زنجن ہے اور مصنف نے اس شعر میں اس کتاب کا نام خود بتایا ہے،

ہوا اُزول عسر ہ ج تام

جا کو بوجھ "زنجن" نام

لائق مرتب نے یہ نہ سمجھا کہ ہندی میں "بوجھ" کے معنی سمجھ کے ہیں اور بوجھ زنجن نام رکھ دیا، اسی طرح کتاب نمبر ۲۸ جو شیخ فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء کے بعض سوانح کا ترجمہ ہے، اور اس کا نام منتخب ہے، منتخب نیک نام بتایا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں یہ شعر پیش کیا گیا ہے،

ختم پایا فضل سوں تیرے تمام

نام اس کا منتخب ہے نیک نام

حالانکہ اس کے بعد ہی دوسرا شعر لکھا گیا ہے،

برس بارہ سے تھے ہجری تمام

ختم پایا منتخب اسے نیک نام

اسی طرح مصنفین کے نام کے سلسلہ میں بھی عجیب و غریب غلطیاں کی گئی ہیں مثلاً نمبر ۱۰۰ ایک "جنگ نامہ" ہے جسمیں حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد حنیف کی لڑائیوں کا تذکرہ ہے، اسکے مصنف کا نام نہ معلوم کس طرح سیوک بتایا گیا ہے حالانکہ تاسی نے صاف بتایا ہے کہ اس کا مصنف وحیدی ہےلہ،

اسی طرح دنیا جانتی ہے منطق الطیر (عطار) کا دکھنی میں جو ترجمہ ہوا ہے وہ وجدی دکھنی کا ہے، تاسی نے بھی لکھا ہے، حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے بھی بیان کیا ہےلہ، جناب نصیرالدین ہاشمی نے بھی اسے

لہ تاسی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ لہ تاسی جلد سوم صفحہ ۲۷۶ لہ تاریخ اردو قدیم صفحہ ۹۲

دو جہتی ہی کا ترجمہ بتایا ہے[1]، لیکن ہمارے لائق مرتب نے اسے اس شعر:۔

جی موافق فہم اپنے کے ضعیف"

اس کتاب خاصہ کا نظم شریف

کی بنا پر اسے حضرت ضعیف[2] کا ترجمہ بتایا ہے، فاعتبروا!

اس سلسلہ مین دو باتین معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہونگی اول یہ کہ جس شعر کے ذریعہ سنہ ترجمہ نکالا جاتا ہے وہ ہر نسخہ مین جداگانہ لکھا ہے، اسلئے ہر ہر شخص نے اس سے الگ ہی سنہ اخذ کیا ہے۔ تاسی نے ۱۱۲۴ھ دیا ہے میرا خیال ہے کہ تاسی نے جس نسخہ کو دیکھا تھا اوس مین یہ شعر اس طرح ہوگا:۔

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین خاصی کتاب

چنانچہ "خاصی کتاب" سے ۱۱۲۴ھ نکلتا ہے، انڈیا آفس کے نسخہ مین یہ شعر ہے،

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین "یو خاصا کتاب"

مرتب نے یو خاصا کتاب سے تاریخ نکالکر ۱۱۲۱ھ دیا ہے؛

جناب نصیر الدین صاحب کے یہان یہ شعر ہے:۔

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین کیا خاصی کتاب

"کیا خاصی کتاب" سے ۱۱۵۵ھ نکلتا ہے، (دکن مین اردو صفحہ ۵۰)

جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے اس شعر کو یون لکھا ہے،

---

[1] دکن مین اردو صفحہ ۵۵

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

اور "کیا خاصا کتاب" سے ۱۱۴۶ھ اخذ کیا۔ (تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۹۲)

اب سوال یہ ہے کہ تحقیقی اور صحیح سال ترجمہ کون سا ہے۔ اس کے لیے ہم کو سب سے پہلے اس نظم کی بحر کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ یہ مثنوی مولانا روم کی مثنوی کی بحر رمل مسدس مقصور ہے۔ اب اس شعر کی تقطیع کیجئے۔ پہلا مصرع یون ہوگا:

جب کیا تا ریخ کا دل مین حساب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مگر دوسرا مصرعہ ان تینون مین اس وقت تک صحیح نہین ہو سکتا جبتک میزان کو نون غنہ کے ساتھ نہ پڑھا جائے، جو اس عہد کی زبان مین رائج نہین اور اب بھی خالص اردو مین نہین بولا جاتا۔ اسلیے صحیح مصرعہ یہ ہے

تب ہوا میزان مین خاصا کتاب

تب ہوا می زان مین خا صا کتاب

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اور "خاصا کتاب" سے ۱۱۱۵ھ نکلتا ہے، خاصا کتاب اور خاصی کتاب کا فرق اس زمانہ مین نہین پیدا ہوا تھا، چنانچہ بلیو ہٹ ڈرمارٹن لیانڈش گیش شافٹ کے نسخہ مین بھی ۱۱۱۵ھ ہی ہے، اور شاید یہ نسخہ صحیح ترین ہے، یا پھر تاسی کا دیا سنہ صحیح ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب ہاشمی نے نہ معلوم کہان سے تحفۂ عاشقان (جو اسی مصنف کی دوسری مثنوی ہے، اور وہ بھی عطار کی ایک مثنوی کا ترجمہ ہے) کا سال تصنیف ۱۱۵۰ھ نکالا ہے اور اس طرح دو وجدی پیدا کر لیے ہین، حالانکہ حکیم شمس اللہ صاحب نے اس کا وہ شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے دیا ہے

اساس سے ۱۰۸۸ھ تاریخ نکالی ہے[1]،

اسی قسم کی سہ گانہ غلطیون سے یہ فہرست ایک بڑی حد تک بھری ہوئی ہے، اور طباعت کی غلطیون کا تو شمار ہی نہیں، اشعار جو نقل کئے گئے ہین وہ اکثر جگہ صنعت بے بحری کی بہترین مثال ہین،

مگر اس کے ساتھ ہی اب ہمارا فرض ہے کہ

عیبہا جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو،

کے مطابق اس فہرست کے روشن پہلو پر بھی نظر ڈالین، چنانچہ اس فہرست کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسکے ذریعہ ہم عام اردو کی عموماً، اور دکنی اردو کی خصوصاً مکمل تاریخ مدون کر سکتے ہین، جناب ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب مین لکھا ہے کہ ان کے خیال مین دکن مین اردو کا گیارہوین صدی سے آغاز ہوا مگر اس فہرست کی کتابون کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دسوین صدی مین بھی کتابین لکھی گئی ہین، اسی طرح حکایت سوداگر اور نقش بوقلمون کہ پادشاہت می کرد ۹۵۵ھ اور ترجمۂ انوار سہیلی ۹۴۶ھ سے دکنی اردو کی اصل شکل وصورت ہمارے سامنے آجاتی ہے،

اس فہرست مین زیادہ تر کتابین نظم کی ہین اور مختلف فنون کے ماتحت جو کتب نظم دیگئی ہین انکے علاوہ نظم کے ماتحت جو کتابین درج ہین انکی تعداد ۱۲۹ ہے، ان کتابون مین متعدد چیزین قابل ذکر ہین، مثلاً ان سے ہم کو سعادت یار خان رنگین کی تمام تصانیف کا پتہ چلتا ہے، اوران مین سے اکثر کتابین خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، جو کتابین انکی اس فہرست مین دیگئی ہین، ان کی تعداد ۲۵ ہے،

۱۔ دیوان ریختہ ۱۲۰۲ھ (۲) دیوان بیختہ ۱۲۱۶ھ (۳) دیوان آمیختہ ۱۲۲۲ھ (۴) دیوان انگیختہ یا ریختی ۱۲۲۰ھ ان چارون دیوانون کا مجموعہ چار عنصر رنگین کہلاتا ہے، (۵) حدیقۂ رنگین فارسی ۱۲۲۳ھ یہ پانچون خمسۂ رنگین کہلاتے ہین (۶) مجموعۂ رنگین ۱۲۳۵ھ یہ ۱۷ زبانون مین ہے، (۷) مجالس رنگین نثر ۱۲۱۵ھ (۸) اخبار رنگین، یہ آٹھون ہشت بہشت رنگین کے نام سے موسوم ہین (۹) امتحان رنگین ۱۲۳۶ھ یہ نورتن رنگین

[1] تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۹۳—

ہوئے اور ان کے علاوہ رنگین کا ایک اور خمسہ ہے جس میں مندرجۂ ذیل کتابیں ہیں:-
(۱/۱) جنگ نامۂ رنگین (۲/۱) حکایت رنگین، (۳/۱۲) نصاب رنگین (۴/۱۳) حکایات رنگین (۵/۱۴)
مثنوی فارسی، اس کے ساتھ ان کے سبو سیارہ کو بھی ملا لیجئے (۱/۱۰) تصنیف رنگین (۲/۱۱) گلدستۂ رنگین
(۳/۱۸) بہشت رنگین (۴/۱۵)، رنگین نامہ (۵/۲۰) ساقی نامہ رنگین (۶/۲۱) تجربۂ رنگین (۷/۲۲) کلام رنگین، ان کے
علاوہ پانچ اور کتابیں ہیں (۲۳) فرسنامۂ رنگین (۲۴) قوت الایمان، (۲۵) ترجمۂ قصیدۂ غوثیہ (۲۶)
ترجمۂ قصیدۂ بانت سعاد (۲۷) ترجمہ مدحیہ،

اسی طرح میر اثر کی صرف مثنوی خواب خیال کا ایک نسخہ یہاں موجود ہے بلکہ ان کی ایک اور
مثنوی کا بھی ایک نسخہ موجود ہے، جعفر زٹلی کی متعدد تصانیف کے علاوہ افسوس، درد، سوز، سودا، میر کے
متعدد دیوان ہیں، دکن کے مشہور شعراء نشاطی، غواصی، نصرتی، قطبی، لطفی وغیرہ کی تصانیف بھی موجود ہیں، اور
وہ ہمارے موجودہ معلومات میں اضافہ کرتی ہیں، مثلاً لطفی کے متعلق حکیم شمس اللہ صاحب خاموش ہیں، اور جناب
ہاشمی صاحب نے صرف نام اور دو شعر دینے پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ اسکی ایک مستقل تصنیف قصۂ بہلول صادق (۹)
موجود ہے، اسی طرح قطبی کے متعلق ہاشمی صاحب ساکت ہیں اور حکیم صاحب نے اسکی ایک کتاب ترجمۂ تحفۃ
النصائح کا ذکر کیا ہے، ان کو اس کا بھی علم ہونا چاہیئے کہ اسکا ایک تیرہ ماسہ بھی ہے، نصرتی کی تین تصانیف
میں سے دو کا ذکر ہے، گلشن عشق کے تین نسخے ہیں، یہ قصہ در اصل میر عسکری عاقل خان رازی کی فارسی مثنوی
مہر و ماہ کا ترجمہ ہے، دکن کے شمس المورخین نے اسے عاقل خان کی دوسری مثنوی شمع و پروانہ کا ترجمہ بتایا ہے
حالانکہ موخر الذکر قصہ ملک محمد جائسی کی پدماوت سے اخذ کیا گیا ہے[1]، اس مثنوی کا بھی اردو ترجمہ ہوگیا ہے،
اور اس کا ایک دکھنی ترجمہ (۱۶۷) یہاں موجود ہے، اس کے علاوہ اس کے متعدد اور ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں،
اسلیے جناب حکیم صاحب نے غریب خافی خان پر جو الزام لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور خافی خان کا بیان بالکل صحیح

[1] فہرست کتب خانۂ مشرقی پٹنہ جلد سوم صفحہ ۱۷۹،

نوابی کی دو کتابون مین صرف ایک قصہ سیف الملوک ہے، مرتب نے معلوم کن معلومات کی بنا پر نوریب کو شیعہ بتایا ہے، اور پھر اسکے ساتھ ہی لکھا ہے اکہ مقدمہ مین حمد و نعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی منقبت اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ و حضرت گیسو دراز وغیرہ کی مدح لکھی ہے، اسی طرح مرتب نے سمی کو بھی سنی بتایا ہے۔

تاریخی حیثیت سے مندرجۂ ذیل کتابین قابل ذکر ہیں۔

جنگ نامہ بہاؤ راؤ (۲۷) و جنگ نامہ بہاؤ مرہٹہ و شاہ درانی (۲۸) ان دونون کتابون مین احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ اور ۱۷۶۱ء مین جنگ سوم پانی پت کے اسباب و نتائج کا بیان ہے، مرہٹون نے ہندوستان اسلامی سلطنت بلکہ اسلام کو مٹانے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اسے یون لکھا گیا ہے،

اس گردش سپہر کا دیکھو یہ کاروبار

کیا کیا کئے ہین رنگ زمانے نے اختیار

دکھن سے لاجماعت کفار نابکار

کی بند ملک ہند کے آتے ہی ایک بار

بانگ و صلوٰۃ و گاؤکشی علم و اعتبار

جنگ کے خاتمہ کا نقشہ یون کھینچا ہے:-

جب دکھنیون کو تاب نہ آئی پٹھان کی

گئے بھول مردی کو پڑی سب کو جان کی

جتنے مرہٹے تھے بنیا نون کو دان کی ؟

چڑھ چڑھ اکیلے گھوڑون پہ کرکے اڑان کی

چڑیا کی بھانت اوڑ گئے میدان سے ڈار ڈار

لہ صنا

روز جنگ کی تاریخ و نتیجہ ان دو شعرون سے ظاہر کیا گیا ہے،

گیارہ سئے پر سن چوہتر

پانی پت مین ہوا جلتر

چھٹی بدھ جمادی الثانی

ہار مرہٹا جیت درانی

اسی طرح انگریزون اور افغانیون سے جو جنگ ۱۸۳۸ء مین شاہ شجاع کے سلسلہ مین ہوئی تھی، اس کا بیان جنگ خراسان (۹۴) مین ہے، سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے حالات مین دو کتابین ہین، پہلی کا نام حیدر نامہ اور دوسری کا تحفۂ ٹیپو ہے، علی عادل شاہ ثانی کے فتوحات کا حال علی نامہ مین، نادر شاہ کے حملہ کا ذکر حالاتِ نادر شاہ و محمد شاہ مین ہے، اسی طرح شیر شاہ کی سوانح کے لیے تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ موجود ہے،

اندنون جب کہ فرقہ وارانہ تعصبات نے افسوسناک و مہلک صورت اختیار کرلی ہے یہ دیکھنا باعث مسرت و سبق آموز ہے کہ اردو کی ترقی مین صرف مسلمانون کا ہی ہاتھ نہین ہے بلکہ نہ صرف ہندو بلکہ انگریز بھی اس مین ان کے دوش بدوش ہین، تنبیہ الغافلین، حضرت شاہ رفیع الدین کا فقہ کے عام مسائل مین فارسی کا ایک رسالہ ہے، اس کا اردو ترجمہ منشی بینی نراین لکھتری نے کیا تھا، اسی طرح نادر شاہ کے حملہ کے جو حالات ہین وہ تلوک داس کی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے، تاریخ اقوام ہند بھی ایک برادرِ وطن ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، اور لغتِ اردو ایک انگریز کی تصنیف ہے،

بعض کتابون کے اوراق پر بعض وقت عجیب و غریب تاریخی معلومات مل جاتے ہین، مثلاً ایک بیاض (۲۲۲) مین پہلی کتاب بارد الانتزاد ہے، اس کے خاتمہ پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے: "تمام شد بعون الہی بتاریخ ۱۴ یوم پنجشنبہ ۱۲۵۱ھ جمید (جمادی؟) الثانی دہم در این روز

تاریخ وماہ وسن نواب شمس الدین خان جنت رسید خدا یعنی، بہ تہمت خون فریزر، انگریزان سولی دادند بر دار کشیدند،
مسٹر فریزر دہلی کے کمشنر تھے اور ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو نواب مرحوم کو ان کے قتل کے سلسلہ مین پھانسی دی گئی تھی،

اسی طرح حیدرآباد کی مشہور مغنیہ شاعرہ چندا کا جو اپنے زمانہ مین وہان بہت با اثر تھی، جو دیوان ہے اس پر انگریزی مین ایک عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"مشہور ملکۂ حیدرآباد چندا کا دیوان، اس کتاب کو اس غیر معمولی خاتون نے کپتان (سر جان) ملکم کو ۱۸ اکتوبر ۱۷۹۹ء مین ایک دعوت مین بطور نذر پیش کی تھی، یہ بزم سرود مسٹر ایس ر نذر و کے یہان منعقد ہوئی تھی اور چندا اسکی روح وروان تھی"۔

اس ماہ لقا بائی چندا کے مفصل حالات رسالہ تحفہ مین شائع ہوئے ہین اور ریختی کی ایجاد کا سہرا اسی کے سر باندھنے کی کوشش کیگئی ہے[1]،

اس فہرست کو وزیر ہند کے حکم سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شایع کیا ہے، کتاب بڑی تقطیع کے ۱۲ + ۲ ، ۱۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکی قیمت ۲۰ شلنگ ہے، مذکورۂ بالا پریس کی شاخ کلکتہ سے دستیاب ہو سکتی ہے،

خطباتِ مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آذر آچکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین، ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

[1] رسالہ تحفہ حیدرآباد جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۸، ۱-

مثنوی خواب وخیال، میر اثر کی مشہور مثنوی خواب وخیال ایک مدت تک خواب وخیال سمجھی گئی، آزاد، مولانا حالی، لالہ سری رام، مولانا شبلی سب نے اسکو عنقا سمجھا، یہ عنقا سب سے پہلے الاصلاح لائبریری دیسنہ بہار کے دام مین گرفتار ہوا، اور وہان سے طباعت واشاعت کی غرض سے یہ دار المصنفین بھیجا گیا، چنانچہ اسی نسخہ پر سنہ ۱۹۱۷ء مین معارف جلد ۴ نمبر ۲ مین تفصیلی ریویو کیا گیا، یہ نسخہ کسی قدر غلط تھا جسکی تصحیح کسی دوسرے نسخہ کے نہ ہونے کی بنا پر مشکل تھی، اسی لیے یہ کام ملتوی کرنا پڑا، اور نسخہ الاصلاح کو واپس کر دیا گیا، اسکے بعد انجمن ترقی اردو نے اسکی طرف التفات کیا، خوش قسمتی سے اس کا دوسرا نسخہ مولوی ضیاء الحق صاحب ہاپوڑی برادر معظم مولوی عبد الحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو کے پاس موجود تھا، ان دونون نسخون کو سامنے رکھکر انجمن ترقی اردو نے موجودہ نسخہ چھاپ کر شائع کیا ہے، شروع مین جناب مرتب کا ایک مختصر مقدمہ ہے، جو ہر حیثیت سے تشنۂ بیان ہے، اصل مثنوی، اردو کے خزانۂ ادب کا ایک انمول موتی ہے، قدر شناسان اردو کو انجمن ترقی اردو کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے اس گران قیمت متاع کو وقفِ عام کر دیا، مولانا حالی کی راے کے مطابق درحقیقت یہی مثنوی ہے جو نواب مرزا شوق کی مثنویون کے لیے نمونہ بنی ہے، انجمن نے اپنی تالیفات کو اب ٹائپ مین چھاپنا شروع کیا ہے، چنانچہ یہ بھی ٹائپ مین چھپی ہے، امید ہے کہ اردو کے اصحابِ ذوق اسکی پوری قدر کرین گے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۱۳۵ صفحے قیمت ۱۲/ پتہ:- انجمن ترقیِ اردو اورنگ آباد دکن،

انتخاب کلام میر، میر تقی میر کے کلام کے انتخاب کا مجموعہ مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقیِ اردو کے مقدمہ کے ساتھ مدت ہوئی شائع ہوا تھا، وہی مجموعہ جناب مرتب کی ترمیم ونظرثانی کے بعد تیسری مرتبہ پہلے سے بہتر شکل وصورت مین آراستہ ہو کر شائع ہوا ہے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۲۰۱ صفحے

قیمت عا رپیہ ۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

وید، قرآن اور بائبل کی دعائین، جناب پادری سلطان محمد صاحب نے اس رسالہ مین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے، قرآن پاک، بائبل، اور وید کی دعاؤن کو ان کے معانی کی مناسبت سے یکجا کرکے تینون کو آمنے سامنے نقل کیا ہے، اسکی ابتدا مین پادری صاحب کا ایک دلچسپ مقدمہ ہے جسمین انھون نے "حقیقت دعا" "قرآن و بائبل مین دعا کرنے کا حکم" قرآن و بائبل کے طریق دعا" صفائی باطن، اور دعا کے اصول موضوع کا یکسان ہونا" وغیرہ بیان کیا ہے، اور اس کے بعد اس مین ویدون کی دعاء، طریقہ دعاء وغیرہ پر تبصرہ ہے اور ثابت کیا ہے کہ وید دعاؤن مین بھی جو مذہب کی جان ہے، سامی مذاہب کی روحانیت، بلندی اور تاثیر کا مقابلہ نہین کر سکتی، حجم ۱۴۴ صفحے کتابت وطباعت عمدہ ہے، پتہ ایم کے خان نہال سنگھ باغ لاہور،

کشف الغطاء عن مسئلۃ البناء، مدت ہوئی کہ اخبار اہلحدیث امرتسر مین مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا ایک مضمون "بنائے عائشہؓ" پر شائع ہوا تھا، جسمین انھون نے حدیث عائشہؓ "بنا بی وانابنت تسع سنین" مین لفظ "بنا" سے "رخصتی" مراد لیا تھا، جناب مولوی ابوالمکارم محمد علی صاحب متوطن مئو ضلع اعظم گڈھ نے زیر تبصرہ رسالہ مین مناظرانہ طرز استدلال مین اسکی تغلیط کرنا چاہی ہے، جسمین وہ کامیاب نہین ہوسکے ہین، حجم رسالہ ۱۶ صفحے، جناب مؤلف سے طلب کیجئے۔

مسئلۂ ربوا، ہندوستان مین مسئلۂ ربو پر بحث ومباحثہ کا سلسلہ دو ڈھائی سال سے بڑی شدت سے جاری ہے، اور اب تو اسکی تبلیغ کے لیے ایک خاص رسالہ بھی جاری ہے، اسی سلسلہ مین مولانا نثار احمد صاحب کانپوری کے دو رسالے شائع ہوئے تھے جنمین بنک کے سود کو "حیلۃً" جائز کرنے کی صورت پیش کیگئی ہے، انھی رسائل کے رد مین بمبئی کی ایک جماعت "اہل السنۃ والجماعۃ" نے ہندوستان کے خاص قسم کے عربی مدارس مثلاً ٹونک، بدایون، رامپور، سہارنپور، الہ آباد، شاہجہان پور، اور بہار شریف وغیرہ کے مختلف علمائے کرام سے فتاوے حاصل کئے ہین، اور ان سب کے مجموعہ کو "فتاوی العلماء فی ترک الربیۃ والربوا"

کے نام سے شائع کیا ہے، اور اسی موضوع پر جناب مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کا ایک مستقل رسالہ "الحجۃ البارزۃ علی تحریم الربوا" اور ایک تیسرا رسالہ "عمدۃ الوسیلہ فی رد جواز اخذ الربا بالحیلہ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، یہ تمام رسائل جمعیت اہل السنت قصاب محلہ بمبئی نمبر ۳ سے مل سکتے ہیں،

شہادت عظمیٰ، قوم مہنہار (براہمن) کے متعلق ایک قدیم نظریہ ہے کہ پہلے اسکی نسل عراق عرب مین تھی، اور وہان سے افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئی، یہانتک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا مین اس قوم مین سے ایک شخص رہب نامی اپنے خانوادہ کے ساتھ شریک تھا، اور اس کے سات نوجوان لڑکے اموی لشکر کے ہاتھون قتل ہوئے تھے، جناب مولوی سید شاہ نذیر ہاشمی صاحب غازیپوری نے اس نظریہ کو ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا ہے، اور ثبوت مین اس قوم کی ایک مشہور مکتب پیش کی ہے جسمین اس شخص کا جنگ مین شریک ہونے اور امام حسینؓ کے انتقام کے لیے اٹھنے، اور کامیاب ہونے اور اس کے بعد ہندوستان وغیرہ کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ اس قوم کے بعض ضرب المثل اور قدیم روایات بھی درج کیے ہین، امید ہے کہ اہل علم کے لیے یہ جدید شہادتین اصل نظریہ پر غور و خوض اور تحقیق و کاوش کرنے مین معاون ہونگی، رسالہ کی ابتدا ہی مین جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب زیدی کا ۱۲ صفحون کا ایک بے محل دیباچہ ہے جسمین شیعی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور فضائل درج ہین، اور آخر مین جناب مؤلف نے ایک جرمن اہل قلم کے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہین جو اس نے واقعۂ کربلا پر کئے تھے؛ رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۴ر پتہ: مطبع حکیم برہم گورکھپور،

تحریک وہابیت، جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کے مختصر حالات اور مسئلہ وہابیت پر ایک رسالہ "تحریک وہابیت" مین روشنی ڈالی ہے، حجم ۲۲ صفحے دو پیسے محصولڈاک بھیجکر منیجر اہلحدیث امرتسر سے طلب کیجئے،

"ض"

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مئی ۱۹۲۷ء

قیمت ۔ صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دارالمصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰ × ۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے اور للعہ
ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلی تقطیع کلاں عسہ
ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت عہ ہیہ
ایضاً حصہ سوم تقطیع کلاں قسم اول عسہ قسم سوم سے
الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت للعہ
المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، عہ
الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور ان کا فلسفہ عہ
سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عہ
سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عہ
رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ
مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور، سے
ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ
ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ
ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے
ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عام
الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، عہ
موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے ہیہ
سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عام
مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع عہ عہ
علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عام
الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ و دہریہ کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

مجلد نوزدہم | ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۲۷ء | عدد پنجم ۵

مضامین

دار المصنفین کے ارکان مین پچھلے دنون بھی اضافہ ہوا، مگر ابھی ھل من مزید کی طلب اس جنت نما دوزخ کو باقی ہے، کتبخانہ کی زیر تعمیر عمارت نصف منزل طے کر چکی ہے، بقیہ کی تکمیل ہو رہی ہے، اور کام جاری ہے، امید ہے کہ دو ماہ مین دو ہال اور دو کمرے تیار ہو جائینگے، جو موجودہ ضرورت کو کافی ہون گے۔

پچھلے دس برسون مین مین نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا، مگر یہ کسقدر تعجب انگیز ہے کہ پنجاب جانا اس عرصہ مین نصیب نہ ہوا، پنجاب نے کئی بار تقاضا کیا، اور ادھر ارادہ کیا، لیکن مجبوریان تعمیل سے مانع رہین، حمایت اسلام لاہور کے کارفرما ہر سال یاد فرماتے رہے، مگر عدم تعمیل کے لیے ہر سال کوئی نہ کوئی حیلہ ہاتھ آ رہا، اس سال مزید بہانہ جوئی کیلئے کوئی چیز ہاتھ نہ آئی اور وسط اپریل مین لاہور جانا ہوا،

لاہور آج سے سترہ اٹھارہ برس پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گیا تھا، اور پھر اب گیا، اسی لیے انجمن کی تقریر مین مین نے کہا لاہور پہلے اس وقت آیا تھا جب میرا آغاز شباب تھا، اور اب آیا ہون جب انجام شباب ہے، کہ عمر کا توسن مرحلہ اربعین سے بھی دو تین قدم آگے بڑھ گیا ہے، انجمن مین میری تقریر کا موضوع عہد رسالت مین اشاعت اسلام تھا، تقریر کا خلاصہ بعض اخبارات مین چھپ چکا ہے،

لاہور ہندوستان کا صدر دروازہ ہے، وہان کی حرکت و جنبش، چہل پہل، رونق و گرم بازاری، جوش و خروش، ہر چیز دلون کے عزم اور ہاتھ پاؤن کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، حمایت اسلام اس وقت نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سب سے زیادہ باعمل اور کارکن جماعت ہے، نقائص اور کمزوریون پر نہ جائیے کہ ان سے تو کوئی انسانی کام کبھی خالی نہین رہ سکتا، جو اس نے نہین کیا، اوسکا گلہ کیجئے، مگر جو اس نے کیا ہے، اسکا شکریہ بھی ادا کیجیے، اس وقت وہ ایک بڑا کالج، چند ہائی اسکول، متعدد پرائمری اسکول، زنانہ مدرسے، اور ایک یتیم خانہ چلا رہی ہے، اس کے اردو اور فارسی نصاب کی کتابون نے

تمام ملک مین مقبولیت حاصل کرلی ہے، تبلیغ کا صیغہ بھی اس مین ہی، اور بھی رفاہ عام کے کام وہ انجام دے رہی ہی، اسکا آغاز چند مخلص اور غریب عملی مسلمانون کے ہاتھون سے ہوا، اور اب وہ امرار اور ذی ثروت اشخاص کے حصول عزت کا سامان ہے، یہی اسکی کامیابی کی بڑی دلیل ہے،

تمام مسلمانانِ پنجاب عموماً اور مسلمانانِ لاہور خصوصاً مبارکباد کے مستحق ہین، کہ وہ ہر سال اس کے کامون کیلئے ہزار ہا روپیے فیاضی کے ساتھ دیتے ہین، امسال وہ کالج کا (یا خود اسکا سیزانیہ دیجئے) دس لاکھ کا تھا، اس مین پانچ لاکھ کی کمی تھی جسکا قوم سے مطالبہ تھا، جلسہ مین شاید پچیس تیس ہزار کا چندہ ہوگیا ہوگا، گو یہ رقم اس کے مطالبہ سے بہت کم ہی، تاہم آجکل جبکہ آل انڈیا مجلسون سے لیکر معمولی مجالس تک کے سالانہ جلسے صرف اسی کو کامیابی سمجھتے ہین کہ جلسون مین حاضرین کی کافی تعداد آجائے، سالہا سال سے ہمارے قومی تعلیمی اور مذہبی جلسے چندون کی پکار سے تھک کر خاموش ہوگئے ہین، ایسی حالت مین اسقدر رقم کا جمع ہوجانا بھی ہمارے لیے تعجب کا باعث ہوا، یہ بھی دیکھکر خوشی ہوئی کہ انجمن کے ارکان اور ہمدرد اس موقع پر یا خود کچھ دیتے ہین، یا اپنی محنت سے دوست احباب سے وصول کرکے کچھ لاتے ہین،

اس کے ماننے مین کسی کو کچھ تامل نہ ہوگا، کہ مدت سے لاہور اردو مطبوعات اور اخبارات اور رسائل کا مرکز ہے، اب تو اور صوبون نے بھی کچھ کام شروع کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ نصف صدی تک صرف لاہور نے تنہا اس خدمت کو انجام دیا ہی، اور اب بھی وہ سب سے آگے ہی، اور بھلا برا جو کام بھی اس سے بن آیا، اس نے کیا، اور دوسرون کے لیے تقلید کا نمونہ پیش کیا،

اصحاب علم اور ارباب ادب کی جمعیت کے لحاظ سے بھی وہ آجکل ہندوستان کی سب سے بہتر مجالس ہے، ڈاکٹر سر اقبال، شیخ عبد القادر، پرنسپل عبد اللہ یوسف علی، پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر اقبال، پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر سراج الدین آذر، مولوی محمد علی ایم اے، خواجہ کمال الدین، پروفیسر سید عبد القادر، مولوی ظفر علیخان، اور متعدد ایسے باکمال اصحاب کی سکونت کا اسکو فخر حاصل ہے، جنکے

لیکن مرقع کی شان سی اور شہر مین نظر نہین آتی، پرانے لوگون مین سید ممتاز علی صاحب، منشی محبوب عالم صاحب، اور مولوی انشاء اللہ خان اپنی بہارین گذار چکے، تاہم انکی خزان بھی بہار کی یادگار رہے۔

شاعرون، ادیبون اور شاعرون کی محفل ابھی تک مولانا کے بغیر پُر رونق نہین، سالک، مہر، تاجور، ابوالاثر حفیظ، غلام ربانی، تاثیر، حکیم یوسف حسن (نیرنگ خیال)، مولانا عبد اللہ، سید امتیاز علی تاج، اختر شیرانی (بہارستان)، اور کئی متعدد اہل قلم آگے بڑھنے کے لیے مصروفِ عمل ہین، وہ مستقبل ان کی کامیابی کا منتظر اور ان کے خیر مقدم کو تیار ہے، ان مین سے بعض تو آگے بڑھکر پہلی صف کے قریب پہنچ چکے ہین،

یہ لکھتے مین میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہے کہ لاہور کے اہل علم اور اہل قلم طبقہ نے اپنی برادری کے اس کمترین ممبر کو خوش آمدید کہنے مین پوری فیاضی کا ثبوت دیا، مولوی ظفر علی خان نے تو اپنے گھر مہمان ہی اتارا، اور یہ نامناسب بھی نہ ہوا کہ ایک دہقانی ایک زمیندار کا مہمان بنا، ڈاکٹر اقبال سے میری پہلی ظاہری ملاقات تھی، ورنہ مراسلت کی باطنی ملاقات تو ۱۹۱۲ء سے قائم ہے، ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے مین پیش دستی فرمائی، قیامگاہ مین آئے، متعدد صحبتون مین ساتھ رہے، اور پھر خود اپنے کاشانہ مین مدعو کیا، جسکو وہ ملک الفقراء، اور مین دار الاقبال کہونگا،

مولانا تاجور نے اپنے ہان چند ہندو و مسلمان نوجوان ادیبون کو میری عزت افزائی کیلئے چاے پر بلایا، پروفیسر آذر نے چند عشاق کتب کو مجھے اپنا قلمی کتب خانہ دکھانے کے بہانہ سے بلایا، خواجہ سلیم الدین صاحب نے ممتاز اہل علم اور نوجوان دلدادگانِ فن کو اپنے خوانِ نعمت پر جمع کیا اور ذرا ایک غریب الدیار کی عزت بڑھائی، خضرِ نسوان مولوی سید ممتاز علی صاحب نے جو تہذیب قدیم و جدید کے مجموعہ ہین، اپنے ادب کدہ مین یاد فرمایا۔

افسوس ہے کہ وقت کی قلت کے سبب سے مین، وہان کے مشہور کتبخانون کو نہ دیکھ سکا، وہان کی پبلک لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری کی بڑی تعریف سنی ہے، تاہم قلمی کتابون کے دو نجی کے ذخیرے دیکھے، پہلا ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر کے شوق اور محنت کا نتیجہ ہے، کوئی سو قلمی کتابین ہونگی، اور یہ کل کی کل صرف پنجاب کے حدود کے اندر سے جمع کیگئی ہین، اس ذخیرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین فارسی شاعرون ہین، فارسی تذکرے، دواوین، مثنویان، تاریخین، بیاضین اور اسی قسم کی چیزین ہین، فارسی ادبیات کا اتنا بڑا نادر ذخیرہ شاید کتبخانہ حبیب گنج (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کا کتبخانہ) کے سوا اور کہین نہ ہوگا، کتب خانۂ حبیب گنج مین بھی شاید اتنے دواوین اور مثنویان اور نظمون کے مجموعے ہون تو ہون مگر اتنے تذکرے اور تاریخین نہ ہونگی، مین نے اسکا نام "آذر کدہ" تجویز کیا، پروفیسر آذر کا بیان ہے کہ یہ کل

انکی چند سال کی ہے، وہ کالج کی چھٹیون مین باہر نکل جاتے ہین، اور چند دنون کی محنت مین اچھا خاصہ نسخہ تیار کر لاتے ہین، مزید برآن وہ خود بھی ان مین سے زخمی اور مجروح کتابونکی مرہم پٹی بھی کرتے ہین،

دوسرا ذخیرہ، خواجہ حلیم الدین کے پاس نظر آیا، کتابین ایک ٹرنک مین تھین، زیادہ تر عربی کی، بعض فارسی، اور ایک دو اردو کی، عربی کتابون مین علم النفس (سائیکالوجی) پر چند رسائل کا نادر مجموعہ دیکھا، جسمین ایسے مباحث معلوم ہوئے، جو اب تک اس موضوع کی عربی کتابون مین نظر نہین آئے، مصنف کا نام نہین، فارسی کتابون مین رباعیات خیام کا نسخہ ۸۶۷ھ کا لکھا ہوا تھا، جو رباعیات کے بوڈلین لائبریری والے سب سے پرانے نسخہ کے دو برس بعد لکھا گیا ہے،

ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتون مین شمع محفل تھے، انھون نے تو شمع اور شاعر لکھا ہے، لیکن مین نے تو لاہور مین خود شاعر کو شمع اور قدرشناسون کو اسکا پروانہ پایا، انکی صحبت لاہور کے نوجوانون کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے، ان کے فلسفیانہ نکات، عالمانہ افکار، شاعرانہ خیالات انکی آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہین، انکی "زمزمہ پردازیون" کا نیا مجموعہ "زبور عجم" کے نام سے عنقریب سامعہ نواز ہونے والا ہے، مین نے کہا کہ فلسفۂ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا، کہ عجم کے ہاتھ مین زبور دیکر ان کے خیالی فلسفہ کو مزامیر داؤدی کی دعاؤن سے بدل دے، اور ان کے کانون کو زبور کا پردہ رکھکر قرآن کی نغمہ سنجیون سے مانوس کر دے،

لاہور سے محبت کے پیکر مجسم مولوی عبدالعزیز صاحب منہاس ایم اے ال ال بی وکیل گوجرانوالہ نے گوجرانوالہ کھینچا، احباب نے یہان وہ قدر افزائی کی، جو مدتون فراموش نہ ہوگی، شہر مین احناف اور اہل حدیث دونون فرقے ہین، اور میرا یہ حال ہے ع ترکے گبر مجھے، گبر مسلمان مجھکو، اسلیے دونون جماعتون نے خیر مقدم کیا، یہان دونون جماعتون کے الگ الگ مدرسے ہین، مولانا عبدالعزیز صاحب نبراس الساری کے مؤلف یہان کے جامع حنفی کے امام اور مدرسہ کے صدر المدرسین ہین، مولانا سے ملکر طبیعت محظوظ ہوئی، اہل حدیث جماعت کی مجلس اور اس کا نظام امارت بھی بہت پسند آیا، کاش تمام ملک کے اہل حدیث یہان کے غیر مقلدین کی "تقلید" کر سکتے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ

(۲)

خیار

تصحیح:- پہلے نمبر کے صفحہ ۲۰۹، سطر ۲ مین "صرف باپ اور دادا" کے بجائے "صرف دادا" اور اسی صفحہ کی سطر ۱۱ مین "اولیاء" کی جگہ "عام اولیاء"

گذشتہ مجلس مین یہ ذکر تھا کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق امام مالکؒ کے نزدیک صرف باپ کو حاصل ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک صرف باپ اور دادا کو ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درجہ بدرجہ تمام اولیاء کو ہے، امام مالکؒ کے نزدیک باپ کے علاوہ اگر کوئی اور نکاح کر دیگا تو خواہ اس کا باپ زندہ ہو یا نہ ہو بہرحال نکاح جائز نہ ہوگا، امام شافعیؒ نے باپ ہی پر دادا کو قیاس کرکے یہ کہا ہے کہ باپ کے نہونے کی صورت مین دادا باپ کا قائم مقام ہوگا، انکے علاوہ کوئی اور نہین کر سکتا اگر کر دیگا تو منعقد نہوگا، امام ابوحنیفہ کے نزدیک باپ تو کر ہی سکتا ہے، اور باپ نہ ہو تو قرابت کے مدارج کے لحاظ سے ہر جائز ولی اپنے اذن سے اس کا نکاح کرا سکتا ہے، لیکن عام اولیا اگر نکاح کرا دین تو بلوغ کے وقت اس کو اپنے نکاح کے فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا،

لیکن اگر اس نابالغ یا نابالغہ کا نکاح باپ نے کر دیا ہے تو عموماً فقہاء اور مجتہدین کے نزدیک کسی وقت اس کے فسخ کرنے کا اس کو اختیار نہ ہوگا، اور بلوغ کے وقت بھی وہ نکاح لازم ہوگا، اور اس مین کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا، اور اولاد باپ کے فیصلہ کی ہر طرح پابند ہو جائیگی، تابعین مین ابن شبرمہؒ[۱] اور عام اہل حدیث اس بات

---

[۱] ابن شبرمہ کی طرف کسی نے یہ نسبت کی ہے کہ ان کے نزدیک نابالغہ کا نکاح ہی درست نہین ہے، اور بعض نے ان کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ جائز کہتے ہین لیکن یہ کہتے ہین کہ بلوغ کے وقت اسکی منظوری یا نامنظوری کا کامل اس کو اختیار ہے خواہ باپ نے نکاح پڑھایا ہو یا اور کسی نے (مغنی جلد ۹ ص ۴۱۹)

کے قائل ہین کہ باپ نے بھی نکاح پڑھایا ہو تو بھی بلوغ کے وقت ان کو اس کے منظور یا نامنظور کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اور ان کا یہ حق کوئی بھی نکاح کر دے کبھی چھن نہین سکتا،

اس بحث مین چار باتین تصفیہ کے قابل ہین،

۱۔کیا باپ کیلئے اپنی اولاد کا نابالغی مین نکاح کر دینا درست نہین؟

۲۔کیا باپ نہ ہو تو دوسرے اولیاء کو نابالغون کے نکاح کا اختیار ہے؟

۳۔کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیون کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

۴۔کیا باپ اگر اپنی کسی نابالغ اولاد کا نکاح کر دے، تو پھر بلوغ کے وقت ان کو فسخ کا اختیار نہین رہتا؟

۵۔کیا فسخ کے لیے بلوغ شرط ہے؟

کیا باپ کیلئے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر دینا درست نہین اس مین شک نہین کہ نکاح کے اصلی مقاصد، نابالغی کی حالت مین سرا سر معدوم ہین اسی بنا پر اصول طبعی کا اقتضا تو یہی ہے کہ اس حالت مین نکاح جائز نہ ہو، لیکن اس اصول طبعی پر بالا دست اخلاقی اصول ہین، والدین بعض حالات مین مجبور ہوتے ہین کہ اولاد ہی کے آئندہ تحفظ کے لیے وہ نابالغی ہی مین ان کا نکاح کر دین کہ شاید ان کی عمر وفا نہ کرے، اور یہ فرض باقی رہ جائے بعض اور صورتین بھی ایسی پیش آتی ہین، جن کی وجہ سے اپنے سامنے وہ اس فرض کو ادا کر دینا چاہتے ہین اور اس لیے نابالغی کی حالت مین ان کا نکاح کر دینا مناسب سمجھتے ہین، اس بنا پر یہ خلاقی اور جذباتی اصول طبعی اصول کی مخالفت پر کبھی مجبور کرتے ہین، اور انھین وجوہ سے، شریعت نابالغی کے نکاح کی اجازت دیتی ہے، الغرض نکاح کے طبعی اقتضا کے علاوہ نابالغ اولادون کی دوسری مصلحتین بھی ایسی ہین جو اسکے جواز کی مقتضی ہین،

یہ جواز قرآن پاک سے بھی ثابت ہے، احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، صحابہ کے آثار اور عمل بھی اسکی تائید مین ملتے ہین، حضرت عائشہؓ کا نکاح، حضرت علیؓ کی نابالغ لڑکی کا حضرت عمرؓ سے نکاح، اور دوسرے صحابہ کا اپنی نابالغ لڑکیون کا نکاح کرنا آثار و سیر سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک مین نابالغ لڑکیون

کہ نکاح و طلاق کے احکام ذکر کیے ہین، اگر ایسا نکاح جائز نہ ہوتا تو یہ احکام بیان نہ ہوتے، اسی بناپر بالاتفاق تمام صحابہ، ائمہ مجتہدین اور فقہائے امصار نے باپ کا یہ حق سمجھا ہے کہ وہ اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر سکے، اور تقریبًا اس کے جواز پر اجماع عام ہے، جیسا کہ ابن عبد البر نے استذکار مین لکھا ہے، اور تمام علمائے احناف اور شوافع نے اس اجماع کا ذکر کیا ہے،

جہان تک معلوم ہے پہلے علما مین صرف دو صاحبون نے نابالغی کی حالت مین نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا ہے، ایک ابن شبرمہ تابعی ہین، اور دوسرے قاضی ابوبکر اصم ہین،

ان مین سے ابن شبرمہ کی نسبت مشکوک ہے کہ انھون نے کیا کہا، آیا یہ کہا کہ سرے سے نابالغون کا نکاح درست نہین، یا یہ کہا کہ نکاح تو درست ہوگا، مگر بلوغ کے بعد اسکی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہیگا، چنانچہ قاضی ابن عبد البر اور امام طحاوی نے ان سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے[۱]،

اس لیے باپ کا اپنی اولاد کا نکاح ان کی نابالغی کی حالت مین کر دینا درست ہے، اور اس مین کسی صحابی یا امام مجتہد کا کوئی اختلاف نہین، اور نہ اس مین اختلاف ہے کہ نابالغ خود اپنے اختیار سے ولایت کے بغیر نکاح نہین کر سکتے،

کیا باپ کے ہوتے دوسرے اولیا کو نابالغون کے نکاح کا اختیار ہے؟ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی، اور زندگی مین کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہین، اور اگر کوئی دوسرا کر دے تو وہ درست نہوگا، لیکن اگر باپ زندہ نہ ہو اور لڑکے نابالغ ہون تو ان یتیمون کا نکاح کوئی ولی اپنی مرضی سے اگر کر دے تو جائز ہوگا یا نہین؟ اس مسئلہ مین علمائے تابعین اور ائمہ مجتہدین کے تین فریق ہین[۲]،

۱- اگر یتیم لڑکی (اور لڑکے بھی) کا نکاح نابالغی مین کر دیا جائے تو نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، بلوغ کے بعد اسکو اختیار ہوگا، چاہے اسکو قبول کرے، اور چاہے اسکو رد کر دے، یہ مسلک (امام ابو حنیفہ، اور) بعض تابعین اور دیگر علمائے سلف کا ہے،

---

[۱] عینی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۱ اور الجوہر النقی (ابن الترکمانی) جلد ۲ صفحہ ۱، ۔ [۲] جامع ترمذی باب ما جاء فی اکراہ الیتیمۃ علی التزویج

۲- یتیم کا نکاح نابالغی مین کرنے کا کسی کو حق نہین، اگر کوئی کردے تو وہ جائز نہ ہوگا، جب تک وہ خود بالغ نہ ہوجائے، یہ سفیان ثوری اور امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے،

۳- یتیم لڑکی کا سن اگر نو برس (جو بلوغ کی کم سے کم مدت ہے) سے کم ہے تو جائز نہ ہوگا، اور اگر نو برس یہ اس سے زیادہ ہے، تو وہ اگر اپنی رضامندی ظاہر کرے تو جائز ہے اور علامت بلوغ ظاہر ہونے کے بعد پھر اسکو اختیار باقی نہ رہیگا،

دوسرے اور تیسرے مسلک مین کوئی فرق نہین، دونون کے نزدیک حالت نابالغی مین ناجائز ہوگا، اور بلوغ کے بعد اسکی رضامندی ہی سے نکاح ہوسکتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دوسرے قول کی بنا پر رضامندی کے لیے اس کے واقعی بلوغ کی ضرورت ہے، اور تیسرے قول کے مطابق اسکی رضامندی کے قابل قبول ہونے کے لیے اس کا قانونی بلوغ جو کم از کم نو سال ہے، کافی ہے،

نو سال کی تحدید حضرت عائشہؓ کی رائے کی بنا پر ہے کہ جب لڑکی نو سال کی ہوجائے تو وہ عورت ہے، کیونکہ وہ نو ہی برس کی عمر مین آنحضرت صلعم کے گھر رخصت ہوکر آئی تھین مگر یہ درحقیقت شخصی واقعہ کو عام بنا دینا ہے، اگر ایک لڑکی اس عمر مین سن تمیز کو پہنچ جائے تو یہ قاعدہ عمومی نہین قرار دیا جا سکتا ہے، اس واقعہ کا نتیجہ صرف اس قدر ہوگا کہ اگر کوئی نو برس کی لڑکی بلوغ کا دعوی کرے، تو اسکی تکذیب نہین کیجا سکتی کہ طبعًا ایسا ممکن ہے،

ان اختلافات کی بنیاد یہ ہے کہ "یتیم" کا لفظ اصل لغت مین اس نابالغ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جسکا باپ مرگیا ہو، مگر روزمرہ کے بول چال مین نوجوان اور نوخیز بالغون کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے، اسلیے ہر فریق اوس آیت یا حدیث مین جو اس کے مسلک کے خلاف ہے، کبھی یہ معنی اور کبھی وہ معنی لے لیتا ہے، مثلاً حسب ذیل آیتون سے ائمۂ احناف نابالغ یتیمون کے نکاح کا جواز ثابت کرتے ہین،

۱- وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (نساء ۱)	اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارہ مین تم انصاف نہ کر سکوگے، تو ان کے سوا اور عورتون سے جو تم کو پسند ہو نکاح کرلو
۲- وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ	اور جو تم کو قرآن مین ان یتیم عورتون کے بارے مین حکم

اللّٰتِی لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (نساء، ۱۹)

دیا گیا ہے جنکو تم نہیں دینا چاہتے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو اور نابالغ لڑکون کی نسبت بھی تم پوچھتے ہو تو یتیمون کیساتھ انصاف کرو،

احناف جو اس بات کے قائل ہین کہ اولیاء یتیمون کا نکاح کر سکتے ہین، وہ ان آیتون سے استدلال کرتے ہین کہ اس مین یتیمون کے ساتھ انصاف کرنے اور یتیم لڑکیون کے پورا حقِ مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نفس نکاح کو منع نہین کیا گیا ہے، شوافع، مالکیہ اور دیگر علمائے مدینہ کہتے ہین کہ ان آیتون مین جن یتیمون کے نکاح کی اجازت ثابت ہوتی ہے، ان سے بالغ مراد ہین، کیونکہ پہلی آیت مین یہ کہا گیا ہے کہ اُن یتیمون کو چھوڑ کر دوسری عورتون سے شادی کرلو، عورت کا اطلاق جوان لڑکی پر ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ جن یتیمون کی جگہ پر دوسری عورتون سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے، وہ بھی یتیم ہی عورتین، یعنی صاحب تمیز اور بالغ لڑکیان ہونگی، اور دوسری آیت مین تو صاف یہ کہا گیا کہ یتامی النساء یعنی عورتون مین سے یتیم (یا یتیم عورتین) اور عورت (نساء) کا اطلاق بالغ ہی لڑکی پر ہوگا، اور ان پر یتیم کا اطلاق عام بول چال کے مطابق کیا گیا ہے، جو کمسن بالغون کو بھی کہا جاتا ہے،

احناف کہتے ہین کہ اول تو یتیم لغت مین نابالغ ہی کے لیے بولا جاتا ہے، پھر آیت مین ایسا قرینہ موجود ہے جس سے نابالغی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی تفسیر کے مطابق ان آیتون سے جنمین بے انصافی کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ اولیاء بوجہ اپنے اختیار ولایت کے ان یتیمون کو مہر کم کرکے دینا چاہتے ہین، اور یہ اختیار ان کے ہاتھ مین اسی وقت ہے جب وہ خود ہی دینے والے اور ولی ہونے کی حیثیت سے خود ہی قبول کرنے والے ہون، تو جو چاہین وہ مہر باندھ لین، لڑکی کو نابالغی کے باعث کوئی اختیار نہ ہوگا، اگر ان کو بالغ فرض کیا جائے تو تعینِ مہر کا ان کو اختیار ہی نہ رہیگا جو وہ اپنے حسب مرضی کم مہر مقرر کرسکین، بالغ لڑکی تو خود انکار کردیگی، اسلیے یہ نابالغون ہی کے متعلق حکم ہوسکتا ہے،

مخالفین نے جو یہ کہا ہے کہ عورت (النساء) کا اطلاق صرف بالغہ پر ہوتا ہے یہ لغت کے اعتبار سے

صحیح ہے، مگر فقہ و قانون کی زبان مین اس کا اطلاق نابالغ لڑکیون پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ وراثت کی آیت مین ہے کہ

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ (نساء ۲۴) — اور اگر وہ وارث بھائی بہنین ہون، مرد اور عورت، تو مرد کو دو عورتون کے برابر حصہ ملے گا

توکیا یہ سمجھا جائے کہ یہان نساء سے صرف بالغ عورتین مراد ہین، اور نابالغ لڑکیون کا اپنے باپ کے ترکہ مین کوئی حصہ نہین، حالانکہ یہ سب کے نزدیک قطعاً غلط ہے

قرآن پاک کے بعد احادیث کا درجہ ہے، چارون سنن مین یہ حدیث صحیح موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

اليتيمة تستامر في نفسها فان صمتت فهو اذنها، وان ابت فلا جواز عليها (ابوداؤد و نسائی و دارقطنی و ترمذی و حاکم) — یتیم لڑکی سے اوس کی ذات کی نسبت اجازت لیجائے، اگر وہ خاموش رہے (یعنی شرم کے باعث) تو یہ اسکی اجازت ہے اور اگر انکار کر دے تو پھر اس پر کوئی زور نہین،

مستدرک حاکم مین یہ الفاظ ہین،

وان ابت فلا کرہ علیھا (بشرط مسلم) — اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر اس پر زبردستی نہین،

نابالغ یتیمہ کا نکاح جو جائز نہین سمجھتے وہ کہتے ہین کہ اس حدیث مین یہ حکم ہے کہ یتیمہ کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہین ہو سکتا، اور ظاہر ہے کہ نابالغہ کی اجازت اور رضامندی کوئی معنی نہین رکھتی اگر وہ بے سمجھ ہے، اور اسی لیے اس کے دیگر معاملات کے لیے ولایت کی ضرورت ہوتی ہے، اس بنا پر اس حدیث کا صریح مطلب یہ ہے کہ یتیمہ اگر بالغہ ہے تو وہ خود اپنی اجازت سے نکاح کرے گی، اور اگر نابالغہ ہے تو اس وقت تک اوس کے نکاح کے لیے انتظار کیا جائے گا جب تک وہ بالغ ہو کر اجازت دینے اور رضامندی ظاہر کرنے کے لائق نہ ہو جائے،

احناف کہتے ہین کہ یہ حکم صرف بالغہ یتیمہ سے متعلق ہے، اور اگر بالغہ اور نابالغہ دونون سے بھی متعلق ہو تو اس کے معنی یہ ہین کہ جو لڑکی بلوغ کے سبب سے اس قابل ہے کہ وہ رضامندی یا نارضامندی ظاہر کر کے اسکو جائز و ناجائز کر دے وہ اسی وقت کر دیگی، لیکن جو نابالغہ ہے، اس کا نکاح رائے کے اظہار کی قابلیت یعنی بلوغ تک

موقوف رہیگا، بالغ ہوکر وہ اپنی رضامندی اور اجازت ظاہر کرکے اس کو قبول کرلے یا انکار کرکے نکاح فسخ کرا دے، اس بنا پر احناف کہتے ہیں کہ ان کا مسلک اس حدیث کے بھی خلاف نہیں ہے،

ایک اور حدیث، جس میں رسالت مآب صلعم کے عہد کا ایک واقعہ مذکور ہے، اس واقعہ کا ذکر پہلے نمبر میں آچکا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت قدامہ بن مظعون رضؓ نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کر دیا، لڑکی نے کسی وجہ سے اسکو پسند نہیں کیا، اور دربار رسالت میں جاکر فریادی ہوئی، چچا نے کہا یارسول اللہ بھائی نے وصیۃً اس لڑکی کو میرے سپرد کیا ہے، اور میں نے دیکھ بھال کر یہ شادی کی، اوسکی ماں محض مال کے لالچ سے اس کو انکار پر آمادہ کرکے دوسرے سے بیاہ دینا چاہتی ہے، آپ نے فرمایا جو کچھ ہو،

ھی یتیمۃ، لاتنکح الاباذنھا (دارقطنی واحمد بسند صحیح) وہ یتیم لڑکی ہے اسکا نکاح اوسکی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا،

شوافع اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نابالغ یتیم کا نکاح جائز نہیں تاوقتیکہ وہ بالغ ہوکر اجازت دینے کے قابل نہ ہوجائے، احناف کہتے ہیں کہ وہ لڑکی بالغ تھی، اسلیے آپ نے اوسکو خود مختار قرار دیا (جوہر النقی ج ۲ ص ۹)، یا یہ مطلب ہے کہ نکاح کے بعد جب وہ بالغ ہوگئی، تب آپ نے اسکو یہ اختیار دیا، (سرخسی ج ۴ ص ۲۱۵)

احناف کی تائید میں دوسری دلیل صحابہ اور تابعین کا طرزِ عمل ہے کہ انھوں نے نابالغ یتیم لڑکون اور لڑکیون کی اپنی ولایت میں شادی کی ہے، اس سلسلہ میں بڑے بڑے صحابہ اور تابعین کے نام لیے جاتے ہیں، چنانچہ ابوبکر رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ نے اپنی کتاب احکام القرآن میں حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ام المومنین ام سلمہؓ کے اسمائے گرامی صحابہ میں، اور حسن بصریؒ، طاؤسؒ اور عطاؒ کے نام تابعین میں گنائے ہیں[۱]،

ابن عبدالبر مالکی نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے لڑکے سے کر دیا تھا، اور لکھا ہے کہ یہی مذہب ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، حسن بصریؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، قتادہؒ، ابن شبرمہ (؟)، اور اوزاعی کا ہے[۲]، ترمذی کتاب النکاح میں ہے کہ بعض تابعین کا اور ان کے علاوہ اوروں کا یہی قول ہے[۳]، حافظ ابن القیم جیسے ناظر فدار نے بھی

[۱] احکام القرآن رازی جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ قسطنطنیہ [۲] جوہر النقی ابن ترکمانی جلد دوم صفحہ ۱، حیدرآباد [۳] جامع ترمذی کتاب النکاح

اسکی تائید کی ہے، اور امام سرخسی نے مبسوط میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ و ابوہریرہؓ کے آثار کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے اپنی نابالغ یتیم چچازاد بہن سیدنا حضرت حمزہؓ کی لڑکی (امامہؓ) کا نکاح ابن ابی سلمہؓ سے کیا تھا،

لیکن یہین سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یتیم لڑکی اگرچہ وہ نابالغ ہی کیون نہ ہو، نکاح کی اجازت دینے سے یا نکاح کے قبول کرنے سے انکار کرے تو کسی ولی کو بہ زبردستی کرنے کا حق نہیں پہنچتا، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ بلوغ کی علامت خاص ظاہر ہونے تک خاموش بیٹھی رہے اور اس علامت کے ظاہر ہونے کے بعد وہ نکاح فسخ کرسکتی ہے، اور اس سے پہلے وہ ولی کے ہاتھ مین مجبور محض ہے، آیات، احادیث اور آثار سے جو کچھ ثابت ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اولیاء نے یتیم لڑکیون کی شادیان کردین، اس سے اتنا ثابت ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے، ایسلئے کہ ان لڑکیون نے کوئی مخالفت نہ کی، اور ان کے فیصلون کو اپنی رضامندی سے بسر وچشم قبول کرلیا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ اس وقت ہوش اور تمیز رکھتی ہین، گو وہ بالغ نہ ہون، اور وہ اسی وقت اوسکے تسلیم کرنے سے انکار کردین، یا ہوش وتمیز آنے کے بعد انکار کردین تو کیا یہ ان کا انکار قانوناً اس وقت تک تسلیم نہ ہوگا، جب تک وہ "باقاعدہ" بالغ نہ ہوجاین،

متعدد احادیث اور آثار سے اس کے خلاف ثابت ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقرار و انکار کے لیے بلوغ کی شرط نہین، بلکہ اس کے لیے صرف ہوش وتمیز کافی ہے، (تفصیل آگے آئیگی) اور نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ زبانی یا عملی، یا دریافت کرنے پر خاموشی کے اظہار سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے یا انکار نہ کردے، حضرت عثمان بن مظعونؓ کی کمسن لڑکی (جاریہ) کا واقعہ اس کا ثبوت ہے، کہ ان کے چچا نے لڑکی کی رائے دریافت کئے بغیر اس کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کردیا، لڑکی نے ماں کے کہنے سے اسکے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور جب یہ مقدمہ دربار رسالت مین پیش ہوا، تو چچا کے یہ کہنے کے باوجود کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کی ہے، آنحضرت صلعم نے لڑکی کے حق مین فیصلہ کیا، اور فرمایا کہ یہ بن باپ کی لڑکی ہے، اس کا نکاح

---

[1] زاد المعاد ابن قیم، جلد دوم صفحہ ۲۰۹ مصر، [2] مبسوط سرخسی جلد ۴ صفحہ ۲۱۲،

اسی کی اجازت سے ہوسکتا ہے، یہ حدیث مسند احمدؒ، دارقطنی، ابن ماجہ اور حاکم مین ہے، یہ الفاظ دارقطنی کے ہین اور تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر کے ساتھ مختلف سندون سے اسکی روایت کی ہے،

اس واقعہ سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دوسرے اولیا، اگر کسی یتیم کا نکاح پڑھا دین تو وہ جائز ہوگا، کیونکہ آپنے حضرت قدامہؓ کو یہ نہین فرمایا کہ تم کو اسکا حق نہ تھا اور یہ نکاح باطل ہے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہین جیسا کہ احادیث مین ہے کہ وہ میری ملکیت ہو جانے کے بعد مجھ سے چھین لیگئی، وانتزعت منی واللہ بعد ان ملکتہا، اور حاکم مین بشرط صحیحین ہے کہ آپنے ابن عمرؓ کو اسکے چھوڑنے (مفارقت) کا حکم دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح فی نفسہ جائز ہوا، دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے، کہ یہ نکاح گو جائز ہوگا، مگر موقوف رہیگا، یعنی اسکا نفاذ لڑکی کی رضامندی یا نا رضامندی پر موقوف رہیگا، اگر اس نے علم اور ہوش کے بعد اسکو زبانی یا عملی طور سے قبول کرلیا تو نافذ ہوگا، اگر قبول کیا اور انکار کردیا تو فسخ ہو جائیگا،

دوسری حدیث سے بھی، جو سنن کی اکثر کتابون مین ہے، یہی بات صراحۃً ثابت ہوتی ہے، آپنے فرمایا،

عن ابی موسی سمع النبی صلعم یقول تستامر الیتیمۃ فی نفسہا فان سکتت فھو رضاھا وان کرھت فلا کرہ علیہا (حاکم بشرط بخاری و مسلم و دارقطنی)

ابو موسیٰ کہتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ یتیم لڑکی سے اوسکی ذات کے بارہ مین دریافت کیا جائیگا اگر وہ خاموش رہے تو یہ اوسکی رضامندی ہے، اور اگر انکار کرے تو اس پر جبر نہین،

یہ حدیث اپنی سند کی صحت کے لحاظ سے بخاری اور مسلم کی حدیثون کے برابر ہے، دوسری حدیث اسی معنی کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم الیتیمۃ تستامر فی نفسہا فان صمتت فھو اذنہا

ابو ہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی سے اسکی ذات کے بارہ مین اسکی مرضی دریافت کیجائے گی اگر

وان ابت فلا جواز علیھا (ترمذی وابوداؤد وغیرہ) — وہ چپ رہی تو یہ اسکی اجازت ہے، اور اگر انکار کیا تو پھر جبر نہین

نسائی مین ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ

ان النبی صلعم قال والیتیمۃ تستامر فصمتھا اقرارھا، — رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی کی مرضی دریافت کیجائے گی، تو اسکی خاموشی اسکا اقرار ہے۔

یہ مسئلہ کہ اسکو اپنی رضامندی اور نارضامندی کا کب اور کیونکر اظہار کرنا چاہیے اس کا بیان آگے آتا ہے

کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیون کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

اس مسئلہ مین احناف اور شوافع کا اختلاف ہے،

امام شافعیؒ کے نزدیک جس عورت کا نکاح ایک دفعہ ہو چکا ہے، وہ خود مختار ہے اور اپنی رضامندی سے وہ جہان چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، باپ کو اس مین کوئی دخل نہ ہوگا، لیکن جبتک وہ کنواری ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ ہو، اسکو اپنی ذات کا کوئی اختیار نہین، وہ باپ کے اختیار مین ہے جہان چاہے وہ اس کا نکاح کردے، بشرطیکہ وہ غیر کفو مین نہ کردے، یا دین مہر کم نہ قبول کرلے، اگر ایسی کوئی بات ہے، تو ان باتون کی وجہ سے وہ فسخ کا دعویٰ کر سکتی ہے، ورنہ وہ اس معاملہ مین مطلق بے اختیار اور ناچار ہے اور اپنی نارضامندی اور ناپسندیدگی کے باوجود وہ باپ کے فیصلہ کے سامنے سر اطاعت خم کردینے پر مجبور رہے،

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بالغہ عورت کو خواہ وہ کنواری ہو یا اس کا پہلے بیاہ ہو چکا ہو، دونون صورتون مین خود مختار تسلیم کیا ہے اور باپ کا کوئی حق نہین سمجھا ہے، کہ وہ بالغہ عورت پر جبر کر سکے، اور اسکی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کہین کر سکے، ان دونون امامون کی فقہ کے درمیان اصلی فرق یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک لڑکی کی بے اختیاری کی وجہ اسکی کمسنی، اور عدم بلوغ ہے، اور امام شافعی کے نزدیک کنوارپن ہے، اسلیے امام اعظم کے نزدیک جب لڑکی بالغ ہو جائے گی تو اس کو اپنے معاملہ کا اختیار اور حق حاصل ہو جائے گا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک جب تک اس کا کنوارپن دور نہ ہوگا اسکو اپنی ذات کا اختیار اور حق حاصل نہ ہوگا،

حق یہ ہے کہ اس مسئلہ مین حق امام اعظم کیساتھ ہے، یہی اکابر تابعین کا مسلک ہے، اور قرآن پاک اور احادیث

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اور عرفِ عام سے ثابت ہے، یہان تک کہ حافظ ابن قیم نے بھی باوجود آزادیِ تقلید بڑے زور شور سے زاد المعاد میں اسکی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہین،

"یہی جمہور سلف کا قول، اور امام ابو حنیفہ اور ایک روایت مین امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے، اور یہی وہ قول ہے جس مین ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہین، اور اس کے خلاف کے ہم معتقد نہین اور یہی بات رسول اللہ صلعم کے فیصلہ و حکم اور ممانعت، اور آپکی شریعت کے قواعد، اور امت کے مصالح کے مطابق ہے، آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے کنواری لڑکی کو جو باپ کے نکاح کر دینے سے خوش نہ تھی، اختیار دیا کہ وہ چاہے نکاح باقی رکھے یا توڑ دے،...... آپ کا حکم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کنواری عورت کی اجازت حاصل کر لیجائے، اور یہ تاکیدی صیغہ ہے جو وجوب کے لیے آتا ہے، جب تک اس کے خلاف قرینہ سے یہ نہ ثابت ہو جائے کہ یہان وجوب مراد نہین ہے، اور یہان کوئی قرینہ ایسا نہین ہے، آپکی ممانعت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اسکی اجازت نہ لے لی جائے قواعد شریعت کی مطابقت یہ ہے کہ عاقل، بالغ، سمجھدار کنواری لڑکی کی کسی ملکیت مین باپ کو اسکی رضامندی کے بغیر تصرف کا کوئی حق حاصل نہین ہے اور کوئی معمولی سی چیز بھی وہ بغیر اس سے نہین لے سکتا، پھر یہ کیونکر ممکن ہو کہ اس کے جسم کو وہ اسکی رضامندی اور پسند کے بغیر زبردستی کسی کے حوالے کر دے، حالانکہ وہ اسکو سخت ناپسند کرتی ہو، اور اس سے اسکو سخت نفرت ہو، اور وہ اسکی قیدی قرار دی جائے،...... امت کی مصلحتون کے مطابق اسلیے ہے کہ لڑکی اپنے اختیار اور پسند سے جو نکاح کرتی ہے، اور اس سے نکاح کے جو مقاصد حاصل ہوتے ہین وہ مخفی نہین ہین، اگر سنت صحیحہ کا یہ فیصلہ موجود بھی نہ ہوتا تو بھی قیاس صحیح اور شریعت کے قواعد کا یہی فیصلہ ہوتا[1]"

امام شافعی نے کتاب[2] الام مین اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ انھون نے کنواری لڑکیون

[1] زاد المعاد حکمہ صلعم فی الثیب والبکر ج ۲ ص ۲۰۰، مصر [2] کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۵۰

کی اجازت اور باپ کے مقابلہ مین ان کی ترجیح حق کی کوئی حدیث نقل نہین کی، و صرف ایک حدیث کے اشارہ (مفہوم شرط) سے یہ ثبوت بہم پہنچانا چاہا ہے کہ کنواری لڑکی کو اپنی نسبت آپ فیصلہ کا حق حاصل نہین، اور باپ کو اس پر کلی اختیار حاصل ہے، اور وہ حدیث یہ کہ الثیب احق بنفسہا من ولیہا یعنی "جس عورت کا ایک دفعہ بیاہ ہو چکا وہ ولی سے زیادہ اپنے اوپر اختیار رکھتی ہے"، اس سے یہ معلوم ہوا کہ کنواری لڑکی پر اس سے زیادہ اس کے ولی کو جابرانہ حق حاصل ہے، لیکن یہ پوری حدیث یون ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستأمر ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری عورت سے اسکی اجازت لیجائے واذنہا سکوتہا (صحیح مسلم)

" " " " اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے،

امام ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر[1] مین لکھا ہے، کہ "اول تو نص کے ہوتے ہوئے جسمین کنواری عورت کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت ہے، مفہوم شرط کو لینا، کہ چونکہ ایک دفعہ کی بیاہی کو خود مختار بنایا گیا ہے، اسلیے کنواری خود مختار نہین ہے، صحیح نہین ہے، دوسرے یہ کہ اگر کنواری لڑکی کی مرضی کا کوئی اعتبار نہین ہے، تو باپ کو اسکی رضامندی دریافت کرنے کا حکم کیون دیا گیا، اور اسکی رضامندی اور نارضامندی کا جب کوئی اثر نہین، تو پھر اس دریافت و تحقیق اور پرسش کی ضرورت کیا ہے"، امام شافعی کہتے ہین کہ یہ دریافت و پرسش محض لڑکی کی خوشی کے لیے استحباباً ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جب اس لڑکی کو معلوم ہے کہ اس پرسش کا اس کے حق مین کوئی فائدہ نہین ہے تو اس کو کیا خوشی ہو سکتی ہے، پھر اس حدیث کا کیا جواب دیا جائے گا جس مین یہ الفاظ ہین کہ کنواری لڑکی کا اسکی مرضی دریافت کئے بغیر نکاح نہ کیا جائے" اور آنحضرت صلعم کے ان فیصلون کا کیا جواب ہوگا جنمین آپ نے کنواری لڑکیون کو باپ کے مقابلہ مین، حق ترجیح عنایت کیا، اور ان کی ناپسندیدگی پر نکاح کو رد کر دیا ہے بلکہ امام شافعی کی کتاب الام مین اس قسم کی کسی حدیث کا اس موقع پر تذکرہ نہین ملتا، قیاسات مذکور ہین جنمین اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر لڑکی کی مرضی دریافت کرنے کا کوئی ثمرہ نہین ہے تو اس سے پوچھنے کی کیا

[1] فتح القدیر ابن ہمام جلد ۲

ثابت ہے؟ جواب یہ دیا ہے کہ دریافت اور مشورہ کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس کو قبول بھی کر لیا جائے،

آنحضرت صلعم کو امیتون سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مگر ان کے مشورہ کے تسلیم کر لینے پر مجبور

کو مجبور نہیں کیا گیا ہے، بلکہ خود امت کو رسول کے فیصلہ کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہے، اور فرمایا،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء)

نہیں، قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ وہ مومن نہ ہونگے جب تک کہ آپس کے اختلافات مین وہ آپکو حکم نہ بنائین پھر جو آپ فیصلہ کرین اس سے اپنے دل مین تنگی نہ پائین، اور پوری طرح اسکو تسلیم نہ کرلین

گو یہ جواب اس وقت مسلم ہو سکتا ہے، جب اسی طرح کی کسی نص سے اس مسئلہ مین باپ کی اطاعت بھی اسی طرح واجب التعمیل ثابت ہو جائے جیسی کہ رسول کی اطاعت کے اس نص اور دوسرے نصوص کے روسے واجب التسلیم ہے، علاوہ ازین جن امور مین رسول کو مشورہ کے لیے کہا گیا ہے، وہ عام امت (لعم) کے عمومی بلکہ سیاسی مصالح سے متعلق ہین، اور یہان خود اپنی ذات اور شخص کے متعلق بحث ہے، اور ان دونون مین بڑا فرق ہے، بلکہ ذاتی معاملات مین بھی رسول کے فیصلہ کی اطاعت اور تعمیل واجب ہے جیسا کہ خود اس آیت کے شان نزول کے قصہ مین مذکور ہے، مگر باپ کی اطاعت ان امور مین اولاد کا اخلاقی فرض ہے، قانونی نہین جیساکہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمرؓ کو انکی محبوب بیوی کی طلاق کے بارہ مین اپنے والد بزرگوار کی اطاعت کا حکم دیا، اور حضرت ابن عمرؓ نے آپکے ارشاد کے مطابق اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی، اور بیوی کو طلاق دیدی، یہ واقعہ تمام کتب احادیث مین مذکور ہے، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ باپ کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوانے کا قانونی حکم حاصل ہے؟ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہین، غرض اخلاقی اطاعت اور چیز ہے، اور قانونی حق اور بات ہے، لڑکی پر بھی اخلاقاً فرض ہے کہ وہ باپ کی مرضی پر عمل کرے، مگر شریعت کے روسے وہ قانوناً مجبور نہین ہے، اور یہان بحث اخلاقی فرائض سے نہین بلکہ قانونی حقوق سے ہے،

امام شافعیؒ نے آگے فرمایا ہے کہ "اگر آنحضرت صلعم کا یہ مقصود ہوتا کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونوں اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہیں اور دونوں اس میں برابر ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو، تو عبارت یہ نہ ہوتی، کہ ایک دفعہ کی بیاہی کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے اور کنواری سے دریافت کر لیا جائے۔ بلکہ یہ ہوتی کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونوں کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے؛ یا یہ ہوتا کہ نفس بالغ عورت کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے، مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا، اس اختلاف عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت کو جو اختیار حاصل ہے وہ کنواری کو نہیں ہے۔

امام ابن الہمام نے اس کا اچھا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ عرب کا دستور و عرف یہ تھا اور ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت سے لوگ براہ راست پیغام بھیج سکتے تھے، اور بھیجتے تھے، اور بھیجتے ہیں، اور کنواری لڑکیوں کے لیے پیغام ولی کو دیتے تھے اور دیتے ہیں، اسلیے عبارت کا یہ اختلاف ہے، نیز یہ کہ دونوں کی اجازت میں بھی فرق ہے، ایک دفعہ کی بیاہی عورت زبان سے اجازت دیگی، اور کنواری لڑکی عموماً اس قدر بیباک نہیں ہو سکتی اسلیے اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے اور خاموش رہے تو بھی اسکی اجازت سمجھی جائے گی، اس بنا پر بھی آنحضرت صلعم نے دو اسلوب بیان اختیار نہیں فرمایا، اس کے علاوہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وہ الفاظ بھی مذکور ہیں جنمیں کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی کا فرق نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ مطلق "بے شوہر عورت" کے الفاظ آئے ہیں، آپ نے فرمایا،

الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن	بے شوہر کی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی
فی نفسھا، واذنھا صماتھا،	ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

یہ حدیث صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور موطا امام مالک میں بسند صحیح مذکور ہے، اسمیں ایّم، کا لفظ آیا ہے، عربی میں ایّم بے شوہر کی عورت کو کہتے ہیں، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ اور مطلقہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں باتفاق مفسرین اسی معنی میں یہ لفظ آیا ہے، جہاں کہا گیا ہے "انکحوا الایامیٰ منکم" (اپنے میں سے بے شوہر والیوں کا بیاہ کردو)

میری سمجھ میں کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت کی اجازت کے متعلق اس اختلاف بیان کی وجہ یہ ہے،

جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ کنواری عورت میں شرم و حیا زیادہ ہوتی ہے، وہ اپنی نسبت اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی، اسلیے اگر زبانی اقرار اس کے لیے ضروری قرار دیا جاتا تو سخت مشکل پیش آتی، چنانچہ حضرت عائشہؓ وغیرہ نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے، اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت نسبتہً دلیر ہوتی ہے، اور بول سکتی ہے اور بولتی ہے، اس لیے اس کیلئے زبان کا اقرار ضروری قرار دیا گیا، اب اس اختلافِ عبارت پر غور کیجئے، آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اسلیے اسکی طرف سے ولی کو کچھ کہنے کی حاجت نہیں، وہ خود کہہ لے اور وہی خود اپنی زبان سے اجازت دے، اور کنواری عورت چونکہ ایسے موقع پر زبان سے کچھ نہیں بولتی، اسلیے وہ پوچھنے پر خاموش رہے تو اسکی اجازت سمجھی جائے، اور دریافت اور خاموشی کے بعد اس کا ولی اسکی طرف سے نیابت کردیگا، اور اسکی خاموشی کے معنی اسکی رضامندی کے قرار دیگا، اور نکاح ہو جائے گا، اور اگر وہ بھی اپنی زبان سے رضامندی ظاہر کرسکے تو اسکی طرف سے اس نیابت کی بھی کوئی ضرورت نہیں، بہ حال کرنے نہ کرنے کا اختیار خود لڑکی کے ہاتھ میں ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عدی کی روایت سے جو ابن ماجہ میں ہے پوری طرح ہوتی ہے، "الثیب تعرب عن نفسہا والبکر رضاہا صمتہا" "بیاہی خود اظہار مطالب کرے، اور کنواری کی خاموشی رضامندی ہے" پھر امام شافعی جو الفاظ چاہتے ہیں، وہ بھی نسائی اور مستدرک کی حدیثون میں موجود ہے "استامروا النساء عن ابضاعھن" "عورتون سے (یعنی کنواری ہو یا ایکدفعہ کی بیاہی دونون سے یکسان) اون کے جسم کی نسبت دریافت کرلیا کرو" نسائی میں ہے "ولا تنکحوا النساء حتی تستامروھن" "عورتون کا نکاح نہ کرو جب تک ان سے دریافت نہ کرلو" پھر ایک روایت میں حصر کیساتھ بھی حکم موجود ہے کہ "ولا البکر الا باذنھا" "کنواری کا نکاح نہیں ہوسکتا لیکن اوسکی اجازت سے"

کیا اس تفصیل کے بعد اس مسئلہ میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟

اب سوال و جواب سے قطع نظر کرکے، اس بارہ میں جو احکام اور واقعات احادیث میں بیان ہوئے ہین، ان کو بھی سن لیجئے،

احکام | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو احسانات اپنی جنسی بہنون پر ہین، اونکی تفصیل سیرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا
مین بیان ہو چکی ہے، ان مین سے ایک یہ ہے کہ انھون نے آنحضرت صلعم سے انکی نسبت دریافت کیا کہ یارسول اللہ
کمسن لڑکی (جاریہ) کا نکاح اس کے گھر کے لوگ کر دیتے ہین، تو اس مین اوسکی مرضی بھی دریافت کیجائے یا نہین،
فرمایا ہان کیجائے، عرض کی یارسول اللہ وہ تو شرم کرتی ہے، (یعنی شرم کی وجہ سے زبان سے بول نہین سکتی)
فرمایا اوسکی اجازت یہ ہے کہ وہ چپ رہے، صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہین، سألت رسول اللہ صلعم عن الجاریۃ
ینکحھا اھلھا تستأمر ام لا، فقال رسول اللہ صلعم نعم تستأمر، فقالت عائشۃ فقلت لہ
فانھا تستحی فقال رسول اللہ صلعم فذالک اذنھا اذ ھی سکتت (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنھا قال ان تسکت (بخاری ومسلم ونسائی)	بن شوہر کی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جبتک اسکا امر نہ دریافت کر لیا جائے، اور کنواری عورت کا نکاح کیا جائے جبتک اس سے اجازت نہ لیجائے، لوگون نے کہا یارسول اللہ اسکی اجازت کیونکر ہو گی فرمایا اس طرح کہ خاموش رہے،

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہین،

الثیب احق بنفسھا من ولیھا، والبکر تستأمر واذنھا سکوتھا (مسلم)	ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی ہے اور کنواری سے اسکی اجازت لے لیجائے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے،

یہی روایت ان الفاظ مین بھی ہے،

الثیب احق بنفسھا من ولیھا والبکر یستاذنھا ابوھا من نفسھا واذنھا صماتھا (مسلم ونسائی)	ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنی نسبت حق رکھتی ہے، اور کنواری عورت سے اس کا باپ، اوسکی ذات کی نسبت اجازت لے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے،

اس روایت مین ایک خاص لفظ بوھا کا ہے، کہ باپ کو بھی لڑکی سے اذن لینا ضرور ہے، اس سے امام شافعی کی اس رائے کی کہ باپ کو اپنی کنواری لڑکی پر استبدادی حق حاصل ہے، اور اس سے پوچھنا ضروری نہین قطعًا تردید ہو جاتی ہے، شوافع کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ دوسری روایتون مین یہ لفظ نہین آیا ہے اسلئے یہ زیادتی محفوظ نہین، لیکن یہ جواب اسلئے صحیح نہین کہ ثقہ کی زیادت مسلم ہے،

ابوداؤد مین یہی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر الا باذنھا، قالوا وما اذنھا، قال ان تسکت	ایکدفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اوسکی اجازت نہ حاصل ہو جائے، اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے لیکن اسکی اجازت سے، لوگون نے کہا اسکی اجازت کیا ہے،

یہ الفاظ لڑکی کے حق کو پوری وضاحت سے ظاہر کر رہے ہین، جسمین کسی تاویل کی گنجائش نہین، ایک اور طریقہ مین حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن واذنھا الصمات، (ترمذی ونسائی)	ایک دفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہان تک اس کا امر نہ لیا جائے، اور نہ کنواری کا نکاح کیا جائے یہان تک کہ اسکی اجازت نے لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی اسی طرح مختلف الفاظ مین حدیث کی مختلف کتابون مین ہے، وہ کہتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا واذنھا صماتھا، (ترمذی ونسائی وغیرہ)	بے شوہر کی عورت اپنے بارے مین اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے، اور کنواری عورت کی اجازت اسکی خاموشی ہے،

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی صاحبزادی جو اپنے چچا کے کئے ہوئے نکاح سے ناخوش تھین، ان کے معاملہ مین آپنے فرمایا،

لا تنکحوا النساء حتی تستامروھن فاذا سکتن فھو اذنھن (مستدرک حاکم بشرط بخاری و مسلم)
عورتون کا نکاح نہ کرو، جب تک ان سے دریافت نہ کرلو، جب وہ چپ رہین تو یہی ان کی اجازت ہے،

اس روایت مین "مطلق عورت" کا لفظ ہے، جسمین کنواری اور بیاہی کی تفریق نہیں، اور دونون سے اجازت لینے کا یکسان حکم ہے، ممکن ہے کہ اس حدیث مین قرینہ اور طریق اجازت سے یہ اشارہ نکالا جائے کہ یہ کنواریون کی نسبت ارشاد ہوا ہے، مگر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہین، جو ہر تاویل اور بحث سے بالاتر ہین، آپنے فرمایا،

استامروا النساء فی ابضاعھن قیل فان البکر تستحیی و تسکت فقال ھو اذنھا (سنن نسائی)
عورتون کے جسم کی نسبت ان سے اجازت لیو، عرض کیا گیا کہ لڑکی تو شرم کرتی ہے، اور چپ رہتی ہے، فرمایا یہی اسکی اجازت ہے،

اس حدیث مین دیکھو بالکل وہی الفاظ ہین، جنکا امام شافعی ہم سے مطالبہ کرتے تھے، اس مین کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونون کو ایک ہی لفظ سے ادا کرکے، ان سے استمزاج لینے کا یکسان اور برابر کا حکم دیا گیا ہے، صرف ان دونون کی اجازت کی نوعیت مین فرق کیا گیا ہے، اجازت کی نوعیت کا یہ فرق حضرت عدیؓ والی روایت سے جو سنن ابن ماجہ مین ہے، بالکل واضح ہوجاتا ہے، وہ روایت کرتے ہین کہ آپنے فرمایا،

الثیب تعرب عن نفسھا والبکر رضاھا صمتھا (ابن ماجہ)
ایک دفعہ کی بیاہی عورت (یعنی بیوہ اور مطلقہ) خود اپنا اظہار مطلب کرے، اور کنواری لڑکی کی رضامندی کا اظہار اسکی خاموشی سے ہوگا،

اس سے ظاہر ہوا کہ کنواری اور بیوہ و مطلقہ (یعنی جسکا پہلے ایک دفعہ بیاہ ہوچکا ہو) ان دونون کی خود مختاری کے حق مین کوئی فرق نہین ہے، بلکہ صرف رضامندی کے اظہار کی نوعیت مین فرق ہے؟

باقی

مولٰنا حالیؒ
کی
خود نوشت سوانحعمری

ہمارے پچھلے نامور مصنفین مین مولانا حالی کا جو درجہ ہے وہ مخفی نہین، وہ حیات جاوید کے مصنف ہوکر خود حیات جاوید پاچکے ہین، انکی سخنوری، سخن فہمی، نکتہ رسی، اور متانت تحریر اپنا جواب نہین رکھتی، ایسی ہستی اگر کسی دوسری قوم کو حاصل ہوتی، تو اسکی مستقل سوانحعمریون اور اس کے کارنامون کے تبصرون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوتا، مگر ہماری غفلت کی انتہا ہے کہ چند صفحون کے سوا انکے سوانح حیات کا کوئی ورق بھی نہین ملتا، ایسی حالت مین معارف کسقدر خوش قسمت ہے کہ اسکو مولانا حالی کی خود نوشت سوانحعمری کا مسودہ ہاتھ آگیا ہے،

یہ چند صفحون کی تحریر ہے جس مین مولانا نے اپنے کل حالات قلمبند کئے ہین اور اسکو نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کی خدمت مین بھیجا تھا، بلکہ عجب نہین کہ نواب صاحب مرحوم کی فرمائش ہی سے اسکو لکھا ہو، نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کے کاغذات مین یہ مسودہ ملا، اور آج وہ معارف کے صفحات کی زینت بن رہا ہے،

ہم نے چاہا تھا کہ اس کا چربہ اور عکس اتار کر چھاپین، مگر گو اس پر مصنفانہ کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح موجود ہے، تاہم یہ یقین نہین ہے کہ وہ خود مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اور خط بھی ہو، اسلئے اس خیال کو چھوڑ دیا،

اصل تحریر بعینہٖ حسب ذیل ہے،

"معارف"

ترجمہ

الطاف حسین حالی انصاری پانی پتی

میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۸۳۷ء عیسوی مین بمقام قصبہ پانی پت، جو شاہجہان آباد سے جانب شمال ۵۳ میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے، واقع ہوئی۔ اس قصبہ مین کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے، ساتوین صدی ہجری اور تیرھوین صدی عیسوی مین جبکہ غیاث الدین بلبن تخت دہلی پہ متمکن تھا شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد مین سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام، جو علوم متعارفہ مین اپنے معاصرین مین امتیاز رکھتے تھے، ہرات سے ہندوستان مین وارد ہوئے تھے، جنکا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطہ سے حضرت ابوایوب انصاریؓ تک اور ۱۸ واسطہ سے شیخ الاسلام تک اور دس واسطہ سے ملک محمود شاہ انجو ملقب بہ آق خواجہ تک۔ جو غزنوی دور مین فارس و کرمان و عراق عجم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے۔ چونکہ غیاث الدین بلبن اس بات مین نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانون کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علما وشعرا، ودیگر اہل کمال کا حد سے زیادہ قدردان تھا اسلیے اکثر اہل علم اور عالی خاندان لوگ ایران وترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے، اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفرِ ہندوستان پر آمادہ کیا تھا، چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت مین اور معتد بہ اراضی سوادِ قصبہ پانی پت مین بطور مدد معاش کے اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصبِ قضا و صدارت و تشخیصِ نرخ بازار اور تولیتِ مزارات ائمہ جو سوادِ پانی پت مین واقع ہین، اور خطابت عیدین ان سے متعلق کردی، پانی پت مین جو اب تک ایک محلہ انصاریون کا مشہور ہے وہ انھین بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے مین باپ کی طرف سے اسی شاخِ انصار سے علاقہ رکھتا ہون اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی، جو یہان ساداتِ شہداپور کے نام سے مشہور ہین، بیٹی تھین،

اگرچہ خواجہ ملک علی کی اولاد مین سے بعض لوگون نے اوائل سلطنت مغلیہ کے عہد مین اور پھر شاہ اودھ کی سرکار
مین نہایت درجہ کا امتیاز حاصل کیا تھا مگر زیادہ تر لوگ اسی ملک و مدد معاش پر قانع رہے جو سلاطین اسلام کی طرف
سے وقتاً فوقتاً ان کو عطا ہوتی رہی، میرے آبا و اجداد نے جہان تک ان کا حال معلوم ہے بظاہر کوئی خدمت
دربار مین اختیار نہین کی، البتہ پہلے میرے باپ نے سرکار انگریزی کی نوکری سررشتہ پرمٹ مین اختیار کی تھی،
میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہوگیا تھا اور میرے والد نے چالیس برس کی عمر مین
جب کہ مین نو برس کا تھا، انتقال کیا، اس لیے مین نے ہوش سنبھالکر اپنا سرپرست بھائی بہنون کے سوا کسی کو نہین
پایا، انھون نے اول مجھکو قرآن حفظ کرایا، اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق قدرتی طور پر میرے دل مین حد سے زیادہ
تھا، مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہین ملا، ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم جو میر ممنون دہلوی کے بھتیجے
اور داماد بھی تھے، اور بوجہ تعلق زن و شوئی کے پانی پت مین مقیم تھے، وہ فارسی لٹریچر، تاریخ اور طب مین ید طولیٰ
رکھتے تھے، ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابین پڑھین اور انکی صحبت مین فارسی لٹریچر کے ساتھ ایک نوع
کی مناسبت پیدا ہوگئی، پھر عربی کا شوق ہوگیا، انھین دنون مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنؤ سے اجتہاد
کی سند لیکر آئے تھے، ان سے صرف و نحو پڑھی مگر چند روز بعد بھائی اور بہن نے جنکو مین بمنزلہ والدین کے سمجھتا تھا
تاہل پر مجبور کیا، اس وقت میری عمر سترہ برس کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گذارہ تھا، یہ جوا
میرے کندھے پر رکھا گیا، اب بظاہر تعلیم کے دروازے چارون طرف سے مسدود ہوگئے، سب کی یہ خواہش تھی کہ
مین نوکری تلاش کرون، مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا، مین گھر والون سے روپوش
ہوکر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے وہان رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ ابتدائی کتابین منطق کی مولوی نوازش
علی مرحوم سے، جو وہان ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے، پڑھین، اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق
پر تھا مگر جس سوسائٹی مین مین نے نشو و نما پائی تھی وہان علم صرف عربی اور فارسی زبان مین منحصر سمجھا جاتا تھا، انگریزی
تعلیم کا خاصکر قصبہ پانی پت مین اول تو کہین ذکر ہی سننے مین نہین آتا تھا اور اگر اسکی نسبت لوگون کا کچھ

خیال تھا تو صرف اس قدر کہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے نہ یہ کہ اس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے، بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسون کو ہمارے علما مجہلے کہتے تھے، دلی پہنچکر جس مدرسہ میں مجھکو شب و روز رہنا پڑا وہان سب کے سب اور طلبہ کالج کے تعلیم یافتہ لوگون کو محض جاہل سمجھتے تھے خود مجھکو بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گذرتا تھا ڈیڑھ برس دلی مین رہنا ہوا، اس عرصہ مین کبھی کالج کو جا کر آنکھ سے دیکھا تک نہین اور نہ ان لوگون سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا، جو اس وقت کالج مین تعلیم پاتے تھے جیسے مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد اور مولوی ضیاء الدین وغیرہ وغیرہ،

مین نے دلی مین شرح سلم ملاحسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزون اور بزرگون کے جبر سے ناچار مجھکو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا، یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے، دلی سے آکر برس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہین نہین گیا، اور بطور خود اکثر بے پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا رہا، ۱۸۵۶ء مین مجھے ضلع حصار مین ایک قلیل تنخواہ کی اسامی صاحب کلکٹر کے دفتر مین ملگئی، لیکن ۱۸۵۷ء مین جبکہ سپاہ باغی کا فتنہ ہندوستان مین برپا ہوا، اور حصار مین بھی بعض سخت واقعات ظہور مین آئے اور سرکاری عملداری اُٹھ گئی تو مین وہان سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گذرے، اس عرصہ مین پانی پت کے مشہور فضلا مولوی عبد الرحمن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم ان سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ، کبھی حدیث کبھی تفسیر پڑھتا رہا اور جب ان صاحبون مین سے کوئی پانی پت مین نہ ہوتا تھا تو خود بغیر پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا تھا اور خاصکر علم ادب کی کتابین شروح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا، اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کے اصلاح اور مشورہ کے لکھتا تھا مگر اس پر طبیعت کو اطمینان نہ ہوتا تھا، میری عربی اور فارسی تحصیل کا منتہا صرف اسی قدر ہے جسقدر کہ اوپر ذکر کیا گیا،

جس زمانہ مین میرا دلی جانا ہوا تھا میرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کی خدمت مین اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ مین نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا

اور چند فارسی قصیدے انھون نے اپنے دیوان مین سے مجھے پڑھائے بھی تھے، انکی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والون کو فکر شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے مگر مین نے جو ایک آدھ اردو یا فارسی کی غزل لکھکر انکو دکھائی تو انھون نے مجھسے یہ کہا کہ اگرچہ مین کسی کو فکر شعر کی صلاح نہین دیا کرتا لیکن تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کروگے مگر اس زمانہ مین ایک دو غزل سے زیادہ دلی مین رہنے کا اتفاق نہین ہوا،

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گزرے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، حسنِ اتفاق سے نواب مصطفےٰ خان مرحوم رئیسِ دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی مین حسرتی اور اردو مین شیفتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے ان سے شناسائی ہوگئی اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اردو زبان کے شاعر تھے اسکی بہ نسبت ان کا مذاق شاعری بمراتب بلندتر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا، انھون نے ابتدا مین اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خان کو دکھایا تھا مگر ان کے مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے، میرے وہان جانے سے انکا پرانا شعر و سخن کا شوق، جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا تازہ ہوگیا، اور انکی صحبت مین میرا طبیعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا چمک اٹھا، اسی زمانہ مین اردو اور فارسی کی اکثر غزلین نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا، انھین کے ساتھ مین بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا، مگر مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چندان فائدہ نہ ہوا، بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا، وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے، اور حقائق و واقعات کے بیان مین لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتون کو محض حسنِ بیان سے دلفریب بنانا اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے، چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونون متنفر تھے، نواب شیفتہ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک روز میر انیس کا ذکر ہو رہا تھا انھون نے انیس کے مرثیہ کا یہ پہلا مصرعہ پڑھا " آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے " اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا

بھی ایک مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا، ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور ایک خاص قسم کا
مذاق رفتہ رفتہ پیدا ہوگیا،

نواب شیفتہ کی وفات کے بعد مجھکو پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ایک اسامی ملگئی جسمین مجھکو یہ کام کرنا
پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو مین ہوتے تھے انکی اردو عبارت درست کرونکہ مجھے ملی تھی تقریباً چار برس
مین نے یہ کام لاہور مین رہکر کیا، اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہوگئی اور نامعلوم طور پر
آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاصکر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی، لاہور ہی مین کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر
پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین آزاد نے اپنے پرانے ارادہ کو پورا کیا یعنی مئی ۱۸۷۴ء مین ایک
ایسے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جسمین بجائے مصرع طرح کے
کسی مضمون کا عنوان شاعرون کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جسطرح چاہین نظم مین ظاہر کرین میں نے
بھی اسی زمانہ مین چار مثنویان، ایک برسات پر، دوسری امید پر، تیسری رحم و انصاف پر اور چوتھی حب وطن پر لکھین
اس کے بعد مین لاہور سے دہلی مین اینگلو عربک اسکول کی مدرسی پر بدل آیا، یہان آکر مین نے اول
ایک آدھ نظم بطور خود اسی طرز کی جسکی تحریک لاہور مین ہوئی تھی، لکھی، پھر سید احمد خان مرحوم نے ترغیب دلائی
کہ مسلمانون کی موجودہ پستی اور تنزل کا حال اگر نظم مین بیان کیا جائے تو مفید ہوگا، چنانچہ مین نے اول مسدس
مد و جزر اسلام اور اس کے بعد اور نظمین جو چھپ چھپکر بار بار شائع ہوچکی ہین لکھین،

نظم کے سوا نثر اردو مین بھی مین نے چند کتابیں لکھی ہین، سب سے پہلے غالباً ۱۸۶۷ء مین ایک کتاب
تریاق مسموم ایک نیٹو مشنری کی کتاب کے جواب مین جو میرا ہموطن تھا، اور مسلمان سے عیسائی ہوا تھا، لکھی تھی
جسکو اسی زمانہ مین لوگون نے مذہبی میگزینون مین چھاپکر شائع کر دیا تھا، اس کے بعد لاہور مین ایک عربی کتاب کا
جو جیولوجی مین تھی اور فرنچ سے عربی مین کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی، اردو مین ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ
بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا، چنانچہ ڈاکٹر لائٹنر کے زمانہ مین اسکو یونیورسٹی نے چھاپ کر

شائع کر دیا تھا، مگر اول تو وہ اصلی کتاب پچاس ساٹھ برس کی لکھی ہوئی تھی، جبکہ جیولوجی کا علم ابتدائی حالت مین تھا، دوسرے مجھکو اس فن سے محض اجنبیت تھی، اسلئے اصل اور ترجمہ دونون غلطیون سے خالی نہ تھے، لاہور ہی مین ایک کتاب عورتون کی تعلیم کے لیے قصہ کے پیرایہ مین موسوم بہ مجالس النسا لکھی تھی جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار مین مجھے لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپیہ کا انعام دلوایا تھا اور جو اودھ اور پنجاب کے مدارس نسوان مین مدت تک جاری رہی اور شاید اب بھی کہین کہین جاری ہو،

پھر دلی مین سعدی شیرازی کی لائف اور انکی نظم و نثر پر ریویو لکھکر شائع کیا جسکا نام حیات سعدی ہے، اور جس کے دس بارہ اڈیشن اب تک چھپ کر شائع ہو چکے ہین، پھر شاعری پر ایک مبسوط اسٹے لکھکر بطور مقدمہ کے اپنے دیوان کے ساتھ شائع کیا، اس کے بعد میرزا غالب مرحوم کی لائف جسمین انکی فارسی اور اردو نظم و نثر کا انتخاب بھی شامل ہے اور انکی شاعری پر ریویو بھی کیا گیا ہے، یادگار غالب کے نام سے لکھکر شائع کی، اور اب سرسید احمد خان مرحوم کی لائف موسوم بہ حیات جاوید جو تقریباً ہزار صفحہ کی کتاب ہے لکھی جو امید ہے کہ مارچ یا اپریل مین شائع ہو جائے گی، اس کے سوا اور بھی بعض کتابین فارسی گرامر وغیرہ مین لکھی ہین جو چندان ذکر کے قابل نہین ہین، اس کے علاوہ تیس بتیس مضمون بھی مختلف عنوانون پر مین نے اوقات مختلف مین لکھے ہین جو تہذیب الاخلاق، علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دیگر اخبارون یا میگزینون مین شائع ہو رہے ہین،

نیز اردو کے علاوہ فارسی مین کسی قدر زیادہ اور عربی مین کم میری نظم و نثر موجود ہے، جو اب تک شائع نہین ہوئی، جب سے ان دونون زبانون کا رواج ہندوستان مین کم ہونے لگا ہے اس وقت سے انکی طرف توجہ نہین رہی، میری سب سے اخیر فارسی نظم وہ ترکیب بند ہے جو سرسید کی وفات پر مین نے لکھا تھا اور اردو مین سب سے اخیر وہ نظم ہے جو حال ہی مین حضور ملکہ معظمہ ایمپرس وکٹوریا کی وفات پر لکھی ہے، اور جو علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ مین شائع ہوئی ہے،

سنہ ۱۳۰۴ ہجری مین جبکہ مین اینگلو عربک اسکول دہلی مین مدرس تھا نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

مدار المہام سرکار عالی مقام اثنائے سفر علی گڈھ میں علی گڈھ محمڈن کالج کے ملاحظہ کے لیے سر سید احمد خان مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے تھے، اور میں بھی اس وقت علی گڈھ گیا ہوا تھا، نواب صاحب ممدوح نے بصیغۂ امداد مصنفین ایک وظیفہ تعدادی عہ ماہوار کا میرے لیے مقرر فرمایا اور ۱۸۹۶ء میں جب کہ میں سر سید مرحوم کے ہمراہ بشمول دیگر ممبران ڈپوٹیشن ٹرسٹیان محمڈن کالج علی گڈھ حیدرآباد گیا تھا اس وظیفہ میں پچیس روپیہ ہوا کا اضافہ کر کے سو روپیہ سکۂ عالی کا وظیفہ میرے لیے مقرر کر دیا، جو اب تک مجھکو ماہ بماہ سرکار عالی سے ملتا ہے اور اسی وقت سے میں نے انجمن اسکول کا تعلق قطع کر دیا ہے،

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

(۲)

از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی مہاودیالیہ احمد آباد

اب یہ کہنا چاہتا ہون کہ [illegible] نے گجرات فتح کی، لیکن الماس بیگ الغ خان کبھی اور کسی وقت اپنی تمام عمر مین گجرات کا گورنر نہین ہوا، کیونکہ فتح گجرات کے بعد وہ کچھ زیادہ عرصہ تک زندہ نہین رہا، وہ رنتھنبور کی فتح کے بعد ہی چند روز مین دہلی جاتے [illegible] فوت ہوا، اور اس سبب سے اسکو کسی جگہ کی گورنری کا موقعہ ہی نہین ملا، البتہ جالور اور جہاین مین جو اس کے جاگیر مین تھے کچھ دنون مقیم رہا،

چنانچہ بدایونی لکھتا ہے:-

"سلطان قلعہ رنتھنبور را با ولایت، در جاگیر او مقرر کردہ بازگشت و او در ہمان روز در راہ بیمار شد و رخت ازین جہان برد، و رنتھنبور نسبت باو حکم بہشت شداد پیدا کردہ بود[1]،"

اور سلطان نے قلعہ رنتھنبور کو مع اس کے صوبہ کے اسکی (الغ خان کی) جاگیر مین مقرر کرکے واپس ہوا اور وہ (الغ خان) اسی روز راہ مین بیمار ہوا اور اس دنیا سے چل بسا، اور رنتھنبور اس کے لیے ایسا ثابت ہوا جیسے شداد کے لیے اسکی جنت۔

فرشتہ رنتھنبور کی فتح کے سلسلہ مین الغ خان کی نسبت لکھتا ہے،

"پھر بطور سیر کے بادشاہ اوپر گیا، وہان کے نقد و جواہرات جو شمار سے باہر تھے، مع قلعہ و ولایت کے الماس بیگ کو عطا فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ الماس بیگ پانچ چھ ماہ کے بعد سخت بیمار ہوکر دہلی روانہ ہوا، لیکن راہ مین مرگیا[2]"

ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی مین جو کہ اپنی آنکھون کی دیکھی اس طرح لکھتا ہے،

---

[1] تاریخ بدایونی ج ا ص ۱۹۱، [2] تاریخ فرشتہ ج ا بیان علاء الدین۔

و الغ خان چار و پنج ماه در غیبت سلطان حشم بسیار گرد آورد و خواست که حرم تهنگ و معبر معمور گرداند، و ... ناامن گردید و او را بر قصد اندرون شهر مبارک دریافت، و ورده او را در شهر آورده و هم درخانهٔ او دفن کردند و مصیبت او سلطان را اندوهگین کرد، و بر روح او صدقات بسیار داد۔[1]

اور الغ خان نے سلطان کی غیر حاضری مین چار پانچ ماہ کے اندر بڑی شان پیدا کر لی، ... اس کا قصد ارادہ تھا کہ تهنگ اور معبر ... جب کہ موت پیچھے سے آ گئی اور اس کا علم ہو گیا، جب شہر مبارک (دہلی) کے ... وقت ہوا (یعنی اسکی موت شہر دہلی لاتے وقت راستہ مین ہوئی) اور اسی کے گھر مین اسکو دفن کیا گیا، اور اس مصیبت نے سلطان کو غمگین ...

[illegible]

ظفر الوالہ بمظفر والہ مین ہے:

وتوفی الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی . . . . وھو احد الاربعۃ الذین ھم ملاک امرہ . ومع ذلک کان یبادرہم تیمنی ان یجری دمھم فی الظاھر غیرہ،[2]

اور الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی مرگیا، اور وہ ان چار امیرون مین سے تھا جن پر اس (علاء الدین) کی سلطنت کا دار و مدار تھا، اور باوجود ان باتون کے اسکی دلی خواہش تھی کہ اسکی موت غیر کے ہاتھون سے ہو جائے۔

تاریخ حسام خان مین واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی اپنے چارون جرنیلون سے جو اس کے قوت بازو تھے، اور اس کے فتوحات کو ہمیشہ ترقی دیتے رہے، ہر وقت خوفزدہ رہتا، اس کا ہر لحظہ اس فکر مین گذرتا تھا کہ کس طرح ان کا زور کم کیا جائے، وہ ان کی موت کا برابر خواہان تھا، لیکن دوسرون کے ہاتھ سے تاکہ لوگ یہ نہ کہین کہ اس نے اپنے ہاتھون کو ان وفادارون کے خون سے رنگین کیا، چنانچہ تاریخون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس کے حسب منشا پورے ہو گئے، ظفر خان جنگ مغل مین شہید ہوا، اور نصرت خان نے جنگ رنتھنبور مین ایک پتھر کی ضرب سے اس دار فانی کو الوداع کہا، اور الغ خان کو اسی فتح کے چار پانچ ماہ بعد زہر دیا گیا، اور بہت سخت علیل ہونے پر دہلی روانہ ہوا، مگر راستہ ہی مین مرگیا،

[1] فیروز شاہی برنی صفحہ ۲۵۲　　[2] ظفر الوالہ بمظفر والہ ج ۲ صفحہ ۸۱۵

چنانچہ حسام خان اپنی تاریخ مین علاء الدین کا حال فتح قلعۂ مذکور کے متعلق لکھ کر تحریر کرتا ہے،

انہ فی رجب سنہ تسعین و تسعمایۃ سمی الغ خان	بات یہ ہے کہ ستہ تسعین و سبعۃ ماتہ مین الغ خان کو نہر دیا
فامتد بہ الی نحو اربعۃ او خمستہ اشہر	گیا، اور دو تین یا چار یا پانچ مہینہ تک طول کھینچا، اور وہ
و کان مشتغلاً فی ہذہ المدۃ بجمع العسکر	ان دنون لشکر کی تسخیر کے لیے فوج جمع کرنے مین مشغول
لتسخیر لشکر من ارض دکن فمرض واشتد	تھا، وہ سخت بیمار ہوگیا، اور لاتے ہوے راہ مین مرگیا،
بہ فحمل الی دہلی فمات فی طریقہ، و	اسکی لاش دہلی جب پہنچی تو وہ خود اسی کے مکان مین دفن
جیئی بہ میتاً الی دہلی ودفن فی سنزلہ	کی گئی،

ان بیانات سے واضح ہوگیا، کہ الغ خان الماس بیگ فاتح گجرات سنہ مین دہلی ... مرے فوت ہوگیا، پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ مردہ ہو کر بیس برس تک گجرات پر حکومت کرتا رہے، پس یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حکومت کرنے والا درحقیقت سنجر الملقب بہ الپ خان تھا، نہ الماس بیگ الغ خان،

تاریخ بہنگا کالنے سے غلط فہمی کی اصل وجہ صاف نظر آجاتی ہے کہ غیر محقق مورخون نے الغ خان اور الپ خان مین بوجہ غیر ملکی لفظ ہونے کے فرق نہ کیا، بلکہ غلطی سے تصحیف کر کے الف خان تک بنا دیا، غیر ملکی و غیر اسلامی تاریخون مین زیادہ شائع ہونے کا اصلی سبب یہی ہے، چنانچہ پنڈت پی بے کدھیر نے جو جینی مذہب کا تیرتھی ہے اور بہادر شاہ گجراتی کا ہمعصر ہے، اپنی کتاب شتر نجی دشت زن جی) تیرتھ پر بندھ مین ہر جگہ الغ خان ہی لکھا ہے[1]، بات یہ ہے کہ فاتح الغ خان کی گجرات مین ہر جگہ شہرت ہوگئی تھی اس کے بعد الپ خان آیا تو الغ خان اور الپ خان مین عام لوگوں نے فرق نہ کیا،

دوسری بات یہ ہے کہ میرے خیال مین سب سے پہلے بے احتیاطی اس مسئلہ مین فرشتہ نے کی فرشتہ نے دونون جگہ الغ خان استعمال کیا، اور فرق کے لیے ناظم یا والی کا اضافہ تو کیا، مگر اصلی نام اس نے کسی جگہ

[1] شت زن جی تیرتھ پر بندھ اصل سنسکرت ص ۳۰،

استعمال نہیں کیا، اور اسی سے بعد کے مورخوں میں غلط فہمی پیدا ہوئی، کیونکہ فرشتہ کے بعد جس قدر تاریخیں

ہندوستان میں لکھی گئیں، بیشتر ان میں سے وہ ہیں جو فرشتہ کی روش پر لکھی گئی ہیں، خود فرشتہ نے

ایسا کیوں لکھا؟ میرے خیال میں اس نے ذرا بے پروائی سے کام لیا ہے، کیونکہ تاریخ فرشتہ کو اگر غور سے

دیکھا جائے، تو معلوم ہو جائے گا کہ خود فرشتہ نے تو صحیح لکھا ہے، لیکن اسکی اس تھوڑی سی تساہلی نے دوسروں

کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا، ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگوں کو عام طور پر لفظ "الغ" و "الپ" وغیرہ کے معنی

نہ معلوم ہونے کے سبب بھی غلط فہمی پیدا ہوئی، اس لیے اس مسئلہ کو صاف کرنے کے واسطے ان الفاظ کی تحقیق

درج ذیل کرتا ہوں۔ "الغ" بہ ضمہ اول وثانی وغین معجمہ زبان ترکی بمعنی "بزرگ" ہے، چنانچہ توحید باری میں

شاعر طباطبا کہتا ہے،

کافر و ترسا یہود و گبر و مغ	جملہ دارد، سوے آن سلطان الغ
کافر، ترسا، یہود، گبر، مغ	سب کی نظر اس بڑے بادشاہ (خدا) کی طرف ہے

اور "الپ" بہ فتح اول وثانی باباے فارسی بمعنی "بہادر" یہ بھی ترکی لفظ ہے اور اسی سے "الپ

ارسلان" اور "قزل ارسلان" ہے، جس کے معنی "بہادر شیر" اور "سرخ شیر" کے ہیں، اسی طرح لفظ "اکت"

ہے جس کے معنی چھوٹے کے ہیں، اور دوسرا ترکی لفظ "قتلغ" ہے جس کے معنی متوسط اور درمیانہ کے ہیں،

ممکن ہے کہ اکت خان، اور قتلغ خان کا خطاب بھی لوگوں کو دیا جاتا ہو، مگر الغ خان اور الپ خان

کی نسبت تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچکر محقق ہو گئی ہے کہ شاہان اسلام اس کا استعمال بطور خطاب کیا کرتے

تھے، خصوصاً جب تک ترکوں کا دور رہا اس کا رواج بہت زیادہ رہا، اور مغلیہ سلطنت میں متروک

ہو گیا، چنانچہ ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں کہ سلطان ناصر الدین محمود کے وقت میں الغ خان کا خطاب

غیاث الدین بلبن کا تھا، اور علاء الدین خلجی کے وقت الماس بیگ الغ خان ہوا، اور اسی طرح سلطان

لہ بہار عجم جلد اول باب الف ولام،

غیاث تغلق (تغلق) کے عہد میں اس کا لڑکا محمد تغلق (تغلق) الغ خان ہوا،

غرض الغ خان اور الپ خان اس عہد کے خطابات ہیں جو امرا کو ملا کرتے تھے، اور یہ دونوں عہدے آج کل کے امیر الامراء (...) اور خانِ بہادر کے ہم معنی ہیں، چنانچہ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ محمد علاء الدین خلجی نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ الماس بیگ کو الغ خان اور سنجر کو الپ خان، اور ملک نصرت کو نصرت خان کا خطاب دے کر عزت افزائی کی، کیونکہ یہ وہی اشخاص تھے جنکی جانفشانیوں سے اس کو سلطنت کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا تھا، انھیں کی قوت بازو سے ملک زند مسخر دیا جگداز بنا، اور انھیں کی بہادری سے چنگیزی ترکوں میں علاء الدین کی صولت اور ہیبت بیٹھی،

پس جب تک یہ چاروں امرا زندہ رہے، سنجر صرف الپ خان رہا لیکن جب ظفر خان، نصرت خان، الغ خان وفات پا گئے اور انکی جگہ خالی ہوگئی تو علاء الدین نے ان عہدوں پر دوسروں کو فائز کرنا چاہا، ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی ڈرتا تھا کہ امرا کی طاقت پھر کہیں زبردست نہ ہو جائے لیکن ان جزلوں کو ان کے فتوحات اور بہادریوں کے تمغے دیئے بغیر بھی چارہ نہ تھا، جو دن رات ملک کی حفاظت میں ان سے ظاہر ہوتے رہتے، اور اب پرانے جزلوں میں سے صرف گنتی کے چند لوگ رہ گئے تھے، اور خود اس کے خاندان میں تجربہ کار اور لائق الپ خان ہی تھا، اسی وجہ سے جب سنہ [illegible]ھ میں ملک غازی (غیاث الدین تغلق) اور عین الملک ملتانی اور الپ خان نے بڑی بہادری سے مغلوں کا منہ پھیر دیا، تو اس صلہ میں ملک تغلق کو پنجاب و ملتان کا گورنر بنایا، اور عین الملک کو فتح مالوہ کے بعد مالوہ کا گورنر اور الپ خان چونکہ پہلے ہی سے ایک بڑے صوبہ پر قابض تھا، اس لیے اسکی ہمت افزائی کے واسطے امیر الامراء (یا الغ خان) کا خطاب[1] دیا، اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ باعزاز تمام گجرات روانہ کر دیا، اور اسی عہدۂ امیر الامرائی پر جونا ملک کو بھی سرفراز کیا تھا،

بہرحال بشاید اسی لحاظ سے فرشتہ نے ہر جگہ الغ خان لکھا ہے، اور دوسروں نے

[1] فرشتہ ج اول علاء الدین خلجی،

بھی کہیں کہیں اس کا استعمال کیا جو ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن فرشتہ نے ایک معمولی فروگذاشت سے الماس بیگ
الغ خان اور ملک سنجر الغ خان (سابق الپ خان) میں ناظرین کو مشتبہ کر دیا، اور غلط فہمی سے لوگ سمجھنے
لگے کہ دونوں ایک ہی ہیں، حالانکہ وہ کسی جگہ بھی سنجر یا الپ خان کا نام لے لیتا تو غلط فہمی دور ہو سکتی تھی
لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور اس طرح عام لوگوں میں ایسی بات پھیل گئی جو واقعہ کے بالکل خلاف تھی
اس متذکرہ بالا عبارت میں میں نے فرشتہ کے "الغ خان اور میرا لامرا" لفظ کی تاویل کی ہے ورنہ
واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے فرشتہ ہی نے اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے، ضیاء الدین برنی نے کسی جگہ بھی الپ خان
کو الغ خان نہیں لکھا ہے، جو گویا چشم دید گواہ ہے، فرشتہ کا ہمعصر بدایونی بھی اس معاملہ میں ضیاء الدین
برنی کا مؤید ہے، بعد کی تاریخوں میں فقط فرشتہ کی اتباع کے سبب غلطی واقع ہوئی، اس لیے میرے نزدیک
علاء الدین خلجی کے عہد میں گجرات کا کوئی گورنر الغ خان نامی ہوا ہی نہیں۔

وفوق کل ذی علم علیم

سوشیالزم کی مختلف حیثیتین

اور

اوسکی اشاعت کے اسباب

از

مولانا عبد السلام ندوی،

(۱)

ڈاکٹر لیبان نے سوشیالزم کی تردید مین ایک کتاب لکھی ہے، جسکا ترجمہ "روح الاشتراکیہ" کے نام سے عربی مین ہوا ہے، اور اب مین اسکو اردو مین منتقل کر رہا ہون، لیکن مکمل ترجمہ سے پہلے اوس کے اہم مباحث کا خلاصہ معارف کے ذریعہ سے شائع ہوجانا چاہئیے، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ناظرین کے پیش نظر ہے،

(۱) تمدنی اور قومی تغیرات کی بنیاد، تین چیزین یعنی سیاسیات، اقتصادیات، اور نفسیات پر قائم ہے، جنمین سوشیالسٹ گروہ سیاست کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، لیکن اہل نظر کے نزدیک کسی قوم پر سیاست کا اثر بہت کم پڑتا ہے، اور اسکی اصلی حالت اوس کے عقائد و اخلاق سے نمایان ہوتی ہے، البتہ اس زمانہ مین اقتصادیات کا دائرۂ اثر نہایت وسیع ہوتا جاتا ہے، اور صنعت و حرفت کی ترقی ایک طرف تو ایک قوم کو فقیر بینوا اور دوسری طرف دوسری قوم کو بادشاہ هفت کشور بنا دیتی ہے، نفسیات کا اثر اس زمانہ مین ان دونون سے بھی کم ہوگیا ہے، قدیم زمانہ مین قومون پر صرف عقائد و افکار کا اثر پڑتا تھا، لیکن اب انکی جگہ

اقتصادی مؤثرات نے لی ہے، آج جدید تمدن قدیم تمدن سے صرف اسلیے مختلف ہو گیا ہے کہ ان مؤثرات کی نسبی طاقت بدل گئی ہے، مثلاً پہلے عقائد کا اثر تھا اور اب اقتصاد کا اثر ہے، لیکن بایں ہمہ نفسیات یعنی عقائد و افکار کا اثر اب بھی قائم ہے، کیونکہ اگر ایک قوم اقتصادی مؤثرات پر غالب آجاتی ہے، اور دوسری قوم ان سے مغلوب ہوجاتی ہے تو اس کا سبب صرف اس کے مزاج نفسی کا اختلاف ہی ہوتا ہے،

(۲) سوشیالزم پر انھی تینون حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہے جنمین اسکی اقتصادی حیثیت سب سے زیادہ آسان ہے، اور اس کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ معاش کیونکر حاصل کیجائے، کیونکر اوسکی تقسیم ہو؟ محنت، سرمایہ اور ذہانت کا کیا درجہ ہے؟ اور اقتصادی تغیرات کا تمدنی انقلابات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ لیکن اگر اسکو نفسیاتی حیثیت سے نظر ڈالیجائے، یعنی اسکو ایک مذہب اور ایک عقیدہ تسلیم کرکے اس کے اخلاقی نتائج زیر بحث ہون تو اس مسئلہ کی شکل نہایت پیچیدہ ہوجاتی ہے، اور اس کے سمجھنے کے لیے جماعت کے روحانی خصوصیات اور مذاہب و معتقدات کی تاریخ کو سامنے رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ سوشیالزم کے اصول اگرچہ عقل کے بالکل مخالف ہین، لیکن بایں ہمہ علمائے اقتصاد کے تمام دلائل اوسکی تردید مین ناکامیاب ثابت ہوتے ہین، جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ عقائد و مذاہب کی تردید مین دلائل کو ہمیشہ ناکامیابی ہوئی ہے، سوشیالزم کی یہی شکل ایک فلسفیانہ نظریہ کی صورت بھی اختیار کرلیتی ہے، یعنی یہ کہ سوشیالزم درحقیقت اُس نزاع کا نام ہے جو فرد و جماعت مین قائم ہے، اور جماعت یہ سمجھتی ہے کہ افراد کا غلام بنانا اس کا پیدائشی حق ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا ان دونون مین صلح و آشتی ممکن ہے یا نہین؟ دنیا مین صرف مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جس نے افراد کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کردیا ہے، لیکن آج مذہب کا اثر بالکل زائل ہو گیا ہے، اور صرف اقتصادی اسباب ایک حد تک ان دونون مین مصالحت کرا سکتے ہین، اور جب ہم تضامن اجتماعی پر بحث کرین گے تو اس حد کی توضیح و تعیین کر دینگے،

اس سلسلے مین قومون کی اخلاقی حالت کے اختلاف کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ اس سے بھی سوشیالزم

ے اسکی تحدید یا توسیع ہوتی ہے، مثلاً جو قومین نہایت مستعد اور سرگرم ہوتی ہین اور صرف اپنی ذات پر اعتماد رکھتی
ہین وہ حکومت پر بہت کم بھروسہ کرتی ہین اور اپنے کامون کو خود انجام دیتی ہین، لیکن جن قومون مین خود
اعتمادی نہین پائی جاتی، وہ اپنے تمام اعمال کو حکومت کے سپرد کر دینا چاہتی ہین اسلیے شخصی زندگی تمامتر
حکومت کے شکنجے مین جکڑ کر ایک عام قومی یا سیاسی زندگی ہو جاتی ہے اور جب اس اصول کو زیادہ وسعت
دیدیجاتی ہے، تو وہی سوشیلزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سوشیلزم ضعیف الاخلاق
قومون مین زیادہ بار آور ہوتی ہے، بلکہ خود اخلاقی ضعف ہی سوشیلزم کی تحریک واشاعت کا بھی سبب ہے
کیونکہ یہ کوئی بالکل نئی چیز نہین ہے بلکہ اس سے پہلے بھی قدیم تمدنی دور مین اسکی مدہم سی آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ
اسکی سب سے بدترین صورت تو فرقہ اباحیہ کے اس اصول مین نمایان ہوئی کہ زن، زر، زمین انسان کی مشترکہ
ملک ہین، لیکن اس ذلیل اصول کو چھوڑ کر یونان مین، فلاطون نے جمہوریت کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اس مین
سوشیلزم کے تمام اصول بشرح طور پر مذکور تھے، اور یونان مین بہت سی سیاسی شورشون کا مقصد صرف اس قدر
تھا کہ دولتمندون کو مال و دولت سے محروم کر کے معاشرتی زندگی کے فرق مراتب کو مٹا دیا جائے انبیائے
بنی اسرائیل بھی گویا سوشیلسٹ گروہ کے زعیم و قائد تھے جنمین حضرت مسیح علیہ السلام سب سے زیادہ بلند آہنگی
کے ساتھ فقرا و مساکین کے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے، اور انھون نے صاف صاف کہدیا تھا کہ "آسمان کی بادشاہت
صرف غریبون کے لیے ہے، اور اس مین دولتمندون کا داخل ہونا اس سے زیادہ دشوار ہے جتنا اونٹ کا
سوئی کے نوک مین داخل ہونا"، البتہ اس زمانہ مین یہ آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ تمدنی
لطافتون نے ہم کو نہایت رقیق الطبع اور شدید الانفعال بنا دیا ہے، ہماری معاشرتی زندگی اگرچہ پہلے سے بہت
زیادہ بہتر ہو گئی ہے، لیکن ہم اس پر قانع نہین ہین، بلکہ عقائد و اخلاق سے معرا ہو کر ہم نے صرف اپنی ذات
کو اپنا مطمح نظر بنا لیا ہے، اور اس مختصر سی زندگی کو جہانتک ممکن ہو عیش و تنعم مین بسر کرنا چاہتے ہین، تمدنی
ترقیون نے اس کے بکثرت نئے نئے سامان بھی پیدا کر دیے ہین، اور وہ ضروریات زندگی کا ایک جزو بنگئے

مال و دولت کی ترقی اگرچہ بہت زیادہ ہوگئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ضرورتین بھی بے انتہا بڑھ گئی ہیں، غرض دولت اور ضرورت کا مقابلہ ہوگیا ہے، اور اس صورت میں قناعت کی صرف دو صورتیں نکل سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ جس قدر ضرورتین ہیں، ان کے پورا کرنے کے لیے اسی قدر دولت بھی ہونی چاہیئے، اور اس صورت مین دولت اور ضرورت کا یہ عادلانہ توازن قناعت کا سبب ہو سکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ضرورتوں کو کم کرکے اس توازن ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اس حالت مین توازن نہین، بلکہ اختلال توازن موجب قناعت ہوگا، اور مشرق اسی اصول پر عمل کرکے راضی برضائے الٰہی ہوگیا ہے، لیکن یورپ مشرق کی طرح قناعت پسند نہین ہے، وہ اپنی ضرورتون کو کم کرنا نہین چاہتا، اسلیئے توازن قائم کرنے کے لیے ہر ممکن طریقے سے حصولِ دولت کی کوشش مین مصروف رہتا ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ مین روز بروز خود غرضی بڑھتی جاتی ہے، اور دولت ایک ایسا مقصدِ زندگی بنگئی ہے، جس نے اس کے لیے اور تمام مقاصد کو خواب فراموش بنا دیا ہے، اسلیئے جس قدر دولت کی طلب بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان لوگون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، جو دولت کو مساویانہ حصون مین تقسیم کرنے کے موئد ہین،

اس زرطلبی نے یورپ مین ایک عام اخلاقی انحطاط پیدا کر دیا ہے جسکا بدترین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ طبقۂ متوسط طبقۂ سافلہ کی نگاہون سے بالکل گر گیا ہے،

یہ تو ان لوگون کا حال ہے، جنکے پاس بقدرِ ضرورت دولت نہین ہے، لیکن جن لوگون کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہے، ان کے عز و ناز، فخر و غرور، نمائش و آرائش، اور تبذیر و اسراف نے اور بھی سوشیالزم کی تحریک کو مدد دی ہے، موسیو (فاغیہ) کہتے ہین کہ "آدمی کو صرف دوسرے کی خوش نصیبی سے دکھ پہنچتا ہے، اور ایک فقیر کی بدبختی صرف یہی ہے، سوشیالسٹ گروہ گو یہ جانتا ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر دولتمند نہین بنا سکتا، تاہم اس کو یہ توقع ضرور ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر محتاج اور فقیر بنا دیگا، اور اسی لیے وہ جد و جہد کرتا ہے اور اس جد و جہد مین اسکو بہت زیادہ مستحقِ ملامت بھی نہین قرار دیا جاسکتا، کیونکہ دولتمند طبقہ نے دنیا کے سامنے

کوئی اچھا اخلاقی نمونہ نہیں پیش کیا ہے، بلکہ تمام اخلاقی پابندیوں سے آزادی حاصل کرتی ہے، اور فرض اور وطنیت کو ایک تمسخر انگیز چیز سمجھنے لگا ہے، اب اس کا صرف یہ کام ہے، کہ جب روپیہ ہاتھ آئے، تو اس کو ذلیل ترین شہوانی لذائذ میں بیدریغ صرف کر دے،

یونیورسٹیوں کے نوخیز طلبہ نے بھی کوئی اچھی اخلاقی مثال نہیں قائم کی ہے، وہ ان تمام حقائق سے بے خبر ہیں، جن سے اجتماعی زندگی کا تحفظ کیا جاتا ہے، اور ان کے نزدیک وطنیت جیسا کہ مجمع العلمی کے ایک ممبر نے بیان کیا ہے، صرف ضعیف العقل، غلو پسند و معرا از عقل و حکمت وطن پرستوں کا خیال ہی خیال ہے، نیز قوم کے طبقات عالیہ کی اخلاقی خرابی، دولت کی غیر مساویانہ بلکہ زیادہ تر ظالمانہ تقسیم اور عیش پرستی کی شدید خواہش نے سوشیالسٹ گروہ کو اعتراض کا موقع دیا ہے، اور وہ آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں بڑی سے بڑی دولت لاکھوں غریبوں سے لوٹ کر جمع کیگئی ہے، مثلاً جب اسپین اور ولایات متحدہ کے درمیان جنگ چھڑی اور گیہوں کا نرخ گران ہو گیا تو ایک دولتمند امریکن تاجر نے دنیا کا کل گیہوں ایک ہی بار خرید لیا اور اس سے ایک ایسا قحط نمودار ہوا کہ ہزاروں غربا بھوکھ سے مر گئے، تو کیا اس تاجر کو اگر سوشیالسٹ گروہ ڈاکو کہتا ہے، تو وہ اس تشبیہ میں غلطی کرتا ہے؟ ایسی حالت میں اس زمانے کا سب پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کو بڑے بڑے سرمایہ داروں سے جو اخبارات کو خرید کر اور سیاسی مدبرین کو رشوت دے کر ایک مخفی لیکن نہایت طاقتور حکومت قائم کر رہے ہیں، کیونکر بچایا جائے؟ موسیو (فاغیہ) لکھتے ہیں کہ:-

"یہ نوخیز حکومت ذرہ برابر خیال، اخلاق اور عقل نہیں رکھتی، وہ نہ مضر ہے نہ مفید، وہ انسانوں کو بھیڑوں کا گلہ سمجھتی ہے، جسکو کام کی طرف ڈھکیل دینا چاہیے، اور اس کے بال تراش لینے چاہئیں، اسکو عقلی اختراعات، علم و فن اور تہذیب کی مطلق پروا نہیں، اس کا کوئی وطن نہیں، بلکہ وہ دنیا سے وطنیت کے تخیل ہی کا استیصال کرنا چاہتی ہے،"

ایک علانیہ ظالم کا مقابلہ تو ممکن ہے لیکن ایک مخفی طاقت کا مقابلہ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ اور جو دولت

چند دنوں کے ذریعہ دنیا کے تمام حصوں میں پھیلائی گئی ہے اس پر کیونکر ڈاکہ ڈالا جاسکتا ہے؟

اس حالت میں ارباب نظر پر ایک عام مایوسی کی کیفیت طاری ہے" اور یہ اس زمانہ کی سب سے بڑی مصیبت ہے، چنانچہ موسیو (لوالیہ) لکھتے ہیں کہ:۔

طاقتور لوگ بے باکانہ ضعیفوں کو پیس رہے ہیں امریکن لوگوں نے (پورٹو ریکو) کو تباہ کر دیا، انگریزوں نے ہندوستانیوں کی ہڈی کا مغز چوس لیا، اور یورپ نے تہذیب و تمدن کے نام سے افریقہ کے حصے بخرے کر لیے، حالانکہ یورپ کے سب ملک تجارتی منڈیوں کی تلاش میں سرگرم ہیں" اس نے سلطنتوں میں ایک ایسی رقابت قائم کر دی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، جرمنی، اسٹریا اور اٹلی کا اتحاد اسی حرص و اضطراب سے پیدا ہوا ہے، اور روس نے صرف ذاتی اغراض کے لیے ہم سے میل جول کیا ہے،

بایں ہمہ بعض فلاسفہ کے نزدیک یہی کشمکش قومی ترقیوں کا سنگ بنیاد بھی ہے، دلیس کہتا ہے

بے شبہہ معاش کا یہ فرق مراتب بہت بڑی مصیبت ہے، لیکن مساوات میں اس سے بھی زیادہ بدبختی ہے اگر ہر شخص اپنی تقدیر پر قانع ہو جائے، اور یہ سمجھ لے کہ وہ اسکو بہتر نہیں بنا سکتا تو دنیا بیچ کر رہ جائے، حالانکہ وہ بیچنے کے لیے نہیں پیدا ہوئی ہے، ہر شخص کی بدبختانہ ناراضی ہی انسانی ترقیوں کا محرک ہے،،

اس کے ساتھ یہ امر بھی تسکین بخش ہے کہ ہمارے آبا و اجداد نے اس سے بھی زیادہ مصیبتیں برداشت کی ہیں اور غلامی، لوٹ، مار، قحط، وبا اور جنگ وغیرہ سیکڑوں مصائب سے ان کو دوچار ہونا پڑا ہے، یہ امر بھی قابل مسرت ہے کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی بدولت ایک معمولی سے معمولی آدمی کو عیش و عشرت کے وہ سامان حاصل ہیں جو قدیم زمانے میں قیصر و کسریٰ کو بھی حاصل نہ تھے،

علم الحیات کا ایک نامعلوم راز

نخز مایہ (PROTOPLASM)

از پروفیسر محمد سعید الدین معلم حیاتیات، جامعہ عثمانیہ،

فروری کے معارف مین کیمیاء الحیات پر جو مضمون شائع ہوا تھا، اسکی تکمیل کے طور پر پروفیسر صاحب نے یہ مضمون عنایت کیا ہے، امید ہے کہ وہ آیندہ اپنا یہ دلچسپ سلسلہ قائم رکھین گے، ٹھوس مضامین کیلئے نہایت ضرورت ہے کہ اسکی عبارت مین شگفتگی اور دلکشی پیدا کیجائے تاکہ اس زہر کا یہ تریاق بن سکے۔

،،نخز مایہ،، جامعہ عثمانیہ کی مجلس وضع اصطلاحات کا بنایا ہوا لفظ ہے، اسکی اصل ہمین معلوم نہ ہوسکی، بلکہ اس سے مراد ،،مادۂ حیات،، ہے،

حیاتیات کے ماہرون نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمام جاندار اجسام ایک نہایت ہی غیر قائم اور نازک مادہ سے بنے ہوئے ہین جسے انھون نے نخز مایہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ہمین نہین معلوم کہ اس جاندار مادہ کی حقیقت کیا ہے، ممکن ہے کہ اس کے مزید کیمیائی اور طبیعی خواص معلوم ہونے پر ہمارے معلومات مین اضافہ ہو، اس وقت تو ہم اسکی حقیقی ترکیب سے بالکل ناواقف ہین،

نخز مایہ ایک ایسا غیر قائم مادہ ہے کہ امتحان کرنے پر مرجاتا ہے، لہذا زندہ نخز مایہ کا امتحان کرنا ناممکن ہے، مردہ نخز مایہ کا امتحان کیا گیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس مین پروٹینس (PROTEINS) کاربوہیدریٹس، شحمیات اور کچھ غیر نامیاتی اجزا کا ایک پیچیدہ آمیزہ ہوتا ہے، اور ۰۰-۷۰ فیصدی پانی بھی شامل ہے، یہان جمع و تفریق

۱؎ اس مین وہ عمل شامل ہین جنکی وجہ سے جاندار جسم مین اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ عمل بھی جو فضلاتی مادہ کو علحدہ کرکے خارج کرتے ہین،

(جسے انگریزی مین سل کہتے ہین) کے مادہ کو رنگ کر جما دیا جاتا ہے، اور خوردبین مین دیکھا جاتا ہے تو ایک پیچیدہ جالدار اور ریشہ دار ساخت دکھائی دیتی ہے، جیساکہ بیان کیا جا چکا ہے یہ اسکی اصلی ساخت نہین، بلکہ مردہ ساخت ہے، یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ جاندار کی حرکات اس مادہ مین کیمیائی اور طبیعی تبدیلیون کی وجہ سے عمل مین آتی ہین، کے کاروبار ہوتے رہتے ہین جب کسی خلیہ[1] (METABOLISM)

پروفیسر تھامسن لکھتے ہین کہ یہ مناسب ہوگا کہ کسی ایک جاندار مادہ کو بخربایہ نہ کہین، کیونکہ عزیزی مظاہر کا انحصار کئی پیچیدہ مادون کے باہمی عمل پر ہوتا ہے،

بس یہی ہماری تحقیق ہے جس پر ہم نازان ہین جب اصلی جز یعنی جان ہی جسمی مادہ سے غائب ہوجائے اور ہم اس مردہ مادہ کی تحقیق مین اپنا سر کھپائین تو کیا فائدہ، علمائے سائنس کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اس اصلی جز تک نہین پہنچ سکتے، اس وجہ سے کہ بنانے والے نے اسکو اپنے قبضہ مین رکھا ہے، اگر یہ راز بھی انسان کو معلوم ہوجائے تو پھر کونسی چیز باقی رہ سکتی ہے، باوجود اتنی نزاکت کے جاندار جسم آسانی کے ساتھ برباد نہین ہوسکتا، اس کے برخلاف بہتر سے بہتر انسانی ہاتھون کی بنائی ہوئی مشین بھی جسکی بناوٹ مین مضبوط سے مضبوط چیزین استعمال کیجاتی ہین نسبتہً بہت جلد جواب دیدیتی ہین، اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انسانی کاروبار اور قدرت کے کاروبار مین کتنا بڑا فرق ہے،

[1] یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جاندار جسم کئی چھوٹے خانون پر مشتمل ہے، ہر ایک کو سل یا خلیہ کہتے ہین،

تلخیص و تبصرہ

مدرسہ السنہ مشرقیہ لندن

اگرچہ مشرق میں سب سے بڑی حکومت برطانیہ کی ہے، لیکن آج دس برس قبل تک اس کے دارالسلطنت میں السنہ شرقیہ کی مستقل تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا، حالانکہ اس کے مقابلہ میں فرانس میں اس قسم کا مدرسہ ۱۸ ویں صدی ہی میں قائم ہو چکا تھا اور برلن کے مدرسہ کو بھی عالم وجود میں آئے پورے چالیس سال گذر چکے ہیں، اس وقت اس کالج میں تقریباً ۲۴ مشرقی زبانوں میں تعلیم دیجاتی ہے، اور ان میں بعض ایسی ہیں جو صرف برطانوی حکومت ہی میں بولی جاتی ہیں، حال ہی میں اس مدرسہ کی دسویں سالگرہ کے موقع پر اسکی مزید توسیع واستحکام کے لیے ۱۵۰۰۰ پونڈ کی اپیل کیگئی ہے، اسی سلسلہ میں ٹائمس لندن کے تعلیمی ضمیمہ نے اس مدرسہ کی تاریخ بھی شائع کی ہے، اخبار مذکور لکھتا ہے کہ اگرچہ نوآبادیات کے مرکزی شہروں میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کا بہت معقول بندوبست تھا، لیکن خود حکومت کے دارالسلطنت کا دامن اس سے خالی تھا، اس کے قیام کا فخر سر کمبل نبرمین کو حاصل ہے کہ انھوں نے اس مدرسہ کے قیام کے لیے سرکاری امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اوسکے لیے سرکاری عمارت اور مستقل اعانت حاصل کی، یہ عمارت لندن انسٹیٹیوشن کے فنسبری سرکس میں ہے، اس کے اخراجات کا تقریباً نصف بار یعنی ۱۳۲۵۰ پونڈ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے، کیونکہ حکومت کے فوجی وملکی دونوں صیغوں کے افسر اس سے مستفید ہوتے ہیں، حکومت ہند سالانہ ۲۲۵۰ پونڈ دیتی ہے لندن کی مجلس بلدیہ ۱۳۳۳ پونڈ،

اس مدرسہ کی مجموعی آمدنی تقریباً ۲۴۰۰۰ پونڈ ہے، اور ۵۵۰۰ پونڈ فیس سے وصول ہوتے ہیں اور اگرچہ کسی جگہ سے کوئی معقول وظیفہ یہاں پڑھنے کے لیے مقرر نہیں ہے، پھر بھی تین ہزار طلبہ اس مدرسہ میں

نام لکھا چکے ہیں، اس مدرسہ کا تعلق جامعہ لندن سے ہے، اور اگرچہ جامعہ کا خیال ہے کہ اسکو مستقلاً ایک شعبۂ تعلیمات قائم کر دیا جائے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اب تک یہ ایک عارضی شے کی حیثیت رکھتا ہے، یہ مدرسہ ایشیا، و افریقہ کے نہ صرف السنہ، ادبیات، مذاہب، تاریخ، علوم و فنون کا مرکز ہے بلکہ مختلف برطانوی ممالک کو جانے والوں کو وہان کی مروجہ زبانین بھی سکھاتا ہے۔

تجارتی حیثیت سے بھی یہ مدرسہ خاص اہمیت رکھتا ہے، حال ہی مین ولیعہد برطانیہ نے جو اپیل شائع کی تھی، اس مین بتایا تھا کہ محکوم ممالک کی زبانون سے عدم واقفیت کی بنا پر برطانوی مال اچھی طرح ان ممالک مین نہین پھیلایا جاسکتا، دوسری طرف دوسرے تجارتی ممالک کے ارکان، ان ملکون کی زبانین سیکھ کر وہان جاتے اور اپنی چیزون کو خوب رائج کرتے ہین بعض کارخانون اور بنکون نے بھی یہ اصول قائم کر رکھا ہے کہ وہ اپنے افسرون کو مشرقی ممالک مین بھیجنے سے پہلے ان ممالک کی زبانون مین تعلیم دیدیتے ہین، اس طرح یہ مدرسہ سیاسی، ملکی، قومی، اور تجارتی حیثیت سے یکسان مفید و کارآمد ہے،

دنیا کے آزاد اور محکوم ملکون کے رقبے "۵"

آج دنیا مین آزادی کا دور دورہ ہے، شخصی آزادی، جنسی آزادی، مذہبی آزادی، قومی آزادی، ذہنی آزادی، غرض ہر نوع کی آزادی کی پکار ہے، یہ آزادی کی آواز یورپ سے اٹھکر دنیا کے گوشہ گوشہ مین پھیل رہی ہے، اگر تم کو معلوم ہے کہ اس آزادی کی جنت کا شجر ممنوعہ کیا ہے؟ سیاسی آزادی!

دنیا کے براعظم کا رقبہ یہ ہے

ایشیا	۱۶۳۰۰۰۰۰ مربع میل	جنوبی امریکہ	۶۸۷۰۰۰۰
افریقہ	۱۱۰۹۰۰۰۰ "	یورپ	۳۷۶۰۰۰۰
شمالی امریکہ	۸۴۲۰۰۰۰	اسٹریلیا	۳۰۱۰۰۰۰

قسطنطنیہ کے محدود علاقہ کے علاوہ تمام یورپ مین اہل یورپ ہی آباد ہین، اور انہی کی حکومت ہے،

اسٹریلیا کا بھی تقریباً یہی حال ہے، شمالی و جنوبی امریکہ کا حال بھی اس کے مشابہ ہے، ایشیا مین مندرجہ ذیل ممالک کو آزاد و مختار سمجھا جا سکتا ہے،

جاپان	۲۳۶۰۰۰ مربع میل	افغانستان	۲۴۳۰۰۰ مربع میل
چین	۴۲۰۰۰۰۰ 〃	سیام	۲۰۰۰۰۰ 〃
ایران	۶۳۰۰۰۰ 〃	نیپال	۵۴۰۰۰ 〃
میزان			۵۵۶۳۰۰۰ 〃

اگر ایشیا کے مجموعی رقبہ سے ان ممالک کے رقبون کو گھٹا دیا جائے تو ہم کو نظر آئے گا کہ ۱۰۲۰۰۰۰۰ مربع میل رقبہ کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی یورپین قوم کے ماتحت ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایشیا کا بیشتر حصہ محکوم ہے۔

اب افریقہ کو لیجئے، اس مین مندرجہ ذیل ممالک کو اس حیثیت سے آزاد کہا جا سکتا ہے کہ وہان کسی غیر افریقی قوم کی حکومت نہین ہے،

حبش	۳۵۰۰۰۰ مربع میل	لیبریا	۴۰۰۰۰ مربع میل
مصر	۳۶۳۱۸۱ 〃	میزان	۷۵۳۱۸۱ 〃

اس کو مجموعی رقبہ سے گھٹائیے تو معلوم ہوگا کہ اس براعظم کا بھی بڑا حصہ یعنی ۱۰۳۳۶۸۱۹ مربع میل اہل یورپ کے زیر نگین ہے،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تقریباً کرۂ ارض پر ان لوگون کی حکومت ہے جو یورپین نسل سے ہین اور یورپین زبان بولنے والے ہین، شمالی و جنوبی امریکہ اور اسٹریلیا مین محکوم قوم اتنی تعداد مین سرے سے ہی نہین کہ وہ آزادی کا مطالبہ کرسکے کیونکہ اہل یورپ نے یہان کے قدیم باشندون کو تقریباً فنا کر دیا ہے،

تعجب ہے کہ مضمون نگار نے ایشیا کے آزاد ملکون مین ٹرکی کا نام داخل نہین کیا ہے، بہرحال جنگ کے بعد اسکی حکومت کا بھی اب کوئی بڑا رقبہ نہین رہ گیا ہے، تاہم فارس اور ارمان کے علاقے اس سے نکل کر اب پھر

ترکی مین شامل ہو چکے ہین،

سنسکرت کی تعلیمی امداد مین حکومت کا حصہ

دنیا کو کسی ایسے تاریخی زمانہ کا علم نہین جب سنسکرت زبان پر دہ معالم مین کہین بولی جاتی ہو، اگر کبھی تاریخ سے پیشتر وہ بولی جاتی تو آج جب محکمۂ آثار قدیمہ کا ہاتھ، زمین کے ساتون طبقون کو الٹ کر تاریخی دفینے باہر نکال رہا ہے کسی سنسکرت بولنے والی قوم کی لکھی ہوئی، پتھر، یا لوہے یا پیتل کی کوئی تختی، یا مہر، یا اینٹ تو ہاتھ آتی،

بہرحال وہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی آبادی کی مذہبی اور علمی زبان ہے، اور اسکو قائم اور باقی رکھنا اس کا فرض ہے، چنانچہ ہندو قوم اس کے لیے جو ذاتی اور غیر سرکاری کوششین کر رہی ہے وہ ہردوار، بنارس پونہ، مدراس اور دیگر مذہبی حلقون کو چھوڑ کر ہندو ریاستون مین میسور، بڑودہ، اور بعض ریاستون کے کالجون سے ظاہر ہے، نیز انگریزی کالجون مین روز بروز اسکو جو ترقی حاصل ہو رہی ہے، وہ بھی لحاظ کے قابل ہے،

ان چیزون کو چھوڑ کر ہمارے وطنی بھائیون کی کوششون نے خود حکومت کو بھی اسکی سرپرستی اور امداد پر مجبور کر دیا ہے، چنانچہ اس وقت ہر صوبہ کے سرمایۂ تعلیم کا ایک معقول حصہ اس زبان کی اشاعت و حفاظت پر صرف کیا جا رہا ہے، مندرجۂ ذیل اعداد و شمار ہمارے اس بیان کی تصدیق کرینگے،

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی رقم	سنسکرت کے لیے
مدراس	۱۶۹۳۵۹۷۸۳	۱۸۷۴۷۵۲۰	۵۴۲۹۶
بمبئی	۱۵۰۰۰۵۴۹۶	۱۹۲۳۸۲۴۳	۱۰۰۳۶
بنگال	۱۰۷۰۵۸۰۰۰	۱۳۱۷۲۵۹۹	۲۱۶۹۱۱
صوبہ متحدہ	۱۲۷۱۱۰۴۷۸	۱۸۵۰۰۰۰	۸۶۰۰۰
پنجاب	۱۲۶۵۴۰۰۰۰	۱۳۳۰۴۸۷۵	نہ معلوم ہو سکا
برما	۱۰۵۶۰۲۹۷۸	۹۷۰۱۱۲۴	×

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی رقم	سنسکرت کے لیے
بہار و اڑیسہ	۵۷۸۶۴۰۰۰	۸۸۴۷۴۱۴	۱۴۶۹۰۴
صوبہ متوسط	۵۴۶۱۵۴۷۵	۵۲۴۷۶۰۷	۶۱۲۰۱۹
آسام	۲۵۶۸۳۰۰۰	۱۵ [illegible] ۱۰۰	۱۶۰۰۰
کرگ	۱۳۹۶۲۶۶	۱۴۳۴۸۳	۱۵۰۰
دہلی	۲۲۶۰۷۶۲	۵۸۱۱۴۷	نہ معلوم ہو سکا
بلوچستان	۲۲۰۰۰۰۰	۲۷۸۰۰۰	۸۴۰
اجمیر و مارواڑ	۲۱۷۲۲۲۳	۲۷۰۳۰۷	نہ معلوم ہو سکا
صوبہ سرحدی	×	۱۸۳۹۵۶۷	۱۹۸۶

× اس مین وہ رقمین شامل نہین ہین جو عمارات کی مدین صرف ہوئی ہین، اور نہ بعض مین وہ نہین

مین جو عام اسکولون اور کالجون کے اساتذۂ سنسکرت کو تنخواہ کی شکل مین دیجاتی ہین،

لاسلکی کی نئی ترقیان

لاسلکی (بے تار کی برقیات) کے سلسلہ مین حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، ابھی چند ماہ گذرے کہ لاسلکی کے ذریعہ تصویر کے منتقل ہونے کی اطلاع ملی تھی، پھر بے تار کے ٹیلیفون کی ایجاد عمل مین آئی، یہان تک کہ لندن اور نیویارک کے درمیان مین گفتگو کامیابی کے ساتھ عمل مین آئی، اب لاسلکی برقیات کی ترقی نے ایک اور حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے، چنانچہ یورپ کے بعض رسائل کے حوالہ سے المقتطف مصر کا بیان ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک ماہر مسٹر بابرڈ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے انسان دور دراز کی چیزون کو ان کی اصلی شکل و صورت، وضع قطع اور کیفیت و حالت مین دیکھ سکتا ہے، کیونکہ اسکی آنکھون کے سامنے کے تمام پردے برق کی تیز رفتار شعاعون سے چاک ہو جاتے ہین، اس لیے

جن چیزون کو دیکھنا مقصود ہوتا ہے وہ اپنی اصلی حالت وکیفیت مین نظر آجاتی مین ہو جد نے اس آلہ کا تجربہ ابھی حال کے ایک بڑے مجمع مین کیا اور پورے مجمع نے بلا حجۃ اس کے دعوی کی تصدیق کی،

اس آلہ مین اور لاسلکی کے ذریعہ تصویر منتقل کرنے مین باہم کوئی مماثلت نہین ہے، کیونکہ تصویر کے منتقل کرنے مین کسی خاص قلم یا فوٹوگرافی لوح پر جو فوٹو ہوتا ہے اور وہ اس طرح رکھا جاتا ہے کہ برقی رو اس کو توڑ کر کے پھیلتی ہے اور ایک ایسی لطیف الحس بیٹری پر جا کر وہ پڑتی ہے جو روشنی کے تغیرات کو قبول کرتی رہتی ہے، یہ روشنی پیدا ہونے والی برقی رو فضا مین لاسلکی لہرین پیدا کرتی ہین پھر جہان تصویر لیجاتی ہے، وہان ایک ایسا آلہ لگا ہوتا ہے جو ان برقی لہرون کو جا کر کے روشنی مین منتقل کرتا رہتا ہے، یہ روشنی ہلکے اور گہرے خطوط لوح پر بناتی جاتی ہے، اور سایہ اور نور کی جگہون کو نمایان کرتی جاتی ہے اور اس طرح تصویر لوح پر ایک صندلی سی شکل بنجاتی ہے جسکو بعد مین ابھار لیا جاتا ہے؛

یہ جدید آلہ اس اصول پر نہین بنایا گیا ہے اس کے ذریعہ سے ہم جس شخص کو چاہین اپنی آنکھون سے اسکو اسی حالت مین دیکھ سکتے ہین، اگر وہ کھڑا ہے تو ہم کو کھڑا اور اگر چل رہا ہے تو چلتا دکھائی دیگا، گویا ہماری قوت بصارت اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ میلون کی دور چیزونکو صدہا پردون کے حائل ہونے کے باوجود دیکھ لیتی ہے؛

موجد نے ابھی تک اس آلہ کے پرزون اور اس کے طریق عمل کا اعلان نہین کیا ہے، اور وہ ہنوز پردۂ راز مین ہے، بظاہر اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ ایسی غیر مرئی برقی شعاعون سے متاثر ہوتا ہے جو دیکھی جانے والی چیزون سے منعکس ہونے والے نور کو میلون تک پھیلا دیتی ہین اور انسان کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ تاریکی کے پردہ مین چھپی ہوئی چیزون کو دیکھ لے،

امید ہے کہ یہ آلہ لاسلکی ٹیلیفون کی طرح گھر گھر پھیل جائے گا، کیونکہ ابتدا ءمین اسکی قیمت صرف تیس پونڈ ہے، اور پھر رفتہ رفتہ اس مین بھی کمی ہوتی جائے گی،

خیال کیا جاتا ہے کہ اس جدید اختراع سے دنیا کی سیاست اور علمی جد و جہد مین عظیم الشان انقلاب برپا ہو جائے گا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ صرف اسکی وجہ سے موجودہ طریقۂ جنگ مین کوئی اہم تغیر و تبدل ہو جائے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آلہ اور لاسلکی ٹیلیفون کی بیک وقت دو سے دور دراز کے لوگون سے بالمشافہ گفتگو کرین اور انسان اہم مقاصد کے سلسلہ مین دو بدو گفتگو کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کی زحمت اٹھانے سے نجات پاجائے،

ز

جدید عربی تالیفات

آجکل مصر، شام اور عراق مین مختلف علوم و فنون پر عربی زبان مین بعض عمدہ اور محققانہ کتابین شائع ہو رہی ہین تاریخی کتابون مین سب سے اہم تالیف شام کے مشہور وسیع النظر مورخ شیخ محمد کرد علی رئیس المجمع العلمی العربی دمشق کی خطط الشام ہے جو علامہ مقریزی کی خطط مصر کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور نہایت تحقیق، جامعیت اور بسط و تفصیل کیساتھ شام کی گذشتہ تاریخ، تمدن، معاشرت، عمارات اور علوم و فنون کے متعلق صدہا کتابون سے جنکر معلومات جمع کئے گئے ہین، اسکی تین جلدین پیشتر شائع ہو چکی تھین، جو شام کی سیاسی تاریخ پر مشتمل ہین، اب اسکی چوتھی جلد شامی تمدن پر ہے جسمین پہلے عربی و اسلامی تمدن پر ایک تبصرہ ہے، اس کے بعد شامی تمدن کو پانچ ابواب مین تقسیم کر کے نہایت توضیح سے واقعات لکھے گئے ہین، اسی سلسلہ مین شام کے علماء، مورخین، مہندسین، اہل موسیقی، اور مصورین وغیرہ کے تذکرے بھی علوم کے ذیل مین آگئے ہین، ابھی اسکی اور جلدین زیر تالیف ہین،

السوریۃ والسوریون (شام اور شامی) کے نام سے ڈاکٹر فلیب پروفیسر جامعہ امریکیہ بیروت کے تین خطبون کا مجموعہ ہے ان تینون خطبون کے عنوانات یہ ہین، شام کے تعلقات دیگر سامی قومون سے، صلیبی لڑائیون مین اہل یورپ نے شام سے کیا سیکھا، اور اسلام کی تاریخ مین شام کا رتبہ،

پروفیسر انیس زکریا نصولی کی الدولۃ الامویۃ فی الشام بھی لائق ذکر ہے جسمین انھون نے اموی حکومت پر اجتماعی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور اس کے محاسن بتائے ہین، مصنف بغداد کے جامعۂ آل البیت مین تاریخ کا پروفیسر تھا، مگر اس کتاب کی تالیف نے بغداد کے شیعہ حلقہ اور طلبہ مین ایسی بےچینی پیدا کی کہ شہر مین فتنہ و فساد کی نوبت پہنچی، طلبہ اور پولیس مین جنگ ہوئی، اور آخرکار حکومت کو مجبور ہو کر مؤلف کو نہ صرف یہ کہ جامعہ سے علحدہ کردیا بلکہ عراق سے بھی نکال دیا، یہ ابھی پچھلے چند مہینون کا تازہ واقعہ ہے،

فلسفہ اخلاق مین موسیو لیبان کی ایک نئی کتاب کا ترجمہ الآراء والمعتقدات کے نام سے شائع ہوا ہے جسمین عقائد اور خیالات کی پیدائش، رسوخ اور انقلاب کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، عبدالقادر مغربی جو دمشق کے استاد ہین نے الاخلاق والواجبات کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی ہے، جسمین انھون نے مذہب اسلام کے اصول کو فلسفہ اخلاق کے اصول سے موازنہ کرکے حقائق کی گرہ کشائی کی ہے،

موسیو لیبان کی ایک اور مختصر کتاب تاریخ تمدن مصر ترجمہ ہوئی ہے جسمین مصنف نے تحریرات اور آثار کی روشنی مین قدیم مصری تمدن، مذہب، اخلاق اور علوم پر بحث کی ہے اور اس باب مین اپنے غور و فکر کے نتائج پیش کئے ہین

ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب الشعر الجاہلی کا تذکرہ کسی گذشتہ معارف مین آچکا ہے، اس کے جواب مین متعدد کتابین لکھی گئین جنمین سے مشہور مصری اہل قلم محمد فرید وجدی کی نقد الشعر الجاہلی استاذ محمد لطفی کی الشہاب الراصد استاذ مصطفے الرافعی کی تحت رایۃ القرآن (قرآن کے جھنڈے کے نیچے) ایسی کتابین ہین جنھون نے عربی مین بعض اہم ادبی اور تاریخی مباحث کا اضافہ کیا ہے، اور ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار اور نظریون کی ان مین ہر مصنف نے اپنے طرز پر تردید کی ہے،

قرآن مجید کے متعلق دو کتابین قابل ذکر ہین، شیخ مصطفے صادق رافعی کی اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ اور شیخ محمد سعید البانی قاضی عجلون کی الفرقان المیزان فی بعض المباحث المتعلقۃ بالقرآن، پہلی کتاب مین قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر جدید طرز و اسلوب سے بحث کیگئی ہے، اکثر موجودہ علماء نے اوس پر اچھی تقریظین لکھی ہین، اور پسند کی ہے،

"ل"

اخبارِ علمیہ

شاہی تعلیمی کانفرنس، جس طرح جنگ کے بعد برطانوی حکومت کے مقبوضات کے نمایندون کی سالانہ مجالس، سیاسی مسائل پر غور کرنے کے لیے ہوا کرتی ہین، اسی قسم کی ایک عام شاہی مجلس ہر تیسرے برس تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال کے لیے منعقد ہوتی ہے، اس سال اس کا اجلاس لندن مین ۲۰ جون سے ۸ جولائی تک ہوگا، ہر نوآبادی کی حکومت اپنا نمایندہ اس مین بھیجیگی اور یہ نمایندہ اس حکومت کے محکمۂ تعلیم کا ایک افسر ہوگا، سر آبرے سیمنڈ جو مجلسِ تعلیمات برطانیہ کے مستقل معتمد ہین، اس کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر ہین،

اس کانفرنس مین جن مسائل پر بحث ہوگی ان کو پانچ شعبون مین تقسیم کیا گیا ہے، ایک جماعت طالب علم کی حالت بعد تکمیلِ تعلیم پر بحث کرے گی، دوسری جماعت ان ممالک کے متعلق گفتگو کرے گی جو خطِ استوا پر واقع ہین اور جہان مختلف اقوام کے لوگ رہتے ہین، تیسری جماعت دیہاتون مین تعلیم کے موضوع پر اظہارِ خیال کریگی، چوتھی جماعت جدید خیالات و حالات پر نظر ڈالے گی، اور پانچوین جماعت عام تعلیمی مسائل کے متعلق ہوگی، عام مسائل مین لاسلکی اور سینما کے ذریعہ تعلیم کا مسئلہ بھی ہوگا،

گویا سینما، عرصہ سے اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ سینما مین متحرک تصاویر کے ساتھ ہی اتحادِ صوت بھی پیدا کیا جائے اور اگرچہ اس کے متعدد ابتدائی تجربے بھی ہو چکے تھے لیکن ان مین یہ نقص تھا کہ آواز اور تصاویر کی حرکت ایک ساتھ نہین ہوتی تھی، اب نیویارک امریکہ کی جنرل الکٹرک کمپنی نے اپنے تجربہ گاہ مین عرصہ کی کوشش کے بعد اس کمی کو بھی پورا کرنے مین کامیابی حاصل کر لی ہے اور حال مین تجربۃً جو تصاویر دکھائی گئی تھین ان مین خیالات کا اظہار تحریری نہین بلکہ صوتی تھا، اور اشتراکِ حرکت اور صوت بھی قائم

تھا، امید کہ یہ ایجاد بہت جلد عام تماشہ گاہون مین بھی پہنچ جائے گی،

زہر سیاب، جامعہ کارنل کے مشہور استاد ایل ایم ڈونس نے ایک مضمون مین اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ وہ اشخاص جو سیاب کے کارخانون مین کام کرتے ہین، دراصل تدریجی طریقہ سے اپنے کو لب گور پہنچاتے ہین کیونکہ سیاب سے جو بخارات پیدا ہوتے ہین وہ سانس کے ذریعہ غیر محسوس طور پر پھیپھڑون مین داخل ہوکر ان کو خراب ہی نہین کر دیتے بلکہ دوسری ناقابل علاج بیماریان بھی پیدا کر دیتی ہین برلن کے مشہور استاد کیمیا پروفیسر الفریڈ رسٹاک نے بھی اسکی تصدیق کی ہے،

عکس ریزی کی ترقی کا ایک اور قدم، اس وقت تک عکس ریز کے ذریعہ صرف ہڈیون وغیرہ کے بیرونی حالات کی تصاویر لیجا سکتی تھین، لیکن حال مین اساتذۂ فن کی جو مجلس برلن مین منعقد ہوئی تھی، اس مین ڈاکٹر السنر نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اب عکس ریز کے معدہ اور اس کے اندر جو اشیاء موجود ہون اور جس حالت مین ہون انکی صاف و واضح تصویر لے سکتے ہین، ان تصویرون کیلئے انھون نے خاص قسم کا کمرہ بھی ایجاد کیا ہے اور وہ پندرہ سکنڈ کے اندر سات تصاویر کھینچ لیتا ہے،

تیزاب کے ذریعہ حلق و صدر کا علاج، ڈاکٹر سی، تھوہلا نے دعویٰ کیا ہے کہ مسلسل تجربہ کے بعد وہ اس انکشاف مین کامیاب ہوئے ہین کہ اگر تیزاب کو بخارات کی شکل مین منتقل کرکے انکی سانس لیجائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ حلق و صدر کی کوئی بیماری پیدا نہین ہوتی، بلکہ سل و دق کے ابتدائی مدارج کے مریض بھی اس سے صحتیاب ہو سکتے ہین، انھون نے اس کا تجربہ ایک ایسے کارخانہ مین کیا ہے جہان تیزاب استعمال ہوتا تھا اور جب کمرہ مین تیزاب استعمال ہوتا تھا، اس کے کام کرنے والون کو نہ صرف یہ کہ کوئی حلقی یا صدری مرض نہین ہوا

بلکہ وہ عام متعدی امراض سے بھی محفوظ رہے،

سب سے بڑا خطرہ:- ڈاکٹر ایل، او، ہوورڈ نے سائنٹفک امریکن میں ایک دلچسپ طویل مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ بنی نوع انسان کی مختلف جماعتین سیاسی، تجارتی، مذہبی و معاشی عداوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہورہی ہین، لیکن وہ اپنے اصلی دشمنون سے ناواقف ہین، ان کا خیال ہے کہ کرۂ ارض انسان سے زیادہ زہریلے کیڑون کے لیے زیادہ موزون ہے، اور خدا کی یہ خاموش لیکن خطرناک مخلوق انسان اور اس کے کام آنے والے جانورون کو تباہ کرنے کے کام مین مشغول ہے، ان کی پیشین گوئی ہے کہ اگر موجودہ صورتِ حال باقی رہی تو وہ زمانہ زیادہ دور نہین جب یہ ناقابلِ التفات دشمن انسان کو اس دنیا سے فنا کردے گا، اس لیے انسان کا فرض ہے کہ حفاظتِ خود اختیاری کے اصول پر باضابطہ اعلانِ جنگ کرکے یا تو دشمنون کو فنا کردے یا پھر خود ہی فنا ہوجائے،

دنیا کی آبادی:- سر چارلس کلوز نے حال ہی مین شاہی مجلس جغرافیہ کے سامنے دنیا کی آبادی کے متعلق بعض اعداد پیش کئے تھے، انھون نے بتایا کہ ۱۹۲۴ء مین تمام دنیا کی آبادی ۱۸۵۹۰۰۰۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے، ہر سال دو کرور آبادی کا اضافہ ہوتا ہے، اس صورت مین ۲۰۰۰ء مین یہ تعداد بڑھکر ۳۱۵۰۰۰۰۰۰۰ ہوجائے گی، برفستانی و ریگستانی علاقو کو مستثنیٰ کرکے ہر مربع میل کے حدود کے اندر ۳۸ اشخاص آباد ہین، لیکن مختلف ممالک کی آبادی مختلف ہے، مثلاً انگلستان و ویلز مین ہر مربع کیلومٹر مین ۲۵۱ اشخاص آباد ہین، بلجیم مین ۲۴۵، اطالیہ مین ۱۳۰، جرمن مین ۱۲۷، فرانس مین ۷۱، اسکاٹلینڈ مین ۶۳، خود مختار ریاست آئرلینڈ مین ۴۶، اسپین مین ۴۲، روس مین ۲۴، ناروے مین ۸،

"م"

ادبیات

حسن باقی

از جناب شبیر حسن صاحب جوشؔ ملیح آبادی

چونک اے دل کہ ابھی تک ہے وہ محفل باقی — وہی صحرا ہے، وہی جلوۂ محمل باقی

ہے بدستور ہلالِ شبِ اوّل ضَو ریز — ہے اوسی طرح جمالِ مہِ کامل باقی

اب بھی ہر چیز ہے آئینۂ رخسارِ حبیب — اب بھی ہر شے ہے یہان ناز کے قابل باقی

اب بھی ہر دل پہ ہے اس کاکلِ شبرنگ کا دام — اب بھی ہر روح مین ہے شورِ سلاسل باقی

وحشت پیما نظر آتا نہین کوئی ورنہ — وہی جادہ ہے ابھی تک وہی منزل باقی

سرفروشانِ محبت ہی نہین ہین ورنہ — وہی قاتل ہے، وہی خنجرِ قاتل باقی

غور کرنے سے الجھتا ہے ترا دل، ورنہ — ہے وہی کشمکشِ حلِّ مسائل باقی

تو نے سننے کی قسم کھائی ہے ناداں، ورنہ — اب بھی گلشن مین ہے کھبانگِ عنادل باقی

آج تک رسمِ درِ عشق کا محکم ہے نظام — وہی ناخن ہین، وہی عقدۂ مشکل باقی

ہوش مین آ، کہ ازل سے ہے برابر اب تک — خندۂ شاہدِ مطبوع شمائل باقی

تو نے کیا سوچ کے یون میان مین رکھ لی تلوار — دیکھ اب تک ہے نزاعِ حق و باطل باقی

سن کہ اب تک ہے بیابان مین جرس گرمِ فغان — اٹھ، کہ اب تک ہین بہت واقفِ منزل باقی

راہ کو منزلِ مقصود سمجھنے والے! — جانتا ہے ابھی کتنے ہین مراحل باقی؟

ذرۂ خاک کو جوہر بنا دیتا ہے، — آج بھی تجھ مین ہے وہ جوہرِ قابل باقی

دل مین جو آگ تھی، ہرچند پڑی ہے ٹھنڈی — پھر بھی اک آنچ سی ہے متصلِ دل باقی

نبضِ فطرت کی دھمک جو تیز ہو کیونکر معلوم
جو دھڑکتا تھا وہ پہلو میں نہیں دل باقی

امید

از جناب مولوی سید سراج الحسن صاحب، رمزی وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

تو ہے شمعِ انجمن، عالم ہے پروانہ ترا — تو نشاطِ روح ہے نغمہ ہے روح افزا ترا
اے بہارِ بے خزاں اے شاہدِ رنگین قبا — کتنا دلکش ہے نظر میں جلوۂ زیبا ترا
لذتِ ذدا تری آغوشِ ساغر میں ملی — رنجِ دوشین کا مداوا نشۂ صہبا ترا
تیرے خاکستر سے ہوگا مہرِ خاور پھر بلند — طالبانِ نور کی محفل میں ہر چرچا ترا
مطربِ ہوش آ کے دیتا ہے پیغامِ حیات — یادِ ماضی سے ہر اک سر نغمۂ فردا ترا
ہوگا پھر ابرِ بہاری خیمہ زن کہسار پر — دے گا پھر پھولوں سے بھر دامن مرا صحرا ترا
مرتبہ کیا جانے اپنی خاک کا تو اے امید — سجدہ گاہِ قیس ہے سنگِ درِ لیلا ترا

تیری پیشانی خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
جلوہ گر پھر ہوگی عالم میں کرن امید کی

آ نظر اے ساقیِ خمار! میخانہ بدوش — تیری صہبا کے تصور سے اڑ جاتے ہیں ہوش
خانۂ ہستی ہے پر رونق ترے انوار سے — گرم تیرے دم سے محفل میں صلائے ناؤ نوش
ہستیِ انسان عبارت تیری ہستی سے ہوئی — بحرِ امکان میں تری تحریک سے جوش و خروش
اے کہ تو بھولا ہوا ہے مژدۂ لاتقنطوا — سن ذرا گوشِ حقیقت سے پیغامِ سروش

ایک بار اور انقلابِ آسمان ہونے کو ہے
پھر ترے زیرِ نگین سارا جہان ہونے کو ہے

نغمہ ہو کیون آشنائے لذتِ تاثیر سے — سوزِ پنہان سے ترے جب ساز ہی بیگانہ ہو

گرم پھر ہو جا دلِ دیوانہ کی تفسیر مین — تیری تسکین بانیٔ تعمیرِ دل ویرانہ ہو

ذرہ ذرہ دہر کا جلوہ سے تیرے مستنیر — شمعِ محفل تو ہے ورنہ سر بسر پروانہ ہو

ہیچ تھا کس خاک کا جوہر جو تو جامِ امید — شیخ کا کشکول ہے رندون کا تو پیمانہ ہو

تو جہان آئی کہ دل سے فکرِ فردا دور ہے — تیری موجِ بحر کا ہر قطرہ اک میخانہ ہو

تو شرابِ عشق ہے ذوقِ دل شناس ہے

نور ہے سینہ کا تو اور روح کا احساس ہے

منزلین طے کر کے پہنچی مصر سے سینا مین تو — شوقِ موسیٰ تو بنی پھر وادیٔ ایمن بنی

تیکی تیشہ مین وہان سے کی جوئے شیر مین — ناتوانی مین تو زورِ بازوئے کوہکن بنی

چشمِ نابینا کو ترا نور روشن کر گیا — دیدۂ یعقوب کی خاطر تو پیراہن بنی

شکل مین شبنم کی اتری آسمان سے رات کو — دن کو کشتِ سبز مین سرمایۂ خرمن بنی

ابرِ رحمت بنکے چھائی تو فضائے دہر پر — دشتِ ویران مین برس کر صورتِ گلشن بنی

یون تو ظاہر مین تمناؤن کا بتخانہ ہے تو — پر حریمِ دل مین تو اللہ کا مسکن بنی

کچھ سہارا ہے تو بس تیرا ہے اے بیکس نواز

مظہرِ لطفِ الٰہی، دو جہان کی کارساز

نالۂ بسمل

از جناب مولوی امین احسن صاحب بسمل موہانی، ناظم پائے گاہ سالار جنگ

تیری عنایتون نے گرانبار کر دیا — آمرزشون نے اور گنہگار کر دیا

کس ذوق شوق سے مین چلا حشر دیکھنے — رحمت نے اس کی واقفِ اسرار کر دیا

مین رازِ کائنات سے بیگانہ تھا مگر
اے عشق تو نے مجھکو خبر دار کر دیا

ہون مبتلائے کشمکشِ جبر و اختیار
خود سر بنا دیا، مجھے ناچار کر دیا

آنکھین فسون طراز تو غمزے ستم شعار
بیخود بنا دیا، کبھی ہشیار کر دیا

دنیا میں سادگی تھی مگر پیچ پڑ گئے
افشا جو فتنہ ہائے دل آزار کر دیا

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا
بالین پہ آکے موت نے بیدار کر دیا

کیا چاہتا ہون اُنسے مین سرگشتہ وفا
میری نگاہِ یاس نے اظہار کر دیا

بسمل کو میکدہ سے سروکار کیا مگر
ساقی کی چشم مست نے میخوار کر دیا

کلامِ اکبر

(از جلال الدین صاحب اکبر بی اے، لاہور)

ہجوم صد بلا ہے اور مین ہون
تماشائے قضا ہے اور مین ہون

دلِ درد آشنا ہے اور مین ہون
محبت کا مزا ہے اور مین ہون

نہ پوچھو بے دلیہائے تمنا
دلِ حسرت فضا ہے اور مین ہون

نہ چھیڑو قصۂ بے تابیِ غم
دلِ محشر نوا ہے اور مین ہون

ادھر وہ بیت ہے اور ساری خدائی
ادھر میرا خدا ہے اور مین ہون

مری دونِ ہمتی کا رد دیکھو
مقدر کا گلہ ہے اور مین ہون

نہین کوئی ٹھکانا بیکسون کا
تری دولت سرا ہے اور مین ہون

کیا مجھ کو یہ برباد عاشقی نے
کہ اب دستِ دعا ہے اور مین ہون

وہی مین ہون، وہی دردِ محبت
وہی صبح و مسا ہے اور مین ہون

مین اکبر قیدیِ الفت ہون یعنی
وہی نا آشنا ہے اور مین ہون

باب التقریظ والانتقاد

باقیات فانی

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

ولی دکھنی سے لیکر میر و سودا تک اور میر و سودا سے لیکر داغ و امیر و جلال تک اردو شاعری کا ایک خاص رنگ تھا، جو تمامتر ایران و ہندوستان کے ممزوج تمدن کا نکھار تھا، غدر کے بعد ہندوستان کے تمدن علوم اور خیالات کا یورپ کے تمدن، علوم اور خیالات سے جو تصادم ہوا، اس کے اثر سے اردو شاعری بھی نہ بچ سکی، شمس العلما آزاد اور مولانا حالی، اور اس کے بعد میر اکبر حسین ہمارے شعرا کی پہلی جماعت ہے جس نے اس اثر کو قبول کرکے اردو شاعری کا رنگ بدلا، اس کے بعد وہ دور آیا جب خود جدید تعلیم کے آثار و نتائج نے برگ و بار پیدا کیا، آزاد و حالی اور اکبر شاعری کی دوسری صنفون کو مثلاً قصائد، قطعات، رباعیات کو قدیم طرز کے تنگ کوچہ سے آزاد کرکے جدید طرز شاعری کے وسیع میدان مین لے آئے، مگر غزل مین اگرچہ بوڑھے بھی اپنے عشق و محبت کی قدیم داستانون کو نہ بھلا سکے، اور اپنی جوانی کی روداد حسن و عشق کے اظہار مین کوئی تاویل، تحریف اور تغیر مناسب نہ سمجھی، نوجوان اقبال نے جدید تعلیم و خیالات کے زور سے اپنے لئے نیا راستہ نکالا، اور یکہ و تنہا اپنے ہوائی جہاز پر بیٹھکر اپنا سفر شروع کر دیا، غزل کی دنیا مین انقلاب درحقیقت حسرت نے پیدا کیا، اگر وہ قید خانہ کی بیگاری مین کام پیدا کرنے کے لیے شاعری نہ کیا کرتے تو اونکی اولیت کے نمبر کو کوئی مٹا نہین سکتا تھا جو ہر کا

حال ان سے مختلف رہا، ان کو زلیخائے شاعری کا دیدار زندانِ یوسف ہی مین نظر آتا رہا، جب اہلِ مرنے تو مصر و می کے قحط کے بندوبست سے ان کو فرصت نہ ملی، حسرت کے بعد عزیز لکھنوی، اصغر اور جگر نے اس تغیر کو بالکل نمایاں کر دیا، اور غزل کی زمین مین پرانے گل و ریاحین کے بجائے نئے نئے رنگ اور نئے نئے پھول کھلائے، اس دور کے خیالات جو ابھی تک درجۂ تکوین مین ہے، پچھلے دور سے جو ختم ہو چکا بالکل مختلف تشبیہات، استعارات، اصطلاحات، محاورات اور زبان و طرزِ ادا مین غیر معمولی فرق پیدا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے فانی کا دیوان باقیاتِ فانی ہے، اور اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، اس سے پہلے ان کے کلام کا مجموعہ دیوانِ فانی کے نام سے شائع ہوا تھا، جس مین ابتدائی مشق کا منتخب سنہ ۱۹۱۹ء تک کا کل کلام شامل تھا، اب حال مین انھون نے اپنے کلام کا مکمل مجموعہ باقیاتِ فانی کے نام سے اربابِ ذوق کے سامنے پیش کیا ہے، جو چار مختلف اجزا پر مشتمل ہے۔

پہلے حصہ مین جناب رشید احمد صاحب صدیقی پروفیسر اردو مسلم یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ۳۰ صفحہ کا مبسوط ریویو ہے، اس مین موصوف نے اپنے خاص رنگ اور طرز مین نہایت خوبی اور جامعیت کیساتھ عام شاعری پر بحث کی ہے، ریویو کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے،

شاعری فطری ہے کسبی نہین، مفہوم شعریت، تعریفِ شاعری موجودہ شعرا کے اقسام شاعر کے لئے کیا کیا چیزین ضروری ہین، شاعری کا طریقہ علی الترتیب خیال اس کے لیے موزون الفاظ، خیال اور طرزِ ادا کی ندرت، ندرتِ خیال کے لیے نئی ترکیبین اور بندشین "حسنِ منجمد" "لرزشِ انعطافی" "رقصِ مترنم" "شبابِ مرتعش" جیسی مہمل اور بے معنی ترکیبون سے احتراز، قدما کے کلام سے فائدہ اٹھانا، شعرا کا مطمحِ نظر، قوم ملک زمانہ کے روایات و رجحانات سے بلند ہونا چاہیئے، کسی مخصوص فرد یا خاص کلام کو نمونہ نہ بنانا چاہیئے، بلکہ براہِ راست روح القدس سے کسبِ نطق کرنا چاہیئے، شاعر کو پارینہ دفتر کے بجائے جس پر سیکڑون نقاش اپنی مصوری کے نمونے دکھا چکے ہون، بیاضِ فطرت کے سادہ اوراق پر نقش آرائی کرنا چاہیئے، حقیقی شاعر کون ہے، اور اسکی

شاعری کے اجزا کیا ہونے چاہئیں، شاعری کی مختلف تعریفیں، آخر میں آرٹ پر دلچسپ بحث کی ہے،

دوسرے حصہ میں ۹۴ صفحے میں پروفیسر صاحب نے فانی کی شاعری پر ریویو کیا ہے اور اس کے بعض پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی ہے، یہ دونوں حصے "سرود بستان" کے نام سے علحدہ بھی شائع ہو چکے ہیں، شعر و شاعری کے موضوع پر اس سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چنانچہ مولانا حالی اور مولانا شبلی نے مقدمہ اور شعر العجم میں ان بحثوں کی مفصل کی ہے، مولانا اقبال سہیل نے بھی نشاط روح کے مقدمہ میں دلنشین طرز سے نئے مضامین ادا کئے ہیں لیکن اس موضوع پر اب بھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش باقی ہے، اس حیثیت سے پروفیسر صاحب کا یہ مقدمہ فائدہ سے خالی نہیں ہے، اور اس میں شاعری کے بہت سے نکات اور نوجوان شعرا کی بیراہ روی کو روکنے کے لیے بہت سی کارآمد ہدایات ملتی ہیں،

دوسرے جز کا بڑا حصہ فانی اور غالب کے موازنہ پر مشتمل ہے، اس میں شک نہیں کہ فاضل نقاد نے نہایت خوبی سے اس فرض کو ادا کیا ہے، لیکن یہ پہلی کشید کی خوبی تھی کہ اسکو فانی نے دو آتشہ کرکے اور تیز کر دیا ورنہ غالب کی گلاب آمیز بادہ کو فانی کی سوڈا واٹر ملی ہوئی شراب سے کوئی مناسبت نہیں، فانی کے صرف دس پانچ اشعار ایسے مل سکتے ہیں جو غالب کے اشعار کے مقابل میں پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن غالب کے بیسیوں اشعار ایسے ہیں کہ فانی کا خیال وہاں تک بمشکل پہنچ سکتا ہے، بہرحال یہ ایک ناقد کی رائے ہے، اگر بجائے اس طول موازنہ کے فانی کی شاعری کے مختلف پہلو دکھائے جاتے تو انکی شاعری کے تمام محاسن سامنے آجاتے،

رشید صاحب کے خیالات کا جہاں تک تعلق ہے، ان کا مقدمہ نہایت دلپسند اور مفید ہے، مگر جہاں تک زبان اور طرز ادا کا تعلق ہے وہ صرف ایک خاص قسم کے خیالات کی تعبیر و ادا کے لئے موزون ہے، سنجیدہ ظریفانہ مضامین کے طرز خاص کے وہ موجد ہیں، اور اس بزم میں ان کے یہ قہقہے محفل میں رونق پیدا کرتے ہیں، مگر فلسفیانہ اور ٹھوس خیالات ان کے قہقہوں کی گونج میں منتشر ہو جاتے ہیں، بہرحال وہ "سرود بستان" ہے، امید ہے کہ یہ سرود بعض سرمستوں کی یاددہانی کا فرض ادا کرے گا،

تیسرے حصہ مین جناب جگر مراد آبادی کا صفحہ کا تبصرہ ہے ہمارے خیال مین یہ حصہ بالکل غیر ضروری تھا نقاد شاعر نے خود بھی اس نکتہ کو سمجھ لیا ہے کہ ہر شاعر کا ناقد ہونا ضروری نہیں بہر حال ان سب مراحل کے بعد منزل مقصود آتی ہے یعنی اصل دیوان جسمین زیادہ حصہ غزلون کا ہے اور کچھ قطعات رباعیات اور متفرق اشعار ہین

فانی کے دیوان کو پڑھکر جو بات سب سے پہلے ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے شاعر ہین جو دنیا کی بے ثباتی اور یاس سے سر تا پا محزون اور غمگین ہین، اور ان جذبات کے اظہار مین وہ حقیقی شاعر ہین،

حقیقی شاعری کی خصوصیات | ایک عام خیال کا معمولی طریقہ سے ایک مخصوص وزن مین ادا کر دینا معمولی بات ہے جسکو ہر ناظم بآسانی کر سکتا ہے، لیکن حقیقی شعراء کے کلام کے لیے بعض خصوصیات درکار ہین، ان مین سب سے مقدم خیال کی ندرت ہے یعنی شاعر کا خیال اتنا وسیع اور بلند ہو کہ عام نگاہین وہان تک مشکل پہنچ سکین اس کے بعد ندرت ادا کا درجہ ہے یعنی مضمون اگرچہ پامال ہو لیکن اسکو اس اسلوب سے باندھا جائے کہ بالکل نیا ہو جائے اس کے بعد بندش، جوشِ بیان، لطفِ زبان، وغیرہ کا درجہ ہے، ان خصوصیات کے علاوہ اس کا ایک خاص رنگ ہونا چاہیئے جو اس کا طغرائے امتیاز ہو، فانی کا کلام ان تمام اوصاف کا جامع ہے،

ندرتِ خیال وندرتِ ادا | مرنے کے بعد خاکِ عاشق کا دامنِ یار سے لپٹ کر دل کی بھڑاس نکالنا ایک پامال مضمون ہے جسکو سیکڑون شعراء نے نظم کیا ہے، لیکن فانی کی ندرت سے ان کو کوئی نسبت نہیں انکی خاک بھی دامنِ یار سے لپٹتی ہے، لیکن ساتھ ہی احترامِ حسن کا دامن بھی ہاتھ سے نہین چھوٹتا ہے، خاکِ عاشق کی گستاخ دستی پر یار کی عتاب آلود نگاہ پڑ جاتی ہے، ذرہائے خاک مین احساسِ تقصیر پیدا ہوتا ہے لہذا وہ حالتِ فنا مین بھی کانپ اٹھتے ہین،

کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف | کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامنگیر کا

خزان کی بربادیون اور بہار کی رنگینیون کے بہت سے مناظر دیکھے ہونگے لیکن فانی کی تعبیر نے جو بہار پیدا کر دی ہے اسکی مثال مشکل سے مل سکیگی، ان کے یہان خزان اور بہار صرف معشوق کی دو مختلف

کیفیتوں کے مظاہر ہیں،

بہار نذرِ تغافل ہوئی، خزاں ٹھہری خزانِ شہیدِ تبسم ہوئی، بہار ہوئی

دوسرے مصرعہ کی لطافت و رنگینی کس درجہ پر کیف ہے،

آہ و نالۂ مشتاق کا کارگر حربہ ہے کہ اس کے اثر سے محبوب مشق ستم چھوڑ کر مائل بہ کرم ہو جاتا ہے، لیکن تیِ غمزۂ عشاق کی تاثیر، فانی کے یہاں سرمایۂ انفعال و ندامت بنجاتی ہے اور اسکے بدولت کرم تو کجا لطف ستم بھی چھن جاتا ہے،

وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

شعراء عموماً ہجر کے مصائب اور عشق کی نامرادیوں سے تنگ آکر موت سے مصائب کا خاتمہ چاہتے ہیں لیکن فانی کا عشق ان سے بلند تر اور پاکیزہ تر ہے، ان کے یہاں عشق میں مرنا شہادت کا ہم پایہ اور کسی کی یاد میں جان دے دینا خدا کی راہ میں کام آنے کے برابر ہے جسمیں ظاہراً موت کے بعد بھی دائمی زندگی ہے جسکو کبھی فنا نہیں، اسلئے وہ عشق کے مصائب سے موت کے خواہاں نہیں ہوتے کیونکہ وہ شے جو مصائب کا سبب ہے یعنی زندگی، وہ اور مستقل اور پائدار ہو جاتی ہے، اور جب چند روزہ مصائب ناقابلِ برداشت ہیں تو دائمی مصائب کے برداشت کے لئے کہاں سے قلب و جگر آئے،

ہو غمِ ہستیِ جاوید گوارا کیونکر جان کیا دیں کہ بہت جاں سے بیزار ہیں ہم

فراق کی راتوں میں دل کی تڑپ کا مضمون شعراء نے مختلف پہلوؤں سے باندھا ہے، لیکن فانی کی تڑپ سے اسکو کوئی مناسبت نہیں۔

دل کیوں شبِ فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

ہر درد و ہر کرب کی آخری حد یہ ہے کہ سکون ہو جائے اسلئے انتہائی اضطراب کے بعد سکون لازمی ہے

لیکن فانی اس سکون کو سکون ہی نہیں مانتے بلکہ اضطراب کی دوسری شکل سمجھتے ہیں،

"وہم رشک" کو اس لطیف انداز سے باندھا ہے کہ اس کے بعد رشک کا کوئی درجہ باقی نہیں رہجاتا،

رشک و رقابت کے بہت سے مضامین ناظرین کی نظر سے گذرے ہونگے لیکن رشک کی یہ صورت شاید

پہلی بار دنیا مین ظاہر ہوئی ہے، عاشق نگاہ التفات کا پیاسا موجود ہے، معشوق آئینہ خانہ مین اپنے حسن و جمال کی

رعنائی دیکھتا ہے ساتھ ہی اسکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ عاشق کو میرے عکس پر رشک نہ آجائے کہ وہ حیرت سے مجھکو

تک رہا ہے، اسلیے فوراً عاشق کے چہرہ پر نظر ڈالتا ہے، کہ اسکے جذبہ رشک کا اندازہ لگائے

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجئے   آئینہ دیکھکر مجھے دیکھا نہ کیجئے

معشوق کے ہاتھوں عاشق کا قتل اور اس قتل بے گناہی کا قصاص روز حشر پر اٹھا رکھنا ایک عام

بات ہے لیکن فانی دنیا ہی مین انتقام لیتے ہین، اور کیسا زبر دست انتقام لیتے ہین،

قاتل سنبھل کہ یہ نگہ واپسین نہیں   خنجر ہے مرے دل کے لہو مین بجھا ہوا

ایک معشوق اپنے وفادار شیدائی کو بے دردی سے قتل کرتا ہے، قتل کے وقت عاشق آخری

حسرت بھری نگاہ جسمین بے گناہی اور آخری وفاداری کا نور جھلک رہا ہے، عاشق کے چہرہ پر ڈالتا ہے،

کیا اس حسرت انگیز نگاہ کی تاثیر سے زیادہ کوئی انتقام ہو سکتا ہے؟

طاقت صبر اس وقت جواب دیتی ہے جب کوئی حالت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے لیکن

فانی دامنِ صبر چھوڑنے کا ایک نرالا اور پرکیف سبب بیان کرتے ہین،

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر   کام ان کی بے قرار نگاہون سے پڑگیا

صبر اور بے قراری کا بے تکلف تقابل تضاد بھی قابلِ توجہ ہے.

عشق کی ابتدا اور اسکی انتہا کا بیان اس سے زیادہ بلیغ اور اچھوتے پن سے اور کیا ہو سکتا ہے،

ہائے کیا دن ہین کہ نقشِ سجدہ ہے اور سر نہیں   یاد ہین وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا

اسی ابتدا اور انتہا کا دوسرا رنگ بھی ملاحظہ ہو ابتدائے عشق میں نالہ و شیون اور فریاد و فغان سب کچھ ہوتا ہے لیکن انتہا یہ ہے کہ طاقتِ فریاد تک مسلوب ہو جاتی ہے اس وقت معشوق فریادرسی کرنا چاہتا ہے لیکن طاقتِ فریاد جواب دے چکتی ہے،

آمادۂ فریادرسی ہے وہ ستمگر	فریاد! کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے

کلیم اور طور کا واقعہ شعرا کا خاص موضوع ہے اور ہر شاعر نے اس پر طبع آزمائی کی ہے، ان سب میں اتنا قدر مشترک ضرور ہے کہ کلیم نے طور پر برقِ تجلی دیکھی اور خرمنِ ہوش پر بجلی گر پڑی، لیکن فانی صورت واقعہ میں مشتبہ ہیں، ان کے نزدیک جمالِ یار بے نقاب نہیں ہوا تھا بلکہ نقابِ یار پر نظر پڑی تھی، اور موسیٰ جسکو برقِ تجلی سمجھے وہ اسی زرتار نقاب کا تار تھا، کچھ اور نہیں،

جمالِ بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا	کلیم! برقِ طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

اس شاعرانہ تخیل کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فانی "در پردہ" یہ کہنا چاہتے ہیں کہ طور پر ذات کی تجلی نہ تھی، صفات کی جلوہ آرائی تھی،

برق و نشیمن کی چشمک بہت قدیم ہے اور غریب بلبل نے کوئی تنکا رکھا، ادھر برق کی نگاہِ غضب سے جلکر خاکستر ہو گیا، فانی کے یہاں اس رسم کے ادا کرنے کے لیے برق کی ضرورت نہیں کہ خود تنکوں میں آتشگیر مادہ موجود ہے،

نہ آ قریب کہ پردۂ فنا ہوں میں	بنا ہے برق کے تنکوں سے آشیاں اپنا

بلکہ اس سے بھی بڑھکر صرف ہوسِ تعمیر کا نام برق ہے، اور یہ سچ ہے کہ صرف "خواہش" ہی کے وجود سے مصائب اور مشکلات کا دنیا میں وجود ہے،

تعمیرِ آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق	جب ہم نے کوئی شاخ چنی، شاخ جل گئی

اسی برق کو تیسرے آشیانہ پر گرتے دیکھئے،

اس کے سوا نہیں خبر آشیان مجھے — میں تھا اسیر دام تو بجلی چمن میں تھی

فراق، عاشق کے لیے پیام مرگ ہے، لیکن یہی فراق درد آشنا قلوب کے لیے ایک نعمت اور ایک زندگی ہے،

عمر خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں — زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

عامیوں کے لیے حسن کا اپنی جفاؤں پر پشیمان ہونا، فال نیک اور مظالم کی حسن تلافی ہے، لیکن اس پشیمانی سے خواص کی روح لرز جاتی ہے،

روح ارباب محبت کی لرز جاتی ہے — تو پشیمان نہ ہو، اپنی جفا یاد نہ کر

عشق کی اس عالی ظرفی، پاکیزگی اور احترام حسن میں ملکوتیت کی شان جھلکتی ہے، اسی عالی ظرفی کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا کرتے ہیں،

صبر شایان محبت تو نہیں ہے لیکن — شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر

زخم عشق کے لیے تدارک مرہم ننگ عاشقی بلکہ نمک پاشی ہے،

دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائیں چارہ گر آیا — لیجئے نئی زخم جگر پر اک اور تازہ آفت مرہم

جبین نیاز سجدہائے شوق کے لئے بے قرار ہے لیکن نقش کف پا کی شناخت نہیں، اسلیے ہر نقش کو دیکھکر ذوق سجدہ بے قرار ہوجاتا ہے اور سر میں آشفتگی پیدا ہوجاتی ہے،

ہر نقش پا کو دیکھ کے دھنتا ہوں سر کو میں — پہچانتا نہیں ہوں تری رہ گذر کو میں

اسی زمین میں غالب نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اسی جذبۂ حیرانی کو اس طرح ادا کیا ہے،

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

فصل بہار میں سودائیان عشق کا گریبان کو نا بدامن کر دینا ایک عام مضمون ہے لیکن فانی کی ندرت بیان اسکو بالکل اچھوتا کر دیتی ہے، چاک گریبانی انھوں نے بھی دکھائی ہے لیکن

نہیں تعبیر کرتے بلکہ گریبان کا دامن سے گلے ملنا کہتے ہیں،

بہار آتے ہی یارب عید آئی اہلِ زندان کو گریبان نے گلے لپٹا لیا بڑھ بڑھ کے دامن کو

بہار اور دیوانون کی عید، عید اور گلے لپٹانے کی مناسبتین قابلِ لحاظ ہین،

ناوکِ مژگان کی چھیڑ ملاحظہ ہو،

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

ناوک کے عزمِ نوازش پر چاکِ جگر کا لبیک کہنا دونون مین ربطِ نہانی کی طرف لطیف اشارہ ہو،

آنکھین صرف اس لئے تھین کہ جمالِ یار کا شوق ان کی نگاہون سے ظاہر ہو، لیکن جب شوق کی جگہ

یاس نے لے لی تو پھر آنکھون کو زمانۂ شوق کی یادگار کے سوا اور کیا کہا جائے،

نگاہِ شوق کے دم تک تھین آنکھین اب آنکھین یادگارین ہین نظر کی

نظر تو زمانۂ شوق کی یادگار تھی، یادگارِ وفا بھی ملاحظہ ہو،

اب جفا ہے نہ وفا یادِ وفا باقی ہے تھی جہان شمع وہان خاک ہے پروانون کی

غمِ عشق کی داستان سرائی، درحقیقت اسکی رسوائی ہے، لیکن تغافل پرسش کی طرف مائل نہین

ہوتا، اور وفا کی شرط یہ ہے کہ دل پر کچھ بھی گذر جائے لیکن زبان عرضِ حال سے آلودہ نہ ہو، ان دونون

نے عاشقی کی شرم رکھ لی،

حسن مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا رہ گئی شرم غمِ عشق کے افسانون کی

حصولِ آرزو ایک خیالِ خام ہے، لیکن فریب خوردہ دل نہین سمجھتا،

ہان ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر کیا کہئے کیا کیا دلِ امیدوار نے

عاشق کی موت و حیات کچھ بھی اس کے اختیار مین نہین ہے یہ سب کسی کی نظر کا کرشمہ ہے،

قضا ہے اب مری زندگی کا دار و مدار سو وہ بھی انکی اداؤن کے اختیار مین ہے،

نرالی دنیا ہے کہ غم ہے جب تک اس میں احساس تکلیف باقی ہے، شاعر مرنا چاہتا ہے کہ پہلے غم دیا، لیکن مسلسل مشق ستم سے برداشتِ غم عادت ثانیہ ہوگئی اور احساسِ غم کا مزا جاتا رہا، غالب نے اس سے پہلے اسی خوگری رنج سے اپنی مشکل حل کی تھی۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج　　　مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

فانی نے کہا،

غم شادیا غم کا لذت آشنا کر کے　　　کیا کیا ستمگر نے خوگر جفا کر کے

میرا خیال ہے کہ غالب کے شعر سے فانی کے شعر میں زیادہ شعریت ہے، غالب نے صرف فلسفہ کی حقیقت سے اس حقیقت کو بیان کر کے حل مشکل کیا ہے، لیکن فانی نے اسکو بھی معشوق کا ایک نیا ستم بتایا ہے کہ جسکو اس نے یہ کیا کہ ستم کی لذت سے محروم ہوجاؤں،

دردمندی کی آخری حد یہ ہے کہ غم میں مزا آنے لگے، اور اسکی بربادی دل کی بربادی کے مترادف ہو، چنانچہ فانی کا درد آشنا دل نگاہِ التفات سے التجا کرتا ہے کہ دلِ مایوس ناز پروردۂ غم ہے خدا را اس کو نگاہ لطف وکرم سے برباد نہ کر،

دلِ مایوس کو اے عہد کرم شاد نہ کر　　　ناز پروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

فانی کی ندرتِ خیال وبیان کی یہ چند مثالیں تھیں، اس چھوٹے سے دیوان میں ابھی اور بکثرت اسکی مثالیں مل سکتی ہیں،

اخلاق و تصوف فانی کی شاعری محض عشق کے جذبات لطیفہ تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ شاعری کی زبان میں اخلاق و تصوف کے حکیمانہ اور نازک مسائل کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہیں، اور درحقیقت یہی شاعری کی جان ہے اور اس سے شاعری کی زمین آسمان بنجاتی ہے،

وحدۃ الوجود تصوف کا بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ سمجھا تا ہے یعنی عالم کون و فساد میں جو کچھ بھی ہے، اسکا

کوئی حقیقی وجود نہیں بلکہ عناصر کی تمام نیرنگیاں صرف اسی ایک ذات کے مختلف مظاہر ہیں، فانی اس کو نہایت سادگی اور بے تکلفی سے یون ادا کرتے ہیں،

آپ ہی اپنی اوٹ مین تو ہے تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

خدا انسان کو ہر قسم کی قوتین عطا کرکے دنیا مین بھیجتا ہے اور دنیا کا گوشہ گوشہ دلفریبیوں اور رنگینیوں سے معمور ہے لیکن پھر بھی تاکید ہے کہ خبردار یا دامن آلودہ نہ ہو،

مست کو چاہیئے بلا کا ہوش خم دے اور دیا نہ اذنِ خروش

فارسی کے مشہور شاعر نے اسی خیال کو اس پیرایہ مین ادا کیا ہے،

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

ہے عکسِ روئے دوست یہ اک پرتوِ مجاز میری نظر بھی کھچ گئی تصویر یار مین

تعینات کی حد سے گذر رہی ہے نگاہ بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والون کا

بیخودی مایۂ عرفان خودی ہے یعنی محرم جلوۂ اسرار ہے نامحرم ہوش

ہم نوا زل سے آشنا ... ہو سکے چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کب حریم ناز مین

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز یہ ترا عالم مستی وہ ترا عالم ہوش

یہ تصوف کا رنگ تھا اخلاق کے نمونے ملاحظہ ہون،

خودداری،

محتاجِ اجل کیون ہے خود اپنی قضا ہو جا غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو پوچھون نہ خضر سے بھی کہ جاؤن کدھر کو مین

دنیا ایک معمہ ہے،

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا | زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

دنیا مین آکر کیا ملا،

حاصل مین مجھے میری زندگی کے عوض | وہ ایک لمحہ ہستی جو صرف خواب ہوا

شوخی وظرافت | شوخی وظرافت شاعری کے چہرہ کا غازہ ہے، بغیر اس کے شاعری حسن بے نمک اور شراب بے کیف رہتی ہے، لیکن اعتدال اور سلامتِ مذاق سب سے پہلی شرط ہے ورنہ یہی شوخی عریان ہو کر شاعر کو بدمذاق اور لطفِ سخن کو بے مزہ کر دیتی ہے، بہت سے اساتذۂ فن ایسے ہیں کہ انکی شاعرانہ عظمت مسلم ہے لیکن انکی استادی کے اعتبار سے ان کے کلام کو درجۂ مقبولیت حاصل نہیں، اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکے، اور انکی شوخی اعتدال سے بڑھکر سوقیانہ پھکڑ ہو گئی، اگرچہ فانی کا رنگ یاس و ناکامی ہے جس مین شوخیون کی زندہ دلی کو بار نہین تاہم ان کا کلام اس سے یکسر خالی نہین، ذرا ان کی شوخ اداؤن کی بہار دیکھئے،

مجکو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا | ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدانِ اضطراب

کیون سادگی مین طور کچھ اب بانکپن کے ہین | کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن مین تھی

آپکی آزردگی بھی بے سبب کی خوب ہے | کیا مزے کا ہے تقاضا عذرِ بے تقصیر کا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے | ترا شباب ہوا دورِ آسمان نہ ہوا

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے | ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

لبریز تموج تھا اک خطِ پیمانہ | محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

رخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف | یون ادھر دیکھا کئے گویا ادھر دیکھا کئے

تمہین کس دل سے اپنی جان کہئے | وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

زبان : زبان بھی شاعری کا ایک حسن ہے، لیکن اس باب مین نہ اس قدر غلو کرنا چاہئے کہ اصل الاصول اسی کو قرار دیدیا جائے اور اس سے زیادہ ضروری چیزین مثلاً خیالات کی وسعت اور پاکیزگی وغیرہ کو بالکل قطع نظر کر دیا جائے اور نہ اس قدر بے نیاز ہو جانا چاہئے کہ زبان کے تمام قیود کو توڑ کر آزادی حاصل کر لیجائے۔ اگر دوسرے محاسن کے ساتھ زبان کی چاشنی بھی موجود ہو تو شعر اور زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ فانی کے یہان اس کی حلاوت بھی موجود ہے۔

کہتے ہین کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی — آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا

آپ ہم اپنی آگ مین لے غم عشق جل بجھے — آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

مجھ تو بہت فرق ہے اغیار مین مجھ مین — مین آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنا

خفا نہ ہو تو یہ پوچھون کہ تیری جان سے دور — جو تیرے ہجر مین جیتا ہے مر بھی سکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہون نالے — خبر دل کی نہ ہو دل کو کہین ایسا بھی ہوتا ہے

میرے مرتے ہی دل بیتاب کو چین آگیا — زندگی صدقے مین اتری گردشِ تقدیر کے

جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمین — اب جان سے بیزار ہوا بھی نہین جاتا

بندش و حسن ترکیب : مضمون کے اختلاف کے ساتھ الفاظ اور ترکیب بھی بدلتی رہتی ہے، لطیف تخیل کے لئے نرم و نازک اور شیرین الفاظ مناسب ہین، اہم حادثہ، تیز و تند جذبہ اور ولولہ انگیز تخیل کے لیے پرشکوہ اور موثر الفاظ کی ضرورت ہے اگر کسی لطیف تخیل کو پرشوکت الفاظ مین ادا کیا جائے تو اسکی ساری لطافت خاک مین ملجائے گی، اسی طریقے اگر کسی بلند جذبہ کے اظہار کے لیے نازک الفاظ استعمال کئے جائین گے تو مضمون پھسپھسا ہو جائے گا، اور سامع پر اس کا اثر کم پڑے گا، اگر یہ دونون باتین بھی موجود ہین لیکن الفاظ کی نشست نامناسب اور بندش چست نہین ہے تو شعر پست ہو جائے گا، فانی ان تمام باریکیون کی طرف پوری نظر رکھتے ہین، طالب و مطلوب کے باہم مقابلہ کے وقت طرفین پر جو حیرت طاری ہوتی ہے اس کو ان

الفاظ مین ادا کرتے ہین،

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا

آخر مصرعہ کے الفاظ اور بندش کسطرح دونون کے منتہائے جذب کو واضح کرتے ہین،

بجلیان ٹوٹ پڑین جب وہ مقابل سے اٹھا مل کے پلٹی تھین نگاہین کہ دھوان دل سے اٹھا

بجلیان ٹوٹ پڑین دونون نظرون کا تقابل جتباق کا پتھر سے رگڑ کھانے کے مساوی ہے، اور معشوق کا سامنے آنا برق کو ندنے کے مرادف ہے،

الفاظ کی شوکت اور ترکیب و اقعہ کی اہمیت کو کس طرح ظاہر کر رہی ہے

آنسوؤن کی حدت اور کثرت ملاحظہ ہو،

مری آنکھون مین آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہون کیا ہو ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہ جائے تو دریا ہے،

جنون و دیوانگی کا اظہار اس طرح کرتے ہین

ہے ہے وہ اہل ذوق کی زندان نوازیان سر پیٹتا ہون خانۂ زنجیر دیکھ کر

یہ مثالین جوشِ بیان شوکت الفاظ کی تھین اب نازک اور شگفتہ ترکیبین بھی ملاحظہ کیجئے

سکونِ خاطرِ بلبل ہے اضطرابِ بہار نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیان ہوتا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیون تک ہے مبارک نگہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا

زندان کی چمن بندی و گل آرائی دیکھیے،

خون کے چھینٹون سے کچھ پھولون کے خاکے ہی سہی موسم گل آگیا زندان مین بیٹھے کیا کرین

اس مریضِ غم کا نقشہ ملاحظہ ہو جسکی تمام قوتین جواب دے چکی ہین اور اسکی ہستی حباب سے زیادہ نہین ہے

نالہ کیا ہان اک دھوان سا شامِ ہجر بستر بیمار سے اٹھا کیا

مذکورہ بالا اصناف کے علاوہ سادگی اور برجستگی بھی اک کمال ہے، یعنی ایک خیال کو بلا تکلف

اور تصنع اس طرح سے کہہ دینا کہ معمولی گفتگو معلوم ہو،

مرا قتل ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں | کچھ ان سے منھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

لکھ چکے ہم جا چکا خط اگر یہی حالت رہی | ہاتھ میں ہے قلم اور شوق ہے دفتر کھلا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا | زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے | کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

سوز وگداز فانی کا خاص رنگ سوز وگداز خستگی و افتادگی ہے، اس سے مطلب نازشیون یا مرثیہ و ماتم نہیں بلکہ درد آشنا دلوں کی وہ واردات ہیں جو سامع کے دل پر بھی وہی تاثرات طاری کر دیتی ہیں جنھوں نے فانی کے قلب کو ایک حسرتکدہ بنا دیا ہے، فانی کی پرواز تخیل کا یہی اصلی جولانگاہ ہے جہاں آکر انکی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سوز وگداز ہی شاعری کی روح ہے، شعر وہی ہے جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کر جائے اور یہ اثر سوز وگداز کے علاوہ دوسرے جذبات میں کم پایا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ سوز وگداز کا جذبہ تمام جذبات میں قوی تر ہے، اگرچہ سوز وگداز کا عنصر شاعری میں ابتدا سے تھا، لیکن میر تقی نے ان جذبات میں اس قدر رقت اور درد پیدا کر دیا کہ ان کے اشعار ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہو گئے کہ ان کو پڑھیے اور سر دھنیے، قدرت نے فانی کو بھی درد آشنا دل دیا ہے، اسلئے ان کی مجروح لے سے بھی وہی نے نکلتی ہے جس کے سننے کے لیے مولانا روم نے سینہ پاش پاش کی شرط لگائی ہے مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے اسلیے اتنی گنجائش نہیں کہ اس رنگ کے تمام پہلو دکھا جائیں، اسلئے ہم بلا کسی تشریح کے صرف ان اشعار کو نقل کئے دیتے ہیں جنھیں میر کی روح بولتی ہے،

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم | بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی | لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

سنکے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی | آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا،

ادی محو رہے ان کا نہیں ہماری ... ہے مین — بدن مین جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حال اضطراب — ملتی ہے آج اسکی خبر اضطراب سے

کوئی کرتن اے بیخودی غم ہو لینے دے ... — آ کوئی دم اے ہوش کہ تجھ سے پوچھین گے کچھ اپنی خبر ہم

دست تسلی نے ... ڈھونڈین چارہ گر آیا — یعنی آئی زخم جگر پر اک اور تازہ آفت مرہم

نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی — کیا چارہ گر نے سمجھا کیون زار زار رویا

فانی کیا جنون ہے یا تیری آرزو ہے — کل نام لے کے تیرا کیون بار بار رویا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچہ دل ہی چھوٹ گیا — ساری امیدین ٹوٹ گئین دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

لیجئے کیا دامن کی خبر اور دست جنون کو کیا کہئے — اپنے ہی ہاتھ سے اسکا دامن مدت گذری چھوٹ گیا

اف اس آزادی بے ہنگام کی مجبوریان — مین قفس سے پاس بیٹھا ہی رہتا در کھلا

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہئیے — تو چپ ہین کہ کیا کہئیے کھلتی ہے زبان کوئی

نئی ترکیبین | فانی کے اشعار مین ناظرین کو جابجا نئی بندشین اور ترکیبین ملین گی، اور یہ اختراع ہر وسیع الخیال شاعر کے لیے ناگزیر ہے، کیونکہ جب نئے خیالات، نئے مضامین پیدا ہونگے تو اس کے لیے نئی بندشین نئی ترکیبین، نئے اسالیبِ بیان بھی اختیار کرنا پڑین گے، اگرچہ یہ ارتقا فطری ہے تاہم ایک صاحب قلم اور صاحب زبان کا فرض بھی ہے کہ اپنے خیالات خوشنما الفاظ اور شگفتہ ترکیبون مین ادا کرے تاکہ حسن معنی کے ساتھ ظاہری دلکشی مین بھی فرق نہ آئے اور اگر قدیم الفاظ کا ذخیرہ اس کے خیالات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہو تو شگفتہ اور دلکش ترکیبین وضع کرے، لیکن اس کا لحاظ ضروری ہے کہ ترکیبین سبک، ہلکی اور شگفتہ ہون، ثقیل، بھدے اور نامانوس الفاظ سے مرکب نہ ہون، تاکہ وہ زبان مین بلا تکلف کھپ جائین اور اس مین کسی قسم کی گرانی نہ پیدا ہو، فانی کے کلام مین اس قسم کی ترکیبین بکثرت ہین اور ان کو وہ اس خوش اسلوبی سے ترکیب دیتے ہین کہ ذرا بھی نامانوس نہین معلوم ہوتین، ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

دلِ وفا خراب، اشکِ آوارۂ دامن، زندان نوازی، آشوبِ ہوش، سرِ تقاضا تمکین

روشناسِ آگہی، ذراتِ صحرا بسر، نالۂ خموشِ مسلسل، ابتدائے قیامت آل وغیرہ،

فانی، لسان میں ذوشتہ نہیں، اسلیے ان کو ناگون محاسن کے باوجود ان کا کلام اسقام

شاعری سے بالکل پاک نہیں، لیکن چونکہ خوبیون کے مقابلہ مین نقائص بہت کم ہین، اسلیے ہم ان کو

نظر انداز کرتے ہین،

بزمِ ایران

یہ ایک جامع فرحت بخش و نصیحت آموز کتاب ہے، بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، بزم آرائی

حاضر جوابی، ارتجال، تاریخ وادب، اخلاق، عادات، حالات وحرکات، حسیات ونفسیات

پر چیدہ چیدہ مضامین مستند و کمیاب ذرائع سے آیۃ اللہ زادہ یزدی حاجی سید

محمد رضا صاحب طباطبائی نے اپنی ہمروزہ فارسی مین فراہم کرکے شائقین علم

ادب و ماہرین فن علم مجلس کو نعمت غیر مترقبہ بخشی ہے، انبیاء و اولیاء، حکما

و شعراء، فلاسفر و شاہان کے لطائف، و بزرگان دین و یورپین مصنفین کے

مقالات، مروجہ فارسی کلام سے کتاب کو مزین کیا ہے، نہایت خوشخط،

چھپائی دلفریب بندش، صفحات ۴۴۵ قیمت مجلد سعہ غیر مجلد سے علاوہ

محصول ڈاک،

مرزا محمد علی کشمیری، ریاست رامپور سے طلب فرمائیے،

اسلامی خلافت کا کارنامہ حصہ دوم، جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب شیروانی ضلع علیگڈھ کی کتاب "اسلامی خلافت کا کارنامہ" کے حصہ اول پر تفصیلی تبصرہ معارف بابتہ اکتوبر ۱۹۲۵ء مین ہوچکا ہے اب اس کا دوسرا حصہ "مولود ہمایون" شائع ہوا ہے جس مین آنحضرت صلعم کی ولادت باسعادت سے بعثت نبوت تک کے جامع حالات مختصر طور پر ایک خاص اسلوب مین بیان کئے گئے ہین اور آخر مین آپکی تمدنی و اخلاقی اصلاحون کا تذکرہ ہے، کتاب و مضمون پر تمام ہوئی ہے قیمت درج نہین ہے، مصنف منزل علیگڈھ سے ملیگی،

خلق محمدی، انجمن خدام الدین لاہور اسلام کی اشاعت وحفاظت کے سلسلہ مین مدت سے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے شائع کر رہی ہے، اسی سلسلہ مین اس کا ایک جدید رسالہ "خلق محمدی" تبصرہ کے لیے آیا ہے جس مین پہلے انسان کو شریعت اسلامی کے روسے کافر محارب، غیر محارب، منافق اور مومن مین تقسیم کیا گیا ہے، اور اس کے بعد ان مین سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلعم کے جو مکارم اخلاق تھے، ان کا نمونہ آیات و احادیث سے پیش کیا گیا ہے، زبان صاف اور طرز ادا بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، انجمن خدام الدین لاہور کو دو پیسے کا ٹکٹ بھیجکر رسالہ مفت طلب کرین اور اگر دو پیسے کے اور ٹکٹ بھیجدین تو چند مفید رسالے اور بھی مفت بھیجے جائینگے،

کلید، مولوی عبد الستار خان صاحب عربی علم ادب کے شائقین کے لیے عربی صرف و نحو اور مشق قرآن پر کلید کے نام سے رسالے لکھ رہے ہین، اس کا دوسرا حصہ پیش نظر ہے، جسمین عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے بتدریج بڑھاتے ہوئے مختلف اسباق مین جمع کئے گئے ہین، اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مشقین قرآن مجید کی آیات سے تیار کیگئی ہین، حجم چھوٹی تقطیع پر ۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے

قیمت ۸ مرتبہ: جناب مولوی عبدالستار خان صاحب بتوسط جناب مولوی شرف الدین صاحب تاجر کتب
مصری بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹۔

سب دھرموں کی ایکتا، جناب بابو شری بھگوان داس صاحب کی ایک تقریر کو اس رسالہ
کی صورت میں شایع کیا گیا ہے، اس میں سب سے پہلے ۱۹۲۱ء کی تحریک سندھی سے کانگریس کے وقار اور اسکی
جدوجہد کو صدمہ پہنچنے اور اس کے علل و اسباب سے بحث کیگئی ہے، پھر سوراج اور مذہب کی تشریح کرکے
اصول ادیان کی یکسانی باری تعالیٰ، انبیائے کرام، شرائع و احکام، طریق عبادت، قومی خصوصیات اور مذہبی
کو تمام موجودہ مذاہب خصوصاً ہندو دھرم اور مذہب اسلام میں دکھا کر بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب درحقیقت
ایک ہیں صرف اسما و تعبیرات کا فرق ہے، اور آخر میں اشاعت مذہب کے مروجہ طریقہ کے نقائص دکھا کر انسانیت
کی اشاعت کی تلقین کیگئی ہے، مؤلف نے اپنے دلائل میں ہندو دھرم کی مقدس کتابوں اور قرآن مجید کی آیات
پیش کی ہیں، جناب مؤلف سے اگرچہ ایک آدھ موقع پر مثلاً مسئلہ تناسخ میں ہمیں اختلاف ہے، لیکن ان کے یہ
صلح کل جذبات لائق صد آفرین ہیں، رسالہ کا حجم ۵۰ صفحے باریک ٹائپ میں ہے اور اتنے ہی صفحات پر ہندی
رسم الخط میں اردو کے بالمقابل یہی مضمون درج ہے، پتہ:- منیجر صاحب گیان منڈل پریس بنارس۔

گلشنِ حیات، حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم دور حاضر کے میر سمجھے جاتے تھے، اور جائے مسرت ہے
کہ سخن شناسوں نے ان کی زندگی ہی میں ان کے شایانِ شان انکی قدر و منزلت کی جس کا بہترین ثبوت یہ ہے
کہ ان کی حیات ہی میں ان کے سوانح "حیات شاد" کے نام سے شائع ہوئے یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی کہ جناب مولوی
سید معین الدین صاحب قیس رضوی سید آبادی و عظیم آبادی کو جوان کے ارشد تلامذہ میں ہیں، اس کا دوسرا اڈیشن
بہت جلد شائع کرنا پڑا، دوسرا اڈیشن "گلشنِ حیات" کے نام سے بہت کچھ حذف و اضافہ و ترتیب و تہذیب میں
تغیر و تبدل کے بعد شائع کیا گیا ہے، چنانچہ اس میں ان کے عام سوانح حیات کے علاوہ ان کی شاعری پر تبصرہ
کرکے مختلف اصنافِ شاعری پر ان کے کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ "طرزِ اصلاح" اور نمونہ

اصناف پر کلام تلامذہ" بھی ایک دلچسپ باب ہے، اور اس کے بعد تلامذہ کا تذکرہ ہے جسمین ان کے ممتاز اور ارشد تلامذہ کے مختصر حالات زندگی انتخاب کلام کے ساتھ پیش کیے گئے ہین جسکی وجہ سے چودھوین صدی کے تقریباً ۴۲ دہ شعرائے بہار کے حالات اور نمونۂ کلام منضبط ہو گئے ہین، رسالہ کی زبان صاف شستہ اور طرز ادا بہتر ہے، اگر جناب مؤلف اسی سلسلہ مین "تذکرۂ شعرائے بہار" کا بیڑا اوٹھائین تو مزید شکریہ کے مستحق ہون گے، ضخامت ۱۰۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ، جناب مؤلف سے اقبال منزل لودیکٹرہ پٹنہ سٹی کے پتہ سے ملے گی،

انقلاب فرانس، فرانس مین ۱۷۸۹ء مین شاہ پسندون کے خلاف ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس نے سارے یورپ کی تاریخ مین ایک جدید دور کی بنا ڈالی، اس انقلاب کے صحیح سبق آموز اور دلچسپ حالات ناول کے طرز پر یورپ کی متعدد زبانون مین لکھے گئے، انہی مین سے کسی ایک کا ترجمہ مصر کے اہل قلم نے سورۃ فرنسا کے نام سے کیا، اور مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی مدیر اخبار پیغام کلکتہ نے اس عربی ترجمہ کو کسی قدر تلخیص کے ساتھ "انقلاب فرانس" کے نام سے اردو مین منتقل کیا ہے جس مین انقلابی تحریک کی نشو و نما، خفیہ انجمنون کی سازباز، سیاسی ہنگامہ آرائیان اور خونریز معرکہ آرائیان خاص طور پر نمایان ہین، ترجمہ کو عام فہم بنانیکی خاص کوشش کیگئی ہے، حجم ۱۹۲ صفحے، کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت قسم اول عہ و قسم دوم ۱۲ر، پتہ:- جناب منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ،

ازہار العرب، مولوی دین محمد خانصاحب ثاقب لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی نے مدارس کے ابتدائی درجون کو عربی انشاء اور خط و کتابت سکھانے کے لیے یہ رسالہ تالیف کیا ہے جسمین پہلے چھوٹے چھوٹے پرلطف قصے ہین، پھر حیوانات کے متعلق معلومات ہین، اور آخر مین مختلف اعزہ و احباب وغیرہ کے نام خطوط کے نمونے ہین، ہر سبق کے مشکل الفاظ کا حل بھی دیدیا ہے، قیمت ۶ر جناب مولف سے مولوی بازار ڈھاکہ کے پتہ سے طلب کرین،

"ر"

کلیات ... مولانا کے تمام فارسی قصائد، مثنویات، غزلیات
... جو پہلے متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل،
بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں
یکجا کر دیے گئے ہیں، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت
عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ

کلیاتِ شبلی اُردو، مولانا کی تمام اُردو نظموں کا مجموعہ
جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور
وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور کی
مسجد، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی
گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چھ سالہ
جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ
شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر
بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک
کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ
کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۲ر
تفسیر سورہ اللہب، ۴ر
تفسیر سورہ والتین، ۴ر
تفسیر سورہ والکوثر، ۴ر
تفسیر سورہ القیامہ، ۴ر
تفسیر سورہ عبس، ۴ر
تفسیر سورہ والمرسلات، ۴ر

الرأی الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل
کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، یہودیوں اور
عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع
قمع کر دیا ہے۔ ۲ر

اسباق النحو حصہ اول و دوم، اردو میں ...
طلبہ پر عربی گرامر، ۶ر ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان
اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے، ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں چھوٹے
بچوں کے حفظ کے لئے، ۲ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سلیمان
کے امثال کا ترجمہ، ۸ر

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن
صاحب سہارن پوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی محنت
سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے، عہ

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ، سے،

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود،
سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس
طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی
یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات
سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے
مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جون سنہ ۱۹[illegible]ء

قیمت ۵ر سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰×۳۰ ۴ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے، اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم علی تقطیع کلان عسہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت عہ ییہ

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عسہ قسم سوم سے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس۔ عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحمری اور ان کا فلسفہ عہ

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانحمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عہ

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عہ

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، ترقی اور کا دور سے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عام

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، عہ

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصولی تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے، عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عام

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع عہ عہ

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عام

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عام

عدد ششم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۷ء	مجلد نوزدہم

مضامین

۱

شذرات

ہندوستان کے کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر گرامی نے ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو چند روزہ
علالت کے بعد اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، مرحوم پنجاب کے ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، فارسی شاعری
سے ان کو فطری لگاؤ تھا، کچھ دنوں امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ میں معلم رہے، پھر اعلیٰ حضرت نظام سابق مرحوم
کی قدر شناس نگاہ نے ان کو تاکا، اور اپنے دربار کا فارسی شاعر مقرر کیا، اخیر عمر میں حیدرآباد سے جالندھر آکر
جب قیام کیا، تو ان کی صحبت اور فیض اثر سے متعدد نوجوان اردو شاعر پیدا ہوئے جنمیں ابوالاثر حفیظ اور
سالک کے نام سب سے اونچے ہیں، ڈاکٹر اقبال نے بھی جب فارسی میں کہنا شروع کیا، ان سے استفادہ [illegible]
نہیں کیا، زبان کے معاملہ میں وہ ان کی سند تھے، افسوس ہے کہ اب کشور ہند ایسے یگانہ نامور کے وجود سے
ہمیشہ کے لیے خالی ہو گیا،

مرحوم سے صرف ایک دفعہ آل انڈیا شعراء کانفرنس دہلی منعقدہ ۲۳ء میں ملاقات ہوئی۔
تھے بے حد ملنسار، متواضع اور مرنج مرنجان آدمی تھے، ایک سال پہلے تک ان کے اکثر خطوط میری
عزت بڑھاتے رہتے تھے، اور کبھی کبھی معارف کے صفحوں کو بھی اپنے نغموں سے معمور کیا کرتے تھے، مولانا
شبلی مرحوم کے تعلق اور ان سے حیدرآباد کی یکجائی اور شاعری کی ہم پیشگی کا اثر یہ تھا کہ وہ مولانا مرحوم کی اس
یادگار کو بزرگانہ محبت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے، افسوس کہ یہ فیض اب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا،

اسلامی ممالک کو اپنی بیداری کے بعد اپنے سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے حل کرنے میں، اور

یہاں پنجاہ سالہ قیام کے سبب وجہ میں اس قدر محکم رہا کہ خالص علمی مباحث خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ان کی
اشاعت ان کو بے اعتنائی روا رکھنی پڑی، اس بڑی لڑائی کے بعد جب کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اور بہت مدت تک
ان کو اب اطمینان خاطر نصیب ہوا، تو ان کو اب ادھر بھی توجہ اور التفات کی فرصت ملی، اس سلسلہ میں
جامعہ ترکیہ قسطنطنیہ، جامعہ آل البیت عراق، اور جامعہ دمشق اور مجمع علمی عربی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ایران اور
افغانستان کی علمی اور تعلیمی کوششیں بھی اس ضمن میں ذکر کے قابل ہیں،

موجودہ عربی زبان کے سب سے بڑے شاعر احمد شوقی بے مصری کی بزم تہنیت اور جوبلی میں جس میں عربی
ممالک کے تمام شعراء اور اہل قلم نے تقریراً یا تحریراً شرکت کی تھی، یہ تجویز زیر غور آئی ہے کہ تمام عربی ممالک جو
سیاسی حیثیت سے متفرق اور منقسم ہیں، کم از کم علمی حیثیت سے ان کو ایک نظام اتحاد میں منسلک کر دینا چاہیے
یعنی عربی زبان کی ایک ایسی علمی و ادبی مجلس قائم کی جائے جس میں عراق و شام و مصر و عرب ہر ملک کے
باشندے شریک ہو کر اپنی قومی و لسانی وحدت کا ثبوت دیں، امید ہے کہ یہ تجویز اگر عمل میں آگئی تو عربی
زبان کی ترقی کا یہ ایک نیا انقلابی قدم ہوگا، اور ہر ملک میں جو علیحدہ علیحدہ ملکی عربی زبان پیدا ہو گئی ہے، وہ مٹ
کر ایک متحدہ عربی زبان پیدا ہو جائے گی،

اس سلسلہ میں یہ خبر بھی مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کی اردو زبان بھی اسلامی ممالک
میں اپنا اثر اور رسوخ پیدا کرتی جا رہی ہے، افغانستان کے محکمۂ تراجم نے اردو زبان سے مولانا شبلی نعمانی
کی الماموں اور شعر العجم کا، مولانا نذیر احمد کی بنات النعش، مولوی سید علی بلگرامی کی تمدن عرب، مولوی عبد الماجد
صاحب دریا بادی کی فلسفۂ جذبات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے، ترکی میں ہندوستان کے ایک انگریزی تعلیم
یافتہ صاحب ذوق اہل قلم مولوی ظفر حسن صاحب کے قیام کے سبب سے ترکوں کو اردو تصنیفات یا ہندوستانی

مین لکھی گئی انگریزی اسلامی تصنیفات سے واقفیت کا ذریعہ بہم پہنچا ہے، اس سلسلہ مین ڈاکٹر آرنلڈ کی دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) کا ترجمہ پروفیسر خلیل خالد بے نے "انتشار اسلام تاریخی" کے نام سے اور جان ڈیون پورٹ کی اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن کا ترجمہ "حضرت محمد و قرآن کریم" کے نام سے اور مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام کا ترجمہ روح اسلام کے نام سے، مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کی لائف آف محمد کا ترجمہ پیغمبر لرزکے نام سے عمر رضا بے نے کیا ہے،

اردو کتابون مین سے مولانا شبلی مرحوم کی مشہور آفاق کتاب الفاروق کا ترجمہ حضرت عمرؓ کے نام سے ترکی مین ابھی شائع ہوا ہے، ظفر حسن صاحب نے پہلے اس کا اردو سے انگریزی مین، اور عمر رضا بے نے اس انگریزی ترجمہ سے اس کا ترکی مین ترجمہ کیا، جو ۴۱۵ صفحون مین متوسط تقطیع پر ٹائپ مین چھپا ہے، یہ اچھا کیا ہے کہ اصل کتاب کے حوالے بھی حاشیہ مین باقی رکھے ہین، آخر مین دو ضمیمے ہین، پہلے ضمیمہ مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے مختصر حالات اس تعلق سے دیئے گئے ہین کہ الفاروق مین شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا بار بار حوالہ آتا ہے، دوسرے ضمیمہ مین خود مصنف یعنی مولانا شبلی مرحوم کے مختصر سوانح درج ہین، جنمین مترجم المصنفین کا بھی ذکر آگیا ہے،

جنوری ۲۷ء کے رسالہ مین واقدی پر ڈاکٹر ہوروٹز کے جواب مین جو تنقیدی مضمون لکھا گیا تھا بحمد للہ کہ اکثر اہل علم نے اسکی قدر افزائی فرمائی، اور اسکو اسلام کی ایک اہم خدمت قرار دیا، ایک مقیم حجاز صاحب علم نے یہ تحریک کی ہے کہ اس کا عربی مین بھی ترجمہ کیا جائے، اپریل ۲۷ء سے اسکا انگریزی ترجمہ اسلامک ریویو (ووکنگ، انگلینڈ) مین اصل مخاطب کے لیے شایع ہو رہا ہے، دیکھین اب اودھر سے اس کا جواب کیا ملتا ہے،

ادھر مسیحی یورپ کے مخالف اہل قلم کی طرف سے انتظار ہو تو ہو مگر اسلامی ہندوستان کے بعض دوست اہل علم کی طرف سے ہم کو انتظار کرنا نہیں پڑا، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ایک عالم مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری نے جو ہمارے کرمفرما بھی ہیں، ایک خط کے ذریعہ سے ہم کو ہماری اس لغزش پر تنبیہ کی ہے، اور چاہا ہے کہ ہم ان کا جواب رسالہ میں دیں،

ممدوح کا والا نامہ حسب ذیل ہے:-

مولانا المحترم دام مجدکم۔ السلام علیکم معارف نمبر ۱۹ میں بجواب الفرڈ گیوم ایک مضمون لکھکر یہ چند سطریں گذارشِ خدمت ہیں،

۱- جناب جیسے نعمانی حامیِ مذہب حنفیہ سے امام محمد بن عمر واقدی کے جرح کی ترجیح سخت تعجب خیز ہے جبکہ جرح کے ساتھ ساتھ زبردست توثیق بھی مذکور ہے، اگر کسی نے متروک کہا تو امیر المومنین فی الحدیث کہنے والے بھی موجود ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب،

۲- محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام کی جلالتِ شان آپ جیسے فاضل سے مخفی نہیں وہ فتح القدیر میں وثقنا الواقدی فرماتے اور تضعیف کو مخالف کا فعل ٹھہراتے ہیں کیا آپ اپنی وسعت نظری پر امام ابن الہمام کی تحقیق کو مقدم رکھکر وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے سکتے ہیں،؟

۳- امام ابن دقیق العید کتاب الامام فی شرح الالمام میں فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ الحدیث امام ابو الفتح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مغازی و سیر کے شروع میں ان سب کے اقوال جمع کئے جنھوں نے واقدی کو ضعیف کہا اور جنھوں نے ثقہ کہا، پھر ان کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ جرحیں ان پر کیگئیں سب کے جواب دیئے ذکرہ المحقق فی فتح القدیر، کیا ان جرحوں کی وجہ سے جنکو ایک ایک کرکے محققِ سیر نے رد کر دیا ہو آپ جیسے وسیع النظر کے لیے جنکی پیش نظر نہ صرف فتح القدیر ہی ہے

بلکہ کتاب الامام ابن دقیق العید، مغازی امام ابن الفتح بھی ضرور نظر سے گذری ہوگی) امام واقدی کو رد کرنا قرین صواب ہے؟ امید کہ آئندہ پرچہ میں جواب سے عزت افزائی فرمائی جائے،

معارف: ہم اپنے دوست کی اس عنایت و کرمفرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے ہماری تحریر کو اپنے التفات کے لائق سمجھا، اس کے بعد اصل بحث کے متعلق اس پورے خط سے اتنا معلوم ہوا کہ امام ابن الہمام نے فتح القدیر کے کسی مقام پر واقدی کو ثقہ کہا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ہم (یعنی حنفی) اسکو ثقہ سمجھتے ہیں، افسوس ہے کہ ہمارے کرمفرمانے فتح القدیر کے کسی باب یا صفحہ کا حوالہ نہیں دیا ہے، جس سے اصل موقع کا پتہ لگ سکے، تاہم یہ عرض ہے کہ نقد و جرح کے معاملہ کو حنفی و شافعی سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ کہیں اصول میں یہ بحث آئی ہے، یہ فرقہ بندی فقہ اور اصول میں تو ہوئی ہے، مگر اسماء الرجال اور نقد و جرح رجال میں نظر سے نہیں گذری، زیادہ سے زیادہ جو چیز اس بحث میں آئی ہے، وہ فقیہ راوی کو غیر فقیہ راوی پر ترجیح دینے کا مسئلہ ہے،

اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ نویں صدی کے ایک مشہور حنفی امام (ابن الہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) نے کسی درجہ سے اسکو ثقہ تسلیم کیا ہے، اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، پھر آپ کی پیش کردہ عبارت کے مقابلہ میں ہم امام ابن الہمام اور ان کی کتاب فتح القدیر کی ایک عبارت ہم بھی پیش کرنا چاہتے ہیں،

"قال ابن القطان هو مرسل ومع ارساله فيه قيس بن مسلم وهو ابن الربيع وقد اختلف فيه وهو ممن ساء حفظه بالقضاء وشاه ابن سعد في الطبقات من طريق ليس فيها قيس .. . لا نكلم ناؤهم ولا نتق كل ذنبا لحمهم وفي سنده الواقدي" (كتاب النكاح جلد ۳ صفحہ ۱۰۴، مصر)

غور کیجئے کہ اصل معنی روایت کے ثبوت کی کوشش کے ساتھ واقدی کے ذریعہ سے اسکو قوت بہم

اس مقدمہ میں امام ابو الفتح ابن سید الناس نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے، جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ان کی توثیق کے اقوال ایک ایک کرکے نقل کئے ہیں، پھر واما الکلام فیہ فکثیر جداً (یعنی ان پر اعتراضات تو بہت زیادہ ہیں) کہکر مختصر الفاظ میں انکی تضعیف کے اقوال نقل کئے ہیں، اور ان سب کا ایک ہی جواب یہ دیا ہے کہ واقدی کی روایتیں بے حد اور بے پایان ہیں، اور جو اس کثرت سے روایت کرے گا، اوسکی روایتوں میں غریب روایتوں کا بھی بڑا حصہ شامل ہوگا، اسی لئے لوگوں نے واقدی کو مطعون کیا ہے، اس مختصر و مجمل جواب کو اپنے اس فقرہ سے ملا کر دیکھیے کہ "اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئیں سب کے (امام ابو الفتح نے) جواب دیئے"۔

مولانا اپنے درس و تدریس کے گوشۂ عزلت سے باہر قدم نکالیے اور دیکھئے کہ یہ وقت کیا ہے؟

وقت آن است کہ خیمہ بزنی در کہسار

یہ وقت حنفی اور شافعی عصبیت کا نہیں ہے، یہ اسلامی عصبیت کا وقت ہے، آپ کو خدا نے جو علم و فضل دیا ہے، اس سے حنفیت و شافعیت کی نہیں، بلکہ اصل اسلام کی خدمت انجام دیجئے، کہ دشمن کا حملہ اس وقت آپ کے اندرونی فرقہ وارانہ خانگی اختلافات پر نہیں، بلکہ عین اسلام اور روایات اسلام پر ہے، یہ صفین و جمل کا وقت نہیں بدر و حنین کا وقت ہے،

دار المصنفین کی طرف سے اس سہ ماہی (جون) میں نطشے ارکان کی خدمت میں بھیجی جا رہی ہے، اس میں اس مشہور جرمن فلاسفر کے سوانح، تصنیفات خیالات اور مسائل پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے، انشاء اللہ آئندہ سہ ماہی میں سیر الصحابہ کے سلسلہ میں خلفائے اربعہ شائع ہوگی، جو تقریباً نصف چھپ چکی ہے،

دار المصنفین نے اپنی تصنیفات، تالیفات، اور تراجم مین دین و دنیا دونون کو جمع کرنا چاہا ہے، اس وقت اردو زبان، اور اردو دان مسلمانون کو ہمارے خیال مین دو قسم کی ضرورتین ہین، ایک یہ کہ خالص اردو دانون یا عربی دانون کے لیے ہماری زبان مین جدید علوم، اور جدید خیالات کا سرمایہ منتقل ہو، اور خصوصاً وہ قدیم معیاری کتابین (کلاسیکل) جنسے کسی زبان کو استغنا نہین ہو سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ نوجوان تعلیم یافتون کی توسیع علم اور واقفیت کے لیے اسلامی علوم و فنون و تاریخ پر اردو مین مواد فراہم کیا جائے،

اس وقت دار المصنفین دوگونہ رنج و عذاب مین ہے، اور مذہب سے بعض دلبرداشتہ اصحاب معترض ہین کہ وہ صرف مذہبی کتابون کا کارخانہ ہے، دوسری طرف سے مذہبی کتابون کے شائق نئے تعلیم یافتہ حضرات کہتے ہین کہ دار المصنفین فلسفہ اور جدید علوم کی کتابون پر بے فائدہ محنت صرف کرتی ہے، کہ ہم کو تو یہ چیزین ہر انگریزی دکان پر مل جاتی ہین، دار المصنفین سے صرف اسلامیات کے متعلق کتابین شائع ہونی چاہئین،

ہمدم وغیرہ بعض اخبارات مین پہلا اعتراض پیش کیا گیا تھا، اور دوسرا اعتراض ابھی تھوڑے سے ہمارے ایک نہایت مخلص کرمفرما نے کیا ہے، غرض

دوگونہ رنج و عذاب است جانِ مجنون را

دار المصنفین کے لیے راستہ متعین کرنے مین اس کے ارکان نے ان دونون مشکلون کو سامنے رکھا اور یہ چاہا کہ اردو زبان کی ان دونون ضرورتون کو پورا کیا جائے، اور دینی و دنیاوی دونون قسم کی کتابین تالیف و ترجمہ کیجائین، اور اس طرح دردمند قوم کے لیے دار المصنفین کے اصلی تخیل رکھنے والے (مولانا شبلی مرحوم)

ک بنائے ہوئے نسخہ کا استعمال کیا جائے،

اے کہ پرسی کہ درین کار چہ تدبیر بود

این دو دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

اس وقت تک دار المصنفین کی طرف سے جو کتابین شائع ہوئی ہین، ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان مین ادبی، تاریخی، فلسفیانہ اور مذہبی ہر قسم کی کتابین داخل ہین، اور ہر سال کے مطبوعات مین ہم اس کا خیال رکھتے ہین، کہ مختلف مذاق والون کے لیے ہر سال اختلاف مذاق کا لحاظ رکھا جائے، اور کم از کم ایک دو کتابین بھی ضرور اسلامیات کے متعلق ہون، چنانچہ امسال بھی ایسا ہی ارادہ ہے،

سیواجی کا جشن پیدائش امسال ہر جگہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا، ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ کاش یہ سیوا کی پیدائش کا جشن منانے والے سیوا کے عہد مین ہوتے اور اسکی قزاق فوج کے کارنامے اپنی آنکھون سے دیکھتے اور کم از کم ایک دفعہ خود اسکی تاخت و تاراج کا ذاتی تجربہ رکھتے اور چوتھ کی مصیبت مین گرفتار ہوتے آج ہندو جشن منا رہے ہین، لیکن ان کو یاد رہے کہ کل جب یہ بہادر انشری لوٹیرے تمام ہندوستان کو لوٹتے پھرتے تھے تو ان کی لوٹ مین ہندو مسلمان کی تمیز نہ تھی، اور نہ دیر و حرم اور بتخانہ و مسجد کا امتیاز تھا، آج بوجوہ اور تعلیم و تربیت کے اثر سے متاثر ہو کر مرہٹہ برہمن اپنے ہیرو کے دامن سے یہ داغ مٹانا چاہتے ہین لیکن تاریخ کے دفتر کیونکر خون کے دھبون سے پاک ہو سکتے ہین، اسلیے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک مدت سے پونہ کی مرہٹی تاریخی انجمن کا غذات، دستاویزات اور جعلی تاریخی کتابون اور خطوط کے بنانے کا نہایت مجرمانہ کام انجام دے رہی ہے جنکے مطابق سیوا کو ہندو قوم کا ایک مصلح ہیرو اور نیک خیال کشور کشا اور متمدن مدبر بنایا جا رہا ہے، مگر

این خیال است و محال است و جنون

جو لوگ سیوا کو ہندو قوم کا ہیرو اور اسکی جد و جہد کا اصلی منشا خاص مسلمانون کو ہلاک و برباد کرنا قرار دیتے ہین، درحقیقت وہ یا تاریخ سے ناواقف ہین، یا تاریخ سے کھیل کرتے ہین، مرہٹون کی حکومت کی بنیاد ایک جاگیر سے شروع ہوتی ہے، بیجاپور کے مسلمان بادشاہ عادل شاہ نے پونہ اور سوپہ کے دو پرگنے سیوا کے باپ ساہو کو عطا کئے تھے، یہی جاگیر تھی جسپر سیوا جی نے اپنی حکومت تعمیر کرنی چاہی، کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ نے اسلام کی تباہی کے لیے خود اپنے دشمن کے ہاتھ مین ہتھیار دیدیے، اور اگر یہ حقیقت ہے تو سیوا اور اسکا خاندان کس درجہ اخلاق سے گرا ہوا تھا، کہ جس نے اس کو اورنگ نشین بنایا، اسی کی تباہی و بربادی کا اس نے سامان کرکے محسن کشی کے بدترین جرم کا ارتکاب کیا،

عالمگیر کی طرف سے جو فوجی عہدہ دار افسر سیوا سے برسرپیکار رہتے، ان مین بڑے بڑے ہندو راجپوت اور راجپوتانہ کے راجہ تھے، سیوا کو دکن کی جس ریاست سے مدد مل رہی تھی وہ بیجاپور کی اسلامی ریاست تھی، سیوا کی فوج مین توپ خانہ کا تمام انصرام مسلمان افسرون کے ہاتھون مین تھا، عربون کی بڑی فوج مرہٹون کے ساتھ تھی، اہل ولایت بھی کم نہ تھے، یہ ابھی کفر و اسلام کی جنگ تھی جس مین اسلام کی طرف سے کفر اور کفر کی طرف سے اسلام شمشیر بکف اور نبرد آزما تھا، اور اگر یہ واقعہ ہے تو شاید اس ظلم و ستم اور جہالت کے دور مین آج کے عدل و انصاف اور تعلیم کے عہد سے ہندو مسلم اتحاد کہین زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا،

کتاب الفلاحۃ

ابوزکریا علامہ یحیی بن محمد اشبیلیؒ کی کتاب کا ترجمہ، جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے اسمین مصر، یونان، بطلیموس، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۱۶ صفحے، قیمت للعہ

مقالات

کیا باپ کو اپنی لڑکی کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

(۳)

پچھلے نمبر مین اس پر پوری بحث کی جاچکی ہے، اور یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ جوان و بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا خود پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کے لیے جائز نہین ہے کہ اسکی مرضی دریافت کئے بغیر اسکا نکاح کر سکے، اور اگر کردیگا تو لڑکی کو جب اس واقعہ کا علم ہو، وہ اسکو باطل قرار دے سکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ تمام احکام نبوی درج کیے جاچکے ہین جنمین لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کے نکاح کر دینے کی قطعی ممانعت کیگئی ہے، اور ان احکام مین کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے اس بارہ مین برابر کا اختیار اور حق ثابت کیا گیا ہے،

آج کے مضمون مین ایسے واقعات اور مقدمات کی نظیرین پیش کرنی ہین جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدالت نبوی مین جب کبھی کسی لڑکی نے اپنے باپ کے خلاف اس قسم کا مقدمہ دائر کیا جسمین اسکی مرضی اور اجازت کے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے، تو آنحضرت صلعم نے ہمیشہ لڑکیون کے حق مین اور باپ کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا،

۱- اس قسم کا سب سے پہلا واقعہ جو حدیث کی اکثر کتابون مین ہے، خنسار بنت خدام انصاریہ کا ہے، ان کے باپ نے ان کا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جسکو وہ بہت پسند نہین کرتی تھین، انھون نے بارگاہ نبوی مین جاکر اپنا معاملہ پیش کیا، آپ نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور لڑکی کو اختیار دیا، کہ وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرے، چنانچہ اس نے ابو لبابہ انصاری سے اپنا نکاح کیا،

یہ واقعہ صحیح بخاری (کتاب النکاح، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ مین ہے،

۲۔ حضرت جعفرؓ کے خاندان کی ایک خاتون کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے ولی کسی ایسے شخص سے انکی شادی نہ کردیں جسکو وہ پسند نہ کرتی ہون، انھون نے انصار کے دو بزرگون کو اپنی حالت کہلا بھیجی، انھون نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، خنسا، کا نکاح ان کے باپ نے کسی ایسے شخص سے کردیا جسکو وہ پسند نہیں کرتی تھین انھون نے آکر رسول اللہ صلعم سے اپنا واقعہ عرض کیا، آپؐ نے اس نکاح کو رد کردیا[۱]،

۳۔ حضرت عطا تابعی حضرت جابر صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک کنواری لڑکی نے بارگاہ نبوی مین آکر دعوی کیا کہ اس کے باپ نے اسکی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کردیا، جو مجھے ناپسند ہے آنحضرت صلعم نے اسکی مرضی کے مطابق اس کا نکاح رد کردیا[۲]،

۴۔ عکرمہ تابعی حضرت ابن عباسؓ سے اسی قسم کی ایک روایت کرتے ہین کہ ایک کمسن کنواری لڑکی، (جاساریۃؓ) نے خدمت نبوی مین آکر اسی قسم کا واقعہ عرض کیا، اور اپنی نارضامندی کا اظہار کیا، آپؐ نے اس کو بھی اختیار دیدیا[۳]،

۵۔ حضرت نافع تابعی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک شخص نے اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کردیا، اور لڑکی کو یہ نکاح پسند نہ تھا، اس نے آکر بارگاہ نبوی مین شکایت کی، آپ نے اس کا نکاح رد کردیا[۴]،

۶۔ ابوسلمہ روایت کرتے ہین کہ بنی منذر کے قبیلہ کے ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح اسکی رضامندی کے بغیر کسی سے کردیا، اس نے آکر اپنا واقعہ عرض کیا، آپ نے اسکا نکاح ناجائز قرار دیا[۵]،

۷۔ ابن بریدہ تابعی کہتے ہین کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکی نے (فتاۃ)

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الحیل، [۲] دارقطنی کتاب النکاح، علامہ عینی نے اس روایت کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۸) مگر نسائی سنن صغری مطبوعہ کتاب النکاح مین مجھے یہ روایت نہین ملی، ممکن ہے کہ سنن کبری مین موجود غیر مطبوعہ ہو، [۳] ابوداؤد و دارقطنی و ابن ماجہ و نسائی کتاب النکاح و مسند ابن حنبل، [۴] دارقطنی، [۵] ایضاً کتاب النکاح،

ان کے پاس آکر بیان کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے اسلیے کر دیا ہے تاکہ اسکی ذلیل حالت میری نسبت سے بلند ہو جائے اور مین اسکو ناپسند کرتی ہون حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری کا انتظار کرو، آپ جب تشریف لائے تو اس نے اپنا مقدمہ پیش کیا، آپ نے اس کے باپ کو بلا بھیجا، اور لڑکی کو اس کے نکاح کا اختیار دیدیا، یہ دیکھکر لڑکی نے کہا، یارسول اللہ میرے باپ نے جو کچھ کیا مین اسکو جائز رکھتی ہون، اس معاملہ سے میرا مقصود یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو کہ آیا ہ نکاح مین عورتون کو بھی کچھ دخل ہے یا نہین ؟

اس روایت کے اخیر فقرے بعض طریقون مین یہ ہین،

میرے باپ نے مجھ سے پوچھے بغیر میرا نکاح کر دیا، تو کیا مجھے اپنی ذات کے معاملہ مین کوئی اختیار ہے یا نہین ؟ آپنے فرمایا، ہے، اس نے کہا تو مین اب اپنے باپ کے فیصلہ کو نامنظور کرنا نہین چاہتی لیکن مین نے چاہا تھا کہ عورتون کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو اپنی ذات کے معاملہ مین اختیار ہے یا نہین ؟

ان تمام احادیث کو امام ابوحنیفہؒ نے تسلیم کیا ہے، اور انھین سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کو اس معاملہ مین کوئی جبری یا استبدادی حق حاصل نہین ہے، یعنی لڑکی کی مرضی کے خلاف، یا اسکی نارضامندی کے باوجود وہ اس کا نکاح صرف اپنی پسند یا مرضی سے نہین کر سکتا، اور ایسا نکاح لڑکی کی مخالفت اور نارضامندی کے اظہار پر فسخ ہو جائیگا، یہ حق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر بالغ لڑکی کو حاصل ہے، خواہ کنواری ہو، یا بیوہ ہو یا مطلقہ ہو،

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حق اور یہ اختیار کنواری لڑکی کو نہین ہے، صرف اسکو ہے جسکا پہلے ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو اور اب وہ بیوہ یا مطلقہ ہو کر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے جسکو اصطلاح مین ثیبہ کہتے ہین،

پہلی روایت مین جن خنسارؓ کا واقعہ مذکور ہے، انکی حالت کی نسبت تین قسم کی روایتین ہین، ایک

۱؎ سنن نسائی و دارقطنی کتاب النکاح، ۲؎ دارقطنی نکاح،

میں ہے کہ وہ ثیبہ تھیں، اور بیوہ ہوکر دوسری شادی کرنا چاہتی تھیں، یہ بخاری کی اس روایت میں بیان ہے،
جو کتاب النکاح میں ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کنواری تھیں یہ سفیان ثوری کی روایت ہے، جسکو امام
نسائی نے اپنی سنن کبریٰ (مطبوعہ نسخہ سنن صغریٰ ہے) میں نقل کیا ہے، تیسری روایت وہ ہے جسمیں ان کے
کنواری یا ثیبہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں ہے جو کتاب الحیل میں ہے
اور سنن کی دوسری روایتوں میں ہے،

بہرحال اس پہلی روایت اور دوسرے بیانات سے زیادہ تر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خنساءؓ
اس وقت ثیبہ تھیں، اسلیے امام شافعی یہ حق صرف ثیبہ عورتوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں، آخری چھٹی روایت
میں نوجوان لڑکی (فتاۃ) کا لفظ ہے، جس سے زیادہ قرینہ یہ ہے کہ وہ کنواری لڑکی ہو، لیکن چونکہ اس میں
یہ ذکر ہے کہ "میرے باپ نے اپنے بھتیجے کو ذلیل حالت سے بلند کرنے کے لیے میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے"
اس سے امام موصوف نے یہ خصوصیت پیدا کی ہے کہ جب کوئی باپ اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو میں کریگا
تب لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہوگا ورنہ نہیں،

بقیہ بیچ کی روایتوں کے متعلق بیہقی، دارقطنی اور ابن حجر علمائے شوافع نے زیادہ سے زیادہ جو اعتراض
کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں مرفوع نہیں، بلکہ مرسل ہیں، لیکن جب یہ روایتیں ایک طریقہ سے مرفوع اور
دوسرے طریقہ سے مرسل ٹھہرتی ہیں، تو کیا ضرور ہے کہ مرسل ٹھہرانے والی روایتیں، مرفوع کے مقابلہ میں زیادہ
صحیح قرار دیجائیں، بہرحال اگر مرسل بھی مان لیجائیں، تو تنہا قیاس سے وہ زیادہ معتبر ہونگی،

اصل یہ ہے کہ ان واقعات میں جو خاص خاص کیفیتیں مذکور ہیں کہ وہ دعویٰ کرنے والی لڑکی ثیبہ
تھی، یا وہ عدم کفو کی بنا پر ناراض تھی، یا اور کوئی چیز، امام شافعی ان مخصوص صورتوں کو بھی لڑکیوں کے حق اختیار کی
کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کیفیتیں اتفاقی ہیں، اور اصل وجہ لڑکی کی

۱؎ نسخہ الباری دمعینی شرح حدیث مذکور،

نارضامندی اور ناپسندیدگی ہے، خواہ کسی بنا پر ہو، ہر صاحب نظر جو اس باب مین ان احکامی حدیثون کو جو پہلے نمبر مین کنواری لڑکیون کی اجازت کے بھی ضروری ہونے کے متعلق نقل کیگئی ہین، اور ان واقعات اور آنحضرت صلعم کے فیصلون کو پڑھیگا وہ اسکے ماننے پر مجبور ہوگا کہ اسلام مین عاقل و بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین اسکا نے ضیا حاصل ہے، امام بخاری کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین خنساء کی حدیث کا عنوان یہ قائم کیا ہے،

باب اذا زوج الرجل ابنته وھی کارھة فنکاحه مردود، — اس بیان کا باب کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح کردے اور وہ اسکو ناپسند کرتی ہو تو وہ نکاح رد ہے،

باوجود اس کے کہ اس کے بعد خنساء کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس مین ثیبہ کا ذکر ہے، مگر اس سے امام موصوف نے بھی یہ نہین سمجھا ہے کہ اس سے اس اختیار اور حق کی تخصیص صرف ثیبہ کے لیے ہے، بلکہ انھون نے یہ سمجھا ہے کہ یہ فیصلہ ہر اس لڑکی کے لیے ہے جو اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو جو باپ نے اپنی مرضی سے کردیا ہو،

بعض لوگون نے موطاے امام مالک کے اس اثر کی بنا پر کہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سالم تابعی اور حضرت قاسم تابعی اپنی کنواری بالغ لڑکیون کا نکاح اونکی رضامندی دریافت کئے بغیر کردیا کرتے تھے، یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بالغ کنواری لڑکیون کے نکاح کے جواز کے لیے ان کی مرضی دریافت کرنا ضروری نہین ہے تو اول تو رسول اللہ صلعم کے صریح حکم کے بعد یہ قیاس مین نہین آسکتا کہ ایسے متبع سنت اصحاب اس کے خلاف کرتے ہون، دوسرے یہ کہ یہ راوی کا اپنا علم ہے کہ وہ ایسا سمجھتے تھے کہ انھون نے مرضی دریافت نہین کی، یہ دھوکا ان راویون کو اسلیے ہوا کہ نکاح کے وقت ان کو مرضی دریافت کرتے انھون نے نہین دیکھا، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ انھون اس سے پہلے بھی کسی مناسب موقع پر ان کی مرضی اشارۃً یا کنایۃً دریافت نہین کی، یہ خانگی معاملات ہین جنکا صحیح علم کسی باہر کے آدمی کو نہین ہو سکتا، تیسرے یہ کہ یہ صورت اس وقت کے لیے ہے کہ جب نکاح کے معاملہ مین باپ اور بیٹی کے درمیان کشاکش اور اختلاف ہو، ورنہ اگر لڑکی باپ کے فیصلہ پر بخوشی رضامند ہو تو اس مین جواز و عدم جواز کی کیا بحث پیدا ہو سکتی ہے، ان سعادتمند

لڑکیوں نے اپنے بزرگ باپوں کے فیصلہ سے اختلاف نہیں کیا، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اگر اختلاف ہوتا تو یہ لڑکیاں مجبور قرار دی جاتیں، اور باپوں کے فیصلہ کو رد نہیں کر سکتی تھیں،

برخلاف اس کے اسی موطا[1] میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک عزیز کی لڑکی کا نکاح جو کہ بالغہ تھیں اپنے ایک دوسرے عزیز کے لڑکے سے کر دیا، حالانکہ وہ ولی نہیں ہو سکتی تھیں، اور فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف تھیں، کہ بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا اختیار کہاں تک ہے؟ اور ایسا نکاح جائز ہے یا نہیں، اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ لڑکی کے باپ عبدالرحمٰن سفر سے واپس آئے اور ان کو اس نکاح کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اس بات پر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ مجھ جیسے (معزز) لوگوں کی لڑکیاں بھی باپ کی رائے لیے بغیر بیاہ دی جاتی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے رفع نزاع کے لیے لڑکے سے اس کا تذکرہ کیا، لڑکے نے کہا میں اس کا اختیار عبدالرحمٰن (لڑکی کے باپ) ہی کے ہاتھ میں دیدیتا ہوں، یعنی وہ چاہیں تو میری طرف سے لڑکی کو طلاق دیدیں، عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے کہا جو بات آپ کر چکی ہیں اس کو رد نہیں کر سکتا، چنانچہ یہ نکاح قائم رہا، اور یہ طلاق نہیں سمجھی گئی،

اب سوال یہ ہے کہ اگر بالغ لڑکی کے نکاح کے جواز میں باپ کی رضامندی شرط ہے تو یہ نکاح کیونکر جائز ہو سکتا تھا، اور جب نہیں جائز ہو سکتا تھا تو اس میں تملیک اور طلاق کی اجازت دینے کے کیا معنی ہو سکتے تھے، اور پھر بعد کو باپ کی رضامندی ظاہر کر دینے سے امر فاسد صحیح کیونکر ہو سکتا تھا، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بالغ لڑکی کے اختیار اور حق کو سمجھکر صرف اسکی اجازت سے اسکے باپ کی اطلاع کے بغیر اس کا نکاح کر دیا، اور باپ کی واپسی کے بعد اخلاقی طور سے خانگی نزاع کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ لڑکے سے یہ کہوا دیا کہ عبدالرحمٰن کو میں اپنی طلاق و مفارقت کا اختیار دیدیتا ہوں، وہ جو چاہیں کریں، عبدالرحمٰن اس سے خوش ہو گئے نزاع جاتی رہی، پھر عبدالرحمٰنؓ نے بھی یہ نہیں کہا کہ میری موجودگی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ جیسے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا کیا جا سکتا ہے، اور مجھ جیسے لوگوں کی رائے لیے بغیر ہی ایسا فیصلہ

[1] موطا امام مالک، ما لا یبین من التملیک،

کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف خاندانی غرور اور نسبی جاہ اس ناراضی کا باعث تھا، کوئی مسئلہ کی صورت نہ تھی

اسی طرح حضرت علیؓ کے عہد حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک ماں نے اپنی لڑکی کی رضامندی لیکر اُسکا نکاح کر دیا، بعد کو اس کے اولیاء نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا، حضرت علیؓ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا[۱]

ان تمام احکام اور واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی تربیت نے لڑکیوں کو اس معاملہ میں تمام تر آزادی عطا کی ہے، اور وہ پوری طرح اسکی ذمہ دار ہیں کہ اس نئی زندگی کے اختیار کرنے اور رفیق حیات کے انتخاب اور منظوری میں، اسلام کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اگر مسلمان لڑکیاں اس بارہ میں علانیہ کو معذور محض و مجبور خیال کرتی ہیں تو یہ رسم و رواج اور نقص تربیت کا اثر ہوگا، اسلام اس گناہ سے قطعاً پاک و بری ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان لڑکیاں اپنے والدین کی رضا جوئی کے ساتھ ساتھ اپنے جائز حق کو کام میں لائیں، اور خود والدین کو اپنی آئندہ زندگی کے مسئلہ میں مدد دینے کی کوشش کریں، گذشتہ واقعات میں تم نے دیکھا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے معاملہ میں کس صفائی اور خوبی کے ساتھ آنحضرت صلعم تک اپنے مطالبہ کو پیش کرتی تھیں، ایسا کرنا نہ تو سوءِ ادب ہے اور نہ جائز حدود سے باہر قدم نکالنا ہے،

آئندہ سلسلہ میں ان مسائل پر مزید روشنی ڈالنے کا قصد ہے، والامر بید اللہ تعالیٰ،

[۱] مبسوط امام سرخسی جلد ۵ صفحہ ۱۰

ترکی ادبیات

کے

تین دور

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

مصر کے مشہور انشاپرداز شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہراء نے اپنے رسالہ (جلد ۲ نمبر ۹) مین ترکی ادبیات پر ایک بسیط مضمون سپرد قلم کیا ہے، جسمین پہلے قدیم ترکی ادب یعنی ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پیشتر کی ادبیات سے بحث کی ہے، پھر ترکی ادبیات کے تین دور قائم کئے ہین، جنمین پہلا دور اسلامی ہے یعنی وہ دور جسمین وہ عربی اور فارسی ادبیات سے متاثر ہوئی، دوسرے مین اس دور سے بحث کیگئی ہے جس مین ترکی شاعری یورپ کے ادبیات سے مستفید ہوئی ہے، پھر تیسرے دور مین موجودہ ترکی شاعری سے بحث کیگئی ہے، اور جسکو مقالہ نگار نے "فرنگی تورانی ادب" سے تعبیر کیا ہے،

اہل ہند جہان ترکون کے سیاسی کارنامون کے ایک ایک حرف سے واقف ہین، وہان انکے ادبیات سے قطعاً ناواقف ہین، اسی بنا پر اس مضمون کا خلاصہ اردو مین منتقل کرنا ضروری نظر آیا، تاکہ اس حیثیت سے بھی ترکون کے کارنامون سے انکو واقفیت ہو،

"سید ریاست علی ندوی"

ترکون کی قدیم شاعری

قدیم ترکی ادب ترکون کا اپنے قدیم ترکی ادب کے متعلق خیال ہے کہ اسکی تاریخ ماضی کے پردہ مین چھپ گئی

کیونکہ ترکی قوم زمانۂ تاریخ سے بہت پہلے کی قوم ہے، اور تاریخ اس قدیم قومیت کے سامنے بالکل نوخیز ہے، اسی لیے اس کے دسترس سے بالاتر تھا کہ اس قوم کے قدیم ادبیات کے متعلق کچھ لب کشائی کرسکتی"

لیکن ترکوں کی یہ توجیہ صحیح نہیں کیونکہ ان پر زمانۂ قبل تاریخ کے بعد زمانۂ تاریخ مین بھی ایسے متعدد دور گذرے، جن مین ترکی ادبیات کا تذکرہ مل سکتا تھا، چنانچہ تاریخ کے صفحات مین ان کا ایک وہ دور موجود ہے جس مین انھون نے اسلام سے دو صدی پیشتر، اتیلا، کی سرکردگی مین یورپ پر غارت گری کی، پھر ایک وہ زمانہ آیا جس مین عرب، بلاد ترک کو فتح کرتے ہوے ماوراء النہر کی طرف پہنچے، پھر معتصم عباسی کے ایام خلافت سے ان کا ایک ایسا زمانہ شروع ہوتا ہے، جس مین وہ اسلامی لشکر مین فوجی خدمات انجام دینے لگے، پھر وہ ہولناک ساعت آئی جب ترکون نے ہلاکو خان کی قیادت مین اسلامی تہذیب و تمدن کا بغداد مین خاتمہ کر دیا، اور اسی وقت سے عثمانیون کے ظہور سے بہت پہلے انکی ایک جماعت نے اناطولیہ کو مستقر بنالیا، لیکن کیا وہ ان مین سے کسی ایک دور مین اپنے ترقی پذیر ادبیات کا کوئی نمونہ پیش کرسکتے ہین؟

حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کے یہان قدیم ادبیات کا سرمایہ اس کے اسلام لانے سے پیشتر موجود تھا، اسکو تاریخ نے اپنے صفحات مین محفوظ رکھا، جیسا کہ ایران، ہندوستان اور چین کی قدیم ادبیات کا سرمایہ محفوظ ہے، اس لیے ہمین اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ترک جب کوہستان اطائی اور صحرائے توران مین خانہ بدوش تھے، اس وقت وہ لطیف ادبی دلچسپیون سے آشنا نہ تھے، ورنہ عرب، یونان، چین، ہندوستان اور ایران کے قدیم ادبیات کے مثل تاریخ مین ان کے قومی ادب کو بھی ضرور جگہ ملتی، اس لیے ترکی ادبیات کی تاریخ بھی ان کے دور اسلامی سے شروع ہوتی ہے۔

اسلامی دور

ترکی لہجے | ترک صحرائے توران سے ایشیائے کوچک کی طرف دو راستون سے آئے، ان مین سے ایک راستہ کاشغر، فرغانہ اور سمرقند ہوتے ہوے ایران کو اور پھر وہان سے عراق کو جاتا ہے، اور دوسرا راستہ خراسان مین

ساحلِ بحیرون کو اختیار کر کے جنوبی ساحل کی طرف بحرِ خزر مین ہوتے ہوئے کوہ قاف کو طے کر کے اناطولیہ کو آیا ہے، ان دونون راستون سے ترکون کے دو لہجے مشرق ادنیٰ مین آئے پہلے راستہ سے جو لہجہ منتقل ہو کر آیا وہ "لہجۂ خاقانیہ" کہلاتا ہے اور جو لہجہ دوسرے راستے سے آیا وہ "لہجۂ اوغوزیہ" کہا جاتا ہے، اور یہی دوسرا لہجہ اناطولیہ مین ترکی نون کی زبان پر اب تک باقی ہے،

ترکون کے قدیم شعرا | یہ عجیب اتفاق ہے کہ ترکی شاعری تمام تر لہجۂ اوغوزیہ مین ہے لیکن ترکی شاعری مین سب سے قدیم ترین نظمین جو محفوظ رہ سکین وہ پہلے لہجۂ خاقانیہ مین ہین یہ نظمین ایک مشہور بزرگ احمد یسوی کی ہین جو ترکی صوفیہ مین طریقۂ یسویہ کے بانی کہے جاتے ہین، اور جنکے اتباع اس وقت بھی مشرقی ترکون مین پائے جاتے ہین، اور ان لہجۂ خاقانیہ کی نظمون کے بعد دوسرے لہجہ "اوغوزیہ" مین قدیم ترین نظمین بہاء الدین صدیقی قرشی کی ہین، جو سلطان ولد کے نام سے معروف ہین شیخ بہاء الدین مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے ہین، اور مولانا روم کو فارسی شاعری مین جو عظمت حاصل ہے وہی ان کے صاحبزادے کو ترکی شاعری مین حاصل ہے، بلکہ شاعری کا موضوع بھی دونون کا ایک ہی ہے، چنانچہ شیخ بہاء الدین اور احمد یسوی کی نظمون کا موضوع بھی زہد و اتقار اور دیگر معانیِ تصوف ہے،

دنیا کی تمام قومون کی ادبیات مین شعرار کا ایک ایسا خاص طبقہ بھی ہوتا ہے جو عوام کے لہجہ مین انکی عام ذہنیت کے مطابق اظہارِ خیال کرتا ہے، چنانچہ ترکی ادبیات مین بھی یہ طبقہ موجود ہے جسکا سرخیل ایک شخص یونس امرہ نام کہا جاتا ہے، یونس آج سے سات صدی پیشتر شہر بولی کے قرب وجوار مین خانہ بدوش پھرا کرتا تھا، اسکی شاعری کا لب لباب ترغیب و ترہیب ہے، اور اپنی شاعری مین کائناتِ عالم کی عظمت وشان سے باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی پر استدلال کرتا ہے،

قدیم شعرائے ترکون کو شکایت | ترکون کو اپنے شعرائے متقدمین خصوصاً مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے سے عام شکایت ہے کہ وہ اظہارِ مطالب مین عربی و فارسی زبانون سے استمداد کرتے تھے، لیکن وہ اس حقیقت

[illegible] بلکہ اگر شعرائے متقدمین صرف ترکی زبان پر قناعت کرتے تو ان کے کلام مین سطحی خیالات کے سوا اور وہ بھی نہایت غیر مؤثر طور پر کوئی شے نظر نہ آتی چنانچہ یونس امرہ کی مثال موجود ہے، اسکی شاعری مین صرف ترکی زبان کے الفاظ ہین، اور اس نے شاید عمداً اس مین اپنی شاعری محدود رکھی، اسی بنا پر نہ اسکی زبان مین زیادہ سلاست ہے، اور نہ جذبات مین پاکیزگی اور بلند خیالی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ صرف ترکی زبان مین محدود ہو جانے کے باعث بہت سے بلند خیالات اور پاکیزہ جذبات کے ادا کرنے سے قاصر رہا جو اسکی شاعری سے صاف طور پر عیان ہوتا ہے، اس موضوع پر آگے چلکر کچھ تفصیلی نظر ڈالی جائیگی،

ترکی زبان کے ساتھ سلاطین کا اعتنا

جس شخص نے مشرق ادنیٰ مین ترکی زبان کو سب سے پہلی مرتبہ سرکاری زبان کے مرتبہ پر پہنچایا وہ امیر قرمان ہے جو سلجوقیون کے بعد قونیہ کا والی تھا، قرمان کا باپ ایک ارمنی نژاد تھا، جو بعد مین اسلام لایا، اور زہد و تقویٰ مین اس درجہ مشہور ہوا کہ اس کا نام ہی شیخ نورالدین صوفی مشہور ہوگیا، شیخ موصوف کو ترکی قوم کے درمیان خاص منزلت حاصل تھی، اسلئے جب اس کا لڑکا امارت پر سرفراز ہوا تو اس کے باپ کی وجہ سے قوم مین اسکو غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل ہوئی، اسی لیے لوگ اس کے امتثالِ امر کے لیے ہمیشہ تیار رہتے اور اسکی جانب سے جو تحریک اٹھتی اس کا خاص خیر مقدم کیا جاتا،

چنانچہ جب اس نے ترکی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تو کسی طرف سے مخالفت کی کوئی صدا بلند نہین ہوئی بلکہ بہت جلد حکومت کے تمام صیغون مین رائج ہوگئی، اس سے پہلے فارسی زبان حکومت کی سرکاری زبان، اور عربی دینی اور علمی زبان تھی، لیکن جب ترکی زبان کے ساتھ یہ اعتنا کیا گیا تو اس نے ارتقائی منزلین طے کرنا شروع کیا، اور انھین دونون زبانون کے سایہ مین پھولنے پھلنے لگی، اور رفتہ رفتہ اس نے انھی دونون باغون کے گلہائے رنگارنگ سے اپنے دامن کو مالامال کرلیا،

اس کے بعد عثمانیون کا دور آیا تو انھون نے ایک خاص انداز مین اس کی ایسی پرورش شروع کی کہ وہ دنیائے ادب مین ایک خاص نام "عثمانی ترکی" سے روشناس ہوئی، یہ زبان "عثمانی ترکی" اصل مین فارسی و

عربی الفاظ کے ساتھ زبان ترکی کے افعال، اسمار اور حروف کی ترکیب سے پیدا ہوئی، اور مختلف اجتماعی دور دون کے اختلاف اور ضروریات شعر کے لحاظ سے مختلف زبانون مین کسی قدر ایک دوسرے دور سے مختلف رہی،

ترکی ادبیات حکومت عثمانیہ کے پیشرو فرمانرواؤن کی مرہون منت نہین، کیونکہ ان مین سے عثمان اول اور مراد اوّل تو بالکل امی تھے، وہ خدمت کیا کرسکتے، اور ان دونون کے درمیان مین جو فرمانروا گذرے وہ ایک محدود رقبہ پر حکمران تھے، اس لیے وہ بھی ترکی ادبیات کی کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہ دے سکے، آخر بایزید اول کا دور آیا، عثمانیون مین اسی نے سب سے پہلے سلطان کا لقب اختیار کیا، اور اس نے نہایت شاندار اور پرشوکت محلات کو اقامت گاہ بنایا، پھر محمد فاتح سلیم اور سلیمان کا زمانہ آیا تو انھون نے حکومت بیزنطی اور شاہانِ مصر کے متروکات سے بہرہ اندوز ہوکر حکومت عثمانیہ کی جلالت وشان کو معراج کمال پر پہنچا دیا،

حکومت کی اس شان وشوکت کے تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ انھی فلک بوس شاہی محلات نے ترکی ادبیات کی نشو ونما مین بڑی معاونت کی، لیکن آج کے سادہ لوح نوجوانانِ ترک، ترکی ادبیات کے اس دور پر اسلیے معترض ہین کہ وہ فقط لفظی صناعتون پر قائم ہے، اور اس نے دین اسلام اور فارسی ادبیات کی تقلید کی خاطر ترکی قومیت کی روح کو فنا کر دیا، اور یہ ترکی ادبیات کا ایسا شخصیت پسند دور ہے جسکا مطالعہ صرف اس عقیدہ تک رہنمائی کرتا ہے کہ "جو کچھ ہے وہ شاہی محلات ہین"

لیکن نوجوانانِ ترک مین جو فہمیدہ وسنجیدہ طبقہ ہے، اور جو تحریکِ قومیت کا بھی سب سے بڑا شیدائی ہے، وہ خوب سمجھتا ہے کہ ترکی ادبیات کے اس دور کو چھوڑ دینے کے بعد ان کے ہاتھون مین کیا رہ جاتا ہے؟ کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دور اسلامی سے پیشتر ترکی ادبیات کا صفحہ سادہ ہے، اس لیے انکی شاندار تاریخ انھی شاہی محلات کے شعرار کے ادبی سرمایہ سے شروع ہوتی ہے، اسلیے اگر انھون نے اس دور کو نظر انداز کر دیا تو توپھر ان کے قومی ادبیات کی تاریخ اس پچھلے دور سے متجاوز نہ ہوگی جبکہ ترکی ادبیات یورپ کے ادبیات سے متاثر ہوتی ہے،

چنانچہ ترکون کے مایۂ ناز ادیب اسمٰعیل حبیب نے ایک کتاب "ترکی ادبیات کی جدید تاریخ" لکھی ہے جس کو وزارت معارف ترکی نے گذشتہ سال خاص اہتمام سے شائع کیا ہے اس مین وہ لکھتے ہین: "ادب عثمانی پر یہ باطل خیال آرائیان صحیح نہین ہین، کیونکہ جو ادب چھ صدی تک زندہ رہ چکا ہو وہ ایک لازوال ادب ہے، ہم اسکو کسی طرح بھی اس اعتبار کے ساتھ مبتذل نہین کہہ سکتے کہ وہ ایک مصنوعی ذخیرہ ہے، یا وہ محض تقلید و تتبع کا ثمرہ ہے، قوم کا ادب انکی زندگی کا آئینہ ہے، اگر وہ مصنوعی ہے تو اس کی ترکیب بھی اس قوم کی اجتماعی زندگی کے مناظر کی تصویر ہوئی، اور یہ ممکن نہین کہ قومون کی اجتماعی زندگی ایسی ہو اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی ادب چھ صدی تک اس وقت تک زندہ نہین رہ سکتا جب تک کہ اس مین زندگی کے عناصر موجود نہون اور اگر اس پر تصنع و نمائش کا غلبہ ہے اگر اسکی حیثیت ایک اسلامی یا صوفیانہ ادب کی ہے تو بھی ہم اس وقت تک اسکو علیحدہ نہین کر سکتے، جب تک اسلام و تصوف اس قوم کی اجتماعی زندگی مین موجود ہین اور درحقیقت کسی ادب کو مصنوعی صرف اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ اس قوم کی اجتماعی زندگی کی ترجمانی نہ کرتا ہو، اور جب وہ ہماری پچھلی تاریخ کی تصویر ہے تو اسکی اچھائی اور برائی کا الزام تاریخ پر ہے نہ کہ ان ادبیات پر، اس مسئلہ مین اصل غلطی جو ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس عہد کو دور حاضر کے خیالات و معتقدات کی عینک سے دیکھتے ہین، اور اسی لحاظ سے اس پر خیال آرائیان کرتے ہین حالانکہ ہمین اُس زمانہ پر اسی زمانہ کی ضروریات و مقتضیات کے لحاظ سے نظر ڈالنی چاہئے[1]"

قدیم شعرا اور دیگر زبانین

اور مؤلف کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ترکی زبان پر اسلامی شعرا کے طرز بیان کی صیقل ہونے سے پیشتر وہ بہت سے خیالات کے ادا کرنے سے قاصر تھی، اور ان اسلامی شعرا کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ اپنے پاکیزہ خیالات کو فارسی زبان مین بآسانی ادا کر لیتے، چنانچہ شیخ محمد بن سلیمان[2] بغدادی نے جو ترکی نظم و نثر پر خاص قدرت رکھتے تھے، اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اس لیے باوجود اس کے ان

---

[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ ص ۳۳، [2] یہ ترکی ادبیات کی تاریخ مین "فضولی" کے نام سے معروف ہین

لوگون نے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے ترکی زبان کو ترجیح دی لیکن جن مواقع پر وہ ترکی کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باعث مطالب کے ادا کرنے مین قاصر ہوئے وہان وہ عربی و فارسی سے استعانت کرنے پر مجبور تھے

اور سب سے زیادہ پرلطف اور اس کے ساتھ المناک امر یہ ہے کہ آج جو جماعت اپنے اسلاف کو عربی و فارسی الفاظ کے استعمال پر مورد طعن و طنز بنائے ہوئے ہے، اس وقت وہی جماعت نہایت فخر و ابنساط سے ترکی زبان مین یورپ کی زبانون کے الفاظ کو بہ کثرت استعمال کرتی ہے،

کیا اسلاف کی مساعی جمیلہ کا جنھون نے ترکی کو سہل ترین ادبی زبان کی صف مین داخل کیا یہی بدلہ ہے، نوجوانان ترک اس سے بخوبی آگاہ مین کہ ترکی زبان کے اصول و قواعد سب سے پہلے انھین عربون نے وضع کئے، ابوحیان اندلسی کی کتاب " الادراک لسان الاتراک " ترکی صرف و نحو پر اب بھی موجود ہے، جو سلطان عبدالحمید کے زمانہ مین قسطنطنیہ مین طبع ہوئی تھی، اسی طرح شریف جمال الدین احمد بن مہنا صاحب کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی کتاب حلیۃ الانسان و حلبۃ اللسان، ایرانیون، ترکون اور مغلون کے لغت مین ہے، یہ بھی اتحادیون کے زمانہ مین قسطنطنیہ مین طبع ہو چکی ہے.

دور اسلامی کے ممتاز شعراء | اسمٰعیل حبیب بک نے دور اسلامی کے ممتاز و چیدہ شعراء پر نہایت بلیغ الفاظ مین رائے زنی کی ہے،

محمد بن سلیمان بغدادی کے متعلق لکھتے ہین " وہ جذبات رنج و غم کا ایک بہترین مصور ہے" شاعر باقی (۹۳۳ھ۔۱۰۰۸ھ) کے متعلق "علمی مرتبہ کے لحاظ سے معراج کمال پر پہنچا تھا" کہتے ہین " اس نے اپنی شاعری سے لوگون مین احساس غیرت اور عیب بینی

سلہ بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) کے شہر مین پیدا ہوئے، بغداد مین نشو و نما پائی، فارسی و ترکی ادب مین خاص تبحر تھا، جب سنہ ۹۴۱ مین سلطان سلیمان قانونی کی فوج نے صفویون سے بغداد کو چھین لیا، تو محمد بن سلیمان بعض امرائے حکومت کی خدمت مین باریاب ہوئے اور ان کو بغداد کے اوقاف مین سے کچھ وظیفہ مل گیا، لیکن بعد مین منتظمین اوقاف نے کچھ بدسلوکی کیا اور اسکی شکایت لیکر آستانہ پہنچے، ان کا شمار ترکی شعراء کے طبقۂ اول مین کیا جاتا ہے، ان کے سنہ وفات مین اختلاف ہے، صاحب کشف الظنون کی روایت کے مطابق سنہ ۹۶۳ مین وفات پائی، اور صاحب قاموس الاعلام نے ۹۷۰ بتایا ہے، اور محمد جلال بک کے بیان کے بموجب ۹۷۶ ہے،

میں منتقل کرین، جسمین خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔

چنانچہ اسی فرمان سلطانی سے ترکی ادبیات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس مین نوجوانانِ ترک یورپ کی ادبی دنیا کی طرف مائل ہوئے ہین،

ترکی شاعری کا دوسرا دور

نئے ادبیات سے اثر پذیری ترکی ادبیات کے احیار کا کام اس وقت شروع ہوا جبکہ رشید پاشا (۱۲۱۵ھ-۱۲۷۴ھ) ترکی مین سیاسی انقلاب کے علمبردار تھے، رشید پاشا خود اس تحریک کے زبردست حامی تھے لیکن ان کے سیاسی مشاغل انھین اتنی فرصت نہ دیتے تھے کہ وہ ادبی انقلاب کا علم بھی اپنے ہی ہاتھ مین رکھین، اس لیے عاکف پاشا (۱۲۰۴ھ-۱۲۶۱ھ) نے یہ تحریک اپنے ہاتھ مین لی، اور اپنی بہترین مساعی سے ادبی دنیا مین بہت جلد انقلاب برپا کر دیا، چنانچہ ترکون کے مایۂ ناز ادیب نامق کمال بک نے ۱۲۸۳ھ مین ایک مقالہ "تصویر افکار" مین یہ حقیقت آشکارا کی ہے،

شناسی آفندی عاکف پاشا کے بعد مشہور نوجوان شناسی آفندی (۱۲۴۲ھ-۱۲۸۸ھ) اور جس شخص نے ترکی ادبیات کی صنعت کا قالب بدلا اسکا نام آتا ہے، ترکی ادب کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان مین انقلاب پیدا کرنے کا سہرا انھین کے سر ہے، انھون نے بچپن مین موسیو شاتانون سے فرانسیسی زبان سیکھی تھی، پھر اقتصادیات کی تعلیم کے لیے یورپ سے ہو آئے تھے، وہان ان کو فرانسیسی شعراء سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا، اور خصوصاً مستشرق دی ساسی اور ارنسٹ رینان سے خاص تقرب حاصل تھا اسلیے جدید ضروریات اور یورپ کی ادبی ترقی سے خوب آگاہ تھے اور اسی طرز پر ترکی ادبیات کو لانا چاہتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ تحصیلِ علم کے بعد عملی زندگی مین زیادہ تر سیاسیات سے وابستہ رہے، مگر اس کے باوجود اپنے رسالہ "ترجمانِ احوال" اور پھر "تصویر افکار" کے ذریعہ انھون نے ترکی زبان کی نمایان خدمت انجام دی، اور اسلوبِ زبان مین اصلاح کرنے کے ساتھ زبان کو مہمل بدائع اور لفظی الٹ پھیر سے نجات دلائی،

باوجودیکہ انکی مساعی سے ترکی زبان کو گرانقدر فوائد حاصل ہوئے، اور انھون نے طرز تحریر اور اسلوب بیان کی ایک خاص بنیاد قائم کی لیکن افسوس ہے کہ اپنے اصول مین ایک حد تک کچھ متجاوز ہوگئے جیسا کہ ہر تحریک کے بانی عمومًا ہوتے ہین اور اسکا احساس بہت جلد خود ان کے ارشد تلامذہ نامق کمال بک، عبدالحمید ضیا پاشا، محمود اکرم بک و عبدالحق حامد کو ہوگیا، اسلیے ان لوگون نے اور ان کے بعد خالد ضیا، توفیق، فکرت، اور جناب شہاب الدین وغیرہ نے اپنے پیشرو کی کامل تقلید کرنے کے بجائے ایک درمیانی راہ اختیار کرکے اس پر کامزن ہوئے،

چنانچہ ان کے مخلص دوست اور لائق شاگرد ضیا پاشا (۱۲۴۱ھ-۱۲۹۶ھ) نے ترکی طرز تحریر کے قدیم اسلوب کو لیے ہوئے بغیر کسی تحریک اصلاح اور ادعائے تجدید کے نہایت متانت سے طرز جدید کے اسلوب کو اختیار کیا جسکی اکثر تذکرہ نویسون نے نہایت مدح و توصیف کی ہے۔

ترکی ادبیات کے اساطین اربعہ | اسمعیل حبیب کی رائے ہے کہ ترکی ادب کے اس جدید دور کے اساطین اربعہ عاکف پاشا، ادہم پرتو پاشا، شناسی آفندی، اور ضیا پاشا ہین، ان مین سے عاکف اور ادہم کا منشا ترکی شاعری کا قالب بدلنے کا ان مین ہے، شناسی اگرچہ کوئی بہترین شاعر اور جادو نگار انشا پرداز نہین، لیکن ان دونون کے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے ایک سادہ سلیس انشا پردازی اور ادبی صحافت کے ایک اعلیٰ نمونہ کی بنا ڈالی، اور ضیا پاشا نے ایسے قدیم اسلوب مین شاعری کی جو دور حاضر کے مطابق تھی،

نامق کمال بک | اور جب جدید ادبیات کی صبح سعادت طلوع ہوچکی تو ایک بہترین انشا پرداز نامق کمال (۱۲۵۶ھ-۱۳۰۶ھ) پیدا ہوا جس نے شناسی کی پیروی کرتے ہوئے اسکی بساط ادب اپنے نظم و نثر کو بلند ترکیا اور نیز اس کے اسلوب مین جو کمزوریان یا زیادتیان تھین انکی اصلاح بھی کی، اس لیے اس کا ایک خاص اسلوب بیان پیدا ہوگیا، جسکی پاکیزگی و ندرت کے باعث اسکی شاعری بہت زیادہ مقبول انام ہوئی،

اکرم | نامق کمال کے نام کے ساتھ ہی اکرم اور حامد کے نام یاد آتے ہین، اکرم (۱۲۶۳ھ-۱۳۳۲ھ) اگرچہ نامق کمال کی طرح شیرین بیان نہین اور نہ حامد کے مثل اس کے شاعرانہ خیالات ہین، لیکن اس مین شک نہین

کہ وہ سلامت ذوق، صحت زبان، اور اسلوب بیان کی سلاست کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے،

عبدالحق حامد دور حاضر میں ترکون کے درمیان عبدالحق حامد بک (المولود ۱۲۶۷ھ) شاعری مین سب سے بڑا استاذ تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے متعلق اسمعیل حبیب بک کی رائے ہے کہ "ان کی شاعری مین ترکی ادبیات کے دور اول کے شعراء کے کلام کا پرتو نہایت صحیح انداز مین موجود ہے، اور ایرانی شعرا مین سے حافظ شیرازی، سعدی، فردوسی، اور خیام، پھر دوسری طرف یورپ کے شعرا مین سے کورنی، راسین، ہیگو اور شکسپیر کے کلام کی روح موجود ہے"

ممکن ہے ان توصیفی الفاظ مین مبالغہ کی جھلک نظر آئے، لیکن چونکہ ترکون کے ادبیات کی قدیم و جدید تاریخ مین حامد کا کوئی نظیر موجود نہین، اسلیے وہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہنے کا حق رکھتے ہین، مگر اس سے قطعی انکار نہین کیا جاسکتا کہ اس نے ترکی شاعری مین جدید خیالات کی ترجمانی بہترین اسلوب بیان اور سلیس بندش مین کی، اور اس کے ہمعصر اور بعد کے تمام شعرا نے ان کے اتباع کی کوشش کی اور ان مین سے اکثر کامیاب ثابت ہوئے،

اور حقیقت یہ ہے کہ حامد نے جب شاعری شروع کی اس وقت سے آج تک اسکی حیثیت ایک امام فن کی رہی ہے، اور غالباً آئندہ شعرا بھی اوسی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرینگے، اسی لیے ترکی ادبیات کی تاریخ مین اس کو سب سے نمایان جگہ ملی ہے، چنانچہ اسمعیل حبیب کی کتاب کی ضخامت ۶۹۰ صفحے ہے جنمین سے ۱۱۵ صفحے صرف حامد کے لیے مخصوص ہین، اور کہا جاتا ہے کہ پھر بھی بحث تشنہ ہے، اور یہی خیال عام طور پر قائم ہے، کہ حامد کے متعلق جو کچھ لکھا جاسکتا تھا، اسمعیل حبیب نے اس کا عشر عشیر بھی نہین لکھا،

حضرت شاہ پیر روشان

اور

فرقۂ روشانی

از

مولوی نیاز الدین خان صاحب دانشمند انصاری پنشنر جج بستی دانشمندان جالندھر

اکبر کے عہد سلطنت مین پنجاب کی سرحد پر ایک روشانی فرقہ پیدا ہوا تھا، اس کے پیرو زیادہ تر پٹھان اور افغان تھے، انھون نے سلطنت کے خلاف کئی بغاوتین کین، ان کے دبانے مین سلطنت کو کافی دقتین پیش آئین، ہندوستان کے عام مورخین نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے لیکن ان سے اس فرقہ اور اس کے خیالات وعقائد اور اس کے بانی کے متعلق کوئی علم نہین ہوتا، مولوی نیاز الدین خان صاحب جنکو خود اس خاندان سے تعلق ہے، اپنی خاندانی فارسی تاریخ تذکرۃ الانصار سے جسکا وہ اردو مین ترجمہ کررہے ہین، اور جسمین پیر روشان کے حالات درج ہین، کچھ حصہ ہمارے پاس اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اس مین جابجا خود پیر روشان کی تصنیفات سے اقتباسات درج ہین، جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک صوفی صافی بزرگ تھے، اور مذہبی صوفیانہ خیالات رکھتے تھے، بزرگون کے عام تذکرون کی طرح جنمین تاریخی، علمی اور اخلاقی حالات کی جگہ کرامتین لے لیتی ہین، جنسے دوسرون کو کچھ فائدہ نہین پہنچتا، یہ تذکرہ بھی معلوم ہوتا ہے،

"معارف"

کتاب تصنیف کرکے خیرالبیان نام رکھا، اس مین اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا اور چند روز مین سر کے
بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا، ایک لڑکا پندرہ سالہ جلالہ نام چھوڑ گیا، ۹۸۹ھ مین جب اکبر کابل سے آتا تھا،
جلالہ ملازمت مین حاضر ہوا، اور مدت تک شاہنشاہی سے معزز ہوا، شجاعت ذاتی اور موروثی لڑکے
کی پیرائش مین تھی، اور نمود بھی پیدا ہو گئی تھی، اپنے پدر بعد [illegible] بھاگ گیا، اور دکھن افغانون مین
جا کر پھر [illegible] شروع کر دی، اور حرم غیر کو اپنے ساتھ متفق کر کے ہندوستان اور کابل کا راستہ
بند کر دیا، فرقہ روشنائی رستائی جنگل کی گھاٹی کی حقیقت مین [illegible] رکھی تھی، اس کے تدارک
کے لیے بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کر کے صوبہ دار کابل کیا، کہ ان سرشورون کو تنبیہ کرے
سعید خان گکھڑ، امیر برشیخ فیضی، اور شیخ فتح اللہ شیرازی وغیرہ کو بھی بھیجدیا، اس مہم کا انجام شاہی
لشکر کی تباہی پر ہوا، آخر اکبر نے راجہ تو ڈرمل کو بہت سی سپاہ دے کر روانہ کیا، راجہ نے نہایت
ہوشیاری سے کام کیا، اور اس نے افغانون کو تنگ اور پریشان کر کے چھوڑا، موسم گرما سنہ [illegible]ھ
مین راجہ مان سنگھ بھی فوج لیکر بڑھا، درۂ خیبر کے نواح مین سخت لڑائی ہوئی اور فرقہ مذکور کے
ہزارون آدمی مارے گئے، بہت سے قید ہوئے، جلالہ علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، بارہہ کے
سید عبدالمطلب خان نے اس کا تعاقب کیا، وہان پھر جلالہ نے فوج جمع کر لی، اور ایک خون ریز
جنگ کی، جلالہ پھر بھاگ گیا، چند روز پہاڑون مین مارا مارا پھرا، پھر بدخشان سے ہوتا ہوا عبداللہ
خان اوزبک کے پاس پہنچا، مگر اس نے جلالہ کی امداد نہ کی، یہ واقعہ سنہ [illegible]ھ کا ہے، پھر واپس آکر
جلالہ ملک کے امن مین، بذریعہ راہ زنی خلل انداز ہوا، کابل ہندوستان کا راستہ مسدود کر دیا، پھر
اکبر نے آصف خان کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا، جلالہ پھر بھاگ گیا، اس کا بھائی واحد علی، اور اہل و
عیال، خویش و اقارب کہ قریب چار سو کے ہونگے گرفتار ہو کر آئے، قریب بیس سال کے اسکا فساد
جاری رہا، لشکر شاہی ان لوگون کو برابر پریشان کرتا رہا، سنہ [illegible] مین جلالہ نے غزنی پر قبضہ کر لیا تھا

اور اس کا آخری جانشین جلال ہی تھا، وہان بھی جنگ ہوئی اور جلال مارا گیا، فرقۂ روشنائی کے لوگ مدت
تک اس کے نام پر چراغ جلاتے رہے اب بھی کوہستان مذکور مین جو وہابی ہین، ان کو سنت وجماعت
مذہب کے مخالف ہو کر فرقۂ روشنائی کا بقیہ کہا کرتے ہین " پھر مولانا آزاد فرماتے ہین کہ " ہم اونکو فرقۂ
تاریکی ہی کہین گے " (سبحان اللہ)

حضرت پیر روشنانؒ کا نام بایزید سکین تھا، ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے، بایزید سکین بن عبداللہ بن محمد
شیخ بن بابا شہباز بن شیخ محمود بن شیخ سراج الدین بن حضرت مولانا ابراہیم انصاری بن خواجہ محمود بن خواجہ حمزہ
بن خواجہ داؤد بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ خلیل بن خواجہ لقمان بن خواجہ صداد بن خواجہ منصور بن خواجہ
محمد بن خواجہ مثّل الانصاری بن حضرت ابو ایوب الانصاری میزبان رسول خدا صلعم، آپ کی جائے پیدائش
قصبۂ جالندھر ہے، آپ کا حجرہ اب تک حضرت شیخ احمد غوث ولی کے مقبرہ کے سامنے موجود ہے، کتاب خیر البیان
آپ کی تصنیف ہے جو نہایت فصیح و بلیغ عربی، فارسی اور ہندی زبان مین لکھی ہوئی ہے، اس تصنیف سے
آپ کا عالی رتبہ ظاہر ہوتا ہے، آپنے ایک اور کتاب مقصود المومنین عربی مین لکھی تھی، اس مین نظم بھی ہے،
یہ کتاب علم سلوک مین ہے، حال نامہ آپ کی ایک اور کتاب ہے، جو پندرہ جزو کی کتاب ہوگی، اس کتاب
مین عجیب و غریب حالات درج ہین، ان کتابون کے مطالعہ سے آپ کی قابلیت اور حسن بیان کا اندازہ ہوسکتا ہے

ایک دفعہ افغانون نے حکیم مرزا سلطان کابل برادر اکبر بادشاہ کے حضور مین درخواست دی کہ
ایک شخص نزول وحی کا مدعی ہے، مرزا سلطان نے آپ کو طلب کیا، آپ حاضر ہوئے، قاضی صاحب قاضی
خان نام نے آپ سے پوچھا تو آپنے فرمایا کہ مین الہام کا مدعی ضرور ہون، قاضی صاحب نے فرمایا الہام
کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے، آپنے جواب دیا کہ مین اپنے الہام کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ پر منطبق کرتا
ہون، ان کے مطابق ہوتا ہے، تو صحیح مان لیتا ہون، ورنہ چھوڑ دیتا ہون، قاضی صاحب نے جواب کی صحت اور

[1] معارف:۔ یہ نام تصحیح کا محتاج ہے

تمھاری شکایت غلط اور بے جا ہے،

آپ کی بہت سی کرامتیں بھی منقول ہیں، نقل ہے کہ ایک دفعہ پھر افغانوں نے کوئی بہتان آپ پر باندھا سلطان نے اس پر بنظر امتحان آپ کو [illegible] بند کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد دیکھا تو آپ زندہ تھے، آپ کو چادر سے نکالا، آپ وہاں سے کچھ اشعار بھی لکھ کر لائے تھے، اس پر سلطان مع [illegible] قاضی القضاۃ قاضی خان اور حکیم خان [illegible] سلطان آپکے معتقد ہو گئے، روایت ہے کہ نواح پشاور میں افغان لوگ بلی کا گوشت پکا کر آپ کے کھانے کو لائے، آپ نے [illegible] کرامت [illegible] معلوم کر لیا، پھر آپنے طشت کی طرف اشارہ کیا بلی زندہ ہو کر بھاگ گئی،

آپ نے اول ارادت اپنے چچا زاد بھائی شیخ اسمٰعیل بن شیخ خداداد سے کی تھی مگر آپکے والد منع کرتے اور کہتے کہ [illegible] قاضی موجود ہیں، آ تم اور وں سے کیوں [illegible] بیعت کرتے ہو، چونکہ آپ کو رشد کی طلب تھی، ایک [illegible] روحانی طور پر حضرت خضر سے ملاقی ہوئے، اسی دن سے باطنی ترقی شروع ہوئی اور پہنچی جہاں پہنچی فرقہ [illegible] کے لوگ حضرت خضر [illegible] ملاقات کے [illegible] عید کہتے ہیں خوشی مناتے اور روزہ رکھتے ہیں،

آپ کی والدہ ماجدہ کا وطن بھی جالندھر ہی ہے، آپ کے والد بزرگوار پہلے حرم کی طرف اس واسطے کم توجہ فرماتے تھے، کہ آپنے شیخ یعقوب کی [illegible] سے نکاح کر لیا تھا، ایک دن آپکے والد ماجد نے [illegible] سے کہا کہ تم منحوس [illegible] ہو، تمھارے پیدا ہونے سے پہلے [illegible] بلند [illegible] تھے، اب کوئی نہیں کرتا، آپ نے عرض کی کہ یہ سب کچھ میری بزرگی کے باعث تھا، آپ ذرا جنگل میں تشریف لے چلیں، جب دونوں صاحب باہر تشریف لے گئے، تو آپ کو درختوں نے سجدہ کیا، اس پر آپ کے والد آپ کے حال پر زیادہ توجہ فرمانے لگ گئے،

آپ کے والد کوہستان میں قاضی تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے شیخ یعقوب اور ان کے بعد ان کے بیٹے میاں محمد علی و میاں شیخ سلطان قاضی مقرر ہوئے، حضرت پیر قضا کے کام کو پسند نہیں کرتے تھے، قاضیوں سے آپ فرمایا کرتے خدا سے ڈرو اور رشوت نہ لو، نیکی اور تقویٰ اپنا پیشہ

بناؤ، اس قسم کی باتون سے آپکے والد اور بھائی وغیرہ رنجیدہ ہوا کرتے۔ آخران سبنے ناراض ہوکر آپکو وطن سے نکال دیا، آپ نواح باجوڑ اور ننگرہار میں آٹھہرے۔ وحشی افغان آپکے حالات اور کرامتین دیکھ کر آپ کے معتقد ہوگئے اور ان مین سے اکثر ہدایت یاب ہوکر آپکے حلقہ بگوش بن گئے،

آپ کا لقب پیر روشان اس واسطے ہوگیا کہ ایک شب چراغ خانہ مین تیل کم ہوا، اور چراغ گل ہونے لگا، تو آپنے فرمایا چراغ مین پانی ڈالدو۔ ایک مرید نے حسب الحکم پانی ڈالدیا، پانی پڑنے سے چراغ کی روشنی زیادہ ہوگئی، اس دن سے آپ کا نام پیر روشان ہوگیا۔ ادھر تو تمام افغان آپ کے معتقد اور مرید بن گئے،

اُدھر اکبر بادشاہ تیموری کے اہلکارون نے رعایا پر دست ستم دراز کیا، اور خوب لوٹ مچائی ظلم وجبر یہانتک بڑھا کہ ایک دن ان لوگون نے ایک افغان عورت کو پکڑ لیا، اور اس کے سر کے بال ایک چکی سے باندھ دیے جون جون چکی پھرتی عورت ساتھ ساتھ پھرنے پر مجبور رہوتی، آپ نے یہ سختی دیکھ کر حضور سرور کائنات کی طرف توجہ کی، اور آپ ... حکم اور اجازت ... جانے پر ان ... کی دست درازی کو روک دیا، اور ملک مین عدالت و انصاف کی رسم از سر نو جاری اور تازہ کردی، ان دنون حضرت شیخ غوث الکرام نے جالندھر مین فرمایا، کہ کوہستان مین آگ جل اٹھی ہے خدا خیر کرے یہ آپکے بزرگون مین ہین جنکا مزار پاک جالندھر مین موجود ہے، انھی دنون مین ایک طالب علم ملا درویزہ نام علما کا عمامہ سر پر رکھکر اسی علاقہ مین طبل بزرگی بجاتا پھرتا تھا، چونکہ آپ کا ایک جہان مرید و معتقد ہوگیا تھا، یہ شخص ازراہ بدنفسی آپکی شان مین ... باتین جو الزام قلم کیا کرتا تھا،

کتاب صراط التوحید مین جو [illegible]ھ مین لکھی گئی تھی، آپ نے تحریر فرمایا ہے، کہ بعد حصول کمال مین تجارت کے لیئے قندھار گیا، اس جگہ ایک ظالم حاکم بیرم خان نام حکومت کرتا تھا، اس کے داروغہ تجار کے مال کے گیارہ حصے کرتے، چھ حصے تو خود لے جاتے اور پانچ مالک کے پاس رہنے دیتے، لوگ مجھکو بیرم خان کے پاس لے گئے، اور مین اس کے روبرو جاکر دوزانو بیٹھ گیا، اسی وقت الہام ہوا کہ دنیا کی خاطر تم اس کے روبرو دوزانو ہو بیٹھے ہو اٹھو اور فوراً گھر چلے جاؤ، اور پانچ سال گھر سے باہر نہ نکلو، ورنہ تم سے یہ تمام مراتب چھین لیے جائینگے

اس مین گئے واپس چلا آیا اور گوشہ مین بیٹھ گیا، یہ اکیسوان سال ہے کہ مین محبت باطن سے یہین بیٹھا ہون نہ کسی کے در پر جاتا ہون اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا ہون، اس پانچ سال کی میعاد گذرنے پر مریدون اور مستفیدون کے ہدایت کا حکم ہوا، پھر الہام ہوا کہ ایک رسالہ لکھکر بادشاہون اور امیرون کو بھیجدو تاکہ وہ بھی ہمارے نیک لوگون کی طرح ہدایت پر آجائین، اس الہام کی بنا پر یہ رسالہ لکھا گیا تھا، ایک جگہ اس رسالہ مین آپ لکھتے ہین کہ ایک طالب کا مراتب حاصل کرنا اسکی اپنی استعداد پر موقوف ہے، جس مین استعداد زیادہ اس کا راستہ نزدیک، طالب کیلیے استعداد سواری کا کام دیتی ہے اور اس استعداد سے مطلب خدا سے ڈرنا ہے اگرچہ صاحب کتاب مقصد اقصیٰ نے ایک با استعداد طالب کے منزل پر پہنچ جانے کے لیے ۳۰-۴۰ بلکہ ۶۰ سال کی میعاد مقرر فرمائی ہے، لیکن ہمارے نزدیک ایک با استعداد طالب ۶ - ۷ یا زیادہ سے زیادہ سات سال مین پہلے خلیفہ کے رتبہ پر پہنچ سکتا ہے، اگر طالب مین استعداد نہ ہو تو وہ مراتب عالی پر نہ سات سال مین نہ نو سال مین نہ بارہ سال مین نہ پندرہ سال مین پہنچتا، اور اپنا مطلب حاصل کرسکتا ہے،

اپنی تصوف کی کتابون مین ان مقامات کا آپ نے اکثر ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہین، کہ اول مقام شریعت ہے، اس مین رسولون کے ارشادات ہین، مثلاً لغو اور فحش سے زبان کو پاک رکھنا، صدق اور راستی سے بات کرنا، دوسرا مقام طریقت ہے اور یہ انبیاء کا عمل ہے اس مین اعضا کو برے کامون سے دور کرنا ہے اور نیک کامون کے لیے ان کو زندہ کرنا ہے، سوئم مقام حقیقت ہے، اور یہ انبیا کا حال ہے، اس مین ذکر خفی اور فکر دائم ہوتا ہے، چہارم مقام معرفت ہے، اور یہ رسولون کے اسرار ہین، یہان ہر حال مین چشم دل سے خدا کو دیکھنا ہے، پنجم مقام قربت ہے، اس مین حق کی آواز سنائی دیتی ہے اور ہر شے کی تسبیح سنی جاتی ہے، ششم مقام وصلت ہے، اس مقام مین اپنی ہستی ذات خدا مین فنا ہوجاتی ہے سننا، دیکھنا، پکڑنا، لینا سب خدا سے ہوتا ہے، ہفتم مقام وحدت ہے جسکی نسبت رسول خدا صلعم کی حدیثین ہین، مثلاً جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا، مین محمد بلا میم ہون، وغیرہ وغیرہ بعض کتابون مین آپنے ہشتم مقام سکونت بھی لکھا ہے، جہان روح کو ہر چیز سے سکونت حاصل ہوجاتی ہے،

(حاشیہ: ناظرین اس عبارت ... شیطان ... کی ... ؟)

سوشیالزم کے مختلف نظریئے

اور

مختلف سوشیالسٹ قومین

(۲)

از

مولانا عبدالسلام ندوی،

سوشیالسٹ گروہ کے مختلف نظریات وخیالات کی تحلیل اگرچند محدود اصول مین کیجائے تو اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ ہم نظام اجتماعی کے اساسی اصول کا سراغ لگائین،

نظام اجتماعی کے دو متناقض اصول نہایت قدیم زمانے سے باہم معرکہ آرا ہین، اور تمدن جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر انکی نزاع زیادہ بڑھتی جاتی ہے، اور آج چونکہ تمدنی ترقیان ذروۂ کمال کو پہنچ گئی ہین، اسلیے ان دونون کی جنگ بھی باہم نہایت سخت ہو گئی ہے،

ان مین پہلے اصول کی تعبیر فردیت سے کیجاتی ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ انسان تمام مہمات امور کا خود ذمہ دار و متکفل ہو، اور حکومت کی اعانت، و مداخلت سے بہت کم فائدہ اٹھائے،

اگرچہ یہ بدیہی ہے کہ تمدن کے تمام اہم عناصر مثلاً علوم وفنون، فلسفہ، مذہب اور اختراعات وایجادات وغیرہ افراد ہی کا کارنامہ ہین، جماعت کو ان سے کوئی تعلق نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون مین فردیت زیادہ ترقی کرجاتی ہے، وہی تمام دنیا کے تمدن کی فرمانروا بنجاتی ہے، لیکن بانیہمہ قدیم زمانے مین چونکہ حکومتون کا اثر و اقتدار نہایت وسیع ہو گیا تھا، اس لیے حکومت سے الگ ہو کر افراد کی کوئی قدر وقیمت باقی نہین رہتی تھی، اسلیے

سب سے پہلے فردیت کی حمایت میں شورش فرانس نے حصہ لیا، اور افراد کو آزاد کر کے حکومت بلکہ خاندان، سوسائٹی اور مذہب سب کے دائرۂ اثر سے الگ کر لیا، لیکن اس کے بعد اس نے افراد کو بالکل خود سر اور مطلق العنان چھوڑ دیا، اسلیے قومیت کی ترقی میں جرائم و فتنے پیدا ہوگئے، کیونکہ یہ قوانین فرد کے تمادی کے وصف سے جو ترقی میں وہ اس قسم کی خود سرانہ فردیت سے کوئی مستقل فائدہ نہیں تھا، تاہم یہ افراد کے مساوات کی تو بڑی خواہش ہوتی ہیں لیکن حریت (آزادی) کی بہت کم پروا کرتی ہیں، کیونکہ حریت ایک دائمی جنگ کا نام ہے جو ترقی کا سنگ بنیاد ہے، اور اس جنگ میں صرف وہی لوگ فتحیاب ہوتے ہیں جو ذاتی قابلیت رکھتے ہیں، باقی کمزور لوگوں کو کشمکش سے [illegible] ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف طاقتور لوگ انفرادی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اور ضعیف لوگ ہمیشہ غلامانہ اور محکومانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن چونکہ ان کو مساویانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں، اسلیے ان کو اس غلامی کا احساس نہیں ہوتا، بہرحال نتیجہ جو کچھ بھی ہو لیکن سوشیلزم اصول فردیت کی علانیہ مخالفت کرتی ہے، اور اسی اصول کی مخالفت کی بنا پر سوشیلسٹوں نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ انفرادی فوائد کو اجتماعی فوائد پر قربان کر دینا چاہیئے، اور قدرت نے جو عدم مساوات پیدا کر دی ہے، اسکی تلافی اس طرح کیجائے کہ تمام قومی دولت کی تقسیم خود قوم کے ہاتھوں سے ہونی چاہیئے،

اسی اصول کا اصطلاحی نام شیوعیت ہے، جو انسان کے استقلال ذاتی کو ایک مرکزی حکومت کے تابع کر دیتا ہے، اس لیے حکومت کی تیار کردہ روش کے سوا وہ کسی راستہ پر قدم ہی نہیں رکھ سکتا، سوشیلسٹ گروہ اگرچہ حکومت کے لفظ کو ناگواری کے ساتھ سنتا ہے، اسلیے اس کے بجائے جمہوریت یا جماعت کا لفظ استعمال کرتا ہے، تاہم نتائج دونوں کے ایک ہی ہیں، یعنی اس اصول کے رو سے دنیا کا اجتماعی نظام یہ قائم ہوگا کہ:-

(۱) حکومت کے اختیارات وسیع اور افراد کے اختیارات محدود ہو جائینگے،

(۲) تمام دنیا کا راس المال، تمام دنیا کی کانیں، اور تمام   کی جائدادیں حکومت یا جماعت کے قبضہ میں آجائینگی، سرکاری ملازموں کے ذریعہ سے وہی تمام دنیا کی روزی تقسیم کرے گی،

(۳) حقوق وراثت کا خاتمہ ہوجائے گا، اور کوئی شخص مال و دولت کے جمع کرنے کا مجاز نہ ہوگا،

(۴) شخصی آزادی، عملی استقلال، اور باہمی کشمکش و رقابت کی بیخ کنی ہوجائے گی، اور تمام دنیا ایک عام خانقاہ یا لنگر خانہ بنجائے گی،

(۵) افراد کی شخصی حیثیتیں فنا ہوجائیں گی اور ان کو صرف کھانا پینا ملا کرے گا،

ان نتائج کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک نہایت طاقتور اور خود مختار مرکزی حکومت قائم ہوجائے گی جو مزدوروں کو اپنا غلام بنائے گی اور وہ سرکاری ملازمین کے دست نگر ہو کر اپنا کام اسی طرح انجام دینگے، جس طرح قیدی جیل کی ماتحتی مین کام کرتے ہین، ان کی تمام ذاتی قابلیتین فنا ہوجائینگی، اور کام کرنے کے بعد ان کا کام صرف مویشیون کی طرح کھانا، پینا اور سونا ہوگا، کیونکہ جب کوئی محرک عمل باقی نہ رہے گا، تو کوئی شخص اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کے بنانے کی فکر کیون کرے گا، اور یہی وہ غلامی ہے جس سے آزاد ہونے کی کوئی توقع باقی نہ رہے گی، ایک مزدور جو سرمایہ دارون کے شکنجے مین جکڑا ہوا ہے، کم از کم یہ تخیل تو قائم کرسکتا ہے کہ وہ جد وجہد کرکے خود ایک سرمایہ دار کی حیثیت حاصل کرسکتا ہے، لیکن جو شخص اس قسم کی مرکزی حکومت کا غلام ہوگا، جو اسکی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے، وہ اس قسم کا تخیل بھی نہین قائم کرسکتا، لیکن باینہمہ ایک سوشیالسٹ مزدور کو ان غلامانہ نتائج کی کوئی پروا نہین ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، جو لوگ خود اعتمادی کے وصف سے معرا ہوتے ہین، وہ مساوات کے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین، آزادی و استقلال کی پروا نہین کرتے، اس حالت مین تمدن کے دوسرے اہم اجزا مثلاً علوم وفنون کا بھی اگرچہ خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ وہ صرف شخصی قابلیتون اور انفرادی کوششون کا نتیجہ ہوتے ہین، اور سوشیالزم حکومت مین شخصیت و انفرادیت کا وجود ہی باقی نہین رہتا، تاہم مزدورون کو انکی بھی کوئی پروا نہین ہے، وہ صرف فرق و امتیاز کو مٹا کر مساوات کو پیدا کرنا چاہتے ہین، اور وہ اس حکومت مین بظاہر پیدا ہوجاتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ جن ممالک مین استبداد و خود مختاری نے رعایا کے استقلال و آزادی کو جس قدر فنا کیا ہے

اوسی قدر وہان سوشیالزم کو زیادہ ترقی ہوئی ہے، مثلاً تمام یورپین ممالک مین جرمنی نے سوشیالزم کو سب سے زیادہ
قبول کیا ہے، جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہان ایک مدت سے عام فوجی نظام قائم ہے، اور دنیا مین صرف یہی ایک
ایسا نظام ہے، جو افراد کی شخصی آزادی کو بالکل فنا کردیتا ہے، ان کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کردیتا ہے
اور ایک ایسا مستبدانہ خود مختار مرکزی اقتدار قائم کردیتا ہے، جو سوشیالزم کے لیے بالکل موزون ہوتا ہے،
اور پروشیا کے زیر اقتدار جو جرمن اتحاد قائم ہوا وہ اسی قسم کا خود مختارانہ اتحاد تھا، کیونکہ جرمنی نے آسٹریا اور فرانس
کو مغلوب کرکے اپنے ساتھ متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا الحاق کرلیا، اس کے بعد محض تلوار کی طاقت سے
ایک عام مرکزی اور فوجی حکومت قائم کرلی، جس نے مقامی اور عقلی زندگی کا خاتمہ کرکے تمام شخصی اعمال و اختیارات
سلب کرلیے، اور چونکہ سوشیالزم بھی اسی قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، اسلیے اس نے قدرتی
طور پر اپنی اشاعت و ترقی کے لیے جرمنی مین ایک وسیع میدان پا لیا، اور ابتدا مین بسمارک نے اوس کی حمایت
بھی کی، لیکن اس کے بعد چونکہ جرمن سوشیالسٹون نے حکومت کیساتھ مخالفانہ آویزشین پیدا کین اس لیے
حکومت نے بہت سے لوگون کو سزائین دین، اس کے بعد سزا کے خوف اور اس غلامانہ روح نے جس کو جرمن
فوجی نظام نے قائم کردیا تھا، وہان کے سوشیالسٹون کے خیالات و نظریات مین بھی بہت کچھ اعتدال پیدا
کردیا اور انھون نے یہ رائے قائم کرلی کہ سرمایہ دارون کا عام استیصال بالکل ایک خیالی چیز ہے، کیونکہ وہ
جس طرح ایک مدت مین پیدا ہوئے ہین، اسی طرح ایک مدت کی تدریجی کوششون کے بعد بھی ان کا خاتمہ ہوسکتا
ہے، اس لیے وہ نہایت آہستہ آہستہ جمہوری طریقون سے مزدورون کی حالت کو بہتر بنارہے ہین، اور اس عملی حیثیت
کے ساتھ وہ عقلی حیثیت سے بھی اپنے خیالات مین تغیر پیدا کررہے ہین، اور اب شیوعیت کا نظریہ اونکی نگاہون
سے گرتا جاتا ہے. حالانکہ فرنچ سوشیالسٹ ایک مقدس مذہبی خیال کی طرح اس کا احترام کرتے ہین،

اس کے بالکل برعکس جن قومون مین آزادی و استقلال، عزم و ارادہ، اور باہمی تکفل و اعانت کے
اوصاف پائے جاتے ہین، وہ اصول شیوعیت کے بالکل مخالف حکومت کے دائرے کو تنگ اور افراد کے اختیارات

کو وسیع کرتی ہین، اور اس مین حکومت کی مختلف شکلون کو کوئی دخل نہین ہوتا، مثلاً انگریزون کے اوصاف انگلستان کی شخصی اور امریکہ کی جمہوری حکومتون مین یکسان طور پر نمایان نظر آتے ہین، اور ان دونون حکومتون مین تمام پبلک چیزین، مثلاً ریلوے، بندرگاہ اور یونیورسٹیان وغیرہ انگریزی قوم کے افراد نے بنائی ہین، حکومت نے ان کو ہاتھ نہین لگایا ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم مین سوشیالزم کو بارآور ہونے کا بہت کم موقع ملا ہے، کیونکہ سوشیالزم حکومت کے اقتدار کو وسیع، اور افراد کے اختیار کو محدود بلکہ مسلوب کردیتی ہے، اور سوشیالزم کا یہ نتیجہ اس قوم کے فطری اخلاق کے بالکل منافی ہے،

انگلستان مین سوشیالزم کا سب سے زیادہ حامی صرف مزدورون کا گروہ ہو سکتا ہے، لیکن عملی طور پر یہ تمام اوصاف اس مین بھی پائے جاتے ہین، اور علمی حیثیت سے اوسکو ایسے مواقع حاصل ہین جہان وہ اقتصادیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرسکتا ہے، مثلاً جن اخبارات مین جدید آلات کی ایجاد و اختراع کا حال شائع ہوتا ہے اُن کو مزدورون ہی کا گروہ پڑھتا ہے، عام مقامی اخبارات بھی نہایت صحیح اقتصادی اور صنعتی خبرین شائع کرتے ہین، اور ان سے یہ گروہ باخبر رہتا ہے، موسیو (دورزیہ) کہتے ہین کہ مین نے ایک کارخانے کے مزدور سے چاندی اور سونے کے نظام و اصول پر گفتگو کی، تو گو وہ واضح اور فصیح الفاظ مین جواب نہ دیسکا لیکن اس کے خیالات عملی اور صحیح تھے؛ اعانت، احسان اور رفاہیت عامہ کی بہت سی کمپنیان خود مزدورون نے قائم کی ہین، اور حکومت اور سرمایہ دارون سے بے نیاز ہوکر وہی ان کو چلاتے ہین، ان کے ذریعہ سے علمی اور عملی دونون حیثیتون سے ان کے ذاتی اوصاف نمایان ہوتے ہین، موسیو (دورزیہ) فرماتے ہین کہ برطانیہ عظمیٰ مین اعانت باہمی کی کمپنیان اور انسداد مسکرات اور صدقات و خیرات کی جو بکثرت انجمنین قائم ہین، وہ ایک ایسی نسل پیدا کررہی ہین، جو عملاً طاقتور ہوگی، اور بغیر شورش و بغاوت کے سیاسی انقلاب پیدا کرسکیگی انھی اقتصادی معلومات کی بنا پر ایک انگریزی مزدور یہ جانتا ہے کہ سرمایہ دارون کے مقابلہ مین وہ اپنے حقوق و مصالح کا تحفظ کیونکر کرسکتا ہے؟ اور اوسکو اسٹرائک کیونکر کرنی چاہیئے؟ اوسکو یہ معلوم رہتا ہے کہ

سرمایہ دار کتنا خود لیتا ہے؟ اور کتنا اس کو دیتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ راس المال کے منافع اور اجرت مین جب
غیر معمولی فرق ہوجاتا ہے تب وہ اسٹرائیک پر آمادہ ہوتا ہے، اور بیکاری کے وظیفہ اور پنشن کو عقل واخلاق
دونون کے مخالف سمجھتا ہے، اسکو اقتصادی مشکلات اگر پیش آتی ہین تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ صرف سرمایہ اور محنت کے
تصادم کا نتیجہ نہین، بلکہ ان دونون کے درمیان خریدارون کی ایک اور مضبوط کڑی حائل ہے، جو سرمایہ اور
محنت دونون پر یکسان اقتدار رکھتی ہے، اسلیے جب کساد بازاری اُسکو بیکاری کی زندگی پر مجبور کردیتی
ہے، تو وہ اسکو بخوشی گوارا کرلیتا ہے، یا اپنی عملی قوت کی بنا پر اپنے پیشے کو بدل کر دوسرا پیشہ اختیار کرلیتا ہے،
یہ سچ ہے کہ انگلستان مین بھی چند سال سے سوشیلسٹ خیالات کی اشاعت ہورہی ہے، لیکن ان خیالات کی حمایت
یا تو وہ مزدور کرتے ہین جنکو نہایت کم اجرت ملتی ہے یا وہ نالائق لوگ ان کے حامی ہوجاتے ہین جنکو کوئی معین
مشغلہ نہین ملتا، امریکہ مین بھی حامیان سوشیالزم کی ایک فوج گران تیار ہورہی ہے، لیکن وہ ان اجنبی لوگون
سے مرکب ہے جو باہر سے آکر یہان آباد ہوگئے ہین، اور ان مین وہ استعداد اور قابلیت موجود نہین ہے، جو اس جدید
وطن کی قومی اور تمدنی زندگی مین ان کو کامیاب کرسکے، خود ولایات متحدہ بھی اس تمدنی نقصان کو محسوس
کر رہے ہین، اور عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے، جس مین ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، کیونکہ افراد
کی مقدس آزادی اور تمدن کا تحفظ، صرف اسی قسم کی قربان گاہون کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے۔

تلخیص و تبصرہ

عربون کے جنگی بیڑے

جریدۂ "الفیحاء" دمشق جلد ۴ نمبر ۱، مین "الاساطیل العربیۃ" یعنی "عربون کے جنگی بیڑے" کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ آیا ہے، جسمین وہ لکھتے ہین:-

"امیر معاویہ کے زمانہ سے اسلامی مملکت مین جنگی بیڑے داخل ہوئے، اور سب سے پہلے عبداللہ بن قیس کو امیر البحر بنا کر بحر روم مین رومی جزائر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا، جنھون نے کم و بیش پچاس حملے کئے اور ان بحری حملون مین ایک مسلمان سپاہی بھی غرقاب نہین ہوا، اور انھین کے حملون کے سلسلہ مین جزیرۂ قبرس (سائپرس) ۲۸ھ مین اسلامی اقتدار مین داخل ہوا،

ان کی شہادت کے بعد جو انھی بحری جنگون کے سلسلہ مین نصیب ہوئی، سفیان بن عوف ازدی امیر البحر مقرر کئے گئے، جنھون نے عبداللہ بن قیس کے خون کا پورا انتقام لیا،

اسلامی اور بیزنطی رومی حکومت مین سب سے پہلے اہم باقاعدہ بحری جنگ ۳۱ھ مین ہوئی ہے جسمین قسطنطین بن ہرقل چھ سو جنگی جہازون کے ساتھ شام پر حملہ آور ہوا اور اسکے مقابلہ کے لیے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور شام سے معاویہ بن ابی سفیان روانہ ہوئے، سمندر مین اسلامی اور بیزنطی رومی بیڑے معرکہ آرا ہوئے اور نہایت خونریز جنگ کے بعد عربی بیڑے رومی بیڑون پر فتحیاب ہوئے، دونون طرف سے اس قدر کثرت سے جہاز تھے کہ سمندر مین جھنڈیان ہی جھنڈیان نظر آتی تھین اور اسی مناسبت سے عرب مورخین نے اس جنگ کا نام "غزوۃ الصواری" رکھا ہے

امیر معاویہ کے عہد حکومت مین جنگی جہازون کی تعداد ایک ہزار سات سو تک تھی، جو زیادہ تر لبنان کی لکڑی سے خاص عربون کی نگرانی مین بنائے گئے تھے، امیر معاویہ کو انھی جہازون کے ذریعہ سے بحرِ روم کے اکثر جزائر پر غلبہ حاصل ہوا، اور پھر ۵۲ھ مین بحیرۂ مارمورا مین پہنچکر قسطنطنیہ کا بھی محاصرہ کیا گیا، لیکن چھ سال کے محاصرہ کے بعد رومیون نے ایک خاص قسم کی سیالی آگ سے جسکو عام طور سے "یونانی آگ" کہا جاتا ہے، ان عربی بیڑون کو تباہ و برباد کر ڈالا، اور پھر اسلامی فوج کو اپنے باقی ماندہ بیڑے واپس لانا پڑے،

اگرچہ قسطنطنیہ کے محاصرہ مین اکثر جہاز خاکستر ہو کر غرقاب ہوگئے، لیکن عربون نے بہت جلد اپنی بحری قوت کی طرف نئے سرے سے توجہ کی، چنانچہ رفتہ رفتہ بہت جلد نہایت کثرت سے عربون کے جنگی بیڑے بحرِ روم پر منڈلانے لگے، یہانتک کہ ولید بن عبد الملک اموی چھٹے خلیفہ کے عہد حکومت مین انھی بیڑون کی مدد سے جزیرہ نمائے اندلس پر اسلامی پرچم لہرانے لگا،"

اس کے بعد فاضل مضمون نگار موسیو سیدیو کے الفاظ مین ہندوستان پر حملہ آور اسلامی بیڑون کا تذکرہ کرتے ہین:-

"۱۶ھ مین عمان سے کچھ اسلامی جہاز ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجے گئے جنھون نے جزیرۂ تھانہ پر جو بمبئی کے قریب تھا اقتدار حاصل کر لیا، اور جزیرۂ بحرین سے بھی کچھ اور جہاز آئے، جنھون نے خلیج کھمبائت مین اکثر شہر بڑودہ کو روند ڈالا، ان کے علاوہ ایک تیسرا بیڑا اور آیا جو دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچا تھا، پھر عبد اللہ بن عامر نے ۳۲ھ مین بلادِ کرمان اور سیستان پر قبضہ کر لیا"

پھر قتیبہ بن مسلم کی آمد کا تذکرہ کر کے موسیو سیدیو اپنی "تاریخ عرب" مین لکھتے ہین:-

"پھر وہ اپنے جہازون پر دریائے سندھ ہو کر ملک کے اندرونی حصہ مین داخل ہوا، اور ایک لشکر جو کران مین تھا وہ بھی مدد کو آپہنچا، پھر اس نے اپنے لشکر کو کشمیر کی ہموار زمین (پنجاب)

میں پھیلاو یا، دریائے سندھ کے ساحلی شہروں نے مقابلہ کی جرأت کی لیکن لشکر نے ان سب کو فاش ہزیمت دی"

اس کے بعد عباسیوں کا عہدِ حکومت آیا جس میں عربوں کے جنگی بیڑے اپنے منتہائے کمال پر پہنچ گئے، چنانچہ اسی دور میں ایک طرف عباسیوں کے بیڑے بحرِ روم میں، دوسری طرف امویوں کے بیڑے اندلس میں اور فاطمیوں کے جنگی بیڑے مصر میں عربوں کی بحری عظمت و شوکت کا سکہ بٹھائے ہوئے تھے،

فاضل مضمون نگار نے اس مقالہ میں اس درجہ اختصار سے کام لیا ہے کہ اجمالی حیثیت سے بھی جو امور ناگزیر تھے ان کا تذکرہ نظرانداز ہوگیا،

اصل یہ ہے کہ اولوالعزم عربوں نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اسلامی بیڑے کی ضرورت محسوس کی، اور دربارِ خلافت سے اسکی استدعا بھی کیگئی، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ عرب اور روم و عجم کے درمیان سدِ سکندری کے حائل ہو جانے کے خواہاں تھے کہ وہ محض عالمگیر مملکتِ اسلامی کے خواہاں نہ تھے، اسی لیے عہدِ عثمانی سے پہلے کی اسلامی تاریخ میں عربوں کی کوئی منظم بحری قوت عالمِ وجود میں نہیں آئی، پھر جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو تمنّد عربوں نے بحری حملہ کی اجازت کے لیے نئے سرے سے سلسلہ جنبانی شروع کی، جس میں ان کو بڑی قیل و قال کے بعد مخصوص شرائط کے ماتحت کامیابی نصیب ہوئی، چنانچہ جیسا کہ مقالہ نگار نے بیان کیا امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن قیس الجاسی امیرالبحر کو جزائر بحرِ روم پر حملہ آوری کے لیے روانہ کیا، اور ان کے بعد سفیان بن عوف ازدی بھیجے گئے،

اس دور کے صرف دو چار سال میں جزیرۂ قبرس کے علاوہ بعض دیگر اہم جزائر کریٹ، کوس اور روڈس وغیرہ حکومتِ اسلامی کے زیرِ علم آ گئے، اور سب سے پہلے اسلامی بیڑے کی طاقت کا صرف اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بحرِ روم کے سب سے اہم ترین جزیرہ صقلیہ (سسلی) کے ساحل پر لنگرانداز ہو کر معرکہ آرا ہوئے اس کے بعد اگرچہ بحرِ روم پر ایک آدھ حملہ ہوا لیکن درحقیقت بحرِ روم میں اسلامی بیڑوں کا

حقیقی مظاہر، حضرت معاویہ بن خدیج کندی کی ولایت افریقیہ سے شروع ہوتا ہے، یہ ۵۰ھ (۶۷۰ء) سے ۵۵ھ (۶۷۵ء) تک والی رہے، اور اس اثنا مین بحر روم کے ایسے متعدد جزائر پر جنگی بیڑون کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا جو افریقیہ کے غرب وجوار مین واقع تھے،

اس کے بعد بھی ۶۰ھ (۶۸۰ء) سے ۸۶ھ (۷۰۵ء) تک بحری حملون کا سلسلہ جاری رہا اور اسی اثنا مین بحری اقتدار حاصل کرنے کے لیے عربون کا سب سے پہلا دارالصناعہ یعنی جہاز سازی کا کارخانہ قسطاط کے سامنے جزیرۂ روضہ مین قائم ہوا، اس کے بعد خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے حسان بن نعمان والی افریقیہ (۷۶ھ-۸۵ھ / ۶۹۵ء-۷۰۴ء) نے جنگی جہاز اور بحری آلات حرب تیار کرنے کے لیے ٹیونس مین ایک دارالصناعہ قائم کیا لیکن اس سے پہلے اس وقت ٹیونس سمندر سے بارہ میل دور تھا، اسلیے یہ دارالصناعہ بحری قوت کے استحکام مین کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہوسکا، مگر جب موسیٰ بن نصیر والی افریقیہ ہوا تو اس نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ کی اور بارہ میل کی ایک نہر کھود کر بحر روم کی موجون کو ٹیونس کی دیوارون سے ٹکرا دیا، اور پھر ۸۵ھ (۷۰۴ء) سے ایک منظم صورت مین جہاز سازی کا کام شروع ہو گیا، اور بہت جلد اس کارخانہ کے بنے ہوئے سو جہازون کا ایک نہایت زبردست مستحکم بیڑا تیار ہوا، اور اسی کے بعد عربون کی بحری قوت دنیا کی لاثانی قوت ہوگئی، اور اندلس، شام اور مصر وغیرہ مین جہاز سازی کیلئے کثیر تعداد مین دارالصناعہ قائم ہوگئے، چنانچہ اغالبہ کے ستارۂ اقبال غروب ہونے سے پہلے تجاجان عرب بحر روم کی تلاطم خیز موجون پر تنہا حکومت کرتے تھے اور اس کے تمام جزائر سرڈانیہ (SARDINIA) صقلیہ (SICILY) قیسطرہ (C. SPARTIVENTO) مالطہ (MALTE) کریٹ اور قبرس وغیرہ مین جنکے ساتھ نہایت اہم تاریخی عظمتین وابستہ ہین، اسلامی تہذیب وتمدن جلوہ ریز تھی، اور اس کے علاوہ بحر شامی (COROSTOLS) کو عبور کرکے اٹلی کے شمالی حصص صوبہ موڈنیہ (MODENA) مین سے ریو (REGGIO) وغیرہ اور یہان تک کہ جینوا () تک پہنچے اور پھر ادھر اندلس جیسے

عظیم الشان جزیرہ پر صرف عربون کے جنگی بیڑون کی شوکت و قوت کے باعث اسلامی پرچم لہرانے لگے،

"ر"

حال قال والے مسیحی صوفی

مسیحی دنیا مدت سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو عظیم الشان فرقون مین منقسم ہے، لیکن عیسائیون کے ذیل کے دو جدید فرقون کے حالات خاص طور پر جاذب توجہ ہین جنکو الہلال مصر نے اپنے مارچ کے رسالہ مین نمایان کیا ہے، یہ دونون فرقے موسیقی و ترنم اور رقص و سرود (یا سماع و وجد و حال و قال) کے سلسلہ مین عالم وجود مین آئے ہین اثر ترنم و موسیقیت یون تو اسلام کے سوا باقی اکثر مذہبون مین کم و بیش پائی جاتی ہے لیکن مسیحیون نے اسکو اپنی عبادتون اور دعاؤن مین کشش اور دلفریبی پیدا کرنے کے لیے اس افراط سے داخل کردیا کہ صرف اسی کی بنا پر ان مین دو اہم فرقے پیدا ہوگئے،

چنانچہ اسی مناسبت سے ان مین سے پہلا فرقہ جھومنے والون (QUAKERS) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اسکی عبادت مین اگرچہ صریحی رقص و سرود داخل نہین ہے، لیکن طریقۂ عبادت رقص سے اس درجہ مشابہ ہے کہ قریب قریب اسکو رقص ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یہ فرقہ انگلستان مین اس وقت بھی موجود ہے، اور دوسرا فرقہ جو اسی پہلے فرقہ سے پیدا ہوا، اسکو ارباب وجد (SHAKERS) کہہ سکتے ہین، یہ سنہ۱۷۷ء مین انگلستان مین پیدا ہوا، اور امریکہ مین نشو و نما پایا، انکی عبادت کا خاص طریقہ یہ ہے کہ سب کے سب یکشنبہ کو ساڑھے دس بجے گرجا مین جمع ہوتے ہین، اور پہلے ان کے مذہبی پیشوا یکے بعد دیگرے پند و نصیحت کرتے ہین، اس کے بعد تمام کرسیان دیوار سے لگا کر ایک خاص انداز سے رقص و وجد مین مصروف ہوجاتے ہین، اور اس کے ساتھ ساتھ ترنم و موسیقی کی سامعہ نواز آواز آتی رہتی ہے،

اس فرقہ کی بانی ایک مسیحی خاتون "ہان لی" نامی ہے جو پہلے جماعت "مہتزین" مین داخل تھی،

اس نے اپنے جدید مذہب کو ایک خواب کی بنیاد پر قائم کیا، اس کا بیان ہی کہ حضرت مسیح نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر فرض ہے کہ اپنی تمام مملوکہ اشیاء کو فروخت کرکے اشتراکی زندگی بسر کرے، اور انھون نے سلسلۂ ازدواج کی سختی سے مذمت فرمائی، کیونکہ وہ عورت و مرد کو دو قسمون مین منقسم کرنا پسند نہین فرماتے؛

اس نے اپنا خواب اپنے گروہ کے سامنے پیش کیا لیکن اسکو انگلستان مین کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، اسلیے وہان سے اسی سال ۱۷۷۴ء مین امریکہ چلی گئی، اور وہان اپنے دعوت کی نشرو اشاعت مین مصروف ہوگئی جسمین اسکو نمایان کامیابی حاصل ہوئی،

اس جماعت سے ایک مرتبہ اس کے عقائد دریافت کئے گئے تو اس کے جواب مین اس نے کہا،

۱۔ "ہمارا ایمان علم سینہ ہے، علم سفینہ نہین، اسلیے اوراقِ کتاب اس کے متحمل نہین ہوسکتے

۲۔ قتل، خونریزی اور جنگ سے اجتناب کرنا،

۳۔ ملکی مناصب سے ہمارا کوئی علاقہ نہ ہوگا،

۴۔ ہماری جماعت مین کوئی شخص پر شان و شوکت الفاظ سے مخاطب نہین کیا جاسکتا،

۵۔ ہم اپنی گفتگو کو کبھی حلف اور قسم سے موکد نہین کرتے، کہ ہماری زبان سے سوائے سچ کے جھوٹ نہین نکلتا"

انکے ان مجموعی عقائد کے بارے مین تو کوئی فیصلہ نہین کیا جاسکتا کہ ان اصولون کی کہانتک پابندی کیگئی، لیکن ان کی مختصر تاریخ شاہد ہے کہ یہ اپنے عدم تشدد کے عقیدہ پر نہایت مضبوطی سے قائم رہے، چنانچہ اسی اثنار مین امریکہ اور انگلستان کی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی جسمین لازمی طور پر ہر باشندہ امریکہ نے شرکت کی، اسی سلسلہ مین اس جماعت کو بھی شرکت کی دعوت دیگئی، لیکن اس نے اپنے اسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر اسکی شرکت سے قطعی انکار کردیا،

چونکہ اس وقت تک ان کی جماعت نہایت قلیل تھی اسلیے اس واقعہ کا حکومت پر کوئی خاص

اثر مترتب نہیں ہوا، وہ جنگ اپنے مفید نتیجہ یعنی آزادیِ امریکہ کے ساتھ ختم ہو گئی،

لیکن اس واقعہ سے اس جماعت کی اخلاقی بلندی کا ملک کے ایک خاص طبقہ پر کافی اثر پڑا، اسلئے کثیر تعداد میں لوگ اس مذہب میں داخل ہونے لگے، اور یہی سلسلہ ۱۸۵۰ء تک جاری رہا،

مگر بالآخر اسکی اس روزافزون ترقی نے حکومتِ امریکہ کو اپنی جانب پھر متوجہ کر لیا، اور اس نے اس کے قطعی استیصال کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ ۱۸۵۰ء کے بعد حکومت نے خاص اس کے استیصال کے لیے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا، تاکہ جبری طور پر اس جماعت کو منتشر کر دیا جائے،

جب فوج روانہ ہوئی تو اس کے پیچھے پیچھے عوام کا ایک انبوہ بھی غیظ و غضب سے بھرا ہوا ساتھ ہو لیا تاکہ ان کے انتشار و پراگندگی میں ان کے سیم وزر اور مال و دولت پر چھاپہ ماریں، لیکن اس فوجی دستہ کے سپہ سالار نے موقع شناسی سے کام لیا، اور ان کو فوری طور پر منتشر ہونے کا حکم دینے کے بجائے، ایک ماہ کی مہلت دی کہ وہ اس کے اندر اندر اپنی جماعت کو منتشر کر دیں، اس طرح عوام کے ساتھ ہو جانے کی وجہ سے ظلم و تعدی اور غارت گری کا جو خطرہ پیش آگیا تھا اس کا انسداد کر دیا،

لیکن یہی مہلت اس جماعت کے لیے نہایت مغتنم ثابت ہوئی، کیونکہ کچھ ایسے اتفاقات پیش آگئے کہ اہل حکومت پھر انکی طرف سے غافل ہو گئے، اور ان کی جماعت بدستور روز بروز ترقی کرتی گئی،

اور یہی سلسلہ یونہی جاری رہا، یہانتک کہ ۱۸۶۱ء میں امریکہ میں اندرونی جنگ چھڑ گئی، اور جنوبی و شمالی امریکہ میں غلاموں کے آزاد کرنے کے بارے میں ہولناک معرکہ آرائی شروع ہو گئی، یہ موقع پھر اس جماعت کی آزمائش کا آیا، اور بالآخر حکومت کے مجبور کرنے پر ان کو تلوار ہات میں لینی پڑی، مگر عین موقع جنگ پر ایسی حرکتیں کین کہ ان کو سپہ سالار نے میدانِ جنگ چھوڑ دینے کا حکم دیا، اور یہ خوش خوش وہان سے واپس آگئے،

باوجودیکہ یہ لوگ ایسی یکجائی اور یکسان زندگی بسر کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اس مین بھی دو جماعتین پیدا ہو گئین، ایک اہل لبنان اور دوسرے اہل دایتون اور ان کے اختلافات

بھی بڑی حد تک ترقی کر گئے آجکل بھی یہ جماعت امریکہ کے دو شہر لبنان ( ) اور دائیون ( ) مین موجود ہے، مگر روز بروز تعداد مین کمی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ اوقت صرف ۵۰۰ انتخاص اس جماعت سے تعلق رکھتے ہین جنکو امریکہ مین مسیحی فقرا یا مسیحی صوفیون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ز

افغانستان مین علمی اور تعلیمی جدّ و جہد

شاہ امان اللہ خان کے دور حکومت نے افغانستان کے سیاسی، تمدنی، تجارتی، زرعی، تعلیمی اور علمی فضا مین ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے، خصوصاً ان چند سالون مین علمی و تعلیمی حیثیت سے جو کارنامے انھون نے انجام دیئے ہین، وہ افغانستان کی پوری تاریخ مین زرین حروف سے لکھے جانے کے قابل ہین،

اس بیدار مغز نوجوان فرمانروا نے سیاسی مطلع صاف ہونے کے بعد خاص اپنی نگرانی مین وزارت معارف ترتیب دیکر نظام تعلیم کا ایک مکمل خاکہ تیار کیا، اور وزارت معارف کے زیر اہتمام نہایت قلیل مدت مین ملک مین جابجا سیکڑون، ابتدائی، ثانوی اور رشدیہ مدارس قائم کر دیئے، اور خاص دار السلطنت مین ایک عظیم الشان مدرسہ دار العلوم کابل کے نام سے قائم کیا، جس کے نصاب مین دار العلوم ندوۃ العلماء کے طرز پر ہر فن کی قدیم و جدید کتابین نظر آتی ہین، اس کے علاوہ افغانی طلبہ کی ایک کثیر تعداد یورپ کی مختلف درسگاہون مین اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے روانہ کیگئی،

اس وقت وزارت معارف کے سامنے اس تعلیمی سلسلہ کے علاوہ ایک علمی نظام عمل بھی ہے، مدت گذری کہ ۱۳۲۵ھ مین امیر حبیب اللہ خان کے عہد حکومت مین وہان دار التالیف کے نام سے ایک علمی بزم کی بنا پڑی تھی، لیکن سوء اتفاق سے اس مجلس نے اپنے اس بست سالہ دور مین کوئی نمایان خدمت انجام نہ دی، چنانچہ اس بست سالہ جد و جہد کا تمام تر خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی چھ سالون مین کل ۱۰ رسالے تالیف ہوئے، پھر بعد کے چھ سالون مین ۲۰ سے ۲۵ تک رسائل شایع ہوئے، یہانتک کہ اوسط

کے لحاظ سے گویا ہر سال پچاس پچاس صفحون کی تین کتابین، اور ایک کتاب کا کچھ حصہ تالیف ہوا، اس طرح ۲۰ سال کے اندر تقریباً ل ..۲ کتابین تالیف و ترجمہ ہوئین جنمین سے اکثر ابتدائی مکاتب کے لیے چھوٹے چھوٹے رسائل ہین،

اب وزارتِ معارف نے موجودہ فرمانروائے افغانستان کی سرپرستی مین اس دار التالیف کی طرف بھی خاص توجہ کی ہے، اور اس وقت اس مجلس کے ماتحت ابتدائی مکاتب اور ثانوی و رشدیہ مدرسون کے لیے مکمل نصاب تعلیم تیار کیا جا رہا ہے، اور اسکے علاوہ مختلف علوم وفنون کی اعلیٰ اور بلند پایہ کتابین تالیف و ترجمہ ہو رہی ہین،

اگرچہ موجودہ فرمانروائے افغانستان کے ابتدائی دو تین سال ملک کے سیاسی مطلع کے غبار آلود ہونے کے باعث ایسے پُر آشوب گذرے کہ وہ اس اثنار مین اس مجلس کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود ان سالون مین اس مجلس کی شائع شدہ کتابون کی تعداد ۲۰، ۴۰ سے متجاوز ہے،

پھر جب حکومت دوسرے ملکی میغون کی ترقی و ترتیب اور اندرونی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ مجلس بھی سامنے آئی، اور اس کا دائرہ وسیع کرکے اعلیٰ پیمانہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، اور اسکے علاوہ دیگر زبانون کی اعلیٰ و بلند پایہ کتابون کے ترجمہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا، اور افغانستان کے ممتاز اہلِ قلم کی ایک بڑی جماعت نے اس علمی مجلس مین حصہ لیا، اور اپنی کوششون سے ایک قلیل مدت مین بیش قیمت علمی و ادبی سرمایہ فراہم کر لیا،

چنانچہ اس وقت تک اس مختصر مدت مین اس مجلس کے زیرِ اہتمام مختلف علوم وفنون مثلاً تاریخ، سوانح، سیر، جغرافیہ طبعی و ملکی، جدید و قدیم علم ہیئت، حساب، مساحت، کیمیا، قدیم و جدید فلسفہ، علم کلام، سیاست، علم الاقتصاد، علم طب، تشریح، علم التعلیم اور علم تدبیر منزل کی تقریباً ..۲ کتابین تالیف و ترجمہ ہو چکی ہین، جنکا اوسط ایک سال مین سو سو صفحون کی تقریباً ۵۰ کتابین نکلتا ہے،

مسرت کی بات یہ ہے کہ غیر زبانون کی کتابون کے ترجمہ کے سلسلہ مین ہماری زبانِ اردو کا بھی انتخاب ہوا، اور اس وقت تک اس کی متعدد بلند پایہ کتابین فارسی مین منتقل کیجا چکی ہین، جنمین سے

علامہ شبلی مرحوم کی المامون کے دونوں حصے شعر العجم کی کمل جلدین، مولانا حالی کی حیات سعدی ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی بنات النعش، مولانا عبد الماجد کی فلسفہ جذبات، اور موسیو لیبان کی کتاب کے اردو ترجمہ تمدن عرب کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہین،

مجلس دار التالیف کی نگرانی مین دار الحکومت کابل سے ایک ماہوار رسالہ بھی "آئینۂ عرفان" کے نام سے جناب ہاشم شائق ناظم دار التالیف کی ادارت مین نکلتا ہے، جس کے تین پرچے اب تک ہمین موصول ہو چکے ہین، رسالہ کتابت وطباعت کے معائب کو نظر انداز کر کے، تاریخ، ادب، اخلاق اور فسانہ کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے، ہم نے اسی آئینۂ عرفان مین کابل کے علم وعرفان کا عکس دیکھا جسکی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کر دیگئی،

"ر"

الفاروق

مولانا شبلی مرحوم کی اس مشہور آفاق تصنیف کے بیسون اڈیشن مسخ شدہ صورت مین اور معمولی کاغذ پر بکثرت فروخت ہو رہے ہین، اگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل ضخامت ۲ ۱ ۳ صفحے، قیمت للعہ/

"منیجر"

اخبار علمیہ

چین کے دو قدیم نقشے، پروفیسر سوئل نے انگلستان کی جمعیت جغرافیہ مین خطبہ دیتے ہوئے چین کے دو قدیم نقشون کا تذکرہ کیا، جو صوبہ شنسی کے پایہ تخت ہیسانگو مین دستیاب ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ ان دونون مین سے جو بڑا نقشہ ہے وہ دراصل اُس نقشہ کا ایک حصہ ہے جو ۱۱۳۷ء مین بنایا گیا تھا، اور آٹھوین صدی والا نقشہ تیسری صدی کے ایک نقشہ مین تغیر و تبدل کر کے تیار کیا گیا تھا اس لیے اس نقشہ سے آٹھوین صدی عیسوی کے چینی شہر واضح ہوتے ہین، اور دوسرا نقشہ اس کے بعد کا ہے، جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ آٹھوین سے گیارہوین صدی کے اثنا مین بنایا گیا ہوگا، اگر پروفیسر موصوف کا یہ بیان صحیح ہے تو ان نقشون سے بلاد چین کے قدیم جغرافی و تاریخی حالات مین عظیم الشان انقلاب کی امید کیجاتی ہے، اسلیے کہ اب تک علمی دنیا مین چین کے قدیم نقشون مین صرف دو نقشے مشہور تھے، ان مین سے ایک بطلیموس کا شہرہ آفاق نقشہ ہے، اور دوسرا شریف ادریسی کا جو بارہوین صدی کا ایک عرب جغرافیہ دان گذرا ہے،

جزیرہ عرب مین بعض حجری تحقیقات، پروفیسر لنگڈن مدت سے حجری تحقیق کے سلسلہ مین عراق اور جزیرہ عرب کے شمالی حصہ کی صحرا نوردی مین مصروف ہین، لیکن انھین سرزمین عراق مین کسی قسم کی کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، عراق کے بعد انھون نے جزیرہ عرب کے شمالی حصہ کا دورہ شروع کیا، اور انھین فلسطین و عراق کے درمیان نصر نامی ایک گاؤن مین اور عمان کے مشرقی جانب ایک مقام حرہ مین پتھر کے چند ہتھیار دستیاب ہوئے، جنکے متعلق ان کا بیان ہے، کہ ان کی تاریخ بیس ہزار سال پیشتر کی طرف لوٹتی ہے، اور اسی سلسلہ مین پروفیسر موصوف کا یہ بیان بھی ہے کہ قدیم زمانہ مین جزیرہ عرب کے یہ صحرا بارش اور چراگاہون کی کثرت کی

وغیرہ تراکی بنے رہتے تھے، اور ان مین بکثرت جانور پائے جاتے تھے، جس کا شکار ہی ہتھیاروں سے کیاجاتا تھا

ایک مشرقی طبیب کی بیش بہا ایجاد، طبیہ کالج بیروت کے ایک تعلیم یافتہ نے جو موصل کے رہنے والے ہین، ایک طبی آلہ ایجاد کر کے علم طب مین ایک خاص اضافہ کیا ہے، اس آلہ کے ذریعہ سے بانجھ عورتون کے اسباب مرض دریافت کیے جا سکتے ہین کہ یہ بانجھ پن رحم اور بیضہ کی جوملانے والی نالی ہوتی ہے اس کے بند ہوجانے کی وجہ سے ہے یا اسکے کچھ دوسرے اسباب ہین، اگر یہی صورت ہوگی تو اس کا کوئی علاج ممکن نہین ہے، کیونکہ یہ اس عورت کی خلقی وفطری بیماری ہے، اور اگر دوسرے اسباب ہون گے تو ان کا ازالہ اس آلہ کی ایجاد کے بعد بآسانی ہوجائے گا، کیونکہ یہ آلہ مرض کے اصلی سبب کی تعیین کردے گا، ڈاکٹر موصوف نے اپنی اس ایجاد کو پیرس کی "انجمن ولادت و امراض نسوانی" کے سامنے پیش کیا ہے، چنانچہ اس انجمن کے نگران کار ڈاکٹر ڈوبے نے اس آلہ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا، اور اعلان کیا کہ اس سلسلہ مین یہ ایجاد سب سے بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے۔

لینن انسٹی ٹیوشن، لینن روسی انقلاب کے بعد وہان کا زندہ جاوید ہستی بنگیا، جسکا یہ ادنی ترین مظہر ہے کہ وہان اس کے نام پر شہر، کالج، اور اسپتال وغیرہ قائم ہونے کے علاوہ ابھی حال مین "لینن انسٹی ٹیوشن" کے نام سے ایک "لینن میوزیم" قائم ہوا ہے جس مین اس کے قلم کا ایک ایک حرف جہان تک دستیاب ہوسکا جمع کیا گیا ہے، چنانچہ اس انسٹی ٹیوشن مین اسکی تالیفات، خطوط، اور مختلف کتابون پر اس کے جو حواشی ہین وہ تمام کتابین، اور ان کے علاوہ تمام قلمی مسودات یکجا کیے گئے ہین، اور ایک دوسرے کمرے مین اسکی مختلف مواقع کی تقریرین، ان کے اقتباسات، اس کے سوانح اور روسی انقلاب کی تاریخ کا وہ حصہ جسکا تعلق لینن سے ہے، جمع کیا گیا ہے، اور ایک شیشہ کے برج مین اس کے تمام متروکات جن کو

"آثار یعنی" کہا جاتا ہے موجود ہیں، اور ایک دوسرے کمرے میں دارالمطالعہ قائم کیا گیا ہے جسمیں ایسی تمام کتابیں جمع کیگئی ہیں، جو یا تو بیبن پر لکھی گئیں، یا اس کا ان میں تذکرہ موجود ہے،

یونان کا قدیم پایہ تخت، ایک زمانہ تھا کہ ہومر کی الیڈ میں لڑائیون کے جو واقعات منظوم ہین وہ فسانہ سمجھے جاتے تھے، یہانتک کہ آثری تحقیقات سے وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے، اب اسی سلسلہ میں اثری تحقیق کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے، چنانچہ گذشتہ سال کے آثار قدیمہ کے اکتشاف سے ثابت ہوا ہے کہ ہومر سے پانچ سو برس پیشتر بلقان، یونان کی مرکزی حکومت کا پایہ تخت تھا،

دنیا کی زندہ زبانین، دنیا کی تمام زبانون کے آخری اعداد وشمار سے واضح ہوا ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں ۲۷۹۶ زبانین زندہ ہین جسمین سے ۷۰۸ زبانین ذیل کی ترتیب سے خاص طور پر قابل ذکر ہین

یورپ	۴۸۹	ایشیا	۱۵۳
افریقہ	۱۱۸	جنوبی وشمالی امریکہ	۴۲۴
اوشینیا	۱۱۷		

انسان کی عمر مین اضافہ، عام خیال تو یہ ہے کہ بہ نسبت پہلے کے اب انسان کی متوسط عمر میں روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے لیکن پروفیسر فشی نے اعداد وشمار سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آئندہ پچاس سالون مین انسان کی متوسط عمر میں زیادتی ہوتی جائے گی، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آجکل متوسط عمر ۵۸ سال کی ہوتی ہے، سنہ ۱۹۳۰ء مین ۶۱ ہوگی سنہ ۱۹۴۰ء مین ۶۵، سنہ ۱۹۶۰ء مین ۶۹، سنہ ۱۹۷۰ء مین ۷۵، سنہ ۱۹۹۰ء مین ۸۰، اور سنہ ۲۰۰۰ء مین ۸۲ سال کی ہوگی۔

عرب اکاڈیمی کا ایک ہندوستانی ممبر، دمشق مین عرب ایکاڈیمی (المجمع العلمی العربی) کے نام سے

جو علمی مجلس قائم ہے، اور جو عربی زبان کی ترقی واصلاح اور وضعِ اصطلاحات کے کام نہایت خوبی سے انجام دے رہی ہے، اسمین تقریباً تمام عربی ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، اور عرب کے دوسرے حصون کے ممتاز اہل علم اعزازی ارکان ہین، یورپ کے مشاہیر مستشرقین بھی اس کے رفیق ہین، لیکن افسوس کی بات تھی کہ اب تک ہندوستان کے، کروڑ مسلمان جنمین عربی جاننے والے اور عربی علوم کے ماہرین کی کمی نہین قطعاً اس شرف سے محروم تھے، اور شام کا کوئی علمی تعلق ہندوستان سے نہ تھا، اب اہل شام نے اس کمی کو خود محسوس کیا، اور ہندوستان مین سے جناب مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کو دو تین مہینے ہوئے کہ مجمع عرب اکاڈیمی نے اپنا اعزازی رکن منتخب کیا ہے،

شیخ خضری کی وفات، شیخ خضری کا جو مصر کے مشہور علماء مین تھے، پچھلے مہینہ مین انتقال ہوگیا، یہ مفتی عبدہ کے صحبت یافتہ تھے، اور وہان کی جامعہ مصریہ مین اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہ چکے تھے، اور کئی مفید کتابون کے مصنف تھے، جنمین سے ان کی تاریخِ اسلام سب سے مشہور کتاب ہے جسکی تلخیص، یا ترجمہ جامعہ ملیہ مین تاریخ امت کے نام کو کیا گیا ہے، جو عام طور سے نہایت پسند کیگئی، اور بیحد مقبول ہوئی،

یورپ کی ایک قدیم رسم ایک مدت سے دستور تھا کہ پوپ کسی کے ساتھ کھانا نہین کھاتے تھے، اور کھانے کی معیت کا یہ شرف وہ کسی کو عطا نہین کرتے تھے، ویٹیکن (اٹلی کے پایۂ تخت رومہ کا وہ قدیم حصہ جو پوپ کا مسکن ہے) کے حدود مین اس قدیم رسم کی نہایت سخت پابندی کی جاتی تھی، کچھ دن ہوئے کہ ویٹیکن والون کی نارضامندی کے باوجود موجودہ پوپ بیوس دہم نے اس رسم کو توڑ دیا، اور اس نے علانیہ بعض مخصوص لوگون کے ساتھ کھانا شروع کردیا ہے،

"م"

ادبیات

نگاہِ حقیقت

از مولانا وحیدالدین صاحب سلیم پانی پتی

حیرت مین ہے نگاہ، جدھر دیکھتا ہون مین ۔ آئینہ خانہ پیشِ نظر دیکھتا ہون مین

ایک آرزو نے ڈال دی ہلچل سی ناگہان ۔ دنیائے دل کو زیر و زبر دیکھتا ہون مین

تیری نگاہِ لطف تماشا دکھا گئی ۔ دنیا و دین کو شیر و شکر دیکھتا ہون مین

اُٹھے گا ایک دن یہ تمناؤن کا جہان ۔ ثبت اپنے قلب پر یہ خبر دیکھتا ہون مین

ناکامیون کا پردہ اٹھاتا ہون جب کبھی ۔ روئے عروسِ فتح و ظفر دیکھتا ہون مین

ہون جب سے غرق تیرے کرم کے خیال مین ۔ بحرِ جہان کو تا بہ کمر دیکھتا ہون مین

بخشی ہین مرے ذرہ کو تونے وہ رفعتین ۔ سجدہ مین آفتاب کا سر دیکھتا ہون مین

سورج کی زد مین گرچہ فنا کا یقین ہے ۔ شبنم کو پھر بھی سینہ سپر دیکھتا ہون مین

دیکھون مین تیرا جلوۂ بے رنگ کس طرح ۔ نیرنگیون کا دل پہ اثر دیکھتا ہون مین

دل سے کس آفتاب کے اٹھنے کا وقت ہے ۔ رگ رگ مین اپنے نورِ سحر دیکھتا ہون مین

مین خوب دیکھتا ہون اِدھر دیکھتے ہو تم ۔ تم دیکھتے نہین کہ کدھر دیکھتا ہون مین

مزدور کو یہ ایک مبصر نے دی صدا ۔ محنت کے سنگریزون مین زر دیکھتا ہون مین

کس بام پر ہے مرغِ تخیل کا اب گذر ۔ لرزہ مین جبرئیل کا پر دیکھتا ہون مین

کن کن بتون کو سجدہ کیا تیرے سامنے ۔ پیشانی اپنی شرم سے تر دیکھتا ہون مین

دولت کی بستیوں سے ہے ہستی تری بعید | اجڑے دلوں میں تیرا گذر دیکھتا ہوں میں
زر کو غرورِ زر نے یہ دی زور سے صدا | خرمن میں تیرے رقصِ شرر دیکھتا ہوں میں
چھوٹے نہ بندگی کہیں دامنِ خدائی کا | معراجِ ارتقائے بشر دیکھتا ہوں میں
آنکھیں کھلیں نہ دل کی ان آنکھوں کے ساتھ بھی | کچھ دیکھتا نہیں ہوں، اگر دیکھتا ہوں میں
یہ خاکِ مفلسی میں جو ذرے چمکتے ہیں | پوشیدہ ان میں شمس و قمر دیکھتا ہوں میں
رگ رگ میں ہے شریف کی نہرِ لبن رواں | حاسد کے دل میں نارِ سقر دیکھتا ہوں میں
کرتا ہے منع دل کو پریشاں نگاہی سے | شاید نہ رک سکے وہ مگر دیکھتا ہوں میں
محنت بدلنے والی ہو راحت سے یکساں | خونِ جگر برنگِ دگر دیکھتا ہوں میں
ہر جہر کے ایک نقطہ پہ آتی ہے ہر نگاہ | بحرِ جہاں کو ایک بھنور دیکھتا ہوں میں
ڈھونڈھوں کہاں تجھے کہ تری جلوہ گاہ میں | اڑتا ہوا غبارِ نظر دیکھتا ہوں میں

کلامِ اکبر

از جناب جلال الدین صاحب اکبر بی اے، لاہور

وہ ہیں اور لطفِ جور سے انکار | میں ہوں اور ذوقِ لذتِ آزار
اور بھی بڑھ گیا تغافلِ یار | دیکھ کر میرے پے بہ پے اصرار
کر کے انکار مسکرا دینا | آہ یہ طرزِ دلکشِ اقرار
تھے رہِ عشق میں نشیب و فراز | شوق نے کر دیئے مگر ہموار

ہر ستم میں ہے لطف کا پہلو | کس طرح ہوں نہ میں خوگرِ آزار

کیا کام وہ جو کام آئے | کٹ گئے زندگی کے دن بیکار
جاڑہ دلفریب میں ہے خزان | ہم کو معلوم ہے فروغِ بہار
جھک گئیں ان کے روبرو آنکھیں | ہوگیا فرطِ شوق کا اظہار
ہے فقط تیرے غم کا پاس مجھے | ورنہ مرنا تو کچھ نہیں دشوار

حالِ دل اب سنا بھی دے اکبرؔ
دے رہے ہیں وہ رخصتِ اظہار

فکرِ حزین

سید محمد حزینؔ، نوگانوی، ایچ، پی،

جامے زمے ارغوانی خواہم | ظاہر ندہی گریہ نہانی خواہم
اے ساقیِ مہ پارہ فدایت گردم | یک بار دگر کیفِ جوانی خواہم

قطعاتِ عزیز

از مرزا عزیز داراپوری، لاہور

چشمِ گریان دلِ تپان دادست | لذتِ دردِ بیکران دادست
چہ عجب منعم است دبندہ نواز | انچہ من خواستم ہمان دادست

تو بگوئی کہ دیدِ یار خوش است | نغزِ بادہ و بہار خوش است
منِ فرقت نصیب را لیکن | تا دمِ مرگ انتظار خوش است

سرِ پوشیدۂ خلوتِ من داد | رازِ سربستۂ الفتِ من داد
برزبانہاست قصۂ صد قیس | کس نداند حکایتِ من داد

باب التقریظ والانتقاد

باقیاتِ فانی

از

جناب جلیل قدوائی، بی اے (علیگ)

بڑے انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد یہ کتاب دیکھنے کو نصیب ہوئی ہے، ایک وقت تھا کہ علی گڑھ میں ہر شخص کی زبان پہ فانی کا کلام تھا، اور ان کے تازہ رشحاتِ فکر کے لیے "علی گڑھ میگزین" کے ہر نئے نمبر کا بےچینی سے انتظار کیا جاتا تھا جس میں ان کا کلام بالالتزام ہر ماہ بہترین طباعت و زیبائش کے ساتھ پیش ہوتا تھا، پھر یہ ہوا کہ (یاد ش بخیر!) خواجہ منظور (خواجہ منظور حسین صاحب ایم اے علیگ حال متعلم آکسفورڈ) کو فانی کا منتشر کلام منضبط کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور ہمیں مسودہ کی ترتیب، تیاری اور صفائی کے مراحل سے گذرنے کا شرف حاصل ہوا، "میگزین" میں اس کے زیر طبع ہونے کا اعلان بھی بڑی دھوم دھام سے کیا گیا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا اور ع

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

"میگزین" کے انتظامات مین تبدیلیان ہوئین اور یہ تمام "کاروبار" میگزین کی ملکیت "قرار پاگرند" بر
اخیار" ہوا، ہمین یہ نہین معلوم کہ اس کے بعد ع

داغِ دل پہ کیا گذری نقشِ مدعا ہو کر

"میگزین" مین فانی صاحب جلوہ گر بھی ہوتے رہے، ان کے ارادت مندون کے دل بھی ان کی طرف سے نہین پھرے تاہم ع

ترا عاشق شود پیدا و لے مجنون نخواہد شد

کوئی بات تھی کہ آج کئی برس کے بعد وہ مجموعہ ہمین "باقیاتِ فانی" کی صورت مین دیکھنے کو ملا، ایک صاحب نے ہماری میز پر دیکھ کر فرمانے لگے "یہ فانی صاحب کون ہین؟"

شوکت علی خان صاحب فانی، بی اے، ال ال بی (علیگ) اردو کے ان چند شعرا مین سے ہین جنھون نے اردو شاعری مین تغزل کی اصلاح نہین کی ہے اسکی بنا ڈالی ہے، ان کا تعارف کسی لمبی چوڑی تمہید کیساتھ دنیائے ادب سے کرانا ایک امر فضول ہی نہین انکی شاعری کی ہمہ گیر مقبولیت اور عظمت کی توہین ہے، ان کی شاعری پر کوئی بسیط مقالہ سپردِ قلم کرنا ہماری استعداد سے بالا ہے، آنے والے ناقدین کو کلامِ فانی پر تبصرہ کرتے وقت اس کے لیے پہلے سے بہت کچھ تیاری کرنا پڑے گی، اس صحبت مین ہم "باقیاتِ فانی" پر مختصراً اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہین،

"باقیاتِ فانی" چھوٹے سائز کی ایک خوشنما کتاب ہے، جسے فانی صاحب نے عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد کے نام سے معنون کیا ہے، پھر فانی صاحب کا فوٹو ہے جو افسوس ہے کہ ٹھیک نہین آیا، اس کے بعد رشید صاحب (پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے علیگ) نے ۲۷ صفحات کا ایک طولانی مقدمہ لکھا ہے، اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلامِ فانی کے شیدائیون مین مقدمہ نویسی کے فرض سے اس سے بہتر طور پر شاید ہی کوئی اور عہدہ برآ ہو سکتا، پھر کچھ صفحات حضرت جگر مرادآبادی کے لطیف تبصرہ نے لیے ہین، اس کے بعد ۱۲۰ صفحات پر اصل دیوان محیط ہے

رشید صاحب نے اپنے مقدمہ کو دو حصون مین تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ جو "سنبل مین" اردو شاعری پر ایک نظر" اور علٰحدہ کتابی صورت مین "سرودِ بوستان" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ایک اجمالی تبصرہ ہے اور دوسرے حصہ مین فانی صاحب کو اس تبصرہ کے معیار پر تولا گیا ہے، اردو شاعری مین یہ مقدمہ اس قابل ہے کہ ہمارے شعراء کو شمع ہدایت کا کام دے اور ہر وقت ان کے زیر نظر رہے، صفحہ ۹ پر رشید صاحب لکھتے ہین:

"شاعری کو حقیقت اور "انسانیت" کا ترجمان ہونا چاہئے نہ یہ کہ وہ کس زبان، کس قوم، کس ملک، کس زمانہ اور کن روایات کی ترجمانی ہے، شعرائے اردو کے سامنے میر، غالب، انیس، حالی، اکبر یا اقبال، حسرت، اصغر، فانی وغیرہ نہ ہونے چاہئین، بلکہ ان کے سامنے الوہیت کے وہ اسرار ہونے چاہئین، جن سے انسانی ہستی مرکب ہے، جنکے دریافت کرنے یا اظہار کرنے کی آرزو شرف انسانیت و معیار ترقی ہے، اور جنکا حصول انسانی زندگی کا مقدس نصب العین ہے، بالفاظ دیگر ان کے سامنے شعراء کے دواوین کے بجائے صحیفۂ فطرت ہونا چاہئے، الفاظ اور فقرون کی ترتیب کے بجائے انکو واقعات اور حالات کی ترتیب پر نظر رکھنی چاہئے، محاورہ اور روزمرہ کے بجائے زمانہ کے نشیب و فراز اور قلزم حیات کے جذر و مد کو ملحوظ رکھنا چاہئے، ردیف اور قافیہ سے زیادہ خیالات اور جذبات کی موزونی پیش نظر ہو، رقص ترکیب اور ترنم الفاظ کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ الفاظ و معانی مین باہم توازن بھی ہے یا نہین، یہ نہین تو ممکن ہے واہ واہ کا خلعت و انعام حاصل ہو جائے، بقائے دوام کا خلعت اور ہم صفیری ملائک کا طغرائے امتیاز کہان!"

شاعری کا جو بلند معیار اور نصب العین اوپر کی عبارت مین پیش کیا گیا ہے، کتنے شعراء ہمارے یہان ایسے ہین جو بغیر خجل ہوے اس کے احساس کا اعتراف کرینگے، ایک طرف تو وہ گروہ ہے جو الفاظ کا بندہ ہے جنکی کم نظری اور کم نصیبی اسے اس بات کا موقع نہین دیتی ہے کہ وہ لکھنے سے پہلے پڑھے اور سوچے، جس کے یہان شاعری نام ہے چند بے کیف الفاظ کو ترتیب دے دینے کا، احساسات دل مین پیدا ہوے ہون یا نہ ہوے

ہون کسی حقیقت کو نظم کرنے سے پہلے اس پر کچھ وقت صرف کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، الفاظ اور محاورہ کی ترتیب سے شعر کا وجود مین آجانا اور کہنے والے کا شاعر بن جانا ناگزیر ہے، دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو فلسفہ و معارف سے "حقیقت آشنا" ہونے کے زعم مین اسکی خبر نہین رکھتا کہ یہ بکواس شاعری ہے یا مرحوم سجاد انصاری کے الفاظ مین "ایک مصیبت"؛ ہمین امید ہے کہ رشید صاحب کے ان الفاظ سے فائدہ اٹھا کر ہمارے شعرا اس باہمی کشاکش سے نکل کر ایک بین بین راستہ نکال لین گے، اور یہ ہماری قومی شاعری کے لیے فال نیک ہوگی،

رشید صاحب کے مقدمہ کا پہلا حصہ، صحت ذوق، اصابت رائے، علوے خیال، اور لطافت انشا کے لحاظ سے اردو مین بالکل ایک نئی چیز ہے، جو معیار اس مین شاعری کا پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً ایک مستحسن خیال ہے اور دنیا کی شاعری کے معیار کا نچوڑ ہے، لیکن دوسرے حصہ مین جہان رشید صاحب نے فانی صاحب کو اس معیار پر تولا ہے، ہمین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھین خود محسوس ہوا ہوگا کہ اس مین انھین کامیابی نہین ہوئی ہے، فانی صاحب بلاشبہ اردو کے ایک بہت اچھے شاعر ہین، اور ان کے ارادت مندون کے زمرہ مین شریک ہونے کی سعادت ہمین بھی حاصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہین کہ شاعری مین جو کچھ کرنا تھا وہ سب فانی نے ختم کر دیا اور اب اردو شعرا کے لیے میدان خالی ہے، ہر شاعر کا ایک انفرادی رنگ ہوتا ہے، اور یہ رنگ ہی اس کا اصلی جوہر ہے، یہی اسے بقائے دوام بخشتا ہے اور یہی اسکی مستقل ہستی ہوتی ہے، لیکن شاعری کا ایک بلند معیار پیش کر کے کسی شاعر کو ہر رنگ سخن (پیش پا افتادہ اور جدید) مین کوشش کر کے پیش کر دینا ہم نہین سمجھتے کہانتک حق بجانب ہے، ہمین رشید صاحب کے آرا، کا احترام ہے، ہمین شکایت تو اس سے ہے کہ فانی صاحب کی اصلی جگہ ان سے لے لی گئی اور (شاعری کی مناسبت سے) ان کے ذرات ہستی کو منتشر کر کے تھوڑا تھوڑا ہر جگہ بکھیر دیا گیا، رشید صاحب نے شعر و شاعری پر اسقدر غائر نظر ڈالی ہے کہ "باقیات فانی" پر مقدمہ لکھنے کا مقصد فوت ہو گیا، تنقید اور تبصرہ کا اگر یہ مقصد ہے کہ شاعری اپنی اصلی صورت مین نظر آنے لگے تو افسوس ہے کہ یہ مقدمہ ایک جلبی آئینہ ہے جو فانی کو ان کے اصلی گوشت پوست اور ضخامت سے کہین زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، اور فانی سے زیادہ خود رشید صاحب کی غمازی کرتا ہے، رشید صاحب لکھتے ہین،

"اشعار کو ایک قسم کا ڈراما بنا دینا چاہیے جس میں الفاظ بمنزلہ ایکٹر کے ہوں ان کی ترتیب ڈرامے کا پلاٹ ہو ان کا

ترنم ڈرامے کی موسیقی ان کا اتار چڑھاؤ اسٹیج کے نغمۂ وسرود کی ہم آہنگی ہو ...."

ہم نہیں کہہ سکتے یہ رشید صاحب کا ذاتی خیال ہے یا کہیں سے ماخوذ، مگر ناظرین خود انصاف کریں ایک

طرف تو یہ معیار شاعری ہے جس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ یہ اردو میں قبل از وقت ہے، اور دوسری طرف کلام

فانی کی جو خصوصیات انھوں نے گنائی ہیں ان میں سے بعض یہ بھی ہیں:-

۱۔ مومن کی طرح فانی کا مقطع ان کی غزل کی جان ہوتا ہے،

۲۔ معاملہ بندی اور لگاوٹ۔

۳۔ زبان و محاورہ"

رشید صاحب کے مقدمہ پر مفصل اظہار خیال کرنے کے لیے خود ایک مستقل مضمون درکار ہے، اس وقت ہم صرف

اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے مقدمہ نویسی جیسے سنجیدہ فرض کو ظریفانہ انداز سے نباہ کر نفس موضوع کی سنجیدگی کو

ناظرین پر بار نہیں بنایا، اردو میں عام طور پر ایک بے راہ رو طبقہ نے آرٹ کا جو مفہوم سمجھ رکھا ہے اس کے

بیان کے سلسلہ میں لکھتے لکھتے ایک دفعہ جھرجھری لیتے ہیں:-

"...... ان بزرگوں کے نزدیک ان کی ہر لغزش یا برہنگی کا جواز آرٹ میں مل سکتا ہے، ان کے

نزدیک دو اور دو چار کہنا بھی آرٹ ہے، اور دو اور دو چار سو کہنا بھی آرٹ، اپنی کمزوریاں بھی آرٹ

اور دوسروں کی بیویاں بھی آرٹ ...."

رشید صاحب کی "ضحک نگاری" کے دلدادوں کو یہ معلوم کرکے ملال ہوگا کہ وہ اپنے قدیم رنگ کو اپنے لیے

باعث ننگ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہی ایک رنگ تھا جس میں اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتے تھے، اور وہ ان کے ساتھ

خصوصیت کیساتھ منسوب ہوسکتا تھا، اس صنف سے علاوہ کچھ عرصہ سے انھیں سنجیدہ ادبی کاموں سے دلچسپی ہوگئی

ہے، مگر جو بات طبیعت میں رچ گئی ہو اس سے دست برداری رفتہ ہی رفتہ ہوسکتی ہے، ان کی سنجیدہ شوخی یا شوخ

سنجیدگی بعض حلقون مین اب تک مابہ النزاع ہے، لیکن اس خیال سے کم لوگون کو اختلاف ہوگا کہ اب ان کی ظرافت کی حیثیت محض شاذونادر "دخل در معقولات" کی رہ گئی ہے، یا یون سمجھئے کہ وہ اب ان کے گذشتہ کیف افزا و سرور انگیز طرز انشار کا ایک بے محل "غمزۂ پیری" ہے، جو ان کے ارادت مندون کو بے دل و مایوس بناتا ہے، اپنے خیال کی تائید مزید کی خاطر ہم ذیل کی عبارت پیش کرتے ہین جہان انھون نے اپنے خیال مین نہایت پرلطف اور مناسب طریقہ پر اپنی صفائی پیش کی ہے، ابتدا مین کہی آپ نے:۔

"ہزار وقت ادھر، اس مین غالباً کچھ سرقہ اور اتنا ہی توارد شامل تھا، دو مصرعے کہے گئے لیکن

قبل مسیح اڈیشن کے ایک استاد نے

عیسی کی تھین جس نے آنکھین دیکھین

بتایا کہ ایک مصرع تو موزون نہین ہے، اور دوسرا بے معنی ہے، مین نے جی کڑا کرکے دریافت کیا کہ اگر دونون ملا دیئے جائین تو کچھ کام کی بات نکل آئے گی؟ انھون نے کہا دو مہمل مل کر ایک معقول کب ہوتا ہے، مین نے ذرا ڈھیٹ ہوکر کہا کیا آخر انگریزی مین "بلینک ورس" بھی تو مروج ہے! کہنے لگے اردو مین زٹل قافیہ بھی تو ہے.....!"

مطلب یہ ہے کہ جو چیز پہلے مخصوص دلون کو گرماتی اور روح کو مسرور کرتی تھی، اب وہ وقف عام ہے اور ہر شخص اس سے اپنی استعداد کے مطابق لذت یاب ہوسکتا ہے، جو چیز پہلے دل کے پردون کو کھولتی تھی اور لب پر خفیف تموج لاتی تھی، اب وہ قہقہون سے بازاری تماشائیون کے پیٹ مین بل ڈالکر منہ سے کف آمد کرا سکتی ہے۔۔۔ ہمارا یہ پرخلوص مشورہ ہے کہ رشید صاحب آئندہ سے اپنے راستہ کے انتخاب مین صحیح فیصلہ کرین، اور اپنے دل سے اس خیال خام کو دور کر دین کہ ایک ہی وقت مین وہ دو راستے اختیار کرکے دونون فریق کو راضی رکھ سکتے ہین، فریقین کی رضامندی برطرف، ہمین اندیشہ ہے کہ کہین وہ جگر کے قول کے خلاف منزل مقصد پر پہنچنے سے قبل ہی "کھو" نہ جائین،

"رشید صاحب نے جو توقعات اپنے مقدمہ کے پہلے حصہ مین ناظرین کے دلون مین پیدا کی ہین، انھین دوسرے حصے مین پورا نہین کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حصہ لکھتے وقت کتاب زیر غور نظر کے سامنے ہی نہ تھی، انھون نے غالب اور فانی کے بعض اشعار کا مقابلہ بھی کیا ہے، اور فانی کے اشعار کو غالب کے اشعار پر ترجیح دی ہے، کہین کہین یہ مقابلہ بہت خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے، ہم نہین کہہ سکتے، یہ طریقہ تنقید کہان تک محفوظ اور حق بجانب ہے۔ کئے، اشعار ایسے ہین جنمین فانی کو غالب کے مقابلہ مین شکست بھی ہوئی ہے۔ لیکن کیا! اس سے غالب اور فانی کی عظمت مین کوئی فرق نہین آتا، چونکہ ہم اس طرز تنقید کو مناسب نہین سمجھتے اس لئے محض لطف اٹھانے کے لیے اور غور کرنے کے لیے ہم بعض جگہ فانی کا کلام پیش کرتے ہین، اگر ان کے معاصر شعراء کا کلام پیش کرین تو ناظرین اس سے کسی غلط فہمی مین نہ مبتلا ہون،

حضرت جگر مرادآبادی کے تبصرہ کے متعلق صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ وہ ایک مجسم لطافت و محسوسات شخص کا لکھا ہوا ہے، اور اس لیے یقینی طور پر لطیف ہے اور دلون کو زیادہ قابل قبول! اس قدر لکھنے کے بعد اب ہم "باقیات فانی" پر مختصراً اپنے ذاتی خیالات قلم بند کرنا چاہتے ہین، یہ بتا دینا شروع ہی مین بہتر ہوگا کہ ہمارا یہ خیال غلط نکلا کہ "باقیات فانی" وہی مسودہ ہے جو ہماری نظرون اور ہمارے خیالون مین کبھی رہ چکا تھا، یہ وہی مسودہ ہے لیکن اس مین کافی تراش و خراش ہوئی ہے اور بہت سی اور غزلین اضافہ کی گئی ہین،

صاحب شعر الہند نے فانی صاحب کے متعلق ذیل کے خیالات ظاہر کئے ہین:-

"حسرت کے ہم بزم و ہمنوا ہین، پہلے قدیم لکھنؤ کے رنگ مین کہتے تھے، . . . . لیکن بعد کو غالباً حسرت ہی کے اثر صحبت سے دلی کے رنگ مین کہنے لگے۔ . . . . . ان کے کلام مین جابجا تصوف و فلسفہ کے رموز و اسرار بھی نظر آتے ہین اور یہ بھی اسی رنگ کے امتیازی خصوصیات ہین . . ."

ہمارا خیال ہے کہ شعر الہند مین فانی سے بڑھ کر کسی اور شاعر پر شاید اس قدر صحیح تنقید نہین کی گئی، فانی، حسرت ہی کے ہم بزم و ہمنوا ہین اور ان کے تمام کلام مین وہی حصہ بہترین ہے جسمین حسرت کا رنگ پایا جاتا ہے، اور شاید

یہی وجہ ہے کہ فانیؔ "یاسیات کے امام" کہے جاتے ہیں، ایک ہلکا ہلکا افسردگی اور حزن کا رنگ ان کے تمام کلام میں پایا جاتا ہے، جو بجائے آنکھوں سے آنسو بہانے کے دل میں چپکے چپکے نشتر چبھوتا ہے اور میٹھا میٹھا درد پیدا کرتا ہے، ذیل کی غزلیں جو حسرتؔ کی غزلوں سے ملتی جلتی ہیں ملاحظہ ہوں:۔

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کر لیں — دلِ بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کر لیں
ہر نفس وقفِ خیالِ رخِ جاناں کر لیں — زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کر لیں

آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم — آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی
اس کے سوا نہیں خبرِ آشیاں مجھے — میں تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن میں تھی
وہ گل ہے گل جسے تری خلوت میں بار تھا — وہ شمع شمع ہے جو تری انجمن میں تھی
کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں — کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی
بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر — کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

ہم اپنے جی سے گذرے یوں سحر کی — شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
تعین کس دل سے اپنی جان کیجیے — وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی
مرا قتل ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں — کچھ ان کے منھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

یہ ہستی دو روزہ گویا کہ نہیں فانیؔ — اللہ رے ترا اے دل اندازِ پریشانی
سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا — در دیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی
مانا کہ غمِ جاناں غارت گرِ ساماں ہو — رکھا ہی یہاں کیا ہے جز بے سروسامانی

ناظرین اندازہ فرمائیں، مندرجہ بالا غزلین ظاہری و معنوی دونوں اعتبار سے حسرت کی معلوم ہوتی ہیں
یا نہیں، وہی روانی و سلاست، وہی ندرت ادا، وہی لطیف نزاکتیں اور وہی دھیما دھیما اثر، ان خصوصیات کے
علاوہ بحرین بھی وہی ہیں جو حسرت سے مخصوص سمجھی جاتی ہیں اور قافیہ اور ردیف بھی وہی،
بعض جگہ پرانے رنگ کے اشعار اور پرانے انداز کی غزلیں عجب اچھوتے اور پرکیف طریقہ سے لکھی گئی ہیں

ادا سے آڑ میں خنجر کے منھ چھپائے ہوئے مری قضا کو وہ لائے دلھن بنائے ہوئے
بلائے جان ہی مگر پھر بھی آرزو ہے تری ہم اس کو اپنے کلیجہ سے ہیں لگائے ہوئے
سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے
تمھیں کو تھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

اجل کو مژدہ فرصت کہ آج فانی زار
امید وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

ذیل کے اشعار میں قدما کا رنگ کس درجہ جاری و ساری ہے:۔

آہ بتوں پر دل کیا آیا، ہاتھ ہی سے ناداں گیا خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے
یا ترے محتاج ہیں اے خون دل یا انھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے
تو سلامت ہو تو ہم لے درد دل مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ فانی کس حد تک حسرت موہانی کے "اثر صحبت" کے ممنون
ہیں اور ان کے رنگ کی ان کے کلام میں کہاں تک جھلک ہے، ہمارا یہ یقین ہے کہ فانی صاحب کے کلام کا یہی

رنگ ان کا انفرادی رنگ ہے جسمین سادگی، نرمی اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے، حضرت کے فیض اثر کا یہ انتہائی لازمی نتیجہ ہے کہ فانی صاحب بعض جگہ ان مین گم ہو جاتے ہین اور پڑھنے والے کو امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس ساز مین کون پردہ نغمہ سرا ہے، اس اثر کو رشید صاحب نے اپنے مقدمہ مین کہین نہین ظاہر کیا ہے، حالانکہ یہی پہلا اثر تھا جس نے فانی کی شاعری کو مقبول و محبوب بنایا ہوا جس سے ان کے کلام کا ایک بہت بڑا حصہ بھرا پڑا ہے، مشق سخن نے آگے چل کر انھین پختہ کار بنا دیا، وہ وہ ایسے اشعار کہنے لگے جنمین ان کی استادی اور انفرادیت پوری پوری قائم رہتی ہے،

پھر دلِ بیتاب ہے آرام جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم کیون ہوئے جاتے ہین قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہکر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھکر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدانِ اضطراب

اشک ایک اک کرکے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقت عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجئے آغاز کیونکر داستانِ اضطراب

دشمنِ جان تھے تو جانِ مدعا کیون ہوگئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیون ہوگئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جنازہ پر ترا کہنا خفا کیون ہوگئے

کیا تمھین اندازۂ ضبطِ محبت ہوگیا
چشم بد دور اب ستم حد سے سوا کیون ہوگئے

اور فانی بڑھ گئی بیتابیِ دل بعد مرگ
کیا کہین مرکر گرفتارِ بلا کیون ہوگئے

وحشتِ عشق نے جب ہوش مین لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

پھر کچھ اے بیخبری تجھ مین کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش مین لانا چاہا

اے اجل اے جانِ فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا ... مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا

جب ترا ذکر آ گیا ہم دفعۃً چپ ہو گئے ... وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا

یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے ... بزم میں گویا مری جانب اشارا کر دیا

دردمندانِ ازل پر عشق کا احسان نہیں ... درد یاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا

رہ گیا تھا ایک آنسو وارِ دگیر ضبط سے ... جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہے ... اللہ ری تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہے

آتی ہے صبا سوئے لحد ان کی گلی سے ... شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہے

آمادۂ فریاد وہی ہے وہ ستم گر ... فریاد! کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے

دنیا میں دیارِ دلِ فانیؔ کے سوا ہائے ... کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہیں ہے

دوسرا گہرا اور پائدار اثر فانیؔ کے کلام پر غالبؔ کا ہے، اسے ہم دوسرا درجہ دیتے ہیں، غالبؔ کے رنگِ سخن کی اتباع میں فانیؔ کے کلام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نصف سے زیادہ کلام اسی رنگ میں ہے، اور جس طرح غالبؔ کے کلام میں اسکی سادگی اور غالبیت کا علیحدہ علیحدہ ذائقہ ہے، اسی طرح فانیؔ کے کلام میں بھی ہر دو طرح کے کلام کا اپنا جدا جدا مزہ ہے، اس میں شک نہیں کہ فانیؔ اب جو کچھ لکھتے ہیں وہ غالبؔ کے رنگِ سخن سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں، اور دنیا انھیں اسی حیثیت سے جانتی ہے اور شاید اپنے لیے بھی وہ اس آخری اثر کو قابلِ فخر سمجھتے ہوں، مگر ہمارا خیال ہے کہ ہر چند کہ انھیں اس رنگ میں کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے، اور ممکن ہے آیندہ اور مقبولیت حاصل ہو" باقیاتِ فانیؔ" کا بہترین حصہ وہی حصہ ہے، جو حسرتؔ کے اثر کا ممنون ہے، اس میں جو آمد اور بے ساختہ پن ہے وہ اس دوسرے حصہ میں کم ہے، ہم اپنے بیان کو مثالوں سے واضح کرینگے، فانیؔ غالبؔ کی طرح ادق و دشوار لکھ سکتے ہیں:-

فصلِ خبر بڑھا گئے عمر کے باپ را زمین	یادِ وصال مختصر ل کے شبِ دراز مین
جلوۂ اختیار سے نسبتِ جبر ہے مجھے	شعلۂ آرمیدہ ہون وادیٔ برقِ ناز مین
ہم نہ ازل سے آج تک سجدہ سے سر اٹھا سکے	چھپ ہے جلوہ ہائے دو دکب کے حریمِ ناز مین
حشر مین حشر چاہیئے حشر پہ حشر چاہیئے	دفن ہین سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز مین
چشم براہ یار ہون منتظرِ فشار ہون	سبزۂ رہگذر رہون عالمِ عرضِ ناز مین
چارۂ تپ فراق کا شکر نہین تو کچھ نہین	بوسۂ مزاج یار ہے نبضِ بہانہ باز مین

ہر تصورِ جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے	خاکِ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے
ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین	عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے
تھی شکست دل مگر تا حدِ آوازِ شکست	ٹوٹ کر بھی دل طلسمِ شوقِ یاس آمیز ہے
ہے فنا آبادِ غم اک معنیٔ نقطہ آفرین	صورت آباد جہان اک لفظِ معنی خیز ہے

تمہید صد ہزار قیامت ہے ہر نفس	عنوانِ شوق ہون گلہ ہائے دراز کا
عبرت سرائے دل مین ہون آوازِ دورباش	مارا ہوا ہون خاطرِ حسرت نواز کا

فردائے حشر خیر سے آنکھون کا تھا تصور	ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا
محروم ہیان ذریعۂ الہامِ ذکر تھین	نامون پہ انحصار پیامِ سروش تھا

لیکن وہ کلام ملاحظہ ہو جہان وہ غالب کے کلام کی سادگی اور جوش اور فارسی کی لطیف ترکیبون کی آمیزش سے اپنے کلام کو ایک خاص اثر سے مملو کر دیتے ہین :-

نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہے مجھے جنونِ چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے

خرابِ لذتِ جانکاہیِ محبت ہوں مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہیں ہے مجھے

نہیں یہ مردنِ دشوار بے سبب یعنی یقین مژدۂ پیغام بر نہیں ہے مجھے

جنوں ہی اثرِ بےخودیِ غم نہ سہی تمہیں خبر ہے کہ اپنی خبر نہیں ہے مجھے

نہ جوشِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن مجالِ بخیۂ زخمِ جگر نہیں ہے مجھے

یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہان نظر آیا خمارِ بادۂ وحدت اگر نہیں ہے مجھے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہاں تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہیں ہے مجھے

ہلاکِ تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہوں فانی

شکایتِ گلۂ بے اثر نہیں ہے مجھے

غالب کے رنگ کی تمام غزلوں میں فانی صاحب کی یہ غزل ہمارا خیال ہے ہر حیثیت سے بہترین ہے، اور اس میں فانی صاحب نے اپنے کو غالب میں اسی طرح گم کر دیا ہے کہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے، تاہم ان کا ایک خاص رنگ ہر شعر میں نمایاں ہے، بعض اور غزلیں ملاحظہ ہوں:-

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں

ہاں دردِ عشق ان پہ کرم کی نظر رہے صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں

یہ صحبتیں بھی دیکھئے لاتی ہیں رنگ کیا مہمانِ خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں

کیا جانئے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی

سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

مشتاق خبر دار رہیں دل سے جگر سے | ملتی ہے زمانہ کی نظر ان کی نظر سے
یہ سایہ بھی تمھاری امید کے سر سے | منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے
دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں | ملنے کو تو ملتی ہے نظر انکی نظر سے
پیکان کے بھی ٹکڑے ہیں دل کے بھی ہیں ٹانکے | سینہ میں دھواں غیرت انقاصوں کدھر سے
امید اثر اور اُن آہوں کو جو نکلیں | اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے
کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم نوازش | لبیک کی آتی ہے صدا چاک جگر سے
بیکاری وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت | دیوار کی صورت کو ملا دیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

مندرجۂ بالا غزلوں سے جو غالب کے رنگ میں ہیں اندازہ لگائیے اور بتائیے کہ غالب کی طرح فانی کی بھی وہ غزلیں جو انھوں نے لطیف انداز بیان اور ایک خاص اثر کے ماتحت لکھی ہیں، ان کی ہوتی اور دوسری غزلوں سے بہتر ہیں یا نہیں، اس طرح بھی یہ نتیجہ نکلا کہ فانی کے کلام کی خصوصیت ان کی آمد، بانکپن اور... ہے جسکی بنا پر ان کا کلام زندہ رہ جائے گا،

ہم نے قصداً فانی کی پوری پوری یا قریب قریب پوری غزلیں بلا خوف طوالت لکھی ہیں، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ ان کی غزلیں عام طور پر کس رنگ کی ہوتی ہیں، ہم یہ کر سکتے تھے کہ ایک ایک یا دو دو شعر سے لیکر ان کی تشریح کرکے اُن کے معنی اور نکات بیان کرتے اور فلسفہ و حقایق سے بھی فانی صاحب کے کلام کو مالا مال دکھانے کی کوشش کرتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ہم ہی نہیں ناظرین بھی مندرجۂ بالا انتخاب سے اندازہ لگا لیں گے، کہ فانی کے یہاں اس قسم کا مواد کم ہے، کہیں کہیں اگر معنی خیز یا بلند اور ارفع خیالات مل جائیں تو اُن سے اس شاعر کی عظمت نہیں ہو سکتی، یہ حصۂ شاعری ہم سمجھتے ہیں اصغر صاحب اور جگر

...آبادی کے لیے مخصوص ہو چکا ہی، جنکی پوری کی پوری غزلین سرتاپا اسرار و معارف اور حسن و محبت کے انتہائی عمیق و لطیف نکات سے لبریز ہوتی ہین،

کتاب صاف ستہری کاغذ پر آگرہ اخبار پریس آگرہ مین اچھی خاصی چھپی ہے، اور ستے روپیہ مین مصنف صاحب سے اٹاوہ کے پتہ پر مل سکتی ہے،

ادب العرب

از

مولوی ابوالجلال صاحب ندوی

یہ عربی بولنے والون اور ان کے علمی، ادبی، اور دماغی کارنامون کی ایک مجمل تاریخ ہے، اور معارف کے سائز پر ۲۰۰ صفحات کا مجموعہ ہے، مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، لکچرار الہ آباد یونیورسٹی نے اس کو مرتب کیا ہے، اور غالباً اردو زبان مین یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اور یہی کیا کم شکریہ کا مقام ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے بھی اپنے اسلاف کے پرانے اندوختہ کی دیکھ بھال کی کوشش شروع کی ہے،

فاضل مصنف نے عربون کی ادبی تاریخ کو چار دور مین تقسیم کیا ہے، (۱) ایام جاہلیت، اور (۲) آغاز اسلام سے خلافت بنو امیہ تک، پیش نظر کتاب مین انھین دو دورون کا ذکر ہے (۳) تیسرا دور بنو عباس کا ہے اور چوتھے دور مین حملۂ ہلاکو سے لیکر آج تک کے انقلابات شامل ہین، ان آخری دو دورون کا بیان دوسری جلد مین آئیگا، مصنف نے جابجا اپنے حوالے کم بتلائے ہین، اور اس کے لیے معذرت کی ہے، صرف اتنا لکھدیا ہے کہ انگریزی اور عربی اور اردو مصنفین کی کتابون سے فائدہ اٹھایا ہے، امید ہے کہ وہ نکلسن صاحب کی لٹریری ہسٹری آف عربیا کی پیروی نہ کرین گے،

اس پہلی جلد مین مصنف نے سب سے پہلے اپنے موضوع کی تشریح کی ہے، پھر عرب کے قبیلون، اقوام اور حکومتون کے مواقع و مساکن کا بیان ہے، اسکے بعد زبان، عربی زبان، اور زبان عربی کی پیدایش

ارتقاء، اور خصائص سے بحث کی ہے،

فاضل مصنف بالکل ہمارے ہم خیال نکلے، انکی رائے ہے کہ عربی زبان میں اگرچہ بہت کچھ تغیرات ہوئے مگر وہ اپنی قدیم ترین اصل سے اتنی زیادہ مشابہ ہے کہ اسی کو کم از کم سامی زبانوں کی ام الالسنہ کہدیا جائے تو حقیقت کے خلاف نہ ہوگا، ان کے نزدیک بابل کی حمورابی زبان کو بھی حجازی عربی کی ایک شاخ قرار دیا جا سکتا ہے، وہ صاف صاف بتاتے ہیں کہ بابل کی کوئی مخصوص زبان نہ تھی جس جس قوم کی حکومت ہوئی اس کے دوران عہد میں اسی کی زبان وہان مروج ہوگئی، "جب سامی عربون نے عیلامیون کو شکست دیکر ایک سلطنت عظیمہ کی بنیاد ڈالی تو ان کی زبان وہان کی زبانون پر غالب آئی . . عربی وہان جانے کے بعد خالص نہ رہی، سومری، اکادی سابقہ زبانون کے بہت سے الفاظ اسمین داخل ہوئے، روایت اگر صحیح ہو تو یہی خیال حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بھی تھا، ان کے نزدیک "یعرب نے بابل کو چھوڑتے وقت عرب کی راہ اسی لیے لی تھی کہ انکو بتایا گیا تھا کہ جو اس طرف جائے گا اسکی زبان فرشتون کی سی ہوگی، ان کے نزدیک تو بابل کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہان کی زبانون میں تبلبل (گڈمڈ) پیدا ہو گیا تھا[1]،

خصائص زبان اور حروف ابجد کی بحث کے بعد انھون نے دور جاہلیت، علوم جاہلیت، شعرائے مخضرمین، عہد نبوت، عہد خلافت اور عہد بنو امیہ کے ادبی، علمی، تاریخی، اور دماغی کارنامون پر ریویو کیا ہے، یہ مباحث نہایت مختصر لیکن پر مغز عبارتون مین ادا کئے گئے ہین،

کتاب کی پوری ستایش کے ساتھ اس کے چند خیالات سے ہمین اختلاف بھی ہے

صفحہ ۹ پر ادب بمعنی لٹریچر کو "تادیب" سے ماخوذ بتایا گیا ہے، مناسبت یہ بتائی گئی ہے کہ ادب کے معنی "دعوت طعام" کے ہین اور کسی کو کھانا کھلانا بہترین اخلاق ہے، اسلیے ادب کے معنی تہذیب اخلاق کے ہوئے، ظہور اسلام کے بعد دور اموی مین بعض لوگ معلمین کو مودب کہنے لگے، اس طرح ادب مین شان تعلیم داخل ہو گئی"

[1] صحیح یہ ہے کہ بابل اصل مین باب ایل ہے،

ہو گئے پہلی کرچونکہ ادبی تعلیم کی بنیاد شعر و لغت وغیرہ تھی اسلیے انھیں علوم عربیہ پر ... اطلاق ہونے لگا"

ہمارے خیال مین یہ صحیح نہین کیونکہ ادب کا لفظ اس معنی مین عہد بنی امیہ کی ایجاد نہین (آدبنی ربی فاحسن تادیبی) کی خبر دعہد نبوت سے اس لفظ کو رائج بتاتی ہے، علاوہ برین اگر ادب معنی تہذیب و شائستگی کا کوئی تعلق "دعوت طعام" سے ہوتا تو ادیب "کا لفظ کبھی ... کے معنی مین بولا گیا ہوتا، اصل یہ ہے، ادب کے اصلی معنی مین (بلانا)

والادب الذی یتادب بہ الادیب من الناس	اور وہ ادب جس سے ادیب یا آدمی ادیب ہوتا ہے اس کو
سمی ادبا لانہ یادب الناس الی المحامد و	ادب اس لئے کہتے ہین کہ وہ چیز آدمی کو اچھی اور محمود باتون کی طرف
ینھاھم عن المقابح (لسان)	بلاتی اور بری باتون سے منع کرتی ہے،

یہ وہ مفہوم ہے جو ادب نفس (خوش اخلاقی) ادب درس (لٹریچر) اور ادب عقل (خوش تمیزی) وغیرہ تمام معانی پر صادق آتا ہے، عربی اشتقاق مین اسکی کافی مثالین ہین کہ لفظ کثرت استعمال کے باعث بعض خاص معانی کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے، ادب اصل مین (الادب الی المحامد) کا مختصر ہے؛

(۲) دوسری چیز جس سے ہم کو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۰۱ پر فاضل مصنف نے فرمایا ہے کہ

"عربون کے یہان ۱۲ مہینے ہوتے تھے اور شمسی و قمری حساب کو برابر رکھنے کے لیے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال زیادہ کر لیتے تھے، عربی مین اس زیادتی کو کبس اور نسی کہتے ہین"

کبس اور نسی ہم معنی نہین، کبس کا حساب یہود مین رائج تھا اور بعض قبائل نسی کیا کرتے تھے، نسی کوئی حسابی کاروائی نہین تھی بلکہ محض لوٹ مار کے لیے بعض قبیلے ایسا کیا کرتے تھے، کہ ہر سال حج کے بعد ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ فلان مہینہ کو ہم نے پیچھے ہٹا دیا، اس طرح اشہر حرم مین سے بھی ایک مہینہ ان کو لوٹ مار کے لیے مل جاتا تھا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ (انما النسی زیادۃ فی الکفر)

نسی کا تعلق شمسی اور قمری سال کی تحویل باہم سے نہین، لیکن کبس کا تعلق شمسی اور قمری سنین کے موازنہ باہمی سے ہے، کبس اور نسی دونون مرادف ہون تو مسلمانون کے لیے "لوند" کا حساب رکھنا جرم ہو جاتا ہے، حالانکہ

اس حساب کی طرف تو خود قرآن مجید مین بھی اشارہ ہے،

ولبثوا فیہا ثلثمائۃ سنین وازدادوا تسعا اصحاب کہف اس مین ۳۰۰ برس رہے اور زیادہ کئے نو سال

۳۰۰ برس شمسی کے ۳۰۹ برس قمری ہوتے ہین کبس کی بنیاد اسی حساب پر ہے، کیا یہ بھی حرام ہے؟

مصنف نے غالباً اختصار کے خیال سے مضامین کے استقصائی ذکر نہین کی ہے، ورنہ علوم کے بیان مین کافی تفصیل کی گنجائش ہے،

یہ صحیح نہین ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا آغاز عہد اموی مین نہین ہوا اور نہ یہ صحیح ہے کہ سعد بن ابراہیم قاضی مدینہ حدیث کے پہلے مدون ہین، یا وہ پہلے شخص ہین جنھون نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم کی تعمیل کی، بلکہ وہ منجملہ اور اشخاص کے ایک ہین، ابتدائی مدونین حدیث کی ترتیب یہ ہے، ابوبکر بن محمد عمر بن حزم المتوفی سنہ ۱۲۰ھ امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ سعد بن ابراہیم سنہ ۱۲۶ھ، سعید بن ابی عروبہ سنہ ۱۵۶ھ، ربیع بن صبیح سنہ ۱۶۰ھ، امام مالک کی موطا سنہ ۱۳۰ سے سنہ ۱۴۰ھ تک تالیف ہوئی،

ابوزیاد کلابی کی کتاب النوادر تمامتر جغرافیہ نہین ہے، وہ اصل مین لغت کی کتاب ہے، اور اسی لغت کے ضمن مین اس مین ایک باب مقامات کا بھی ہے، کلابی گو مہدی کے زمانہ مین بغداد آیا، مگر اسکی عمر کا بڑا حصہ اموی دور مین بادیہ مین گذر چکا تھا،

جبکہ مصنف نے ہر جگہ اپنی اس جلد کے دائرۂ بیان کی بنا پر اموی دور سے آگے پاؤن نہین بڑھایا ہے تو تعجب آتا ہے کہ تصوف کے بیان مین یہ پابندی کیون قائم نہ رہی،

بہرحال جمع معلومات اور موضوع کے لحاظ سے مصنف کی یہ تالیف اردو مین پہلی کتاب ہے اس لیے وہ ہر طرح داد و تحسین کی مستحق ہے، امید ہے کہ آئندہ جلد مین ہمارے دوست دوسرون پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرین گے، قیمت ؎ پتہ:۔ مصباح الدین احمد پروپرائٹر نور بک ڈپو ٹاؤن ہال، بریلی،

مطبوعات جدیدہ

ویداور قرآن، مولوی خلیل محمد صاحب المعروف بہ "باباخلیل داس چترویدی" جوانگریزی کے ساتھ سنسکرت بھی جانتے ہین، چندسال سے مناظرہ کے میدان مین آئے ہین، اور اسی سلسلہ مین چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کئے ہین جنمین سے بعض اسلام کے محاسن کے بیان مین ہین، اور بعض ہندو مذہب کی تردید وتنقید مین، پہلی قسم مین ایک رسالہ قرآن پاک اور غذائے انسانی ہے جسمین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اصطلاح قرآنی مین "حلال غذائے انسانی کا وہ نوع ہے جو محمد روحانیت اور معاون حصول حقایق ہے" حجم ۸ صفحے قیمت ۲/

اسکے علاوہ دیگر رسائل مختلف مباحث پر حسب ذیل ہین:

نام رسالہ	موضوع	حجم	قیمت
قرآن پاک اور ذات وصفات الٰہی،	باری تعالیٰ کے اسماء وصفات قرآن مجید سے بتائے گئے ہین،	۳۲ صفحے	۳/
اسلام اور فطرت،	فطرت کے اصول کی تشریح کرکے اسلام کو فطرت کے مطابق بتایا گیا،	۱۱ "	۵/
قرآن پاک اور سائنس،	قرآن مجید اور سائنس ایک دوسرے کے مؤید ہین،	۴۸ "	۶/
قرآن پاک اور توحید،	قرآن مجید مین توحید کی تعلیمات،	۱۶ "	۲/
قرآن پاک اور اطاعت والدین،	قرآن مجید مین حقوق والدین،	۱۱ "	۱۱/
اعتراضات قرآنی کا قلع قمع،	قرآن مجید پر بعض اعتراضات کے جوابات	۴۰ "	۵/

اپنے ایک رسالہ کو مؤلف موصوف نے وحی الٰہی کے حقیقی معیار سے موسوم کیا ہے، جسمین کسی کتاب کے الہامی وغیر الہامی ہونے کے متعلق چند اصول وضع کرکے ان کی تشریح کیگئی ہے، حجم ۱۶ صفحے قیمت ۲/

اس کے بعد ہندو مذہب کے متعلق ان کے چند رسالے ہین جنمین سے پہلا رسالہ ویدون کے متعلق دو دو باتین

ہے جس میں پہلے ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے نام اور ان کے فن وار موضوع سے روشناس کیا گیا ہے، اس کے بعد ویدوں کے متعلق چند باتیں بیان کیگئی ہیں جنھیں گویا ان پر ایک اجمالی تبصرہ کہا جا سکتا ہے، حجم ۲۴ صفحے قیمت ۴ ر، اس کے بعد ویدوں کا ماخذ ہے جسمیں پہلے وید کو غیر الہامی کتاب ثابت کیا گیا ہے، پھر ان کا ماخذ پارسیوں کی مذہبی کتاب ژند اوستا کو قرار دیا گیا ہے، اور استدلال یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں مضامین و مائیہ، مختلف عناصر کی تعریف و توصیف آتش پرستی کی تعلیم، اور پھر ژند میں جن بارہ چیزوں کو معین طور پر معبود قرار دیا گیا ہے انھیں بارہ چیزوں کو وید میں بھی معین طور پر معبود قرار دیا اور اسی قسم کی چند اور چیزیں بھی ان دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں اس کے علاوہ ان دونوں مذاہب کے مراسم اور عبادت وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، اور پھر ثبوت میں بہت سے الفاظ پیش کئے ہیں جو بعینہ اسی طرح یا خفیف تغیر کے ساتھ دونوں کتابوں میں ایک معنی میں استعمال ہوئے ہیں، اور آخر میں ایران و ہندوستان کے قدیم تجارتی تعلقات کی طرف اشارہ کرکے اس نظریہ کی تائید کیگئی ہے، رسالوں کی زبان صاف اور شستہ ہے بعض رسائل کی طباعت اچھی اور بعض کی ناقص ہے، اس کے علاوہ بعض رسائل میں کتابت کی مسلسل غلطیاں ہیں، مثلاً "مسیح" کو "مسیع" "توضیح" کو "توضیع" وغیرہ، یہ تمام رسالے جناب مؤلف سے ہیڈ آفس ملت حنفیہ سیوان ضلع سارن (صوبہ بہار) سے ملیں گے،

تشریح الکافر، اس رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اس میں مولنا عبدالرحیم صاحب سلیم وکیل مہم کنندہ دکن نے قرآن مجید کی مختلف آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ لفظ "کافر" کے معنی انکار کرنے والے یا جانا شکر (؟) کے ہیں، یہ کوئی گالی نہیں ہے، خواہ مخواہ ہمارے اہل وطن ہنود اس لفظ کو توہین آمیز سمجھتے ہیں؛ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے تبلیغی سلسلہ میں اسکو شائع کیا ہے، اسلئے یہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے ملیگا، حجم ۲۰ صفحے قیمت ۱؎ ر

آئینۂ عالم نما، جناب محمد سمیع صاحب سکنڈ ماسٹر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے طلبائے دارالعلوم

فائدے کیلئے مختصر جغرافیۂ عالم "آئینۂ عالم نما" کے نام سے شائع کیا ہے، جس مین پہلے ضروری جغرافی اصطلاحات بتانے کے بعد اجمالی تفصیل کیساتھ سارے عالم کا جغرافیہ پیش کیا ہے، رسالہ کے ساتھ مختلف ملکون کے مطبوعہ نقشے بھی منسلک ہین، رسالہ کی زبان نہایت سلیس اور طلبہ کے لیے موزون ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۹۴ صفحے، کاغذ چھا، لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۱۲؍ جناب نجم صاحب شبلی بکڈپو لکھنؤ سے ملیگی،

قواعد اردو، جناب مولوی عبد الحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو کی گرانمایہ تالیف قواعد اردو کا یہ نیا اڈیشن ٹائپ مین شائع ہوا ہے، لیکن شاید جناب مؤلف نے اس موقع پر ان تنقیدون پر کچھ زیادہ توجہ نہین کی، جو طبع اول پر شائع ہوئی تھین، بہرحال وہ اس وقت اردو قواعد کی معیاری کتابون مین ہے اور اسلیے جب تک اس سے بہتر کوئی کتاب نہ لکھی جائے، وہ قابلِ قدر ہے، حجم ۱۰۰ صفحے، قیمت عہ، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن،

کتاب النحو جدید، جناب آسی امرتسری کا خیال ہے کہ وہ عربی علم نحو کی مکمل تعلیم پندرہ دن مین دے سکتے ہین اور اسی کو پیش نظر رکھ کر انھون نے ایک رسالہ "کتاب النحو جدید" نام تالیف کیا ہے، جس مین نحو کے تمام قواعد کو پریسیڈنٹ ولسن کی طرح "۱۴ اصول" مین منضبط کر دیا ہے، رسالہ کی ترتیب یون ہے کہ پہلے ایک کلیہ پیش کیا ہے، مثلاً پہلا کلیہ یہ ہے "جملہ اپنے پہلے جزء کے نام سے مشہور ہوتا ہے" اور اس کے بعد مثالون سے اسکے جزئیات سمجھائے ہین، چنانچہ پہلے کلیہ کی توضیح کے لیے جملہ کی تمام قسمون انشائیہ، خبریہ، دعائیہ، شرطیہ وغیرہ کی ایک ایک مثال دی ہے، اور پھر مزید توضیح کے لیے "تشریحات" کے نام سے ہر کلیہ کے بعد ایک باب بڑھایا ہے، جناب آسی کی یہ جدت لائقِ ستائش ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے دعوی مین بڑی حد تک کامیاب ہون، حجم چھوٹی تقطیع پر ۶۰ صفحے قیمت ۸؍ کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، جناب مؤلف سے مدرسۃ المسلمین امرتسر کے پتہ سے ملیگی،

ن ر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۶

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

قیمت ۵ عہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

انیسوین جلد،

از

جنوری ۱۹۲۷ء تا جون ۱۹۲۷ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی،

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈہ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد نوزدہم جنوری سنہ ۱۹۲۷ء، جون سنہ ۱۹۲۷ء

بہ ترتیب حروف تہجی

شعراء

فہرست مضامین

جلد نوزدہم ، جنوری ۱۹۲۷ء تا جون ۱۹۲۷ء

معارف کی پچھلی جلدین

معارف ۲۳ء و ۲۶ء کی مکمل جلدین موجود ہین، ۲۵ء مین ستمبر و اپریل کے علاوہ تمام پرچے موجود ہین، اسی طرح اور جلدون کے بھی متفرق پرچے اب رہ گئے ہین، جن اصحاب کو ضرورت ہو منگا سکتے ہین، قیمت فی جلد صر فی پرچہ ۸ر

"منیجر"

مجلد ۲۰ ہستم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۷ء | عدد ۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آج عدالت عالیہ پنجاب کے ایک فیصلہ سے ہندوستان کی فضا مکدر، اور مسلمانون کے دل ملول وآزردہ بلکہ ایک حد تک غم وغصہ سے لبریز ہین، وہ قانون جس کے ذریعہ سے ہمیشہ سے بزرگانِ دین اور شارعینِ مذہب کی تحقیر وتذلیل کرنے والے سزایاب ہوتے تھے، عدالت عالیہ پنجاب نے اسی کے روسے اس قسم کے ایک ملزم (راجپال) کو بے قصور پاکر رہا کر دیا، اور عین اسوقت جب اسی عزت واختیار کی ایک اور صوبہ کی عدالت عالیہ (الہ آباد) اسی قانون کے رو سے ایک مجرم کو سزا دے رہی تھی، پنجاب کی عدالت عالیہ اس قانون کے روسے اوسی قسم کے مجرم کو بری کر رہی تھی،

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

شاید لوگون کو یاد ہو کہ آج سے غالباً اٹھائیس انتیس برس پہلے ایک پادری نے اسی قسم کی ایک کتاب امہات المومنین لکھی تھی تو وہ بھی مسلمانون کی چیخ پکار پر ضبطی کے قابل قرار پائی تھی، اور ایک مسلمان عالم اڈیٹر تحفۂ محمدیہ کانپور اس کتاب کا اسی رنگ مین سخت جواب لکھنے کے باعث ملزم قرار پائے تھے، اس قسم کے بیسیون واقعے انگریزی حکومت کی تاریخ ہند مین کوادہ مفقود ہین

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان اس شور وغل اور فریاد وبکا سے یہ نہین چاہتے کہ اسلام پر سنجیدہ مخالفانہ اعتراضات بند ہون، بعض عیسائی مستشرقین اور پادریون نے اپنی تصنیفات مین اسلام اور شارعِ اسلامؐ کی نسبت نہایت سخت اعتراضات کئے ہین، نولڈیک، میور، مارگولیتھ اور پادری فنڈر سے بڑھکر سیرت نبوی کے متعلق دل آزار انکی تحریرین اور کیا ہو سکتی ہین، اور وہ برابر ہندوستان مین فروخت ہو رہی ہین، مگر کبھی مسلمانون نے ان کے خلاف کوئی آواز

نہین چاہتی کہ وہ کسی قدر گستاخانہ ہون، تاہم وہ تضحیک و تحقیر کے پیرایہ مین نہین لکھی گئی ہین، مگر ایک ایسی
کتاب پر جسکا نام تک مسلمان اپنی زبان سے نہین لے سکتے اور جو سرتاپا تضحیک و تحقیر ہو وہ کبھی صبر نہین کر سکتے،

مسلمان اپنے مذہب اور شارعِ مذہبؐ پر اعتراض سے نہین گھبراتے کہ وہ اس کے مقابلہ کے لیے تو
ہر وقت سینہ سپر ہین، مگر سب و شتم اور گالی گلوچ کو وہ برداشت نہین کر سکتے، اور اس کے لیے مذہب اسلام مین وہی سزا
ہے جو ایک قاتل کیلئے ہے، ایک معصوم نبی کی عزت لینا، ایک انسان کی جان لینے سے کم اہم نہین ہے، یہ نہ خیال کیا جائے
کہ یہ حکم صرف غیر مسلمون کے لیے مخصوص ہے، بلکہ ایک مسلمان بھی کسی سچے پیغمبر کی تذلیل کرے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق
ہے اسی قانون کے رو سے اسلام نے ہر مذہب کے پیغمبرون کی عزت و ناموس کو برابر درجہ مین محفوظ رکھا ہے،

یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کو ہندوستان آئے بارہ سو برس ہوگئے، مگر انھون نے ہندوستان کے کسی رشی،
مہاتما، اور اوتار کے خلاف ایسی نازیبا حرکت نہین کی ہے، حالانکہ ان کا انبیا مین سے ہونا مسلمانون کو یقینی معلوم
بھی نہین ہے، تاہم امکان ہے، اسلیے انھون نے اس امکان کا ہمیشہ پاس کیا، مگر ہمارے ہموطنون نے ہمارے ان جذبات
کی قدر نہ کی، اور اپنے اس فعل سے اپنے اُس دھرم کو بھی بدنام کیا، جسکے متعلق ہم سنا کرتے ہین کہ اسکی وسعت پنہائی مین ہم بھی ہین،

مسلمانون کا اس معاملہ مین جوش و خروش اور واویلا ایک جائز حق کے مطالبہ کے لیے ہے، بلکہ چونکہ یہ قانون
صرف شارع علیہ السلام کے لیے نہ ہوگا، بلکہ تمام شارعینِ مذاہب اور بانیانِ دین اور بزرگانِ عالم کے لیے ہوگا، اسلیے اس
ملک کے تمام باشندون کا خواہ وہ کسی مذہب اور دھرم کے ہون فرض ہے کہ وہ اس تحریک کی دل و جان سے تائید کرین، اور مسلمانون
کے دوش بدوش ہو کر اس کے لئے کوشش کرین اور اس غرض سے ایک غیر مشتبہ قانون کے وضع کرنے پر حکومت کو مجبور کرین،

زیر ہندوں نے جابجا خاص طور سے اپنے ان بہادروں کی برسی منانے کی کوششیں کی ہیں جنھوں نے اسلامی سلطنتوں کا مقابلہ کیا ہے، ہندوستان کا کوئی عاقل باشندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مرے ہوئے بادشاہوں اور مٹی ہوئی حکومتوں کے خلاف ملک میں نفرت کے جذبات پیدا کرنے سے اس ملک کی موجودہ صورت حال کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، بجز اس کے کہ اپنے مسلمان ہمسایوں کی دلآزاری مقصود ہو، مسلمانوں نے بھی اس کے جواب دینے کی کوشش کی، چنانچہ اسی سال سندھ اور بعض مختلف علاقوں میں محمد بن قاسم ثقفی کی برسی منائی گئی ہے، ہندوؤں نے دکن و گجرات میں سیواجی کی برسی بڑی دھوم دھام سے منائی، اسکے جواب میں وہاں کے مسلمان اب محمد اورنگ زیب **عالمگیر** کا عرس کرنے کا تہیہ کر رہے ہیں،

افسوس ہے کہ ہم برانے شگون پر ناک کٹانے کا مشورہ نہیں دے سکتے، مسلمانوں میں مذہبی بزرگوں کے عرسوں کی محفلیں کیا کم تھیں کہ اب سیاسی عرسوں کا بھی آغاز کیا جائے، اور جو آگے چلکر بہرحال مذہبی حیثیت اختیار کر لیں گے، اس نقالی سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچیگا، بلکہ الٹا اس سے ان کے مذہب میں نئی بدعات کا آغاز ہوگا، بہرحال اس سلسلہ میں متعدد اصحاب نے عالمگیر کی ولادت اور وفات کا سال دریافت کیا ہے ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے، کہ اس مرحوم بادشاہ کی تاریخ ولادت یکشنبہ کی رات پندرہ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ اور تاریخ وفات جمعہ کا روز بعد طلوع آفتاب اٹھائیس ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ہے،

رقعات عالمگیری کی جمع و ترتیب کا جو کام ہمارے ہاں شروع ہوا تھا، مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم رفیق دار المصنفین کی وفات سے بند ہو گیا تھا، اب چند مہینوں سے ہمارے ایک دوسرے باہمت رفیق سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے نے شروع کیا ہے، "عالمگیریات" کے سب سے بڑے ماہر ہندوستان میں مشہور بنگالی مورخ بابو جدو ناتھ سرکار مانے جاتے ہیں، نجیب اشرف صاحب پٹنہ کالج میں ان کے شاگرد رہ چکے ہیں، اس تعلق سے

وہ سرکار صاحب کی سرکار میں استفادہ کی غرض سے کلکتہ گئے ہیں، سرکار صاحب کے پاس عالمگیر کی تاریخ کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، ہم مشکور ہیں کہ موصوف نے یہ تمام ذخیرہ ہمارے رفیق کو استعمال کی غرض سے عنایت کیا ہے،

سید نجیب اشرف صاحب کا جو خط آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کئی جلدوں میں سمائے گا، رقعات پر تاریخیں نہیں ہیں اسلیے انکی تاریخیں واقعات کی مدد سے مرتب کیجا رہی ہیں، مختلف مقامات سے رقعات کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے، اور رقعات کے ذیل میں مفید حواشی کا اضافہ ہو رہا ہے، اس مجموعہ کی پہلی جلد ابتدا سے تخت نشینی تک کے خطوط پر مشتمل ہوگی، تقریباً ۲۳ برس کے رقعات اس میں ہونگے، یہ جلد بھی دو حصوں پر منقسم ہوگی، پہلے حصہ میں اہل خاندان اور اعزہ کے اور دوسرے میں شاہجہان کے، اور اسکے اپنے ماتحت افسروں کے نام کے خطوط ہونگے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دار المصنفین کو اس کارنامہ کی تکمیل میں کامیابی عطا فرمائے، یہ مجموعہ تاریخ ادب کے سلسلہ میں انشاء اللہ عجیب چیز ہوگا،

لاہور میں ایک نوجوان باہمت صاحب قلم مولوی حفظ الرحمان صاحب نے صرف اپنی ذاتی محنت اور شوق میں اردو انسائیکلوپیڈیا کیلئے مضامین، مواد اور مسالہ جمع کرنے کا خیال پیدا کیا، اور ۱۲ سال سے وہ اس دُھن میں لگے ہوئے ہیں، چند صحاب اور مشیروں کی ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جسمیں ہندو اور مسلمان دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ اصحاب کے نام شامل کئے ہیں، گذشتہ اپریل میں مجھے انھوں نے اپنے دفتر حفظ العلوم میں لیجا کر یہ سارا سامان دکھایا تھا، اب سید حسرت موہانی صاحب نے اسکو دیکھا ہے اور اپنی ہمدردانہ رائے اسکے متعلق ظاہر کی ہے، ہمارے خیال میں موصوف نے انسائیکلوپیڈیا کے بجائے اردو لغات، محاورات اور اسمار و اعلام کا ایک تاریخی و ادبی قاموس تیار کیا ہے، جس طرح موجودہ عربی میں فرید وجدی نے کنز العلوم واللغۃ لکھا ہے، بہرحال آغاز کار ہونا چاہیئے، خواہ وہ کسی قدر ناتمام شکل میں ہو، موصوف کا یہ ذخیرہ کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح ایوت محل (برار) میں ایک صاحب ذوق اردو میں ایک اسلامی اصطلاحات کا لغت مرتب کر رہے ہیں،

مقالات

غزوات نبوی
فلسفۂ جنگ اور گذشتہ انبیاء اور اقوام کی لڑائیان

از
پروفیسر نواب علی ایم اے، بڑودہ کالج،

یاد ہوگا کہ مرہٹی انسائیکلو پیڈیا کے سلسلہ مین ہم نے لکھا تھا کہ ہمارے دوست پروفیسر نواب علی صاحب انسائیکلو پیڈیا مذکور مین اسلام اور پیغمبر اسلام پر جو بے بنیاد اعتراضات کئے گئے ہین ان کے جواب مین "وہ سیرۃ رسول اللہ" صلعم کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہین جس کے اب تک تقریباً دو سو صفحے ہو چکے ہین، اور جنمین وہ غزوۂ بنی نضیر تک پہنچے ہین، غزوات کے باب کا یہ پہلا ٹکڑا معارف کے لیے انھون نے بھیجا ہے، جسکو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہین،

پروفیسر نواب علی انگریزی تعلیم یافتہ گریجوایٹون مین پہلے شخص ہین جنھون نے آج سے ۱۸-۱۹ برس پیشتر تذکرۃ المصطفیٰ کے نام سے سیرت پاک پر اردو مین ایک کتاب لکھی تھی، امید ہے کہ اس طویل عرصہ مین موصوف کو مغرب و مشرق کے جو جدید معلومات حاصل ہوئے ہونگے یہ زیر تالیف کتاب ان سب کا مجموعہ ہوگی، اردو سے زیادہ اس کتاب کی انگریزی مین ضرورت ہے، اور وہ اس پر قادر ہین، کاش وہ پہلے اسی ضرورت کو پورا کرتے،

"اڈیٹر"

قبل اس کے کہ ہم غزوات کا ذکر شروع کرین مسئلۂ جنگ کو جس حیثیت سے کہ وہ مختلف اقوام

و مذاہب مین مانا جاتا ہے، اجمالاً بیان کرتے ہین،

انسان کے ظاہری اعضا کی ساخت اور قوت غضبی کا وجود جس سے وہ جلب منفعت اور دفع شر کرتا ہے، اس امر کے شاہد ہین کہ افراد و قبائل اور پھر رفتہ رفتہ اقوام مین جنگ کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے وہ اس دنیا مین جہان تنازع للبقا کا خونخوار تماشا نظر آتا ہے، آباد ہے، زن، زمین، زر ان تین چیزون کی ہوس نے اس کرۂ خاک مین وہ قیامت برپا کی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین، اگر دیارِ مصر کے اہرام کو جو فراعنہ کے جاہ و جلال کی یادگار ہین کشتون کا پشتہ کہا جائے تو فرات و دجلہ کو خون کی ندیان کہنا چاہیئے، جو بابل اور نینوا کی خونریزیون سے رنگین ہوئین، اگر سرزمین ہند آریون کے ہاتھون ایک قربانگاہ بنی جائے جہان غیر آریون کے لاشہ بے سر تڑپتے تھے تو ملک عجم کو آتش سوزان کہنا چاہیئے، جس نے ایرانیون اور تورانیون کے خرمن ہستی کو خاک سیاہ کر دیا، اگر تختۂ یونان کو آفت روزگار کہا جائے جس کی ایک مرغولہ حسینہ نے ٹرائے اور اس کے دلیرون کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے، اور جس کے ایک نوعمر فرزند نے فرکیانی کو خاک مین ملا کر مشرق سے مغرب تک ہلا دیا، تو دولت روما کو خونخوار بھیڑیا سمجھنا چاہیئے جس نے یورپ، ایشیا اور افریقہ کے کالے اور گورون کے تکّے بوٹے کرڈالے تھے، اگر کارتھیج کو زندہ نگل گیا تو اسرائیلی گلون کو چیر پھاڑ ڈالا، اگر بہادرانِ یونان کا خون پی گیا تو پہلوانانِ عجم کو جب موقع ملا زخمی کر دیا،

تاریخ کے صفحات اگرچہ ان خونی واقعات سے رنگین ہین، لیکن مشہور بانیانِ مذاہب، ہادیانِ ملت اور حکما نے اپنی تعلیمات سے بہت کچھ اس خطرناک مسئلہ کی آگ کو ٹھنڈی کر دیا ہے، آریون کی جنگ جوئی اگرچہ زبان زدِ خاص و عام ہے، اور چار ذاتون مین ایک ذات چھتری کا دھرم ہی یہی تھا کہ مارین اور مرین لیکن دیکھو مہابھارت کی ہولناک جنگ مین سری کرشن کس طور سے ارجن کو فلسفۂ جنگ سمجھاتے ہین،

"نیکون کی حفاظت، بدون کو غارت کرنے اور دھرم کو قائم کرنے کے لیے مین ہر جگ مین جنم لیتا ہون" (بھگوت گیتا)

جس طرح گوتم بودھ نے اپنے اعلیٰ اخلاقی اور فلسفیانہ تعلیم سے آتشِ جنگ کو ٹھنڈی کرنے کی کوشش کی ہے، ہنود کا مشہور مقنن منو جنگ کی حالت مین دیکھو کس طور سے چند امور کے لحاظ رکھنے کا حکم دیتا ہے،

"حصولِ منفعت کے لیے راجہ فوج کشی کرسکتا ہے" اسکو چاہیئے کہ بگلے کی طرح منصوبہ باندھے، شیر کی طرح اپنی طاقت دکھائے، بھیڑیے کی طرح شکار پر جھپٹے اور خرگوش کی طرح پسپائی کے وقت عمل کرے لیکن اسکو یہ بھی چاہیے کہ دیانتہ اور شریفانہ طور پر جنگ کرے، وہ ایسے ہتھیارون سے حملہ نہ کرے جو چھپے ہوئے ہون، یا زہر آلود ہون، یا جنکے سرے شعلہ زن ہون، اگر دشمن بھاگ کر پناہ مانگے تو پھر اس کو نہ مارے، اسی طرح ہیجڑے کو قتل نہ کرے، اور نہ ایسے شخص کو جو ہاتھ جوڑے کھڑا ہو یا اس طرح بھاگے کہ ہوا مین اس کے بال اڑ رہے ہون، اگر دشمن کا ہتھیار ٹوٹ جائے تو حملہ سے ہاتھ روک لے، اسی طرح اس شخص پر ہاتھ نہ اٹھائے جو زخمون سے چور چور ہوگیا ہو"

(سلسلۂ کتب مقدسہ مشرقیہ
قانون منو صفحہ ۲۳۱ و ۲۳۲)

حکمائے یونان نے مسئلۂ جنگ کو علم النفس کی روشنی مین دکھایا، انسان مین جبلی قوت غضبی جب حدِ اعتدال کو پہنچے تب فضیلتِ شجاعت حاصل ہوتی ہے، ورنہ حدِ افراط یعنی تہور اور حدِ تفریط یعنی جبن دونون مذموم ہین، یہی حال تمام صفاتِ حسنہ کا ہے، اسلیے عدالت جامعِ فضائل ہے اور یہی معیار ہے، افلاطون اپنی کتاب قوانین مین کہتا ہے کہ حاکم عادل کا فرض اولین یہ ہے کہ ملک و ملت کو صلح و آشتی سے آباد کرے، اور صرف ضرورت کے وقت جنگ مین مشغول ہو، لیکن جب معاملہ وحشی اقوام سے پڑے تو عدالت کے قوانین پر عمل دشوار ہوجاتا ہے، ارسطو اپنی کتاب سیاست مدن مین کہتا ہے کہ حفاظتِ ملت بدیہی فرض ہے افزائشِ ملت جنگ کے ذریعہ سے روا ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو، ایسی اقوام جنکی طینت مین محکومی ہے، ان پر استیلا روا ہے تاکہ امن وامان قائم رہے، ارسطو کا یہ آخر الذکر قول جو اسکندر کے حرصِ فتوحات کے لیے ایک دستاویز تھا دولتِ روما اور بعد کو اس کے جانشینون یعنی موجودہ یورپین سلطنتون کی ہوسِ ملک گیری

اور اقوام عالم کو اپنا محکوم بنانے کے لیے ایک بہانہ ہوگیا ہے، جسکے نتائج نہایت خوفناک ہین،

دولتِ روما اس مسئلہ مین یونان کی شاگرد تھی سسرو جوان کا بہترین شارع ہے کہتا ہے۔

"یہ خیال کر صلح کو جنگ کے واسطے مستعد ہونے کے لیے استعمال کرنا چاہیئے روا نہین صلح مطمح نظر ہے اور جنگ کو صرف ایک ذریعہ اس کے حصول کا سمجھنا چاہیئے، منافشات دور کرنے کے لیے جنگ ایک وحشیانہ اور غیر عاقلانہ طریقہ ہے ناجائز لڑائیان وہ ہین جن سے طمع کی وجہ سے غیرون کے مقبوضات حاصل کئے جائین، جائز لڑائیان وہ ہین جو تحفظات کے واسطے ہون اور جنسے دفع شر کیا جائے، تاوان حاصل کیا جائے یا سزا دیجائے، یا جن قومون سے قدرتی تعلقات ہین، یا معاہدہ ہے ان کی اعانت کے لیے جنگ کیجائے، اقتضائے عدالت یہ ہے کہ اعلان جنگ باقاعدہ مذہبی رسوم کے ساتھ ہو اور اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہو،

انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ پر جو احکام عشرہ نازل ہوئے تھے، ان مین ایک یہ تھا کہ قتل حرام ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خاص حالتون مین لڑائی کی اجازت تھی، توریت کتاب خروج مین لکھا ہے کہ خداوند یہوواہ فرماتا ہے کہ "بے گناہ اور نیکون کو قتل مت کرنا، کیونکہ مین بدون کا طرفدار نہین ہون، پردیسی پر ظلم مت کرنا، اسرائیل تجھکو معلوم ہے کہ اس کے دل کی کیا حالت ہوتی ہے کیونکہ تو خود بھی مصر مین غریب الدیار تھا، اور جب تم دشمنان دین سے لڑنے کو نکلو تو پہلے انھین صلح کا پیغام دو، اگر وہ مان جائین تو ان کو اپنا باجگذار بنالو، لیکن اگر وہ انکار کرین تو پھر محاصرہ کرو، اور فتح کے بعد مردون کو قتل کرو، لیکن عورتون اور بچون پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، اور جو کچھ مال غنیمت ملے اس کو اپنے صرف مین لاؤ،

بنی اسرائیل کو جن قومون سے سابقہ پڑا تھا وہ بڑی خونخوار اور بیرحم تھین، اسرائیلی آبادیون کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، اسیرانِ جنگ کو بے دریغ قتل کیا، حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالے، صلح کرکے پھر دھوکہ دیا، اور قتل وخون کا بازار گرم کردیا، بنی اسرائیل نے بھی اس کے جواب مین ویسے ہی

وحشیانہ فعل کئے حالانکہ ان کے پیغمبرون نے ان کو منع کیا لیکن انھون نے انکی تعلیمات پر عمل نہ کیا اور خشک فقیہانہ بحثون مین مبتلا ہو کر ایسے ظاہر پرست، قسی القلب اور گمراہ ہو گئے کہ خود اپنے پیغمبرون اور ناصحون کو قتل کرنے لگے، حضرت عیسیٰؑ کی مختصر زندگی تمامتر اسی کوشش مین صرف ہوئی کہ کسی طرح پتھر کے دل موم ہو جائین اور روحانیت پیدا ہو، مشہور پہاڑی والے وعظ مین جو آپ کی پاکیزہ تعلیمات کا گل سرسبد ہے وہ پیغمبر برحق جو روح اللہ ہے کس دلکش طریقہ سے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے، انجیل متی باب ۵ مین یہ وعظ مفصل مذکور ہے، سب سے پہلے آپ عجز و انکسار، نرم دلی، رحم، تقوی، صفاءِ باطن، تحمل و حلم کے فضائل بیان فرماتے ہین، پھر ارشاد ہوتا ہے "یہ مت سمجھا کہ مین توریت اور تعلیماتِ انبیاء کو غارت کرنے آیا ہون، مین صرف ان کو پورا کرنے آیا ہون" اس تمہید کے بعد آپ احکام عشرہ پر تبصرہ کرتے ہین اور فرماتے ہین ایک حکم یہ تھا کہ قتل مت کرنا، اب میری بات سنو مین کہتا ہون کہ اگر کوئی اپنے بھائی پر غصہ کرے اور برا کہے وہ بھی گنہگار ہے اور اگر اسکو کہے اے احمق تو عذابِ جہنم کا مستحق ہے،

ایک حکم یہ تھا کہ آنکھ کے عوض آنکھ، اور دانت کے عوض دانت، لیکن اب مین تم سے کہتا ہون کہ برائی کا بدلہ نہ لو اگر تمھارے ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے پیش کر دو اور اگر کوئی تیرے پیراہن پر دعوی کرے تو اسکو اپنی ردا بھی دیدے اور اگر کوئی ایک میل تک تجھے بیگار مین پکڑے تو دو میل اس کے ساتھ چلا جا،

ایک حکم یہ بھی تھا کہ اپنے ہمسایہ سے محبت اور دشمن سے نفرت کرو، اب میری بات سنو، اپنے دشمنون سے محبت کرو جو تم پر لعنت کرین ان کو برکت دو، جو تم سے نفرت کرین ان سے نیکی کرو اور جو تم کو آزار پہنچائین ان کے لیے دعا کرو تاکہ تم آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ، اسکا آفتاب نیکون اور بدون سب پر چمکتا ہے اور اس کے بادل عادل اور ظالم سب پر برستے ہین،

روحانی تعلیم کے ان نازک پھولون کو افسوس سیاہ دل یہود کے ناپاک ہاتھون نے مسل ڈالا

اور اس معصوم نبی اللہ کو نہایت بے دردی سے سولی پر چڑھا دیا، آخر خداوند یہواہ کا غضب نازل ہوا، رومیون نے سنہ ۷۰ء مین بیت المقدس کو تاخت و تاراج کرکے خاک سیاہ کر ڈالا یہود جو قتل و غارت سے بچے وہ سب کے سب جلا وطن کر دیئے گئے، اور اقصائے عالم مین منتشر ہوکر ذلیل و خوار پھرنے لگے سچ ہے ؎

حلم حق با تو مواساہا کند　　چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

مسیحی دنیا کا ایک مغالطہ | چوتھی صدی عیسوی مین جب رومیون کے بادشاہ قسطنطین نے دین مسیحی اختیار کیا، اور نصاری محکوم سے حاکم بنگئے تو اس وقت سے آج تک سلطنت کے نشہ مین حضرت مسیح کی روحانی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے، طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے عوض انھون نے شمشیر آبدار کے جوہر دکھائے ہین، پیرہن لینے والے کو انھون نے ردا کے عوض دار پر کھینچ دیا ہے، دشمنون سے محبت کرنے کے عوض انھون نے اس درجہ عداوت کی ہے کہ دنیا کو نمونۂ جہنم بنا دیا ہے، یورپ کے ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھو مسیحی فرقون کی باہمی جنگ و جدال، صلیبی لڑائیون کا سلسلہ، اسپین کے ہولناک مظالم، دول یورپ کے اقصائے عالم پر جائز و ناجائز طریقہ پر دست درازیان یہ وہ خونی داستان ہے جس سے ہمارے بیان کے ایک ایک حرف کی تصدیق ہو جائے گی، لیکن ہم کو یہان اس سے بحث نہین ہے کہ مسیحی دنیا نے ایسا کیون کیا اور اب تک ایسا کیون کر رہی ہے، ہم کو یہ دکھانا ہے کہ کس طرح، ردا کا خونخوار بھیڑیا مسیحی میمنہ کی کھال اوڑھ کر اہل عالم کو فریب دے رہا ہے،

مذکورۂ بالا پہاڑی والے وعظ کے حوالہ سے مسیحی دنیا نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کرتی ہے کہ ایسی سراپا رحم و کرم تعلیم کسی مذہب مین نہین، مسیح نے مذہب کے لیے نہ خود تلوار اٹھائی اور نہ اس کے اٹھانے کی اجازت دی ہے لیکن ان کا یہ دعوی واقعات پر مبنی نہین ہے، خود اسی پہاڑی والے وعظ مین جب حضرت مسیح نے تمہید مین پہلے یہ بیان کر دیا کہ آپ احکام توریت کو غارت کرنے نہین آئے بلکہ ان کو پورا کرنے آئے ہین تو جہاد کا حکم باقی رہا، ہان یہود مین جس قسم کی ظاہر پرستی اور قساوت پیدا ہوگئی تھی اسکی

درستی کی طرف آپ لے ہی اس پاکیزہ تعلیم سے توجہ کی، یہ صرف ہماری تشریح نہین ہے بلکہ ذیل مین ہم مشہور مسیحی پیشوایانِ دین کے اقوال ترجمہ کرکے درج کرتے ہین،

"مسیحی اصولون پر جنگ بعض اوقات جائز ہے جیسا کہ آگسٹائن کا فتویٰ ہے کہ اگر (۱) حکم خدا سے کوئی جنگ ہو (۲) ایک قوم دوسری قوم پر بلا وجہ لوٹنے کے لیے حملہ کرے تو یہ حملہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا اور ڈاکہ ڈالنا، اسلیے ایسی حالت مین بھی جنگ جائز ہے۔ ۔ ۔ آگسٹائن نے جو تحریر فلینوس کو بھیجی امین بت پرستون کا یہ اعتراض دفع کیا ہے کہ پہاڑی والے وعظ کی تعلیم جو عدم مقابلہ پر مبنی ہے وہ پبلک کے اصول کے خلاف اور ملت کے حق مین مضر ہے، حضرت مسیح کا یہ حکم کہ طمانچہ کھاکر دوسرا گال بھی پیش کردینا اس کو محض لفظی معنون مین لینا نہ چاہیے، کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہو کہ ظالم کے مقابلہ مین بالقوہ صابرانہ فراخدلی کی خو ڈالی جائے، نہ یہ کہ بالفعل بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے کیونکہ خود جناب مسیحؑ نے ظلم کے مقابلہ مین اپنی آواز بلند کی ہے (دیکھو یوحنا ۱۸ ؍ ۲۳ اور اعمال ۲۳ ؍ ۳) ہم کو ہمیشہ نرمی کی روح سے متاثر رہنا چاہیئے اور بدی کے عوض نیکی کرنا چاہیئے لیکن بہت سے ایسے امور بھی ہین کہ جنہین ہم کو صرف ہمارے ترحمانہ رجحان کا خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ دوسرون کے اصلی مفاد کا لحاظ چاہیئے، جو اگرچہ ہمارے نرم جذبات کے خلاف ہون، لیکن وہ مقتضی اس کے ہین کہ کسی قدر مشفقانہ درشتی سے عمل کیا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صلح کی غایت کیلئے جنگ صرف ایک ذریعہ ہے، بہتر اور عمدہ بات یہ ہو کہ صلح بجائے جنگ کے آشتی کے ذریعہ سے حاصل کیجائے

طامس اکوئنائین نے جس طور سے رفع اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد مین کہ جو کوئی تلوار اٹھائے گا، تلوار سے غارت ہوگا، تلوار اٹھانے کے معنی ناجائز طور پر اٹھانا ہین، اور اس ارشاد سے عوام کو بلا حکم شرع تلوار اٹھانے کی ممانعت ہے، متی ۵ ؍ ۳۹ مین اگرچہ یہ لکھا ہے کہ برائی کا مقابلہ نہ کرو اور بدلہ نہ لو لیکن ان احکام کی تعمیل نرم خوئی کے اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اور اسکی ضرورت نہین کہ ہم بدی کو بغیر سزا دیئے ہوئے رائج رہنے دین اور ہماری وجہ سے یہ بلا دور نہ ہونے پائے، اصلح کرانے والون

کو برکت اور جنگ کرنے والوں کو بد دعا اگرچہ دی گئی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی صلح کی غایت حاصل کرنے کے لیے صرف جنگ ہی سب سے بہتر اور واحد ذریعہ رہ جاتی ہے،

لوتھر نے مسیحی سپاہی کی حمایت زور شور سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل میں قدرتی حقوق اور فرائض تسلیم کئے گئے ہیں، کالون کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ عدالت کی عاملانہ کاروائی ہے، جسے خدا نے مجسٹریٹ کے سپرد کی ہے، اور اخلاقی طور پر جس طرح پولیس کی ضرورت ہے کہ باشندوں کو بد معاشوں سے محفوظ رکھے جنگ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے۔

عدم مقابلہ کی تعلیم کے ساتھ ہی مسیح نے مسئلہ سزائے اعمال پر بھی زور دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس ایسی کورانہ درشتی اور عدول حکمی کے باعث تباہ ہو جائے گا (متی ۲۳) اور قیامت کے احوال میں آپ نے بدوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچ دیا (متی ۲۵) پس جب قانون الٰہی یہی ہے کہ بدوں کو سزا دیجائے جبکہ خود خدا اگرچہ توبہ قبول کرکے عفو کرتا ہے، باغیوں کو جو اس کے احکام کسی طرح قبول نہیں کرتے شانِ قہاری کے ساتھ سزا دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دینِ عیسوی کسی قوم کو طریقِ الٰہی کے اتباع سے منع کرے اور بدی کو منع نہ کرے اور عدل قائم نہ ہونے دے، عدم مقابلہ کے قائل اگر اپنے مسئلہ کو اقوام کے لیے ایک قانون کی حیثیت سے جس پر عمل لازمی کر دیا ہے جاری کر دیں تو اس احکم الحاکمین پر جس طور سے کہ وہ عالم پر حکومت کر رہا ہے، بڑا سخت الزام عائد ہوتا ہے۔۔۔

مسیحی علما نے مسیح کی مجموعی تعلیم کے صرف ایک جز کو پیشِ نظر رکھکر فتویٰ دیا ہے یعنی وہ مسیح جو اخلاق الٰہی کا مظہر تھا جو عدل و محبت اور بردباری کا آئینہ تھا، اس نقطۂ نظر سے دین عیسوی ضمیر صاف کیساتھ ایسی جنگ کی اجازت دیتا ہے جو بہ اتباعِ احکام الٰہی ایسی دنیا میں برپا ہو جہاں ظلم و ناانصافی کا زور ہو، جہاں اس کے احکام توڑے جائیں اور جہاں اس کے حقانی اقتدار کا مقابلہ کیا جائے،

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۱۲ صفحہ ۶۷۹ و ۶۸۰)

آغازِ غزوات

حضرت مسیحؑ نے اس ایوبِ فتن دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

"مجھے ابھی تم سے بہت سے امور کہنا ہے لیکن اب تم کو ان کے تحمل کی طاقت نہیں لیکن جب وہ روحِ حق آئیگا وہ تمھیں تمام حق کی طرف ہدایت کریگا کیونکہ وہ خود اپنے نفس سے کچھ نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سنیگا وہ کہیگا" (یوحنا)

وہ روحِ حق جسکی شان یہ تھی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، اس نے مکہ مین تیرہ برس تک نہایت صبر و تحمل کے ساتھ حضرت مسیحؑ کی شانِ جمالی دکھائی اور ایسے نفوس کو شیفتۂ حق بنا دیا جنکا صدق و صفا، علم و عمل دنیا کو ہمیشہ یاد رہیگا پھر جب وہ مدینہ مین آیا اور اس قوم سے سابقہ پڑا جس نے مسیح کو دار پر کھینچا تھا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی شانِ جلالی کا جلوہ اس طور سے دکھایا جس سے وما ربك بظلام للعبيد کی جھلک صاف نظر آتی تھی،

اربابِ سیر اور مغازی نے غزوات کا آغاز اس طور سے کیا ہے کہ یہ صاف نظر نہین آتا کہ وہ وجوہ اور اسباب کیا تھے جنکی بنا پر اس طرزِ عمل کے بدلنے کی ضرورت پیش آئی جسکو تیرہ برس تک مکہ مین آنحضرت صلعم اور آپکے اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا، اس فن کے سب سے قدیم اساتذہ ابن اسحق اور واقدی ہین جو ایسے زمانہ مین تھے جب مسلم اور غیر مسلم سب ہی دین و مذہب کے لیے لڑنا فرضِ عین سمجھتے تھے اور اس لیے انھون نے مستقل طور پر ان وجوہ پر بحث نہین کی لیکن اس دورِ تہذیب مین جبکہ مذہب کو بالائے طاق رکھکر دندانِ آز تیز کر کے جنگ کا شکار سیاسیات کی ٹٹی کی آڑ سے اس طرح کھیلتے ہین کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے آنحضرت پر اس وجہ سے کہ آپ نے جہاد کیا طرح طرح کے اعتراض کرتے ہین، ایک کہتا ہے کہ آپ نے قزاقی کا پیشہ اختیار کیا، دوسرا بول اٹھتا ہے مدینہ مین آکر آپ جاہ طلب اور عیش پرست ہو گئے تیسرا غل مچاتا ہے پیغمبری کیسی

حکومت کا نشہ تھا فرعونکہ سے

ہر کسے از ظن خود شد یار من | وز درون من نجست اسرار من

كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا،

مدینہ کی زندگی کی کشمکش انصار کا مخلصانہ خیر مقدم اگرچہ ایک دلخوش کن نظارہ اور ترقیِ دین کے لیے نہایت ہمت افزا تھا لیکن چونکہ اب قصبہ کی مختلف الخیال اور مخلوط آبادی سے سابقہ تھا اور واقعۂ ہجرت سے قریش کے غیظ و غضب اور جوشِ انتقام کا طوفان افقِ مدینہ پر اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا، آنحضرت صلعم اور غریب الدیار مہاجرین کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، یہ شہر مکہ نہ تھا جہان چار ماہ تک لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی اور جہان اطرافِ عرب سے مختلف قبائل حج کے لیے آتے تھے جن سے ملکر آنحضرتؐ فرضِ تبلیغ ادا فرماتے تھے، یہ مدینہ تھا جہان ہر وقت جان کا خطرہ تھا اور تبلیغ کا دائرہ محدود ہوگیا تھا، یہان صرف قریش کا ایک ہی قبیلہ آباد نہ تھا جس کے افراد آنحضرتؐ اور مہاجرین بھی تھے، یہان ایک دوسرا قبیلہ آباد تھا جو اوس و خزرج کے نام سے مشہور تھا اور ایک اور گروہ بھی آباد تھا جو مذہبًا اور معاشرۃً ان سب سے بالکل الگ تھا، یہ مدینہ کے یہودی بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے جو زمیندارانہ حیثیت سے آراضی کے بڑے حصہ پر قابض تھے اور سودی لین دین کرکے کاشتکارون کا خون چوستے تھے، اوس و خزرج ان کے مقروض رہتے تھے، قرضہ کی کفالت مین عورتین اور بچے تک رہن ہو جاتے تھے، بنی قینقاع صناع تھے اور زرگری اور حدادی کا پیشہ کرتے تھے، عربی اور یہودی خون کی آمیزش سے یہ لوگ شجاع اور سرشور تھے، ان کے پاس اسلحۂ جنگ کا ذخیرہ موجود رہتا تھا اور کسی کی کچھ ہستی نہین سمجھتے تھے، گذشتہ صدی کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر گرائز مدینہ کے یہود کی حالت اور انکا برتاؤ رسول اللہؐ کے ساتھ جس طرح سے بیان کرتا ہے اس کا ترجمہ ہم ذیل مین درج کرتے ہین، پروفیسر موصوف نے یہود کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ عہدِ حضرت ابراہیمؑ سے ۱۸۷۰ء تک لکھی تھی، اس کا ترجمہ انگریزی مین پانچ ضخیم جلدون مین ہوا، اور ۱۸۹۲ء مین لیڈن سے شائع ہوا ہے،

(باقی)

دار الضرب سورت کے سکّے[1]

از

جناب محمد یوسف صاحب صدیقی بمبئی

اکبر اعظم نے ۲۳ شوال ۹۸۰ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۵۷۳ء مین سورت فتح کیا، اس کے قبل سلاطین گجرات کے سکے عموماً احمد آباد پایہ تخت گجرات سے مسکوک ہوتے تھے، سنہ فتح کے وقت سورت مین دار الضرب نہین تھا، ۹۸۵ھ مین دار الضرب سورت مین قائم ہوا، اور اکبر اعظم کا سکہ جو محمودی کے نام سے مشہور رہا، مسکوک ہوا، سکۂ محمودی دو پیمانہ کا مسکوک ہوا، ایک روپیہ کے برابر اور دوسرا اٹھنی کے برابر، سکۂ محمودی مدور ہے، بڑا ۷/۱۰ انچ قطر کا ہے اور چھوٹا ۹/۱۰ انچ قطر کا، یہ سکہ ادنیٰ درجہ کی چاندی کا ہے اور دار الضرب احمد آباد کے سکون سے جو اس وقت مسکوک ہوتے تھے کم درجہ کا ہے،

محمودی سکّے ۹۸۵ھ سے ۱۰۲۷ھ تک مسکوک ہوتے رہے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۱　رو: بادشاہ / اکبر / محمد / جلال الدین　　پشت: لا الہ الا اللہ / محمد / رسول اللہ

[1] فہرست ماخذ

۱- کٹلاگ برٹش میوزیم لندن
۲- " انڈین میوزیم کلکتہ
۳- " لاہور میوزیم
۵- جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی،
۶- جرنل انجمن مسکوکیات ہند،
۷- مرأت احمدی، (۱۰) مرأت سکندری،
۸- تاریخ گجرات مؤلفہ برڈ،

۴ ضمیمہ جات شعبہ مسکوکیات جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، ۹- سکہ جات سلاطین مغلیہ مرتبہ شاپور جی ہرمز جی ہودی والا، ایم اے

۱۰۳۶ھ کے بعد کا کوئی محمودی سکہ دیکھنے مین نہین آیا اور نہ کہین ذخیرہ مین موجود ہے، اس کے بعد دو سو سال تک محمودی سکے مسکوک نہین ہوئے، ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۷ھ مین محمودی سکے پھر مسکوک ہوئے جو اکثر ذخیرون مین پائے جاتے ہین،

بیالیس سال تک یعنی ۹۸۵ھ لغایتہ ۱۰۲۷ھ جو محمودی سکے مسکوک ہوتے رہے ان مین صرف عام شکل مین وقتاً فوقتاً محض خفیف تبدیلیان ہوتی رہین اور سنہ مسکوک درج کئے گئے، ۱۰۲۷ھ کے بعد دارالضرب سورت بہت ترقی کر گیا، اور اس دارالضرب مین سونے چاندی، اور تانبے کے سکے مسکوک ہوئے،

اکبر کی وفات ۱۰۱۴ھ مین ہوئی لیکن اس کے بعد بھی عہد جہانگیری مین نیز دو سو سال کے بعد جو محمودی سکے مسکوک ہوئے ان پر اکبر کا نام بدستور قائم رکھا گیا، صرف سنہ مسکوک ان پر درج کئے گئے،

ذیل مین ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کن کن بادشاہون کے سکے دارالضرب سورت سے مسکوک ہوئے اور ان سکون کے فلز کیا تھے،

نام بادشاہ	فلز
۱- جہانگیر	طلا، سیم، مس،
۲- شاہجہان اوّل	" "
۳- مرادبخش	سیم، مس،
۴- اورنگ زیب عالمگیر	طلا، سیم، مس،
۵- اعظم شاہ	سیم،
۶- شاہ عالم اول	طلا، سیم، مس،
۷- جہاندار شاہ	" " "
۸- فرخ سیر	سیم، مس،

نام بادشاہ	فلز
۹- رفیع الدرجات	سیم، مس
۱۰- شاہ جہان دوم	طلا، سیم
۱۱- محمد شاہ	طلا، سیم، مس،
۱۲- احمد شاہ	سیم
۱۳- عالمگیر دوم	"
۱۴- شاہجہان سوم	"
۱۵- شاہ عالم دوم	طلا، سیم

اب ہم ان بادشاہون کے سکون کی کیفیت درج کرتے ہین،

جہانگیر

سنہ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء لغایتہ سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء

دور اول سنہ ۱۰۱۴ھ لغایتہ سنہ ۱۰۳۳ھ۔ اس دور مین روپیہ اور اٹھنی مسکوک ہوئے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۲

نور الدین جہانگیر بادشاہ ۱۰۳۱

ماہ فروردی الہی سنہ ۱۷ ضرب سورت

ان سکون مین سنہ ہجری و سنہ جلوس دونون درج ہین، لاہور میوزیم مین (کٹلاگ۔ نمبر ۱۳۱ و نمبر ۱۷۹) اس نمونہ کے دو روپیے ہین جنمین لفظ الہی پائے مجہول سے لکھا ہوا ہے، ایک مین لفظ سنہ لکھا ہوا نہین ہے، دونون روپیون کی پشت کی عبارت اس طرح پر ہے،

(۱) ماہ آبان الہے ضرب ۱۷ سورت

(۲) ماہ بہمن الہے ضرب سورت سنہ

دور دوم سنہ ۱۰۳۳ھ لغایت سنہ ۱۰۳۴ھ، اس دور مین جتنی مہرین، روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین ان پر ایک شعر درج ہوا، رو کی جانب مصرعہ اول ہے جسمین جہانگیر کا نام ہے اور پشت کی جانب دوسرا مصرعہ ہے جس پر نورجہان بیگم کا نام ثبت ہے اور وہ شعر یہ ہے

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور

بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

اس نمونہ کی ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے (کیٹلاگ میوزیم نمبر ۳۱۵) دوسرے ذخیرون مین روپیہ اور اٹھنیان موجود ہین،

نمبر ۳ رو

ز حکم شاہ جہانگیر
یافت صد زیور
سورت
ضرب

پشت

بادشاہ
جہان
بنام نور
بیگم زر
سنہ ۱۰۳۳ ۱۹

شاہ جہان

سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء لغایتہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

عہد شاہ جہانی مین مدور و مربع پر دو اقسام کے سکے دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئے، عبارت اور نقوش بھی ان کے مختلف ہین،

سنہ ۱۰۳۷ھ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۴

رو

شاہ جہان
سکہ
رائج باد
سورت
ضرب

پشت

لا الہ الا اللہ
محمد
رسول اللہ
سنہ
۱۰۳۷

اسی سنہ کا ایک اور روپیہ بھی ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۵

رو: غازی / جهان بادشاه / شاه / صاحبقران ثانی / محمد شهاب الدین

پشت: لا اله الا الله / محمد رسول الله / سنه ۱۰۳۷ / ضرب سورت

۱۰۳۷ سنہ کے دو خوبصورت سکے، روپیہ اور اٹھنی ہین جنپر ذیل کی عبارت درج ہے، ان سکون کی عبارت دو دائرون سے گھری ہوئی ہے اور دونون دائرون کے درمیان مین ایک دائرہ نقطون کا ہے

نمبر ۶

رو: بادشاه غازی / شاهجهان سنه احد / محمد شهاب الدین / صاحب قران ثانی

پشت: لا اله الا الله / محمد رسول الله / ضرب سورت / سنه ۱۰۳۷ هجری

ہجری کا نقش [illegible] سنہ ت سکون پر درج ہونا شروع ہوا، اس عہد کے چند روپیہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہین جنپر سنہ جلوس ثبت نہین ہے،

سنہ الہی ۲ کی دو طلائی مہرین اس عہد کی پائی جاتی ہین، ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے، اور دوسری مہر لاہور میوزیم مین، ان پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۷

رو: عبارت مثل نمبر ۶

پشت: لا اله الا الله / محمد رسول الله / ضرب / سنه سورت ۲ الہی / ماه فروردی

سنہ ۱۰۴۶ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت کا ایک حصہ وسطی مربع جگہ مین ہے اور بقیہ عبارت اس کے چارون طرف درج ہے، نمونہ درج ذیل ہے،

نمبر ۸

رو: بادشاه غازی / شاهجهان / قران ثانی

پشت: لا اله الا الله / محمد رسول الله / بعدل ابی بکر

اس سکہ مین سنہ ہجری وسنہ جلوس دونون پشت کی طرف درج ہین،

سنہ ۱۰۴۶ھ کا ایک طلائی سکہ (مہر) ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہے جس پر سنہ جلوس رُو اور پشت دونون طرف ثبت ہے،

سنہ ۱۰۴۹ھ کا ایک روپیہ ہے جس پر سنہ جلوس بجائے پشت پر مربع حصہ مین درج ہونے کے رو کی جانب داہنی طرف حاشیہ پر اس طرح درج ہے، محمد صاحب ۱۳ عبارت بالکل نمبر ۸ کی طرح ہے،

سنہ ۱۰۵۲ھ سے سنہ ۱۰۶۷ھ تک جتنے روپیہ مسکوک ہوئے ان پر عبارت تو مثل نمبر ۸ کے ہے لیکن سنہ جلوس عموماً رو کی جانب مربع حصہ مین داہنی طرف گوشہ مین درج ہے، دار الضرب سورت کے شاہجہانی سکے عموماً اسی نمونہ کے ہین،

عہد شاہ جہانی کے مربع سکے بھی دو ایک ذخیرون مین پائے جاتے ہین، اغلباً وہ سکے سنہ ۱۰۵۵ھ یا سنہ ۱۰۵۹ھ کے ہین،

سنہ ۱۰۵۷ھ ۲۱ جلوس کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۹

رو

پشت

سنہ ۱۰۶۷ھ ۳۱ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۱۰

رو

پشت

سنہ ۱۰۶۸ھ ۲ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر پشت کے حاشیہ کی عبارت داہنی طرف سے شروع ہوتی ہے،

انڈین میوزیم کے ذخیرہ میں ایک روپیہ سنہ ۱۰۶۸ھ ۳۱ جلوس کا ہے جس پر ۳۱ کا ہندسہ رو کی جانب لفظ شاہ کے نیچے درج ہے، اسکی عبارت مثل نمبر ۱ کے ہے،

عہد شاہ جہانی کے دو فلوس (سنہ ۱۰۶۸ھ ۳۰، ۲۹ جلوس) کے بعض بعض ذخیروں میں پائے جاتے ہین، ان کی عبارت ایک ہی ہے جو حسب ذیل ہے،

نمبر ۱۱

رو		پشت
شاہ جہانی جلوس ۳۰	مراد بخش سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷-۵۸ء	سورت ضرب سنہ ۱۰۶۷

شاہجہان جب مرض الموت مین مبتلا ہوا تو شاہزادہ مراد بخش یہ خبر سنتے ہی تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اپنا لقب مروج الدین قرار دیکر اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، مراد بخش کے عہد مین دو اقسام کے روپیہ اور اشرفی مسکوک ہوئے جن پر علی الترتیب یہ نقوش ہین،

نمبر ۱۲

رو	پشت
مراد شاہ غازی محمد سکندر ثانی زر صاحبقران ثانی گرفت اسکہ احمد	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ضرب سورت ۱۰۶۸

مراد بخش کا ایک فلوس بھی جس پر یہ عبارت درج ہے (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۰۴ء ضمیمہ مسکوکات)

نمبر ۱۳

رو	پشت
سنہ ۱۰۶۸ ۱ جلوس بادشاہ غازی محمد مراد بخش مروج الدین	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وعدل عمر

نمبر۱۴ رو مراد شاہی سورت احد پشت
جلوس ضرب

اورنگ زیب عالمگیر

سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء تا سنہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء

سنہ جلوس، ۱۰۷۰ھ میں جو سکّے مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہے

سکہ زد در جہان چو بدر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر

نمبر۱۵ رو: اورنگ عالمگیر زیب / شاہ / زد چو بدر منیر / سکہ / در جہان ۱۰۷۰ — پشت: بندر مبارک سورت / ضرب / میمنت مانوس / جلوس احد

یہ سکّہ اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ صرف اسی سنہ کے سکہ پر سورت کا لقب بندر مبارک درج ہے، اس لقب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت سورت ہی وہ بندر تھا جہاں سے ہندوستانی حجاج بغرض حج مکہ جاتے تھے، اور اسی مناسبت سے اس بندر کا لقب بندر مبارک رکھا گیا،

ڈاکٹر فرائر جو بغرض سیاحت ۱۰۸۴ھ میں ۱۶۷۳ء میں ہندوستان آیا وہ لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب کے چار جہاز ہمیشہ سورت میں تیار رہتے تھے اور حاجیون کو حج کے لیے بلاکرایہ لے جاتے تھے"۔

۱۰۷۱ھ میں جو سکّے مسکوک ہوئے ان کی عبارت تو اوّل الذکر سکہ کے مثل ہے صرف کسی قدر الفاظ
۲ جلوس
کی نشست میں فرق ہے، ان سکون پر رو اور پشت کے نقش اس طرح پر ہیں،

نمبر۱۶ رو: اورنگ عالم زیب گیر / شاہ ۵ / زد چو بدر منیر ۱۰۷۱ / سکہ / در جہان — پشت: سنہ ۳ جلوس / میمنت / مانوس / ضرب / سورت

سنہ جلوس ۷، کی ایک مہر برٹش میوزیم کے ذخیرہ میں موجود ہے (کٹلاگ میوزیم، نمبر ۷۰۰)

ان سنہ میں جو مہریں، روپیہ اور اٹھنیاں مسکوک ہوئیں ان پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۱۷ رو — مثل نمبر ۱۶

پشت — سنہ ۸ جلوس / میمنت / مانوس / سورت / ضرب

سنہ ۱۰۷۹ھ جلوس ۱۱ و سنہ ۱۰۸۰ھ جلوس ۱۲ میں جو روپیہ مسکوک ہوئے ان پر بعض میں پشت کی عبارت مثل نمبر ۱۶ کے ہے اور بعض میں مثل نمبر ۱۷ کے،

سنہ ۱۰۸۹ھ جلوس ۲۲ میں جو سکے مسکوک ہوئے ان پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۸ رو — اورنگ عالم زیب گیر / ۱۰۸۹ / شاہ / زد چو بدر منیر / سکہ / در جہان

پشت — مثل نمبر ۱۷

سنہ ۱۱۰۲ھ جلوس ۳۴ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۹ رو — اورنگ ۱۱۰۲ عالم زیب گیر / شاہ / چو بدر منیر / سکہ / در جہان

پشت — مانوس / میمنت / سنہ ۳۶ جلوس / ضرب / سورت

سنہ ۱۰۹۰ھ ۲۲ جلوس سے سنہ ۱۱۱۸ھ ۵۱ جلوس تک جتنی مہریں، روپیہ اور اٹھنیاں دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئیں وہ عموماً اسی نمونہ کی ہیں، انڈین میوزیم میں تین مہریں سنہ ۲۹ جلوس، سنہ ۳۰ جلوس اور سنہ ۴۲ جلوس کی ہیں،

اورنگ زیب کے عہد میں دار الضرب سورت سے دو نمونے کے مسی فلوس مسکوک ہوئے جنپر علی الترتیب یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۲۰- رو | اورنگ زیب فلوس شاہی | پشت (۱) | سورت سنہ ضرب | رو | مبارک سنہ ۲۲ جلوس | پشت (۲) | سورت سنہ ۱۰۸۹ ضرب | نمبر ۲۰ الف

اعظم شاہ

سنہ ۱۱۱۸-۱۹ھ ۱۷۰۷ء

اعظم شاہ کا ایک روپیہ سنہ ۱۱۱۹ھ کا ہے جسپر یہ شعر درج ہے،

سکہ زد در جہان بدولت و جاہ پادشاہ ممالک اعظم شاہ

نمبر ۲۱ رو: ممالک ۱۱۱۹ اعظم شاہ پادشاہ بدولت و جاہ سکہ زد در جہان — پشت: جلوس احد سنہ احد ضرب سورت

شاہ عالم اول

سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء لغایۃ سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء

اس عہد مین دار الضرب سورت سے مہرین، روپیہ، اور اٹھنیاں مسکوک ہوئین جنپر عبارت اس طرح نقش ہے، شاہ عالم اول کی ایک مہر انڈین میوزیم کے ذخیرہ مین موجود ہے (کیٹلاگ صفحہ ۰ نمبر ۱۰۹۰)

نمبر ۲۲ رو: ۱۱۲۲ غازی پادشاہ بہادر شاہ عالم سکہ مبارک — پشت: سنہ جلوس مانوس میمنت ضرب سورت

جہاندار شاہ

سنہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲-۱۳ء

جہاندار شاہ کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ شعر نقش ہے،

بزد سکہ برزر چو صاحب قرآن

جہاندار شہ بادشاہ جہان

نمبر ۲۳

رو (جہاندار شہ بادشاہ جہان چو صاحب قرآن ... ضرب زد ۱۱۲۴) مثل نمبر ۱۹ پشت

ایک دوسرا روپیہ اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر رو کی جانب بجائے لفظ زر کے تہ ہے،

اس عہد کی مہروں اور روپیوں پر یہ شعر بھی درج ہے ؎

در آفاق زد سکہ چو مہر و ماہ ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

نمبر ۲۴

رو (ابوالفتح غازی جہاندار شاہ چو مہر و ماہ سکہ در آفاق زد) مثل نمبر ۱۹ پشت

جہاندار شاہ کا ایک فلوس (مسی) بھی دار الضرب سورت کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۲۵

رو (جہاندار ... فلوس بادشاہ) (سنہ احد جلوس ضرب سورت) پشت

فرخ سیر

سنہ ۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ
۱۷۱۳-۱۷۱۹ع

دار الضرب سورت سے چاندی کے جو سکے فرخ سیر کے عہد مین مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہے

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر
بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

نمبر ۲۶ رو (بحر و بر فرخ سیر شاہ از فضل حق باد سکہ زد بر سیم و زر ۱۱۳۰) پشت (مثل نمبر ۱۹)

ایک فلوس بھی اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے ۔

نمبر ۲۷ رو (فرخ سیر شاہ فلوس باد) پشت (مثل نمبر ۱۹)

رفیع الدرجات

سنہ ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۹ء

رفیع الدرجات نے اپنے چند ماہہ دورِ حکومت مین حسب ذیل ہتم بالشان بیت کو اپنے روپیون کی زیب وزینت مین صرف کیا، وہ شعر یہ ہے ۔

زد سکہ بہند با ہزاران برکات — شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

نمبر ۲۸ رو (۱۱۳۱ از رفیع الدرجا برکا شاہنشہ بحر و بر زد با ہزاران سکہ بہ ہند) پشت (مثل نمبر ۱۹)

ایک فلوس بھی اس عہد کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے ۔

نمبر ۲۹ رو رفیع الدرجا پشت سنہ احد جلوس ضرب سورت

شاہ جہان دوم

سنہ ۱۱۳۱ھ
۱۷۱۹ء

اس عہد مین جو سکے مسکوک ہوئے ان پر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۳۰ رو

شاہ جہان ی
بادشاہ غازی
سکہ مبارک ۱۱۳۱

پشت

مثل نمبر ۱۹

محمد شاہ

سنہ ۱۱۳۱ھ لغایتہ سنہ ۱۱۶۱ھ
۱۷۱۹ء ۱۷۴۸ء

اس عہد مین مہرین، روپیہ اور پیسے مسکوک ہوئے، ایک مہر برٹش میوزیم کیٹلاگ نمبر ۹۵۳)
کے ذخیرہ مین موجود ہے، مہر اور روپیہ پر ایک شعر درج ہے، وہ شعر یہ ہے ؎

سکہ زد در جہان بلطف اللہ بادشاہ جہان محمد شاہ

روپیہ پر یہ شعر اس طرح درج ہے،

نمبر ۳۱ رو

بلطف اللہ محمد
بادشاہ زمان
سکہ
در جہان ۱۱۳۱

پشت

مثل نمبر ۱۹

اسی عہد کی ایک اور مہر (دیکھو کیٹلاگ برٹش میوزیم نمبر ۹۶ الف) اور روپیہ ہے جن پر
یہ نقش ثبت ہے،

نمبر ۳۲ رو

۱۱۳۳ محمد شاہ ی
بادشاہ غازی
سکہ مبارک

پشت

مثل نمبر ۱۹

دو نمونے کے مسی فلوس اس عہد مین مسکوک ہوئے جنکے نمونے یہ ہین،

نمبر ۳۳ رو

محمد شاہ
فلوس پادشاہ ۱۱۴۲

پشت مثل نمبر ۱۹

نمبر ۳۴

محمد شاہ غازی
فلوس .....

مثل نمبر ۱۹

احمد شاہ

سنہ ۱۱۶۱ھ لغایتہ سنہ ۱۱۶۷ھ
۱۷۴۸ء ۱۷۵۴ء

اس عہد کا ایک روپیہ پایا جاتا ہے جس پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۳۵

رو: احمد شاہ بہادر / بادشاہ غازی / سکۂ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

عالمگیر ثانی

سنہ ۱۱۶۷ھ لغایتہ سنہ ۱۱۷۳ھ
۱۷۵۴ء ۱۷۵۹ء

ایک عہد کا ایک ڈبل روپیہ اور روپیہ پایا جاتا ہے جن پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۳۶

رو: ۱۱۰۰ عالمگیر / بادشاہ غازی / سکۂ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

شاہ جہان سوم

۱۱۷۳-۱۱۷۴ھ
۱۷۵۹-۱۷۶۰ء

اس عہد مین روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین، عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۳۷

رو: ۱۱۷۰۰ شاہ جہان / بادشاہ غازی / سکۂ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

شاہ عالم ثانی

سنہ ۱۱۷۳ھ لغایتہ سنہ ۱۲۲۱ھ
۱۷۵۹ء ۱۸۰۶ء

اس عہد مین ڈبل روپیہ، روپیہ، اٹھنی اور دوانی مسکوک ہوئے، روپیہ پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۳۶

رو

۱۱۹۷
شاہ عالم
بادشاہ غازی
سکہ بہار

مثل نمبر ۱

پشت

سنہ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء سے شاہ عالم کے نام کے سکّے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے مسکوک ہونے لگے،
رو اور پشت کی نقش بالکل شاہ عالم کے روپیہ کی نقل ہے، کمپنی مذکور کا آخری سکہ جو شاہ عالم
کے نام سے مسکوک ہوا، اس پر ۴۶ سنہ جلوس درج ہے، اس کے بعد کا کوئی سکّہ نہین پایا جاتا،
ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے سنہ ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء مین اکبر کے نام سے محمودی سکّے بھی دوبارہ مسکوک ہوئے
اور دو سال تک مسکوک ہوتے رہے، اس کے بعد یہ سکہ بھی مسکوک ہونا بند ہوگیا،

سیرۃ النبیؐ

حصہ سوم

جس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہین جنکا ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہی، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین، اور جنکے حوالے قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶، قیمت باختلاف کاغذ عہ، سے،

"منیجر"

ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر،

از

مولوی ابو الخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ

ذیل کا دلچسپ اور پر از معلومات مضمون آیا ہوا، کاغذات مین پڑا رہ گیا تھا، صاحب مضمون کی داد دینی چاہیے کہ انھون نے "صبر ایوبی" سے کام لیا، اور دستور زمانہ کے مطابق انھون نے اسکی اشاعت کا کبھی تقاضا نہین کیا، آج ہم اس امانت کو اصل مالکون (ناظرین) تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے ہین، صاحب مضمون بہتر ہوتا، اگر اس کے اصل ماخذ کا پتہ بھی بتا دیتے، کہ حوالہ اور مزید استفادہ مین آسانی ہوتی،

"معارف"

کمپنی کی ابتدا سولھوین صدی کا آخری دن، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا دن تھا، انگلستان کے تاجر مشرق کی زرخیز منڈی، اور خاصکر ہندوستان کی بے پایان دولت کے افسانے سن سنکر للچا رہے تھے، جس پر ایک صدی سے ان کا بحری رقیب (پرتگال) بلا شرکت غیرے قابض تھا، اور اس کی زبردست قوت ان کی نوخیز جوشیلی امنگون کو طمع دلا رہی تھی کہ یہ بھی اپنے استعمار بحری کی کوششون کا مرکز اسی کے ساحلون کو بنائین، اگرچہ انگریز تاجرون کے کاروبار جزائر شرق الہند مین اب بھی پھیلے ہوئے تھے، لیکن اول تو اتنے دور دراز مقامات مین تجارت کی انفرادی کوششون کے لیے کامیابی کے مواقع بہت کم تھے، دوسرے اس زمانہ مین پرتگال مشرق کا تنہا بحری مالک

بنا ہوا تھا جس کی منتظم قوت کے مقابلہ مین انگریز تاجرون کی انفرادی جد وجہد کسی طرح بار آور نہین ہو سکتی تھی، اسلیے لندن کے انگریز تاجرون نے یہ محسوس کیا کہ انھین متحدہ قوت اور سرمایہ سے باقاعدہ تجارت کرنی چاہیے اور حکومت سے علاوہ تجارت کی اجازت کے جان و مال کی حفاظت کے لیے دفاعی قوتین رکھنے کا بھی اختیار حاصل کرنا چاہیے، اس زمانہ مین انگلستان کے تخت پر ملکہ الزبتھ متمکن تھی جو اپنی قوم کو دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا اور آباد و خوشحال دیکھنا چاہتی تھی، اس نے انگریز تاجرون کے اس ترقی خواہ شوق کی قدر کی، اور ۳۱ دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء کو اپنی "قوم کی عزت، رعایا کی دولت، جہازرانی کی ترقی اور مرتب و منتظم تجارت کے ذریعہ دولت عامہ کے ازدیاد" کی خاطر کمپنی کو ایک منشور عطا کیا، جو راہ ترقی مین انگریز قوم کا پہلا مگر مضبوط ترین قدم تھا، اور جس کا نتیجہ ہندوستان پر برطانی حکومت ہے، یہ کمپنی لندن کے (تقریباً) ۲۰۰ تاجرون نے ارل آف کمبرلینڈ کی رہنمائی مین ۷۰ ہزار پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم کی تھی، اور اس کا نام "جزائر شرق الہند مین تجارت کرنے والے لندن کے گورنر اور تاجر" تھا، کمپنی کو اس منشور کی رو سے راس امید سے میجلان کی آبناؤن تک، (عیسائی حکومتون کے مقبوضات کو چھوڑ کر) تمام آبادیون مین تجارت کی اجازت ملگئی، انفرادی تجارت بند کر دی گئی، اور ان انگریز تاجرون کو جو بحر ہند مین کمپنی سے علحدہ رہ کر تجارت کر رہے تھے تاج کا نافرمان قرار دیا گیا، اسی کے ساتھ کمپنی کو جنگی جہازون، بحری فوج اور سامان جنگ کے متعلق بھی خاص رعایتین عطا کین، اور یہ حق بھی دیا کہ جو انگریز تاجر بحر ہند مین انفرادی تجارت کرتے پائے جائین، ان کا مال و متاع معہ جہازون کے ضبط کر لے،

کمپنی کا کام کمپنی نے منشور حاصل کرتے ہی سواحل ہند کے ادنیٰ افسرون سے ملکر مختلف مقامات پر کاروبار پھیلا دیے، اور پھر جگہ بجگہ زمینین لے لے کر کوٹھیان، بحری اسٹیشن، اور مال گودام بنانے شروع کر دیے، لیکن بغیر شاہی حکومت کی اجازت کے، اس طرح زیادہ مدت تک کام نہین چل سکتا تھا، اور کاروبار مین ترقی و توسیع کی تو بالکل کوئی صورت ہی نہ تھی، اس لیے کمپنی نے اپنی ملکہ سے شہنشاہ اکبر کے دربار مین سفارت بھیجنے کی درخواست کی، سر جان ملڈن ہال، الزبتھ کا پہلا سفیر تھا جو سنہ ۱۶۰۳ء مین آگرہ پہنچکر سنہ ۱۶۰۵ء تک مقیم رہا،

بیان کیا جاتا ہو کہ وہ اکبر سے ویسی ہی مراعات حاصل کرنے مین کامیاب ہو گیا تھا، جیسی مراعات کچھ عرصہ قبل دولت عثمانیہ سے انگریز تاجرون کو حاصل ہو چکی تھین، لیکن یہ بات قابل اعتبار نہین ہے، الڈن ہال کے بعد ہاکنس، کیٹننگ، کیرج اور اڈورڈ کیے بعد دیگرے سفیر ہو کر آئے، مگر وہ مشرق کے درباری آداب سے ناواقف ہونے کے باعث کوئی اثر پیدا نہ کرسکے، آخر ۱۶۱۵ء مین چارلس اول نے سر تھامس رو کو سفیر مقرر کرکے بھیجا، وہ اس سے پہلے عثمانی دربار مین رہ کر مشرقی آداب سے واقف ہو چکا تھا، اس لیے وہ بہت کامیاب رہا، اور اس نے جہانگیری حکومت مین اچھے اثرات پیدا کرکے انگریزی تجارت کے لیے بہت سی رعائتین حاصل کرلین،

اتفاق سے اسی زمانہ مین کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے، جنھون نے مغل فرمانرواؤن کو ان کی طرف مائل کردیا، پرتگالی قزاق بحری ایک عرصہ سے بحر ہند مین پھیلے ہوئے تھے، اور ہمیشہ ہندوستان کے ساحلون پر چھاپے مارتے رہا کرتے تھے، حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ مین بھی، سمندرون مین کمزور تھی، اسلیے ان قزاقون کا تدارک اسکی قدرت سے باہر تھا، اسکی وجہ سے یہان کی بحری تجارت بالکل برباد ہو رہی تھی، اور حج کی راہ بھی اتنی پرخطر ہو گئی تھی کہ صرف وہی لوگ طوافِ کعبہ کا ارادہ کرتے تھے جنھین راہِ حج مین شہادت کی تمنا ہوتی تھی، ایسی صورت مین نوخیز انگریزی قوت کا ہندوستان کے ساحلون پر نمودار ہونا بہت بروقت تھا، جو حسن اتفاق سے پرتگال کی رقیب تھی، اس پر انھون نے ساحلی حاکمون سے اپنا اس طرح تعارف کرایا کہ ۱۶۱۲ء کے اواخر مین، پرتگالیون کے ایک زبردست بیڑے کو اپنی مختصر سی قوت سے تاپتی کے دہانہ پر شکست فاش دے کر بھگا دیا، مغلئ حاکمون پر ان کی اس فتح کا بہت اچھا اثر ہوا، انھین پرتگال کے بحری قزاقون کا قلع قمع کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی، وہ ان مین موجود تھی، اسلیے وہ انھین ایک کارآمد قوم سمجھنے لگے، اور بندرگاہ سورت، کیمبے، گوگو، اور احمد آباد مین کوٹھیان بنانے کی اجازت دیدی،

پرتگالیون نے ۱۶۱۵ء مین اس ہارے ہوئے میدان کو پھر جیتنا چاہا، اور اپنی ساری قوتین جمع کرکے پھر اسی جگہ لڑائی کی ٹھانی، جہان شکست کھائی تھی، انگریزون مین اس مقابلہ کا بالکل دم نہ تھا، مگر قسمت نے

ان کی مدد کی، پرتگالیوں نے حماقت سے دریائے کنارے پر ریگستانی سواحل کے پرپیچ رستوں میں اپنی زبردست قوت کو آوارہ کرکے برباد کردیا، یہ دیکھ کر انگریزوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، اور ان کی مٹھی بھر فوج نے پرتگالیوں کو ایسی شکست دی جو نومبر ۱۶۱۲ء کی شکست سے بھی زیادہ فاش اور فیصلہ کن تھی، اس کے بعد بحر عرب میں پرتگال کی قوت روز بروز کمزور ہوتی گئی، آخر ۱۶۳۲ء کی آخری شکست نے میڈرڈ کا صلح نامہ مرتب کرایا، جس میں پرتگال نے مشرق کا میدان بالکل ہار دیا، اور انگلستان کے لیے ہندوستان کی تجارت کا رستہ بہت کچھ صاف کردیا،

کمپنی کی ترقی پرتگالیوں کو شکستیں دے کر ان کی بحری قوت کو توڑ دینے کی وجہ سے کمپنی کو مغلوں کی بحری پولیس کا درجہ حاصل ہوگیا، اور اس پوزیشن نے اسے فطری چالاکیوں کے باعث ہندوستان کے ساحلوں کا مالک بنا دیا، پہلی ہی کوشش میں ایک اچھا بحری موقف (سورت) اس کے ہاتھ آگیا تھا، مگر یہ برابر اسی کوشش میں لگی رہی کہ تمام اچھے اچھے ساحلی اور غیر ساحلی مقامات میں اپنی کوٹھیاں قائم کر دے، اور بالآخر اس میں کامیاب ہوئی، ۱۶۱۶ء میں زیمرین نے اپنے پایۂ تخت کالی کٹ میں جگہ دی، ۱۶۲۰ء میں ہگلی پر کوٹھی قائم کرنے کی اجازت ملی، ۱۶۲۶ء میں مدراس سے ۲۰۰ میل اوپر ارگیمان میں کوٹھی اور قلعہ بنانے کی منظوری ملی، ۱۶۳۴ء میں ہگلی (بنگال) میں تجارتی مرکز قائم کرنے کا فرمان ملا، اور ۱۶۳۹ء میں چندرگری کے راجہ سری رنگا رائل نے فرانسس ڈے کو ترچناپلی میں قلعہ بنانے کی اجازت دی، جو سینٹ جارج کے نام سے مشہور ہے، اور جسے موجودہ شہر مدراس کا بنیادی پتھر کہنا چاہئیے، پھر ۱۶۶۱ء میں چارلس اول نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن برگانزا سے شادی کرکے جہیز میں بمبئی کا بہترین قدرتی بندرگاہ حاصل کیا، اور فوراً ہی ۱۰ پونڈ سالانہ (لگان) پر کمپنی کو دے دیا، اس کے بعد ۱۶۹۰ء میں جاب چرنک نے فورٹ ولیم تعمیر کیا، جو ترقی کرکے کلکتہ کا عظیم الشان شہر بنگیا،

مقبوضات کی تنظیم اس روز افزون ترقی وکامیابی نے کمپنی کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور اب اس نے

قائم کو ششون کے ساتھ تھوڑے تھوڑے علاقے ملحق کرکے ان کو بحری استحکامات سے مستحکم کرنا شروع کر دیا، اس کو سرانجام کرکے اپنے مقبوضات مین چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم کین، اور مدراس و بمبئی کو ان کا مرکز قرار دیا، ان مین ایک کے ماتحت مشرقی ساحل تھے اور دوسری کے ماتحت مغربی، بات یہ تھی کہ یہ مقامات دارالسلطنت سے بہت دور تھے، اور حکومت کو ان کی طرف کچھ زیادہ توجہ بھی نہ تھی، اسلئے یہان کمپنی کو من مانے عمل دخل کا موقع مل گیا، مگر بنگال کے علاقہ مین اسکی گنجائش نہ تھی، کیونکہ وہان حکومت کی قوت پوری طرح مضبوط تھی، اور اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ مغلی گورنر کے ماتحت محدود تجارت کرے،

یورپین حریف قوتین کمپنی نے جب ہندوستان کے ساحلون پر قدم رکھا تو یہان بحری تجارت کا میدان اس کے لیے خالی نہ تھا، بہت سی یورپین قوتین اسکی حریف تھین، معاملات مین دوست دشمن تھے، کمپنی کو کامل ڈیڑھ سو برس اپنے ان حریفون سے مقابلہ کرنے پڑے، اور بالآخر وہ نہایت شدید معرکون کے بعد اپنا تفوق قائم کرنے مین کامیاب ہوگئی، یہ معرکے جن حریف رقیبون سے ہوئے ان مین ڈچ، پرتگیز اور فرنچ خاص طور پر نمایان ہین،

سترہوین صدی کے اوائل مین ڈنمارک نے مشرقی تجارت کا حصہ دار بننا چاہا، اور ۱۶۱۶ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرکے کاروبار شروع کر دیا، مگر تھوڑے ہی دنون مین تجارت نے مذہبیت اختیار کر لی، اور ڈچ پادری تناولی، تنجور، بالاسور اور سیرام پور وغیرہ مین مذہبی تبلیغ کرنے لگے، تاہم ان لوگون نے نہایت عمدہ اصولون پر تجارت کی، اور اگر مرکزی حکومت کمپنی پر قبضہ کرکے نااہل منتظم مامور نہ کرتی، تو بہت ممکن تھا کہ یہ کمپنی برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا چراغ نہ جلنے دیتی،

دوسری حریف قوت پرتگال تھی، جو ایک صدی سے بحرِ ہند کی تجارت پر قابض تھی، لیکن اس کے مذہبی تعصب لوٹ مار، قتل و غارت اور وحشیانہ برتاؤ نے ملک و حکومت کو اس سے متنفر کر دیا تھا، اس لیے سواحلِ ہند پر انگریز کمپنی کے نمودار ہوتے ہی بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا گیا، اور اس طرح

یہ زمانہ ہی مین اپنے ایک زبردست حریف کو دبا لینے مین کامیاب ہو گئی،

لیکن انگریزی تفوق کے سب سے زیادہ حریف فرانسیسی ثابت ہوئے، پہلے پہل ۱۶۶۸ء مین فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت اور گول کنڈہ مین کوٹھیان بنائین، پھر ۱۶۷۴ء مین پانڈیچری کو خرید کر وہان قلعہ وغیرہ بھی تعمیر کی، انگریزون کی طرح ان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ ہندوستان کی بحری تجارت پر قبضہ کرین، اور بحر ہند مین کسی ایسی قوت کو نہ رہنے دین جو کسی وقت ہمارے تفوق کو چیلنج دے سکے، یہان دونون مین یہ خیال تھے کہ وہان دونون کے درمیان ایک طویل جنگ جاری ہو گئی، جس کے بہانے تو بہت سے تھے، مگر اصل مقصد وہی بحری و بری تفوق تھا، اس وقت فرانس کی استعماری پوزیشن ہر جگہ بہت بڑھی ہوئی تھی، جسے دیکھ کر ولیم آرنج کو رشک پیدا ہوا، اور اس نے فرانس کی استعماری کامیابیون کو روکنے کے لیے دول یورپ سے ساز باز کئے، جس کا نتیجہ جنگ صد سالہ (۱۶۸۹ تا ۱۸۱۵) تھا، یہ عداوت ہندوستان کے انگریز اور فرنچ تاجرون مین بھی منتقل ہوئی، وہ ایک دوسرے کے خلاف کوششین اور سازشین کرنے لگے، مگر ۱۷۴۴ء تک دونون کے درمیان کوئی اہم تصادم نہین ہوا، حالانکہ یورپ مین اب تک دو جنگین (ہشت سالہ ۱۶۸۹ء تا ۱۶۹۷ء اور یازدہ سالہ ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۳ء) ہو چکی تھین، اور تیسری کی طیاری تھی آخر یہان بھی دونون کے غبار نکلے، کرناٹک کے مسئلے نے دونون آتشگیر مادون کو ٹکرا دیا، اور ۲۰ برس کے لیے جنوبی ہند کو آتش زار بنا دیا، کرناٹک کی پہلی جنگ ۱۷۴۶ء مین شروع ہوئی، (یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کے میدان مین انگلستان، آسٹریا کی حمایت مین لڑ رہا تھا) اور ٹھیک اس زمانہ مین ختم ہوئی جب یورپ مین ایکس لاشاپل کی صلح (۱۷۴۸ء) ہوئی، اس لڑائی مین فوجی تصادم کے لحاظ سے اگرچہ فرانسیسی کامیاب اور انگریز ناکام تھے، مگر تاریخ کے اعتبار سے غالب و مغلوب دونون برابر تھے، فرانسیسیون کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا قائد اعظم، ڈوپلے ایک مدبر جنرل تھا، اور اس نے ہندوستانی سپاہیون کو فرنچ طریقہ پر تربیت دے کر اپنی قوت بہت بڑھا لی تھی، دوسری جنگ ۱۷۴۹ء مین شروع ہوئی، اب کے انگریزون کے پاس کلائیو جیسا پیدائشی جنرل

تھا، اور فرنچ گورنمنٹ نے ڈوپلے کی راہ مین انتہائی مشکلات پیدا کرکے اسے بالکل نہتا کر دیا تھا، اس لیے انگریز غالب اور فرانسیسی مغلوب تھے، انھون نے ترچناپلی مین ہتیار ڈالدیئے، (۱۷۵۲ء) لیکن فرنچ گورنمنٹ کی آنکھین اس کے بعد بھی نہ کھلین، اس نے ۱۷۵۴ مین ڈوپلے کو واپس بلا لیا، اور اسکی جگہ ایک ایسا نااہل گورنر بھیجا، جس مین نہ حالات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی نہ قوتِ عمل، اس کا نقطۂ نظر بالکل تاجرانہ تھا، اور وہ اس اصول سے قطعاً بے خبر تھا کہ ایک ایسی قوم کے مقابلہ مین جو تلوار سے اپنا تجارتی تفوق قائم کرنا چاہتی ہو صرف تلوار ہی سے اپنی تجارت کو قائم رکھا جا سکتا ہے، اس کے بنئے پن اور فرنچ گورنمنٹ کی کمزور پالیسی نے فوراً اپنا اثر دکھایا، ڈوپلے کے جاتے ہی سانڈرس کی گورنمنٹ نے اعلان جنگ کر دیا، کرناٹک کی تیسری جنگ بھی اپنے فیصلہ کن نتائج کے ساتھ شروع ہوگئی (جنوری ۱۷۶۰) اور سرآئرکوٹ نے وانڈی واش پر فرنچ قوت کو بالکل توڑ دیا، پھر ۱۷۶۱ مین ایرکوٹ کے آگے فرنچ انڈیا کا دارالحکومت (پانڈے چری) بھی تسلیم کر دیا گیا، اور آخر ۱۷۶۳ کی صلح پیرس پر کرناٹک کی جنگ سہ ڈوپلے، بسی، اور لالی کی پریشان خوابیون کے ختم ہو گئی،

اب ہندوستان انگریزون کے تمام یورپین حریفون سے خالی تھا،

کمپنی کا مقصد لیکن باوجود ان فوجی کاروائیون کے نہ صرف سترھوین بلکہ اٹھارھوین صدی کے اوائل تک انگریزون کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال نہ تھا، اور نہ مغلون کی عظیم الشان قوت کی موجودگی مین انھین اپنے چند جنگی جہازون پر اتنا غرہ ہو سکتا تھا، ایک صدی تک ان کا مقصد محض تاجرانہ تھا، اور ان کی ساری کوششین اسی مقصد کی کامیابی مین مرکوز تھین، وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ چاہتے تھے کہ بحرہند سے تمام یورپین رقیبون کو نکال کر ہندوستان کی تجارت کو اپنے لیے مخصوص کرلین،

لیکن پھر سوال یہ ہے کہ یہ تجارتی مقصد حکومت اور ملک گیری کی صورت مین کیسے بدل گیا؟ یہ مسئلہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے، مگر یہان اتنی گنجائش نہین ہے کہ اس پر تفصیلی

بحث کیجائے، یہ گفتگو ایک مستقل صحبت چاہتی ہے، یہان قارئینِ کرام کے لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ مطمحِ نظر انگریزون کا اپنا نہ تھا، بلکہ ایک فرنچ مدبر سپاہی کا تھا، جس نے متخیلۂ دماغ مین فرنچ امپائر کا قصر تعمیر کرنے کا منصوبہ باندھا تھا، انھون نے یہ عظیم الشان سلطنت اسی کے نظامِ عمل کو دلیلِ راہ بنا کر حاصل کی ہے،

دولت مغلیہ کا تنزل سنہ ۱۷۰۷ء مین اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی دولت مغلیہ جسم بے جان ہو گئی، اورنگ زیب نے اس پورے ملک کو ایک علم کے نیچے لانے کے لیے جو زبردست کام شروع کیا تھا موت نے اس کے سرانجام سے پہلے ہی مستقبل کے آگے اسکو سر جھکانے پر مجبور کر دیا، اس کے بعد اس کے جانشینون مین ایک بھی ایسا نہ ہوا، جو مزید فتوحات نہ ہی، کم از کم اپنی حاصل منزلت ہی کو قائم رکھ سکتا، آخر اصل کارفرما قوت کے روز افزون ضعف سے سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا، نئی نئی قوتین ابھرنے لگین، سارا ملک خود مختاری و لامرکزیت کے جراثیم سے ماؤف ہو گیا، شاہی دربار کی بدعنوانیون سے صوبہ دارون کو خود مختاریون کے اعلان پر مجبور ہو جانا پڑا، دکن مین نظام الملک آصف جاہ نے، اودھ مین سعادت علی خان برہان الملک نے، اور بنگال مین جعفر خان مرشد قلی نے اپنی اپنی آزاد حکومتین قائم کین، مرہٹون کی نوخیز منچلی قوت جس کو پوری طرح کچلنے سے پہلے اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا تھا، پھر ابھری، اور اس شد و مد سے ابھری کہ سارے ملک مین پھیل گئی، اور اگر پانی پت کے میدان مین احمد شاہ ابدالی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو شاید آج سارا ہندوستان اسی کی روندن مین ہوتا، پنجاب مین سکھون کی جوان قوت نے غیر معمولی جنگی روح کے ساتھ جنم لیا، اور بدامنی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا، غرض ایک طرف سارا ہندوستان خود مختاریون، اور نئی نئی قوتون کے باہمی تصادم سے پامال ہو رہا تھا، اور دوسری طرف دہلی شاہجہانی تخت پر ایسے کمزور و آرام طلب بادشاہ متمکن تھے جو بادشاہ گرجنرلون، خود غرض وزیرون، نمکحرام درباریون اور محلسرا کی عورتون کے ہاتھون مین کٹھ پتلی کی طرح حرکت کرتے تھے،

تجارت سے ملک گیری ان حالات مین ایک امنگون بھری نوخیز قوت کے لیے کسی زرخیز ملک کو فتح کرنے کا

خیال ایک فطری بات ہے، فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر جنرل، ڈوپلے نے اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کی حریف قوتوں کو تفرقہ و حکومت کے اصول پر باہم ٹکرانے اور حکومت کرنے کی اسکیم طیار کی، اس نے ایک حکومت کے دو دعوے دارون مین سے کمزور کا ساتھ دینے اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا کر عملاً خود حکومت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا، اور اس مین خاصا کامیاب رہا، لیکن انگریزون کا ستارہ عروج پر تھا، فرنچ گورنمنٹ نے اپنے لیے یورپ کے میدان کو زیادہ مفید سمجھا اور ڈوپلے کو واپس بلا لیا، مگر انگریزون نے تجویز کے اس نقشہ پر پورا پورا عمل کیا، اور اسی مین اپنی تمام قوتین مرکوز کر دین، جسکا نتیجہ صرف یہی نہین ہوا کہ فرنچ قوت کا ہندوستان سے کلیۃً استیصال ہوگیا بلکہ اسکی وجہ سے انگریز قوم سارے یورپ کے علی الرغم ایک شاندار مستقبل کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوگئی،

غاصبانہ فتوحات | کمپنی نے اس سلسلہ مین پہلا ہاتھ بنگال پر مارا، جو اسکی تمناؤن کا دیرینہ کا نشانہ تھا، اور ۱۷۵۷ء مین سراج الدولہ کو آخری شکست دے کر بنگال، بہار، اور اڑیسہ کو ٹھیکہ پر دینے لگی پھر ۱۷۶۵ء مین شاہ عالم ثانی سے "دیوانی" کی سند لیکر نوابی کا برائے نام سلسلہ بھی ختم کر دیا، ۱۷۸۱ء مین نواب آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لے کر راجہ جیت سنگھ کو آئے دن کے گرانقدر مطالبون سے تنگ کر دیا، اور جب اس نے انکی ادائی سے معذوری ظاہر کی تو معزول کر کے قید کر دیا، میسور کی زبردست قوت، جو یکے بعد دیگرے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی قیادت مین کمپنی کے لیے ایک زبردست خطرہ تھی، ۱۷۹۹ء مین ٹیپو کی جان کے ساتھ ختم ہوگئی، سعادت علی خان شجاع الدولہ کو طرح طرح مجبور کیا کہ وہ اپنے ملک کا پورا انتظام کمپنی کے حوالہ کر دے یا کم از کم اس کا نصف حصہ ہی انگریزی کنٹن جنٹ کے اخراجات کے لیے دیدے، اور آخر زبردستی اسی دوسری بات کو منوا کر ۱۸۰۱ء مین علاقہ دوآبہ پر قبضہ کر لیا، کرناٹک کے نواب محمد علی کے مرتے ہی انکی ریاست پر قبضہ جمایا، اور جب اس کا بھائی اپنے حق سے دست بردار ہونے پر طیار نہ ہوا تو ایک دوسرے دعویدار کو کھڑا کر کے اسے پنشن لیکر چپ ہو رہنے پر مجبور کر دیا، فرخ آباد کا نابالغ نواب بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا

کو ... دستی اسکی پنشن کرکے ریاست کو اپنے انتظام مین لے لیا، ۱۸۱۸ء مین مرہٹون کی طوفانی قوت بھی غبار ہوگئی، پیشوا، بھونسلا کے وسیع علاقے بمبئی اور صوبہ متوسط کے ساتھ ملحق ہوگئے، سندھیا، ہلکر، گیکواڑ نے برطانی اطاعت قبول کرلی، اس کے بعد ۱۸۴۹ء مین پنجاب بھی قبضہ مین آگیا، اور پھر ۱۸۵۶ء مین وہ آخری کانٹا بھی نکل گیا جو اگرچہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کی تکمیل مین کچھ بھی حارج نہ تھا مگر تاہم سنگ راہ تھا، اور اس لیے وجہ خلش تھا،

الفاروق

علامہ شبلیؒ

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرزِ حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے تیرہون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۴۱۲ صفحے، قیمت للعہ

المامون

علامہ شبلیؒ

خلیفہ مامون الرشید کے عہدِ سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۸ صفحے قیمت چار عہ

"منیجر"

سوشیالسٹ حکومت

از

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

(۳)

سوشیالزم اگر سوشیالسٹ گروہ کی خواہشون کے مطابق کامیاب ہوگی، تو ایک ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی، جس سے بہتر جمہوریت کا تخیل قائم نہین کیا جا سکتا، لیکن اس حالت مین اصلی سوال یہ ہے کہ سوشیالزم کے اصول مساوات اور اصول جمہوریت مین باہم توافق و اتحاد ہو سکتا ہے یا نہین؟

فلسفۂ طبعی کا یہ ایک متداول مسئلہ ہے کہ جب ماحول مین بتدریج مستمرًا تغیر پیدا ہوتا ہے، تو اس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی مین بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، ماحول کا ایک فوری اور کلی تغیر تو بے شبہہ ہلاکت و بربادی کا سبب ہوتا ہے، لیکن استمراری طور پر خفیف تدریجی تغیرات سے ترقی و نشو و نما ہوتی ہے،

فطرت کا یہ ایک ابدی قانون ہے اور وہ صرف محسوسات ہی پر نافذ نہین ہے، بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی حاوی ہے، اسلیے فتوحات و محاربات سے اجتماعی زندگی مین جو فوری اور کلی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، وہ جس طرح تمدن و تہذیب کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ایک مستمر اور تدریجی تغیر جو مختلف اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے تمدن و تہذیب مین ایک ایسا معتدل لطیف اور لچکدار تغیر پیدا کرتا رہتا ہے، جس سے انسان نہایت آہستہ آہستہ اس جدید تمدن کے لیے اپنے آپ کو موزون بنا لیتا ہے، آج تک دنیاے قدیم اور دنیاے جدید مین اسی اصول کے مطابق، غیر محسوس طور پر تدریجی تعلق پیدا ہوا ہے لیکن اس زمانے مین علمی اختراعات اور صنعتی تغیرات نے موجودہ فضا مین ایک ایسا غیر معمولی کلی اور فوری تغیر پیدا کر دیا ہے، جسکی نظیر سے دنیا

کی تاریخ خالی ہے، کیونکہ یہ تمدنی فضا اس قدر جلد بدل گئی ہے کہ انسان کو اسقدر کافی وقت نہین مل سکا ہے، جس مین وہ اپنے آپ کو اس کے لیے موزون بنا سکے، اس لیے ایک فوری اور کلی تغیر و انقلاب کی مہلک صورت پیدا ہو گئی ہے، اسلیے جو قدیم تمدنی اصول، دنیائے جدید کے تو پیدا تمدنی اصول کے ساتھ تدریجاً تو افق کا دیر پیدا کر لیتے تھے، اب باہم متناقض و حریف نظر آتے ہین، اور دنیائے جدید دنیائے قدیم سے بالکل الگ اور بے تعلق ہو گئی ہے، لیکن بہرحال اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ اجتماعی زندگی کوئی مصنوعی چیز نہین ہے، بلکہ اس کو بھی اسی قانون نے پیدا کیا ہے، جو انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کو عالم وجود مین لایا ہے، اور وہی قانون اپنی ہلاکت آفرین صورت مین اس کو تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے، لیکن شورش فرانس کے زمانے تک علوم جدیدہ نے بہت کم ترقی کی تھی، اسلیے اس شورش کے بانیون نے فلاسفہ کے خواب و خیال کو حقیقت سمجھ کر "اصول انسانیت" کی تائید کی، اور بڑی بڑی عمارتون پر حریت، مساوات، اور اخوت کے دلفریب الفاظ کندہ کیے، یہ اصول قائم کر لئے کہ "انسان کی فطری حالت یہی تھی، اور انسان کی فطری اصلاح کا یہی طریقہ ہے"، تمدن نے بے شبہ اس فطری حالت کو بدل دیا ہے، لیکن خود اس ظالمانہ اور غیر مساویانہ تمدن کو بدلا جا سکتا ہے، گویا ان کے نزدیک تمدن ایک مصنوعی چیز تھا، جسمین قانونی و سیاسی حیثیت سے تغیر و انقلاب پیدا کیا جا سکتا تھا، لیکن مسئلہ ارتقا نے ان کے ان مساویانہ نظریات و خیالات کو دفعۃً متزلزل کر دیا کیونکہ اس مسئلہ سے نہایت واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا مین ایک دائمی جنگ قائم ہے، جو ضعیفون کو ہمیشہ تباہ و برباد کرتی رہتی ہے، اور گو یہ ایک نہایت ظالمانہ اور خونریز جنگ ہے، لیکن اسی سے دنیوی ترقی وابستہ ہے، اور اگر اُس کا وجود نہ ہوتا تو انسان، دورِ وحشت سے نکلکر تمدنی مرغزارون مین گلگشت کرتا ہوا نظر نہ آتا،

اس فطری جنگ کی بناپر قوانینِ فطرت سے زیادہ کوئی چیز شخصیت پسند نہین، اسلیے ایک شخص نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:-

جس طرح انتخاب، انواع کا اصول ہے، اُسی طرح شخصیت اجتماع انسانی کا قانون ہے "

لیکن یہ خونریز عملی نظریہ جمہوری اصول محبت و اخوت کے دلفریب خواب سے، بالکل مختلف ہے، اور ان دونون مین بظاہر کسی طرح توافق و اتحاد نہین پیدا ہو سکتا، لیکن باین ہمہ یہ تناقض و تضاد صرف نظری حیثیت رکھتا ہے، عملی طور پر اگر جمہوریت کی صحیح تعریف کر دیجاے تو ان دونون مین کوئی اختلاف باقی نہین رہتا کیونکہ مسئلہ ارتقا کے موافق جمہوریت بھی شخصیت پسند واقع ہوئی ہے، یعنی وہ انسان کے بہترین اوصاف کا جنمین حسب و نسب کا ظاہری شرف بھی شامل ہے، انتخاب کرتی ہے، اس لیے وہ بھی قدیم شخصی حکومتون کی طرح انسانون کے منتخب برگزیدہ، اور طاقتور گروہ کو ترجیح دے کر قانون فطرت کے ساتھ توافق و اتحاد پیدا کر لیتی ہے، لیکن اس حقیقت کے واضح کرنے کے لیے ہم کو جمہوریت کی لفظی تعریف کو چھوڑ کر اسکی روح سے بحث کرنی چاہیئے، اور موسیو (لوجیہ) نے اس روح کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے،

"شخصیت اکابر کی ایک مختصر سی جماعت کو نمایان کرتی ہے، اور جمہوریت جمہور کی تہذیب و تربیت کرتی ہے، اور ان کی زندگی کو ترقی دیتی ہے، اسلیے شخصیت خواص کی ایک جماعت کو جو ہزارون فرمانبردار لوگون کا خلاصہ ہوتی ہے، پیدا کرتی ہے، اور جمہوریت ایک ایسے اجتماع عام کو عالم وجود مین لاتی ہے جس مین علم، اور عمل کی پیداکردہ نعمت انسانون کی ایک بہت بڑی تعداد پر تقسیم ہو جاتی ہے،،

اس بنا پر عملی اور نظری حیثیت سے جمہوریت اصولاً حقوق و آزادی مین کامل مساوات پیدا کرتی ہے لیکن اس مساوات سے طاقتور لوگون کے سوا دوسرا کون متمتع ہو سکتا ہے؟ اُن لوگون کے سوا جو لوگ موروثی قابلیت رکھتے ہین، اور تربیت اور دولت نے جنکی اس قابلیت کو ترقی دی ہے ان کے سوا ان حقوق کا حق دار کون ہو سکتا ہے؟ بلکہ جمہوری حکومت مین ان لوگون کے انتخاب کی شخصی حکومت سے بھی زیادہ گنجائش نکل آتی ہے، اسلیے اجتماعی زندگی مین جمہوریت اور ہر قسم کے طرزِ حکومت سے زیادہ ناہمواری پیدا

گئی ہے۔ شخصی حکومت تو صرف یہ کرتی تھی کہ جو محدود ناہمواری پہلے سے موجود تھی اسکو قائم رکھتی تھی، لیکن جمہوریت ایک غیر محدود ناہمواری پیدا کرکے صرف منتخب برگزیدہ اور طاقتور لوگون کو فائدہ پہنچاتی ہے کیونکہ قدیم زمانہ کی شخصیت جس طرح مخصوص موروثی اوصاف کی بنا پر انسانون کے مختلف مدارج اور مختلف طبقات قائم کردیتی تھی، بعینہٖ اسی طرح جمہوریت بھی اسی قسم کے مدارج اور طبقات قائم کردیتی ہے چنانچہ موسیو (تارو) فرماتے ہین،

"ہمارے نظام جمہوریت کی طرح ہر جمہوری نظام مین مستقل دستمر مدارج یا نو پیدا مراتب یقینی طور پر پائے جاتے ہین اور اب جو چیز قدیم سب کی قائم مقام ہوگئی ہے، اس سے واقف ہونا دشوار نہین ہے کیونکہ یہ چیز ان دفتری مراتب کا سلسلہ ہے جو اپنے مختلف مدارج کے لحاظ سے نہایت پیچدار ہوگیا ہے، اور روزانہ زندگی مسلہ ہم اسی کی ایک کڑی ہے جسکو موجودہ زمانے مین یورپ کی حکومتون نے مجبوراً عام فوجی نظام کے قالب مین ڈھال لیا ہے، پادریون، امیرون، رہبانون، شریفون گروہون، اور قدیم یادگار عمارتون کو اپنے درجون سے صرف اسلیے گرایا گیا ہے کہ اخبار کے اڈیٹر، سرمایہ دار، ارباب فن، مدبرین سیاست، ہیٹر، بنک، شراب خانے، اور فوجی چھاؤنیان اور اس قسم کی دوسری شاندار عمارتین جو ان دارالسلطنتون مین قائم ہین جو شہرت کا مرکز مین انکے زوال سے فائدہ اٹھائین، یا شہرت اور شرف ان بلند مراتب کے سلسلے سے الگ ہین جسپر جمہور قابض ہین، اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہین کہ جمہوری انقلاب شاندار شخصیت کے شرف یعنی جگمگاتے ہوئے تخت وکرسی کی عزت کو کم نہین کرتا بلکہ اونکی عظمت کو اور بڑھاتا ہے۔"

ان تصریحات کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑیگا، کہ جمہوریت اور شخصیت دونون یکسان طور پر انسانی گروہ کو مختلف مدارج وطبقات مین تقسیم کرتے ہین، البتہ ان دونون مین صرف یہ فرق ہے کہ جمہوری نظام مین ہر شخص اپنے آپ کو کسی طبقہ کی طرف منسوب کرسکتا ہے، لیکن جب تک موروثی قابلیتین اس کو ان لوگون

سے متاثر نہ کر سکین، جو ان قابلیتون سے محروم ہین، وہ کسی ممتاز طبقے مین کیونکر شامل ہو سکتا ہے؟ اب لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام بھی منتخب اشخاص کا خیر مقدم کرتا ہے، اس لیے اس سے صرف منتخب گروہ مسرت اندوز ہو سکتا ہے،

شخصیت اور جمہوریت کے ان یکسان اور ہموار نتائج کے ساتھ جمہوریت کی حقیقت دوسرے خطرات سے بھی گھری ہوئی ہے جن مین

۱۔ پہلا خطرہ یہ ہے کہ جمہوری نظام حکومت نہایت قیمتی گران اور کثیر المصارف ہے، چنانچہ ڈیون سی کہتا ہے کہ عنقریب نظام جمہوریت ہر نظام حکومت سے گران قیمت ہوجائیگا، اور ایک اخبار نے حسب ذیل الفاظ مین نہایت خوبی سے اسکی تفصیل کی ہے،

شخصی حکومت کی فضول خرچی، اور بادشاہ کے مشیر کارون پر جو اس کو فضول خرچی پر اپلیے آمادہ کرتے تھے کہ وہ ان پر دولت اور وظائف کی بارش کرتا رہے، رائے عام بالکل صحیح طور پر غضبناک ہوتی تھی، لیکن جب سے خود قوم بادشاہ ہو گئی ہے، کیا یہ مشیر کار فنا ہو گئے ہین؟ کیا اُن پریسیڈنٹون کی خواہش کے مطابق جنسے کوئی باز پرس نہین کیجا سکتی ان مشیر کارون کی تعداد مین اضافہ نہین ہو گیا ہے؟ تاریخی محل فرسا سے مین جبین بادشاہ کے تمام زرین مشیر کار سما جاتے تھے بے شبہہ یہ مشیر کار باقی نہین رہے، لیکن اب ہمارے شہرون، ہمارے دیہاتون، ہمارے ضلعون، اور ان تمام مقامات مین جہان انتخاب عام کو خود تھوڑا بہت حاکمانہ اقتدار حاصل ہے، اور وہ دوسرون کو تھوڑا بہت اقتدار عطا کر سکتا ہے، ان مشیر کارون کی تعداد بڑھ رہی ہے، اس اقتدار کو جہان کہین محتاج کر دینے والی فیاضی کی بشارت ملتی ہے، یا وہ زائد از ضرورت ملازمت کے ایجاد کرنے اور غیر مفید کام اور پبلک ملازمون کے دست دینے کا موقع پاتا ہے، اپنے ساتھ ان مشیر کارون کو بھی لے چلتا ہے،

ان مشیروں کا اصطلاحی نام جمہوری نظام حکومت مین ووٹر رکھا گیا ہے، اور ان ووٹرون کے مطالبات ومقاصد اگرچہ بعض حالتون مین نہایت غیر معتدل ہوتے ہین لیکن انتخابات کے ایک امیدوار کو چھوٹے بڑے ان کا احترام کرنا پڑتا ہے، اور گو بسا اوقات اس کے انتخاب کرنے والے شراب فروش چھوٹے چھوٹے سوداگر، اور ضعیف العقل لوگ ہوتے ہین لیکن اسکو ان کے سامنے سرجھکانا پڑتا ہے، اسلئے اگر انتخاب کرنے والا ایک امر محال کی بھی خواہش کرتا ہے، تو وہ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم قبل از وقت اصلاحات کی تائید کر دیتے ہین، اور اس کے نتائج سے بالکل آنکھ بند کر لیتے ہین، کیونکہ جو پارٹی جمہوری حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، وہ یہ جانتی ہے کہ جب تک وہ اپنی حریف پارٹیون سے زیادہ وعدے نہ کریگی اس کو کامیابی حاصل نہ ہوسکے گی،

۲۔ جمہوری نظام حکومت مین عوام کی مداخلت کا صرف یہی نتیجہ نہین ہوتا کہ مصارف مین غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے بلکہ اس نظام حکومت مین جو اجتماعی دشواری بھی پیش آجاتی ہے عوام کے نزدیک قانون پاس کر دینے سے ان کا ازالہ ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹون مین نہایت کثرت سے قوانین وضع کیے جاتے ہین، اور مختلف نظام بنائے جاتے ہین، لیکن ان کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہین ہوتا کہ افراد کی آزادی پہلے سے زیادہ شکنجے مین جکڑ جاتی ہے، اور اس دشواری مین اور بھی شدت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ اقتصادی عالم موسیو لوزاتی لکھتے ہین کہ:-

"حکومت جو نظام قائم کرتی ہے وہ نہ ہماری بدبخت فطرت مین کوئی تغیر پیدا کرتا، نہ ہم مین وہ فضائل پیدا کرتا جن کی ہم کو ضرورت ہے، نہ مزدوری مین اضافہ کرتا کہ دولت مین اضافہ ہو اور روپیہ پس انداز کیا جاسکے، اور یہ سب کچھ اسلیے ہوتا ہے کہ ہم عام قومی اقتصادی قوانین کے آگے سر جھکا دیتے ہین جو نہایت سخت ہوتے ہین،

۳۔ جمہوری نظام حکومت مین وزارتین بھی جلد جلد بدلتی رہتی ہین جس سے بہت سے نقصانات

پیدا ہوتے ہین، البتہ ان نقصانات کی تلافی اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ تبدیلی حقیقی اقتدار کو متعدد دفترون مین محدود رکھتی ہے جو ایک وزیر کی نگرانی مین ہوتے ہین، لیکن اس تبدیلی سے اسکو اتنا وقت نہین ملتا کہ وہ قدیم نظام اور قدیم طریقون کو جو ان دفترون کی طاقت کا اصلی ذریعہ ہوتے ہین بالکل بدلدے، اس لیے اس تغیر سے نظامِ حکومت مین کوئی مضر تغیر نہین پیدا ہونے پاتا، اس کے ساتھ ہر وزیر کو کام کرنے کا وقت چونکہ کم ملتا ہے، اسلیے اوسکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس مختصر سے زمانے مین وہ اپنی کوئی عمدہ یادگار چھوڑ جائے، اسلیے وہ بہت سے شریفانہ مطالبات کو نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے، اس تبدیلی سے شورشین بھی بہت کم پیدا ہوتی ہین، اور اس سے قوم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے،

۴- جمہوری نظامِ حکومت کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ نہایت معمولی سمجھ کے لوگون کو اربابِ حل وعقد کے زمرے مین شامل کر دیتا ہے جنہین صرف یہ قابلیت ہوتی ہے کہ بغیر غور و فکر کے ہر موضوع پر تقریر کرنے کے لیے تیار رہتے ہین اور کثرتِ دلائل سے اپنے حریفون کو خاموش کر دیتے ہین، اسلیے عالی دماغ لوگون کو جو بولنے سے پہلے غور و فکر کے عادی ہوتے ہین، نیابتی حکومتون مین کوئی جگہ نہین مل سکتی، اور پاسکال اور نیوٹن جیسے دماغ رکھنے والے لوگ بھی مردود و نا کارہ سے الگ کر دیئے جاتے ہین

اس پرگوئی کے علاوہ ان معمولی اشخاص کے نفوذ و اثر کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ جمہوری حکومتون مین تفوق و امتیاز کو نہایت ناگواری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اسلیے جو لوگ قوم کی نمائندگی کرتے ہین وہ قوم مین صرف اسطرح بارسوخ ہو سکتے ہین کہ وہ قومی خواہشون اور ضرورتون کی تائید و توصیف مین اپنی پرگوئی سے کام لین، اور قوم سے غیر ضروری وعدے کرین اور چونکہ انسان فطرۃً اپنے ہی درجہ کے لوگون سے انس و محبت رکھتا ہے، اسلیے جمہوری حکومتون مین اس قسم کے معمولی لوگون کو نہایت آسانی کے ساتھ بار مل جاتا ہے، چنانچہ ایک سیاسی اور نیابتی اخبار لکھتا ہے، کہ:-

"جماعت پست دماغ لوگون کو عالی دماغ لوگون پر ترجیح دیتی ہے، اور خاموشی کے ساتھ

غور وفکر کرنے والون سے زیادہ شور کرنے والون اور بہت بولنے والون کی طرف مائل ہوتی ہے جسکی وجہ وہ بیان کرتی ہے کہ خاموش غور وفکر کرنے والے اپنی رائے وانتخاب کا اظہار مشکل سے کرتے ہین، اس طرح جو معاملات پیش کئے جاتے ہین، جو احکام نافذ ہوتے ہین جن کامون کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، جن اشخاص کی حمایت مین آواز بلند کیجاتی ہے، اور جو اصحاب ان لوگون کو مدد دیتے ہین ان سب کی سطح نہایت پست ہوجاتی ہے اور ہم اس کو اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین،

۵- جمہوری نظام حکومت کی ایک اور نمایان خصوصیت رشوت خواری ہے، جسکا رواج امریکہ مین اس قدر زیادہ ہوگیا ہے کہ ہر قسم کا عہدہ، ہر قسم کا ووٹ، اور ہر قسم کا تفوق و امتیاز روپیہ کے ذریعہ سے خریدا جاسکتا ہے، چنانچہ مجلۂ عصریہ کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایات متحدہ مین صدر جمہوریہ کے انتخاب پر ... ملین صرف کیا جاتا ہے، اور یہ رقم وہان کے دولتمند لوگ ادا کرتے ہین، اور جو پارٹی انتخاب مین کامیاب ہوجاتی ہے اس کو اس سے زیادہ رقم حاصل ہوجاتی ہے، جتنی اس نے اپنی انتخابی جدوجہد مین صرف کی ہے، کیونکہ یہ کامیاب پارٹی سب سے پہلے قدیم عہدہ دارون کو علحدہ کر دیتی ہے تاکہ یہ عہدے اسکی جگہ جدید پارٹی کے ممبرون کو حاصل ہوسکین، پارٹیون کے لیڈر اس سے بھی زیادہ حریص ہوتے ہین، اور انتخابات مین ان کے سامنے بڑی بڑی رقمین پیش کیجاتی ہین، اگرچہ یورپ بھی امریکہ ہی کی طرح مال و دولت کا حریص ہے، لیکن ابھی یورپ مین اس علانیہ رشوت ستانی کا رواج نہین ہوا ہے کیونکہ یورپ مین قدیم رسم ورواج کی بنا پر ابھی تک اہل ثروت نہایت حقیر نگاہون سے دیکھے جاتے ہین، اوران کو خوش قسمت ڈاکو کا لقب دیا جاتا ہے، اسلیے وہ علما، ارباب فن، اور افسران جنگ کے برابر نہین خیال کئے جاتے، اور جب اُن کو مالی تفوق و امتیاز کی بنا پر کامیابیان ہوجاتی ہین، تو ان کو رشک وحسد کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے، لیکن امریکہ مین انسان کی اجتماعی قدر وقیمت کا معیار صرف روپیہ

اور وہان اسی کے ذریعہ سے انسانون کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے ہین، اسلیے یورپ مین عقلی و دماغی تفوق نے جو انسانی طبقے قائم کر دیئے ہین، ان کا امریکہ مین وجود نہین ہے، صرف تجارت اور صنعت و حرفت کی گرم بازاری ہے، اور ایک جج کی وقعت ایک معمولی تاجر سے زیادہ نہین ہے، بلکہ سرکاری عہدون کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف تنخواہ کی مالی فوائد سے لگایا جاتا ہے، اور سیاست و پالیٹکس کو ہر امریکن ایک تجارتی چیز خیال کرتا ہے، اسلیے جو شخص یہ تجارت کرتا ہے وہ غیر معمولی معاوضہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ مین اگرچہ مدبرین سیاست کا عقلی اور اخلاقی پایہ اس قدر پست ہو گیا ہے کہ لوگ ان کو غارتگر سمجھتے ہین، لیکن باین ہمہ ان سے ناراضی ظاہر نہین کرتے، لیکن چونکہ وہان مدبرین سیاست وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھے جاتے اس لیے اس کا کچھ بہت زیادہ نقصان بھی نمایان نہین ہونے پاتا، کیونکہ ولایات متحدہ مین حکومت کی مداخلت نہایت محدود ہے، اس لیے مدبرین سیاست، اور بعض تجارت پیشہ اور اہل حرفہ لوگون کے سوا یہ اخلاقی انحطاط عام طور پر نظر نہین آتا، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام حکومت صرف انھین قومون مین کامیاب ہوتا ہے، جو خود اعتمادی اور قوت ارادی کے اوصاف سے متصف ہوتی ہین، اور حکومت کی مداخلت کے بغیر بھی اپنے قومی مشاغل کو جاری رکھ سکتی ہین، حکومت کا یہ محدود اقتدار سرکاری عہدہ دارون کی رشوت خواری کو بھی بہت زیادہ عام اور بہت زیادہ نقصان رسان نہین ہونے دیتا، لیکن جہان حکومت کے اختیارات وسیع اور غیر محدود ہو جاتے ہین وہان اس اخلاقی پستی کا اثر ہر چیز مین نظر آتا ہے، اور لوٹ مار کا بازار عام طور پر گرم ہو جاتا ہے، یہ تو جمہوری حکومتون کی کیفیت ہے، جو صرف منتخب اور برگزیدہ لوگون کی جد و جہد سے قائم ہوتی ہے، اسلیے سوشیالسٹ حکومت جو محض عوام کے زور بازو سے قائم ہو گی اس مین یہ خطرات اور بھی زیادہ سخت ہو جائین گے

یادگارِ عماد الملک

ابن رشد کی تصنیفات

نواب عماد الملک مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مضمون

نواب عماد الملک مرحوم کے علمی و ادبی مضامین کا مجموعہ "رسائل عماد الملک" کے نام سے تو ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ لیکن بعض کارآمد اور مفید چیزیں جنکے طبع کرنے کا خیال رہا نواب صاحب مرحوم کو تھا رہ گئی ہیں۔ علامہ ابن رشد کے مصنفات کی ایک مختصر فہرست تو رسائل میں شائع ہو گئی ہے لیکن ایک دوسری فہرست بھی ہم کو نواب صاحب مرحوم کے مسودات میں ملی ہے جو معلوم نہیں کن اسباب کی بنا پر رسائل کے ساتھ شائع نہ ہو سکی علامہ ابن رشد کی تصانیف کا تذکرہ ہماری تاریخی کتابوں میں خال خال نظر آتا ہے، اسلیے یہ اہم فہرست ارباب علم کی دلچسپی کے لیے شائع کیجاتی ہے،

سید ہاشم ندوی
جامع تذکرۂ عماد الملک
دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن

ذکر مصنفات ابن رشد بطور اجمال

رینان لکھتا ہے کہ موجودہ پائے تخت ہسپانیہ (مادرڈ) کے شاہی کتاب خانہ مین ایک فہرست شیخ رئیس اور فارابی اور ابن رشد کے تصنیفات کی دیکھنے مین آئی جسمین اس حکیم کی اٹھتر کتابون کا نام موجود ہے، عیون الانباء مین پچاس کتابون کا ذکر ہے، ذہبی کی فہرست اسی کتاب سے منقول ہے، ابن آبار فقط چار ہی کا نام لیتا ہے، رینان نے جو فہرست یورپ کے کتاب خانون سے تیار کی اوسکی نقل ذیل مین درج کیجاتی ہے، اس مین شروح ارسطو شامل نہین ہین، ان کا تذکرہ علیحدہ کیا جائے گا،

فلسفیات،

تہافت التہافت، امام غزالی کے تہافت الفلاسفہ کے جواب مین نفس کتاب تین برس کے آگے مصر مین چھپی ہے، اس کا عبری اور لاطینی ترجمہ یورپ مین موجود ہے،

مقالہ فی الجرم السماوی، اس بحث مین کئی رسالہ ابن رشد نے تحریر کئے ہین اور یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے، ترجمہ لاطینی اور عبرانی مین موجود ہین،

اتصال العقل بالانسان مین دو کتابین ہین، لاطینی اور عبرانی ترجمہ انکے بھی موجود ہین،

کتاب فی الفحص ہل یمکن العقل الذی فینا وہو المسمی بالہیولانی ان یعقل الصور المفارقۃ بآخرہ او لایمکن ذلک وہو المطلوب الذی کان ارسطوطالیس وعدنا بالفحص عنہ فی کتاب النفس،

یہ کتاب جو اتنے طول طویل نام سے مذکور ہے عبری مین ترجمہ ہوئی تھی اور رسالہ فی العقل الہیولانی نام رکھا گیا تھا، لاطینی مین بھی ترجمہ اس رسالہ کا اور اسی مبحث مین اور دو رسالون کا موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد نے اس مبحث پر چار مستقل رسالے تحریر کیے ہین، اور علاوہ اس کے ارسطو کی کتاب کے باب روح کی تیسری فصل کی شرح مین بہت طویل بحث اسی مسئلہ پر لکھ گیا ہے،

شرح رسالہ اتصال العقل بالانسان لابن الصائغ،

بعض مقالات منطق ارسطو پر بحث اس نام کے دو رسالہ عبری میں موجود ہیں،

مقالۃ فی المقاییس الشرطیۃ

کتاب فی القوۃ الذہنی،

کتاب الضروری فی المنطق،

المقدمات الفلسفیۃ اسکا اصل عبری نسخہ فرانس کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے یہ بارہ مقدمات پر مشتمل ہے بایں تفصیل: (۱) المقدمۃ فی الموضوع والمحمول (۲) فی المعرف (۳) فی انالوطیقا الاول و ثانی (۴) فی القضایا (۵) فی القضیۃ من حیث الصدق والکذب (۶) فی القضایا الضروریۃ والنظریۃ (۷) فی البرہان (۸) فی لزوم الانتاج (۹) فیما یقترن الفارابی فی البرہان (۱۰) فی القوی العقلیۃ (۱۱) فی الحواس (۱۲) فی الصفات الاربعۃ"

تلخیص جوامع سیاست افلاطون، یہ کتاب افلاطون کی "ریپبلک" کی شرح ہے، اسکا ترجمہ عبری اور لاطینی زبان میں موجود ہے،

مقالۃ فی التعریف بجہۃ نظر ابی نصر فی کتبہ الموضوعۃ فی صناعۃ المنطق التی بایدی الناس وجہۃ نظر ارسطو فیہا ومقدار ما فی کتاب کتاب من اجزاء الصناعۃ الموجودۃ فی کتب ارسطاطالیس ومقدار ما ذا دالاختلاف فی نظریہما،

کلام علی قول ابی نصر الفارابی فی الفصل والجنس والفصل اس میں فارابی کے بعض منطقی مسائل کی شرح شامل ہے،

کتاب فی ما خالف ابو نصر لارسطو فی کتاب البرہان من ترتیبہ وقوانین البراہین والحدود،

مقالۃ فی الرد علی ابی علی بن سینا فی تقسیمہ الموجودات الی الممکن علی الاطلاق والممکن بذاتہ والی الواجب بغیرہ والواجب بذاتہ،

تلخیص الالٰہیات لنیقولادس،

مسئلہ فی ان اللہ تبارک و تعالیٰ یعلم الجزئیات،

مقالہ فی الوجود السرمدی والوجود الزمانی،

کتاب فی الفحص عن مسائل وقعت فی العلم الالٰہی فی کتاب الشفاء لابن سینا،

مقالہ فی فسخ شبہۃ من اعترض علی الحکیم و برہانہ فی وجود المادہ الاولی وتبیین ان برہان ارسطو ہو الحق المبین

مسئلہ فی الزمان،

مسائل فی الحکمۃ،

مقالہ فی العقل والمعقول، اسکا عربی نسخہ ماڈرڈ کے شاہی کتاب خانہ مین موجود ہے (نمبر ۱۰۵ کتابخانہ اسکوریل)

شرح مقالۃ الاسکندر الافرودسی فی العقل، اسکا عبری ترجمہ موجود ہے،

مسئلہ فی العلم النفس سئل عنہا فاجاب فیہا،

مقالہ فی العلم النفس و مقالہ اخری فی علم النفس، یہ دو نو رسالہ ہین،

کلام علی مسئلۃ من السماء والعالم،

علم کلام

فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال، اس کا عربی نسخہ مونخ مین طبع ہوا ہے اصل نسخہ ماڈرڈ مین موجود ہے، (نمبر ۶۲۹ کتاب خانہ اسکوریال) اور عبری ترجمہ پیرس اور لندن مین موجود ہے

فصل المقال کا ایک خلاصہ موسو مولر نے طبع کیا ہے، یہ وہی صاحب ہین جو خود فصل المقال کے چھاپنے کے تہیہ مین ہین،

مقالہ فی ان ما یعتقدہ المشاؤن و ما یعتقدہ المتکلمون من اہل ملتنا فی کیفیۃ وجود العالم متقارب فی المعنی

کتاب مناہج الادلہ، یہ اندلس میں کتاب خانہ اسکوریال میں موجود ہے (نمبر ۶۲۹) اسکو بھی موسو مولر

چھاپنے والے ہیں،

شرح عقیدۃ الامام المہدی: یہ شاید عبد اللہ محمد ابن تومرت بانی دولت موحدین سے متعلق ہے،

فقہ

نہایۃ المقتصد و غایۃ المجتہد فی الفقہ،

اختصار المستصفی للغزالی،

ایک کتاب تین جلدوں میں جسمیں بعض فتاوی کی خطاؤں سے بحث ہے، اسکا پتہ لاؤن افریقی کی

کتاب میں ملتا ہے،

فتاوی تین جلدوں میں، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال میں موجود ہے نمبر (۹۸۸)

کتاب جامع فقہ میں، اسکا عربی نسخہ اسی کتاب خانہ میں موجود ہے؛ (نمبر ۱۰۲۱ و ۱۰۲۲)

کتاب کفارہ ایضاً نمبر (۱۱۲۷)

کتاب خمس ایضاً ایضاً

ایک کتاب منافع ناجائز کے بیان میں، ایضاً (نمبر ۱۱۲۷)

ان کے علاوہ صاحب عیون الانباء فی طبقات الاطباء اور دو کتابوں کو ابن رشد کے ساتھ منسوب کرتا ہے

ایک کتاب التحصیل فی الفقہ اور دوسری المقدمات فی الفقہ مگر مونک اور ڈوزی کی تحقیق سے بطور یقین کہا جا سکتا

ہے کہ یہ کتابیں ابن رشد کے دادا ابو الولید کی تصنیفات سے ہیں،

ہیئت

مختصر المجسطی اسکا عبری ترجمہ بہت سے کتابخانوں میں موجود ہے،

ما یحتاج الیہ من کتاب اقلیدس فی المجسطی ولفظ اقلیدس فہرست اسکوریال میں مشکوک ہے،

ریناں لکھتا ہے کہ شاید اس سے گمدویس مراد ہے، اگر ممکن ہے کہ اقلیدس ہو)

کلام علی حرکۃ الجرم السماوی،

کلام علی رویۃ الاجرام الثابتۃ بادوار

علوم عربیہ

العنزوری فی النحو،

کلام علی الکلمۃ والاسم المشتق،

طب

الکلیات، سات جلدون مین چھٹی جلد اسکوریال کے کتاب خانہ مین موجود ہے،

شرح الارجوزۃ السینائیۃ اس کے عربی نسخے کئی کتابون مین موجود ہین،

مقالۃ فی التریاق، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۸۷۹)

مقالۃ فی الاسہال،

تلخیص کتاب الحمیات لجالینوس،

تلخیص القوی الطبیعیہ لجالینوس،

تلخیص کتاب العلل والاعراض لجالینوس،

یہ تینون تلخیص کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہین (نمبر ۸۷۹)

تلخیص کتاب التشخیص لجالینوس،

شرح کتاب الاسطقسات لجالینوس،

تلخیص کتاب المزاج لجالینوس،

تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ لجالینوس،

کتاب علی مسئلہ بین العلل والاعراض ۔

مقالہ فی المزاج اصل عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے ۔

مقالہ فی المفردات ۔

مقالہ فی المزاج المعتدل

مقالہ فی الادویۃ المسہلۃ

مقالہ فی نوائب الحمی ۔

مقالہ فی الحمیات العفن ۔

المراجعات والمباحث ما بین ابی بکر بن الطفیل و بین ابن رشد فی رسمہ الدوائی فی کتابہ الموسوم بالکلیات ۔

عربی کی دو نادر تاریخی کتابین

عربی زبان کی دو تاریخی کتابین مطبوعہ یورپ ہمارے ہان زیادہ آگئی ہین، جن صاحب کو ضرورت ہو ان کو خرید سکتے ہین، ایک عبدالواحد مراکشی کی المعجب فی تلخیص اخبار المغرب مراکش اور اسپین کی تاریخ ہے، مجلد مطبوعہ لیڈن قیمت ۲/

دوسری خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کا مطبوعہ ٹکڑا ہے جسکو جارجیس سالمون نے ۱۹۰۴ء مین شائع کیا تھا، غیر مجلد مطبوعہ پیرس قیمت ۲/

یہ دونون قیمتین یورپ کی اصلی ہین

منیجر

حکیم ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات

مترجمہ:۔ جناب مصطفیٰ کامل صاحب بی اے سپروائزر اردو اسکولز، کراچی،

مندرجہ ذیل مضمون مسٹر پال بیروکف کا لکھا ہوا ہے جو ٹالسٹائے کی اواخر زندگی مین ان کے رفیق سفر رہے، اور وفات کے بعد سچے شاگرد کی طرح اس کوشش مین مصروف ہین کہ اپنے پیشرو کی اعلیٰ زندگی کو نمایان کرنے کے لیے جملہ خطوط، تصانیف اور دیگر قیمتی دستاویزات کو منظر عام مین لائین جو ابھی تک ماسکو کے عجائب خانہ اور ٹالسٹائے کے کتب خانہ سے باہر نہین نکلین، "ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات" مصنفہ بیروکف سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ ٹالسٹائے اوائل زندگی ہی مین مشرقی اثرات سے متاثر ہو گئے تھے، جنپر آخر وقت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ یہ مضمون اسی کتاب کے دیباچہ کا ترجمہ ہے،

"مترجم"

حیات ٹالسٹائے کی زبردست تصنیف ختم کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ اس عظیم الشان ہستی کی زندگی کے مخصوص پہلوؤن پر گہری نظر ڈالی جائے، سب سے پہلے مین اس ملک کو لیتا ہون جسکی بابت خود ٹالسٹائے کو کافی واقفیت اور چشم بصیرت حاصل تھی اور جو آجکل تمام دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مجھے امید ہے کہ اس فلاسفر کی زندگی کا بست سالہ تجربہ کافی طور پر میری رہنمائی کریگا،

مغربی تہذیب پر جو الزامات وارد کیے جاتے ہین کسی سے پوشیدہ نہین، ملزمین و متہمین کا خیال ہے کہ مشرق کو صرف اس وجہ سے کہ ابھی تہذیب جدید کی زہریلی ہوا سے محفوظ ہے، مغربی اثرات سے پاک

وصاف رکھا جائے تاکہ وہ گذشتہ کی طرح روحانی تروتازگی کا واحد سرچشمہ بن سکے، ٹالسٹائے کی نگاہین بھی بار بار مشرق ہی کی طرف اٹھتی تھین، ان کے خطون، یادداشتون اور دیگر تحریرون کا مطالعہ کیجئے، خود معلوم ہوجائیگا کہ ٹالسٹائے کو کس درجہ تک مشرق سے وابستگی تھی،

جب ہم ٹالسٹائے کی سوانح عمری پر نظر ڈالتے ہین، اور اس یادداشت کو دیکھتے ہین جو بچپن کے حالات مین قلمبند لکھی ہے تو یہ بات صراحۃً معلوم ہوجاتی ہے کہ ٹالسٹائے کو شروع ہی سے مشرق کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ پیدا ہوگیا تھا، وہان لکھتے ہین کہ جب مین اپنی دادی کی خوابگاہ مین جاتا اور ایک نابینا پیر روسے ٹمٹماتی ہوئی روشنی مین روزانہ الف لیلہ کی عجیب وغریب داستانین سنتا تو مجھ پر بہت اثر ہوتا تھا، ان افسانون نے خوف وبیم کا جو گہرا اثر ٹالسٹائے کے دل پر چھوڑا عمر بھر زائل نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ قازان کالج کی تعلیم کے زمانہ مین انھون نے اول مشرقی علم ادب کو اپنے مطالعہ کے لیے انتخاب کیا، اور پھر بعض ناکامیون کی وجہ سے علم فقہ کو اخر جب اس مین بھی کامیابی نہ دیکھی تو برداشتہ ہو کر دو سال کے بعد دار العلوم کو خیرباد کہ دیا،

ٹالسٹائے نے اوائل یادداشت مین ۱۸۴۴ء کا ایک واقعہ قلمبند کیا ہے کہ جب ایک معمولی بیماری کے باعث چند دن قازان کے شفاخانہ مین گذارنے پڑے تو وہین ایک زخمی لامہ بھی پڑا ہوا تھا جسے راستہ مین کسی ڈاکو نے لوٹ لیا تھا، ٹالسٹائے کو یہ سنکر تعجب ہوا کہ لامہ کے بدھ مت کا پیرو ہونے کی حیثیت سے نہ صرف ڈاکو کا مقابلہ کرنے کو گناہ خیال کیا بلکہ آنکھین بند کرکے التجا اور اشتیاق کے ساتھ موت کا انتظار کرنے لگا، اس واقعہ نے نوجوان ٹالسٹائے کو بہت متاثر کیا اور اسی وقت سے مشرق کی قدر ومنزلت ان کے دل پر نقش ہوگئی،

قازان سے واپس ہو کر ٹالسٹائے نے جوانی کے چند سال رنگ رلیون مین گذارے تھے، کہ بڑے بھائی کے کہنے پر اسکو کوہ قاف جانا پڑا، اور وہان اسکو مشرقی تمدن اور مشرقی آبادی سے عموماً اور مسلمانون سے خصوصاً مدت تک واسطہ رہا، اور ہمیشہ کے لیے مسلمانون کے توکل، تدبر اور پرہیزگاری کا گرویدہ ہوگیا، کوہ قاف جاجی مراد اور اپنی دیگر تصانیف مین ٹالسٹائے نے ان تجربات کا خوب خاکہ کھینچا ہے، ۱۸۵۴ء مین فوجی ملازمت

سے علٰحدگی اختیار کی، جسکے بعد کئی سال تک وہ مشرقی ممالک سے بالکل بے تعلق اور مغربی اقوام سے متحد و متفق رہا لیکن قلب مضطرب کو طمانیت و سکون کا کوئی پہلو نصیب نہین ہوا،

سنہ ۱۸۷۱ء مین جب خرابی صحت کی بنا پر تعلیمی سرگرمیون کو خیرباد کہنا پڑا اور بہ سلسلۂ علاج سمارا کی گھاٹیون پر قوم باشقر (ایک ترکی تاتاری قوم) کے درمیان رہنے کا اتفاق ہوا تو خانہ بدوش باشقرون اور تاتاری مسلمانون کے ساتھ خیمہ مین رہا کرتا تھا اور گھوڑی کے دودھ کے پنیر پر زندگی گذارتا تھا، وہ تمام رسم و رواج جو اس کی تصانیف مین مذکور ہین انھین دوستون سے اوسکو حاصل ہوئے تھے،

جنگ و صلح، دنیا کرینیا، کی تصنیف کے زمانہ مین ٹالسٹائی نے کہانیون کا جو مسلسل نصاب مرتب کیا اس مین ہندی و عربی قصص کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت ٹالسٹائی مشرقی علم و ادب سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا، مذہبی اعتقادات مین فتور آنے سے پہلے ٹالسٹائی کو مشرق سے روحانی تعلق تھا اور اس کے بعد جب اسکی نظر ہندوستانی مذہب کے تنگ دائرہ سے نکل کر عالمگیر ہو گئی تو بھی روحانی شغف کے آثار اس مین موجود رہے،

اعترافات کو دیکھئے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رازِ حیات تک رسائی محال ہے عام انسانی زندگی اور اپنی خاص زندگی کی حالت کا نقشہ کھینچنے مین، مسافر، اژدہا، شیر اور چوہیا کے مشرقی قدیم قصے بیان کئے ہین اور اپنی سرگذشت کے ہر تاریک موقع پر مشرقی خیالات سے استنباط کیا ہے،

مندرجۂ بالا نقطۂ خیال کی بنا پر ٹالسٹائی نے تمام پادریون سے جداگانہ ایک نیا عیسائی عقیدہ وضع کیا اور اپنی طرف سے پیش قدمی کرکے بالاعلان تمام دنیا کو ریاضت و مجاہدۂ نفس کی طرف دعوت دینی شروع کی، چونکہ عیسائیت کے اصول اوسکی روحانی تسلی و تشفی مین عاجز تھے اس لیے مشرقی مذاہب کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہوا، اور بالآخر یہین سے کمال انسانیت حاصل کرنے کا مسالہ اسکے ہاتھ لگا،

اس سلسلہ مین سب سے پہلے ٹالسٹائی نے چینی فلسفہ کی سیر کی، اور مشرقی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرکے

ستھے ریاد داشتین اپنی ڈائری مین درج کین، چنانچہ ۱۸۸۴ء کی ایک عبارت ذیل مین درج کیجاتی ہے،

"کنفیوشس کا اصول سلامت روی، نیچر کی تکمیل کے لیے ایک عجیب وغریب عقیدہ ہے، جیسے دانائی طاقت اور زندگی کا سرچشمہ نیز تکمیل فہم وادراک کا ذریعہ کہہ سکتے ہین، اس طریقہ کے پیرو مضبوطی کے ساتھ اپنے اسی پیرو قائم رہتے ہین، آئندہ فوائد کا علم تو خدا کو ہے لیکن اتنا ضرور کہونگا کہ تمیز صفات، راستبازی اور یگانگت ہی مجھے اس سے بڑا نفع پہنچا، اس کا قول ہے کہ حق وصداقت صفات خداوندی ہین"،

قدیم چینی مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹالسٹائے نے ہندی فلسفہ پر نظر ڈالنی شروع کی، میکسمولر، برنوف، ریسڈیوڈز، بیحد جلتو وغیرہ کی تصانیف کو دیکھا، اور حیات بدھ کا خاکہ بھی تیار کرنا شروع کیا بعد دیگر مشاغل کی وجہ سے وہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، وہ کہا کرتا تھا کہ آفتاب فلسفہ مشرق کی شعاعین سرزمین روس تک پہنچنی چاہئین، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ ہر ایک کے اصول اتحاد کو روشن کرنے کے لیے تمام مذاہب کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت مین تیار کرے، مگر یہ تجویز بھی عمل جامہ سے بیگانہ رہ گئی، اور صرف "خیالات علما" ترتیب دیئے جاسکے، جس مین حضرت عیسیٰ کے علاوہ سقراط، بدھ، کرشن، لازرے، ایپکٹ وغیرہ رشیون کے اقوال نقل کئے گئے ہین،

گذشتہ صدی کے اختتام یا بالفاظ دیگر آئندہ صدی کے آغاز مین ٹالسٹائے بین الاقوامی مدبر تسلیم کرلیا گیا، تمام دنیانے یکسان طور پر رجوع کیا، ہر خطہ کے مصنفین اور فلسفی نہ صرف اپنی تصانیف بھیجنے لگے بلکہ باہمی خط وکتابت بھی ہونے لگی، بایں ہمہ ٹالسٹائے مشرق کا مدح سرا تھا، اور سوامی وویکانند کے فلسفہ تصوف بابا بھارتی کے کرشن، اور سری کرشنا چاریہ کے ویدانت یہ تصنیفات ہر وقت ان کے روبرو رہتی تھین،

ٹالسٹائے کے تعلقات ان لوگون کے ساتھ بہت زیادہ تھے جو استعمال قوت کو پسند نہین کرتے، وہ مشرقی اقوام سے پرزور اپیل کرتے ہین، کہ اس قدیمی جوہر کو خاک مین نہ ملاؤ، مغربی خطرات نگاہ مین رکھو اور حکومت کے تنخواہ دار عیسائی پادری قلوب کو مذہبی روشنی سے منور نہین کرسکتے،

رہنمایان و مصنفین مشرق کے ساتھ متواتر رابطۂ اتحاد و تبادلۂ خیالات رہنے سے ٹالسٹائے نے یہ ضرورت محسوس کی کہ حق و صداقت کے اصول یکجا جمع کرنے کی غرض سے ہ مطالعۂ تصنیف کیجائے، اپنی زندگی کے آخری سال انھون نے اس کام مین صرف کئے اور رفتہ رفتہ یہ تصنیف اس قابل ہوگئی کہ دنیا مین ایک ایسے عالمگیر مذہب کی بنیاد پڑ سکے جس مین قوم و ملت کا امتیاز نہ ہو اگرچہ دوران تالیف مین موصوف کا انتقال ہوگیا، تاہم کتاب مذکور اس قابل ہے کہ طبع ہو سکے، اور اس طرح تمام بنی نوع انسان ٹالسٹائے کے روحانی ورثہ سے متمتع ہون،

جب ہم ٹالسٹائے کے مذہبی خیالات کی ارتقائی کیفیت پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ تمام مروجہ رسوم اور ظاہری اختلافات یکے بعد دیگرے ترک کر دیئے جنکی وجہ سے انسان حق و صداقت کی تلاش مین بٹ جاتے ہین،

پادریون کی مجلس نے ٹالسٹائے کو مرتد قرار دیا، تو انھون نے نہایت فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات کو ظاہر کیا، کہ اوائل مین قومی مذہب اختیار کرنا جذبات خود غرضی کے ماتحت تھا مگر بعد مین عیسائیت کی بہم تعلیمات کے طفیل مین نے پاک بے مثل اور عالمگیر حقانیت حاصل کر لی،

ٹالسٹائے کی پہلے سال کی یادداشت مین یہ الفاظ درج ہین، چونکہ میرا مذہب تمام قیود سے پاک، دھات اور ہمہ گیر ہے اس لیے اگر بین الاقوامی کہا جائے تو کوئی تعجب نہین؟

ہم امید کرتے ہین کہ جب دنیا اس مغربی فلاسفر کے مشرقی خیالات کا مطالعہ کریگی تو حقیقی امن و فلاح کا دور دورہ شروع ہو جائے گا، اور دنیا کے قدیم و جدید کی مختلف راہین ایک متحدہ اور عام شاہراہ پیدا کرسکیگی،

ہندوستان کے شہرۂ آفاق شاعر ٹیگور کا خیال ہے کہ ہندوستان کی بڑی کرامت ہوگی، اگر یہان کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً ہندو، اسلام، بدھ، اور عیسائیت سب متحدہ ہو جائین گے، یہ اتحاد تشدد یا قابل نفرین خود فراموشی سے پیدا نہ ہوگا، بلکہ مختلف افراد قوم و ملت کے باہمی تعاون و یکدلی کا نتیجہ ہوگا؛

تلخیص و تبصرہ

چین کی تعلیمی زبان

ایک مصری ادیب حسین آفندی لبیب نے چین کے موجودہ انقلاب اور جنگ آزادی کی مناسبت سے وہان کے تعلیمی جدوجہد پر ایک مقالہ لکھا ہے جو المقتطف ا جون ۲۷ء میں شائع ہوا ہے، وہ لکھتے ہین عربی، فرانسیسی، انگریزی اور دیگر متعارف زبانون مین حروف تہجی سے الفاظ اور جملون کی ترکیب ہوتی ہے، لیکن چین کی زبان ان سب سے بالکل مختلف ہے، اس مین حروف تہجی کے بجائے بعض شکلین اور اشارے ہین، جو علحدہ علحدہ کسی خاص معنی و مفہوم کے لیے مخصوص ہین، اسلیے چینی زبان تلفظ کی زبان ہونے کے بجائے فکری و معنوی زبان ہے، چنانچہ جس طرح ہندسون کا ایک خاص عدد ایک خاص معنی کے لیے معین ہے، اسی طرح چینیون مین جس قدر معانی اور مفہوم ہین اسی قدر ہر ایک کے لیے جداگانہ اشارے اور شکلین متعین ہین، اہل علم نے مہمل، غیر مستعمل، اور مترادف شکلون کو حذف کرکے ایسی ۲۵ ہزار شکلین یا اشارے شمار کئے ہین، جو ۲۵ ہزار معانی کے لیے مستعمل ہین، درحقیقت یہ ۲۵ ہزار شکلین متعارف زبانون کے حروف تہجی کے مانند ہین، اسلیے چینی طالب علم کے لیے ان اشارون اور شکلون کا حفظ کرلینا اسی طرح ناگزیر ہے، جس طرح عام زبانون کے سیکھنے والون کو ان کے ۲۱ سے ۳۲ تک حروف تہجی کا یاد کر لینا،

اس سے اندازہ ہوگا کہ چینی طلبہ کو اپنی زبان سیکھنے کے لیے کتنی صعوبتین برداشت کرنی پڑتی ہین،

اس کے علاوہ ایک اور خاص دشواری یہ ہے کہ اس مین نہ افعال کے اشتقاق ہین اور نہ اسمار کے لیے تذکیر و تانیث اور جمع و واحد ہین، اسلیے ان تمام چیزون کے لیے یا تو جداگانہ اشارے معین ہین،

یا لفظ مین وصل و فصل اور اعراب، عدد وغیرہ جیسے تعریفات اختیار کرتے ہین، ان وجوہ سے اس کی صرف و نحو بھی نہایت دشوار ہے، مگر ان شکلون کی کتابت کا طریقہ اس سے بھی زیادہ دشوار ہے، کیونکہ چینی زبان کی کتابت کل چھ خطوط مین منحصر ہے، انہین خطوط کو ہیر پھیر کر انکی شکلین تیار کیجاتی ہین اس پر مستزاد یہ ہے کہ چینی زبان جو تذکرہ بالا ہے، وہ وہان کی صرف علمی و تعلیمی زبان ہے ورنہ وہان کی جو ملکی زبان ہے اس مین عام طور پر بات چیت کیجاتی ہے، وہ اس سے بالکل اسی طرح مختلف ہے جس طرح انگریزی سے لاطینی، اور یونانی زبانین مختلف ہین، اور ان دونون مین تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تلفظ اور حروف یکسان ہوتے ہین، لیکن چین کی ان دونون زبانون مین ایک حد تک یہ قدر مشترک بھی موجود نہین ہے، اس لئے چینی طلبہ کے لئے وہان کی اس علمی و تعلیمی زبان کی تحصیل اسی طرح دشوار ہے جیسے کسی غیر ملکی طالب علم کے لئے ہوسکتی ہے،

چینیون کے پاس اصلی ادبی سرمایہ چند مذہبی کتابین ہین جن کا حجم قرآن مجید سے زیادہ نہ ہوگا، اور ان کے علاوہ ان کے مشہور فلسفی کونفیوشیس اور اس کے شاگردون کے چند آثار ہین، پھر اسی زبان مین بودھ مت اور ان کے ایک دوسرے مشہور فلسفی طاؤ (المولود ۶۰۴ق م) کے فلسفہ و حکمت پر بھی چند کتابین ہین، بس یہی سرمایہ اس زبان کے ادبیات عالیہ کا لقب رکھتا ہے،

اور یہی کتابین اور ان کی شرحین وغیرہ وہان کے مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین، زبان کی تحصیل کے بعد طلبہ کا جو وقت بچتا ہے وہ ان کتابون کے پڑھنے اور ان کے ازبر کرنے مین صرف ہوتا ہے، چنانچہ وہان علم و فن کے بلند ترین رتبہ پر وہی سرفراز ہوگا جسکی نوک زبان پر ان کتابون کا ایک ایک حرف چڑھ جائے،،

پھر مضمون نگار وہان کے مدرسون کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، دیہاتون مین جابجا چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہین، جن مین یہی چیزین پڑھائی جاتی ہین، لیکن وہان مدرسون

کے لئے مستقل عمارتون کا اب تک دستور نہین ہوا ہے، بلکہ کسی کے سکونتی مکان مین سے ایک دو کمرے لیکر وہان اساتذہ اور طلبہ بیٹھ جاتے ہین، اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے اور نہ وہان متمدن ممالک کی طرح مدارس مین درجے قائم ہین اور نہ مدارس مین اعلیٰ اوسط، اور ادنیٰ کی کوئی تقسیم ہے

ہمین سخت حیرت ہے کہ یہ مقالہ یورپ کے پروپگنڈے کا ایک مظہر ہے، یا یہ سب صرف مقالہ نگار کی ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ چینی زبان کے یہ حالات اور مدارس وغیرہ کی یہ تفصیلین جو چین کے موجودہ انقلاب کے سلسلہ مین بیان کئے جارہے ہین، وہ تقریباً ربع صدی پیشتر کے واقعات ہین، اور ہم نے اس موقع پر اس مضمون کی تلخیص اس لئے ضروری سمجھی کہ اس سے وہان کے ربع صدی پیشتر کے تعلیمی حالات کا پتہ چلتا ہے، ورنہ چین کی موجودہ بیداری کی ابتدائے آفرینش ہی وہان کی علمی و تعلیمی ترقی کے بعد ہوئی ہے، جبکہ ہزارون چینی طلبہ یورپ اور امریکہ کے جدید و قدیم علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے وطن واپس آئے، اور ملک مین رفتہ رفتہ ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم گاہون کے علاوہ متعدد بلند پایہ یونیورسٹیان قائم کرکے سب کو ایک دوسرے سے منسلک کردیا، چنانچہ ایک سال ہوتا ہے کہ نانکنگ یونیورسٹی کے چانسلر پروفیسر کاڈھ نے "انقلاب چین" کے عنوان سے یورپ کے کسی رسالہ مین بسیط مضمون لکھا تھا، اور اس کا خلاصہ مصر ہی کے کسی رسالہ نے درج کیا تھا، اور ہم انہین صفحات تلخیص و تبصرہ مین "چین کی موجودہ بیداری اور اس کے اسباب" کے عنوان سے اس خلاصہ کی تلخیص ماہ اپریل ۲۶ء مین پیش کرچکے ہین،

پروفیسر کاڈھ نے اس مضمون مین اس قدیم چینی زبان کا اجمالی ذکر کرکے اس کی اصلاح اور چین کی موجودہ علمی و تعلیمی زبان کا تذکرہ کیا تھا، چنانچہ اسی مضمون مین ہے،

"قدیم چینی زبان کے دشوار گذار مرحلہ کو یون طے کیا گیا کہ پکنگ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سوہوہ نے وہان کی عام فہم زبان کو جس مین ملک کے عام باشندے گفتگو کرتے ہین ضبط تحریر

مین لانے کے لیے جدید طریقے وضع کیے، اور اس طرح عوام کی زبان قدیم زبان کے بجائے وہان کی
علمی اور تحریری زبان بن گئی، اور اس کے بعد چین مین عام تعلیمی جدوجہد کا سلسلہ جاری ہوا، یہان تک
کہ عام مزدورون اور کاشتکارون کے لیے تعلیم کا انتظام کیا گیا، جس سے رفتہ رفتہ ملک کی آبادی
کا بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہو گیا،

اس زبان کی حیرت انگیز ترقی کا پتہ صرف اس سے چلایا جا سکتا ہے کہ اس زبان کی تدوین
اور فوری نشر و اشاعت کے بعد ہی ۴۰۰ اخبارات بیک وقت اسی زبان مین نکلنے لگے، اور پھر بعد کے
سالون مین تو اس مین اور زیادہ حیرت انگیز ترقی ہوئی،

"اتحادِ اسلام"

ایشیاٹک ریویو لندن، ماہ اپریل ۱۹۲۵ء کے پرچہ مین پین اسلامزم پر ایک مضمون شایع
ہوا ہے، اس کی تمہید مین اسلام کی مساوات پسندی اور مذہبی اخوت کا اعتراف ان الفاظ
مین کیا گیا ہے،

ابتدا ہی سے اسلام نے اپنے پیرودن کے سامنے اتحاد باہمی کا ایک نصب العین پیش کیا ہے
قرآن کریم مین ہے کہ تمام مسلمان آپس مین بھائی بھائی ہین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف
ایک مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا سیاسی نظام قایم کیا جس مین ایک عقیدہ پر ایمان رکھنا
اس کی لازمی شرط تھی،

یہ صحیح ہے کہ یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ رواداری برتی گئی اور انھین ان کے آبائی دین پر
قایم رہنے دیا گیا، لیکن پھر بھی وہ بہ حیثیت "ذمی" کے سمجھے جاتے تھے جنھین مسلمانون کی طرح حکومت کے
تمام حقوق و مراعات سے فائدہ اٹھانے کا حق نہ تھا، یہ صرف دینِ اسلام پر ایمان لانے کی شرط تھی،

جس کے ذریعہ سے اس نئی ریاست کے تمام افراد باہم متحد و متفق تھے، اور اس دین کا چھوڑ دینا صرف ارتداد ہی نہین ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت بھی جاتی تھی، اور جو مسلمان اپنے مذہب سے دوسرے مذہب مین چلا جاتا تھا، وہ قتل کا مستحق سمجھا جاتا تھا جبکہ مسلمان علما نے باقاعدہ طور سے علم ریاست کا نظریہ پیش کیا تو انھون نے ممالک کی دو قسمین قائم کین، ایک ،، دار الاسلام ،، دوسری ،، دار الحرب ،، اور اہلِ عہد کے نظریئین نے مسلمانون کا یہ فرض قرار دیا تھا کہ وہ کم سے کم سال مین ایک بار غیر مسلمون کے ممالک پر فوج کشی کرین، بشرطیکہ امام وقت اس فوج کشی کو عام مفاد کے موافق سمجھتا ہو،

پہلی صدی ہجری مین جب تک عرب فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا اس وقت تک اس نظریہ پر عمل پیرا ہونا ممکن بھی تھا، اور جب جدید سلطنت وجود مین آئی تو اس وقت متعدد غیر مسلم اقوام مثلاً ایرانی، شامی، مصری، افریقی، ہسپانی، اور ترک حلقۂ اسلام مین داخل ہو چکی تھین، اور انھین برابر کے حقوق مل چکے تھے، اور حکومت کا ہر عہدہ ان کے لئے کھلا تھا، یہ صحیح ہے کہ عربون کے خود سرانہ جذبات ان غیر عربی اقوام کے ساتھ ملنے جلنے مین بہت حد تک حائل ہوتے تھے، تاہم انھین یہ گوارا کرنا ہی پڑتا تھا اور اپنے سیاسی نظریے کی رو سے انھین سب کو مساوی تسلیم ہی کرنا پڑتا تھا قرآن کریم مین ہی کہ ،، وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھون نے نیک عمل کئے، وہ بہترین لوگ ہین،، تاہم ان کا یہ نظریہ ڈیڑھ صدی سے کچھ زیادہ عرصہ تک نہین قائم رہا، اور اس عرصہ مین اسلامی حکومت نے جو ترقی و عروج حاصل کیا اس نے آج تک مسلمانون کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا ہے،

چھٹا حاسہ؟

اب تک حکمائے قدیم کے تمام تجربات و نظریات مین سے ،، حواس خمسہ ،، پر دور حاضر کے تمام حکما و ماہرین کو عام اتفاق تھا، لیکن اب یورپ کے جدت پسند طبقہ کو قدیم حکما کی یہ تقلید بھی گوارا نہین اس لئے وہ کسی چھٹے اور ساتوین حاسہ کے انکشاف اور اس کو قبولِ عام بنانے کی فکر مین ہین،

چنانچہ اب تک صرف یہ مسلہ تھا کہ بعض حیوانات مین اپنے طبائع اور جبلت کے لحاظ سے بعض حاسے زیادہ طاقتور ہوتے ہین چیونٹی مین سونگھنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے، کتون مین سننے کی قوت تمام حیوانون اور انسان سے زیادہ ہوتی ہے، اور چیلون کی قوت بصارت سب سے تیز ہے، لیکن اب یہ سوال زیر بحث ہے کہ آیا کسی حیوان یا انسان مین کوئی چھٹا یا ساتوان حاسہ بھی موجود ہے، یا پیدا ہونے کی امید کیا ہو سکتی ہے؟

حکمائے مغرب اس سلسلہ مین کم از کم یہ ادعا کرنے لگے ہین کہ بعض حشرات الارض کے حالات کے استقراء سے پتہ چلتا ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے جس سے انسان اور دیگر حیوان قطعی طور پر محروم ہین، اور وہ اپنے اس نظریہ کو تجربہ کی شکل مین یون پیش کرتے ہین کہ کسی مادہ پروانہ کو شیشہ کی کسی ڈبیا مین بند کر کے اس کے سرپوش کو سریش یا گوند وغیرہ سے اس طرح بند کر دو کہ نہ اندر کی آواز باہر آنے پائے اور نہ باہر کی آواز اندر جانے پائے اس کے بعد اس ڈبیا کو کسی دوسری ڈبیا مین اسی طریقہ سے بند کرو، اور پھر سب ڈبے اسی طرح ایک کو دوسرے مین بند کرتے جاؤ، یہان تک کہ اندر سے ہوا کے آنے جانے اور کسی طرح اندر کی چیز کے دکھائی دینے کا احتمال باقی نہ رہجائے یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس کو کسی جگہ پر رکھدیا جائے، تو کچھ ہی دیر مین نر پروانے اس ڈبیا کے گرد گردش کرتے دکھائی دینگے اور اس کے اندر پہونچنے کے لئے اپنی انتہائی جدوجہد کرین گے،

اسی تجربہ کی بنا پر علمائے حشرات کو یقین ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ مقید پروانہ کے پرون کی پھڑپھڑاہٹ محسوس کر لیتے ہین، "ر"

اخبار علمیہ

انکشاف دفینہ کا نیا ذریعہ، خاکنا سے نپاما (امریکہ) مین ابھی حال مین بعض دفینون کے دریافت کرنے کا ایک نیا طریقہ عمل مین آیا ہو، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عرصہ سے اس خطہ مین بعض دفینے تھے، لیکن کسی کو ان کا کہین پتہ نہ لگتا تھا، اب کچھ انگریزون اور امریکیون نے ملکی گورنمنٹ سے اسکالائسنس حاصل کیا اور بہت تلاش و جستجو کے بعد اس خزانہ کا پتہ لگالیا، کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ ابھی اور بھی بہت سے دفینے ہین جنکی تلاش مین یہ ماہرین برابر گشت لگا رہے ہین، ریڈیو جسکے اکثر کرشمون سے دنیائے سائنس واقف ہو چکی ہے، اس جدید انکشاف کا بھی باعث ہے، بجائے اس کے کہ کسی نقشہ اور خاکہ کے ذریعہ سے اس کا پتہ لگایا جاتا، ریڈیو کی مدد سے وہ تمام رموز و اسرار جو زمین اپنے سینہ کے اندر چھپائے ہوئے ہے، اس طرح منکشف ہو جاتے ہین، جسطرح زمین کے اوپر کی اشیاء ظاہر اور عیان نظر آتی ہین،

قدرت کی کرشمہ سازیان، جس طرح انسان اپنی انجینیری کے نئے نئے کارنامے دکھاتا ہے، قدرت کا ہاتھ اس سے کہین زیادہ حیرت انگیز کرشمے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جنھین دیکھکر بڑے بڑے ماہرین فن کی عقل دنگ رہجاتی ہے، کچھ عرصہ ہوا نواہو پہاڑ (NAWAHO) کے شمال مغربی ڈھال کی جانب ایک نہایت عظیم الشان، وسیع اور مضبوط پل کا پتہ چلا ہے جسکے محراب کی لمبائی ۲۷۰ فیٹ ہے اور جو سطح آب سے ۳۰۹ فیٹ بلند ہے اور اس کے بلند ترین حصہ کا حجم ۴۲ فیٹ ہے، اپنی عظمت، تناسب اور رنگ کے اعتبار سے یہ دنیا کے تمام قدرتی پلون سے بڑھکر مانا جاتا ہے، اسی قسم کا ایک اور پل اریزونہ (ERİZONA) سے دو میل جنوب و مغرب جانب واقع ہے جسکی وسعت، تناسب اور رنگ بھی نہایت خوب ہے۔

درمیانی کڑی کا پتہ، ابھی حال مین صحرائے گوبی (منگولیا) مین بعض ان عظیم الشان جانورون کے سرون کی ہڈیان دریافت ہوئی ہین جنکے متعلق علما کا خیال ہے کہ تمام ذی روح حیوانات حتی کہ انسان کی نسل بھی انھین سے پیدا ہوئی ہے، یہ دریافت امریکن عجائب خانہ کی ایک جماعت نے کی ہے جو اسی نیچرل مین اینڈریوز کی سرکردگی مین کسی قوم کے آثار قدیمہ کا پتہ لگانے کے لیے نکلی تھی، مسٹر اینڈریوز کا خیال ہے کہ ان ہڈیون کی دریافت انسان کی ارتقائی منازل کا پتہ چلانے مین ان انڈون سے بھی زیادہ مفید اور کارآمد ہے جنکی دریافت کا سہرا بھی انھی موصوف کے سر ہے، ان کا قول ہے کہ انسان کے ارتقائی منازل کی درمیانی کڑیان، حقیقت مین یہی ہین جنکے بعد اب انکی تلاش کی کوئی ضرورت نہین رہجاتی،

ریڈ انڈینون کی نسلی تباہی، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ امریکہ مین ریڈ انڈینون کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے، لیکن ڈاکٹر ہیون الیرسن، پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی نے جو اعداد و شمار ابھی حال مین شائع کئے ہین، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کی اس کثیر التعداد قوم مین شرح اموات کس قدر تیزی کے ساتھ سال بہ سال بڑھ رہی ہے:

سنہ	فی ہزار	سنہ	فی ہزار
سنہ ۱۹۲۱ء	۱۷٫۵	سنہ ۱۹۲۳ء	۲۲٫۵
سنہ ۱۹۲۲ء	۱۹٫۲	سنہ ۱۹۲۴ء	۲۵٫۹

یہ شرح بعض ایسے مقامات پر جہان ریڈ انڈینون کی تعداد زیادہ ہے، اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے:

نام مقام	فی ہزار	نام مقام	فی ہزار
مونٹانا	۳۴٫۵	واشنگٹن	۳۸٫۵
شمالی ڈکوٹا	۳۲	ویومنگ	۸۶٫۱

اس کثرتِ اموات کی بڑی وجہ ایک یہ ہے کہ اکثر بچے شیرخواری و صغر سنی ہی کے زمانہ مین انتقال کر جاتے ہین، عام آبادی مین یہ شرح ۲۱ء مین فی ہزار ۷۰ رہی ہے، لیکن ریڈانڈینون مین یہی شرح بڑھکر ۱۹۰ ہو گئی ہے،

جانورون کی عمر انگلستان مین ایک بلّی تھی جسکی عمر ۲۴ سال کی تھی اور جب یہ ۱۷ برس کی ہوئی تو اس کے ایک بچہ ہوا جو اپنی ماں کا اکیلا بچہ تھا، بعض بلیان ایسی بھی ہین جنکی عمر ۲۵، ۲۶ سال کی ہے، اسکرینگھم (SCRINGHAM) مین ایک بلی ہے جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۳۰ سال کی ہو کر مری،

کتون کی عمر بھی تقریباً بلیون ہی کے برابر ہوتی ہے اور یہی حال بھیڑون کا بھی ہے، گھوڑے اور خچر کی عمر البتہ ۴۰، ۵۰ سال کے درمیان ہوتی ہے، بعض مضبوط قسم کے ٹٹوون کی عمر ۵۰ اور ۶۰ کے درمیان ہوتی ہے، جن گھوڑون سے زیادہ محنت مشقت کا کام لیا جاتا ہے وہ ۲۰ تک پہنچتے پہنچتے یا دو تین سال بعد مرجاتے ہین، گائین اور سور مشکل سے ۳۰ سال تک زندہ رہتی ہین،

شمالی امریکہ کے گھڑیالون کے متعلق خیال ہے کہ وہ ۱۰۰ سال سے اوپر تک زندہ رہتے ہین، اور بعض بڑے کچھوے ۳۰۰ سال تک رہتے ہین، لندن کے عجائب خانہ مین مارماڈیوک نامی ایک کچھوا ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ وہ چارلس دوم (CHARLES) کے زمانہ سے ہے، وہین چھپکلی کے قبیل کا ایک جانور ہے جسکی عمر ۷۵ سال کی ہے،

مرغیون کی عمر ۲۰ سال تک یا اس سے زیادہ بھی ہوتی ہے، بعض طوطے سو سال تک زندہ رہتے ہین، کنگسٹن (KINGSTON) مین ایک طوطا ہے جسکی عمر ۱۲۰ سال کی ہے،

اسی طرح بعض کیڑے، مکوڑون کی عمر کے متعلق بھی عجیب و غریب معلومات ہوئے ہین، مثلاً کمر

میں علم الحیاتیات کا ایک ماہر ہے جس نے تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ یہ ایسی سر بریدہ تتلیوں کی عمر ایک یا دو ہفتہ ان تتلیوں سے زیادہ ہوئی جنکے سر سلامت تھے، سر کے کٹ جانے سے غالباً اس جسمانی قوت کا استعمال کم ہوگیا تھا جو زندگی کا باعث ہوتی ہے،

دنیا میں سب سے زیادہ بارش کہاں ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب مختلف مقامات کے ان اعداد و شمار میں مل سکتا ہے جو سالانہ بارش کے نوٹ لکھ لیے جاتے ہیں بعض ممالک میں یہ اعداد و شمار ۵۰ سال سے لیکر ۸۰ تک کے ملتے ہیں جن مقامات پر یہ اعداد و شمار لیے جاتے ہیں، وہاں ایک مشین ہوتی ہے جس سے ایک معین وقت کے اندر پتہ چل جاتا ہے کہ کتنی بارش ہوئی، یہ اوقات کبھی ۲۴ گھنٹہ، کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی ایک منٹ کے ہوتے ہیں، ۲۴ گھنٹہ کے اندر دنیا میں سب سے زیادہ بارش جس مقام پر ہوئی، وہ باگویو (جزائر فلپائن) ہے یہاں کی پیمائش بارش کی مشین سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر سے لیکر ۱۵ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر تک کل ۴۶ انچ بارش ہوئی ہے، ریاستہائے متحدہ میں عام طور سے جتنی بارش ہوتی ہے، اس سے یہ مقدار کہیں زیادہ ہے، چیرا پونجی (آسام) جو کثرت باران کے لیے دنیا میں سب سے زیادہ مشہور تھا وہاں ۱۴ جون ۱۸۷۶ء کو ۴۱ انچ بارش ہوئی، اسی مقام پر اگست ۱۸۴۱ء میں ۵ دن مسلسل ۱۵۰ انچ یا اس سے کچھ زیادہ بارش ہوئی ہے، ۲۴ گھنٹہ کے اندر ریاستہائے متحدہ میں بارش کا شمار ۲۳ء۱۱ انچ جو ٹیلر اور ٹیکساس مقامات پر ۹، ۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کو ہوئی، ایک گھنٹہ کے اندر سب سے زیادہ بارش جنوبی کیلیفورنیا میں ہوئی ہے یہاں کیمپو مقام پر اس قلیل عرصہ میں ۱۱½ انچ پانی برسا، پورٹو ریکو میں ۲۹ نومبر ۱۹۱۱ء کو ۲ بجے ۵ منٹ کے اندر، ۲ء۴۲ انچ پانی برسا، کثرت بارش کا جہاں تک تعلق ہے، یہ مثال غالباً آپ اپنی نظیر ہے، گو ابھی حال میں یہ پتہ چلا ہے کہ جنوبی کیلیفورنیا ہی میں ایک مقام اوپڈ کیمپ پر ۵ اپریل ۱۹۲۶ء کو ایک منٹ کے اندر ۱ء۰۲ انچ پانی برسا ہے،

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے اخبارات اور رسالے

پچھلی ششماہی مین بھی اردو کے نئے اخبارات اور رسالون کی مزید ترقی ہوئی، اخبارات مین سب سے زیادہ انقلاب انگیز واقعہ لاہور سے روزنامۂ **انقلاب** کا ظہور ہے، زمیندار کے نظام شمسی سے دوستارے ٹوٹ کر الگ ہوگئے، اور انھون نے اپنا ایک الگ نظام شمسی قائم کیا، یہ دوستارے مہر اور سالک ہین، اور انکی گردش قلم سے جو نیا نظام شمسی قائم ہوا اسکا نام انقلاب ہے، یہ روزانہ اخبار چند ماہ سے نہایت خوبی، عمدگی اور کامیابی کے ساتھ لاہور سے نکل رہا ہے، اپنے مسلک اور سیاسیات کے اعتبار سے آزاد اور حقگو، تاہم متین اور سنجیدہ ہے، اس نے تھوڑے ہی دنون مین اچھی مقبولیت حاصل کرلی ہے، زمیندار کے افکار و حوادث کا عنوان اب سالک کے ساتھ ساتھ زمیندار سے نکل کر انقلاب کے صفحات پر نمودار ہوا ہے، اسلامی مسائل پر خصوصیت سے بحث کرتا ہے، وقت پر شائع ہوتا ہے اور ایک اچھے روزانہ اخبار کے تمام اوصاف کا جامع ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ تقطیع بڑی، قیمت سالانہ ؏۔

گذشتہ شش ماہی مین اردو صحافت نے کچھ جغرافی وسعت بھی حاصل کی، یوپی کے ایک بعید مشرقی ضلع بستی سے **آئین** ہفتہ وار جاری ہوا، جو نہایت خوبی کے ساتھ اسلامی اور ملکی مسائل پر بحث کرتا ہے اور شاید پس پردہ کسی طرف سے اسکو اچھی خاصی قلمی اعانت حاصل ہوتی ہے، پورب کی ناموافق ہوا کو دیکھتے ہوئے اس کی زندگی کے لیے دعاگو ہین،

دوسری طرف "سرزمین بے آئین" صوبۂ سرحدی سے دو اخبار نکلے ہین جس کے اڈیٹر

ہمارے جامعہ ملیہ کے تعلیم یافتہ ہیں، صوبہ سرحد میں ایک دو اچھے اخبارون کی سخت ضرورت تھی جو لوگون کو صحیح تعلیم دے سکیں، اور صحیح خیالات کی ان مین اشاعت کرسکین، ترجمانِ سرحد کے نام سے ایک اخبار ایک سال سے نکل رہا ہے، جس کے اڈیٹر امیر عالم اعوان (جامعہ) ہین، قیمت سالانہ للعہ پتہ راولپنڈی
دوسرا ہفتہ وار شہاب ہے جس کے اڈیٹر مولوی غلام ربانی صاحب لودی (جامعہ) اور ملک محمد عالم صاحب بی اے (جامعہ) ہین، مولوی غلام ربانی صاحب انگریزی اور عربی دونون سے واقف کامیاب مترجم اور زمیندار وغیرہ مین رہ کر کام کا تجربہ حاصل کرچکے ہین، امید ہے کہ وہ اپنی اس نئی خدمت مین کامیاب ہون گے، قیمت للعہ پتہ راولپنڈی

لیکن اردو صحافت کا سب سے اہم واقعہ، مولانا ابوالکلام کے مشہور ہفتہ وار صحیفہ الہلال کی حیات ثانیہ ہے، سالہاسال کے انتظار شدید کے بعد آخر کلکتہ کے افق سے یہ "ہلال" نمودار ہوا، اور مشتاق نگاہون کے لیے عید کا پیام لایا، الہلال کا پہلا طلوع اس وقت ہوا تھا، جب مسلمانون مین جوش وخروش اور ولولہ موجزن تھا، اسکی روشنی نے بہتون کو ہدایت کا راستہ دکھایا، اور مایوسون کے دلون مین امید کا چراغ روشن کیا، اب اس کا دوبارہ اجراء ایسی حالت مین ہوا ہے، جب پہلا جوش، سکون سے بدل چکا ہے اور عزم وارادہ اور قوتون مین گذشتہ جدوجہد کے ناکام پراوہی محنت سے تکان پیدا ہے، یہی وقت الہلال کی پُر وقت دعوت اور پکار کے لیے موزون ہے، دعا ہے کہ خدا اسکی آواز مین تاثیر اور اسکی دعوت مین برکت پیدا کرے، کہ مسلمان ایک نئے سفر کے لیے اس صدائے رحیل اور بانگ درا کو سنکر آمادہ ہوسکین،
الہلال کے دو نمبر اب تک آئے ہین، مضامین کی بلند آہنگی اور زور وہی ہے جو پہلے تھا، تاہم زبان نسبۃً پہلے سے آسان اختیار کیگئی ہے، کہ فائدہ کی تعمیم ہو سکے،

ابھی آدھا پرچہ ٹائپ مین اور آدھا لیتھو مین چھپتا ہے، شذرات، مقالات، مطبوعات، عالم شرق واسلام، بصائر وحکم، تفریح وترویح وغیرہ عنوانات باب ہین، جو مذہبی سیاسی ادبی علمی ہر شعبۂ حیات کو محیط ہین، چندہ سالانہ عسہ پتہ نمبر ۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

اہل حدیث کی طرف سے گو اہل حدیث امرتسر اور محمدی وغیرہ اخبارات نکل رہے ہین، مگر ان مین زیادہ تر مناظرانہ شان ہے، ضرورت تھی کہ ایک ایسا اخبار بھی انکی طرف سے نکالا جائے جس مین سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اصل دعوت کی تبلیغ کیجائے، حال مین امرتسر سے مولانا محمد داؤد غزنوی نے ہفتہ وار **توحید** نکالنا شروع کیا ہے، جو مناظرات سے پاک ہو اور اپنے عقائد ومسائل کی تبلیغ واشاعت کا سادہ فرض انجام دے رہا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اہل حدیث اصحاب کی طرف بہت سے شکوک زائل ہون گے، لیکن ضرورت ہے کہ اظہار مدعا مین بیجا سختی اور درشتی نہ ہو، قیمت سالانہ صہ پتہ امرتسر کوچۂ غزنویہ،

آج کل کے ہنگامۂ ستخیز مین سب سے بڑی نعمت غیر فرقہ **اتحاد** لاہور ہے، یہ لاہور سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے، اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے جمع وترتیب کے فرائض ہندو اور مسلمان دونون کے ہاتھ انجام دیتے ہین، اسی سے یہ اخبار ان فرقہ وار زہرون سے پاک ہے جس سے ..یاست کے سوا شاید ہی کوئی اخبار محفوظ ہو قیمت سالانہ ؟ پتہ دفتر اتحاد، انارکلی لاہور، ہندوستان کو اس قسم کے اخبارون کی خاص قدر کرنی چاہیئے،

جمہور، بمبئی کا ہفتہ وار باتصویر پرچہ ہے، جس مین علاوہ مضامین اور خبرون کے عکسی تصویرین بھی ہوتی ہین، مضامین زیادہ تر عام پسند اور دلچسپ ہوتے ہین قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر جمہور رجب بھائی اسٹیل بمبئی نمبر۹،

ماہوار رسائل مین بھی خاصی ترقی ہوئی ہے **نیرنگ خیال**، جو شاید گذشتہ سال لاہور سے نکلا ہو تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، خصوصاً خاص خاص نمبرون کی اشاعت کی دوڑ مین وہ سب سے آگے ہے، اس کے خاص نمبرون مین بھی خصوصیت کے ساتھ اس کا عید نمبر ہر طرح لائق ستائش ہے، کئی سو صفحون کی ضخامت، مضامین کا تنوع، مناسب نظمون کی دلچسپی، ٹائیٹل کی دلکشی، تصاویر کی نیرنگی، ہر چیز اس مین وصف کے قابل ہے، اس کے محنتی اور لطیف الذوق اڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب اس کے لیے ہر طرح مبارکباد کے مستحق

ہیں، قیمت سالانہ ہے، پتہ بابا دو دخانہ لاہور،

تنظیم امرتسر ماہوار تنظیم کا مقصد قوم کی اخلاقی، اقتصادی اور علمی اصلاح ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہی قومی ترقی کی اصلی بنیاد ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم کا ہوش طلب دماغ ایسے بے مزہ نغمہ سے خوش نہیں ہو سکتا، وہ روزانہ سے ہفتہ وار اور اب ہفتہ وار سے ماہانہ ہو گیا ہے، اور مسلمانوں کا یہی جمود رہا تو شاید وہ ماہانہ سے سالانہ ہو کر ہمیشہ کے لیے غائب نہ ہو جائے، قیمت سالانہ ؟ پتہ دفتر تنظیم امرتسر،

مخزن لاہور کی یاد ہندوستان کے ادب دوست طبقہ کے دلوں میں اب تک تازہ ہو گی، ہم ان کو بشارت دیتے ہیں کہ جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری کی ادارت میں وہ اب پھر شائع ہونے لگا ہے، پہلے سے اس دور جدید نے نمایاں ترقی کی ہے، امید ہے کہ آئندہ اس کا معیار اور بلند ہو گا، قیمت سالانہ للعہ، پتہ دفتر مخزن لاہور،

دلکش صرف ادبی پھولوں کا گلدستہ ہے، سید عابد علی صاحب عابد بی اے ال ال بی کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا ہے، زیادہ تر شعر و شاعری اس کا موضوع ہے، اس کا حلقہ ادارت بھی اسی نعمت غیر مترقبہ (ہندو مسلم یگانگت) کا مرقع ہے جس کی ملک کو سخت ضرورت ہے، قیمت سے رسالانہ، پتہ منیجر دلکش لاہور

پنجاب کی جدید علمی پیداوار میں ایک **جہان نما** ہے اس کا موضوع صنعت و دستکاری اور محنت و مزدوری کی حمایت اور تشویق ہے، مضامین آسان اور مفید ہوتے ہیں، کاش طباعت بھی قابل تعریف ہو، ہم امید کرتے ہیں کہ ملک نے قدر کی تو یہ پرچہ آئندہ کچھ اور مفید اور بلند ہو جائے گا، قیمت ؟ پتہ جہان نما امرتسر

جہان نما کے ساتھ ساتھ **جام جہان نما** پر بھی نظر پڑتی ہے، بظاہر دونوں کو ایک ہونا چاہیے، لیکن اختلاف موضوع نے دونوں کو باہم بیگانہ رکھا ہے، یہ جناب اختر موہانی کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، موضوع اس کا محض ادبیات ہے لیکن اس محدود حلقہ سے باہر کی باتیں بھی اس میں ملتی ہیں، قیمت ہے سالانہ پتہ لکھنؤ پرنٹنگ پریس، حسین گنج لکھنؤ،

حیدرآباد دکن کی اردو صحافت مین ایک نیا اضافہ نظام کالج اردو میگزین ہے، یہ جناب مولوی نظام حیدر صاحب کی ادارت مین حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، حیدرآباد کے انگریزی کالج نظام کالج کے طلبہ کا آئینۂ خیال ہے، امید ہے کہ نوجوان اہل قلم اپنی نوجوان ہمتون کا ثبوت بہم پہنچائین گے، قیمت سالانہ للعہ پتہ نظام کالج اسد باغ حیدرآباد دکن،

ریاست رام پور سے بھی جناب بیخود موہانی نے دنیائے ادب کے سامنے ایک نیرنگ پیش کیا ہے، جس مین زیادہ تر شعر و سخن کے مباحث پر تنقید و تبصرہ ہوتا ہے، عروض و قوافی، اور دیگر انواعِ ادب پر بھی اس مین مضامین ہوتے ہین، غزلین بھی شائع ہوتی ہین، سالانہ ہے، پتہ دار الاشاعت ریاست رامپور،

بہار باوجودیکہ اردو کے قدیم گہوارون مین ہے لیکن اردو کی خدمت مین سب سے پیچھے ہے، خوشی کی بات ہے کہ وہان سے الامین نام کا ایک پرچہ جاری ہوا ہے، جو علمی، ادبی، اخلاقی، اور صوفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، قیمت سالانہ ہے، پتہ منیجر الامین رفاہ المسلمین بہار شریف، پٹنہ،

الکامل دہلی بقول اپنے یہ ہر قسم کے مفید مضامین کا مجموعہ ہے، اس کے نام کو ہمارے ضلع اعظم گڈہ سے خاص مناسبت ہے، ولید پور مین ایک بزرگ مولانا محمد کامل پورن گذرے ہین، بہار مین ان کے معتقدین کا حلقہ وسیع ہے، الکامل کے اڈیٹر ابو علی آزاد بہاری اور ان کے دست راست ابو العلاء بہاری اسی حلقہ کے آدمی ہین، یہ پرچہ اپنے طریقِ کار اور اندازِ عمل مین خواجہ حسن نظامی صاحب کے بہت سے پرچون کا متبع نظر آتا ہے، چندہ سالانہ عہ پتہ دفتر چشمۂ کامل دہلی،

ستارۂ صبح، تھیوسوفیکل سوسائٹی کا ماہوار رسالہ ہے، اس کا موضوعِ سخن صرف تصوف ہے، مگر ہمارا قدیم تصوف یا یوگ نہین، بلکہ یہ تمام مذاہب کا معجون مرکب ہے، یہ مذہب کی جگہ اخلاق کو دینا چاہتا ہے، اس کا ایک مضمون (خدا کا دیدار) دنیا کو بشارت دیتا ہے کہ ڈاکٹر بیسنٹ کے تقدس مآب کرشنا مورتی مین، حلولِ مسیح کا عمل شروع ہو گیا، چندہ سالانہ عہ پتہ :- منیجر ستارۂ صبح نواب گنج، کانپور، "ج"

مطبوعات جدیدہ

رسائل ابن تیمیہ، مولنا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی اڈیٹر روزنامہ پیغام کلکتہ نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو اردو مین منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے چنانچہ اس سلسلہ مین ہمین تین نئے رسالے موصول ہوئے ہین، جو "حسینؓ و یزید" "مناظرہ ابن تیمیہ" اور "صداقت رسولؐ" کے نام سے موسوم ہین، رسالہ "حسینؓ و یزید" کا موضوع ان دونون کے حق مین اہل سنت و جماعت کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرنا ہے، اس مین سب سے پہلے بتایا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جن فرمان روایان اسلام کو "خلیفہ" کا لقب دیا گیا، ان کے لیے ضروری نہین کہ وہ عدل و انصاف، تقوی اور خشیت الہی سے بھی سرفراز ہون، بلکہ مقصود صرف یہی تھا کہ وہ اپنے عہد حکومت مین خود مختار تھے، صاحب سیف تھے، حدود شرعی قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور کفار سے جہاد کرتے تھے، اور اسی لحاظ سے یزید بھی خلفاء کی جماعت مین داخل ہے، پھر واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے "صحابہؓ اور ائمۂ صالحین نے بعض خلفاء کی بداعمالیون کے باوجود محض مصالح امت کے لیے ان کی اطاعت کی۔۔۔ اور جن لوگون نے خروج کیا اس سے امت کو سراسر نقصان پہنچا،۔۔۔ اگرچہ ان مین بڑے بڑے اخیار و فضلا بھی شامل تھے، مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا فعل مفید نہین ہو سکتا۔۔۔ اس لیے آپ (حضرت امام حسینؓ) کے خروج اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے اگر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہتے، کیونکہ وہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لیے اٹھے، ان سب سے کچھ حاصل نہ ہوا،۔۔۔۔ اور اللہ کسی ایسے فعل کا حکم نہین دیتا جس سے نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا،" اصل یہ ہے کہ علامہ موصوف نے یہ سب کچھ شیعون کے غالی فرقہ کے رد مین لکھا ہے اس لیے رد عمل کے موجب

خود بھی کہین کہین جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہین، یہ صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی پیش قدمی کامیاب نہین ہوئی، اسلیے نہ دین کا بھلا ہوا نہ دنیا کا، لیکن واقعات کے نتائج وعواقب سے ان کے حسن وقبح پر بحث نہین کیجا سکتی، کیونکہ کسی جابر، ظالم، اور غیر مستحق فرمانروا کے خلاف پیش قدمی فی نفسہ مذموم نہین قرار پاسکتی، کہ پیش قدمی کرنے والے کے پیش نظر اس وقت، دنیا کا بھلا بھی ہوتا ہے، اور دین کا بھی"، اس کے بعد رسالہ کی مختلف فصلون مین ان دونون کے متعلق مختلف موضوع رُاتیون، اور ان کے متعلق مختلف فرقون کے اقوال اور طرز عمل کی تردید کیگئی ہے، اسی رسالہ کے آخر مین ایک دوسرا مفید رسالہ بے محل طور پر منسلک ہے جسمین مسلمانون کے تمام دینی و دنیاوی امور کے انصرام کو مسجد ہی مین انجام دینے کی تلقین کیگئی ہے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۴ صفحے، اور قیمت ۵ر ہے، دوسرا رسالہ "مناظرۂ ابن تیمیہ" ہے جسمین متصوفین مین سے فرقہ رفاعیہ کی قلعی کھولی گئی ہے، کیونکہ اس فرقہ کا علامہ موصوف کے عہد مین بڑا زور تھا، یہ اکثر و بیشتر اپنے شعبدون کو کرامات کے نام سے پیش کر کے نہ صرف عام مسلمانون کو بلکہ امراء، رؤساء اور ارباب حکومت کو دام تزویر مین پھنساتا تھا، اس لیے علامۂ موصوف نے اس فرقہ کے استیصال کا بیڑا اٹھایا اور ارباب حکومت اور مسلمانون کے عام مجمع مین اس سے مناظرہ اور مقابلہ کر کے ان کے تمام شعبدون کا پردہ چاک کیا، اور حکومت نے اس فرقہ کو اسکی شکست کے بعد اس کے وعدہ کے مطابق کتاب وسنت کی پیروی پر مجبور کیا، علامۂ موصوف نے اسی مناظرہ ومقابلہ کے تفصیلی حالات اس رسالہ مین قلمبند کئے ہین، دور حاضر مین بھی ایسے شعبدہ باز متصوفین کہین کہین موجود ہین، اس لیے یہ رسالہ اس وقت بھی اسی درجہ کارآمد ہے، حجم ۱۰۴ صفحے قیمت ۵ر اسی سلسلہ کا تیسرا رسالہ صداقت رسولؐ ہے جو الجواب الصحیح کی ایک فصل کا خلاصہ ہے، جسمین آنحضرت صلعم کی سیرت ایسے اسلوب مین پیش کیگئی ہے، جس سے آپ کی صداقت، دیانت، غلامون پر شفقت، مظلومون کی دادرسی، خلائق سے ہمدردی اور اسی طرح تمام اخلاق وشمائل کا گہرا اثر دل پر قائم ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ ارباب تبلیغ اس رسالہ کو تبلیغی کتابون مین داخل کر کے زیادہ سے زیادہ تعداد مین غیر مسلمون

کے درمیان تقسیم کرین، کہ "چہرجیون" اور "رنگیلا ..." "جیسے زہر آلود رسالون کے لیے تریاق ثابت ہو،
حجم ۲۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۲؍ لکھائی چھپائی اور کاغذ تمام رسالون کا عمدہ ہے، اور یہ سب رسالے
ہند بک ایجنسی نمبر ۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ سے ملین گے،

طبیبہ، جناب علی احمد صاحب زاہد جبل پوری کی کتاب "طبیبہ حصہ اول" پر معارف ماہ اگست
۲۷ء؁ مین ہم تفصیلی تبصرہ کر چکے ہین، اب اس کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے، جسکو جناب مؤلف
نے موضوع کی مناسبت سے "ہمدرد اطفال" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس حصہ مین بچون کی پیدائش
ان کے نہلانے اور دودھ پلانے کے طریقے بیان کرکے ان کی پرورش و پرداخت کے متعلق طبی
نقطۂ نظر سے تفصیلی ہدایتین درج کیگئی ہین، پھر بچون کو کمسنی مین جو بیماریان بالعموم ہوتی رہتی ہین، انکی
علامتین بتاکر کتاب کے حصہ اول کے طرز پر نسخے اور طریقۂ علاج بتائے گئے ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحے، لکھائی
چھپائی اچھی اور سرورق خوشنما ہے، قیمت عہ، پتہ :- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور،

مرقع عبرت، یہ رسالہ بھی جناب زاہد جبل پوری کا مرتب کیا ہوا ہے جس مین انھون نے اردو
کے دور حاضر کے مختلف شعرا کی بعض ایسی نظمین یکجا کی ہین جنمین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حجم
۸۰ صفحے قیمت ؟ یہ رسالہ بھی اسی پتہ پر دستیاب ہوگا،

رسائل جاوید، جناب جاوید نے بچون کے لیے چند تاریخی واقعات کا یہ سٹ شائع کیا ہے، جسمین سے ایک "زنجیر عدل"
ہے جسمین جہانگیر کے عدل و انصاف کے چند واقعات، دوسرے رسالہ "ذہانت" مین جعفر برمکی اور ابو یعقوب نجومی کے بعض قصے،
تیسرے رسالہ "پیام رسول" مین بارگاہ نبوت اور دربار ہرقل کی خط و کتابت اور چوتھے رسالہ "سخاوت" مین حاتم طائی
کی داستان بیان کی ہے، بچون کی مناسبت سے سلاست، روانی، در طرز ادا کی صفائی موجود ہے، اور امید ہو کہ بچے
ان کو دلچسپی سے پڑھین گے، تمام رسائل ۲۲، ۲۴ صفحون پر ختم ہوتے ہین، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، ان مین
سے ہر ایک کی قیمت ۳؍ پتہ :- جہانگیر بک کلب چابک سواران، لاہور،
ر ش

رجسٹرڈ نمبر اے

معارف

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

اگست ۱۹۲۷ء

قیمت :- ۵ر سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

مجلد بستم | ماہ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۷ء | عدد دوم

مضامین

ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہون مین جامعۂ ملیہ دہلی ایک ایسی درسگاہ ہے جس نے اپنا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا قرار دیا ہے جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ ور ہون اور اپنے دل مین ملک و ملت اور قوم و مذہب کا درد رکھتے ہون، اور جو ان کی خدمت اپنا مشغلۂ زندگی بنا سکین اور اسی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کر سکین۔ جامعہ کے قیام کو ابھی صرف سات برس ہوئے ہین، یہ مختصر مدت اس فیصلہ کے لیے کافی نہین کہ وہ اپنے نصب العین مین کہان تک کامیاب ہوا ہے (یا بقولِ اصحاب جامعۂ ہوئی ہے)،

اس مدت مین اس جامعہ کی طرف سے متعدد طلبہ کامیاب ہو کر عملی میدان مین قدم رکھ چکے ہین اور انھون نے عموماً قومی خدمت کے لیے یا تعلیم و تدریس یا تحریر و انشا اور اخبار نویسی کی زندگی اختیار کی ہے، سادگی، حسن خلق، اپنے وطن اور مذہب کے ساتھ محبت انھون نے اپنا ممتاز شعار قرار دیا ہے، ان کی مذہبی پابندی بھی تمام دُنیاوی درسگاہون کے طلبہ سے اچھی ہے،

اس کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسکو چند ایسے ایثار کرنے والے لائق مسلمان اساتذہ مل گئے ہین، جنھون نے نہایت خوشی سے اُس کے لیے اپنی زندگیان وقف کی ہین، اور وہ شب و روز اس کی دھن مین مصروف ہین، جب تک اُن کا یہ ایثار، اخلاص، اور انہماک باقی ہے، اُس کی کامیابی غیر مشکوک ہے،

جامعہ نے اسنے ہی عرصہ میں اپنا ایک اچھا خاصہ مشرقی و مغربی علوم کا کتبخانہ قائم کرلیا ہے، اردو اکیاڈیمی کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، علمی و سیاسی و اقتصادی مسائل کے لیے جامعہ نام ماہوار رسالہ اور تعلیم کی اشاعت کے لیے پیام تعلیم پندرہ روزہ صحیفہ جاری کیا ہے، ساتھ ہی مفید تصانیف و تراجم کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جسمین اُس کو روز بروز خاصی کامیابی ہو رہی ہے،

یکم اگست سے جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا ہے، اسمین طلبہ کے داخلہ اور قیام اور تعلیم کے مفصل قواعد مطبوعہ موجود ہین اور وہ دفتر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے مل سکتے ہین، ایک طالب العلم کے لیے مختلف قسم کی فیسون کی مجموعی تعداد پندرہ روپیہ کے قریب ہے، جو نسبتہً انگریزی کالجون سے ارزان ہے، اس وقت اس کے ابتدائی، ثانوی اور انتہائی درجون مین دو سو طلبہ تعلیم پا رہے ہین، اور امسال مزید اضافہ کی توقع ہے،

اس سلسلہ مین نامناسب نہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت مین چند مخلصانہ گذارشین پیش کی جائین، ہمین یہ ڈر ہے کہ اس کی مختصر مذہبی و عربی تعلیم مین "مجتہدیت" کی شان پیدا کرنیکی نہ کوشش کی جائے، کہ اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ نئے جن "مسلم یونیورسٹی کے اُن بچہ جنون سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہین، اور اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ اسکی معاشرت و سیاست مین "ہندیت" کا رنگ نمایان نہو، "فرنجیت" اور "ہندویت" اسلام سے مغایرت مین دونون یکسان ہین اور ان مین فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے، جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے نصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اُس کے ہر استاد اور طالب العلم کے سامنے رہین،

نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلا سے آزادی کی تحریک نہین، بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کر اس کے دماغی و ذہنی استیلا سے آزادی کی تحریک ہے، اس سے یہ مقصود نہین کہ ہم یورپ سے اُس کے

نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھیں لیکن اسکے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنے مذہبی حقائق مشرقی علوم اور آئین اصلاح وتجدید کا درس بھی اُسی سے حاصل کریں اور اس کی تصدیقی سند دیکر ہم اُن کے لیے صحت کا معیار ہ میں یورپ سے جاتی ہے، طالب العلم کے شائع شدہ خیالات اس ذہنی غمازی کر رہے ہیں، دیکھیں ہمارا یوسف مصر سے کنعان آتا ہے تو اہل میں پہلے کیا سمجھا، اندازہ یہ ہے کہ ہر ان بانی "سکے دامن خیال" کو کشمکش کے نتیجہ سے محفوظ رکھے،

جامعہ اس وقت قوم کے ارباب نظر کی نگاہوں میں آزمائش وامتحان کے دور میں ہے، ضرورت ہے کہ وہ ہر قدم پھونک پھونک کر قدم رکھے، تاکہ دوسرے چالیس برس کے بعد مسلمانوں کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑے کہ ہم پھر غلط راستہ پر چل پڑے ہوے ہیں اور منزل مقصود کی سمت اور ہے،

اسی کے ساتھ اس کے متعلق کچھ قوم کے بھی فرائض ہیں، اس کے ماہوار مصارف بڑی کفایت شعاری کے بعد غالباً اب ڈھائی تین ہزار ماہوار ہیں، بظاہر اسکی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، جناب حکیم صاحب کی بڑی دوڑ دھوپ اور محنت و جانفشانی کے بعد بعض ریاستوں سے اس کو کچھ ماہوار امدادیں ملی ہیں، کچھ دہلی سے مقامی اعانتوں کا سامان ہوا ہے، کچھ لوگ باہر سے کبھی کبھی کچھ بھیجدیتے ہیں، کچھ فیس کی رقمیں مل جاتی ہیں، مگر یہ صورت حال کب تک قائم رہ سکتی ہے، اس پراگندہ روزگاری سے پراگندہ دلی کا پیدا ہونا لازم ہے، ہماری قوم کو شکایت تھی کہ ہمارے جدید تعلیمیافتہ نوجوان ایثار نہیں کرتے، مگر اب ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان ایثار کرنیوالوں کو یہ شکایت نہو جائے کہ قوم ہماری ذرا بھی قدردانی نہیں کرتی،

اس وقت خواہ دینی ہو یا دنیاوی آزاد قومی درسگاہوں کا قائم رکھنا سخت مشکل ہو رہا ہے، ملک کے طول و عرض میں اس وقت جتنے غیر سرکاری عربی مدرسے ہیں، ان میں جو چند عمومی حیثیت رکھتے ہیں، اُن کی زندگی کا سہارا صرف حیدرآباد اور بھوپال کی ماہوار امدادیں ہیں اور اسکے بعد دہلی، بمبئی، کلکتہ اور مدراس کے بعض مسلمان تاجروں کی

آمیتین ہیں اور اُن کے بعد زکوٰۃ کی رقمین اور چرم قربانی کی قیمتین ہی ہمارے عربی مدرسون کی آمدنی کے چار ذریعے ہیں لیکن روز بروز یہ مشکل پیدا ہو رہی ہے کہ لوگون کی توجہ اُن کی طرف سے ہٹتی جاتی ہے۔

ایک مرکزی دینی عربی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اہتمام و انتظام کا بار ہمارے سپرد بھی ہے خدا جانتا ہے کہ اُس کے مصارف ضروریات کے پورا کرنے کی فکر کس طرح شب و روز اس کے کارکنون پر مسلط رہتی ہے مگر کامیابی کا کوئی ذریعہ نہیں سوجھتا اُس کی عظیم الشان درسگاہ سالہا سال سے نامکمل پڑی ہے جون تون کرکے ہم نے اِدھر لگا کر اس کے دار الاقامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا پچاس طلبہ کیلئے آٹھ کمرے کو کسی طرح تیار ہوگئے مگر بیچ کا دار المطالعہ ہنوز ناتمام اور اسپر بھی ایک ہندو ٹھیکہ دار کے سات ہزار کے ہم مقروض اور صرف اُس کے رحم و کرم کے تقاضے پر آج ایک سال سے جی رہے ہیں، پچھلے سال کا ندوہ کے جلاس میں دین جن جن صاحبون نے جو کچھ لکھا یا وہ بار بار کے تقاضون کے بعد بھی ہنوز ایفاے عہد کا منتظر...

یون ہون میں شکوہ سے یون راگ سے جیسے باجا　　اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

قوم کے حساس دل اصحاب کو متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر ہمارا یہی تغافل قائم رہا تو یہ عربی درسگاہین ایک ایک کرکے حکومت کے تعلقات میں گرفتار ہوتی چلی جائینگی بہت سی چلی گئی ہیں اور کچھ جانے کو تیار ہیں کہ اُن کے ارکان کا وجود بہرحال عزیز ہے ایسی حالت میں قوم کے خدمتگذار اور دین و مذہب اور اسکے علوم کے خُدام کا وجود بھی مفقود ہو جائیگا صرف تمام ملک میں "مولوی" کے بجائے "ہیڈ مولوی" ہی "ہیڈ مولوی" نظر آئینگے اس دردناک منظر کا تخیل آپ کے سامنے ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں؟

انگریزی تسلط کے بعد جہان انگریز سپاہیون نے ہندوستان کا ملک فتح کیا وہان انگریز عالمون نے یہان کے دماغون کو فتح کرنے کی کوشش کی انگریزی اسکولون اور کالجون کے جال سے اگر کوئی شکار محفوظ تھا تو وہ بیچارے

عربی فارسی یعنی مشرقی علوم پڑھنے والے ہندوستان کے دو کثیر التعداد مسلمان صوبون مین سب سے پہلے ان کے یہ پھندے بچھائے گئے، یعنی پنجاب اور بنگال مین حکومت انگریزی نے مشرقی علوم کی سرپرستی کے لیے اپنا دست شفقت پھیلایا، بنگال مین تو مدرسہ عالیہ کا جال ایسا پھیلا کہ آج تک بنگال مرغ تہ دام ہے، پنجاب مین لاہور مین اورینٹل کالج قائم ہوکر مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سندین بٹنے لگین، اور ان کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ آج اکثر پنجاب کے بڑے بڑے علما "مولوی فاضل" کا خطاب فخراً اپنے نام کے ساتھ بالالتزام لکھتے ہیں،

یہ مشرقی علوم کی ایسی درسگاہیں قائم ہوئیں جن کا سارا نظم ونسق اور تانا بانا انگریزوں کے ہاتھوں یا انگریزوں کے برابر مشرقی دانشمندون کی علمی سند یافتہ لوگوں کے ہاتھوں مین رہا اور جہاں تک ممکن ہوا دینیات کی کتابوں سے ان کو خالی رکھا اور اس طرح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے ان کے طلبہ کو اسلامیت سے پاک رکھکر خالص عربی علوم سکھلائے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب مین عربی جاننے والے تو بہت ہوگئے، مگر علما کم ہوگئے، پنجاب مین مذہب مین جدت پسندی کی جو بدعتین چالیس برس کے عرصہ مین پیدا ہوئی ہیں ہم تو ان سب کی اصل اور جڑ اسی غیر مذہبی عربی تعلیم کو قرار دیتے ہیں،

پھر اس کے ساتھ مزید ترغیب وتحریص کی شکلیں پیدا کی گئیں، یونیورسٹی کی سندون سے ممتاز کئے گئے، اسکولوں اور کالجوں مین ان کی مدرسی کا حق ترجیح تسلیم کیا گیا، رجسٹراری اور وکالت وغیرہ کا ان کو حق ملا، یونیورسٹی کے انگریزی امتحانون مین صرف انگریزی ادب مین امتحان پاس کرلینے پر دوسرے عام انگریزی طلبہ کے برابر ان کو بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں دی جانے لگین، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب اور بنگال مین کوئی بڑی آزاد عربی درسگاہ باقی نہ رہی، اور ان استحقاقات کے مقابلہ مین وہ قائم رہ سکتی تھی، پنجاب کی اس عظیم الشان اسلامی آبادی مین جہان تقریباً ہر ضلع مین ایک انگریزی اسلامی اسکول موجود ہے، پورے صوبہ مین بھی کوئی عربی کی بڑی قابل ذکر درسگاہ موجود نہیں، بنگال مین بھی عربی مدرسے یا تو سب وہ مدرسہ عالیہ کے پنجۂ نظام مین گرفتار ہے،

اب تک بہار اور صوبہ متحدہ جہان عربی کے بڑے بڑے مدرسے ہین اس جال سے محفوظ تھے ان دونون صوبون مین اُن مدرسون کو سرکاری قابو مین لانے کے لیے ایک ساتھ کام شروع ہوا، بہار مین مدرسہ شمس الہدی (پٹنہ) ایک ذاتی حیثیت سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ مدرسۂ عالیہ کے نظام مین منسلک ہو کر خود اس صوبہ کا ایک مستقل مرکزی نظام تعلیم ہو گیا، اور اسی کے پروازپراب اس کے تمام کل پرزے حرکت مین ہین صوبہ کے اکثر مدارس مین اس کا نصاب چل رہا ہے اور اس صلہ مین مالی امداد اور استحقاقات کے دو دانے جا رہے ہین جس کے باعث اسکو ترقی ہو رہی ہے گو اتنی ہی سرعت سے آزاد مدارس کی کمزوری اور فنا کے دن قریب آ رہے ہین، عنقریب اس علم و فن کی سرزمین مین بھی پنجاب اور بنگال کا موسم نمودار ہونے والا ہے چنانچہ یہان بھی گو پہلے الہ آباد یونیورسٹی نے استحقاقات کے دانے چھینٹے اور مشرقی امتحانات کا جال بچھایا مگر اس صوبہ کے اہل علم نے یہ ثابت کر دیا کہ ع بدام و دانہ نہ گیرند مرغ دانا را،

آخر کار مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی گورنمنٹ نے دار العلوم ندوہ کی مالی اعانت سے عربی مدرسون کی مالی امداد کی نئی روش کا آغاز کیا، اس کے بعد ان مدارس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عربی دان کو بحوالہ ایسٹ فاضل کا انتخاب ہوا، اور اس عہدہ پر بالفعل ہمارے عزیز دوست مولوی ضیاء الحسن صاحب ندوی ایم اے ممتاز ہین انھون نے نہایت محنت سے ان مدارس کی تنظیم کی ہے اُن کے لیے ایک نیا نصاب تجویز ہوا ہے اور اس نئے نظام کے تحت مین بہت سے عربی مدارس آ گئے ہین، اور انھون نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کر لیا ہے چنانچہ اب وہان کے امتحانات ملا فاضل و مولوی فاضل کے کامیاب علماء کو ہیڈ مولوی بننے کا استحقاق حاصل ہو گیا ہے،

سب سے آخر مین ہمارے صوبہ کی سب سے نوعمر لکھنؤ یونیورسٹی نے اس مین قدم رکھا اس نے چند سال سے فاضل ادب و فاضل حدیث وغیرہ کے نام سے امتحانات کھولے ہین طلبہ اور دوسرے عربی مدارس سے پڑھ کر اُن امتحانات مین شریک ہو رہے ہین جون کے اواخر مین یونیورسٹی نے مزید ترغیب پیش کی ہے کہ اپنے یہان کے مشرقی امتحانات کے کامیاب طلبہ کو

اپنے کالج مین پنجاب کی طرح صرف انگریزی امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی اجازت دیکر بجلی گرا دی اور مدرسہ کے خرمن پر گرے یا نہ گرے مگر ہمارے مدرسہ کے خرمن پر تو گر رہیگی کہ یہ آگ ہمارے خرمن کے عین بیچ مین لگی ہے (لکھنؤ یونیورسٹی اور دار العلوم ندوہ دونون ہمسایہ واقع ہین) طلبہ نہایت آسانی کے ساتھ ان امتحانات مین شریک ہو کر استحقاقات ملازمت حاصل کر رہے ہین اور یہ شعبدہ بازی عین اسوقت کی جا رہی ہے جبکہ پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کی بلند بانگی کا طلسم ہماری آنکھون کے سامنے ٹوٹ رہا ہو اور یہ استحقاقات سال بسال سلب ہو رہے ہین چنانچہ صرف انگریزی ادب کا امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنیکی رعایت بھی غائب ہو چکی ہے اور تاہم وہی کھیل جو پنجاب مین کھیلا گیا ہمارے صوبہ مین کھیلا جا رہا ہو اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ خود اس کھیل مین شریک ہین،

اس صوبہ کے عربی مدرسے سمجھ لیجیے کہ تمام ہندوستان مین مذہبی علوم و فنون اور دینی اخلاق و تربیت کا بار اٹھائے ہوئے ہین اور یہین سے علماء، مدرسین، واعظین، خطباء، مناظرین اور قوم و مذہب کے خدمتگذار نکل نکل کر پھیل رہے ہین اور درحقیقت وہی اس پورے ملک کی مسلمان قومیت کے اصلی کارکن اور رہنما ہین اگر پنجاب بنگال، بہار کی طرح اس صوبہ مین بھی قومی عربی مدارس کی تخریب کی یہ تدبیر آپکی غفلت ناتوجہی اور عدم امداد سے کارگر ہو گئی تو پھر ہندوستان مین اسلامی و شرعی علوم کا اللہ مالک ہے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کرسکتی؟

(۴)

ہم اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اسپر قلم اُٹھاتے ہوئے اس لیے جھجکتے تھے، کہ یہ فقیہانہ بحثیں لوگون کو بے مزہ معلوم ہون گی گر وقت کی نزاکت اور حالات کے تقاضے نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا تاہم اب یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ عوام اور خواص دونون طبقون مین ان مباحث کو دلچسپی سے پڑھا جارہا ہے کہ مسلمانون کی بہت سے معاشرتی و اجتماعی حالات کا درست ہونا ان مباحث کے سلجھانے پر موقوف ہے نیز مسلمان عورتین جو اپنے حقوق سے روز بروز واقف ہوتی جاتی ہین ضرورت ہے کہ تحقیق کے ساتھ اُن کو ان کے جائز حقوق بتا دیے جائین اور وہ سیلاب بلا جو مغرب اور مشرق سے مسلمان عورتون کے حدود حرم مین داخل ہو رہا ہے اسکے انسداد کی صورت پیدا ہو،

اس سے پہلے مضمون کے تین نمبر گذر چکے ہین اب یہ چوتھا نمبر ہے،

اس بحث کے قطعی فیصلہ کے لیے صرف ایک مسئلہ کا ذکر باقی ہے، اور وہ یہ کہ عاقل و بالغ لڑکی کے نکاح مین ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہین، امام شافعی اس کے قائل ہین کہ کسی عورت کا کوئی نکاح خواہ وہ کنواری ہو، بیوہ ہو، مطلقہ ہو، بالغہ یا نابالغہ کوئی ہو بغیر ولی کی اجازت کے جائز نہین اور یہ اجازت نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت ہونی چاہیے، اور اگر ولی نے بعد کو اجازت دی تو دوسرا نکاح بعد کو از سر نو پڑھوانا ہوگا، کیونکہ پہلا نکاح باطل و بیکار تھا، غرض امام شافعی کے نزدیک کنواری لڑکی کیلیے

صرف باپ کی رضامندی کافی ہے لڑکی کی رضامندی ضروری نہین اور اگر لڑکی ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) ہے
تو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ولی جائز کی رضامندی بھی شرط ہے تاہم ولی کا فرض یہ ہے کہ لڑکی جس سے
نکاح کرنا چاہے اس سے زبردستی نہ روکے اگر وہ روکے گا تو لڑکی کو حق ہے کہ وہ عدالت مین دعوی کرکے
اس سے بدرجہ اجازت حاصل کرلے[1]

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ نیچے طبقہ اور ادنی خاندان کی اگر لڑکی ہے تو ولی کی اجازت
بغیر وہ نکاح کرسکتی ہے لیکن اعلی اور شریف خاندان کی لڑکی کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے
کیونکہ یہ لازمہ شرافت ہے

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کی شرط صرف کمسن اور نابالغ لڑکی کیلیے ہے جہانتک بالغ
لڑکی خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ اعلی ہو یا ادنی اس کے نکاح کے جائز اور صحیح ہونے کے لیے ولی کی اجازت
اور رضامندی قانوناً ضروری نہین ہے البتہ اخلاقاً ایک سعادتمند لڑکی کا فرض یہ ہے کہ اپنے ولی کی اجازت
اور رضامندی اس باب مین ضرور حاصل کرلے اگر لڑکی نے ایسا نہ کیا اور ولی کی رضامندی اور اجازت
کی پروا نہ کی اور نکاح کرلیا تو ولی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہین ہے الا یہ کہ لڑکی نے اپنے سے فروتر
اور عیب دار خاندان مین شادی کرلی یا خاندانی دین مہر سے کم دین پر شادی کرلی، تو چونکہ لڑکی کے اس
فعل کا اثر خاندان کی عزت اور وقعت پر پڑتا ہے اس لیے ایسی لڑکی کے خلاف ولی کو عدالت مین چارہ جوئی
کا حق حاصل ہے اور ولی کی درخواست پر قاضی کے فیصلے سے ایسا نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے،

جہانتک ثیبہ لڑکی کا تعلق ہے ان دونون امامون کی رائے کے مطابق عملاً اس کی آزادی
اور حقوق پر کوئی اثر نہین پڑتا، اگر پڑتا ہے تو صرف اس قدر کہ امام ابوحنیفہ لڑکی کی رائے اور مرضی کے
مقابلہ مین ولی کو کسی قسم کا حق مداخلت نہین دیتے،

---

[1] کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۴۹

امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی صورت مین لڑکی سلطنت یعنی قاضی کے یہان مرافعہ کرکے اپنی مرضی کے مطابق اجازت حاصل کریگی اور اسوقت ولی کی راے اور مرضی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائیگا

البتہ کنواری لڑکی کے حق مین ان دونون مجتہدین کے درمیان سخت تخالف ہے، امام اعظم کنواری لڑکیونکی مرضی کے مقابلہ مین بھی ولی کی مرضی اور اجازت کو قانوناً کوئی ضروری چیز نہین سمجھتے، اور امام شافعی ضروری سمجھتے ہین، اور ولی کی اجازت کے بغیر کسی کنواری لڑکی کا نکاح نادرست کہتے ہین، ولی نہو تو خاندان کا بڑا یا قاضیِ وقت اس کا ولی قرار دیا جائیگا،

امام مالک کا مسلک گو معتدل ہے تاہم عملاً وہ گویا امام ابوحنیفہ ہی کے مسلک کے قریب ہے کہ ادنی اور اعلے طبقہ کا فرق کرکے ادنی درجہ کی لڑکی کے حق مین ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کو درست کہنا اور اعلے طبقہ کی لڑکی کے لیے اس کو نامناسب سمجھنا، ولی کی اجازت کے مسئلہ کو قانونی حیثیت سے گراکر محض اخلاقی حیثیت قرار دیتا ہے، نیز ادنی اور اعلیٰ کا فرق کرنا اور اس کا معیار مقرر کرنا عملاً نہایت مشتبہ ہے[1]،

امام شافعی نے اپنے مسلک پر قرآن، حدیث اور قیاس سے استدلال کیا ہے، قرآن پاک سے اُن کا استدلال یہ ہے کہ قرآن پاک مین ہے،

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ — تو عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح سے نہ روکو،

امام شافعی کہتے ہین کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار ایک صحابی کی بہن کو اُن کے شوہر نے طلاق رجعی دی تھی، مگر مدت کے اثنار مین شوہر دوبارہ اُن کو اپنی زوجیت مین لانا چاہتا تھا، وہ بی بی بھی یہی چاہتی تھین مگر اُن کے بھائی معقل بن یسار اپنے بہنوئی کے اس فعل سے ناراض ہوکر دوبارہ نکاح کی اجازت نہین دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ ادلیا، کو عورت کی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہیے، امام شافعی کہتے ہین کہ اگر ولی کو روکنے کا حق نہوتا، تو معقل کیون منع کرتے اور کیونکر روک سکتے تھے،

[1] بغدادی مالکیون نے امام مالک کی راے امام شافعی کے موافق بھی نقل کی ہے، واللہ اعلم،

اور اس آیت کے اترنے ہی کی کیا ضرورت تھی، اس سے معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے، لیکن حتی الامکان عورت کی مرضی کے خلاف اسکو نہ کرنا چاہیئے،

امام شافعی کے اس استدلال پر جسکو خود انھون نے کتاب الام مین لکھا ہے، نہ صرف احناف بلکہ مالکیون نے بھی سخت اعتراض کیے ہین اور ثابت کیا ہے کہ اس آیت پاک سے تو الٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف مرد کو روکنے کا حق حاصل نہین ہے، قاضی ابوالولید بن رشد مالکی نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد مین نہایت خوبی سے اسکو ثابت کیا اور امام ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے،

اس استدلال کا آسان جواب یہ ہے کہ جاہلیت مین مردون کو عورتون پر جو جابرانہ حقوق حاصل تھے، ان مین سے ایک یہ بھی تھا کہ ولی جس سے چاہتے تھے نکاح کردیتے تھے اور جس سے چاہتے تھے نہین کرنے دیتے تھے، حضرت معقل بن یسار اسی رواج و عمل کے مطابق کسی شرعی حق سے نہین بلکہ زبردستی اور زور سے بہن کو یہ نکاح نہین کرنے دیتے تھے، قرآن پاک نے اس آیت سے اس رسم و رواج کو توڑ کر عورتون کو ان کا مغصوبہ حق واپس دلایا، اس لیے اس آیت پاک سے امام شافعی کا اپنے مسلک پر استدلال میرے نزدیک صحیح نہین،

اس کے بعد انھون نے اپنی تائید مین دو حدیثین نقل کی ہین، بیہقی اور دار قطنی نے سنن مین اور متعدد حدیثین ان کی تائید مین اضافہ کی ہین، مگر حق یہ ہے کہ امام شافعی کی پیش کردہ دو حدیثون کے علاوہ اور سب کی سب تمام تر ضعیف، کمزور اور مجروح ہین، امام شافعی نے جو دو حدیثین پیش کی ہین، ان مین ایک حضرت عائشہؓ سے اور دوسری حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل وثلاثا، فان دخل بھا فلھا	جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اسکا نکاح باطل ہو، باطل ہے، باطل ہے،

المهر بما استحل من فرجها فان اشتجروا　　　　اگر شوہر نے خلوت کرلی ہے تو اسکو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر دوستاں

فالسلطان ولی من لا ولی له　　　　اختلاف میں جھگڑا ہو تو حکومت اسکی ولی ہے جس کا ولی کوئی نہو

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ میں ہے، دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

لا نکاح الا بولی　　　　کسی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے،

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی اور مسند احمد میں ہے ان دونوں حدیثوں کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ آج ہی سے نہیں بلکہ پہلی ہی صدی ہجری سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ یہ صحیح ہیں یا نہیں، چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ ایسے ضروری مسئلہ کے متعلق یہ اور کوئی صاف اور غیر مشتبہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے، اور غالباً جو اعتراضات ان دونوں حدیثوں کی صحت پر کیے جاتے ہیں انھیں کی بنا پر امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں ان کو قبول نہ کیا، اور امام مالک نے بھی موطا میں اس کے متعلق کوئی مرفوع حدیث نقل نہیں کی، حالانکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ضرورت ہر خاندان میں عموماً پیش آتی رہتی ہوگی،

بہرحال ان دونوں حدیثوں کا بھی یہ حال ہے کہ ان میں سے ایک بھی شکوک و شبہات اور اعتراضات سے خالی نہیں ہے، امام حاکم نے مستدرک میں مختلف طریقوں سے ان حدیثوں کے صحیح ثابت کرنے کی بے انتہا کوشش کی ہے، امام ترمذی نے بھی ان اعتراضات کو صفائی کے ساتھ لکھا ہے، اور مختصراً جواب دیا ہے امام طحاوی، عینی اور ابن ہمام نے ان جوابات پر مفصل تنقید کی ہے،

حضرت عائشہؓ کی حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ والی حدیث کا سلسلہ یہ ہے کہ ان سے عروہ، عروہ سے زہری، زہری سے سلیمان بن موسیٰ اور سلیمان سے ابن جریج اور ان سے اور لوگ روایت کرتے ہیں، غرض اس کے مرکزی راوی تنہا زہری ہیں زہری کے علاوہ اور کسی نے اس کو عروہ سے نقل نہیں کیا ہے، ابن جریج نے

پہلے یہ حدیث زہری سے نہیں سنی تھی بلکہ اُنکے شاگرد سلیمان سے سُنی تھی، ابن جریج کہتے ہیں کہ اسکے بعد مجھے خود زہری سے ملنے کا اتفاق ہوا تو میں نے اُن سے یہ حدیث دریافت کی تو انھوں نے کہا میں نے اس قسم کی کوئی روایت بیان نہیں کی ہے اسکے بعد اس روایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے

سلیمان بن موسیٰ (اموی) جو اس حدیث کا زہری سے سننا بیان کرتے ہیں، وہ بہت بڑے فقیہہ ہیں، اور محدثین کے ہاں بھی وہ ثقہ مانے جاتے ہیں، مگر ساتھ ہی وہ مدلس اور روایتوں میں بے پروا تھے اسی لیے ان کے ہاں کثرت سے منکر روایتیں بھی ملتی ہیں اور ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن کی تصدیق اُن کے ہم درس رفقاء نہیں کرتے امام بخاری کہتے ہیں "عندہ مناکیر" یعنی ان کی حدیثوں میں منکر روایتیں بھی ہیں، ابوحاتم کا قول ہے ان کی جگہ سچائی کی ہے، ان کی حدیث میں کچھ اضطراب ہوتا ہے اور مکحول کے شاگردوں میں ان سے بڑھ کر اور کوئی مجھے نہیں معلوم" امام نسائی کی ان کی نسبت یہ رائے ہے کہ "وہ فقہاء میں سے ایک ہیں، لیکن حدیث میں قوی نہیں" ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں کچھ ہے" ابن عدی نے کہا ہے کہ "وہ فقیہہ راوی ہیں، ثقات نے اُن سے روایتیں کی ہیں، شام کے علماء میں سے ایک ہیں، اور اُنھوں نے چند ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں وہ تنہا ہیں، اُن کے سوا کسی اور نے نہیں روایت کی ہیں اور وہ میرے نزدیک ثابت اور سچے ہیں" ابن المدینی کا بیان ہے کہ مرنے سے پہلے ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا،

ان بیانات کے بعد اس خاص روایت پر غور کیجئے کہ وہ امام زہری سے اس کا سننا بیان کرتے ہیں اور وہ اس سے انکار کرتے ہیں اور ان کا مسلک بھی اس کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ اس کے خلاف ان کا عمل صحیح مستند ذریعہ سے ثابت ہے، اس روایت میں دو باتیں ایسی ہیں جن کی تصدیق کسی اور روایت سے نہیں ہوتی، ایک تو ولی کی وساطت کی نہیں بلکہ ولی کی اجازت اور اذن کی قید اور دوسرے یہ کہ اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت اور اذن کے بغیر نکاح کر لیا تو وہ نکاح باطل ہے باطل ہے" حالانکہ اس سے زیادہ مستند اور صحیح حدیثوں کے رو سے کم از کم ثیبہ کیلئے اس اجازت اور اذن کا غیر ضروری ہونا غیر مشتبہ طریقہ سے ثابت ہے جیسا کہ اس مضمون کے گذشتہ نمبروں میں بہ تفصیل گذر چکا ہے،

اس حدیث کے بعض طرفداروں نے دو جوابات دیے ہین، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ امام زہری کو اپنی یہ روایت سلیمان بن موسیٰ سے بیان کرنے کے بعد یاد نہ رہی ہو، اس قسم کا واقعہ اور بزرگون کو بھی پیش آیا ہے، دوسرے یہ کہ ابن جریج سے زہری کے اس انکار کے راوی ابن علیہ (اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم) ہین، ان ابن علیہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ حدیث کے ماہرین مین نہ تھے، پہلا جواب اس وقت تک قابل قبول نہین ہوسکتا جب تک امام زہری کے اس سوء حافظہ کی نسبت معتبر لوگون کی شہادتین نہ ملین اور ایسی کوئی شہادت قطعاً موجود نہین ہے، اور اگر بالفرض ایسی شہادتین مل جائین تو معاذ اللہ پھر امام زہری کا بھی اعتبار جاتا رہے، حالانکہ علم حدیث کی عمارت کے سب سے بڑے رکن ہین، ان کے گرنے سے یہ ساری عمارت ہی متزلزل ہوجائے گی، اس موقع پر دوسرے بزرگون کی اس قسم کی نظیرین پیش کرنا بیکار ہے کہ زید کے سوء حافظہ کے ثبوت سے بکر کا سوء حافظہ ثابت نہین ہوسکتا،

دوسرا جواب پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے، ابن علیہ ان محدثین مین ہین جو رد و قدح اور اعتراض و جرح سے بالاتر ہین، ان کی جلالت شان اور مہارت فن پر تمام محدثین کا بلا استثنا اتفاق عام ہے، ان کی یہ شان ہے کہ تمام عمر مین صرف ایک دفعہ ایک نام کی تبدیلی کے سوا اور کوئی غلطی اُن سے نہین ہوئی، چنانچہ ارباب نقد کی ان کی نسبت رائین سنیئے، شعبہ کہتے ہین "وہ فقہا کے پھول ہین، محدثون کے سردار ہین" ابن مہدی کہتے ہین "ابن علیہ ہشیم سے بڑھ کر ہین" قطان کی رائے ہے کہ "وہ وہیب سے بڑھ کر ہین، حماد بن سلمہ اُن کے سوا کسی اور کو خاطر مین نہین لاتے تھے" امام احمد فرماتے ہین "بصرہ مین علم حدیث کے دو مرکز ہین" یحییٰ بن معین کہتے ہین "ثقہ ہین، مامون ہین، مسلم الثبوت راستگو ہین، پرہیزگار اور متقی ہین" امام باقر (غندر) کہتے ہین "میری طلب علم کے زمانہ مین اُن سے بڑھ کر کوئی نہین سمجھا جاتا تھا" قتیبہ کی روایت ہے کہ "محدثین صرف چار حفاظ حدیث تسلیم کرتے تھے، جن مین ایک وہ تھے" ایک دفعہ کوفہ اور بصرہ کے محدثین ایک جگہ جمع تھے، اور دونون شہرون کی علمی فضیلت کا مناظرہ درپیش تھا، اس وقت کوفہ

کے جو تین نے کہا کہ "تم اپنے مین سے ابن علیہ کو مستثنیٰ کرکے جسکو چاہو ہمارے مقابلہ مین پیش کرو"
زیاد بن ایوب کہتے ہین کہ ہم نے ابن علیہ کے سامنے کتاب نہین دیکھی، اور وہ ایک ایک حرف کو
گن گن کر بیان کرتے تھے، ابو داؤد کہتے ہین کہ محدثین مین کوئی ایسا نہین ہے جس سے بلا قصد کوئی غلطی
نہ ہوگئی ہو، لیکن دو شخص اس سے مستثنیٰ ہین، ابن علیہ اور بشر بن مفضل، امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت
ہین، ابن سعد کی شہادت ہے کہ وہ ثقہ، حدیث مین مستند، ثبت، اور حجت ہین، علی بن المدینی فرماتے ہین کہ
مین نہین کہہ سکتا کہ حدیث مین ان سے بھی زیادہ کوئی مستند اور ثبت پایا جاتا ہے، عثمان بن ابی شیبہ
کہتے ہین کہ اہل بصرہ مین کسی کو مین ان پر فضیلت نہین دے سکتا،[1] ان سب باتون پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے
خلاف کوئی ایک جرح بھی منقول نہین کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے حدیث مین پوری محنت
نہین کی تھی، کما روی الترمذی وهٰكذا حكم عن احمد وقد قدما قال فيه احمد

اس پوری تفصیل کے بعد اب غور کیجیے کہ زہری سے سلیمان بن موسیٰ جن کا حال آپ سن چکے یہ روایت
کرتے ہین کہ مین نے یہ سنا، اور ان سے سنکر ابن جریج سے یہ روایت بیان کی، ابن علیہ جن کی جلالت و عظمت کا
حال بھی آپ کی نظر سے گذر چکا وہ یہ کہتے ہین کہ ابن جریج نے زہری سے ملکر جب اس روایت کی تصدیق
چاہی تو انھون نے کہا کہ مین نے یہ نہین بیان کیا، اب اعتبار اور استناد کا پلہ کدھر جھکتا ہے اور کس کی تصدیق
و توثیق اس باب مین مقدم ہے آپ خود فیصلہ کر لیجیے،

اس تمام تفصیل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث کہ جس کے رو سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ولی کے اذن و اجازت
کے بغیر کوئی نکاح جائز نہین، پایۂ اعتبار سے ساقط ہے،

اب رہی دوسری حدیث

حضرت ابو موسیٰ کی حدیث یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ ؓ سے مختلف طریقون سے روایت کی جاتی ہے کسی مین کوئی

[1] تہذیب التہذیب

نام بڑھا دیا جاتا ہے، کسی مین کوئی نام گھٹا دیا جاتا ہے،

حضرت ابو موسیٰ سے اس کے تنہا راوی ابو بردہ ہین، اور اُن سے تنہا راوی ابو اسحاق ہین، ابو اسحاق سے پھر اُن کے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہین، اب اس روایت کے اختلاف طرق کو دیکھیے،

۱- اسرائیل، شریک اور ابو عوانہ وغیرہ نے اس طریق سے روایت کی ہے، عن ابی اسحاق عن ابی بردة، عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم،

۲- اسباط بن محمد و زید بن حباب اس طرح نقل کرتے ہین، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردة عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم یونس بن ابی اسحاق کا اضافہ ہے،

۳- ابو عبید الحداد کی روایت، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردة عن ابی بردة عن ابی موسیٰ، عن النبی صلعم، ابو اسحاق کو حذف کر دیا،

۴- بروایت بعض عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردة عن النبی صلعم، شروع سے ابو اسحاق اور آخر سے ابو موسیٰ کا نام نکل گیا،

۵ شعبہ اور ثوری کا طریقہ یہ ہے، عن ابی اسحاق عن ابی بردة عن النبی صلعم، آخر مین حضرت ابو موسیٰ رض کا نام نہین،

ابو اسحاق اور ابن ابی اسحاق کے ابتدائی اختلاف سے قطع نظر کرکے اصل خرابی اسمین یہ ہے کہ ابو اسحاق سے اکثر اصحاب اس کو موصول روایت کرتے ہین یعنی ابو اسحاق سے آنحضرت صلعم تک مسلسل اسحاق ابو بردہ سے اور ابو بردہ ابو موسیٰ سے اور ابو موسیٰ آنحضرت صلعم سے، مگر بعض لوگ جن مین سب سے اہم شخصیتین شعبہ اور امام ثوری کی ہین، انھون نے اسکو مرسل روایت کیا ہے، یعنی اس طرح کہ وہ ابو اسحاق سے اور ابو اسحاق

---

[1] جامع ترمذی کا جو نسخہ ۱۳۰۸ھ مین مطبع العلوم دہلی مین مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے زیر تصحیح چھپا ہے، اس موقع پر غلط ہے، اسمین صرف حضرت شعبہ اور ثوری کی روایت کی سند عن ابی اسحاق عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم لکھی ہے، اور دوسری سند بھی غلط ہے، اس مین عن ابی اسحاق بڑھا دیا ہے، دیکھو مطبع مجتبائی دہلی اور فتح الباری ۹-۱۵۷ اور مستدرک ۲-۱۷۰،

ابوبردہ سے اور ابوبردہ اسکو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہین' یہ طریقہ مرسل ہی کیونکہ ابوبردہ تابعی ہین
آنحضرت صلعم کو نہین پایا تھا' اب اگر یہ موصول صحیح ہو جیسا کہ اور لوگ کہتے ہین تو یہ حدیث سند کے قابل ہی اور اگر
یہ مرسل ہے جیسا کہ شعبہ اور ثوری نے نقل کیا ہے تو یہ حجت نہین ہو سکتی گو ابو اسحاق سے روایت کرنیوالون
کی کثیر تعداد اس کو موصول کرکے نقل کرتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ وثوق حفظ' شہرت اور فضل وکمال کے لحاظ سے
ان مین شعبہ اور ثوری کا کوئی ہمسر نہین اس بنا پر شعبہ اور ثوری جب اس روایت کو مرسل اور غیر مرفوع
کہتے ہین تو عام افراد کو اُن کے خلاف ترجیح دیکر اس کو موصول قرار دینے مین بہت سے لوگون کو تامل ہے'

اس روایت کے طرفدارون نے دو کوششین کی ہین' اول یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ گو عام طور سے
شعبہ اور ثوری سب سے بہتر ہین مگر خاص ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل کو ان پر بھی ترجیح ہے اور
اسرائیل نے اس کو موصول نقل کیا ہے' اس لیے یہ موصول ہو کر قابل حجت ہے' دوسری کوشش یہ کی ہی
کہ یہ کہدیا کہ ثوری نے بھی اس کو موصولاً (عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ) روایت کیا ہے' مگر یہ دوسری کوشش
تمامتر لغو ہے' سفیان ثوری نے اپنی جامع مین اس کو مرسل ہی نقل کیا ہے' اسی لیے امام ترمذی نے صاف کہدیا
ہے کہ یہ صحیح نہین ہے' البتہ یہ درست ہے کہ ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل بہت زیادہ مستند ہین' پھر یہ کہ
شعبہ اور ثوری دونون نے ایک ساتھ ایک مجلس مین ابو اسحاق سے اس کو سنا ہے' اور دوسرون نے مختلف
وقتون اور مختلف مجلسون مین اسکو ابو اسحاق سے سنا' کسی درس و محدث کا ایک مجلس مین غلطی کرنا ممکن ہے'
اس لیے قرینہ غالب یہ ہے کہ اس بارہ مین شعبہ اور ثوری کے مقابلہ مین دوسرے کثیر اشخاص کی سماعت جو
اس کو موصول بیان کرتے ہین' زیادہ صحیح ہو'

اس معنی کی اور بھی متعدد حدیثین لوگون نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے روایت کی ہین' مگر
وہ تمامتر مجروح وضعیف ہین بیشتر مراسیل ہین اور محدثین احناف نے ان مین سے ہر ایک کا ضعف ظاہر کردیا ہے'
تاہم اس مین شک نہین کہ ان کی مجموعی تائید سے ابو اسحاق کی اس روایت کی صحت زیادہ قوی ہوجاتی ہے'

اسی لیے اُن محدثین نے بھی جو اس روایت کو صحت کے اعلیٰ معیار پر نہین جانتے اس کو قبول کرنے کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے باوجود اس کے کہ اس کو اپنے شرائط کے مطابق نہ پاکر اپنی کتاب مین درج نہین کیا ہے تاہم ان الفاظ لا نکاح الا بولی کو عنوانِ باب قرار دیکر بعض آیتون اور بعض حدیثون سے استنباط کر کے ثابت کرنا چاہا ہے، تاہم چونکہ دلائل زیادہ مضبوط نہ تھے اس لیے امام موصوف نے اُدھر کے میلان کے باوجود باب کا عنوان یہ رکھا ہے،

باب من یقول لا نکاح الا بولی — ان لوگون کی دلیلون کا باب جو یہ کہتے ہین کہ ولی کے بغیر نکاح نہین،

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی دوسرے فریق کے لیے پاؤن ٹیکنے کی جگہ ہے، اس کے بعد امام موصوف نے ان تین آیتون کو نقل کیا ہے جن مین اللہ تعالیٰ نے مردون کو خطاب کر کے مسلمان عورتون کے نکاح اور کافر عورتون کے عدم نکاح کا حکم دیا ہے، مگر ان آیتون کے مقابلہ مین جو دوسری آیتین ہین جن مین خود عورتون کی طرف نکاح کے فعل کو منسوب کیا گیا ہے چھوڑ دیا ہے، پھر تین حدیثین نقل کی ہین جن مین سے ایک معقل بن یسار صحابی کی بہن کا واقعہ ہے کہ اُن کے بھائی نے ان کی شادی کردی، دوسرا حضرت عائشہؓ کا تاریخی بیان ہے کہ عرب مین چند طرح کے نکاح جاری تھے، اسلام نے ایک کے سوا سب کو حرام کر دیا، اور ایک جسکو جائز کیا وہ وہی ہے جس کا آج رواج ہے، یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس کے زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کی نسبت نکاح کا پیغام دیتا ہے، وہ اس کو قبول کر لیتا یا انکار کر دیتا ہے، تیسری حدیث اس بدصورت دولتمند یتیم لڑکی والی پیش کی ہے جسکے ولی اس کی بدصورتی کی سبب سے نہ خود نکاح کرتے ہین اور نہ دولت کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے اس کو دوسرے سے بیاہ دیتے ہین، ایسے اولیاء کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے، چوتھا واقعہ حضرت حفصہؓ کا پیش کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا،

مگر میری راے مین ان مین سے کوئی حدیث اصل مدعا پر منطبق نہین ہوتی، معقل بن یسار کے واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ لڑکی کی مرضی کے مطابق ولی کو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر نکاح کر دینا پڑا، اور ولی کو مخالفت کا

ہوئی اخبار رہ جاتا، دوسری حدیث سے مسئلہ کی عام صورت رائج الوقت معلوم ہوئی، جو عموماً آج بھی رائج ہے اس کا یہ ثبوت نہیں ہو کہ صرف یہی طریقہ جائز ہے، خود آنحضرت صلعم کے نکاح ہوئے ہیں، آنحضرت صلعم نے بعض مسلمان عورتون کے نکاح کیے ہیں، خود حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجیون کے نکاح کیے ہیں مگر مخصوص اس صورت پر نہیں ہوے اور بہت سے صحابہ نے براہ راست عورتون کو پیغام دیے ہیں، اس کے لیے اس مین عام رائج کثیرالوقوع صورت کا صرف تذکرہ ہے، دوسری صورت کی ممانعت نہین ہے جو تھا واقعہ صرف اس کو ظاہر کرتا ہو کہ باپ اپنی لڑکی کا پیغام دے سکتا ہے، اور اس کا نکاح پڑھا دے سکتا ہے اور ہمین بھی کسی بات سے اس کو انکار نہین

پھر وہی ایک حدیث رہ جاتی ہے کہ لا نکاح الا بولی اس کے صحیح مان لینے کے بعد بھی یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور منشا کیا ہے،

اتحاد (بہار شریف) کا سالگرہ نمبر

صوبۂ بہار کے واحد ہفتہ مین دو بار شائع ہونے والا اخبار اتحاد کا سالگرہ نمبر نہایت اہتمام کے ساتھ ماہ ستمبر مین شائع ہوگا، اُسمین مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین اعلیٰ تصویرین، رنگین اور سادہ نقشے اور کارٹون وغیرہ بکثرت ہون گے اس کا حجم سو صفحون سے زیادہ ہوگا اور دس ہزار کی تعداد مین چھپے گا صوبۂ بہار اسلامی ہندوستان کا اہم صوبہ ہے اسکے حالات سے دوسرے صوبون کے لوگون کو واقف ہونا چاہیئے جس کا ذریعہ صرف اخبار اتحاد ہے اسکی عام قیمت سے سالانہ ہے اور اس کے آئندہ سالگرہ نمبر کی قیمت فی جلد مع محصول ڈاک و رجسٹری فیس صرف ۱۲؍ شہرین کے لیے نادر موقع ہے اس صوبہ مین ان کے تجارتی سامانون سے واقفیت اسی اخبار سے ہو سکتی ہے اشتہار کا خاص رعایتی نرخ مینجر اتحاد بہار شریف (پٹنہ) سے فوراً طلب کیجیے،

امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا

از جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری، زراعتی کالج، لائل پور

معارف جلد ۱۵ نمبر ۲ میں ورلڈ ٹوڈے کے فروری ۱۹۲۶ء کے حوالہ سے ایک مختصر سا نوٹ اس مضمون کا تھا کہ امریکہ کولمبس سے عرصہ پہلے معلوم تھا، مجھے یہ مضمون دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ میں نے "ورلڈ ٹوڈے" کا مندرجہ بالا نمبر منگوایا، مضمون نہایت دلچسپ ہے، اس کے ترجمہ کا خیال پیدا ہوا، لیکن رسالہ ہذا کے سرورق سے معلوم ہوا کہ مضمون زیر بحث کے ترجمہ کی اجازت نہیں ہے، میں نے رسالہ مذکور کے منیجر کو اجازت کے لیے لکھا وہ خود اجازت نہیں دے سکتا تھا، چنانچہ اس نے میری چٹھی ورلڈ ورکس کے کارکنوں کے پاس بھیج دی، جنھوں نے نہ صرف اجازت ہی دی، بلکہ "ورلڈ ورکس" کے ایک نمبر کا حوالہ بھی دیا، جس میں یہی مضمون اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا، یہ مضمون خاص طور پر کالی دنیا کے لوگوں کے لیے بہت دلچسپ ہے، کیونکہ امریکہ کی دریافت میں اُن کا بھی بہت سا حصہ معلوم ہوتا ہے، لہذا مضمون ہٰذا کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے، میں کارپردازانِ "ورلڈ ورکس" کا سپاس گذار ہوں جنھوں نے بڑی خوشی سے مجھے اپنا شوق پورا کرنے کی اجازت دی،

(سردار محمد)

گذشتہ ۴۳۴ سال تک کولمبس کو دنیا بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی رہی ہے، اسے سیرت کا نمونہ اور مردانہ وار کامیابی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے، بلکہ یہ عزت و احترام ادب اور محبت کے درجہ تک پہنچ چکا تھا، گذشتہ چند سال میں جو تحقیقات ہو چکی ہے، وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے، کیونکہ اس کے نتائج کے مطابق اگر کولمبس کا نام اپنی تمام شہرت نہ کھو بیٹھے، تو کم از کم اس شہرت میں کمی ضرور واقع ہو جائے گی، نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کولمبس گو بہت بڑا اور نہایت اچھا انسان ہو لیکن

لیکن اُس نے امریکہ کو دریافت نہین کیا تھا، بلکہ اب تو کولبس کی اپنی ذات کے متعلق تحقیقات نہایت ضروری ہو گئی ہے، جن محققون نے اس مضمون پر دماغ سوزی کی ہے، وہ گذشتہ چند سالون سے پکار پکار کر اعلان کر رہے ہین کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا کولبس کے سر پر غلطی سے رکھ دیا گیا ہے، عوام تو ایک طرف، اس مضمون مین دلچسپی لینے والے اصحاب نے بھی ابھی تک اس نئی دریافت کی طرف توجہ نہین لی، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ کولبس کی شہرت کو ابھی تک معتد بہ صدمہ نہین پہنچا، وجہ یہ ہے کہ تحقیقات کے نتائج تو شایع کئے گئے ہین، لیکن ایسی زبان مین اور ایسی کتابون اور رسالون مین جو عوام مین ہردلعزیز نہین ہین، اور مضامین کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً اس موضوع پر شایع ہوتے رہے ہین، حال ہی مین لیو وینر آف ہارورڈ (leo wiener of HARVURD) کے قلم سے ایک کتاب تین جلدون مین شایع ہوئی ہے، اس مین نہایت واضح طور پر اور پرزور الفاظ مین ثابت کیا گیا ہے کہ کولمبس نے حاشا وکلا امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب بھی عام فہم نہین، بلکہ عوام کے لیے اس کا مطالعہ شاید ایسا ہی بے لطف ہو، جیسے کہ اقلیدس یا برقیات کے مضمون کا، اور کتاب کا نام یعنی "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ایسا ہے کہ فوراً اس کے پڑھنے سے اس کے اندر کے نفس مضمون کے متعلق گمان تک بھی نہین ہو سکتا،

آج سے چند سال پہلے جب مسٹر وینر نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبان کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جو اصحاب وینر کی قابلیت سے واقف ہین انھین خوب معلوم ہے کہ وینر انسانی زبان اور اُسکے متعلق قواعد و قوانین کے نہایت اعلیٰ درجہ کے ماہرون مین سے ہے، چھبیس زبانون مین وینر نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ کی ہر نسل اور ہر قسم کے باشندون کے ساتھ وہ انہی کی زبان مین ہم کلام ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اُسے ہر اس طریقہ کے متعلق جو بنی نوع انسان آپس مین تبادلۂ خیال کے لیے استعمال کرتے رہے ہین، عالمانہ واقفیت ہے، ان معلومات کے

ساتھ اس نے امریکہ کے اصلی باشندوں کی زبانوں کے متعلق تحقیقات شروع کی، چنانچہ اُسے معلوم ہوا کہ ان کی زبان میں غیر ملکی الفاظ کی بہت زیادہ ملاوٹ ہے، غیر ملکی زبانوں میں سے جن کے الفاظ امریکہ کی اصل زبان میں مل چکے ہیں، انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی زبانیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن سب سے پہلے داخل ہونے والے الفاظ عربی زبان کے ہیں اور وینر کا خیال ہے کہ یہ الفاظ امریکہ کی اصل زبان میں ۱۲۹۰ء کے قریب داخل ہوئے ہیں، یہ سنہ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ کولمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور دنیا میں اس کے دو سو سال بعد مچایا، وینر کی مندرجۂ بالا کتابوں کے شایع ہونے کے بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ء سے بھی دو سو سال پہلے غیر زبانوں کے الفاظ امریکہ کی اصلی زبانوں میں شامل ہو چکے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ وینر سے پہلے چند ایک نہایت ممتاز ہستیاں جن میں سے فرانس کا ایک سابق سفیر متعینہ نیویارک بھی ہے، کولمبس کو امریکہ دریافت کرنے والا خیال نہیں کرتی تھیں، لیکن علوم السنہ کی بناپر وینر کے اعلان سے پہلے اُنھیں ایسے اخذ کردہ نتائج پر پورا بھروسہ نہیں تھا، چنانچہ اب اُن کے شبہات بالکل دور ہوگئے ہیں،

اس میں شبہ نہیں کہ مندرجۂ بالا بیان حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ ایسا ہے کہ بہت جلدی اس پر یقین کرنے کو طبیعت تیار نہیں ہوتی، لیکن ہمیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ہم سے پہلے دنیا میں قومیں گذری ہیں اگر اقوامِ سلف کا خیال ہمیں آتا ہے تو صرف اس طرح سے کہ ہم ان کو وحشی اور غیر مہذب خیال کرتے ہیں جو بڑی مشکل سے زیست بسری کرتی ہوں گی اور اصل چودھویں اور پندرھویں صدی کی اقوام نے جہازرانی میں وہ وہ کارہائے نمایاں کیے ہیں کہ ان کے متعلق ہمیں واقفیت ابھی ہونی شروع ہوئی ہے، کولمبس سے پہلے بحرِ اوقیانوس میں جہازرانی خوب زور شور سے ہوتی تھی، اور مغربی یورپ کے بحری سوداگر نہایت کامیابی سے تجارت کرتے تھے، اُن کے تجارتی بڑے اچھی طرح

تحکم تھے، اپنی تجارت کو نئے میدانون مین پھیلانے کی وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ نئے علاقے قدرتی طور پر دریافت ہوتے رہتے تھے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امریکہ کولمبس سے مدت پہلے دریافت ہو چکا تھا، تو یہ امر صیغۂ راز مین کیون رہا، اور ایسی طرح سے کہ کسی تاریخ مین اس کا ذکر نہین آتا، یہ بات بلا خوف تردید ثابت ہو چکی ہے کہ کولمبس سے اگر زیادہ نہین، تو کم از کم ایک سو سال پہلے ڈیپی اور رون (Dieppe Rouen) کے فرانسیسی سوداگر افریقہ کے ساحل گینی (Guinea)، اور غالباً جنوبی امریکہ کی خلیجون مین سونا، ہاتھی دانت، مسالہ، کھالون اور قیمتی پتھرون وغیرہ وغیرہ کے لیے جایا کرتے تھے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی تجارت ایسی ہی باقاعدہ اور مستحکم تھی جیسی کہ آج کل کی کمپنیون کی لیکن اس سب تجارت کو جہان تک ہو سکتا تھا خفیہ رکھا جاتا تھا، وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ مین تجارت کے علاوہ جنگ وجدال بھی ایک باقاعدہ پیشہ تھا، چھوٹے چھوٹے بادشاہ روزمرہ کی زندگی سے تنگ آکر کسی نہ کسی کے ساتھ لڑائی کے میدان مین شہرت کے متلاشی ہوتے تھے، لیکن لڑائی مین خواہ وہ شہرت کے لیے ہو، خواہ حفاظت کے لیے، روپیہ کی ضرورت ہے، جس کے لیے سوداگرون پر بہت بھاری ٹیکس لگائے جاتے تھے، عوام کے پاس اس قدر روپیہ نہین ہوتا تھا کہ اُن کے پاس سے ٹیکس وصول کرنے کی زحمت گوارا کی جاتی، چنانچہ سوداگر لوگ اپنی دولت اور اُس کے منبع اور ماخذ کا علم جہان تک ہو سکے کسی اور کو ہونے نہین دیتے تھے، نہایت خاموشی سے جہاز ڈیپی اور رون سے رخصت ہو جاتے تھے، اور ایسے ہی چپکے سے واپس آ داخل ہوتے تھے، سوداگرون کے علاوہ اور کسی کو علم تک نہین ہوتا تھا، کہ جہاز کب اور کہان گئے، اور کب واپس آئے، اب ہمین اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ڈیپی کے مقام پر ان سوداگرون کا ایک بڑی دفتر تھا، جہان کاروبار کے متعلق ہر قسم کے کاغذات رہتے تھے، علاوہ ازین وہان بھی ان کا محکمۂ اطلاعات تھا، ابھی تک یہ دریافت کرنا باقی ہے کہ اس طریقہ پر کاروبار کتنے عرصہ تک ہوتا رہا، لیکن یہ یقینی ہے

کہ کئی صدیوں تک ایسا ہوتا رہا، اور وہ زمانہ کولمبس کی پیدائش سے بہت پہلے تھا، اس بحری دفتر میں ہر جہاز کا کپتان سفر سے واپسی پر اپنے سفر کا مفصل بیان اپنے آقاؤں اور دوسرے کپتانوں کے آیندہ سفروں میں رہبری کے لیے پیش کرتا تھا، جہازوں کے افسر نہایت قابل اور اپنے زمانہ کے چیدہ جہاز ران ہوا کرتے تھے، اور دنیا کے نئے ملکوں میں اپنی تجارت کو پھیلانے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا تھا، ہر کپتان کو باقاعدہ لائسنس لینا پڑتا تھا، اور بحری تجارت اور اس کی ملازمت نہایت باقاعدہ طریقوں پر تھی،

۱۷۹۴ء میں اس بحری دفتر پر ایک مصیبت نازل ہوئی، جسکی وجہ سے اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا، انگلستان اور فرانس کے درمیان لڑائی کے دوران میں ڈیپی پر گولہ باری ہوئی، اور بحری دفتر اور گودام مع کاغذات کے تلف ہو گئے، لیکن خوش قسمتی سے کچھ مواد باقی رہ گیا، جس نے اس عقدہ کے حل کرنے میں بہت مدد دی ہے، ہر زمانہ کے تاجروں کی طرح اس وقت بھی تاجروں میں کچھ نہ کچھ باہمی اختلافات ہوا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر ایک تنازعہ قانونی عدالت تک گیا، عدالت میں اصلی کاغذات یا اُن کی مصدقہ نقلوں کا پیش ہونا ضروری تھا، خوش قسمتی سے ڈیپی کے بحری دفتر کے کچھ کاغذات کی نقول عدالت کی مثلوں میں شامل ہو گئیں اور وہاں محفوظ رہیں، ان کاغذات کے مطالعہ سے محققین کو مقصود بحری تجارتی مرکز، اُس کے کاروبار اور اس زمانہ کے متعلق جبکہ اس کا کاروبار عروج پر تھا بہت سی معلومات حاصل ہوئی تھیں، مثلاً دستاویزات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈیپی میں اور تجارتی کمپنیوں کے علاوہ ایک کمپنی تھی جس کا نام انگوٹ برادران تھا، اور یہ ۱۷۴۲ء سے ۱۸۱۵ء تک رونق پر رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کمپنی کی ایسی ہی شہرت تھی، جیسے کہ آجکل روتھ چائلڈز کی ہے یہ یاد رہنا چاہیئے کہ اس کمپنی کا کاروبار کولمبس سے کم از کم پچیس سال پہلے پورے زوروں پر تھا، اور ایسی نامی کمپنیاں

آنا فاناً ظہور میں نہیں آجایا کرتیں، بلکہ اُس کے معراجِ ترقی سے عرصہ پہلے کاروبار شروع ہوا ہوگا،

یہ مسلمہ امر ہے کہ انگوٹ برادران سے ایک مدت پہلے ڈیپی کے جہازران ساحلِ گنی سے واقف تھے اور ڈیپی والون کا اس ساحل سے تعارف پرتگال والون کی اس کی سرکاری دریافت سے، جو ۱۴۷۱ء مین ہوئی بہت پہلے کا تھا،

جافرل (Gaffarel) کی تحریر کے مطابق ایک فرانسیسی جین کزن (Jean Cousin) نامی ۱۴۸۸ء مین برازیل گیا، اور وہان سے راس اسپدگڈ ہوپ کے راستہ سے واپس آیا، اس سفر مین اس کا کوئی نقصان جان نہین ہوا، اس زمانہ کے اور بیانات سے جافرل کی تصدیق ہوتی ہے ممکن ہے، کزن کا برازیل جانا اتفاقیہ ہو، اس زمانہ مین ماہر جہازرانون کے پاس مقناطیسی کمپاس وغیرہ آلات ہوتے تھے، جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کرلیتے تھے، کزن کے زمانہ مین افریقہ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے، جزائرِ کینری (Canary Islands) کی دریافت ان خطرات سے بچنے کے لیے نہایت ضروری تھی، صرف تجربہ اور عادت کی بنا پر جہازران جزائرِ کینری سے مغرب کی جانب چل نکلتے تھے، اچھی خاصی دور جاکر جنوب کی سمت مُڑتے تھے، تجربہ اور عرض بلد کے علم سے ان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ سونا پیدا کرنے والے ساحل کے بالمقابل پہونچ گئے ہین، وہان سے سیدھے مشرق کی جانب چلے جاتے تھے، افریقہ کے سب سے مغربی اور امریکہ کے سب سے مشرقی نقاط کے درمیان صرف ۱۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے، ان دونو کے درمیان خلیجی رو (Gulf Stream) جسکا اس وقت کسی کو علم نہین تھا، پہلے شمالاً بعد مین غرباً بہتی ہے، ممکن ہوسکتا ہے کہ کزن جیسا جہازران، اس کے چکر مین پھنس کر رَو کے ساتھ ہی بہ نکلا ہو،

اس تمام واقعہ کی تفصیل اور برازیل کی دریافت نہایت دلچسپ ہوگی، لیکن کزن کے واپس

آنے کی رپورٹ ان سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے، سفر پر جاتے وقت کرزن اپنے ساتھ ہسپانوی نسل کے ایک ماہر جہاز ران پنزن (PINZON) نامی کو اپنے ساتھ لے گیا، پنزن کا کولمبس کے سلسلہ مین یاد رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائیگا، اس سفر کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ واپسی سفر مین ایک موقع پر سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کو تھا، اور ساحلِ افریقہ کے ساتھ ساتھ خوراک اور پانی لینے کی خاطر ایسے باشندون سے جن کے متعلق پہلے کوئی حالات معلوم نہین تھے ٹکرانا پڑا، اس کام پر پنزن کی تعیناتی ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنزن نہایت دلیر انسان تھا لیکن ساتھ ہی تیز مزاج بھی تھا، یا تو خوراک بالکل ملتی ہی نہین تھی، یا اس کی تیزی اس پر غالب آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دیسی باشندون کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، جسپر پنزن نے گولی چلانے کا حکم دیا، اور دیسی باشندون کو جنگل مین بھگا دیا، جہاز مین واپس آنے پر کپتان نے یہ حال سن کر پنزن کو زجر و توبیخ کی، کیونکہ ایسے واقعات تجارت کے فروغ مین حائل ہوتے ہین اور جو لوگ سونا اور ہاتھی دانت بیچنے کے لیے آئے ہین اُن پر گولی برسانا بہت ہی نا واجب ہے، چنانچہ ڈیپی آکر کرزن نے پنزن کے برخلاف باقاعدہ شکایت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ پنزن کا لائسنس ضبط ہو گیا، ڈیپی سے کسی جہاز کے ساتھ اسکو جانے کی اجازت نہ رہی، اور اسکو باعلان فرانسیسی بحری ملازمت سے علٰحدہ کیا گیا، یہ صاف ظاہر ہے کہ اس سلوک سے اس کی تیز مزاجی مین کمی کیا ہوئی ہوگی، اور اُسے مجبوراً پیادہ براستہ پیچیر اسپین واپس آنا پڑا،

پنزن کی تیز مزاجی ایک معمولی امر معلوم ہوگا، لیکن کولمبس کے برخلاف جو مواد جمع ہو رہا ہے اس مین اس کا نہایت ضروری حصہ ہے امریکہ کے پہلے سفر مین کولمبس اسی نام کے تین بھائیون کو ساتھ لے گیا، اور تینون تجارتی مال مین حصہ دار تھے، کاغذات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مین سے ایک کو تین جہازون مین سے ایک کا کپتان بنانے کے قابل سمجھا گیا، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

امیرالبحر اس کپتان پنزن سے ہر معاملہ میں مشورہ لیتا تھا، پہلے سفر کے بیان میں کولمبس خود اس امر کی شہادت مہیا کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ سب عملہ اس بات سے ناراض اور ہراسان تھے کہ پنزن جہاز کو متواتر جنوب کی طرف لیے جارہا تھا، جنوب کی طرف وہی برازیل کا ملک تھا جہاں پنزن پہلے بھی ہو آیا تھا، اس کے علاوہ اس کپتان پنزن اور کرزن کے نائب کے ایک ہونے کی ایک اور شہادت بھی ہے، کولمبس بھی اس کی تیز مزاجی کی شکایت کرتا ہے،

آخر کار جب کولمبس ساحل پر پہنچا، تو من چلا پنزن بلا اجازت اور شاید صریح احکام کی خلاف ورزی کرکے اپنے جہاز کو لیکر جنوب کی طرف چلا گیا، اور تین ہفتے اس کی کوئی خبر نہ ملی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برازیل کے متعلق اپنی پوری تسلی کرنا چاہتا تھا، اتفاق سے کولمبس کیوبا (Cuba) کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہوا پنزن سے مل گیا،

یہ واضح رہے کہ کولمبس کی امریکہ کی دریافت کے برخلاف صرف پنزن کی تیز مزاجی ہی ایک شہادت نہیں، خواہ پنزن نے کولمبس کی رہبری کی ہو یا نہ، اب یہ خوب اچھی طرح سے معلوم ہے کہ کولمبس کو علم تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے، اور اس کو کون سا ملک دریافت کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے لوگ وہاں جاچکے تھے، اور کولمبس اس سے ناآشنا نہیں ہوا تھا، اور یہ سب شہادتیں کولمبس کی اپنی تحریروں سے ملتی ہیں،

کولمبس کے پہلے نقشے

۱۴۹۲ء سے کئی سال پہلے سے یورپ میں نئے ملکوں کی دریافت کے متعلق افواہیں گرم تھیں، اور کولمبس بے وقوف نہیں تھا، کہ اُسے ان افواہوں کا علم نہ ہوتا، ایک دفعہ کولمبس میڈیرا (Madeira) گیا، جہاں اس کی محنت اور تیمار داری سے ایک بیمار جہازراں جان بر ہوا، اس شخص کے پاس اپنی شکرگذاری کے اظہار کے لیے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ایک نقشے کے جو اس نے تحفہ کے طور پر کولمبس کو دیا، اس نقشہ پر جزائر غرب الہند اچھی خاصی طرح دکھائے

ہوے تھے، یہی نقشہ یا اس کی نقل یا اس زمانہ کا ایک اور نقشہ جس پر جزائر غرب الہند اور ایک اور جزیرہ جو یقیناً نیو فونڈلینڈ ہوگا، دکھائے گئے ہیں حال ہی میں ایم ڈی لا رونکیر (M. de la Roncière) کو ملے ہیں، اور رونکیر کے تشریحی نوٹ کے ساتھ کیمیون (Cameron) نے اسے شائع بھی کر دیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ مع رنگین تصاویر کے عنقریب شائع ہو جائیگا،

جن لوگوں نے اس نقشہ اور اس سے پہلے زمانہ کے نقشہ پر عرق ریزی کی ہے، ان میں سے بیبکوک (Babcock) کا پایہ بہت بلند ہے، اس کی رائے یہ ہے،

(۱) آئرلینڈ کے باشندے سویڈن اور ناروے والوں سے بھی پہلے نیو فونڈلینڈ پہونچے،

(۲) آئس لینڈ کے باشندوں نے ۱۰۰۰ء کے قریب امریکہ دریافت کیا،

(۳) ۱۳۶۷ء سے پہلے کسی سال برٹن (Bretons) سے ایک مہم امریکہ کے ساحل تک گئی،

(۴) ۱۴۴۸ء تک اسپین پرتگال کا کوئی جہاز کیوبا کے ساحل تک پہنچ چکا تھا،

(۵) اور جہاز ران راس ورڈی (Cape Verde) سے جنوبی امریکہ ۱۴۴۳ء میں گئے،

کولمبس کے زمانہ میں بحر اوقیانوس کی جہاز رانی پردہ راز سے نکل کر نہ صرف بادشاہوں کے علم و توجہ میں آچکی تھی، بلکہ بادشاہوں نے اس کی سرپرستی بھی شروع کر دی تھی، پرتگال کے بادشاہ کو اس امر میں اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ تمام یورپ میں اسے ہنری جہاز ران کہا جاتا تھا، اس نے کولمبس کی مہم کی تیاری میں مدد کے طور پر کوئی روپیہ نہیں دیا، بلکہ اس نے یہ کہا کہ اسے اس زمین کے متعلق سب حالات معلوم ہیں اور وہ اس کی ملکیت ہے،

امریکہ کے متعلق اسوقت سے پہلے علم کی کولمبس کسی حد تک خود شہادت دیتا ہے، تیسرے سفر سے واپس آنے کے بعد وہ بیان کرتا ہے کہ اُسے وہاں جن جنبی باشندوں سے سابقہ پڑا بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے، کہ وہاں کے اصلی باشندوں نے اسے سونے کے ٹکڑے (Guanin) دیئے، چنانچہ

سونے کے سکے اس تمام کہانی میں حبشیوں سے بھی زیادہ دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں گونینس (Guinea) اس وقت کی افریقہ کی زبان میں سونے کے ٹکڑوں کو کہتے تھے جن کی شکل میں سونا ساحل گنی سے یورپ میں لایا جاتا تھا، قدرتی طور پر یہی ٹکڑے دیکھ کر کولمبس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ کولمبس نئے ملک دریافت کرنے نہیں گیا تھا، بلکہ اس کا منتہائے نظر بھی سونا، ہاتھی دانت اور قیمتی مال تھا، جو کہ وطن میں منافع پر بیچا جا سکتا تھا، نئے ملکوں کی دریافت ایک اتفاقی امر تھا، کولمبس نے امریکہ کے باشندوں سے دریافت کیا، کہ انھوں نے وہ سونا کہاں سے لیا، اُن کے جواب سے کولمبس خود شرمندہ ہوا ہوگا، کیونکہ اس کے اپنے بیان کے مطابق اُن کا جواب یہ تھا:-

"ہم نے یہ سونا کالے سوداگروں سے لیا ہے، جو کہ جنوب مشرق سے یہاں آئے تھے" کولمبس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ لوگ سونے کا اصلی منبع بتانے سے گریز کرتے ہیں، چنانچہ تیسرے سفر میں اس نے اپنے سوال کو دہرایا اور پھر وہی جواب ملا، بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انڈین کا جواب درست تھا، ابتدائی گونینس (Guanines) جو فرانسیسی اور پرتگالی ساحل گنی سے لاتے تھے، خالص سونے کے نہیں ہوتے تھے، وجہ یہ تھی کہ افریقہ کے اصلی باشندوں کے خیال میں خالص سونا ایک نکمی چیز تھی، وہ سونے کو صرف زیور کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور اس مطلب کیلئے بھی سونا بیکار تھا، کیونکہ اس میں کوئی چمک دمک نہیں تھی، یہ نقص رفع کرنے کے لیے وہ اس میں ہموزن تانبا ملا دیتے تھے، جب کولمبس کی لائی ہوئی گونینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا، تو ان میں سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا، جو گنی کے ساحل سے لائے ہوئے گونینس میں تھا،

چنانچہ امریکہ کے اصلی باشندوں نے کولمبس کے سامنے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، امریکہ کی گونینس در اصل افریقہ سے ہی آئی تھیں، ایسے ہی حبشی بھی جو کہ کولمبس کو وہاں ملے افریقہ سے آئے ہونگے، سونا بھی اُن کے متقدین کے ساتھ آیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ امریکہ میں افریقہ سے حبشی کیسے

پہونچ گئے، حبشیون کی کہانی جلد ختم ہوجائیگی، اور اگر اُن کے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا ہے درست ہو تو اُن کے ساتھ ہی کولمبس کی دریافت کا قصہ بھی ختم ہوجاتا ہے'

جہازون کے کپتانون کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ حبشیون کی موجودگی ضروری تھی، کیونکہ انھین بطور ترجمان استعمال کیا جاتا تھا، اور وہ طریقہ جس سے وہ اس کام کے اہل قرار دیے گئے بہت دلچسپ ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ڈیپی سے ایک جہاز کا کپتان ہاتھی دانت اور سونے کی تلاش مین افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، کسی بندرگاہ پر جاکر اسے معلوم ہوتا ہے کہ مال کافی تعداد مین موجود نہین، وہان وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ اور آگے نکل جاتا ہے، اور جہاز بھر لیتا ہے، واپسی پھر ان بندرگاہون پر ٹھہرتا ہے، جن سے پہلے کافی مال نہین ملا تھا، دور اندیش کپتان ایسی بندرگاہون مین جہان سے کافی مال نہ ملا ہو، اپنے کسی آدمی کو چھوڑ جاتے تھے تاکہ وہ مال کی فراہمی کی نگرانی کرے، اس کام کے لیے نہایت تن چلے آدمیون کی ضرورت تھی، جہاز کی غیر حاضری مین ایسے اشخاص اکثر دفعہ اپنی نئی زندگی کو پسند کرنے لگ گئے ہون گے، اور ان کی اعلےٰ قابلیت اور دیسی آبادی کی نسبت ہر صیغہ مین برتری کی وجہ سے لوگ اُن کو عزت اور خوف کی نگاہون سے دیکھتے ہون گے اور دیسی عورتین اُن سے شادی کرنے مین عار نہین سمجھتی ہون گی، جہاز کی واپسی پر ممکن ہے، اکثر دفعہ ایسے اشخاص واپس جانا پسند ہی نہ کرتے ہون، انھین خود عیش اور عزت کی زندگی اور کمپنی کے لیے ایک مستقل کارکن مل جاتا ہے، ڈیپی کی ترقی کے زمانہ مین افریقہ کے ایسے ایجنٹ تجارت کے لیے نہایت ضروری ہوگئے تھے، اور اُن کی دوغلی نسل کی قدر و قیمت اِن سے بھی کہین بڑھ چڑھ کر تھی، کیونکہ ان کی اولاد دو زبانون اور دو قسم کی صنعت کاری سے واقف تھی، افریقہ کے سب علوم کے ساتھ انھین پوری واقفیت تھی اور اپنے سفید باپون کی سب عیاریان سیکھ کر جاتے تھے، ڈیپی کے

سوداگرون نے اپنی دوغلی نسل کی قدر بہت جلدی پہچانی، اور نہ صرف انھون نے انکی دونسلی حیثیت
سے بحیثیت ترجمان فائدہ اُٹھانا شروع کیا، بلکہ ان کی نسل کشی کی طرف بھی خاص توجہ دی، اور انھیں
غلام بناکر رکھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ دوغلی نسل بحیثیت ترجمان ایک علحدہ جماعت ہو گئی اور اُن کے
پیشہ کو کچھ عزت بھی حاصل ہو گئی، کوئی جہازران اُن کے بغیر سفر نہین کرتا تھا اور کولمبس بھی ان مین
سے چند ایک کو پہلے سفر مین ساتھ لے گیا، تاکہ مختلف مقامات پر تجارت کو فروغ دینے کے لیے انھین
چھوڑتا جائے، امریکہ جا کر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی پہلے بھی موجود تھے، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب
مشرق کے سیاہ سوداگر کہا جا چکا ہے، اُنھین کے ساتھ امریکہ مین گو ینس گئے، اور انھین کے ساتھ عربی
الفاظ، عربی پودے، اور عربی تہذیب وہان پہنچی، امریکن انڈین کی زبان مین عربی کی ملاوٹ سے
وینر کو بہت زیادہ استعجاب ہوا، اب ماہران آثار قدیمہ محققان السنہ کے ساتھ مل گئے ہین، اور دونون گروہون
نے ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ مین عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا، اور بیچارے کولمبس
کی امریکہ کے دریافت کے سلسلہ مین کوئی حیثیت باقی نہین رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا عربی
اور افریقی تہذیب کے بہت حد تک زیر اثر رہ چکی ہے، اور بحیرۂ اوقیانوس مین جہازرانی بہت زمانہ
سے ہوتی چلی آئی ہے، ازٹک (Azteca) اور مائن (Mayan) تہذیبین دراصل امریکہ مین
افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلین تھین، اور اُن کا زمانہ ۱۱۵۰ء سے ۱۲۰۰ء تک قرار دیا جاتا ہے گو اس سے
پہلے ان تہذیبون کا زمانہ اس سے بہت پہلے خیال کیا جاتا رہا ہے، یہی وقت ہو گا جب بحر اوقیانوس
کو عبور کر کے لوگ امریکہ مین داخل ہوئے، لفظ ٹولٹک (Toltec) اس خیال کی تائید کرتا ہے،
ابتدا مین اس کے معنی کسی جماعت یا قوم اور اُن کی تہذیب لیے جاتے رہے ہین لیکن وینر اور
سپنڈن نے (...)، جو مائن تہذیب کا ایک نامور ماہر خیال کیا جاتا ہے، یہ معلوم کیا
ہے کہ دراصل یہ لفظ افریقہ کی ابتدائی زبان مین کسی بڑے سردار کے معنون مین استعمال کیا جاتا تھا،

ہوس کا میدان ہو رہا ہے یہاں مفلسی، مصیبت اور قحط نے ستم زدوں کو بے دم کر دیا ہے، اے خدا!
اپنے مظلوم بندوں کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا، اس جور و ستم سے نجات دے جو ہم نے
کبھی دیکھے نہ سُنے،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانوں کی نااہلی و بدکرداری
کا نتیجہ ہوتی ہے تو ہمیں اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار اصول حکومت
اور سطح نظر میں تلاش کرنا چاہیے؛

کمپنی گورنمنٹ کا مطمح نظر | آپ جانتے ہیں اگر کوئی بنیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟
ایسٹ انڈیا کمپنی تاجروں کی ایک باقاعدہ جماعت تھی، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت،
ترقی، حریفوں کا استیصال، دولت کی لوٹ، دیسی صنعتوں کی بیخ کنی، اور اپنے ملک کی صنعت
و تجارت کو فروغ دینا تھا، جب تک اس کے ہاتھ میں انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی اور
مغل بادشاہوں کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادیِ ہمالہ کے مختلف حصوں میں کاروبار
کرتی تھی، اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبوں کو شکست دینے اور نکالنے میں کامیاب ہوئی،
لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی، اور
مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر ملک کے آئین و قوانین اور قوائے نظم و نسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور لوٹ
کی بیش از بیش "لوٹ مار" کے تابع کر لیا، اُس نے اپنی ساری توجہ اس میں مرکوز کر دی کہ ہندوستان کی
صنعتی روح کو کچل ڈالے، اس ملک کے خام مسالہ پر قبضہ کر لے، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر
انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے، اس نے دیسی تاجروں پر منڈیوں کے دروازے
بند کر دیے، تمام صنعتوں کا اجارہ لے لیا، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کر دیے، دستکاروں
کو طرح طرح کے محصولوں اور پابندیوں سے جکڑ دیا، قحط کے زمانہ میں زمینداروں سے زبردستی سستا غلہ

بوٹی بوٹی جندھ گئی، اور غریب پیسہ پیسہ سے محتاج ہو کر ان حالوں کو پہونچ گیا کہ اس کے بچے بھوکوں مرنے، جاڑوں ٹھٹھرنے لگے، پہلے وہ ایک فصل بوتا تھا اور چین سے زندگی بسر کرتا تھا، اب بارہ مہینے اپنی ہڈیاں پیلتا، اور خون پسینہ کرکے ٹپکاتا ہے گر پھر بھی روٹی کپڑے کو محتاج رہتا ہے، پہلے وہ فرصت کے دنوں میں دستکاری بھی کیا کرتا تھا لیکن اب دن رات بیگار میں جان مارتا ہے۔ مسٹر ولیم بولٹس نے لکھا ہے "کسان جو اس ملک کا کاشتکار بھی ہے اور دستکار بھی، کمپنی کے گماشتوں کے مظالم سے تنگ آگیا ہے، جب وہ کمپنی کے کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو اُسے کاشت کا موقع نہیں ملتا، اور مال گذاری کی ادائی دشوار ہو جاتی ہے لیکن وہ غریب اس پر بھی مجبور ہے اس لیے جب اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو کبھی تو وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کبھی اپنے بال بچوں کو بیچ ڈالتا ہے۔"

یہ حقیقت کس قدر دردناک و افسوسناک ہے، جو ملک دنیا کا بہترین صنعتی ملک ہو جس کی مصنوعات ساری دنیا کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہوں، جس کی خام پیداوار کا دور دور شہرہ ہو، جہاں اجناس کی اتنی ریل پیل ہو کہ ایک کمانے والے پر گھر کے گھر پلتے ہوں جس کی زمین سونا اگلتی ہو، اور جہاں دولت کی نہریں بہتی ہوں، وہ ملک ایک صدی کے اندر اندر اتنا مفلس، اتنا قلاش، اتنا بدحال اور فلاکت زدہ ہو جائے کہ اس کی آبادی کا ایک تہائی حصہ نانِ شبینہ کو محتاج ہو، اور پوری نصف آبادی جاڑے گرمی میں ڈھنگ کا کپڑا نہ پہن سکے، کیا کسی قوم کے لیے جو انصاف، انسانیت، شرافت، تہذیب اور بنی نوع انسان کی ہمدردی و غمخواری کی بلند بانگ دعویدار ہو، اس سے زیادہ کوئی بات شرمناک ہو سکتی ہے؟ یہی وہ جگر دوز صورتِ حال تھی جس کو دیکھ کر ایک دردمند مورخ کا دل بھر آیا، وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اس ملک کی خوشحالی سے بالکل بے پروا ہیں، ان کی حکومت میں ہر طرف مظلومیت کی چیخ پکار ہے، آبادیاں بن ہو گئی ہیں، امیر غریب کوئی چین سے نہیں، صناع خانماں برباد ہیں، کھیت

بجائے اپنے منافع پر لگایا، اور اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی حکومت کے پہلے ۵ سال میں
پانچ، دوسرے میں دو، تیسرے میں چھ اور چوتھے میں اٹھارہ قحط پڑے جن میں ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ جانیں
ضائع ہوئیں، اس کی وجہ سے زراعت میں غیر معمولی کمی ہو گئی، مزارعین خاندان برباد ہو گئے مگر مالگذاری
کو معاف کرنا تو الگ رہا، نہایت سختی سے وصول کی گئی، ۱۷۶۹ء میں جبکہ سارا بنگال قحط سے متاثر تھا،
وصولی میں اور بیٹا سے کام لیا گیا، ۱۷۷۰ء کا قحط جس نے آبادی کا تیسرا حصہ ہلاک کر دیا، مالگذاری کی
فطری کمی کو دوسرے سال کی ناجائز بیشی سے پورا کیا گیا اور اس پر اظہار مسرت کیا گیا کہ باوجود سال گذشتہ
کے شدید قحط اور نقصان آبادی کے، سال رواں کے بندوبست میں قابل لحاظ بیشی ہوئی ہے "قابل
لحاظ بیشی" کا یہ ظالمانہ سلسلہ برابر جاری رہا، جا نتا بیچ گیا کہ حاصلات کے نصف پر وصول کیا جانے
لگا، اور بیشی از بیشی کی ہوس نے اس پر بھی بس نہ کی اور مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر وصولی کی مقدار کو کہیں
۹۰ اور ۹۰ فیصدی اور کہیں ۵۰ فیصدی تک پہنچا دیا، کمپنی کا ایک افسر لکھتا ہے " موجودہ شرح مالگذاری
بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے اس ملک کے کسانوں کی حالت بہت افسوسناک ہو گئی ہے انہیں ایسی
حالت میں زمینیں جوتنی پڑتی ہیں جب ان کے پاس اس کا سامان تک نہیں ہوتا، مگر کمپنی تمام قابل
کاشت زمینوں سے مالگذاری وصول کرتی ہے، خواہ وہ جوتی گئی ہوں یا نہ جوتی گئی ہوں" مسٹر آسمی کا
اندازہ ہے کہ زمینداروں سے عام طور پر جو مالگذاری وصول کی جاتی ہے وہ ان کے زرلگان کا ۹۰
فیصدی حصہ ہوتی ہے، جسے اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو گرفتار کر کے حوالات میں بھیج دیے جاتے ہیں اور اس وقت
تک رہا نہیں ہوتے جب تک کمپنی کی مطلوبہ رقم ادا نہ کر دیں، کرنل برگس اس تباہ کن قانون مالگذاری
کے مصرفات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ "ایسی مالگذاری جو آج کل ہندوستان میں مقرر ہے زمیندار کی
پوری آمدنی چٹ کر جاتی ہے، یورپ یا ایشیا کی کسی حکومت میں کبھی نہیں دیکھی گئی" اس معاشی ظلم نے
ہندوستانی کسان کو مفلس کر دیا، اس میں جان نہ رہی، چہرے پر مصیبت و فلاکت برسنے لگی، قرض میں

ولسن لکھتا ہے "یہ ایک واقعہ ہے کہ انگریزی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ہندوستانی صنعت کو انتہائی ناانصافی سے مٹایا گیا ہے، اگر برطانوی صناع، ہندوستانی صناع سے صرف صناع کی حیثیت سے مقابلہ کرتا تو ہرگز کامیاب نہ ہو سکتا۔"

غور لکھتا ہے :- "ہندوستان کے اچھے دن گذر گئے، وہ دولت جس کا کبھی وہ مالک تھا لوٹ لی گئی، وہ قابلیت و ذہانت جس کا دنیا جہان میں شہرہ تھا، تباہ و برباد کردی گئی، اور ظالمانہ طریق حکومت سے اس کے فوائد کو اپنے فوائد پر قربان کردیا گیا۔"

لیکن سب سے زیادہ دردانگیز زراعت کی تباہی ہے جس نے اس بدنصیب ملک کے باشندوں کو مردوں سے بھی بدتر کردیا ہے، آج اس کے بچے، معصوم بچے! مٹھی بھر اناج کے لیے ایڑیاں رگڑتے ہیں اور نہیں پاتے، سسکتے ہیں اور مرجاتے ہیں! اس زمانہ کا معمولی کسان وہ ہوتا تھا جس کے پاس ۴۰ بیل، ۵ گائیں، چھ سات بھینس اور تقریباً ۱۰ بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں، فاقہ اور تنگدستی کا وہ نام بھی نہ جانتا تھا، اس میں اتنی مقدرت ہوتی تھی کہ آب پاشی کی تمام ضروریات خود مہیا کرلیا کرتا تھا، نہروں اور تالابوں کی مرمت عموماً وہ خود ہی اپنے صرف سے کیا کرتا تھا، چین اور روحانی طمانیت کی مسرت اسکے چہرے پر ہمہ وقت کھیلتی رہتی تھی، حکومت کا برتاؤ اس کے ساتھ نرم تھا، مال گذاری منافع کی چوتھائی یا حد سے حد تہائی، جو اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی تھی، لی جاتی تھی، وقت بے وقت اس کی مدد کی جاتی، قحط کے زمانہ میں مال گذاری کم کردی جاتی یا بالکل ہی نہ لی جاتی، اور بقایا کے متعلق تو ہمیشہ یہ ہوا کہ معاف کردیا گیا، مگر کمپنی گورنمنٹ کے عہد میں یہ کبھی نہیں ہوا! اس نے آب پاشی پر کبھی ایک پیسہ خرچ نہ کیا، اور مزارعین پر ہمیشہ سختی کی، اُس نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا ہے تو یہاں گوشہ گوشہ میں آب پاشی کے ایسے ذرایع موجود تھے کہ اگر وہ ان کو بحال رکھتی تو اس ملک کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن اس کی تاریخ ایسے واقعات سے شرمندہ نہیں ہے اُس نے اس ملک کی آمدنی کو اس ملک پر لگانیکے

سپاہی مسلط کر دیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر کام میں دیر ہو جاتی ہے تو اُن پر مقدمہ چلایا جاتا ہے"

سر چارلس ٹریولین Charles Trivalean نے ۱۸۴۰ء میں دارالعوام میں سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوے کہا کہ "ڈھاکہ جو کسی زمانہ میں ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کا ایک معمور اور پُر رونق شہر تھا، اب ۳۰-۴۰ ہزار نفوس کا بدحال قصبہ ہے، پہلے وہاں ململ اور چکن بنانے والے رہتے تھے اب وہ رہتے ہیں جو افلاس اور ملیریا کا شکار ہیں"

ولیم بولٹس اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا ہے، "ملک کی اندرونی تجارت ظلم و جور کا افسوسناک منظر پیش کرتی ہے اُس کے مسموم اثرات کو ہر جلاہا محسوس کر رہا ہے، ملک میں جتنا مال تیار ہوتا ہے سب پر کمپنی کا اجارہ ہے، کمپنی کے کارندے خود ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس کو کتنا مال تیار کرنا چاہیئے اور یہ بھی کہ اُس کے معاوضہ میں وہ کتنی اجرت پانے کا مستحق ہے، اگر وہ اس اجرت پر کام نہیں کرتا تو اسے بیتوں سے مارا جاتا ہے اور قید کر دیا جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لوگ عموماً ۱۵ فی صدی اور کبھی کبھی ۴۰ فیصدی کم قیمت مقرر کرتے ہیں اور پھر اُن غریبوں کو اتنی اجازت بھی نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسرے کا مال تیار کریں اور کم از کم اپنی ضروریات ہی کو پورا کریں، اگر وہ کسی وجہ سے کمپنی کا کام کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ان کا مال ضبط کر کے نیلام کر دیا جاتا ہے"

مانٹ گمری مارٹن لکھتا ہے، "ہندوستان کی تجارت کو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام ممالک غیر کے ساتھ بڑی بے انصافی سے بند کیا گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم نے ایک چوتھائی صدی میں ہندوستان کو اس کی صنعتیں مٹا کر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہماری مصنوعات خریدے، ہم اپنا مال تو ہندوستان میں بلا محصول درآمد کرتے ہیں مگر ہم نے اپنے ہاں ہندوستانی مال پر ۱۰ فیصدی سے ۔ ۔ ۔ ۱ فیصدی تک کے محصول عائد کر رکھے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سورت، ڈھاکہ، اور مرشد آباد وغیرہ صنعتی مقامات جس طرح تباہ کیے گئے اس کا ذکر نہایت افسوسناک ہے"

۵۰ کرور پونڈ یا ایک ارب پونڈ سے کم نہ تھی،

تمام شریف اور بایمان دار انگریز، ہندوستان کے اس احسان کو مانتے ہین، سر جارج برڈوڈ (George Birdwood) نے لکھا ہے "ہم تا ابد ہندوستان کے ممنون رہین گے .... اس نے کرۂ ارض کے ان جزیرون (انگلینڈ) کو جو جزائر جاپان کی طرح غیر معروف تھے، گمنامی کے پردہ سے نکالکر دنیا کی عظیم ترین سلطنت بنادیا"

کمپنی کا تباہ کن اثر

لیکن کمپنی گورنمنٹ کے آتے ہی یہ ہوا بالکل بدل گئی، اہل حرفہ کے گلے گھونٹ دیے گئے، صنعتین بیٹھ گئین، تجارت کی کساد بازاری ہوگئی، زراعت پر اوس پڑ گئی، کسانون پر عرصۂ زندگی تنگ ہوگیا، زرعی و صنعتی روح بیدردی سے کچل ڈالی گئی، اور ظالم خود غرضون نے اس غریب کو ضرورت کی ایک ایک چیز سے محتاج کرکے اپنے ملک کی فلاح کے لیے خام پیداوار کی ایک ایسی قحط زدہ منڈی بنادیا کہ "تنہا زرعی ملک" کا جفاکش کسان آج دنیا مین سب سے زیادہ محنتی ہونے کے باوجود سب سے زیادہ مفلس ہے، اور انتہا یہ ہے کہ غریب اپنے اس خرمن کے کم از کم فوائد سے بھی محروم ہے، جسے وہ اپنے خون سے سینچتا ہے،

اتنے جلدی ایسا عظیم الشان انقلاب کیسے ہوگیا؟ اس کا جواب غارت گرون کی جماعت کے نیک دل افسرون کی زبان سے سنئے، مسٹر ہنری اسٹوچی نے ۱۸۱۳ء مین کورٹ آف ڈائرکٹرز کے سامنے جواب دیتے ہوے کہا کہ "بنگال کی تجارت کا ایک بڑا حصہ پچاس برس سے بالکل یورپین کے ہاتھون مین ہے .... مزدورون اور کاریگرون کو نہایت قلیل اجرت پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، وہ بات بات پر مارے اور باندھے جاتے ہین"

اسی سنہ مین سر ٹھامس مونرو نے دار العوام کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ "جلاہون کو زبردستی کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، انھین کمپنی کے کارندے قید کرکے ان پر

بہت اچھی تھی، کوئی کھیت آب پاشی سے محروم نہ تھا، نہرین تالاب اور کنوئین اس کثرت سے تھے،
کہ زمین کا ایک ایک چپہ سیراب تھا، مین سمجھتا ہون کہ شاید اس زمانہ مین ہندوستان کا کوئی حصہ
ایسا شاداب نہ ہوگا"

اسی لیے ایک دنیا اپنے کاشانۂ امن و راحت پر اس خانہ جنگیون کے گھر کو ترجیح دیتی تھی اور جن میں
ایک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تھی۔ ورنہ تمہین فائدے اور کثرت دولت کے متلاشیون کو کیا پڑی تھی
کہ یہان آتے اور اس کے سدھارنے کے لیے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے؟ ایف جی شور لکھتا ہے:
"ہماری حکومت کا مقصد ہر ممکن طریقہ سے ہندوستان کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا، اور اس کو حد سے زیادہ
محصولون کے بوجھ کے نیچے دبا دینا ہے، ہمارے بھائی انگلستان سے صرف اس لیے یہان آتے ہین کہ
یہان سے بہت سا روپیہ لیکر جائین، اور اسی لیے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی
والیان ریاست کے مقابلہ مین بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہین"

بروکس آدم لکھتا ہے "دولت مند ہندوستان کی بے شمار دولت نے ایک طرف ہمارے
نقدی کے سرمایہ مین غیر متوقع اضافہ کر دیا اور دوسری طرف اہل ہنر کی ہمتین بڑھا کر ترقی کی رفتار تیز کر دی
جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی لوٹ لندن پہنچنی شروع ہو گئی اور اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔۔۔۔
انیسوین صدی کو جس حرفتی انقلاب نے اپنے ماقبل سے جدا کر دیا وہ ۱۷۶۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ
پلاسی کی جنگ ختم ہو چکی تھی، یہ انقلاب جتنی تیزی سے ہوا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔۔۔۔ شاید اس دنیا مین
آج تک کسی قوم کو کسی کام نے اتنا فائدہ نہین پہنچایا جتنا فائدہ انگلستان کو ہندوستان کی دولت مندی
نے پہونچایا ہے"

اس دولت مندی کی کیا مقدار تھی؟ ولیم ڈگبی لکھتا ہے "اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے، لیکن ان کا بیان ہے
کہ وہ رقم جو پلاسی اور واٹر لو کے معرکون کے درمیان ہندوستان سے انگلستان کے بنکون مین منتقل ہوئی

وجہ سے وہ جس بات کی خواہش کرتے انھیں مل جاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دور دور کی دولت یہاں بھی چلی آتی تھی اور اس کے بدلے یہاں کی صنعتی پیداوار یں باہر جاتی ہیں"۔

۱۸۲۳ء کے ایسٹ انڈیا گزٹ میں والٹر ہملٹن نے نیم سرکاری حیثیت سے لکھا تھا "جعفر خان اور شجاعت خان کی چہل سالہ گورنری میں بنگال نہایت سرسبز و شاداب تھا، دہلی کی مرکزی حکومت کو ایک کرور سالانہ خراج بھیجا جاتا تھا، مگر لوگوں کو ٹیکس ذرا بھی گران نہ ہوتے تھے، زمیندار اتنے مالدار تھے کہ علی وردی خان کو غصب حکومت کے بعد ایک کرور کا نذرانہ دیا، اور جب مرہٹوں کی مدافعت کیلئے روپے کی ضرورت ہوئی تو فوراً پچاس لاکھ روپیہ جمع کر دیا"۔

کلائیو جب پہلے پہل مرشد آباد گیا تو وہاں کی دولت و ثروت کو دیکھ کر حیران رہ گیا لکھتا ہے:

"یہ شہر لندن کے برابر وسیع آباد اور دولتمند ہے، مگر فرق یہ ہے کہ یہاں عام آبادی کی دولت اتنی ہے جتنی وہاں شاید خاص آبادی کی بھی نہ ہو"

جارج اسمتھ نے مدراس کی دولتمندی کے متعلق ہاؤس آف کامنز سب کمیٹی کے سامنے کہا کہ:

"جب میں وہاں گیا تو وہ نہایت خوشحال اور ہندوستان کے بہترین مقامات میں سے تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرناٹک کا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب آباد و پر ثروت اور تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا، آبادی کی عام حالت بہت اچھی تھی"۔ (۱۸۶۷ء)

تنجور کی دولت کے متعلق مسٹر پیری نے اس کمیٹی کے سامنے کہا کہ "یہ علاقہ اندرونی و بیرونی تجارت کا مرکز تھا، بنگال سے ریشم، بمبئی اور سورت سے روئی، سماٹرا اور ملاکا وغیرہ مشرقی جزائر سے سنکاپور سے اور پیگو سے سونا، گھوڑے، ہاتھی، شہتیر اور چین سے مختلف چیزوں کی درآمد تھی اور ان کے بدلے یہاں سے ململ، چھینٹ، رومال، ڈوریا، دھوتیاں اور ایک خاص قسم کا چھپا ہوا کپڑا، اور اسی قسم کی دوسری چیزیں افریقہ امریکہ (جنوبی) اور جزائر غرب الہند تک جاتی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زراعت کی حالت

جس کی صنعتیں مدتوں سے زندہ ہیں، اور جہاں کہیں اُن کو شریفانہ مقابلہ کا موقع ملا ہے وہ ہر قوم کی صنعتوں سے بہتر پائی گئی ہیں، اس سے میری مراد صرف ڈھاکہ کی ململ اور کشمیر کی شال ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تمام مصنوعات ہیں جو ہر حیثیت سے دنیا کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہیں"

سر تھامس منرو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ "اگر کسی ملک کی تہذیب سے مراد اس کا بہترین طریق زراعت اور اعلیٰ درجہ کی صنعتی ذہانت ہے تو ہندوستان ایک اعلیٰ درجہ کے مہذب یورپین ملک سے کم نہیں ہے...... وہاں کا مال یہاں آکر بہت فائدہ دیگا......... کیونکہ وہ بہت سستا، اچھا اور پائیدار ہوتا ہے، یہ خوبیاں یورپین مال میں نہیں ہیں"

صناعاتِ ہند کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا آغازی جملہ ہے "جبکہ جدید صنعتوں کا وطن مغربی یورپ۔ وحشی قبائل کا مسکن تھا، ہندوستان نہایت متمدن تھا، اور اس کی صنعتی قابلیتیں ساری دنیا میں مشہور تھیں، جب مغربی تاجروں نے پہلے پہل یہاں قدم رکھا تو اس وقت یہاں کی صنعتی حالت یورپ کی کسی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم سے کم نہ تھی"(۱۹۱۸ء)

اس صنعتی ذہانت، اس تجارتی چہل پہل، اور اس زراعتی سرسبزی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر شخص خوشحال تھا، بیکاری سے کوئی آشنا نہ تھا، مرد عورتیں، بچے بوڑھے سب کام سے لگے ہوئے تھے، خالی بیٹھنا عیب سمجھا جاتا تھا، ہر چیز ارزاں تھی، بازار بہترین ملکی مصنوعات سے پٹے پڑے تھے، اور کہیں ڈھونڈے سے بھی باہر کی چیزیں نہ ملتی تھیں، منڈیوں میں غیر ملکی تاجروں کے گماشتوں کا میلا لگا رہتا تھا، کسان دولتمند تھے، افراد کی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، اجتماعی دولت بے اندازہ تھی، ڈاکٹر ود برٹسن لکھتا ہے "ایک خوشحال زندگی کے لیے جتنے بے نیاز ہندوستانی ہیں شاید روئے زمین پر کہیں اور کے باشندے نہ ہوں گے، عمدہ آب و ہوا، زرخیز زمین، اور اُس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مفید ذہانت، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن کی

اقتباسات ذیل اُن بیانات کی تصدیق کرینگے جو انہون کی من مانی تعریفین نہین ،
غیرون کے کم سے کم اعترافات ہین :-

ولیم دیری لسٹ (William Vareld) جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی گورنرون مین تھا لکھتا ہے "بنگال کے ریشمی کپڑے اتنے اچھے ہوتے ہین کہ اپنا جواب نہین رکھتے اسی وجہ سے دُور دُور اُن کی مانگ ہے . . . . . . اصفہان تک جاتے ہین . . . . . لاکھون کی نکاسی ہے"

مسٹر کارڈس نے سنہ ۱۸۳۳ء مین پارلی منٹری سب کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ ہندوستان کی دہانت بعض صنعتون مین بے نظیر ہے، ململ، شال، چکن، ریشمی رومال سونے چاندی اور ہاتی دانت کا کام اتنا نفیس اور لاجواب ہوتا ہے کہ برطانوی صناع اس کا مقابلہ نہین کرسکتا

لارڈ مکالے بنارس کے ریشمی کپڑون کی تعریف مین لکھتے ہین "وہ اتنے اچھے ہوتے ہین کہ لوگ سینٹ جیمز اور ورسلز کے رقص خانون مین انھین فخریہ پہن کر جاتے ہین"

پروفیسر ریکی لکھتے ہین "سترھوین صدی کے نصف آخر تک انگلستان مین ہندوستانی ململ، چھینٹ اور ایک خاص قسم کے چھپے ہوے کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اس کی وجہ سے انگلستان کے اونی اور ریشمی جلاہون کی روزی خطرے مین پڑگئی تھی"

گریفن لکھتا ہے "باہر کے تاجر ہر سال لاکھون روپے کی شالین کشمیر اور لاہور سے لیجاتے ہین، آگرہ کا قالین اپنی خوبیون مین ایرانی قالین سے کم نہین ہوتا، برہان پور، ڈھاکہ اور سنارگانون کا سوتی کپڑا بہت پسند کیا جاتا ہے خاصکر سنارگانون کی ململ اتنی اچھی، نرم اور باریک ہوتی ہے کہ دوسری جگہ کے ریشمی کپڑون کو مات کرتی ہے"

مانٹ گمری مارٹن (Mantegomri martin) لکھتا ہے "مین نہین سمجھتا کہ ہندوستان زراعتی ملک ہے وہ جتنا زراعتی ہے اتنا ہی صنعتی بھی ہے . . . . . . وہ ایسا صناع ملک ہے"

سالانہ برآمد دو کروڑ تھی جو بعد میں ۱۸۳۲ء گھٹ کر ایک کروڑ رہ گئی، جس میں ۳۰ لاکھ کی چکن کا خریدار
انگلستان تھا، فرانس میں ہندوستان کے ریشمی کپڑوں کی اتنی مانگ تھی کہ اونچی ناک والے انگلستان کے
ریشمی کپڑوں کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، مسٹر جوزف کا بیان ہے کہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۹ء تک صرف سات
برسوں میں فرنچ تاجروں نے ہندوستانی ریشمی رومال ۹۴۰۰ پونڈ کے خریدے جو بازار میں جاتے ہی
ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، حالانکہ انہی سالوں میں انگلستان کا کل ریشمی کپڑا فرانس میں ۷۹۰۰ پونڈ کا خریدا گیا،

اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں جب ہندوستان میں کمپنی گورنمنٹ نے اور انگلستان
میں برٹش گورنمنٹ نے دیسی صنعت و تجارت کو تباہ و برباد کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا،
[illegible] تک ہندوستان جزائر برطانیہ کی ضروریات زندگی کا چوتھا حصہ پورا کرتا تھا، اس چوتھے حصہ کا
سرسری اندازہ اس امر واقعہ سے ہو سکے گا کہ ہر سال صرف سوتی کپڑے کی ۱۵ ہزار گانٹھیں کلکتہ سے
انگلستان جاتی تھیں، جن میں کم و بیش ۳۰۹۰۸۶ تھان ہوتے تھے، فرانس، امریکہ، اسپین، پرتگال،
ڈنمارک، ماریشس اور سواحل خلیج فارس و ممالک عرب آخر تک ہندوستانی مال کے گر گر لینے والے
گاہک تھے، ۱۸۵۶ء تک ان ملکوں کو ۱۰۸۲۲۴۸ پونڈ کا ریشمی کپڑا جاتا تھا، اور تماشا یہ ہے کہ ۱۸۵۱ء تک
باوجود سخت قیود کے خود انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کے بکثرت خریدار موجود تھے، حالانکہ اس
زمانہ میں کمپنی کے ہاتھوں یہاں کی صنعت بالکل تباہ ہو چکی تھی،

صنعت سے زیادہ زراعت میں ہندوستان ضرب المثل تھا، ساری دنیا میں اس کی قدرتی
پیداواروں کی شہرت تھی، فصلیں اتنی ہری بھری اور سیر حاصل ہوتی تھیں کہ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کے
مالک بھی نہال رہتے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ اناج کی کوئی قیمت ہی نہ سمجھی جاتی تھی، بڑے بڑے
کنبے دس دس پانچ پانچ روپے مہینے کے اناج میں پلتے تھے، چھوٹے چھوٹے خاندانوں میں دو چار ٹکے
جنس سے آتی، پاؤں جاتی تھی،

اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

تیسرا دور ۱۷۸۴ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۸ء پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے ہیرو کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہسٹنگز ہیں۔ اس زمانہ مین کمپنی کا تجارتی اور سیاسی تفوق ایک مسلمہ واقعہ ہو چکا تھا۔ ٹیپو کی فتح، مرہٹون کا استیصال، مہاراشٹر کا الحاق، بھونسلا کا انجام اس دور کے اہم واقعات ہین جنھون نے کمپنی بہادر کو ہندوستان کی شاہی قوت بنا دیا۔

چوتھا دور ۱۸۱۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۶ء پر ختم ہوتا ہے۔ یا امن و صلح، نظم و نسق، اصلاح و انصاف کا عہد ہے۔ مونرو، الفنسٹن اور بنٹنگ اس کے درخشندہ ستارے ہین۔ اور اس بہتر سے بہتر نظام ملکی کا نمونہ پیش کرتے ہین جس کی ایک تاجر گورنمنٹ سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اس عہد کا آخری واقعہ انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریہ کا جلوہ گر ہونا اور لارڈ آکلینڈ کا گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آنا ہے۔

پانچوان دور ۱۸۳۶ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۸ء پر ختم ہوتا ہے۔ اور ہندوستان کی قسمت کو تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ کر جاتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جسمین ہندوستان نے ایک غیر ملکی طاقت کو اپنے اوپر مسلط ہوتا دیکھ کر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہا، مگر خود اس کے فرزندون نے اسے ایک نامعلوم مدت کے لیے غلامی کی بیڑیان پہننے پر مجبور کر دیا۔ یہ کمپنی گورنمنٹ کی تاریخ مین پے در پے غلطیون، حریصانہ کوششون اور غیر معمولی لوٹ کا زمانہ دور ہے۔ اس کے ہیرو آکلینڈ، ڈلہوزی اور لارڈ لارنس ہین۔

اس صحبت کی گفتگو کا موضوع صرف آخر الذکر چار دورون کی تاریخ کا مطالعہ ہے جسمین ہندوستان کی معاشی تباہی کے خونین واقعات ہین۔ پہلا دور خارج از بحث ہے۔ اس کو ہندوستان کے معاشی مستقبل کی تباہی سے بلا واسطہ کوئی تعلق نہین ہے۔ اور اگر ہے تو صرف اتنا ہے جتنا ایک ڈاکٹر کو کسی مریض کی موت سے ہوتا ہے۔

اٹھارھوین صدی سے پہلے	لیکن کمپنی کے تباہ کن اثرات کے صحیح اندازہ کے لیے اٹھارھوین صدی سے پہلے

ہندوستان کی معاشی حالت

پر

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر

از مولوی ابو الخیر صاحب مودودی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ

(۲)

کمپنی کے پانچ دور یہ کمپنی کی تدریجی ترقی کا اجمالی تبصرہ تھا جس سے آپ کو اس بات کا ایک سرسری اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کمپنی نے کس طرح ایک تاجر جماعت کی حیثیت سے بروز کیا، کس طرح تجارت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کے لیے فوجی قوتیں بہم کین کس طرح اپنی مختصر قوت سے زبردست حریفوں کا مقابلہ کر کے ان کو نیچا دکھایا، کس طرح ہندوستان کی صحیح صورت حال کو سمجھ کر دیسی قوتوں سے ٹکرائی، اور ملک گیری کا کام شروع کر کے ایک صدی کے اندر اندر ہندوستان کی مالک بن گئی، فلسفۂ تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان ڈھائی صدیوں کے واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کمپنی اس مدت میں اپنی تاریخ کے پانچ دوروں سے گذری ہے، یہ پانچ دور مع اپنے نمایاں واقعات کے حسب ذیل ہیں:

پہلا دور ۱۶۰۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۴۴ء پر ختم ہوتا ہے، اس میں کمپنی اپنی تجارت اور اس کی برتری کے لیے کوشش کرتی ہے، اور بالآخر اپنے یورپین رقیبوں کو شکست دے کر بحر ہند کی تنہا مالک بن جاتی ہے،

دوسرا دور ۱۷۴۴ء سے شروع ہو کر ۱۷۸۴ء پر ختم ہوتا ہے، یہ کلائیو اور وارن ہسٹنگز کے جنگی اقدامات اور سیاسی دسائس کا زمانہ ہے جو تاجروں کی ایک کمزور جماعت کو زبردست قوت بنا دیتا

یہ بات کہ سب سے پہلے امریکہ کون گیا، شاید کبھی بھی معلوم نہ ہوسکے، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس دریافت کا سہرا کولمبس کے سر نہیں، بلکہ اس سے کئی سو سال پہلے کسی عرب جہازران کے سر ہوگا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت مسیح سے پہلے ہی اوقیانوس عبور ہو چکا ہو، فونیشیا کے جہازران انگلستان سے قلعی لینے جایا کرتے تھے، وہ بھی مسیح سے پہلے افریقہ کے گرد چکر لگا چکے تھے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے اصلی باشندوں میں سے ایک گروہ سوڈین ناروے کی نسل سے ملتا جلتا ہے،

اگر یہ سب باتیں درست ہیں اور یاد رہے کہ زمانہ گذشتہ کے جہازرانی کی کہانی محض بیہودہ گوئی نہیں جسکو محض شرارت کی بنا پر سائنس کا نام دے دیا گیا ہے، بلکہ اس کے متعلق واقفیت اور نتائج سائنٹفک محنت شاقہ کا ثمرہ ہیں، تو کولمبس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اس نے امریکہ دریافت نہیں کیا، لیکن اس کی ہمت سے امریکہ کے متعلق علم عام ہوگیا، اور دوسرے پہلو سے اسی کی شہرت ویسی کی ویسی ہی قائم رہ جاتی ہے، اس نے بادشاہوں کو تجارت کا شوق دلا اور موجودہ تجارت کی بنا ڈالی، کسی چیز کو شہرت دینے کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں، اس نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا اور وہ اس میں خوب کامیاب ہوا،

اور امریکہ کا ٹولٹاک کوئی بڑا بادشاہ ہوا ہے جسکو سنہ ۹۱۱ء کے قریب عروج ہوا تھا، سپنڈن نے
یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مائن تہذیب ازٹک کے بعد مین آئی نہ کہ اس سے پہلے، مائن تہذیب کے
کتبے پڑھنے مین اس لیے دقت پیش آتی ہے کہ وہ دراصل ازٹک علوم کا جو کہ اس وقت ناپید ہوچکے
تھے، بطریق مختصر نویسی خلاصہ ہے، اُن نقاشی مین شامی اشکال پائی جاتی ہین اور مائن یادگارون کی
شکل غباری ہے، نئے امکانات اور نئی تحقیقات کے مطابق ان سب کے نئے ہی معنی نکلتے ہین، جسکو
علم السنہ سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے،

عربی تہذیب نوین صدی مین اپنے معراج پر تھی، اور سنہ ۱۰۰۰ء مین صحراے اعظم کو عبور کرکے
افریقہ کے مغربی ساحل پر منڈینگو (Mindingo) کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل
مین امریکہ کا صوبہ مچوکن (Michoacan) تھا، جو خلیج مکسیکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ
کی ملاوٹ سب سے پہلے مچوکن مین پائی جاتی ہے، اور وہی الفاظ منڈینگو کی زبان مین ملتے ہین، اور
یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہین جو ایک تجارتی کارندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے،
مثلاً جادو، دادا، دیہ، مذہب اور نظام حکومت کے متعلق یہ نتیجہ کہ منڈینگو اور مچوکن کے درمیان آمد و رفت
عملی لابدی ہے، ہر طرح سے تازہ تحقیقات اس کی تائید کرتی ہے، ازٹک اور مائن تہذیبون کا یک لخت
انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح سے نوخیز تہذیبین تھین جس وقت ان کا اپنے
اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا، ان مین تنزل آنا شروع ہو گیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تعلق تھا،
اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی تہذیب کا اثر مچوکن مین داخل ہو کر صرف تجارتی، مستقرون کے
آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خاص عربی تہذیب کا اثر تھا، کیونکہ خلیفہ ہارون رشید کے
زمانہ کے عربون نے غیر معمولی طور پر ترقی کی تھی، یورپ اُسی وقت قعر ضلالت مین غرق تھا، اور شارلیمین
ابھی تک ابجد خوانی مین محو تھا، جو اس سے کبھی ختم نہ ہوئی،

خرید و فروخت پر چونگی اور راہ داری کے محصول کی نسبت اس طرح پہرنے لگے جیسے بادشاہ پہرتے ہین ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کارون سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور منہ مانگی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندون کی تجارت جنگی اور دوسرے محصولون سے مستثنیٰ تھی اور دست کارون کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچین، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائین پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجرون کے ہاتھ سے نکل گئی اور صنعتین ان کے مظالم سے مٹنے لگین، گو میر جعفر تو یہ سب باتین دیکھتا اور دم نہ مار سکا، مگر مجبور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسرون گماشتون اور کارندون کی بدعنوانیون کی بارہا شکایتین کین اور پھر صاف لکھدیا کہ کمپنی کو اپنے کارندون کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنا رویہ بدلین میں اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہین کر سکتی، لیکن جب اس پر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اس نے اپنے علاقہ مین اندرونی تجارت پر محصول معاف کر دیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجرون کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش مین اسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کر دیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہان کا ذکر ہے، جہان کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہان کا ذکر نہین جہان مطلق العنان مالک تھی اور جہان صناعون کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیان یہان بھی ختم نہ تھین، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون مین قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالاے طاق رکھ دیا تھا، اور جنھون نے احسان کیے تھے ان ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۲۲ لاکھ ۴ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کر سکا، تو اسے معزول کر دیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدنا پور،

چنانچہ ٹنگ کی آمدنی کے معاوضہ مین گدی نشین کیا، پھر اُس سے کرناٹک کی جنگ کے لیئے پانچ لاکھ روپے مانگے، جو اس نے دیدیے، یہان تک وہ قابلِ تعریف تھا، لیکن بدقسمتی سے اُسکو اپنے ملک سے محبت تھی، وہ اُسکو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا، اور اُس نے دیسی تاجرون کے فائدے کے لیے اپنے ممالکِ محروسہ مین اندرونی نقل وحرکت پر چنگی معاف کردی تھی، جس کی وجہ سے دیسی تاجرون کو کمپنی کے مقابلہ مین منفعت بخش تجارت کا موقع مل گیا تھا، اس لیے اس کو اس "جرم بدعہدی" کی سزا مین تخت سے اتاردیا، (۱۷۶۵ء) اور ۲۰ لاکھ سالانہ بخشش کرکے حکومتِ بنگالہ کو اپنے انتظام مین لے لیا، جو چند سال مین ۱۶ لاکھ تک گھٹادی گئی، شاہ عالم کو ۲۶ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر ہسٹنگز کے زمانہ مین اس کا ایفا فضول سمجھا گیا اور بند کردیا گیا، ۱۷۶۲ء کے معاہدے کی رو سے تنجور کا راجہ کمپنی کا اتحادی تھا، لیکن اُس کی دولت پر اس کا دانت تھا، محمد علی نواب کرناٹک کو جو کمپنی اور یورپین مہاجنون کا بہت مقروض تھا، تنجور کے لوٹنے پر آمادہ کیا۔ راجہ نے ۴ لاکھ پونڈ دیکر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ پرانہ ہوئی، سینٹ جارج کے اربابِ حل وعقد یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ "صوبہ مدراس کے عین قلب مین ایسی قوت کا موجود ہونا سخت خطرناک ہے" اس بنا پر ۶ ستمبر ۱۷۷۳ء کو تنجور کا آخری فیصلہ کردیا گیا، کورٹ آف ڈائرکٹرز نے جن وجوہ کی بنا پر اس کی منظوری دی اُن سے ایک حد تک کمپنی کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے، اس نے لکھا "یہ بات بہت ہی غیرمعقول معلوم ہوتی ہے کہ راجہ تنجور ملک کے ایک ایسے زرخیز علاقہ پر قابض رہے جو تنہا ایک پورے لشکر کے مصارف برداشت کرسکتا ہے . . . . ہم تمھین اجازت دیتے ہین کہ تم راجہ پر زور ڈالنے کے لیے نواب کی مدد کرو . . . . امید ہے کہ اس سلسلہ مین جو رقم ہاتھ آئے گی اس سے نواب کے کل قرضے بیباق ہوجائین گے" ۱۷۷۵ء مین آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لیکر راجہ جیت سنگھ سے ۵۰ ہزار پاونڈ کا مطالبہ کیا، اور جب اس نے یہ رقم بے چون وچرا دیدی تو ۵ لاکھ کا اور مطالبہ کیا، جسے وہ پورا نہین کرسکتا تھا، اس لیے اُسے اس "معقول جرم" کی سزا مین

قید کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک کمزور آدمی کو اس شرط پر گدی نشین کیا کہ وہ مقررہ خراج کے علاوہ مزید فوجون سے بھی مدارات کرتا رہیگا، اسی زمانہ مین آصف الدولہ سے ۱۲ لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا اور اس کی ادائی کے لیے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مان اور دادی کے خزانون پر قبضہ کرے، حالانکہ ان کی حفاظت کی کمپنی خود ضامن ہوئی تھی، اور آخر کمپنی کی فوجون نے فیض آباد پہنچکر بیگمون کو محل مین قید کر دیا اور ان کے خزانچیون کو لکھنؤ لیجا کر زبردستی ۱۲ لاکھ پونڈ وصول کیے، کنارا کے راجہ کو کمپنی کے افسرون سے شکایات تھین، جب تھامس مانرو اس علاقہ مین بندوبست کے لیے گیا تو کنارا کے ولیعہد نے اس سے ملکر اپنی حکومت کی شکایات پیش کین، مانرو نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ راجہ کے مطالبات کمپنی کے سامنے پیش کرکے اس کے حسب دلخواہ فیصلہ کرادیگا، مگر عملاً یہ کیا گیا کہ راجہ کے تمام اختیارات سلب کرکے اس کے علاقہ کو اپنے انتظام مین لے لیا اور راجہ کو مدد معاش کے لیے تھوڑی سی جاگیر دیدی،

غرض یہ تھا کمپنی کا مطمح نظر، یہ تھے اس کے اعمال اور یہ تھے ان کے تباہی بخش اثرات، حکومت کا کچھ مقصد نہ تھا مگر روپیہ، اس کی طرف سے اجازت تھی کہ جو چاہو کرو مگر روپیہ بہت بھیجو، عمال پہلے ہی یہان کی دولت کو دیکھ دیکھ کر للچا رہے تھے، پروانگی ملتے ہی کھل کھیلے، لوٹ مار مین کوئی کور کسر اٹھا نہ رکھی، جو نہ کرنا تھا وہ کیا، خود ڈاکٹر کٹرڈن کو بھی ان ناکردہ کاریون کا اعتراف ہے، انھون نے لکھا ہے "یہ بے پایان دولت ایسے جابرانہ و غاصبانہ طریقون سے حاصل کی گئی ہے جو کسی ملک اور کسی عہد کی تاریخ مین اپنا جواب نہین رکھتے"۔

کیا یہ واقعات ایسے نہین ہین کہ ان پر انسانیت خون کے آنسو بہائے؟ یہی وہ تباہ کن معاشی غارت گری، اور موت آفرین اقتصادی لوٹ تھی، جس نے ہندوستان کو ان حالون کو پہنچا دیا ہے، اونچی ناک والے انگلستان کو اپنے اولین اقدام کے یہ خونین واقعات یاد کرکے شرمانا چاہیے"

معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف

الانتصار للخیاط

(جرمن سے ترجمہ کیا گیا)

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

معارف (جلد ۱۹ نمبر ۲) مین اطالین مستشرق پرنس کائتانی کی تاریخ اسلام پر ایک مختصر تبصرہ شایع ہوا تھا، اس کو پڑھ کر پنجاب کے ایک نوجوان صاحبِ علم نے ہم کو مخاطب کیا، اور اس تاریخ کے اردو ترجمہ کا مژدہ سنایا، ہندوستان کے موجودہ جمود علمی کو دیکھتے ہوے ہمین اس مژدہ پر تعجب ہوا، لاہور کے پچھلے سفر مین ان سے ملاقات کا لطف بھی حاصل ہوا، یہ نوجوان صاحب علم شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے ہین، اللہ تعالیٰ نے بعض اشخاص مین عجیب قابلیتین مضمر رکھی ہین، موصوف کو اسلامی تاریخ وتمدن سے بیحد ذوق ہے، اسی ذوق نے ان کی دستگیری کی اور یورپین زبانون کا شوق ان مین پیدا کیا، خوش قسمتی سے ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے اُن کے اس شوق کی رہنمائی کی،

ان کا وطن امرتسر ہے ۱۹۱۸ء مین جب وہ ابھی کالج کی ایف اے کلاس مین تھے ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے یہ سُن کر کہ ان کو تاریخ اسلامی کا بیحد شوق ہے انھون نے کمال مہربانی سے اُن کو فرنچ اور جرمن زبانون (جن سے وہ واقف ہین) کی تعلیم کا ذمہ لیا، مگر ان کی تعلیم پر ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے اور ابھی ابتدائی کتابین بھی ختم نہ ہوئی تھین کہ ڈاکٹر صاحب سیاسی مشاغل مین معروف ہوگئے اور ان کی مشفقانہ تعلیم وتدریس کا زمانہ ختم ہوگیا، مگر چونکہ وہ ان زبانون کی تحصیل کا راستہ دیکھ چکے تھے اور اسی کے ساتھ ہی وہ یورپین مستشرقین کی تصانیف کے مطالعہ کیلیے بیتاب تھے

اس لیے علم شوق اور مناسبت طبع نے ضرور ہتائی کی اور انھوں نے ان زبانوں کا مطالعہ خود جاری رکھا اور بحمد اللہ کہ آج وہ ان سے بخوبی مستفید ہو رہے ہیں،

جب وہ بی اے کلاس میں تھے تو ان کو پیرس کے ایک ناشر الکتب کی طرف سے کاتانی کی کتاب (CHRONOGRAPHIA ISLAMICA) کا اطالیہ ایڈیشن وصول ہوا، اگرچہ وہ اس وقت اطالین سے ناآشنا تھے مگر اوراق سرسری طور سے جو چند صفحے شامل تھے ان سے کتاب کی ترتیب اور جامعیت اور اس کے اندر مفید اور پر از معلومات ہونے کا اندازہ کر کے انھوں نے اطالین سیکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا، چنانچہ ایم اے کلاس میں جب وہ عربی کی تحصیل میں مصروف تھے ساتھ ساتھ اطالین کے مطالعہ کو جاری رکھا، اور دو سال میں اتنی لیاقت پیدا کر لی کہ وہ اس زبان سے ترجمہ کرنے پر قادر ہو گئے، اب وہ مغربی زبانوں میں انگریزی کے علاوہ جرمن، فرنچ، اطالین میں اور یورپی زبانوں سے استفادہ کر سکتے ہیں، مشرقی زبانوں میں عربی اور فارسی زبانوں سے واقف ہیں، یہ ایک ایسا مجموعہ اوصاف قابلیت ہے جس پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں، شیخ صاحب کا ارادہ ہے اپنے تراجم سے معارف کو بھی مشرف کرنے کا عزم رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے متعدد تراجم انھوں نے بھیجے ہیں جن میں سے ایک آج ہدیہ ناظرین ہے،

معارف جلد ۱۸ نمبر ۲ کے شذرات میں الانتصار نامی ایک عربی کتاب کا تذکرہ کیا گیا تھا، اب انھوں نے اس کتاب کے متعلق اس کے شائع کنندہ جرمن مستشرق کا تبصرہ جرمنی سے ترجمہ کر کے بھیجا ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں، اور آیندہ ہمارے ناظرین کو ان کی قابلیت کے مزید نمونے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہیگا،

علمی حلقوں میں یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ حال ہی میں معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف روز روشن میں آئی ہے، اس کا عنوان کتاب الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد ہے اور ابو الحسین عبد الرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط کی تصنیف ہے، اپسالا یونیورسٹی (سویڈن) کے ایک استاذ ڈاکٹر نیبرگ نے اس کو

قاہرہ کے کتب خانۂ سلطانی کے ایک نادر الوجود نسخہ سے لیکر ایک مفصل عربی دیباچہ کے ساتھ مصر سے ۱۹۲۵ء میں لجنۃ التالیف و الترجمہ و النشر کے طریق پر شایع کیا، چند ماہ ہوے صاحب موصوف نے اُس کے مضامین کی نوعیت اور اہمیت کے متعلق ایک مختصر تحریر جرمن زبان میں شائع کی تھی جس کا ترجمہ ذیل میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

فرقۂ معتزلہ کا آغاز اس کی قدیم تاریخ تا حال تاریکی کے پردہ میں مستور رہی ہے کیونکہ اب تک ہمین اُن کے عقائد و کلام کی کوئی قدیم اصل کتاب معلوم نہ تھی، یہ سچ ہے کہ بغدادی شہرستانی اور ابن حزم نے ملل و نحل پر جو کچھ لکھا ہے اس میں اس فرقہ کی تاریخ کے متعلق بھی کچھ مواد چھوڑا ہے، مگر یہ مواد بہت قلیل اور نامکمل ہے، اس کے علاوہ عدم رواداری اور تعصب نے اس میں اس قدر تصرف کیا ہے کہ قدیم معتزلی متکلمین کے اصلی اور حقیقی عقائد و مقاصد تک پہنچنا بعض روایات کی نہایت سخت تنقید کے بعد ممکن تھا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ کی اصل حقیقت یورپ کے علمائے محققین سے بھی مخفی رہی، معتزلی علماء کو کسی نے آزاد خیال اور کسی نے زاہد مرتاض تصور کیا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا سے الگ تھلگ، بیفائدہ اور لاحاصل موشگافیوں اور باریک بینیوں میں منہمک رہتے تھے، لہذا اہل تحقیق کے لیے اس امر سے زیادہ خوش آئند اور کیا بات ہوسکتی تھی کہ انہیں قدیم معتزلہ کا بیان خود انھیں میں سے ایک کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستیاب ہوجائے، اس مضمون کے متعلق جو کمی ہمارے علم میں تھی اس کو مذکورۂ بالا کتاب بطریق احسن پورا کرتی ہے،

یہ کتاب ایک مشہور معتزلی عالم یعنی خیاط کی تصنیف سے ہے، جو کعبی کا استاد تھا اور جو علماء کی راے کے مطابق اُن لوگوں میں سے تھا، جو اسلام میں دینی عقائد و مسائل کے قدیم ارتقاء کے بہترین عالم گذرے ہیں اس کا سالِ وفات ۳۰۰ھ کے قریب ہے اور اس کی موجودہ کتاب محض حسن اتفاق سے ہم تک پہنچی ہے، ہمین اس کا صرف ایک نسخہ معلوم ہے جو مصر کے کتب خانہ سلطانی کو ۱۹۱۱ء میں شیخ طاہر الجزائری سے ورثہ میں ملا، اور جو دراصل پہلے دمشق کے کسی کتبخانہ میں وقف تھا، آخری صفحہ پر شام کے ایک فقیہ کی

لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس کتاب سے کچھ واسطہ وتعلق رہا ہے، اور ہمارے لیے خوشی کا مقام ہے کہ یہ کتاب متعصب ملاؤں کی حرارت مذہبی سے بچ رہی ہے، کتاب ہذا کا نسخہ بذات خود بڑا نادر اور یادگار زمانہ ہے، کیونکہ یہ نسخہ ۳۴۷ھ میں تیار ہوا تھا اور اب بھی اچھی خاصی حالت میں ہے،

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ کتاب ابن الراوندی کے جواب میں لکھی گئی تھی جو ایک بڑا سر بر آوردہ شیعی آزاد خیال گذرا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خیاط نے اپنی عمر اور اپنے مطالعہ وتحقیق کا بہت سا حصہ اُس ملحد کے خلاف جنگ کرنے میں صرف کیا تھا۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا قصہ یوں ہے کہ متوکل کے عہد خلافت میں معتزلہ پر جو جبر وتشدد ہوا، غالباً اسی سے متاثر اور برانگیختہ ہو کر جاحظ نے ایک کتاب "فضیلۃ المعتزلہ" کے نام سے تصنیف کی تھی جس میں اس نے نہ صرف اپنے فرقہ کے اصول کو ثابت کیا تھا، بلکہ شیعہ فرقہ پر بھی بہت درشت حملے کیے تھے، اس کے جواب میں غالباً تیسری صدی ہجری کی اختتام کے قریب ابن الراوندی نے اپنی مناظرانہ کتاب "فضیحۃ المعتزلہ" لکھی اور اس میں جاحظ پر خوب لے دے کی، اب خیاط نے ابن الراوندی کے رد میں اپنی کتاب الانتصار لکھی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ابن الراوندی کی تنقید کی ہر فصل کی جہاں میں کرتا ہے، اُس کے اعتراض کو اسی کے الفاظ میں نقل کرتا ہے اور اس کے بعد معتزلی علماء جن کو ابن الراوندی نے مورد طعن بنایا تھا کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس طرح تمام قدیم معتزلہ ہماری نظر کے سامنے سے گذرتے ہیں، خیاط اپنے جوابات میں زیادہ تر نظام اور ابو الہذیل العلاف کا ذکر کرتا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ معتزلہ کے آغاز اور عقائد پر جن کو آج تک غلط سمجھا جاتا رہا ہے بالکل نئی روشنی پڑی ہے اور اس اہم فرقہ کے حقیقی مقاصد آشکارا ہوئے ہیں کتاب ہذا کے بموجب اس بات میں کچھ شک نہیں رہا، کہ اعتزال دراصل ایک مدافعانہ اور مبلغانہ تحریک تھی جو ایک مدت تک جاری رہی؛ یہ امر بہت دیر پہلے اس نہایت اہم مواد سے بھی معلوم ہو سکتا تھا، جو جاحظ نے کتاب البیان میں داخل

اور عمرو بن عبید کے متعلق روایت کیا ہے،

کتاب الانتصار نہ صرف معتزلہ کی تاریخ کے لیے نہایت اہم ہے، بلکہ اس کے واسطہ سے ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کے کئی اجزا معلوم ہو سکتے ہیں جن کی مدد سے یہ کتاب تمام کی تمام از سر نو تیار ہو سکتی ہے، اس کے ذریعہ سے ہم ابن الراوندی کی شخصیت کے متعلق بالکل نئی بصیرت حاصل کرتے ہیں اور معتزلہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی مکمل تاریخ مسطور پاتے ہیں اس کے علاوہ ایک قدیم شیعی عالم ہشام بن الحکم پر نئی روشنی پڑتی ہے، ایک اور مزید اور ناقابل تردید بات جو اس کتاب سے آشکارا ہوتی ہے یہ ہے کہ بغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق" میں ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کو بکثرت استعمال کیا ہے، لہذا کتاب الانتصار اسلام کے قدیم عقائد کی تاریخ کے لحاظ سے ایک اول درجہ کی دستاویز ہے،

اس کتاب کے دیباچہ میں جو عربی میں لکھا گیا ہے خیاط اور ابن الراوندی کی سوانحعمری کے متعلق مسالہ، مواد یکجا کر دیا گیا ہے، معتزلہ کے متعلق نئے مواد پر بحث کی گئی ہے اور اس فرقہ کی قدیم تاریخ کو از سر نو قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مطالعہ سے مشرقی قارئین پر یورپ کے اصول تاریخ نویسی ظاہر ہوں گے، حواشی میں کتاب کے مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے اور متن میں جن اشخاص کا ذکر ہوا ہے اُن کے حالات زندگی کے متعلق مواد فراہم کر دیا گیا ہے، فہرستوں کے مکمل بنانے میں خاص احتیاط اور محنت صرف کی گئی ہے،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانوں نے فن زراعت میں جو ترقی کی تھی اس کا یہ آئینہ ابو زکریا یحییٰ اشبیلی کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے اور معارف پریس میں چھپا ہے، تاریخ اور فن دونوں کی حیثیت سے یہ پڑھنے کی چیز ہے، حجم ۱۱۲ صفحہ، قیمت للعہ،

تلخیص و تبصرہ

آلہ پارچہ بافی کا انگریز موجد

اور اُسکی

صدسالہ برسی

انگلستان کی تمام دولت و ثروت اور قوتِ جہانبانی کا راز اس کے کپڑوں کی تجارت میں مضمر ہے کیونکہ اس کو دنیا کے تمام ممالک میں صنعتِ پارچہ بافی میں تفوق حاصل ہوا ہے، اور اسی صنعت سے اس نے اقتصادی و سیاسی تفوق حاصل کیا ہے اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر فرمانروا ہے، لیکن یہ عجیب پرلطف حقیقت ہے کہ انگلستان کی یہ حیرت انگیز صنعتی ترقی صرف ایک شخص سموئل کرمپٹن (SAMUEL CROMPTON) کی رہینِ منت ہے، جس نے خود نہایت عسرت کی زندگی گذاردی، ۲۶، جون ۱۹۲۷ء کو انگلستان میں اس کی صدسالہ برسی نہایت شان و شوکت سے منائی گئی، مصر کے رسالہ المقتطف میں اسی صدسالہ برسی کی مناسبت سے اس کے حالاتِ زندگی شائع ہوئے ہیں، جس کا خلاصہ ہم حسبِ ذیل کرتے ہیں، جس میں انگلستان کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز پنہان ہے،

اس کی پیدائش ۱۷۵۳ء میں صوبۂ لنکا شائر کے ایک شہر بولٹن کے قریب ہوئی، اس کے والدین نہایت غریب و نادار تھے، اس لیے اُنھوں نے اُسکو مجبوراً بچپن سے تعلیمی سلسلہ کی طرف بھیجنے کے بجائے سوت کاتنے میں لگا دیا، اس وقت تک انگلستان میں سوت کاتنے کی دو مشینیں ایجاد ہو چکی تھیں جن میں سے ایک ہرگریوز کی طرف منسوب ہے، جس میں آٹھ چرخے کام کرتے تھے، جنکو ایک دولابی شکل کا پہیہ بیک وقت

چلاتا تھا لیکن اس کا سوت نہایت ناقص ہوتا تھا، جو صرف تانے کے کام مین آتا تھا اس لیے پارچہ بافان بالعموم بانے مین اون یا کتان وغیرہ بھرتے تھے اس لیے ایک ایسی مشین کی شدید ضرورت تھی جو بانے کے لیے بھی عمدہ کا سوت تیار کر سکے، چنانچہ ایک دوسرے شخص سر رچرڈ آرک رائٹ (SIR RICHARD ARK WRIGHT) نے یہ کمی پوری کر دی اور اس سے ایسا سوت تیار ہونے لگا جو بانے کے کام مین آئے اور اس کے بعد پارچہ بافون کا عام دستور رہا کہ وہ ہرگریفس کے سوت سے تانا تنتے اور سر آرک رائٹ کے سوت سے بانا بھرتے، لیکن ان دونون تار و پود کی تکمیل کے بعد بھی انگلستان کو اقوام عالم کے درمیان صنعت پارچہ بافی مین کوئی خاص امتیاز حاصل نہین ہوا، البتہ اُس سے ملکی ضرورتین ایک حد تک پوری ہونے لگین،

اس کے بعد سیموئل کرومپٹن کا دور آتا ہے، یہ فطرۃً نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوا تھا، اس کے مصرف مین بھی یہی دونون مشینین تھین اس نے اپنا مشغلہ جاری رکھتے ہوئے، ان دو مشینون کے نقائص بہت جلد معلوم کر لیے اور ان کی اصلاح و ترمیم پر غور کرتا رہا، یہان تک کہ ۱۷۷۹ء مین اس کو نمایان کامیابی حاصل ہوئی، اس نے ان دونون مشینون کے اجزار علٰحدہ کیے، اور پھر دونون مین سے مفید اور زیادہ کار آمد اجزار کو یکجا کیا، اور انہین چند چیزین اضافہ کر کے بالکل ایک نئی مشین تیار کر لی، اور اس درجہ نمایان کامیابی حاصل کی کہ اب تک قدیم مشینون سے زیادہ سے زیادہ ۱۶۸۰۰ گز طویل سوت کاتا جا سکتا تھا، لیکن اب اسکی مشین ۷۷ میل کا سوت نکالنے لگی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ اس مشین مین ابتداً صرف تیس چرخے لگائے جاتے تھے، بعد مین اس مین مزید ترقی ہوئی، اور اس مین ۲ ہزار چرخے بیک وقت کام کرنے لگے،

علاوہ ازین اس کا سوت باریکی، مضبوطی، صفائی اور دیگر خوبیون کے لحاظ سے نہایت بہترین ثابت ہوا، اور بازار مین پہونچتے ہی بہت جلد قبولیت حاصل کر لی، جس کی وجہ سے اس کے ہم پیشہ

لوگون کے کاروبار کو شدید نقصان پہونچا، اور وہ اُس کے درپے آزار ہو گئے، اور اس کی کامیابی کے راز کی جستجو مین لگ گئے، کیونکہ ابتک اُس نے اپنے اس اختراع کو صیغۂ راز مین رکھا تھا، اور اس لیے اُسنے اس اختراع کے سلسلہ کی تمام جد و جہد رات کو بند کمرے مین کیا کرتا تھا، اور مشین کی تیاری کے بعد بھی وہ رات کو کام کرتا رہا، لیکن ایک طرف اس کی ہم پیشہ جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور دوسری طرف انگلستان کے بڑے بڑے تاجرون نے کوشش شروع کی کہ وہ اپنے حق ایجاد سے دست بردار ہوکر کوئی معاوضہ قبول کرے، نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے والون کی ایک بڑی جماعت شبانہ روز اس کے مکان کا محاصرہ کیے بیٹھی رہی، اور اُدھر تاجرون کا اصرار بھی تہدید و تخویف تک پہونچ گیا، ان حالات مین اُسکے لیے رات دن مین کسی وقت ایک لمحہ کام کرنا دشوار ہو گیا، بالآخر یہ چیز بہت جلد اس کے ہاتھون سے نکلکر تمام پارچہ بافون کے یہان پہونچ گئی، اور تاجرون کے تمام وعدے بھی غلط نکلے اور اس سلسلہ مین اس کو صرف ۶۰ پونڈ دستیاب ہوئے،

لیکن اب کرومپٹن کے لیے خود اس کی مشین بیکار ہو گئی، کیونکہ اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ وہ وہان کے بڑے بڑے تاجرون کے مقابلہ مین اپنا کارخانہ قائم کرتا، کیونکہ ان لوگون نے اپنے کارخانون مین بہت جلد اس مشین کو رائج کر دیا تھا، اس لیے اب کرومپٹن حکومت سے اپنی ایجاد کا معاوضہ طلب کرنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس سلسلہ مین ۱۸۰۰ء مین اس کو صرف ۵۰۰ پونڈ کی حقیر رقم دی گئی، کرومپٹن اس پر خاموش رہا، لیکن جب ۱۸۰۸ء مین ڈاکٹر اڈمنڈ کارٹرائٹ کو ایک کارگاہ کی ایجاد کے معاوضہ مین جو پانی اور بخارات کی مدد سے چلتا ہے، ۱۰ ہزار پونڈ حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا، تو کرومپٹن نے بھی اپنی ایجاد کا حقیقی معاوضہ طلب کرنا چاہا، کیونکہ ڈاکٹر اڈمنڈ کی ایجاد کے مقابلہ مین اس کی ایجاد بہت زیادہ بلند پایہ اور انگلستان کی ثروت مین انقلاب پیدا کرنے والی تھی،

چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے ملک کا دورہ کیا، جس سے اسکو معلوم ہوا کہ اسوقت ملک مین

۶۵۰ ہزار اس کی مشین چلتی ہے، ۱۵۰ ہزار ہر گریٹس کی اور ۳۰۰ ہزار آرک رائٹ کی مشین ہے، حالانکہ اس کی مشین بھی بالکل نو ایجاد تھی،

اس نے یہ اعداد و شمار ارباب حکومت کے سامنے پیش کئے اور مسٹر اسپنسر رئیس الوزراء نے کرومپٹن کو ۲۰ ہزار انعام دیے جانے کی ایک تحریک پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن کرومپٹن کی شومیٔ قسمت سے عین اسی دن جبکہ یہ تحریک پیش ہونے والی تھی مسٹر اسپنسر پارلیمنٹ کو جا رہے تھے کہ ان پر کسی نے شدید جارحانہ حملہ کیا، اور کرومپٹن کی شخصیت ایک مرتبہ پھر پارلیمنٹ کی نظروں سے اوجھل ہوگئی، لیکن مدت کی خاموشی کے بعد پارلیمنٹ نے اس کو دوبارہ یاد کیا، اور ۵ ہزار پونڈ کا انعام دیے جانے کا فیصلہ کیا، کرومپٹن نے اس سرمایہ سے اپنا کاروبار جاری کیا، لیکن اس کو نقصان اٹھانا پڑا، اور جسکی وجہ سے اس کا سرمایہ بھی ضائع ہوگیا، اور اس کے فقر و فاقہ کی زندگی پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی، اسی حالت میں گذر رہی تھی کہ سنہ ۱۸۲۴ء میں اس کے بعض احباب نے اس کے نام سے کچھ سرمایہ جمع کر دیا جس کا ۶۳ پونڈ سالانہ منافع اسکو ملنے لگا، اور اب یہی اس کی ساری کائنات تھی جسپر وہ بسراوقات کرتا تھا، اور بالآخر انگلستان کو دولت و ثروت اور سیاست میں تمام اقوام عالم پر سربلند کرنے والا کرومپٹن، اسی تنگدستی و فاقہ مستی میں ۲۶ رجون سنہ ۱۹۲۷ء میں موت کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا،

اس کی وفات کے بعد ہی اس کے ہموطن باشندگان بولٹن کی آنکھیں کھلیں، اور اس کی قدر افزائی اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگے، شہر میں عام سڑکوں پر جابجا اس کے مجسمے نصب کئے گئے، اسکی سالانہ برسی منائی جانے لگی جسمیں تمام انگلستان نہایت خلوص سے شرکت کرتا، یہانتک کہ اس سال اسکی صد سالہ برسی اس کروفر اور دھوم دھام سے ۲۶ رجون کو منائی گئی کہ شاہ فواد فرمانروائے مصر، ثروت پاشا وزیر اعظم مصر کو ساتھ لیکر اس کی شرکت کے لیے مصر سے انگلستان گئے، کیونکہ انگلستان کی صنعت پارچہ بافی میں مصر کی روئی کی زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے شاہ فواد کا انگلستان میں

نہایت شان و شوکت سے شاہی استقبال ہوا، اور وہ شاہی جلوس کے ساتھ بولٹن جاکر اس تقریب میں شریک ہوئے، کرومپٹن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی سب سے پہلی مشین آج انگلستان کے عجائب خانہ میں نہایت عزو افتخار سے رکھی ہوئی ہے

"ر"

عربون کے شمسی مہینے

عربی زبان میں قمری مہینوں محرم صفر وغیرہ کے علاوہ شمسی مہینے بھی استعمال کیے جاتے ہیں یہ شمسی مہینے عرب میں اسلام سے پہلے یہودیوں کے ذریعہ سے آئے، اور اس وقت سے آجتک برابر استعمال کیے جاتے ہیں چنانچہ اسوقت بھی عرب، مصر اور شام وغیرہ میں قمری مہینوں کے پہلو بہ پہلو یہ مہینے بھی لکھے جاتے ہیں جو بہ ترتیب حسب ذیل ہیں!

تشرین اول، تشرین ثانی، کانون اول، کانون ثانی، شباط، اذار، نیسان، ایار، حزیران، تموز، آب، اور ایلل یا ایلول،

بصرہ کے ایک یہودی صاحب قلم یوسف ہرمن نے ان مہینوں کا ماخذ کلدانی زبان کو قرار دیا ہے اور اسی لحاظ سے اُن کے ناموں کی توجیہ پیش کی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

تشرین کلدانی کے لفظ (شرا) سے نکلا ہے جس کے معنی شروع اور ابتدا کرنے کے ہیں اور اسی مہینہ سے آغاز سال ہوتا ہے، کانون کا لفظ (کانونا) سے ماخوذ ہے جس کے معنی کلدانی میں انگیٹھی کے ہیں! اور ان دونوں مہینوں کا نام اس لیے پڑا کہ ان میں سردی ہوتی تھی اور لوگوں کو انگیٹھیوں کی ضرورت پیش آتی تھی،

شباط خالص کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "سوط" یعنی کوڑے کے ہیں اس مہینہ کو اس لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ سورج اپنی کرنوں کے کوڑوں سے کانون کے دونوں مہینوں کے

بہنے کے جاڑون کو بھگاتا ہو" "آذار" کے معنی کلدانی مین "چھینٹے" کے ہین کہ اسی مہینہ مین پانی کی بوچھارین پڑنے لگتی تھین "ایار" کے معنی "جاگے" یا "جگانے والے" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان اپنی کھیتی کو بچانے کے لیے رات کو جاگ کر کاٹتے تھے "نیسان" کے معنی "تجربہ" کے ہین اس مین درخت اور کھیت کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا اس سے وہ ابر نیسان اور قطرۂ نیسان فارسی مین مستعمل ہے "حزیران" کے معنی محنت اور کوشش کے ہین کہ اسی مہینہ مین کسان کڑاکے کی دھوپ مین کھیتی کے کام کاج مین ان تھک لگے رہتے تھے "تموز" کے معنی "دوانین" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان کھیت کاٹ کر دانیان کرتے تھے "آب" کھجور کو کہتے ہین کہ اسی مہینہ مین کھجورین پکتی تھین اور اسی لیے عربی مین اس مہینہ کو ابوالفاکہہ بھی کہتے ہین "ایلول" کہتے ہین "ولولہ اور بکا" کو کیونکہ اس مہینہ مین کسانون کے گھر پونجی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ جاڑے کے دن بھی آجاتے ہین جس سے بہت دکھ اور رنج مین رہتے تھے، اسی طرح لفظ "شہر" جس کے معنی عربی مین مہینہ کے ہین دراصل کلدانی کا لفظ "سہرا" یعنی چاند ہے، مگر جب یہ لفظ عربی مین آیا تو چاند کے معنی مین لیے جانے کے بجائے چاند کے ایک دور یعنی مہینہ کا نام رکھ دیا گیا،

" ر "

یورپ اور روزہ

"یورپ" اور "روزہ" بظاہر ان دونون لفظون مین آج تضاد نظر آتا ہے، مگر ایک زمانہ تھا جب آج کا "مصنوعی عیسائی یورپ" حقیقی عیسائی یورپ تھا، اسوقت وہان مذہبی حیثیت سے لوگ اسی طرح روزے رکھتے تھے جیسے آج بھی مذہبی مشرق مین لوگ روزے رکھتے ہین، اور اسکے لیے سلطنتین اُسی طرح تاکیدی احکام نافذ کرتی تھین، جس طرح اسلامی ملکون مین آج بھی سلطنتین رمضان کے احترام کے احکام جاری کرتی ہین، مگر بڑھتی ہوئی عیش پسندی اور روحانیت سے تنفر اور بے اعتمادی نے نہ صرف یورپ سے بلکہ عیسائیت سے بھی اسکو خارج کر دیا،

حضرت عیسیٰؑ نے خود بھی روزے رکھے تھے" اور اُن کے پیرو بھی روزے رکھا کرتے تھے تاہم ان کے زمانے کے یہودیون کو اسپر بھی اعتراض تھا کہ اُن کے پیرو بہت کم روزے رکھتے ہین حضرت عیسیٰؑ نے اُن کے اس اعتراض کا بھی جوابدیا، مگر حضرت عیسیٰ اگر آج ہوتے تو دیکھتے کہ یہودیون کا اعتراض انیس سو برس کے بعد اُنکے پیروون پر پورا صادق آگیا، عیسائی فرقون مین بہت کم روزے پروٹسٹنٹ فرقہ مین ہین اور غالباً عملی حیثیت سے اسی تحریک نے عیسائی ملکون مین روزے کی اہمیت کم کردی، حالانکہ اس کے بانی لیوتھر نے روزون کی ترویج کی کوشش بھی کی تھی اور اس کے باعث اسپر "ترکون کے مذہب" یعنی اسلام کی متابعت کا الزام قائم کیا گیا تھا،

لیکن یورپ مین مذہب کے تدریجی انحطاط کے ساتھ ساتھ روزون کی عملی اہمیت بھی کم ہوتی گئی، گذشتہ زمانہ مین جب وہان مذہب کے تمام احکام اور ممنوعات حکومت کے قوانین کے طور پر نافذ ہوتے تھے تو روزون کے احترام کے متعلق احکام جاری ہوتے تھے، ۱۵۴۸ء مین فرانس کے بادشاہ شارلمان نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے روزے کے دنون مین روزے نہ رکھیگا اسکو موت کی سزا دیجائیگی، اور عذر بھی اسوقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کسی مجبوری کی تصدیق مین اسقف کی تحریری شہادت نہ پیش کی جائیگی اور افطار کی اجازت ملنے کے بعد نہایت پوشیدہ طور پر افطار کرنا ہوگا، پھر ہنری جارج نے بھی اسی حکم کی تجدید کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس حکم مین آسانی ہوتی گئی، یہان تک کہ ۷ فروری ۱۵۹۵ء کو عام شاہراہ پر اعلان لگایا گیا کہ روزے کے دنون مین گوشت کھانے والون کو شدید سزا دیجائیگی، اور اگر کوئی قصائی گوشت بیچتا نظر آئے گا تو اس کے لیے موت کی سزا ہوگی، پھر سترھوین صدی مین بھی اسی قسم کے اعلانات کی تجدید ہوئی، مگر جب اٹھارھوین صدی آئی، تو ۱۷۴۶ء مین پولیس نے ایک مقام پر مختلف قسم کے گوشتون کی ایک بڑی مقدار پکڑی جو ملک کے امراء و رؤسا کیلئے مہیا کی گئی تھی، لیکن حکومت کیطرف سے گوشت ضبط کر لینے کے علاوہ اور کسی قسم کی بازپرس نہین ہوئی، اسی کے بعد روزون کے متعلق تمام امتناعی احکام رفتہ رفتہ کالعدم ہوگئے یہانتک کہ آج ہم "یورپ" اور "روزہ" کو دو متضاد مفہوم سمجھتے ہین،

" ر "

اخبار علمیہ

ہندوستانی ایکڈیمی (صوبہائے متحدہ) کی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء میں یہ طے کیا تھا کہ قبل اسکے کہ کوئی علمی کام کیا جائے اُردو ہندی کے موجودہ لٹریچر کی جانب سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ دو کمیٹیاں ایک اُردو کے لیے اور دوسری ہندی کے لیے اس غرض سے مقرر کی گئیں کہ دو مہینہ کے اندر ایگزیکیٹو کمیٹی کے سامنے وہ ان لٹریچروں کی رپورٹ پیش کریں، دونوں کمیٹیوں نے اپنی اپنی رپورٹیں بھیجیں، اور ایگزیکیٹو کمیٹی نے ان رپورٹوں پر، ۲ جولائی ۱۹۲۷ء کو غور کرکے ایکڈیمی کے حصول اغراض کے مناسب طریقوں پر بحث کی ایک اسکیم سال رواں کے اخراجات کی تیار کی گئی جسکی رو سے پانچ ہزار روپیہ ان لوگوں کے لیے منظور کیا گیا جو نئی کتابیں لکھیں اور دو ہزار روپیہ اُن لوگوں کے لیے جو سال رواں کے اندر بہترین کتاب تیار کریں، تین ہزار چھ سو روپیہ ان لوگوں کی تنخواہ کیلیے جو دارالتالیف میں ایکڈیمی کی جانب سے ملازم رکھے جائیں اور ایک ہزار روپیہ اُن علماء و فضلا کے اخراجات کے لیے جنکو ایکڈیمی لکچر دینے کے لیے مدعو کرے،

کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ دو کتابیں ہندوستان کے ادبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی حالت پر، ایک ہندوؤں کے زمانہ کی اور دوسری مسلمانوں کے عہد کی تیار کرائی جائیں، ایک کمیٹی چند ممبروں کی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ ایسے ادیب کا انتخاب کرے جو اس کام کے لائق ہو اور جب کتاب تیار ہو جائے تو اس کی طباعت کا اہتمام کرے،

دارالتالیف کے مستقل اشخاص کے تقرر اور لکچر کے انتخاب کے لیے بھی کمیٹیان مقرر کی گئین، دو انعامات بھی تجویز کیے گئے ہین، ایک سال رواں کی بہترین اُردو نثر کی کتاب اور دو نظم کی کتاب کیلئے اور اسی طرح ہندی کے لیے بھی دو انعامات مقرر کیے گئے ہین،

اکیڈیمی کے صدر سرتیج بہادر سپرو نے اپنی فیاضی سے ایک ہزار روپیہ اس غرض سے اکیڈیمی کو عطا کیا ہے کہ وہ اس رقم کو اوس فاضل کی خدمت مین بطور نذر کے پیش کرے جو ہندوستان کے اسلامی عہد کی معاشرتی اور تمدنی حالت پر تین خطبے پڑھے کمیٹی نے اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور ایک ہزار روپیہ اپنے فنڈ سے اس لکچرر کو نذر دینے کے لیے علحدہ تجویز کیا ہے، جو تین لکچر ان موضوعات پر جن کو اکیڈیمی تجویز کرے گی تیار کرے،

مرض سرطان، آج کل مغرب کے حکما کو مرض سرطان کے متعلق تحقیق و تدقیق کا خاص شوق پیدا ہوا ہے، چنانچہ ہر مہینہ مین وہان کے بلند پایہ علمی وطبی رسائل مین اس مرض کی تشریح، اس کے پیدا ہونے کے اسباب اس سے محفوظ رہنے کی تدبیرین، اس کے طریقۂ علاج، اور مختلف طریقۂ علاج کے مختلف تجربات وغیرہ پر مفید مضامین اور اعداد وشمار شائع ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین اس کا سیسہ کے ذریعہ سے جو علاج ہوتا ہے اس کے اعداد وشمار شایع ہوے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک شہر لیور پول مین گذشتہ پانچ سالون کے اندر ۲۲۷ اشخاص اس مرض مین مبتلا ہوکر زیر علاج آئے جن مین ۲۱ مریضون کو صحت ہوئی، ۱۰ مریضون مین مرض کی ترقی کی رفتار رُک گئی، اور ۱۰۰ مریضون نے وفات پائی، جن مین سے ۱۰۲ تو اس مرض ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور باقی ۶ مریضون کی جان سیسہ سے علاج کرنے کی وجہ سے تلف ہوئی،

سونے کی مقدار: اس وقت مختلف ممالک مین سونے کی جو مقدار جمع ہے اس کے اعداد و شمار حسب ذیل ہین :-

امریکہ	۵۰۰	ملین پونڈ	ارجنٹائن	۹۲	ملین پونڈ
فرانس	۱۲۲	" "	جرمنی	۵۸	" "
انگلستان	۱۲۰	" "	اٹلی	۴۴	" "
جاپان	۱۱۷	" "	کناڈا	۴۰ یا ۴۵	" "
اسپین	۸۸	" "	ہالینڈ	۱۸	" "

آفتاب مین داغ: ماہرین فلکیات کا بیان ہے کہ چند دن گذرے کہ آفتاب کے روشن چہرے پر ایک بہت بڑا داغ نمایان ہوا، جو یکم جون سے ۵ جون تک قائم رہا، اس داغ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ یہ دو ہزار مربع میل کو محیط تھا، لیکن اسی رقبہ مین اس بڑے داغ کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے داغ بھی شمار کریے گئے،

کہکشان کے ستارون کی تعداد: امریکہ کے رسالہ مین جو ایک خاص مجلس علمی کا آرگن ہے ڈاکٹر ایبٹ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین انھون نے کہکشان کے ستارون سے بحث کی ہے اور انکی مجموعی تعداد کا تقریباً ۳۰ ہزار ملین اندازہ لگایا ہے اور اس کے سب سے طویل قطر کا اندازہ ایک لاکھ سال نوری اور اُس کے سب سے کم قطر کا اندازہ ۲۰ ہزار سال نوری کیا گیا ہے،

لاسلکی کی ایک اور علمی ترقی، ہم نے معارف ماہ مئی مین "لاسلکی کی نئی ترقیان" کے عنوان

سے مسٹر ہابرڈ کے ایک جدید اختراع کا تذکرہ کیا تھا جس کے ذریعہ سے انسان دور دراز کی چیزون کی اصلی شکل وصورت وضع قطع اور صحیح نقل وحرکت کو دیکھ سکتا ہے اب اس آلہ نے آزمائش اور تجربہ کے دور سے گذر کر عمل کے دور مین قدم رکھا ہے اور اسکے لیے یورپ مین جابجا اسٹیشن قایم ہو رہے ہین چنانچہ اس کا ایک اسٹیشن آئرلینڈ کے دارالحکومت ڈبلن مین بنا ہے جو آئرلینڈ کا جنوبی حصہ ہے اور دوسرا اسٹیشن اس کے شمالی حصہ مین شہر بلفاسٹ مین قایم ہوا ان کے علاوہ جابجا دیگر مقامات پر متعدد اسٹیشن بنائے گئے ہین لیکن ابھی تک ان مین سے دو اسٹیشنون کے درمیان کی مسافت ۱۴۳ میل سے زیادہ نہین ہونے پائی تھی اور خیال تھا کہ شاید اس سے زیادہ مسافت مین مزاحمت پیش آئے مگر بالکل آخری اطلاع سے پتہ چلا کہ لندن اور گلاسگو مین بھی اسٹیشن قایم ہوگئے ہین جن کی مسافت تقریباً ۴۰۵ میل ہے

اقوام عالم کی مردم شماری دنیا کی آبادی مین ابتک دنیا کی تمام آبادی مین سے ۳/۴ حصہ کی مردم شماری ہو سکی ہے اور باقی ۱/۴ حصہ محض اندازہ پر مشتمل ہے چنانچہ اس لحاظ سے دنیا کی سب سے آخری مردم شماری کے اعداد وشمار حسب ذیل قرار پائے ہین ! -

یورپ -	۳۵۱۰۰۰۰۰۰	شمالی امریکہ -	۱۴۴۰۰۰۰۰۰
ایشیا -	۹۵۶۰۰۰۰۰۰	جنوبی امریکہ -	۹۷۰۰۰۰۰۰
افریقہ -	۱۳۲۰۰۰۰۰۰	اوقیانیکا -	۶۹۰۰۰۰۰

۱۸۱۹۰۰۰۰۰۰

اس تمام آبادی مین عیسائیون کی مجموعی تعداد تقریباً ۶۵۰ ملین ہے لیکن مسلمانون کی تعداد مین اختلاف ہے بعض لوگ ۲۰۲ ملین کہتے ہین اور بعض ماہرین ان کی تعداد ۳۰۵ ملین سے بھی زیادہ بتاتے ہین اور یہودیون کی تعداد تقریباً ۱۴ ملین ہے

"ر"

نغمۂ شاد

از

یمین السلطنۃ مہاراجہ کشن پرشاد شاد صدر اعظم دولت آصفیہ

آرزو مت سے یہ تھی درد دل پیدا کرین — درد دل سے اب تڑپتے ہین بتاؤ کیا کرین

منحصر ہے ایک آنسو پر ہماری مغفرت — وہ اگر چاہین تو اس قطرہ کو اک دریا کرین

دل پہ جب چرکے لگائے تھے نہ آیا ان کو رحم — اب مسیحا بن کے آئے ہین کہ زخم اچھا کرین

خود فراموشی کی اپنی کرتے ہین ہر روز مشق — شغل کچھ تو چاہیئے بیکار بیٹھے کیا کرین

حسرت ایفائے وعدہ، وعدۂ صبر آزما — دونون ہین موجود پھر اس پر تقاضا کیا کرین

دیدہ و دل اپنے دونون ہو چکے رسوائے خلق — اے جنون! اب کون باقی ہے جسے رسوا کرین

بھیس بدلین جتنے چاہین مجھ سے چھپ سکتے نہین — اور اس پر اُن کی خواہش ہے یہی پیدا کرین

ہم نے تو روز ازل سے دل بتون کو دیدیا — اب اگر دل لیکے ترساتے ہین ترسایا کرین

دین و دنیا دونون اپنے جیب و دامان گیر ہین
اس دو روزہ زندگی مین شاد ہم کیا کیا کرین

غزال چہار چشم

از

جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی، بیرسٹرایٹ لا، تعلقدار گدیہ

ہمارے شیخ صاحب کو جب سیاسیات سے فرصت ملتی ہے، تو ہنگامۂ نظم برپا کرتے ہیں، چنانچہ نالۂ مشیر کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہو چکا ہے، اس نظم کا عنوان خود جناب شاعر نے "غزال چہار چشم" تجویز کیا ہے، شیخ صاحب کو اِن چار آنکھوں سے نینی تال کی بلند سطح سے "آزادی عالم" کا جو سمان نظر آیا ہے، اس نظم میں وہ اوروں کو بھی دکھایا ہے، مگر ہم خاک نشینوں کو تو دکھانے سے بھی یہ نظر نہیں آتا، کاش شیخ صاحب کی یہ پیشینگوئی حرف حرف پوری اترتی، شاعر نے جس بحر ناپیدا کنار میں شناوری کی ہے، "اسکی سلامتی" کے ہم ذمہ دار نہیں،

"معارف"

آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا
چھائی ہیں گھٹائیں ساون کی، اور چلنے لگی ہے سرد ہوا
گل ہنستا ہے خوش ہو ہو کر۔ لائی ہے یہ پیغام صبا
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

—— (۰) ——

خوشبو سے مہکتا گلشن ہے، اور منگل ہے ہر جنگل میں
طاؤس ہیں فرط شوق سے رقصاں، کیسا منڈلاتا ہے بھونرا
اب قید قفس سے چھوٹی بلبل۔ پھرتی ہے وہ نغمہ کناں
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

—— (۰) ——

پیدا ہے ہر دل میں محبت، رکھتا ہے اب کون عداوت
بند ہوا پروانہ کا جلنا۔ شمع کا شعلہ سرد ہوا،
باقی نہ رہی کانٹوں کی خلش۔ اب شکوہ و گلہ کا ذکر نہیں
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شاہ و گدا مین فرق نہین ہے۔ غربت نابید جہان سے	ہمت ہے ہر دل مین سمائی۔ چھوڑ دیا بزدل نے بھی ڈرنا
دور ہے اب امن و امان کا۔ جنگ و جدل کا اب نہین غوغا	آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شرق و غرب ایک ہوئے۔ بن گئے ہین سب بھائی بھائی	دوست ہوئے ہین دشمن جو تھے۔ عشق کا بجتا ہے ڈنکا
ہر سمت ہے چرچا علم و ہنر کا۔ ہر اک کو ترقی کا ہے سودا	آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

ہر سو ہے صدا آزادی کی۔ زندان کے کھلے سب در ہین تشہیر	بے خوف کسی کا اب نہ خطر ہے۔ پاک ہوئی ہے ظلم سے دنیا
چہرے ہین بشاش سبھون کے۔ لب پر رہتا ہے یہ ترانہ	آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

جام صہبائی

از

جناب اخگر صہبائی بی اے

ہر چند ہے شغلِ مے و مینا اچھا	چھپ چھپ کے ہے پینے سے نہ پینا اچھا
مینا کی روح سے ہے ہستی ہستی	مر مر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

شوقِ چمن و نگار و مینا ہے مجھے	مینا ہون کہ چند روز جینا ہے مجھے
کیون بادۂ ناب سے نہ سرمست ہون آج	کل زہرِ فنا کا جام پینا ہے مجھے

انجامِ تمنا پہ ملامت نہ کرین	بیکار مجھے وقفِ ندامت نہ کرین
جو کچھ بھی ہوا اخگر بہت خوب ہوا	تقدیر کی احباب شکایت نہ کرین

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری	لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے آخر	جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری،

بابُ التقریظ والانتقاد

شاہ عزیز صاحب صفی پوری کی فارسی تصنیفات

موجودہ دور مین جبکہ فارسی زبان ہندوستان مین تقریبًا مردہ ہوگئی ہے، یہ دیکھکر تعجب اور تعجب کے ساتھ مسرت پیدا ہوتی ہے کہ ملک مین بعض افراد ایسے بھی ہین، جنھون نے فارسی زبان مین نظم و نثر کا کافی ذخیرہ فراہم کردیا ہے، جناب مولانا محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان ولایت صفی پوری انھین افراد مین ہین، وہ ایک صاف باطن صوفی ہونے کے ساتھ فارسی زبان کے ناظم و ناثر بھی ہین، مرزا غالب کا زمانہ پایا ہے، اون سے مشورۂ سخن بھی لیا ہے، اور ہمارے پچھلے دور کے مشاہیر، مولانا حالی، مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی وغیرہ سے انکی معاصرانہ مراسلت تھی، اور انھون نے انکی نظم و نثر کی بیحد داد دی ہے، اسوقت انکی حسب ذیل فارسی نظم و نثر ہمارے پیش نظر ہے

دیوانِ ولایت اس مین غزل، قصیدہ، واسوخت، رباعی وغیرہ اکثر اصنافِ شاعری موجود ہین، ضخامت ۲۰۶ صفحہ کی ہے،

دیوانِ عزیز اس مین قصائد، غزلیات، رباعیات اور ایک آدھ نعتیہ

مثنوی شامل ہیں بعض قصائد میں صنعت مہملہ کا التزام کیا گیا ہے،
ضخامت ۲ ۵ صفحہ کی ہے،

مجموعۂ ختم فکر	اس میں کچھ صوفیانہ غزلیں زیادہ نعتیہ قصائد و قطعات اور اخیر میں کچھ اردو غزلیں ہیں، ضخامت ۵۷ صفحہ،
نور تجلی	اس میں اہل تصوف کے مذاق کے مطابق نعتیہ غزلیں ہیں، ضخامت ۴۰ صفحہ،
حسرت دل	مثنوی ہے، اور اس میں رسول اللہ صلعم سے اپنی خواہشوں کا اظہار کیا گیا ہے، ضخامت ۴۲ صفحہ،
نعت محبوب	جیسا کہ نام سے ظاہر ہے نعتیہ غزلوں کا مجموعہ ہے، اخیر میں چند چھوٹی چھوٹی مثنویاں، قطعات و رباعیات بھی ہیں، ضخامت ۷۰ صفحہ،
ذکر جمیل	ایک عاشقانہ مثنوی ہے، نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نعتیہ مثنوی ہو گی، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ جمیل اس مثنوی کا ہیرو ہے، ضخامت ۵۹ صفحہ،
مقصد الابرار	اس میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر بہت سی حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے، ضخامت ۱۶ صفحہ،
فتح مبین،	یہ گویا اسلامی شاہ نامہ ہے جس میں رسول اللہ صلعم کے غزوات کا بیان ہے، ضخامت ۹۲ صفحہ،
محامد حامد،	یہ ۸ صفحہ کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جو قاآنی کے قصیدہ پر صنعت

سوال، جواب مین لکھا گیا ہے،

نظم کے بہ نسبت نثر کا حصہ بہت کم ہے، اور اس مین حسب ذیل چھوٹے چھوٹے رسائل ہین،

نورہان — یہ ۱۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو نظم و نثر دونون پر مشتمل ہے، اور حضور نظام کی خدمت مین بطور درخواست کے گذرانا گیا ہے۔

ارمغان — یہ بھی اسی قسم کا ۱۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے سرو قار الامرار بہادر کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

پیشکش شاہجہانی — یہ بھی اسی قسم کا ۱۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

جہان تک عاشقانہ کلام کا تعلق ہے، ان کی غزلین بری نہین ہین، اگرچہ ان مین ہندوستانیت پائی جاتی ہے، اور کسی خالص ایرانی شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتا، مثلاً

آخر این رنگ بسے فتنہ بپا خواہد کرد — سینہ پرخون ہمہ از سرخی پانے کہ مراست

دل بہ ستم نیست تا خلخال در پائے شماست — فتنۂ محشر اگر پا بوس بالائے شماست

کرا مجال کزان سمت ہوشیار آید — سیاہ کوے تو چون مست بادہ خوار آید

تاہم بہت سے اچھے شعر ان کے دیوان مین موجود ہین مثلاً

حسنت امروز ز لیلا و ز شیرین بیش است — گہ غم قیس کنم گہ غم فرہاد کنم

حکایتے ز طواف در تو عرضہ دہم — ز راہ کعبہ بسے کاروان بگردانیم

روم بوادی مجنون وسے چگونہ روم — بقدر حوصلہ پہنائے آن بیابان نیست

ولایت آنکہ رسانید تا خدا سے مرا — اگر بہ غور بہ بینی ہمان خدائے من است

بعض بعض اشعار مین لفظی مناسبتین بھی پائی جاتی ہین، جو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیگئی ہین مثلاً

سرازپایم چہ می پرسی کہ ہمچون قطرۂ اشکے | براہش قطرہ زن ہستم نہ پا دارم نہ سر دارم

نگہ طشتم زلب بام ابیفتاد از | باز در جلوہ چو خورشید لب بام ہست

قصائد مین بہت کچھ زور طبع دکھایا ہے، بعض قصیدے صنعت مہملہ مین لکھے ہین، ایک قصیدے مین خاقانی، انوری، اور خسرو نے چاند کا ذکر تشبیب مین کیا ہے اور چاند کے متعلق نہایت نادر تشبیہین پیدا کی ہین، عزیزؔ نے بھی ایک قصیدے مین ان کا تتبع کیا ہے، اور چاند کی تشبیہات مین بہت کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے، مثلاً

اے ماہ کہ از گوشہ بہرماہ برآئی | جرم تو چہ کاست کہ انگشت نمائی

محراب مناجات شدی چون خم ابرو | اندر حرم قبلۂ ارباب دعائی

یا از پے دریوزۂ حسنے ز حسینے | گردیدہ سراپا ئے تو کچکول گدائی

یا حلقۂ گوشے شدۂ کج کلہے را | زانرو کہ دہد ناز دران حلقہ رسائی

یا پیکرت از خم شدہ شمشیر کر شوخے | زیب کمر خود کند از کافر تعالی

نعتیہ غزلون مین زیادہ تر صوفیانہ رنگ ہے، مثلاً،

من خرابا تیم و خواری میخواری عشق | این صفاتم زازل مادۂ ذات آمد

من نیم آنکہ نمانم کریشان ایم | نفی چون نفی شد اثبات باثبات آمد

منظر پس گشتہ بود آدم ارے | ہینش را ہمہ اشکال چو مرأت آمد

مثنویات مین سب سے زیادہ مفصل مثنوی فتح مبین ہے، جس مین رسول اللہ صلعم کے غزوات و سرایا کا بیان ہے جو تمامتر مدارج النبوۃ سے ماخوذ ہے،

ہمہ اقتباس از مدارج کنم | جز این ہرچہ بود است خارج کنم

اور اُس مین شاعری سے زیادہ آداب نبوت کا لحاظ رکھا گیا ہے،

گفتم بیار نیہ رسم عجم | کہ ساقی بیارد مئے جام جم
شدم محو فکر سخن گستری | بہ تکریم تاریخ پیغمبری
سرودم بہ انجام بر داستان | درودے بہ پیرایہ راستان

اس طرح سادہ طور پر رسول اللہ صلعم کے ۲۴ غزوات کو نظم کر دیا ہے۔

نوشتم ہمہ غزوہا بست و چار | سہ بعث از چہل زائد اندر شمار
حدیثیہ بیرون زاشعار ہاست | طرازیدہ در ضمن گفتار ہاست

مقصد الابرار میں متعدد حدیثوں کا ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ مشرح صاف، سادہ اور صحیح ہے،

مثلاً ایک حدیث ہے،

تجدون شر الناس یوم القیامۃ | قیامت کے دن تم لوگ سب سے زیادہ برا دو رخے
ذالوجہین الذی یاتی ھولاء | شخص کو پاؤگے جو کچھ لوگوں کے پاس ایک رخ
بوجہ و ھولاء بوجہ | کے ساتھ اور کچھ لوگوں کے پاس ایک رخ کیساتھ آتا ہو

اور اس کا ترجمہ ان اشعار میں کیا ہو۔

گفت کہ باید نگون سار تر | روز جزا از ہمہ کس خوار تر
آنکہ دو روئی بکند اختیار | عزم بہ یک سو نکند استوار
شیوہ کند باد و گروہ آشتی | پیش نماید بہ سکوہ آشتی
از پئے خوش داشتن ہر فریق | حق بگذارد بہ خلاف طریق
لا بہ گریہا بہ عمل آورد | آتش بالد بہ ریا دل برد

ترجمہ کے لیے جو حدیثیں انتخاب کی ہیں وہ بھی زیادہ تر صحیح ہیں،

عروسِ ادب

یہ جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی سابق اڈیٹر ذخیرہ حیدر آباد دکن وحال متوسل ریاست رامپور کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو انھون نے وقتاً فوقتاً خود اپنے رسالہ ذخیرہ اور دوسرے رسائل اور اخبارات مین لکھے، شروع مین مولوی عبدالحق صاحب ناظم ترقی اُردو کا صفحہ تعارف ہے اور اسکے بعد ہمارے فاضل دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کا تقریب نامہ ہے، اور ان کے بعد ہوش صاحب کا خود اپنا دیباچہ ہے، جسمین اُنھون نے طرزِ تحریر، اور اپنی تحریر کی خود مختصر تاریخ لکھی ہے، اس تعارف، تقریب، اور دیباچہ کے بعد اصل مضامین شروع ہوتے ہین،

یہ مضامین جن کا مجموعہ سو دو سو صفحون کو محیط ہے، چار مختلف عنوانون مین منقسم ہین، اخلاقیات ۱-۴۱، ادبیات ۴۲-۷۸، تاریخ ۱۲۹-۱۹۳، سیاسیات ۱۹۴-۲۲۴، ہر عنوان کے تحت مین متعدد مضامین ہین،

ہوش صاحب کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اُنھون نے پچھلے دور کے دو نامی گرامی بلگرامی بھائیون (مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، و مولوی سید حسین عماد الملک بلگرامی مرحوم) کے زیر سایہ ادبی تربیت پائی، اور اسی کا اثر ہے کہ اُنھون نے ادبیات کی دلچسپی اپنے مربیون سے ورثہ پائی، ہوش صاحب کا طرز تحریر صاف سادہ، نکھرا ہوا، پیچ وخم سے پاک فارسی ترکیبون، اور عربی کے بڑے بڑے الفاظ سے مُبرا ہے، یہ سادہ نگاری بلگرامی بھائیون کی خاص روش تھی،

خیالات کے لحاظ سے اکثر مضامین تخیلی ہین، اور ان مین سرسید مرحوم کے تخیلی ادبی و اخلاقی مضامین کی جھلک پائی جاتی ہے، ادبیات کے تحت مین جو مضامین ہین وہ زیادہ تر کتابون، رسالون اور مطبوعات پر نقد اور تبصرے ہین، صرف دو مضمون، فارسی مین یائے مجہول نحوی، اور اُردو سے علی تاریخی مضمون ہے، اس دوسرے مضمون کے لیے شایاد ادبیات سے موزون تر جگہ تاریخ مین ہوسکتی تھی، تاریخی مضامین مین

ایک سفرنامۂ اجمیر اور اس مناسبت سے خواجۂ اجمیر کی بارگاہ کی لفظی تصویر ہے، اور بقیہ اشخاص اور مقامات کے تذکرے ہیں، سیاسیات میں رامپور، حیدر آباد اور کشمیر کی پالٹیکس اور ریاستوں کے ہندو مسلم سوال پر مختصر مضامین ہیں،

کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، شروع میں مصنف کی عکسی تصویر اور فہرست مضامین ہے، کپڑے کی جلد، قیمت پہلے ۳ رکھی تھی، اب دو روپیہ علاوہ محصول کر دی گئی ہے، پتہ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کوچۂ ملا ظریف، رامپور،

محشرِ خیال

سابق علی گڈھ کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کے اُن نونہالوں میں "جو بن کھلے مرجھا گئے" شیخ ولایت علی "بمبوق" مرحوم اور راجہ غلام حسین مرحوم کے بعد جس کا نام لیا جا سکتا ہے، وہ مرحوم سجاد انصاری (بی اے ال ال بی) کا ہے، مرحوم کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، مگر افسوس کہ جوانا مرگی نے ان کے ثمراتِ فکر اور نتائجِ قلم سے زیادہ متمتع ہونے نہ دیا، "محشرِ خیال" مرحوم کی نثر و نظم کا مجموعہ ہے، جسکو ان کے چند باوفا دوستوں نے یادگار کے طور پر مرتب اور شائع کیا ہے،

مرحوم نہ صرف لفظی شاعر، بلکہ خیالات اور طرزِ تحریر میں بھی شاعر تھے، وہ فلسفہ کی پیچیدگیوں سے سخت نالاں، بلکہ دنیا کی لطافت اور رنگینی کے لیے اسکو خطرناک اور مہلک تصور کرتے تھے، لیکن اپنے کہ ان کے تمام نثریہ مضامین ادبی تنقید اور تخئیلی نکتہ آفرینی ہوتے تھے، تاہم اُن کا طرزِ تحریر اپنے پیچ و خم کے سبب سے ادب پر ہمیشہ فلسفہ کا دھوکا دیتا تھا، ان کی تمام نثر تحریروں میں شوخی اور زندہ دلی ہوتی تھی، مگر یہ شوخی و زندہ دلی لبوں کی مسکراہٹ کے ساتھ کم، اور پُرشکن پیشانی کے ساتھ زیادہ تر تھی،

مرحوم فلسفہ کی توہین و تحقیر کے لیے عربی کے بڑے بڑے فلسفیانہ الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعہ سے

...اسے مطلب کرتے تھے اور اسی طرز میں ادبی، سیاسی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین لکھا کرتے تھے، یہ طرز انشا ان کا خاص تھا اور انھیں کے ساتھ گیا، اور اردو ادب کی یہ صنف ناتمام رہ گئی،

یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں ان کے مستقل مضامین ہیں جو تعداد میں نو اور وسعت میں چھوٹی تقطیع کے ۱۰۶ صفحات ہیں، ان کے عنوانات یہ ہیں، محبت کی ماہیت، نفسی حقیقت، نسوانی حقیقت عریاں، پیام زلیخا، مذہب و اخلاق، اجتہاد و تحقیق، روح ادب، علی گڈھ میگزین، مسلمانان ہند اور تحریک اصلاح، دوسرے حصہ میں جس کا نام رعنائی خیال ہے چھوٹی چھوٹی تحریروں میں مختلف منتشر خیالات لطافت اور خوبی کے ساتھ ظاہر کیے ہیں، یہ ۱۰۷ سے ۲۰۸ صفحوں تک ہے،

تیسرا حصہ نظم کا ہے جس کا نام "احتساسات" (شاید صحیح "احساسات" ہو) ہے، اس میں مرحوم کی چند قومی نظمیں اور غزلیں اور متفرق اشعار ہیں، جو ۲۱۳ سے شروع ہو کر ۲۵۶ تک تمام ہوتے ہیں اور اسی پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے، ان میں یاد دبوق، یاد شبلی، مرثیہ ہیں، یاد حسرت اور یاد شوکت میں ہندی سیاسی مرحوم ہے، عرض نیاز ببارگاہ غازی مصطفی کمال، پیام شوق ببارگاہ مصطفی کمال دو بیرونی سیاسی اور باقی غزلیں او متفرق اشعار ہیں،

مہدی مرحوم کی شگفتہ ادبیات کے بعد سجاد مرحوم کے ان مضامین لطیفہ کے مجموعہ سے زیادہ دلآویز نمونۂ ادب اردو میں موجود نہیں اسلیے اردو ادب کے شائقین کے لیے یہ نادر تحفہ ہے اور ان کی ہر قسم کی قدردانی کا مستحق ہے،

نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ چکنے آرٹ پیپر پر یہ چھپا ہے، خوشنما سادی جلد ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ایک لطیف مقدمہ سے خالی ہے، تعارف کا صفحہ صرف "طبعیات" کے مشکلات کے ذکر میں ہے، طبعیات سے مقصود طبع اور چھپائی ہے، یہاں تک کہ اسمیں مجموعہ کے حصص اور ترتیب کی نوعیت تک کا ذکر نہیں، اور مضامین کی فہرست ہے، تین حصوں میں سے دوسرے کا نام تو رعنائی خیال اور تیسرے کا احتساسات (؟) رکھا گیا ہے مگر پہلا عنوان سے معرا ہے، یہ تغافل حیرت انگیز ہے، قیمت ۵ر پتہ : شرکت ادبیہ قرول باغ، دہلی،

———

مطبوعات جدیدہ

کلام کیفی، مولانا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدرآباد کے کہنہ مشق شاعر تھے، ان کی وفات کے بعد اُن کے کلام کا مجموعہ جناب محمد سردار علی صاحب نے مرتب کرکے "کلام کیفی" کے نام سے شائع کیا ہے، جو غزلیات اور عام اصنافِ نظم پر مشتمل ہے، جناب کیفی کا کلام لکھنؤ کے رنگ میں رنگین اور دلکش ہے، لیکن کہین کہین کچھ عجیب اچھوتے قوافی ملتے ہین، مثلاً

ہم سا ناشکر بھی ہوگا نہ زمانہ مین کوئی — کہ منائے ہمین گر کوئی "برا س"

نہی منکر ہے غرض اپنی نہ امرِ معروف — بلکہ جاری ہے نگاہون سے گناہون کی تپاس"

حجم ۲۰۰ صفحے، کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۱۰ جناب مرتب سے کتبخانہ مسجد چوک حیدرآباد کے پتہ پر ملیگا"

سرگذشتِ ہاجرہ، جناب بیگم صاحبہ سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا طبقۂ نسوان کی تعلیم و تربیت کی نشو و ارتقار مین حصہ لینے والیون مین ممتاز حیثیت رکھتی ہین، اسی سلسلہ مین ان کی ایک جدید تالیف "سرگذشتِ ہاجرہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے جسمین عورتون کو ناول کے طرز مین مختلف معاشرتی تمدنی، سیاسی اور علمی اصلاحات کی تلقین کی گئی ہے کتاب عورتون کے لیے مفید اور اُن کے معلومات مین اضافہ کرنے والی ہے، حجم ۲۲۰ صفحے پتہ: صغرا منزل ہمایون نگر حیدرآباد دکن،

جذباتِ ساحی، پچھلے دنون اخبارات مین مشہور ہوا تھا کہ جبلپور اور اس کے اطراف مین آسمان پر آنحضرت صلعم کا اسم مبارک "محمد" نہایت تابان و درخشان حروف مین نظر آیا تھا، اس حیرت انگیز واقعہ پر جہان مسلمان اہل قلم اور اہل زبان اصحاب نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہین یہ دیکھکر اور خصوصاً اس موجودہ فضا مین یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ایک ہندو شاعر جناب ماسٹر مہادیو پرشاد صاحب ساحی نے

بھی اسپر ایک پرُ از نظم لکھی ہے اور نہایت جوش عقیدت مین لکھی ہے، یہی نظم "جذباتِ سامی" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحون پر شائع کی گئی ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، پتہ:- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

اسلام اور غلامی: جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے "اسلام اور غلامی" کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسمین یہ دکھایا ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے غلامی کے عالمگیر رواج کو مٹانے کی کوشش کی اور ایسے احکام جاری کیے کہ رفتہ رفتہ اس کا رواج دنیا سے اُٹھ جائے، مگر اس نے ان کی عزت اور مرتبت کو روزِ اول ہی سے تمام انسانون کے مساوی قرار دیا، اسی ضمن مین ان صحابہ کے نام اور واقعات لکھے ہین جو غلامی مین بھی رہنے کے باوجود نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور اسی ذیل مین ان تابعین، تبع تابعین، علماء اور ائمہ کے نام بتائے ہین جو نسلاً غلام ہونے کے باوجود اپنی عزت و مرتبت کے لحاظ سے تمام مسلمانون کے آقا و سرتاج تھے، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی اور لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ر، پتہ:- مینیجر صاحب مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو، پھلواری شریف پٹنہ،

مسیحیت اور سائنس: یورپ مذہب مسیحی کا علمبردار بنکر سولھوین صدی سے انیسوین صدی تک علوم جدیدہ سے جس طرح نبرد آزما رہا، اس کی تصویر ڈریپر کے معرکۂ مذہب و سائنس سے نمایان ہے، جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم اے مبلغ مسیحیت نے زیر تبصرہ رسالہ مین مسیحیت اور سائنس مین اتحاد و آشتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے یورپ کے اس عہد کے تعصب، تقشف اور مذہبی جہل کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، جسمین وہ علوم جدیدہ سے معرکہ آرا رہا، پھر ثابت کیا ہے کہ "مسیحیت اور سائنس کی سرحدین جداگانہ ہین، اور ان دونون مین کسی قسم کی کوئی مغائرت اور منافست موجود نہین، حجم ۲۸ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے پتہ: کرسچین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور،

"ر"

رجسٹرڈ نمبر ۱۷۸ ے

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

ستمبر ۱۹۲۷ء

قیمت ۵ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی رح

سیرۃ النبی صلعم حصہ اول، طبع دوم، تقطیع ۲۲×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ ۔ اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی، تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان عہ

ایضاً حصہ دوم طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد صہ

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عہ، قسم سوم ۔

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ، عہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور انکے اجتہادات اور مسائل، قیمت عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری، مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ، عہ

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، قیمت عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو، ۔

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ، صوفیانہ، اخلاقی شاعری پر تبصرہ عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، قیمت ۔

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصولی تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار پر موازنہ ہے عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع ۔ عہ ۔ عہ ۔ ۸

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس عہ

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ و منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت عہ

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپتے تھے سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چل سالہ جد وجہد کی مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی، اے،

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپ کر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام، اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات	۶ر	تفسیر سورہ اللہب	۴ر
تفسیر سورہ والتین	۴ر	تفسیر سورہ والکوثر	۴ر
تفسیر سورہ القیامہ	۴ر	تفسیر سورہ عبس	۴ر
تفسیر سورہ والمرسلات،			۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

مجلد بستم	ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۷ء	عدد سوم

مضامین

گذشتہ مہینہ کے شذرات مین ہم نے عربی مدارس کی صورتِ حال پر جو توجہ دلائی تھی، وہ بے اثر نہ رہی، مگر ایک دفعہ نہین، بلکہ ضرورت ہے کہ سیکڑون دفعہ اُدھر قوم کو توجہ دلائی جائے، اور حقیقت واقعہ اُنھین سمجھائی جائے کہ عربی مذہبی مدارس کی ضرورت ہے یا نہین؟ اگر ضرورت نہین تو ان قدامت پرست اور آگے بڑھنے سے روکنے والے مدرسون کو یکبارگی برباد کردینا چاہیے، اور اگر ضرورت ہو تو اُن کو قائم و باقی رکھنے کی کوئی صورت کرنی چاہیے،

قوم کو خبر ہو کہ وہ تمام عربی مدرسے جو گذشتہ چالیس پچاس سال کے عرصہ مین قائم ہوئے، اور جنمین سیکڑون اور ہزارون علماء و فضلاء پڑھ پڑھ کر نکلے وہ یا ہماری غفلت کے ہاتھون فنا ہو چکے، یا وہ اسوقت دم توڑ رہے ہین، غدر کے بعد سب سے پہلا شہر جس نے عربی علوم و مدارس کی سرپرستی کی وہ کانپور ہے، مگر اب اسی کانپور مین جاکر دیکھیے، نہ وہ عربی مدرسے ہین، نہ وہ علماء ہین، نہ وہ طلبہ ہین، ایک عام ویرانی چھائی ہے، کانپور کے بڑے بڑے عربی مدرسے جہان کبھی طالبانِ علم کا ہجوم تھا، اب یا وہان ہر طرف خاموشی ہے، یا چند طالب علم وہان کہین چٹائی پر بیٹھے اونگھ رہے ہین، فیضِ عام کا فیض مدت ہوئی بند ہو چکا، دار العلوم (مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا مدرسہ) چند سال سے بےچراغ ہے، جامع العلوم اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

علی گڈھ کا وہ مدرسہ جہان مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم درس دیتے تھے، اور جنکے حلقہ سے اُس عہد کے سیکڑون فضلاء پیدا ہوئے، بے نشان ہو رہا ہے، آرہ کا مدرسۂ احمدیہ جسکو مولانا ابراہیم صاحب آروی نے قائم کیا تھا اور جس نے تمام مدارسِ عربیہ مین اصلاح کا قدم سب سے پہلے اُٹھایا تھا، وہ معدوم ہو چکا، جونپور کا وہ مدرسہ جو مولانا

ہدایت اللہ صاحب کے دم کے ساتھ قائم تھا، کیونکہ آمدنی کے باوجود اس کا عدم و وجود برابر ہے، یہی حال لکھنؤ، بدایون، بریلی، الہ آباد، بنارس، بہار اور شہسرام وغیرہ کا ہے،

اسمین شک نہین کہ انھین شہرون مین جہان ایک طرف پرانے مدرسے فنا ہو رہے ہین، نئے مدرسون کی بنیادین بھی پڑ رہی ہین مگر چند روزون کے بعد اُن کا نتیجہ بھی وہی ہوتا ہے، کیونکہ یہ تمام مدرسے جو نئے قائم ہوتے ہین وہ اسلیے قائم ہوتے ہین کہ عموماً (الا ماشاء اللہ) چند علماء اور معلمین کو اپنی اوقات بسری کیلئے کسی نہ کسی سامان کی ضرورت ہے، کوئی قومی مذہبی علمی یا قومی جذبہ ان مدارس کے وجود اور بقا کی کفالت نہین کر رہا ہے، یہ حالت نہایت دردناک اور مایوس کن ہے،

جو مدرسے آج تک کسی نہ کسی حال مین جی رہے ہین، ان کی زندگی کی وجہ بھی کوئی علمی یا دینی تحریک نہین ہے، بلکہ یہ ہے کہ ان پر پہلے سے اوقاف ہین، ان اوقاف پر تصرف کے لیے ضرورت ہے کہ اُن کے متولی کسی مدرسہ کا ڈھانچہ قائم رکھین، اس قسم کے مدارس بکثرت ہین، اور شہسرام، بہار اور جونپور کا تو ہم کو ذاتی علم ہے، ایسے غیر مخلصانہ حال سے علم و دین کی تجدید و ترقی کا خیال محال قطعی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہان اب اس فیض و برکت کی اعلیٰ روح موجود نہین ہے جو پہلے ان کے دیوار و در سے بھی نظر آیا کرتی تھی،

ادھر یہ حالت ہے، اُدھر زمانہ کا سخت و قوی ہاتھ طالب العلمون کے دماغون مین بھی انقلاب پیدا کر رہا ہے، اب ان سے بھی استبداد، حریت، شخصیت، جمہوریت، حق، اور آزادی کی آوازین بلند ہو رہی ہین، پچھلے چند مہینون سے ہماری سب سے بڑی عربی درسگاہ دار العلوم دیوبند مین جو کچھ ہو رہا ہے، اور جو آپ پڑھ رہے ہین اور سن رہے ہین، وہ سب بھی انہی کے اثرات ہین، جہان جیسے قدیم ادارہ کے منتظمین اسی قدر دیر مین اس کا ادراک کر سکتے ہیں وہاں تک اور جب پہنچ چکا تو پھر اس کا سنبھلنا مشکل ہو، اب اگر آپ تدبیرین بھی کریں، تو دیوبند مین پچھلا سکون وہ گذشتہ عہد مین اور وہ ماضی کی خود دارانہ اطاعت اور بزرگانہ شفقت واپس نہین آ سکتی،

یہ سرسری اور عارضی حوادث نہیں ہیں، بلکہ تدریجی مؤثرات کے لازمی نتائج ہیں، جنکو دور بینوں نے پہلے سے جان لیا تھا، اور ہم اس وقت جان رہے ہیں، جب وہ خطرہ کی صورت میں ہمارے سامنے آگئے ہیں، اور اگر اب بھی ہم سستی سے اپنے تدارک اور تلافی کا سامان نہ کیا تو ہمیں اسی حالت کا بھی خاتمہ سمجھ لیجیے، ضرورت ہے کہ مدارس عربی کے مہتممین، مدرسین اور قدیم تعلیم میں دلچسپی لینے والے اشخاص یکجا ہوں، اور اس پر غور کریں، اور اصلاحات کی تدبیر سوچیں، کیا ندوۃ العلماء کا آئندہ اجلاس امرتسر اس کے لیے موزون نہو گا کہ اسمین عربی مذہبی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا جاسکے،

دار المصنفین کی طرف سے سالِ رواں کی تیسری کتاب **خلفاے راشدینؓ** چھپکر تیار ہوگئی ہے جو اس مہینہ کے آخر میں ارکان کی خدمت میں بھیجی جائیگی، یہ سیر الصحابہؓ کے سلسلۂ مہاجرین کی پہلی کڑی ہے، اسمین حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے حالات، ذاتی سوانح زندگی، اُن کے اخلاق و فضائل و کمالات، اُن کی خلافت کے کارنامون اور اُن کے انتظامی، سیاسی، علمی، اور دینی خدمات اور ملکی فتوحات کی پوری تفصیل ہے، اور اس طرح لکھی گئی ہے کہ اُن کے ذاتی حالات و سوانح کے ساتھ ساتھ عہدِ خلافتِ راشدہ کی ۳۰ برسون کی پوری تاریخ ان اوراق مین سمٹ گئی ہے، ارادہ ہے کہ اس سال ہم اپنے ارکان کی خدمت مین چوتھی کتاب فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب، اور اس کے عروج و کمال اور ائمہ مجتہدین اور فقہاے عظام کی اجتہادی و قانونی خدمات اور کوششون کی تاریخ پیش کریں جس کا نام شاید "تاریخ فقہ اسلامی" ہوگا، یہ مصر کے ایک نامور محقق عالم کی تصنیف تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ ہے،

ہم کو اپنے قدر افزا اصحاب سے یہ گذارش کرنا ہے کہ براہ عنایت مختصرسے مختصر لفظون مین اپنا مدعا ظاہر فرمایا کریں جن سوالات کے جوابات عام طور سے ہر جگہ معلوم ہو سکتے ہیں اُن کے لیے دار المصنفین کو تکلیف نہ دیں، خود کچھ باقاعدہ جواب دینے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے، یہ کام دیوبند، فرنگی محل، بدایون، بریلی، ندوۃ العلماء ہر جگہ خاص طور سے ہو رہا ہے، اس لیے فتوون کے جواب

سے معاف کیا جائے، نیز یہ بھی عرض ہے کہ دفتری کامون اور کتابون کی درخواستون وغیرہ کے لیے کسی شخص کا نام لکھنے کے بجائے فقط عہدہ یا دفتر لکھنا کافی ہے، نام لکھنے سے تعمیل مین تعویق اور دقت ہوتی ہے،

پچھلے شذرات مین ہم نے اپنے دوست پروفیسر نواب علی کی اُردو تصنیف سیرت کا ذکر کرتے ہوے ان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اُردو کے بجائے انگریزی مین سیرۃ پر کتاب لکھین کہ آج اُردو سے زیادہ انگریزی مین اسکی ضرورت ہے، خدا کا شکر ہے کہ موصوف نے ہماری اس التماس کو قبول کیا، اور وہ اُس کے لیے تیاری شروع کرنے والے ہین، اُنھون نے لکھا ہے کہ اس کام کے لیے ہم سے زیادہ مستحق اور اہل مولانا محمد علی (اڈیٹر کامریڈ وہمدرد) تھے، انھین کو اُدھر متوجہ کیجیے، عرض ہے کہ مولانا محمد علی کی اس اہلیت اور استحقاق مین تو کلام نہین، ہماری گذارش اُن کی خدمت مین بہت پرانی ہے لیکن اب سیر تمادی عارض ہو چکی ہے، تاہم جس طرح پروفیسر نواب علی کی اردو سیرۃ المصطفیٰ اُردو کی بہت سی اچھی تصنیفات کے وجود کا باعث ہوئی، اسی تفاول پر امید ہے کہ اُن کی انگریزی سیرت بھی شاید اور دوسری انگریزی سیرتون کے وجود کا باعث بن سکے،

افسوس ہے کہ اُردو کے ایک کہنہ مشق مصنف اور ایک بڑے مصنف کی جسمانی یادگار مولوی بشیر الدین احمد، خلف مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے بھی اپنی جگہ خالی کی، ۲۲ اگست کی شب کو بعارضہ فالج دہلی مین وفات پائی، تاریخ بیجاپور، فرامین شاہی، عصاے پیری اور کئی تاریخی اور ادبی کتابون کے مصنف تھے، اور اس عہد مین بسا غنیمت تھے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی؟

۵

حدیث لانکاح الا بولی

احناف نے اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لینے کی صورت مین دو تاویلین کی ہین: ایک یہ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہین بلکہ انہین لڑکیون سے متعلق ہے جن کے لیے ولایت کی ضرورت ہے یعنی نابالغ، مجنون اور بے عقل لڑکیون سے، عاقل و بالغ لڑکیون سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے، کیونکہ صحیح حدیثون سے ثابت ہے کہ ثیبہ لڑکیون اور عورتون کے معاملہ مین ولی کو کوئی حق حاصل نہین ہے، اور دوسری حدیثون سے ثابت ہے کہ عاقل و بالغ لڑکیون کی رائے کو آپ نے اُن کے اولیا پر ہمیشہ مقدم کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ ان لڑکیون کے مقابلہ مین ولی کو کوئی اختیار حاصل نہین ہے، نیز قرآن پاک مین متعدد آیتین ایسی ہین جن مین نکاح کے فعل کی نسبت اولیا کی طرف نہین، بلکہ خود عورتون کی طرف کی گئی ہے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ لڑکیون اور عورتون کو اپنے معاملہ کا آپ اختیار ہے، اور ایک آیت پاک مین خاص طور سے اولیا کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتون کے معاملات نکاح مین دخل دین، اور ان کو اپنی مرضی کی جگہ پر نکاح کرنے سے روکین، ان وجوہ سے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو احکام شرعی مین تضاد اور تخالف کو دور کرنے کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہ ہونے کا حکم صرف نابالغ اور بے عقل لڑکیون سے متعلق ہے عاقل و بالغ لڑکیون سے نہین ہے،

اس حدیث کا دوسرا مطلب اُنھون نے یہ بیان کیا کہ محاورہ مین یہ طرز ادا نہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہان نفس فعل کی نفی مقصود ہوتی ہے، بلکہ وہان بھی بولا جاتا ہے جہان اس فعل کے کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے خود متعدد حدیثون مین یہ طرز ایسے ہی موقعون پر اختیار کیا گیا ہو جہان نفی مطلق نہین بلکہ نفی کمال مقصود ہے، مثلاً اگر کسی شہر مین ادنی اعلیٰ کوئی طبیب نہو، وہان یہ بولا جاتا ہے کہ یہان کوئی طبیب نہین لیکن یہ طرز ادا وہان بھی اختیار کیا جاتا ہے جہان مقصود یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہان کوئی اعلیٰ اور حاذق اور کامل الفن طبیب موجود نہین، اسی طرح یہ کہنا کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین، اس کے دو معنے ہین ایک یہ کہ مطلق نکاح نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ نکاح کا کامل و اشرف طریقہ نہین، یہان یہی دوسرے معنی مقصود ہین یعنی ولی کے بغیر براہ راست اگر کوئی عاقل و بالغ لڑکی اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح گو قانوناً جائز ہوگا، مگر اخلاقاً ناموزون اور نامناسب ہوگا،

حافظ ابن حجر نے شافعی ہونے کے باوجود فتح الباری مین اس قدر تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث اپنے طرز ادا کے لحاظ سے یقیناً دونون معنون کو محتمل ہو اور جب تک دوسرے خارجی قرائن نہ لگائے جائین اُس کے معنے متعین نہین ہوسکتے، اس کے بعد اپنے موافق قرائن سے اُسکے مطلق نفی کے معنی کی تائید کی ہے مگر مشکل یہ ہو کہ اسی قسم کے قرائن احناف بھی اپنی تاویل کی تائید مین پیش کرتے ہین، امام طحاوی نے معانی الآثار (جلد دوم) مین ان کو لکھا ہے،

اصل یہ ہو کہ یہان دو مسئلے باہم مخلوط ہوگئے ہین، ایک یہ کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہین ہوسکتا، دوسرا یہ کہ عورت مرد کے سامنے صیغۂ نکاح خود نہین ادا کرتی بلکہ اس کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار قائم مقام ہوکر اسکی طرف سے اسکی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، صاف لفظون مین یون کہنا چاہیئے کہ ایک ولی باجازت ہے، دوسرا محض ولی صیغۂ نکاح یعنی وکیل جسکے اذن و راے کو نکاح مین کوئی دخل نہین، امام شافعی اس حدیث سے ان دونون مسئلون کو ثابت کرتے ہین لیکن حقیقت یہ ہو کہ اس حدیث سے ولی اجازت کا ثبوت نہین ہوسکتا، وَلِیّ مین "با" ذریعہ او راستعانت کے علاوہ کسی اور معنی مین نہین ہوسکتا، اس بنا پر اس حدیث کا صاف ترجمہ یہ ہو "نہین ہو کوئی نکاح مگر بذریعہ ولی کے" یعنی ولی کے ذریعہ عورتون کا نکاح منعقد ہونا چاہیئے اس ولی کی رضامندی و عدم رضامندی اور پسندیدگی و عدم پسندیدگی کو اسمین کوئی دخل نہین ہو وہ محض ایک وکیل قائم مقام اور ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہو اس

شادی ہو یا نہ ہو، اس کی اجازت اور اذن کے ضروری ہونے پر اس حدیث سے کسی طرح استدلال نہیں ہو سکتا،

اس وکیل اور قائم مقام کی اس لیے ضرورت ہے کہ عورتین مجمع عام مین سب مردون کے سامنے اپنی زبان سے اپنی رضامندی کے کلمات ادا کرتے ہوئے جھجکتی ہین، اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کی طرف سے کوئی رشتہ دار یا خاندان کا بڑا بوڑھا اس کی اجازت سے اس کی طرف سے مجمع مین رسم کا فرض انجام دے، اور چونکہ یہ شرم و حیا کنواری لڑکیون کو زیادہ ہوتی ہے اسلیے ان کے نسبت ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی زیادہ ضرورت ہے،

یہ بات کہ ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی ضرورت صرف عورتون کی شرم و حیا کی بنا پر ہے ان کے فطری عدم قابلیت اور طبعی نااہلیت کی بنا پر نہین جیسا کہ بعضون نے سمجھا ہے، ان حدیثون سے اچھی طرح ثابت ہے جو تیسرے نمبر مین کنواری لڑکیون کے اظہار رضامندی کے طریقون کی نسبت گذر چکی ہین، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لا نکاح الا بولی کا حکم قانونی نہین بلکہ اخلاقی ہے یعنی یہ نہین ہے کہ اگر عورت براہ راست خود اپنی زبان سے سب کے سامنے اظہار رضامندی کرے، تو نکاح نہین ہو سکتا، نکاح بلا شبہ ہو جائیگا، مگر عورت کی فطری شرم و حیا کے آئین و دستور کے خلاف ہو گا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک مین جہان کہین نکاح کا حکم اور نہی ہے، وہان عورتون کو نہین بلکہ مردون کو خطاب ہے کیونکہ یون کہنا کہ اے بے شوہر عورتو اور لڑکیو! اپنا نکاح کرو، یا اے عورتو! اور لڑکیو! مشرک مردون سے اپنا نکاح نہ کرو، نسوانی شرم و حیا کے آداب سے اپنے کلام الٰہی کی بلندی اور بلاغت کے خلاف ہے، اس بنا پر اس خطاب حکم امر و نہی کے موقعون پر عورتون کے متعلق مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ (نور ۴)

اے مردو! تم اپنے مین سے بے شوہر والیون کا اور اپنے نیک کردار غلامون اور لونڈیون کا نکاح کر دیا کرو،

دوسری جگہ ہے،

فَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (بقرہ ۲۷)

مشرک جب تک ایمان نہ لائین اپنی عورتون کو ان کے نکاح مین نہ دو،

ان دونون موقعون کے علاوہ جن کا تعلق خطاب اور امر و نہی سے ہے، جہان جہان نکاح کے موقع پر صیغۂ غائب ہے، وہان نکاح کی نسبت عورتون کی طرف بے تکلف کی گئی ہے، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ اس خطاب اور حکم اور نہی مین ہر قسم کی

عورتین بالغ، نابالغ، کنواری، بیوہ، مطلقہ سب ہی داخل ہین اور ان مین سے نابالغ تمامتر اپنے اولیاء کی رضامندی کے ماتحت ہین، اور کنواری بالغ کیلئے گو ان کی رضامندی کی حاجت نہین تاہم اس کی طرف سے اظہار رضامندی مین اولیاء اُس کے قائم مقام ہوتے ہین، اس لیے بھی اس مقام پر عورتون کے بجائے مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

ایک اور امر بھی اس موقع پر اظہار کے قابل ہے، جاہلیت کے زمانہ مین عورتون کو اپنے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا، وہ تمامتر مردون کے قابو مین تھین، وہ چاہتے تھے تو انکا نکاح کرتے تھے اور چاہتے تھے تو نہین کرتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کا نکاح کر دیتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کو نکاح نہین کرنے دیتے تھے، جب اسلام عورتون کے حقوقِ آزادی کا منشور لیکر آیا تو اُس نے مردون کے ان جابرانہ اختیارات سلب کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ یہ تمام آیتین انھین اصلاحات سے متعلق ہین،

اہلِ جاہلیت کی نگاہ مین عورتون، غلامون اور لونڈیون کا ایک درجہ تھا، اس لیے ایک ہی آیت مین ان تمام مظلومون کو اس غیر فطری قید سے آزادی ملی، اور حکم ہوا کہ اے مردو! اپنی بے شوہر والی عورتون، غلامون اور لونڈیون کے نکاح کر دیا کرو" اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ زمانۂ جاہلیت مین مردون نے عورتون غلامون اور لونڈیون کو اس حق سے محروم کر رکھا تھا، تو اس کے حکم کے کوئی معنی نہین رہ جاتے، نکاح کرنا مرد و عورت کی ایک فطری خواہش ہے جسکے خاص طور سے حکم کی ضرورت ہی نہ تھی،

اسی طرح چونکہ ان کو یہ بھی پہلے اختیار حاصل تھا کہ وہ جس سے چاہین عورتون کا نکاح کر دین، اس لیے یہ ممانعت آئی کہ مشرکون سے اُن کا نکاح نہ کرو، اسلام کی رو سے محرمات شرعی کے علاوہ جن کا ذکر قرآن پاک مین دوسری جگہ ہے نکاح کے لیے صرف ایک ہی روک ہے اور وہ مشرک ہونا ہے، اس لیے اس کے متعلق مردون کو خطاب کرکے خاص طور سے تصریح آئی کہ اپنی لڑکیان نامسلمانون کو نہ دو،

مردون کے انھین جاہلانہ اختیارات مین سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنے مرے ہوے رشتہ دار کی بیوہ پر ترکہ اور موروثی جائداد کی حیثیت سے قبضہ کر لیتے تھے، اور اس کو کسی اور سے شادی نہین کرنے دیتے تھے، اسلام نے اس ظالمانہ اور غیر فطری دستور کو مٹا دیا، اور خود عورتون کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس سے یا جس سے چاہین نکاح کرین، وارث کو اُس کے روکنے کا کوئی حق نہین ہے اور نہ وہ ترکہ اور وراثت کی حیثیت سے وارثون کے قبضہ اور تصرف مین آسکتی ہین، فرمایا،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا (نساء ۲۶)
اے لوگو جو ایمان لا چکے تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں پر زبردستی موروثی قبضہ کرو۔

انھین جاہلانہ دستورون مین سے ایک یہ تھا کہ ولی اور رشتہ دار عورتون اور لڑکیون کا زبردستی جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے، بلکہ یہ دستور یہان تک ترقی کر گیا تھا کہ جب لڑکی ہنوز پیدا نہین ہوئی بلکہ وہ شکم مادر مین ہوتی تھی وہ اسوقت شکم مادر مین ہی سے دوسرے کے نکاح مین دیدی جاتی تھی، اسلام نے اس دستور کو بھی مٹایا (ابو داؤد کتاب النکاح) اسی طرح یہ دستور تھا کہ دو آدمی جن مین سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی ہو، وہ دونون آپس مین اپنی لڑکی دوسرے کے لڑکے سے بیاہ دیتا تھا، اور دین مہر آپس مین ادلا بدلا ہو جاتا تھا، یعنی ایک لڑکی کے دین مہر کا معاوضہ دوسری لڑکی بن جاتی تھی، اُس کو نکاح شغار کہتے تھے، اسلام نے اس قسم کے ادلے بدلے کے نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور ان مین سے ہر ایک لڑکی کو بجاے خود حق دیا، اور ہر ایک کا الگ اور مستقل دین مہر قرار دیکر نکاح کی اجازت دی، جسمین سے ایک کے معاملہ کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین، پہلی صورت عربون کے اس عقیدۂ باطل پر مبنی تھی، کہ باپ کو اپنی اولاد کے خرید و فروخت کا کامل اختیار ہے، اسلام نے اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا، اور ہر عورت کو بجائے خود ایک وجود مستقل عنایت کیا،

اولیا کا ایک ظالمانہ دستور یہ تھا کہ وہ اپنی لڑکیون کو جس کو چاہتے تھے حوالہ کر دیتے تھے، اس مین اُن کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے اولیا کے اس حق کو بھی باطل کیا، اور کہا کہ "عورتون کا نکاح اُن کی مرضی دریافت کیئے بغیر نہ کیا جائے" اس کے متعلق متعدد حدیثین گذشتہ سلسلون مین گذر چکی ہین، اسی پرانے دستور کے مطابق اسلام مین بھی اولیا نے اپنی لڑکیون کا اُن کی رضامندی کے خلاف نکاح کیا، لیکن جب اس قسم کا معاملہ آنحضرت صلعم کے سمع مبارک تک پہنچا تو ہمیشہ آپ نے لڑکیون کی طرفداری کی اور ان کا چھینا ہوا حق اُن کو واپس دلایا، واقعات اوپر گذر چکے ہین،

انھین واقعات مین سے ایک واقعہ معقل بن یسار صحابی کی بہن کا ہے جو صحیح بخاری وغیرہ مین مذکور ہے، جس کی غلط تاویل کر کے امام شافعیؒ وغیرہ اس کے اُلٹے معنی قرار دیتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ معقل بن یسار صحابی کی ایک بہن تھی

انھون نے اُن کا نکاح ایک مرد سے کردیا تھا، تھوڑے دنون کے بعد اُس نے اُن کی بہن کو رجعی طلاق دی، طلاق دینے کے بعد اُس کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی، اور اُس نے چاہا کہ اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت مین لے آئے، بیوی بھی اپنے شوہر کی طرف مائل تھین اور دل سے وہ چاہتی تھین کہ وہ پھر اس کی زوجیت مین چلی جائین مگر مجبور تھین کہ اُن کے بھائی زبردستی روکتے تھے، اور کسی طرح اُن کو اپنے شوہر کے پاس جانے نہین دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے اس کی یہ عزت کی کہ اپنی بہن اس کی زوجیت مین دی اور اُس نے ہماری یہ بیعزتی کی کہ اُس کو طلاق دیدی، اب پھر اُس کو یہ عزت نہ دون گا، اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی،

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۳۰)

عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر وہ آپس مین نیکی کے ساتھ راضی ہو چکے ہین،

حضرت معقل کہتے ہین کہ یہ آیت اتری تو ہم نے فوراً اپنی بہن اس کے نکاح مین دیدی،

اس آیت پاک نے عورتون کے خلاف مرضی اولیاء کے ناجائز تصرف اور زبردستی کے حق کو یکقلم موقوف کردیا، بلکہ اسی آیت پاک مین بھی واضح کردیا گیا، کہ نکاح کی اصلیت صرف مرد وعورت کی بھلائی اور نیکی کے ساتھ باہمی رضامندی ہے، دین مہر اور دو گواہون کا وجود جو دوسری آیتون سے ثابت ہین یہ نکاح کی اصل حقیقت نہین بلکہ اس کے شرائط ہین، اس آیت پاک نے قطعی طور سے یہ بھی واضح کردیا کہ نکاح مین صرف وہی کی رضامندی شرط ہے اور وہ مرد وعورت ہین، اُن کے اولیاء کی رضامندی نکاح کی صحت اور جواز کے لیے قطعاً ضروری نہین ہے،

اس کے علاوہ اور بھی دوسری آیتین ہین، جو اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہین، طلاق کے موقع کی آیت ہے،

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ (بقرہ ۲۹)

تو اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ پھر اسکے لیے اسوقت تک حلال نہوگی جب تک وہ اسکے سوا کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرلے تو پھر اگر اس دوسرے شوہر نے بھی اسکو طلاق دیدی تو اسکے پہلے شوہر پر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہین اگر وہ دونون آپس مین دوبارہ نکاح کرلین اگر ان دونون کو خیال ہو

[illegible]

اس آیت کریمہ میں دو موقعوں پر اس حقیقت کا اظہار ہے، پہلا موقع یہ ہے کہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ طلاق کے بعد عدت گذرنے پر، کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، یہ نہیں کہا گیا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کرا دوسرا موقع یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر نے اگر طلاق دیدی تو کہا گیا کہ مرد اور عورت اگر چاہیں تو وہ پھر آپس میں نکاح کرسکتے ہیں، یہاں بھی انھیں دونوں کی رضامندی کا ذکر کیا گیا، ولی کی رضامندی کا مطلق ذکر نہیں ہے،

اسی طرح جس عورت کا شوہر مرجائے، اس کو چار مہینے دس دن کی عدت گذارنے کے بعد یہ پورا اختیار دیا گیا کہ وہ جس سے چاہے اپنی شادی کرے، شوہر کے اولیا کو اور نہ خود عورت کے اولیا کو اسمیں مداخلت کا کوئی حق حاصل ہے، فرمایا گیا۔

فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر (بقرہ ۳۰)	توجب وہ اپنی عدت کو ختم کرلیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں وہ اپنی ذات کے معاملہ میں بھلائی کے ساتھ جو کچھ کریں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے،

عدت کے درمیان اس کی اجازت نہیں کہ عورت سے خفیہ دوسرے نکاح کی بات چیت کی جائے، بلکہ علانیہ اور دستور کے مطابق کی جائے، اس موقع پر آیت ہے

ولکن لاتواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا (بقرہ ۳۰)	مگر عورتوں سے چپ چاپ نکاح کا وعدہ نہ کرو لیکن یہ کہ عمدگی کے ساتھ ان سے تذکرہ کرو،

دیکھو کہ اس موقع پر بھی عورت سے نکاح کرنے کی بابت خود عورت ہی سے تذکرہ کرنے کی اور اس سے استمزاج کی صورت بیان فرمائی، یہ نہیں فرمایا کہ اس سے نہیں بلکہ اس کے ولی سے اس کا ذکر کرو، اور ان کا استمزاج لو،

عورت اور اس کے اولیا کی رضامندی اگر ضروری ہے تو پیغمبر کے لیے بھی وہ ویسی ہی ضروری تھی، جیسی عام مسلمانوں کے لیے، قرآن پاک میں آپ کو خاص طور سے اجازت صرف اس بات میں ہے کہ آپ دین مہر کے

بغیر بھی کسی عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کرسکتے تھے گو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا، اور عام مسلمانون کے لیے دین مہر ضروری ہے، اُس کے بغیر نکاح نہیں کرسکتے، دیکھو کہ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے صرف عورت کی رضامندی کا ذکر فرمایا، اور اولیاء کی رضامندی کو اس مین کوئی دخل نہین دیا،

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ،

(احزاب ٦)

(ہم نے تیرے لیے فلان فلان قسم کی عورتون کو حلال کیا ہے) اور کوئی مسلمان عورت ہو اُسکو جائز کیا اگر وہ اپنے آپ کو نبی کو بخشدے اگر نبی چاہا کہ اس سے نکاح کرے، یہ حکم خاص تیرے لیے ہے عام مسلمانون کیلئے نہیں (یعنی نکاح کی یہ قسم بغیر مہر کے یہ تیرے لیے ہے عام مسلمانون کو)

عقدِ نکاح کی طرح فکِّ نکاح یعنی کسی شوہر کے نکاح سے علحدہ ہونا بھی زندگی کا اہم واقعہ ہے قرآن پاک نے اس کے لیے تنہا عورت کی مرضی کافی سمجھی ہے، اُس کے اولیاء کی مرضی پر اُس کو منحصر نہیں رکھا ہے، فرمایا،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط

(البقرہ ٢٩٢)

مرد و عورت پر اس مین گناہ نہیں کہ عورت شوہر کو کچھ دیکر اس سے اپنے کو چھڑا لے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کرنے نہ کرنے، اس کے باقی رکھنے یا توڑ ڈالنے مین صرف عورت کی مرضی کافی ہے، اس کے اولیاء کی رضامندی قانوناً ضروری نہین،

اِن آیات کے بعد احادیث پر غور کیجیے، آنحضرت صلعم حضرت ام سلمہؓ سے جو آپ کے رضاعی بھائی کی بیوہ تھین اور صاحبِ اولاد تھین نکاح کرلینا چاہتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ میرے اولیاء یہان موجود نہین ہین فرمایا تمھارے اولیاء خواہ یہان موجود ہون یا نہ ہون اُن مین سے کوئی اس نکاح کو ناپسند نہ کریگا، یہ سنکر ام سلمہؓ نے اپنے چھ سات برس کے نابالغ لڑکے عمر کو (مزاحاً) کہا کہ عمر اُٹھو اور میرا نکاح آنحضرت صلعم سے کردو، چنانچہ نکاح ہوگیا، جسمین عورت کی طرف سے کسی ولی کی رضامندی کیا، کسی ولی کی شرکت بھی نہ تھی، سب کو معلوم ہے کہ چھ سات برس کا نابالغ لڑکا ماں کا ولی نہین ہوسکتا، یہ بھی تاویل نہ کی جائے کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانون کے

ولی تھے، اس لیے آپ نے اپنی ولایت مین یہ نکاح کیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کی معذرت پر یہ کہنے کے بجائے تمھارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہ کریگا، یہ فرماتے کہ تمھارا ولی جائز مین ہون اور مین اجازت دیتا ہون حالانکہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہین فرمایا، قرآن پاک مین آپ کی جس ولایت کا ذکر ہے کہ

النَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب ۱)　　نبی مسلمانون سے خود ان کی اپنی جانون سے زیادہ قریب ہے،

اس سے ولایت ملکیت نہین بلکہ ولایت نبوت مراد ہے جسکا تعلق روحانی ہے جسمانی نہین اس کا منشا پیغمبر کے احکام کی اطاعت ہے پیغمبر کا اپنی امت کی جان و مال پر قانونی تصرف نہین، تمام علما اور مفسرین نے یہی لکھا ہے نیز السلطان ولی من لا ولی لہ کی تاویل بھی نہین پیش کی جاسکتی، یعنی یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان وقت اس کا ولی ہوتا ہے، کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ام سلمہ کے جواب مین یہی فرماتے نیز یہ کہ یہ تو اس کے لیے ہے جس کا کوئی ولی زندہ موجود نہ ہو یا اگر موجود ہو تو اتنا دور ہو کہ اس کے آنے تک لڑکی کے نقصان عظیم کا اندیشہ ہو اور یہ صورت یہان نہین ہے، حضرت ام سلمہؓ کے اولیا زندہ تھے، موجود تھے، ان کی آمد کے انتظار مین کسی نقصان عظیم کا اندیشہ نہ تھا،

احادیث صحیحہ مین ایک اور عورت کا قصہ مذکور ہے، آنحضرت صلعم صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلعم مین اپنے آپ کو آپ کی خدمت مین پیش کرتی ہون آپ نے اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھا، اور فرمایا مجھے تو ضرورت نہین ہے، ایک صحابی بیٹھے تھے انھون نے خواہش کی کہ یہ میری زوجیت مین دیدی جائے، آپ نے فرمایا تمھارے پاس کچھ ہے بھی؟ عرض کی کچھ نہین، پھر دریافت فرمایا کہ تم کو کچھ قرآن یاد ہے گذارش کی کہ فلان فلان سورہ یاد ہے، فرمایا جاؤ اس قرآن کے بدلہ مین مین نے تمھاری زوجیت مین اس کو دیدیا، یہ نکاح ہو گیا، اب غور کیجئے کہ اگر نکاح کے لیے عورت کے ولی کی رضامندی اور اس کے ذریعہ سے نکاح کا معاملہ طے ہونا، یا خود اسی کا نکاح پڑھانا ضروری ہوتا تو اس طرح یہ نکاح کبھی منعقد ہو سکتا، کم از کم آپ یہ تو دریافت فرما لیتے کہ تمھارا کوئی ولی بھی ہے؟ اس کی رضامندی اور اجازت بھی حاصل کر لی ہے؟ اور جب یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی ولی نہین ہے، تو اپنی ولایت مین نکاح پڑھاتے مگر یہان تو صورت یہ ہے کہ عورت نے آپ کو اپنا وکیل بنا دیا اور آپ نے

اس وکالت کے حق سے اُس کا نکاح پڑھا دیا ولی کا سوال بھی درمیان میں نہیں آیا،

وہ حدیث جس مین بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کو باطل کہا گیا ہے معلوم ہو چکا ہے کہ اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف راوی نے منسوب کیا ہے، اس حدیث کی کمزوری پہلے بخوبی ثابت کی جا چکی ہے، مگر اس موقع پر نہایت صحیح ترین روایت سے خود حضرت عائشہ کا طرز عمل اس کے خلاف دیکھا پایا جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمن (ابن ابی بکر) اپنے بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی حفصہ کا نکاح اپنے بھانجے منذر بن زبیر سے کر دیا، لڑکی کے باپ عبدالرحمن شام میں تھے، عبدالرحمن جب شام سے واپس آئے تو اُنھوں نے اس کو بُرا مانا کہ لڑکی کے نکاح مین خود باپ سے مشورہ نہ لیا جائے، انھون نے شکایت کی کہ

ومثلی یصنع ھذا بہ ومثلی یفتات علیہ — مجھ جیسے کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے کو چھوڑا جا سکتا ہے،

(موطا امام مالک ما لا یبین من التملیک)

حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمان کی اس خفگی کا تذکرہ منذر (شوہر) سے کیا، منذر نے اس خانہ جنگی کے رفع کرنے کے لیے یہ کہا کہ عبدالرحمان کو اختیار ہے وہ طلاق دیدیں، عبدالرحمان نے یہ سن کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ جو آپ کر چکین مین اس کو رد نہیں کر سکتا،

یہ روایت موطا امام مالک کی ہے اس کے راوی مالک[۱] عبدالرحمن بن قاسم[۲] اور قاسم[۳] ہیں، قاسم مدینہ کے سات مشہور فقہا مین سے ایک ہین، بیچ مین صرف یہی دو راوی ہین اور دونون حضرت عائشہؓ کے عزیز اور اس واقعہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہین، اس سے زیادہ مستند طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

اس روایت سے حسب ذیل نتیجے نکلتے ہین،

۱- اگر درحقیقت اس روایت کی کہ جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو وہ باطل ہے، عائشہؓ راوی ہوتین اور اُن کو اس کا علم ہوتا، کیا کوئی قیاس کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ عزت و آبرو کے ایسے نازک معاملہ مین ایسا غیر شرعی نکاح جائز رکھتین، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت کی نسبت ان کی طرف قطعاً غلط ہے اور عاقل و بالغ لڑکی کے

نکاح کے لیے ولی کی موجودگی اور رضامندی کی کوئی ضرورت نہیں،

۲۔ نکاح کا معاملہ کوئی مخفی اور چھپے چوری کا نہیں ہوتا، اعلان اور اشتہار کے ساتھ وہ محفلِ عام میں منعقد ہوتا ہے اس عہد کا مدینہ صحابہؓ فقہاء ائمہ مجتہدین اور علماء کا مرکز اور منبع تھا، کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا خلافِ شرع نکاح اس عہد میں سب کے سامنے پڑھا جاتا اور وہ خاموش رہتے اور اس کو جائز سمجھتے،

۳۔ قاعدہ ہے کہ جو معاملہ سرے سے باطل ہوتا ہے وہ جب تک از سر نو نہ کیا جائے درست نہیں ہوتا اور اس کے ذریعہ کوئی حاصل شدہ اختیار شرعی اختیار نہیں ہوتا، اس بناء پر حضرت حفصہ اور منذر کا یہ نکاح جو بغیر ولی کے ہوا تھا، باطل ہوا۔ ایسی صورت میں منذر کو یہ اختیار کہاں سے ہاتھ آسکتا تھا کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کا اختیار لڑکی کے باپ عبد الرحمان کو دے سکتے نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کی تملیک کی کیا صورت ہے؟

۴۔ چونکہ یہ نکاح مخالف کے قول کے مطابق باطل تھا تو اس کے جواز کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ عبد الرحمان اپنی اجازت اور ولایت سے دوسری دفعہ نکاح کر دیتے، اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ پہلا ہی نکاح قائم رکھا حالانکہ وہ اگر پہلے باطل تھا تو اب درست نہیں ہو سکتا تھا یہی امام شافعی کا مسلک ہے لیکن یہاں وہی پہلا نکاح ہے اور وہ درست صحیح تسلیم ہو رہا ہے، اور اس میں نہ ولی کا وجود ہے اور نہ نکاح کے وقت اُنکی رضامندی حاصل کی گئی ہے،

۵۔ جن الفاظ میں لڑکی کے باپ عبد الرحمان (بن ابی بکر صدیقؓ) جو خود بھی صحابی تھے اپنا اعتراض اس نکاح کے متعلق پیش کیا ہے کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے شخص کو چھوڑا جاتا ہے" اُن سے صاف ظاہر ہے کہ عاقل و بالغ لڑکی کا اپنے معاملہ میں باپ کی رضامندی حاصل کر لینے کا مسئلہ قانونی نہیں، بلکہ اخلاقی حیثیت رکھتا ہے اسی بناء پر اس کے متعلق وہ کوئی شرعی اعتراض نہیں، بلکہ اپنی شرافت اور امتیازِ شخصیت کی حیثیت کو پیش کرتے ہیں،

موطا امام مالک میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک اثر حضرت سعید بن مسیب کے واسطہ سے بلاغات کی صورت میں مذکور ہے، یہ اثر یحییٰ مصمودی کے نسخہ موطا میں حسب ذیل الفاظ میں ہے،

لا تنکح المرأۃ الا باذن ولیھا اوذی الرای من　　　　عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یا عورت نکاح نہ کرے لیکن کے) ولی یا اپنے

من اہلہا او السلطان (باب استئذان البکر والایم) — ولی یا اسکے (یا اپنے خاندان کے) اہل الراے یا حکومت کی اجازت سے

اس فقرے کے یہ الفاظ اور یہ قیدین صورتین اس کے قانونی ہونے کے بجائے اس کی اخلاقی صورت کو بخوبی ظاہر کرتی ہین، خصوصاً اگر اسی روایت کے اُن الفاظ کو سامنے رکھا جائے جو امام محمد کے نسخۂ موطا مین ہین؛

لا ینبغی لامرءة ان تنکح الا باذن ولیها او ذی الرای من اہلہا او السلطان (باب النکاح بغیر ولی) — کسی عورت کے لیے یہ مناسب نہین کہ وہ بغیر اپنے ولی یا اپنے خاندان کے اہل الراے یا حکومت کی اجازت کے نکاح کرے،

نامناسب ہونا اور ناجائز ہونا، دو مختلف مفہوم ہین؛ نامناسب ہونا اخلاقی حیثیت کو اور ناجائز ہونا قانونی حیثیت کو واضح کرتا ہے، اگر ولی کی رضامندی قانوناً ضروری ہوتی تو خاندان کے کسی اہل الراے کے مشورے کی اجازت نہ ہوسکتی کہ ولی جائز کے علاوہ خاندان کے دوسرے اہل الراے افراد کی اجازت اور ان سے مشورہ لینا صرف اخلاقی ہے،

اصل یہ ہے کہ چونکہ عورتین باہر کم آتی جاتی ہین بیگانہ مردون سے واقفیت کا ان کو موقع نہین ملتا، اور ضروری ہے کہ نکاح سے پہلے مرد کی حالت کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرلی جائے، اس لیے ولی، یا کسی صائب الراے ہمدردکن خاندان سے عورت اس مین مشورہ کرے، تو بہتر ہے، مسئلہ کی اتنی ہی حقیقت ہے کچھ اور نہین، اسی لیے صائب الراے ہونے کی اس روایت مین قید ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی،

صحیح ابن خزیمہ اور طحاوی مین حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ایک بھتیجے کا نکاح اپنی ایک بھتیجی سے اس طرح کیا کہ ان دونون کے بیچ مین ایک پردہ کھڑا کیا، پھر انھون نے گفتگو کی یا کچھ خطبہ پڑھا، جب اصل نکاح کے سوا کچھ اور باقی نہ رہا تو ایک شخص کو انھون نے حکم دیا، اُس نے نکاح پڑھا پھر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نکاح پڑھانا عورتون کا کام نہین لیس الی النساء النکاح، اس نکاح مین بھی ولی کی کھوج اور تلاش نہین ہوئی نکاح بھی کسی غیر نے پڑھایا، مگر خود لڑکی پردے کی آڑ مین موجود تھی اس لیے کسی ولی یا وکیل کی حاجت نہ تھی؛

رفاعہ ایک صحابی تھے، اُنھون نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بیوی نے عدت کے بعد دوسرا نکاح کرلیا، یہ خود آنحضرت صلعم کے عہد کا واقعہ ہے اور اس کے بعد اس نکاح کا واقعہ آپ کی خدمت مین بھی پیش بھی ہوا، مگر ولی

اس موقع پر موطا امام مالک مین یہ الفاظ ہین:

فنکحت عبد الرحمن بن الزبیر نکاح المحلل، تو اس عورت نے عبد الرحمان بن زبیر سے نکاح کر لیا،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح بھی ولی کے وجود سے سراسر خالی تھا تاہم جائز قرار پایا،

ان واقعات سے قطع نظر ایک ان منصوص احکام کو لیجئے جو اس بارہ مین خاص طور سے مروی ہین، اور

جو صحیح تا ست مین،

الایم احق بنفسہا من ولیہا (موطا، ترمذی، نسائی) بے شوہر کی عورت اپنی ذات پر اپنے ولی کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا (صحیح مسلم، نسائی) ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی ذات کی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے

پہلی حدیث مین ایم (بے شوہر کی عورت) کا لفظ ہے، جو کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے عام ہے، اور دوسری حدیث مین ثیب (ایک دفعہ کی بیاہی عورت) کا لفظ ہے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ کنواری اور بیوہ و مطلقہ کے نکاح مین ان کے اولیا کی رضا مندی قطعاً ضروری نہین ہے، اس بنا پر حدیث لانکاح الا بولی (کوئی نکاح بغیر ولی کے نہین) اگر ثابت ہو جائے تو وہ یقیناً اپنے عموم پر باقی نہین رہیگی، بلکہ اسکو بے عقل اور نابالغ لڑکیون کے ساتھ مخصوص کرنا پڑیگا، یا اس کے یہ معنی قرار دینے ہون گے کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کے ذریعہ سے انجام دیا جائے اور یہ حکم قانونی نہین، بلکہ محض اخلاقی قرار پائے، اگر ایسا نہ کیا جائیگا، تو قرآن پاک اور مستند احادیث و آثار کے یہ خلاف ہوگا، اور یہ اس کے ضعف بلکہ نامستند ہونے کا مزید ثبوت بن کر اس کے ساقط الاعتبار ہونیکا باعث بن جائیگا،

معاملات مین جس ولی کی جس موقع پر ضرورت ہوتی ہے، قرآن پاک مین اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ معاملات قرض کے سلسلہ مین ہے کہ قرضدار ایک اقرار نامہ لکھکر قرضخواہ کے حوالہ کرے، اس اقرار نامہ کی عبارت خود قرضدار کو لکھانی چاہیے، اور اگر قرضدار نابالغ اور ناسمجھ اور لکھانے کے قابل نہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی اس قرض کو ادا کرے، آیت مذکورہ یہ ہے،

فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۳۹) جسپر حق واجب الادا ہو (یعنی مقروض قرضدار) اگر کم عقل ہو یا نابالغ ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو (مثلاً گونگا یا نہایت کمزور) تو اس کا ولی اسکو انصاف کے ساتھ لکھوادے

ان آیت پاک نے واضح کر دیا کہ ولایت کی ضرورت کن لوگون کے لیے ہے جو نا بالغ ہو یا بالغ ہونے کے باوجود بوجہ بیوقوف یا پاگل یا مخبوط الحواس ہو یا وہ اقرار کے اظہار پر جسمانی قدرت نہ رکھتا ہو، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہو کہ نکاح کی ولایت کا حق بھی انھین اصناف کی لڑکیون کے لیے ہوگا یعنی جو نا بالغ ہو یا بوجہ بیوقوف یا پاگل ہو، یا اسکو اپنی رضامندی کے ظاہر کرنے کی استطاعت نہو،

جب ہماری فقہ مرتب ہو رہی تھی اسوقت ہمارے علماء کے حاشیۂ خیال مین بھی یہ نہوگا کہ کوئی زمانہ ایسا آئے گا جب دنیا مین کوئی ایسا ملک ہوگا جہان لاکھون اور کرورون مسلمان سکونت پذیر ہون گے لیکن نہ وہان سلطانِ اسلام ہوگا اور نہ قاضی ہوگا، اس بنا پر انھون نے یہ طے کر دیا تھا کہ اگر کوئی بے ولی کی یتیم لاوارث لڑکی ہو تو اس کا ولی سلطانِ وقت یا اس کا قائم مقام امیر شہر یا قاضیِ شہر ہوگا، لیکن ہماری شامتِ اعمال سے اب دنیا کے اکثر ملکون مین جہان مسلمانون کی سب سے زیادہ آبادی ہے یہ صورتِ حال ہے کہ نہ وہان کوئی سلطانِ اسلام ہے، نہ امیرِ شہر ہے اور نہ قاضی ہے، اگر آج فقہ شافعی کے مطابق ہر عورت کے نکاح کے لیے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ بالغ ہو یا نابالغ ولی کا ہونا اور ولی نہو تو سلطان یا امیر یا قاضی کا ہونا ضروری اور لابدی قرار دیا جائے تو آج غیر اسلامی ملکون مین لاکھون لاوارث بالغ لڑکیون کا نکاح غیر ممکن ہو جائے، اور آج غیر اسلامی ملکون کے یتیم خانون مین جو نکاح بالغ یتیم لڑکیون کے پڑھا دیے جاتے ہین وہ سب یکقلم ناجائز کر دینے پڑین، اس لیے آج شوافع کو بھی اس سے چارہ نہین کہ اس مسئلہ مین مصلحۃً وہ حنفی فقہ کو قبول کرین جس طرح احناف نے مصلحۃً کبھی دوسرے امامون کے فتوون کو اختیار کیا ہے،

الغرض ان تفصیلاتِ بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح کی اصلی اور شریفانہ اور افضل صورت یہ ہے کہ لڑکی کے ولی کو پیام دیا جائے، اور ولی لڑکی کی مرضی دریافت کرکے اگر وہ راضی ہو تو اس کا نکاح کر دے، صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بہترین صورت یہی مروی ہے، آنحضرت صلعم کی نسبت بیان ہے کہ وہ اپنی لڑکیون کا نکاح اس طرح پڑھاتے تھے کہ لڑکی کے پردہ کے پاس بیٹھ جاتے تھے، اور لڑکے کا ذکر کرتے تھے، اور پھر نکاح پڑھا دیتے تھے، لیکن اگر کسی وجہ سے کوئی عاقل و بالغ لڑکی ولی کی درمیانگی اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے تو وہ شرعاً ناجائز نہوگا،

باقی

——— (۰) ———

مدینۃ الزہراء

از

منشی خلیل الرحمن صاحب مترجم نفح الطیب واخبار الاندلس

اندلس کے متعلق اپنی تالیفات کے سلسلہ مین ایک مدت سے یہ آرزو تھی کہ رجال الاندلس سے پہلے آثار الاندلس نکل آئے جس مین ان آثار کو دکھایا جائے جو اس وقت اندلس مین مسلمانون کی یادگار ہین، مین نے قریباً ڈھائی سو ایسے آثار ڈھونڈے ہین مگر ظاہر ہے کہ اس کی تکمیل بغیر اندلس گئے ہوے نہین ہوسکتی، ایک بڑی ریاست کے ایک بڑے آدمی بھی آثار کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، مین نے چاہا کہ ان سے کچھ مدد لون مگر سوا اس کے کہ "میرے لکچر چھپنے والے ہین، ان کو دیکھ لو" بار بار کی یاددہانی پر بھی جواب نہین ملا، وہ لکچر نہ آج چھپے نہ کل، اس طرف سے مایوس ہون، خاصکر اس لیے کہ جو لکچر دیے گئے ہین ان مین سواے پکچر پوسٹ کارڈون کے کچھ نہین دکھلایا گیا، مین نے جناب ممدوح الشان کی خدمت مین عرض کیا تھا کہ مین نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ خود لے لین مگر اس کا بھی جواب نہین ملا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ذیل کے اوراق اپنے مسودے سے مع شی زائد نقل کرکے بھیجتا ہون شاید کسی کو پسند آجائین اور میری محنت ٹھکانے لگ جائے۔

ہندوستان کے پرانے دار السلطنتون کے قرب وجوار مین اور اکثر قصبات کے جنگلون مین بہت سے بڑے بڑے بروج مشیدہ[1] کھڑے نظر آتے ہین، ان مین سے بعض بچ رہے ہین، اور بیشتر وہ ہین جن کی دست برد زمانہ اینٹ سے اینٹ بجا رہی ہے، گو بہت سے ایسے بھی ہون گے جن پر فرسودگی کے ناخن کا ابھی تک اثر نہین پڑا ہے، اور شاید مدتون نہ پڑے، لیکن ان کے مکینون کو اگر تلاش کیجیے تو بیشتر و اکثر کا پتہ نہین ملیگا، پیران کہن سال بھی اپنے حافظہ پر زور ڈال کر نہین بتلا سکین گے کہ یہ کس کی قبر ہے، قیاس صرف اتنا بتلا سکتا ہے کہ اس مین

[1] یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ — تم کو موت پالیگی گو تم مضبوط گنبدون مین ہو،

کوئی گردن کش مدفون ہے یا کوئی خدا رسیدہ نوم العروس مین ہے' ایک حساس دل رکھنے والا ماہر وہان سے گذرتا ہے اور بصد حسرت "چہ برتخت مردن چہ بر روی خاک" پر ایمان لا کر ہاتھ اٹھاتا ہے اور مرنے والے کے لیے خواہ کوئی ہو' دعائے مغفرت کر کے راہی ہو جاتا ہے' بلاشبہ نام و رمٹ گیا، نشان باقی تھا کہ اُس نے کسی کا تو ہاتھ اُٹھوا دیا، قابلِ رحم حالت ہے اُن کی جن کے نام و نشان' بٹ گئے' اب اس مین خواہ کوئی شہر کا شہر ہو' یا ایک فرد واحد'

مین نے ابھی شہر کہا ہے' گمان غالب ہے کہ اہل ہند کا خیال فتحپور سیکری کی طرف منتقل ہو گا مگر میرا مد نظر یہ شہر نہین ہے' کیونکہ اس پر داغِ دل کے پھول چڑھانے والے لاکھون نہین بلکہ کروڑون کی تعداد مین ہین' نیز اس کا نام و نشان دونون باقی ہین؟ اور جب تک یہ دونون باقی ہین آہ پردرد' چشمِ اشکبار' دلِ حسرت زا' اور ان کے ساتھ دعائے مغفرت کی کمی نہین' میرا مقصود ایک اور شہر ہے جو ایک وقت مین اپنا آپ ہی نظیر تھا، اگر تھا تو ایک فردوس ہی اس کے مثل تھا وہ مٹ گیا اور اپنون ہی کے ہاتھون مٹ گیا، اس کی مری مٹی پر کسی اپنے کا گذر نہین' نہ کسی اپنے کا خیال ہی اس تک پہونچتا ہے کہ اس کے لیے کوئی دستِ دعا ہی اُٹھا دے' اس کی خاک پاک پر اگر کسی کا قدم پہونچتا ہے تو دشمن کا جو اس کی پامالی پر شاد و خرم ہے' وہ شہر ہے مدینۃ الزہرا جو ملک اندلس (اسپین) مین خاک کے برابر ہو گیا (مین نے دانستہ' تودۂ خاک نہین کہا' کیونکہ حقیقت مین اس کے تودے بھی نہین ہین'

اگر روزمرہ کی گلگشت سے آپ سیر ہو چکے ہین' اور تماشائے گل و ریاحین مین آپ کو کوئی نئی چیز نظر آئے تو آئیے آج اس ویرانہ کی طرف چلیے، یہان آپ کی دلچسپی کا نیا سامان ہے اور آپ کی دلبستگی کا نیا مشغلہ'

مدینۃ الزہرا وہ میدان ہے کہ جس کی بنا مجوبۂ الدہر تھی، یقین کیجیے کہ جب سے خدائے تعالےٰ نے اس عالمِ کون و فساد کو پیدا کیا ہے کسی فرد بشر کو اس جیسی بنا کا خیال نہین آیا اور جب سے مادر گیتی نے

معمول انسانی پیدا کی ہیں کسی انجینیر کے ذہن میں وہ نقشہ نہیں آیا جو اس شہر کا تھا[1] ...."

مدینۃ الزہرا اُمرائے قرطبہ کے حوالی میں تھا، قرطبہ خود اپنے علم و تمول وغیرہ کی وجہ سے کچھ کم قابلِ شہرت نہ تھا، مدینۃ الزہرا اس کی مزید شہرت کا باعث ہوا ایک شاعر کہتا ہے

بأربعة فاقت الامصار قرطبة منهن قنطرة الوادي وجامعها[2]

قرطبہ چار چیزوں سے تمام شہروں پر فوقیت لے گیا ہے، ان میں سے ایک اسکا پل ہے، دوسری جامع مسجد

هاتان ثنتان والزهراء ثالثة والعلم اعظم شئ وهو رابعها

تیسری زہرا اور چوتھی چیز اس کا فضل و کمال ہے جو سب سے بلند رتبہ ہے

عبد الرحمن الداخل کے بعد سے ناصر الدین والدنیا عبد الرحمن ثالث کا زمانۂ باسعادت ہے، بغداد کی خلافت عباسیہ اس حالت تک پہونچ چکی ہے کہ عامۂ مسلمین کی حمایت و حفاظت تو اس سے بہت دور ہے، وہ خود اپنی ہستی کے بچانے کی بھی فکر نہیں کر سکتی خلیفۂ بغداد ایک تکیہ کا سجادہ نشین، یا شاہِ شطرنج ہے، خلافت کا آخری سانس ہے کہ چل رہا ہے، یہ حالت دیکھ کر اس شیرِ نیستانِ اسلام کا دل مسلمانوں کی حالت زار پر بھر آتا ہے، پہلے خود استخارہٴ مسنونہ کرتا ہے، پھر عقلا و علمائے قرطبہ بلکہ تمامی اندلس سے مشورہ کرتا ہے اور سب کو متفق الالفاظ پا کر ۳۱۶ھ میں خود اپنے لیے "امیر المومنین" کا لقب اور "الناصر لدین اللہ" کا خطاب اختیار کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قسامِ ازل نے یہ خطاب یومِ الست سے اسی شخص کے لیے مخصوص و محفوظ رکھا تھا، اس کے قدم سے تختِ خلافتِ مغربی کو سرفراز ہوئے چند ہی روز ہوے تھے کہ دشمنانِ اسلام مقہور و پامال ہوجاتے ہیں، تاریخ تختِ نشینی سے

---

[1] تاریخ اندلس مصنفہ ضیا پاشا، ص ۱۴۳

[2] لکل امة اجل اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون (اعراف) — ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے جب ان کی مدت مقررہ آجاتی ہے تو وہ ایک گھنٹہ کا آگا پیچھا نہیں کر سکتے

پچیسوین اور تاریخ خلافت کے پانچوین برس ان کی ایک کنیز نہایت بیش قرار دولت چھوڑکر داعی اجل کو لبیک کہتی ہے اور آخری دم یہ وصیت کرجاتی ہے کہ جو کچھ میری ملکیت ہے اُس سے مسلمان قیدیون کا زرِ فدیہ دیکر سب کو چھوڑا لیا جائے، تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی امیرالمومنین تمام ملک محروسے تحقیقات کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کہین کسی عیسائی کے قید مین نہین ہے، البتہ عیسائی بہت سے قید ہین، اس پر خلیفہ شکرِ نعمت الٰہی بجالاتے ہین، لیکن تازہ فکر یہ پیدا ہوئی ہے کہ آخر یہ دولت کس طرح خرچ کی جائے، یہ وہ زمانہ ہے کہ امیرالمومنین اور اُن کے ساتھ تمام ارکین سلطنت کو عمارتین بنوانے اور اپنی یادگارین چھوڑنے کا بہت شوق ہے[1] امیرالمومنین کی حرم زہرا اس دولت کا مصرف یہ بتلاتی ہین کہ ایک شہر میرے نام پر بسا دیا جائے اور اس کو میرے لیے مخصوص کردیا جائے[2]، یہ رائے امیرالمومنین کو اس لیے پسند آئی کہ ایک تو اُن کا شوق عمارت پورا ہوتا ہے، دوسرے اُن کی چہیتی بیوی کی فرمایش پوری ہوتی ہے،

یہ ہے مدینۃ الزہرا کی بنا کا قصہ،

مرحوم قرطبہ کے شمال کی جانب شہر سے ایک طرف تین میل اور دوسری طرف سات میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے قریب ہی کا میدان اس شہر کے لیے انتخاب کیا گیا، خصوصاً اس لیے کہ اسی میدان مین وادی الکبیر بہتا تھا، اسی دریا کے کنارے مدینۃ الزہرا کی بنا ڈالی گئی، اسکی قسمت مین حضرت امیرالمومنین الناصر لدین اللہ کا

[1] محاضرۃ الابرار، قاضی سعید بن منذر نے ایک اور موقع پر امیرالمومنین کو ان کے انہماک عمارت پر وعظ کہا تو امیرالمومنین نے جواب دیا،

همم الملوک اذا ارادوا ذکرها من بعدهم فبالسن البنیان

بادشاہ لوگ اپنے بعد جب اپنی ہمتون کی شہرت چاہتے ہین تو عمارتون کی زبانون سے چاہتے ہین

اوما تری الهرمین قد بقیا وکم ملکٍ محاه حوادث الازمان

کیا تم نہین دیکھتے کہ دونون ہرم باقی رہ گئے ہین اور کتنے بادشاہون کو حوادثات زمانہ نے مٹا دیا ہے

ان البناء اذا تعاظم شانه اضحی یدل علی عظیم الشان

عمارتین جب عظیم الشان ہوجاتی ہین، تو عظمت و شان پر دلالت کرنے لگتی ہین، [2] نفح الطیب

الخلافہ ہونا لکھا تھا۔ اسی سعادت کی بدولت اس کو اتنی رونق ہوئی کہ باوجود کئی میل کی دوری کے (۳ میل یا ۷ میل) جو شخص قرطبہ سے رات کو مدینۃ الزہرا جاتا وہ دونوں کی میونسپلٹی[1] کے چراغوں ہی کی روشنی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتا،

مدینۃ الزہرا کی آبادی کے متعلق امیر المومنین کو جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے کسی اور شخص پر اس معاملہ میں اعتماد نہیں کیا بلکہ خود اپنے ولیعہد شاہزادہ الحکم کو مدینۃ الزہرا کی نگرانی پر متعین کیا اور اُن کو ہر چیز کا ذمہ دار قرار دیا، ممکن ہے کہ یہی وجہ ہو کہ امیر المومنین الحکم (المستنصر) خلافت کے بعد اسی شہر میں رہے اور اس میں اپنے زمانہ میں بہت کچھ اضافے کیے،

عبد اللہ بن یونس اور علی بن جعفر الاسکندرانی جیسے جلیل القدر انجنیروں کو قرطاجنہ، افریقیہ، تونس وغیرہ سے پتھر لانے پر مقرر کیا گیا، صرف یہی نہیں کہ ان کو تنخواہ ہی دی جاتی ہو بلکہ ہر پتھر پر جو وہ پسند کر کے بہم پہونچاتے تھے اُن کو تین دینار اور ہر ستون پر آٹھ دینار انعام ملتا تھا افریقیہ سے ۱۰۱۳ اور روم سے ۱۹ ستون آئے، بادشاہ قسطنطنیہ نے ۱۴۰ ستون بہم پہونچائے، ترکونہ (واقعہ سپین) سے جو ہزاروں ستون اور پتھر آئے وہ ان کے علاوہ ہیں، تمام عمارات میں ۴۳۱۳ چھوٹے بڑے ستون لگائے گئے عمارت قصر میں ۱۵۱۳ اندر کے تھے، یہ صرف وہ دروازے ہیں جن پر لوہا اور سونا چڑھا ہوا تھا، اس میں جو پتھر خرچ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ تعمیر برسوں جاری رہی، مگر ہر روز چھ ہزار اپختہ تراشیدہ اور جلا کردہ پتھر خرچ ہوتے تھے،

[1] میں نے میونسپلٹی غلط نہیں کہا، قرطبہ (و دیگر امصار اندلس میں بھی؟) محکمۂ صفائی تھا اور اس کے ذمہ نہ صرف روشنی بلکہ صفائی بھی تھی، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہیں، کہ جن دنوں قرطبہ میں ایک محکمہ اس کام کے لیے علحدہ تھا" اسی زمانہ میں پیرس اور لنڈن جیسے شہروں میں اکثر اشخاص سور پال لیتے تھے اور ہر شش ماہی یا سہ ماہی کے بعد ایک ایک علاقہ شہر میں یہ سور چھوڑ دیے جاتے تھے، وہی تمام گندگی کو چر جاتے تھے، میری رائے ناقص میں یہ امر کچھ قابل فخر نہیں ہے کہ ہمارے اجداد کیسے ترقی یافتہ تھے، قابل عبرت تو بات یہ ہے کہ ہم نے کہاں سے کہاں رجعت کی، اور غیروں نے کتنی ترقی کی، تفصیل کے لیے میری اخبار الاندلس ملاحظہ فرمایئے،

اس تعداد میں وہ مزدور شامل نہیں ہیں جو فرش میں لگے، ہر روز ۱۰۰۰ مزدور کام کرتے تھے، جن میں سے چار سو مزدور امیر المومنین کے تھے اور ہزار مزدور کرایہ کے تھے، ان کو ۳ مثقال (۹) ماہانہ کرایہ ملتا تھا، ہر تیسرے دن ۱۱۰۰ بوجھ (۹) چونے کے لگ جاتے تھے، مزدوروں کی مزدوری پر تین لاکھ دینار سالانہ خرچ ہوئے، اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنے مزدور وہاں کام کرتے ہوں گے (مزدوری کا حساب آج کل کی بڑھی ہوئی مزدوری سے نہیں لگانا چاہیے)،

مدینۃ الزہرا کے متعلق دو حمام تھے، ایک تو قصر کے اندر خاندان شاہی کے لیے مخصوص تھا، دوسرا عام باشندگان مدینہ کیلئے، پینے کے پانی کے لیے پہاڑ سے ایک نہر نکالی گئی تھی جو خود عجیب و غریب چیز تھی، اس کو پہاڑ پر سے اتارنے اور مدینۃ الزہرا میں لانے کے لیے بڑے بڑے ستون قائم کیے گئے تھے، اور ان پر سے پانی کو صنعت محکمہ اور تدابیر عجیبہ سے ایک بہت بڑے حوض تک پہنچایا گیا تھا، اس حوض پر ایک بہت بڑا مہیب شیر تھا اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اور رنگین قیمتی جوہر کی آنکھیں تھیں، نہر پہلے اس شیر کے پیٹ میں داخل ہوتی تھی اور پھر اس کے منہ سے حوض میں گرتی تھی اور یہیں سے پانی تمام شہر میں تقسیم ہوتا تھا، یہ حوض خود ایسی عجوبہ چیز تھی کہ آدمی اس کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتے تھے، سیاحوں کا قول ہے کہ ان کی نظر سے نہ کہیں ایسا حوض گذرا، نہ ایسا شیر، نہ یہ انتظام آب رسانی، زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود پہاڑ کی بعد مسافت قیام ستون وغیرہ وغیرہ کے یہ نہر صرف چودہ ماہ میں تیار ہو کر پانی دینے لگی، بروز پنجشنبہ ماہ جمادی الآخرہ نہر جاری کی گئی اس روز امیر المومنین نے ایک دربار عام کیا، دعوت عام دی گئی اور انجینیروں نیز دیگر عملۂ نہر کو بیش قرار صلے عطا فرمائے گئے،

اس حوض کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے، ان میں سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا، بڑا حوض احمد یونانی اسقف ربیع کی معیت میں جو ایلیاس سے قرطبہ آئے تھے، قسطنطنیہ سے لے کر آئے تھے، یہ بھی نہایت عجیب و غریب شکل کا نہایت بیش قیمت حوض تھا، یہ تمام منقش تھا اور اس پر سونے کا کام تھا،

دوسرا چھوٹا حوض بھی احمد یونانی شام سے لائے تھے (ایک قول یہ بھی ہے کہ اسقف ربیع کے ساتھ یہ حوض قسطنطنیہ ہی سے آیا تھا بہرحال یہ بھی منقش و مطلا ہی تھا اس پر آدمیوں کی تصاویر تھیں اور فرط غرابت و کمال و جمال ایسے تھے جن کی قیمت اتنی تھی کہ جس کا اندازہ کسی طرح نہیں لگ سکتا تھا، اس کو امیر المومنین نے اُس خوابگاہ میں لگوایا تھا جو قصر زہرا کے شرقی کی طرف تھا اور "مونس" کہلاتا تھا، قرطبہ میں آیا تو یہاں کی دار الصناعہ میں اس پر مطلا اور مرصع بدر نفیس غالی القیمت مجسمے نصب کیے گئے ایک شیر کا مجسمہ تھا اسکے برابر ہرن پھر گھڑیال مقابل کی سمت میں سانپ تھے عقاب اور ہاتھی کونوں پر کبوتر، شاہین، مور، مرغ اور گدھ سب سونے کے تھے اور مرصع بجواہر نفیسہ ان سب کے مونہوں سے پانی نکلتا تھا،

الزہرا کی جو مسجد امیر المومنین الناصر لدین اللہ نے اپنے اہتمام سے بنوائی تھی وہ بھی نادرہ روزگار تھی اس کی تعمیر پر بقول ابن فرضی ہزار آدمی متعین تھے تین سو راج، دو سو بڑھئی اور پانچ سو مزدور اس میں پانچ دالان نہایت عجیب الصنعۃ تھے مقصورہ کو چھوڑ کر امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے اس کا عرض ۳۰ گز تھا، درمیانی دالان کا عرض شرقاً غرباً ۱۳ گز تھا، باقی چار دالانوں کا ۱۲ گز کھلے صحن کا طول ۴۳ گز اور عرض شرقاً غرباً ۴۱ گز مسجد میں رخام کا فرش تھا اور درمیان صحن میں ایک فوارہ تھا جس سے پانی جاری رہتا

لہ یہ مسجد وہ جامع مسجد نہیں ہے جس کو امیر عبد الرحمن الداخل نے شروع کیا تھا اور ہر امیر اور امیر المومنین اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے تھے کسی شاعر کے چار مصرعے جو میں اوپر کہیں لکھ آیا ہوں ان میں جس مسجد کا ذکر ہے وہ یہی الداخل کی مسجد ہے یہ مسجد ابتک قرطبہ میں باقی ہے اور مسلمانوں کی بے غیرتی و بے حمیتی کو بتک رو رہی ہے "مونڈ" دنیائے اسلام اس پر جتنا بھی فخر کرے بجا ہے اس کی تعریف میں سیکڑوں قصیدے لکھے گئے، ابن وہبہ بن محمد البلوی کے تین شعر نقل کرتا ہوں،

وانفق فی دین الالہ و وجھہ ثمانین الفاً من لجین وعسجد

خدا کے دین اور اس کی ذات تک اسی ہزار سونا چاندی یعنی درہم و دینار صرف کیا

وتوزعھا فی مسجد اسہ التقی ومنھجہ دین النبی محمد

اور اس کو ایسی مسجد پر صرف کیا جس کی بنیاد تقوی پر تھی اور اس کا طریقہ محمد پیغمبرؐ کا دین تھا،

تری الذھب الناری فوق عمدہ یلوح کبرق العارض المتوقد

تم تشتیں سونا اس کی ستونوں پر بجلی کی طرح تم کو چمکتا نظر آئے گا،

تھا اس مسجد کے لیے منبر نہایت عجیب غریب بنوایا گیا تھا، اسی کے گرد ایک مقصورہ تھا،

تکمیل مسجد کے بعد ۲۳ شعبان ۳۲۹ھ کو یہ منبر اپنے مقام پر نصب کیا گیا، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی عجیب و غریب مسجد کل ۴۸ دنون مین تیار ہو گئی پہلی جماعت نماز مغرب کی تھی جو جمعہ کی رات کو بامامت قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن ابی عیسی ہوئی، دوسرے روز جمعہ تھا، امیر المومنین نے ان ہی امام کے پیچھے جمعہ پڑھا،

مدینۃ الزہرا کی جلالت و عظمت پر ایک تاجر سیاح متفق تھا اور سب کا قول تھا کہ ممالک اسلام و کفر مین ایسا شہر نہین دیکھا گیا، ایک مورخ کی زبان سے اس شہر کو دیکھ کر یہ کلمات نکل گئے :-

فسبحان الذی اقدر ہذا المخلوق الضعیف علی ابداعہا واختراعہا من اجزاء الارض

پاک ہے وہ ذات جس نے اس ضعیف مخلوق کو زمین کے کیمیاوی اجزا سے اسکے ایجاد و اختراع کی قدرت عطا فرمائی،

المتحلیۃ کیما لیری الغافلین عنہ من عبادہ مثالا لما اعدہ لاہل السعادۃ فی دار المقامۃ التی لا یتسلط

تاکہ ان بندون کو جو اس سے غافل ہین اس چیز کی مثال دکھائے جو اس نے اہل سعادت کے لیے رہنے کی جگہ مہیا کی ہے

علیہا الفناء ولا یحتاج الی الرم لا الہ الا ہو المنفرد بالکرم

جس پر فنا کا تسلط ہوتا نہ وہ محتاج مرمت ہوتی صرف خدا ہی کے کرم کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرا نہین

مین دانستہ الزہرا کے باغات، ان کی روشون اور فرشون، قصر کے نقوش و تماثیل اور سونے چاندی کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہین کرتا، کیونکہ اس سے بہت طول ہو جائیگا، مختصر یہ ہے کہ اس کے بانی وہ شخص تھے کہ جنکو عمارات سے خاص ذوق تھا، مشہور تھا کہ ان کے جیسا نقشہ عمارت کوئی نہین بنا سکتا، اس پر دنیا کے بہترین انجینیرون اور صناعون کے دماغ خرچ ہوے تھے ان کو جو انہماک الزہرا سے تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متواتر تین جمعون کی نماز مین وہ جامع مسجد مین نہین پہنچے، چوتھے جمعہ مین شامل ہوئے تو قاضی منذر بن سعید نے جو جامع مسجد کے امام تھے، ان کو تنبیہ کرنا چاہی، چنانچہ شروع خطبہ انھون نے

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ	کیا ہر چھت مین تم لوگ ایک نشانی کھیلنے کیلئے بناتے ہو اور عمارتین تیار
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ	کرتے ہو کہ ہمیشہ اس مین رہو گے اور جب تم گرفت کرتے ہو تو ظالمانہ
جَبَّارِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ	گرفت کرتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو
اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ	جس نے تم کو اس چیز سے مدد دی جسکو تم جانتے ہو، تم کو چارپایون، لڑکون
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ	باغون اور نہرون سے مدد دی، مجھے تمھاری نسبت بڑے دن کے
يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء ع ۷)	عذاب کا خوف ہے

پھر عمارتون کی پختگی اور ان کی اینٹون مین استغراق اور اسراف کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ آیات پڑھین

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ	کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے تقوی اور رضامندی
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ	پر رکھی بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی بنیاد ہلاکت کے کنارے پر رکھی پھر اسکے
فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	ساتھ دوزخ کی آگ مین گر پڑا، خدا ظالم قوم کو ہدایت نہین دیتا، انھون نے
الظّٰلِمِيْنَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً	جو عمارت بنائی وہ ان کے دل مین پھانس بنکر کھٹکتی رہیگی مگر یہ کہ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	انکے دلون کے ٹکڑے ہو جائین خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے" (توبہ ع ۱۳)

اس کے بعد وہ زجر و توبیخ کی کہ نہ رعب سلطانی کا خیال رکھا نہ سیاست خلافت کا لحاظ یہ سب کچھ کہنے کے بعد یہ بھی کہہ گئے کہ[1] :-

---

[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی منذرؒ نے یہ رباعی ایک اور موقع پر امیرالمومنین کے سامنے پڑھی تھی اور لفظ "تذبل" سخت ناگوار ہوا تھا اور اسمین دونون صاحبون مین کچھ رد و قدح بھی ہوئی تھی، بہرحال یہ پہلا اور آخری موقع نہ تھا کہ امیرالمومنین کو قاضی صاحب نے دھمکایا ہو، ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے کہ امیرالمومنین نے مسجد کی چھت مین سونے چاندی کی اینٹین لگوا کر شیشہ سے کام کرانا چاہا تھا، قاضی منذر کو اسکی اطلاع ہوئی تو انھون نے امیرالمومنین سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ کو اتنی دولت دیکر آپ کو بہکا رکھا ہے، آخر آپ پر خدائے تعالیٰ کا بھی تو فضل ہے، آپ کیون کافرون کی منزل تک پہونچ جاتے ہین (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھو)

میا ما فی الزہراء مستغرقاً   اوقاتہ فیہا اما تمہل

اے زہرا کے بانی جو اپنے تمام اوقات کو اس میں صرف کرتا ہے کیا تجھ کو مہلت دیجائیگی

للہ ما احسنا رونقاً   لو لم تکن زہرتا تذبل

وہ کس قدر پُررونق تھا اگر اس کی کلی مرجھا نہ جاتی

یہ اور اس قسم کے الفاظ اگر کسی معمولی آدمی کو کہے جاتے تو اس کو ناگوار ہوتے چہ جائیکہ خود امیرالمومنین کو مخاطب کرکے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں یوں سختی کے ساتھ کہے جائیں اس لیے نماز سے سخت کبیدہ خاطر آئے اور قسم کھالی کہ قاضی منذر کے پیچھے نماز نہیں پڑھونگا، بلکہ احمد بن مطرف صاحب الصلاۃ قرطبہ کو اپنی امامت کے لیے مقرر کرلیا، اپنے ولیعہد سے قاضی منذر کی اس ناگوار تقریر کا ذکر کیا، اُنھوں نے قاضی صاحب کو معزول کرنے کی رائے دی، امیرالمومنین برافروختہ ہوگئے اور کہا کہ تیری ماں زندہ نہ رہے! کیا تو منذر جیسے آدمی کو معزول کراتا ہے جو اپنے فضل و ورع و علم و حلم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ معزول کردیے جائیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں خدا کے سامنے ایسی حالت میں جاؤں کہ منذر میری نماز جمعہ کا گواہ ہو، مجھے اپنی قسم کا کفارہ دینا آسان ہے، میں اور وہ جب تک زندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امیرالمومنین یہ تقریریں کر غصے سے کانپ اُٹھے اور قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کو کچھ بھی لحاظ آتا ہے کہ آپ مجھے کافروں میں شامل کیے دیتے ہیں قاضی صاحب نے کہا میں سچ کہتا ہوں کیا خداے تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ

لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا	اور یہ اگر نہ ہوتا کہ لوگ ایک امت ہوجاتے تو جو لوگ خدا کے ساتھ
لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتھم سقفاً من فضۃ	کفر کرتے ہیں ہم اُن کی چھتیں چاندی کی بناتے اور سیڑھیاں
ومعارج علیہا یظہرون ولبیوتھم ابواباً	جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت
وسرراً علیہا یتکئون (زخرف ۳)	بناتے جن پر وہ ٹیک لگاتے

یہ سنکر امیرالمومنین نے اپنا سر جھکا لیا اور رو پڑے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ قاضی صاحب خداے تعالیٰ آپ کو ہماری اور مسلمانوں اور دین کی طرف سے جزاے خیر دے اور خدا کرے کہ آپ جیسے آدمی دنیا میں زیادہ بڑھیں آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا اُنھوں نے اسی وقت حکم دیا کہ یہ اینٹیں اور شیشے مسجد میں نہ خرچ کیے جائیں (اس قصہ کے الفاظ یہ ہیں)

ہین میں مقتدی اور وہ امام رہین گے۔ ۔ ۔ ۔ "

یہ واقعہ مدینۃ الزہرا کے ذکر مین کچھ غیر متعلق سا معلوم ہوگا مین اس کی معافی چاہتا ہون لیکن بتانا اس کا ہے کہ وہ خلیفہ رہنے والا امام!

جب یہ قصر تیار ہوا تو اس کی یہ صورت تھی کہ پہلے ایک بہت بڑی فصیل تھی جسمین تین سو برج لڑائی کے قابل تھے، ایک بہت بڑا اور بڑی صنعت کا دروازہ تھا جو "باب مدینۃ الزہرا" کہلاتا تھا، اسمین داخل ہوتے ہی بہت بڑا خوش سواد باغ تھا، تمام اعیان مملکت اور ارکان دولت کے محلون کے دریچے اس باغ مین کھلے ہوے تھے اس کے بعد پھر ایک اور دروازہ ملتا تھا، جو "باب الاقبال" کہلاتا تھا، یہ قصر مین جانے کے لیے یہی پہلا دروازہ تھا، اس کے بعد "باب السدۃ الاعظم" پڑتا تھا، اس کے سامنے ایک اور باغ کی "بارہ دری" تھی جسمین از سر تا پا سونے اور شیشے کا کام تھا، ممکن ہے شیش محل ہو؟ اس مین عجیب صنعت گری کی گئی تھی، اس کے پردے قابل دید تھے، سنگ مرمر کے ستون ایسے نازک اور خوبصورت تھے کہ گویا کسی قالب مین ڈھلے ہوے ہین، ان پر گلکاری اس خوبصورتی سے کی گئی تھی کہ چمن کا لطف آتا تھا، اسی مین بڑا حوض تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے حوض اور بہت سے مجسمے، سامنے دالان تھے، وہ بھی مثلاً شرقاً غرباً اور دیوانخانے تھے اور میدان جتنے پڑتے تھے سب کا یہی نقشہ تھا، ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا بہت مشکل تھا، مگر بوجہ تنوع مشاہد اور اختلاف مناظر کے، جو دالان درمیانی باغ مین تھا اسی کے وسط مین زرکار تخت تھا، اس کے علاوہ مشرقی دالان مین ایک اور تخت تھا، یہی شرقی دالان "مونس" کہلاتا تھا اور یہی مین خوابگاہ تھی، اسی مین وہ حوض تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، اسی احاطہ مین ایک اور دیوانخانہ تھا جو "قصر الخلافۃ" کہلاتا تھا، اسکی چھت مضبوط سنگ رخام کی تھی اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اسی کے درمیان مین وہ یتیمیہ تھا جس کو الیون بادشاہ قسطنطنیہ نے بطور تحفہ کے پیش گاہ خلافت مین بھیجا تھا، اس قصر مین جتنی پچی کاری تھی وہ سب سونے چاندی کی تھی، اس کے عین وسط مین بہت بڑا حوض تھا جس کے اندر پارہ بھرا ہوا تھا، حوض پر ایک نم گیرہ کسا رہتا تھا جس کی چوبین ہاتھی دانت اور آبنوس کی مرصع بجواہر تھین، اس دیوانخانہ کے آٹھ دروازے

تھے، اور ہر دروازے سے دُھوپ آتی تھی جب امیر المومنین کسی کو مرعوب کرنا چاہتے تھے تو کسی کو حکم دیتے تھے کہ وہ نیچے اتر کر پارے کو ہلا دیتا تھا، دھوپ مین اس کا عکس پڑکر آنکھون کو خیرہ کر دیتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام دیوانخانہ ہل رہا ہے اور سب کو لیکر اڑجائے گا،

حرم (زنانہ) کے مکانات الگ تھے، وہ سب مردانہ سے بھی زیادہ منقش و مطلا و مرصع تھے، ایک بات یہ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ امیر المومنین کی حرم زہرار کی تصویر حرم کے بیرونی دروازہ پر منقوش یا نصب تھی، امیر المومنین نے ایک شخص کو اس تمام قصر کی سیر کرائی، اس نے ازراہ گستاخی یہ کہہ دیا کہ زہرار کی تصویر کے جبل عروس کے پاس ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زہرا، ایک دیوزاد کے قبضے مین ہے اور وہ اس کو لے بھاگنے والا ہے، امیر المومنین پر اس طعنہ کا ایسا اثر ہوا کہ انھون نے حکم دیا کہ پہاڑ اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہوگیا، مگر اکثر ارباب سلطنت نے بشکل تمام امیر المومنین کو اس سے باز رکھا، ایک مؤرخ کہتا ہے کہ الناصر لدین اللہ کی ہمت کے سامنے یہ کچھ بڑا کام نہین ہے کہ اتنے بڑے پہاڑ کا وجود ہی مٹا دیتے، یہ ضرور ہوا کہ اس پہاڑ کا نام جبل عروس پڑگیا[1]، اسی مثیل فردوس احاطہ مین ایک قیدخانہ تھا جسکو "مُطبق" کہتے تھے،

نہرون اور حوضون مین جو مختلف قسم کی مچھلیان تھین ان کو ہر روز بارہ ہزار روٹیان اور چھ قفیز؟ چنے دیے جاتے تھے، جو مرد یہان رہتے تھے اُن کی تعداد ۱۲۷۵۰ تھی، ۶۳۱۴ عورتین، ۳۰۰۰ لڑکے ان کے علاوہ تھے، تیرہ ہزار رطل (پونڈ) گوشت روزانہ خرچ ہوتا تھا، اس وزن مین مچھلی مرغ اور دیگر طیور کا گوشت شامل نہین ہے، یہ تمام آدمی صرف محل شاہی سے متعلق تھے اور امیر المومنین اور حرم شاہی کے خدمتگذار و جان نثار، اراکین سلطنت کے خادمون کی تعداد کہین نہین ملتی،

قصر کی تیاری اور آبادی کے بعد حکومت کی طرف سے بانگ دہل اعلان ہوا کہ عوام الناس مین سے جو لوگ احاطہ مدینۃ الزہرار مین مکانات بنائین اُن کو حکومت سے چار سو دینار عطیہ ملیگا، اس طرح وہان کی

[1] مجھے باوجود تلاش یہ پتہ نہین لگا کہ پہلے اس پہاڑ کو کیا کہتے تھے، اسی لیے شروع سے اس کو جبل عروس کہتا آرہا ہون،

آبادی خوب بڑھ گئی، بازار اور حمام مکمل گئے، مساجد بن گئیں اور ہر قسم کی ضروریات وہین بہم پہونچنے لگیں، یہ نہین سمجھنا چاہیے کہ اس سے قرطبہ کی مردم شماری مین کوئی کمی ہوئی، وہان کی آبادی جون کی تون رہی اور یہ شہر نیا بس گیا،

قصر کی عمارت کے اندر ہی امیر المؤمنین المستنصر الحکم کا وہ مشہور عالم کتب خانہ تھا جس کا ذکر اب بھی کتابون مین پڑھ کر ہر شخص نقش حیرت بنکر رہ جاتا ہے، اس کتب خانہ کی عظمت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ مین چھاپہ خانہ نہ تھا اور کتابون کی قیمت بیحد تھی مگر جتنے دیوان اس مین تھے انکی فہرست ۴۴ جلدون مین تھی اور ہر جلد کے کم ازکم ۲۰ ورق تھے، تمام ممالک مین آدمی تعینات تھے کہ جو کتاب نئی نکلے وہ سب سے پہلے قصر الزہرا مین پہونچ جائے چنانچہ ابو الفرج نے جب اپنی کتاب الاغانی لکھی تو اس کی اشاعت مشرق سے پہلے مغرب مین ہوئی یا شاید ایک ہی ساتھ، کتابون کی تعداد کئی لاکھ تھی اور ہر کتاب پر امیر المومنین المستنصر کا کوئی نہ کوئی نوٹ ضرور تھا،[1] یہان یہ عرض کرنا شاید بے محل نہو گا کہ اس زمانہ مین یورپ مین کتابون کا جو قحط تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پیٹر دی ہمبل (؟) اسقف پیرس جب صلیبی لڑائی پر جانے لگے ہین تو انھون نے اپنا بہت بڑا کتب خانہ جسمین بارہ کتابین تھین سینٹ وکٹر کے دیر کو نذر کیا تھا اس زمانہ مین یہ ہدیہ اتنا بیش قیمت تھا ایک بادشاہ کا ذریعہ ہو سکتا تھا اس خاص موضوع پر میری کتاب اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۱۴۴ یا ۲۴۶ کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہوگا، مگر مین پھر بھی عرض کرون گا کہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم نے کتنی رجعت کی اور اغیار اپنی ترقی مین کہان سے کہان پہونچ گئے،

جتنے بڑے بڑے دربار ہوتے تھے وہ مدینۃ الزہرا ہی مین ہوتے تھے ان مین سے دربارون کی کیفیت قابل دید تھی، مگر شاید ان کی تفصیل میرے عنوان سے خارج ہے، مختصراً یہ گذارش ہے کہ ایک

---

[1] امیر المومنین کی اس کثرت مطالعہ کا یہ انجام ہوا کہ آخر عمر مین ان کی نظر قریباً جاتی ہی رہی تھی،

اور دوسرا امیر المومنین الناصر لدین اللہ نے قسطنطنیہ کے سفیروں کے آنے پر کیا تھا، اس میں ایک تقریر ہونے والی تھی، دربار کے رعب کا یہ عالم تھا کہ کئی صاحبوں نے تقریر کو شروع کیا اور وہ بیہوش ہو ہو گئے، اتفاق سے ابو علی قالی صاحب امالی یہاں آئے ہوئے تھے، اُن سے بھی تقریر کے لیے کہا گیا، وہ حمد و نعت ہی ختم کر پائے تھے کہ زبان بند ہوگئی اور غش کھا کر گر گئے دوسرا دربار امیر المومنین المستنصر کا تھا جس میں اسپین کے ایک عیسائی بادشاہ نے رعب میں آکر اپنے آپ کو امیر المومنین کا غلام کہا وغیرہ وغیرہ،

افسوس ہے کہ اس جنت الارض کو بہت ہی جلد نظر لگ گئی، امیر المومنین المستنصر کے بیٹے المؤید تخت خلافت پر تھے، اُن کے حاجب بطل اعظم محمد بن ابی عامر الملقب بمنصور کا ابھی کفن میلا نہ ہوا تھا کہ حاجب مرحوم کے بیٹے نے ایک فتنہ میں نہ مدینۃ الزہراء کو چھوڑا نہ مدینۃ الزاہرہ کو جو اُن کے باپ نے بسایا تھا،

دنا در بکا ما زد نے نادری،

بڑے بڑے شعرا نے اس کے مرثیے لکھے ہیں، ابن عربی کے زمانہ (سنہ ۶۳۰ ہجری) تک کچھ کھنڈر باقی تھے، وہ اس مقام کی زیارت کو آئے تھے، انھوں نے بھی ایک مرثیہ کہا جسکے چند اشعار نقل کرتا ہوں،

دیار باکناف المغیب تلمع — وما ان بھا من ساکن وھی بلقع

کچھ کھنڈر مغرب کے اطراف میں نظر آتے ہیں، اُن میں کوئی رہنے والا نہیں اور چٹیل میں

ینوح علیھا الطیر من کل جانب — فیصمت احیانا وحینا یرجع

اس پر ہر طرف سے چڑیاں روتی ہیں، کبھی خاموش ہو جاتی ہیں کبھی بولنے لگتی ہیں،

فخاطبت منھا طائرا متفردا — لہ شجن فی القلب وھو مروع

تو میں نے ان میں سے ایک چڑیا سے جو سب سے الگ تھی خطاب کیا اور اسکے دل میں غم تھا اور خوفزدہ تھی،

فقلت علی ما ذا تنوح وتشتکی — فقال علی دھر مضی لیس یرجع

میں نے کہا تو کس چیز پر روتی ہے، اُس نے کہا گذشتہ زمانہ پر جو پھر نہیں لوٹے گا،

چنانچہ معتضد اور ان کے بیٹے معتمد بن عباد (۴۶۱ تا ۴۸۴ھ) کے زمانہ تک لوگ مدینۃ الزہرا کے میدان میں تفریح سیر کیا کرتے تھے، فتح بن خاقان کہتے ہیں کہ مجھ سے وزیر الفقیہ ابو الحسن بن سراج نے بیان کیا کہ ہم بھی چند آدمیوں کے ساتھ وہاں گئے، وہاں کی سیر کی، ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے تو دل کڑھتا تھا اور آنسو نہ رک سکتے تھے، یکایک سلطان معتمد بن عباد کا ایک آدمی آیا اور اس نے ہمارے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ

حسد القصر فیکم الزهراء ولعمری وعمرکم ما اساء

قد طلعتم بها شموسا صباحا فاطلعوا عندنا بدورا مساء

سنتا ہوں کہ یہاں گورنمنٹ اسپین کی طرف سے کھدائی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کچھ چیزیں نکلی ہیں، منجملہ ان کے ایک گھوڑے کا مجسمہ ہے، ایک صاحب کو اسپین میں لکھا ہے کہ کچھ تفصیل بھیجیں اور اگر ان چیزوں کی تصاویر لی گئی ہوں تو وہ بھی عنایت فرمائیں

مرہٹہ ہیرو

از

مورخ مشہور صدر الصدور رضا علی خان

ذی حجہ (جون) کے معارف میں آپ نے سیوا جی کی بابت خیالات کا اظہار فرمایا ہے، آپ نے تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش آج کے جشن منانے والے کل کے واقعات کا تجربہ کر چکے ہوتے، اس سلسلہ میں دو ہندو مورخوں کی شہادتیں میں پیش کرتا ہوں جو مرہٹوں کی کارگذاریوں کے تختۂ مشق تو نہ بنے تھے مگر نتائج کے دیکھنے والے ضرور تھے، یہ معتمد شہادتیں ظاہر کرین گی کہ سیوا جی کے مرنے کے سو ڈیڑہ سو برس بعد تک ہندوؤن کے خیالات اس ہیرو کی نسبت کیا تھے،

محولۂ بالا دو تاریخین بساط الغنائم اور تاریخ ظفرہ ہین، بساط الغنائم کے مؤلف اپنے عہد کے مشہور وقائع نگار و انشا پرداز منشی لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ہین، یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتے ہین، کتاب مذکور ایک علم دوست ہندو رئیس کے نام سے معنون ہو کر ۱۳۲۲ھ مین حیدرآباد کے مطبع نظام المطابع مین چھپی ہے،

دوسری تاریخ ظفرہ ہے، اس کا نام بھی تاریخی ہے، لفظ ظفرہ سے سنہ تالیف برآمد ہوتے ہین جو ۱۲۱۸ھ ہین، اس مؤلف کا نام لالہ گردھاری لعل ہے، اس تاریخ کے دو قلمی نسخے میری نظر سے گذرے ہین، ایک شخصی ملکیت ہے، دوسرا ایک کتابخانہ مین ہے جو پبلک ہے، یہی نسخہ میری نظر کے سامنے ہے، ۱۲۸۱ھ مین لکھا گیا ہے،

مذکورۂ بالا دو تاریخون کا زمانۂ تالیف بتاتا ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد لکھی گئی ہین، بساط الغنائم کی تالیف کے وقت تو انگریزی تسلط بھی نمایان طور پر قائم ہو چکا تھا چنانچہ شفیق نے ہجری

سنہ تالیف کی سنہ عیسوی سے بھی مطابقت لکھی ہی جو ۱۷۹۹ء ہے، لہذا مغلون کی خوشامد سے پاک ہے،

شفیق کا قلم متین ہے، گو وعاری لعل اُس غیظ و غضب کو ضبط نہین کرسکتا جو اُس کے دل مین ملک کی تباہی سے تھا اس لیے سیواجی وغیرہ کی نسبت الفاظ بہت سخت لکھتا ہے جو ایک مؤرخ کے قلم سے نہ نکلتے تو بہتر تھے مگر یہ بھی ہے سچ کرنا چارفریاد خیزد ز درد،

یہ دونو تاریخین صاف ظاہر کرتی ہین کہ اُن کے زمانہ تک ہندوؤن نے سیواجی کو ہیرو نہین خیال کیا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی قوتین مشق اور متواتر کام لینے سے ترقی پاتی ہین، جن اعضا یا قوتون سے کام نہ لیا جائے وہ کمزور بلکہ بیکار ہو جاتی ہین، یہی حال وقائع نگاری وتاریخ فہمی کا ہے، جو لوگ واقعات پر نظر رکھتے اور ان کے ضبط وتحریر کا اہتمام رکھنے کے عادی ہوتے ہین وہ اُس ذمہ داری کا احساس رکھتے ہین جو واقعات کی صحت بیان سے تعلق رکھتی ہے، واقعہ نگاری اور اُسکی صحت اُن کے نزدیک ایک واجب التعمیل فرض ہوتا ہے، تاریخ سے بے پروائی یا غلط بیانی کو وہ جرم خیال کرتے ہین اس اہتمام کا نتیجہ حقیقت سنجی اور حق جوئی ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو لوگ وقائع نگاری کے عادی نہین اور جنھون نے واقعاتِ عالم کو اس قابل نہین سمجھا کہ ان کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے وہ تاریخ کی اصلی عظمت سے کبھی واقف نہین ہوسکتے، اور افسانے اور واقعہ مین امتیاز اُن کے لیے دشوار ہوگا، ہندو لٹریچر مین تاریخی عنصر کی نایابی مسلم ہے جو تاریخین ہندوؤن نے گذشتہ دور مین لکھین وہ عہدِ اسلامی مین لکھی گئین اسکو فیضِ صحبت خیال کرنا بیجا نہو گا، اسی بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ آج کی مرہٹون کی ہندو تاریخ اُس تاریخ سے مختلف ہے جو سو یا ڈیڑھ سو برس پہلے خود ہندوؤن نے لکھی تھی،

جو ہستیان آج حقیقت یا ہیرو مانی جاتی ہین وہ کل یا افسانہ تھین یا قزاق غارتگر،

اب اصل شہادتین ملاحظہ ہون،

بساط الغنائم | دیباچہ مین مؤلف نے لکھا ہے کہ مرہٹون کے کارنامے لوگ بھولتے جاتے ہین، حالانکہ یاد رکھنے کے

وایق ہیں، مسلمان مؤرخ تعصب سے ان کی نسبت نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ یہ ارشاد نبوی کے
خلاف ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ صحیح حالات قلمبند کردوں، اس کتاب میں مرہٹوں کے متعلق جو
حالات ہیں وہ بجنسہ اُس تاریخ کا ترجمہ ہیں جو پونہ میں مرہٹی زبان میں لکھی گئی ہے،

اب اس کتاب کی اصل عبارت میں واقعات سنیئے،

سیواجی . . . . از آنجا (از راے گڈھ) کوچیدہ و بر جالنا پور کہ بست کروہا
سیواجی نے اس جگہ (راے گڈھ) سے کوچ کرکے جالنا پور کہ اورنگ آباد سے ۲۰ کوس پر
اورنگ آباد جانب مشرق واقع شدہ رسیدہ دست تاراج کشاد چون تکیہ جان اللہ شاہ
مشرق کی جانب واقع ہے، دھاوا مارکر غارتگری شروع کی، چونکہ جان اللہ شاہ جو کہ
کہ از کاملان زمانہ بود آبروبخش آبادی ست مردم آبادی آن مکان را مامن و پناہ دانستہ
کاملین زمانہ سے تھے ان کا تکیہ اس آبادی کیلیئے عزت بخش تھا، وہان کے لوگ اسکو جاے پناہ سمجھکر اسمین چلے گئے،
دران خزیدند، سیواجی قساوت قلب را کار فرمودہ و پاس ادب نہ نمودہ ہمہ را غارت
سیواجی نے سنگدلی سے کام لیکر اور اس کا پاس ادب ترک کرکے سب کو لوٹ لیا بلکہ درختون
کرد بلکہ اشجار ہم بریدہ نسبت بہ شاہ مذکور بے ادبی ہا روا داشت و این حرکت موجب
کو بھی کاٹ ڈالا اور شاہ صاحب مذکور کے متعلق بے ادبیاں کین، اور یہ حرکت اس کے
آغاز ادبار او گشت، رنست خان منصب دار بادشاہی را کہ با جمعیت جزوی متعین
ادبار کا سبب بن گئی، رنست خان شاہی منصبدار کو کہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جالناپور پر متعین تھا،
جالناپور بود ہمان شب بشارت غیب شد کہ بکمی فوج خود نظر نکردہ با سیواجی مقابل شود کہ بلاشک فتح از آن ست چنانچہ
اسی رات کو غیبی بشارت ہوئی کہ اپنی فوج کی تعداد سے قطع نظر کرکے سیواجی کے ساتھ مقابلہ کرے فتحیاب
صباح این رؤیا رنست خان خود را بے باکانہ بر لشکر سیواجی زدہ با وصف قلت جمعیت غالب آمد

اس کو فتح ہوگی، چنانچہ اس خواب کی صبح کو رستم خان بیجاپوری کے ساتھ سیواجی کے لشکر پر ٹوٹ پڑا، اور

مردم بیجا پور از سیواجی با سدوجی سرنا رحمہ واسطہ قتل رسید، مذہریت بر لشکرش افتاد و

باوجود فوج کی کمی کے غالب آیا، سیواجی کے بہت سے آدمی اس کے بہترین سردار سدوجی کے ساتھ قتل

سیواجی را پا از جا رفت و یارائے قیام درخود نیافتہ تا راے گڈھ باز پس نمید بالاجی

ہوئے، سیواجی فوج نے شکست کھائی، سیواجی کے پاؤں اکھڑ گئے اور ٹھہرنے کی طاقت سلب ہوگئی اور ایسا بھاگا کہ رائے گڈھ

کہ پدر او رنگ آباد را باختہ بود و بیرا زا آنجا گریختہ بسیواجی ملحق شد (صفحہ ۵۵ و ۵۶)

تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، بالاجی اوجی بھی جس نے اورنگ آباد پر دھاوا مارا تھا اس جگہ سے بھاگ کر سیواجی کے ساتھ ملگیا،

سیواجی کی رائے برہمنوں کی نسبت | یہ سننا دلچسپی سے خالی نہو گا کہ آج جو طبقہ سیواجی کی ہیرو سازی میں سب سے

زیادہ بلند آہنگ ہے اس کی نسبت خود سیواجی کی کیا رائے اور روش تھی،

چون از ہمہ سو فراغش دست داد خیال برہمن شدن در سرش گرفت گیگا بھٹ را کہ

جب اسکو ہر طرف سے فراغت حاصل ہوگئی تو اس کے دماغ میں برہمن ہونے کا خیال پیدا ہوا، گیگا بھٹ کو جو

از پنڈتان مشہور بنارس بود طلب داشتہ طریق عبادت برہمنان آموخت ہمنان دیگر برین ارادہ وقف

بنارس کے مشہور پنڈتوں میں تھا طلب کرکے برہمنوں کا طریقہ عبادت سیکھا، دوسرے برہمن اس ارادہ سے

شدہ بھٹ مذکور را مخفی مانع آمدند سیواجی خبر یافتہ ناخوش گردید و یک قلم برہمہ را از کار

واقف ہوے تو بھٹ کو مخفی طریقہ پر اس سے منع کیا، سیواجی کو خبر ہوئی تو ناخوش ہوا اور یک قلم تمام برہمنوں کو ملازمت

وخدمت موقوف داشتہ گفت کہ این گروہ بدطینت گدا پیشہ نظر بہ بزرگ نہادی واجب الخدمتہ

سے موقوف کر دیا کہ یہ بدطینت گدا پیشہ گروہ اپنی ذات کی بزرگی سے واجب الخدمت ضرور ہے، لیکن

البتہ اند اما از ینہا توقع خیر سگالی و آقا پرستی ہیچ نیست و بجائے آنہا قوم پربھوان یعنی

اس سے خیر خواہی اور آقا پرستی کی کوئی توقع نہیں اور ان کی جگہ پربھوان سے یعنے

کایستهان را مامور نمود چند مقربان در سفارش برهمنان و بحالیِ تعلقات کوشیده نه پذیرا نفرمود

کایستھون کی قوم کو مامور کیا، مقربانِ درگاہ نے اگرچہ برہمنون کی سفارش اور بحالیِ ملازمت مین بہت کچھ

سنبھاجی پسرش نیز با طلاعِ این معنی نیلا پنتھ دیوان خود را کہ از قوم براہمہ بود تغیر ساختہ

کوشش کی لیکن قبول نہ ہوئی، اس کے بیٹے سنبھاجی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے دیوان

بجایش یک کس را مامور کردہ،

نیلا پنتھ کو بھی جو برہمن تھا بدل کر اس کی جگہ ایک کایستھ کو مقرر کیا،

یہان یہ سوال شاید نتیجہ خیز ہو کہ تاریخ نے سیواجی کی رائے برہمنون کی "خیر سگالی و آقا پرستی" کی

بابت صائب ثابت کی یا غلط۔ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

سیواجی کے نزدیک سعادتمندی کا معیار | سنبھاجی . . . . بر بھوپال گڈھ تاخت و آن را

سنبھاجی نے بھوپال گڈھ پر حملہ کیا اور اس کو جبراً قہراً مفتوح کرکے پانچ سو قیدیون کو

جبراً و قہراً مفتوح نمودہ پانصد اسیر را دست و پا شکستہ گذشت، سیواجی خبر رشادت

ہاتھ پاؤن توڑ کر مار ڈالا، سیواجی نے لڑکے کی اس لیاقت کی خبر پائی تو ملاقات کا اشتیاق

فرزند دریافتہ مشتاق ملاقات شدہ در راے گڈھ آمدہ، از دیدار فرزند ارجمند ذخیرۂ خرسندی

ہوا اور راے گڈھ مین آکر لایق لڑکے کے دیدار سے مسرت اندوز ہوا اور ملاقات کے

اندوختہ وقتِ ملاقات یک پرتلہ مرصع با شمشیر و سپر بخشیدہ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

وقت ایک مرصع پرتلہ تلوار اور ڈھال کے ساتھ عطا کیا،

سیواجی کی وفات کا واقعہ | درہمین اثنا یکے از غمازان ذہن نشین سوما بائی زوجہ سیواجی

اسی اثنا مین ایک چغلخور نے سیواجی کی بی بی سوما بائی (جو راجہ رام کی مان تھی) کے ذہن نشین

کہ مادر راجہ رام ست ساخت کہ سیواجی سنبھاجی پسر خود را کہ از زوجۂ دیگر ست میخواہد

یہ بات کی کہ یہ سیواجی اپنے لڑکے سنبھاجی کو جو دوسری بی بی سے ہے ولیعہد بنانا چاہتا ہو چنانچہ اس

ولیعہد سازد و چنانچہ اورا باین ارادہ (زبنا الطلبید) است اغلب کہ عنقریب دررسد و مختار ریاست شود زنکہ مذکور ازین کلمات

ارادہ ہے اس کو بلانے طلب کیا ہے اور غالباً وہ عنقریب پہنچکر مختار ریاست ہوگا، یہ

مراسیمہ شدہ زہر در طعام سیواجی انداخت تا آنکہ او قالب خاکی گذاشت (نساط الغنائم ۱۵۰)

عورت ان کلمات سے پریشان ہوئی اور سیواجی کے کھانے مین زہر ڈالدیا جسکو کھا کر وہ مرگیا،

دوسری تاریخ ظفرہ سے بعض انتخابات | یہ تاریخ آج سے ایک سو اکسٹھ [۱۶۱] برس پہلے اور سیواجی کی وفات کے پچانوے [۹۵]

برس بعد لکھی گئی تھی، مؤلف اس کے خاتمہ مین لکھتا ہے :-

برارباب فضل وکمال ہویدا باد کہ احقر گردھاری لعل تاریخ ظفرہ از ابتدائے بنائے محمد نگر

ارباب فضل وکمال کو معلوم ہونا چاہیے کہ کمترین گردھاری لعل نے تاریخ ظفرہ کو حیدرآباد مین محمد نگر

در حیدرآباد لغایتہ حال کہ یکہزار و یکصد و ہشتاد و پنج ہجری می باشد بطریق مجمل بقلم آوردہ

کی بنیاد کی ابتدا سے آج تک کہ ۱۱۸۵ ہجری ہے اجمالی طور پر لکھا ہے اگر زندگی باقی ہے تو

اگر حیات باقی ست انشاءاللہ تعالی آیندہ انچہ بظہور می رسد بتحریر خواہد آورد،

انشاءاللہ آیندہ بھی جو کچھ ظہور مین آئے گا وہ لکھا جائیگا،

اس تاریخ مین سیواجی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کے متعلق جابجا جو الفاظ استعمال کیے گئے ہین وہ

صاف ظاہر کرتے ہین کہ اس ہیرو کا مرتبہ مذکورہ بالا ہندو وقائع نگار کی نگاہ مین کیا تھا، رسالۂ معارف کی

متانت سے معافی چاہکر ہم ان الفاظ کی نقل کا (محض واقعات پر روشنی ڈالنے کی خاطر) ارتکاب کرتے ہین،

تاریخ ظفرہ کا پیرایۂ بیان غالباً شفیق اورنگ آبادی کی خدمت مین مسلمان مورخون کی جانب سے

یہ عذرخواہی کرسکے گا کہ مرہٹون کی نسبت سخت الفاظ استعمال کرنے کے مرتکب صرف مسلمان ہی نہین ہین

ہندو مؤرخ بھی اُن کے ہمنوا ہین،

ذکر خروج سیوا و سنبھا وغیرہ مرہٹہ — اس عنوان مین جہان جہان سیواجی یا سنبھاجی کا نام آیا ہے مگر ہماری نقل نے سخت الفاظ کے بغیر یاد نہین کیا، مثلاً

"سیواے ناخلف بہ نیابت پدر بدسلف دران دو پرگنہ (سوپہ و پونہ) می ماند سیوا مردود

سیواے ناخلف اپنے بدسلف باپ کا قائم مقام ہوکران دونون پرگنہ (سوپہ و پونہ) مین رہتا ہے،

کہ در بیباکی و جلادت و مکر و حیلہ بے نظیر بود قابو یافتہ در ولایت کوکن غارتگریہا انگیخت

مردود نے کہ بیباکی، بہادری اور مکر و حیلہ مین بےنظیر تھا قابو پاکر کوکن کے صوبہ مین غارتگریان کین،

آن شقی . . . آن غدار نابکار . . . مرزا راجہ بہ تلبیس آن ابلیس . . . آن ابلیس فن یعنی

سیواے مقہور" "در سنہ ۹۱ سیواے لعین ہم واصل جہنم شد"

سیواجی نے جو عرضی عالمگیر بادشاہ کو لکھی تھی نقل کر کے اس کے گستاخانہ لب ولہجہ پر مورخ موصوف خشم آلودہ ہوکر لکھتا ہے کہ جس وقت عالمگیر نے یہ عرضی پڑھی، تو

"بر زبان الہام ترجمان گذشت کہ فریق زندیق بے توفیق را نمی رسد کہ با مقبولان درگاہ

زبان الہام ترجمان سے یہ نکلا کہ فریق زندیق بے توفیق کو یہ حق حاصل نہین کہ مقبولان درگاہ صمدیت

صمدیت و منظوران نظر احدیت دم طعنہ زند از انجا کہ آن ناعاقبت اندیش نخوت و تکبر را

اور منظوران نظر احدیت پر زبان طعن دراز کرے، چونکہ اس ناعاقبت اندیش نے نخوت اور

سرمایہ حیات خود ساختہ عنقریب بتلافی خودنمائی و بیحیائی خواہد رسید"

تکبر کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنا لیا ہے اسلیے اسکو عنقریب اسکی خودنمائی اور بیحیائی کا بدلہ ملے گا،

اس کے بعد ان الفاظ سے شماتت کا اظہار کرنے کے لیے کہتا ہے :

"چنانچہ آن سگ بے دم و خر بے سم واصل جہنم شد"

چنانچہ وہ بے دم کا کتا اور بے سم کا گدھا واصل جہنم ہوا۔

ایسے بھی الفاظ ہیں جو سمجھا کے لیے استعمال کیے گئے ہیں، زیادہ لکھنے سے خود ہمارا قلم انکار کرتا ہے اس لیے اسی قدر پر اکتفا کی جاتی ہے،

تصویر کا دوسرا رُخ۔ آپ عالمگیر بادشاہ کے متعلق جو جدید خیال کے ہندوؤں میں رائے ہے وہ ظاہر ہے، یہ بھی دیکھ لیجئے کہ یہ ہندو وقائع نگار کیا لکھتا ہے اگر دھاری لعل عالمگیر بادشاہ کی وفات کا واقعہ ذکر کرتا ہے:

آں شاہ دانا گہر رشیوہ جہانداری بادشاہ عادل ودر پاس شریعت و ریاضت ولی کامل بود

وہ شاہ دانا گہر فرمانروائی میں بادشاہ عادل تھا اور پاس شریعت اور ریاضت میں ولی کامل تھا،

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصّہ

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شائع ہوا ہے اسمیں حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق و فضائل اور انکی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی کارنامے اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہیں جن کو پڑھ کر خلافت راشدہ کی ۳۲ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفاے راشدین کے کمالات فضائل مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے ہیں، ضخامت ۵۰۴ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ؎ہ

(منیجر)

سوشیالسٹ حکومت کے نتائج

از

مولوی عبد السلام ندوی

(۴)

لیکن ان خطرات کے ساتھ اس قسم کی حکومت کے اخلاقی، اقتصادی اور انتظامی نتائج کے متعلق تمام ماہرین اقتصاد نے تصریح کی ہے کہ وہ

(۱) افراد کے ملکۂ استنباط اور ذمہ داری کے احساس کو بالکل فنا کردیتی ہی،

(۲) ہر کام میں حکومت کی مداخلت سے روپیہ بہت زیادہ صرف ہوتا ہے، حالانکہ اگر وہ کام افراد کے ہاتھوں انجام پاتا تو اس سے بہت کم رقم صرف ہوتی،

چنانچہ موسیو (پول سرواپولیو) لکھتے ہین کہ:-

حکومت کے ہاتھ مین تمام اقتصادی قوتون کے آجانے سے فرانس جدید اپنے ملکۂ استنباط، قوت عزم، اور نشاط ذاتی کو کھوتا جاتا ہے، اور حکومت اس کو اپنا غلام بنا کر دفعتہً کمزور اور اسکی اخلاقی حالت کو تباہ کررہی ہے،

(ہربرٹ اسپنسر) کہتا ہے کہ:-

قانون سازی ایک دوسرے قانون سازی کی محتاج ہوتی ہے جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو قانون ساز کے خیال مین بھی نہین آئے تھے، کیونکہ قانون سازی لازمی طور پر دوسرے مدبرین کو پیدا کرتی ہے، حکومت کے دفتری اقتدار کو وسیع کردیتی ہے، اور ملازمین سرکاری کی تعداد کو بڑھادیتی ہے، اور جسقدر حکومت کی مداخلت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر افراد اپنے ملکۂ استنباط کو

گھٹتے جاتے ہیں، اور یہ مداخلت روز بروز افراد مین یہ خیال پیدا کردیتی ہے کہ ہر نقصان کا دور کرنا اور ہر فائدہ کا پیدا کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے،

واقعات سے بھی ان اقوال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ کوئی حکومت قومی کامون کو سرکاری ملازمون کے بغیر انجام نہین دے سکتی، اس لیے حکومت کا دائرۂ عمل جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر سرکاری ملازمون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا ہے، مثلاً آج سے پچاس برس پہلے فرانس مین سرکاری ملازمون کی تعداد ۱۸۸۰۰۰ تھی، اور حکومت کو اُن پر (۲۴۵) ملین صرف کرنا پڑتے تھے، لیکن اب یہ تعداد ۹۸۰۰۰۰ ہے، اور حکومت کو اُن پر ۲۷۰ ملین صرف کررہی ہے اور اس تعداد مین ابھی اور بھی اضافہ ہوگا، کیونکہ تعلیم جس قسم کے افراد کو پیدا کررہی ہے، اُن مین ملازمت کے سوا اور کسی قسم کے تجارتی زرعی اور صنعتی کامون کے انجام دینے کی قابلیت ہی نہین ہوتی اس لیے وہ لازمی طور پر ملازمتون کی طرف متوجہ ہونگے اور اس سے ملازمان سرکاری کی تعداد مین اور اضافہ ہوگا،

دفتری نظام کی یہ دست اُحکومت کے اختیارات کو غیر محدود اشخاص (ملازمین سرکاری) مین تقسیم کردیتی ہے، اور اس طرح ایک ایسا مرتب و منظم سلسلہ قائم ہوجاتا ہے کہ ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم کا محتاج ہوجاتا ہے، یا بالفاظ دیگر ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم پر حکومت کرتا ہے، اور یہ غلامانہ سلسلہ اسقدر طویل ہوجاتا ہے کہ اگر ایک وزیر معمولی کام بھی لینا چاہتا ہے تو اُسکو درجہ بدرجہ ایک چپراسی تک کا محتاج ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح اس سلسلہ مین اسقدر پیچ وخم پیدا ہوجاتے ہین کہ وہ ایک قفس آہنین بن جاتا ہے جس سے ایک سرکاری ملازم کا نکلنا دشوار ہوجاتا ہے، لیکن باوجود ان دشواریون کے قوم کا استقلال ذاتی اور ملکۂ استنباط اسقدر فنا ہوجاتا ہے، کہ وہ اس سے بھی پیچیدہ ترنظام حکومت کی خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ دلیون سی اکتا ہے کہ

ہم کو ایک جنہ آواز سنائی دیتی ہے جو نہایت پیچیدہ اور وسیع نظام حکومت کا مطالبہ کرتی ہے،

اس لیے حکومت کو اس مطالبہ کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے سے کاموں کے لیے بھی قوانین بنانے پڑتے ہیں، اور ہر ایک کام کے لیے ایک مستقل نظام قائم کرنا پڑتا ہے، چنانچہ پیرس میں گاڑیوں کی آمد و رفت کا جو جدید نظام قائم کیا گیا ہے، وہ ۲۲۵۰ دفعات پر مشتمل ہے، لیکن اس قسم کے قوانین و نظام ہمیشہ تنزل پذیر قوموں میں قائم کیے جاتے ہیں، چنانچہ دفاسٹون بواسیہ لکھتا ہے کہ:-

رومن قوم کے نظام حکومت میں اس قدر پیچ و خم کبھی نہیں پیدا ہوا تھا جس قدر اُن کے آخر زمانہ میں پیدا ہوا، اس زمانہ میں کاغذی نظام اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ ایک سرکاری ملازم جب جاتا تھا تو بہت سے محرر اس کے ساتھ ہوتے تھے،

اس وسیع دفتری نظامِ حکومت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے تمام کام بہت دیر میں انجام پاتے ہیں، چنانچہ موسیو دبورڈو ایک چھوٹے سے شہر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:-

وہاں ایک نہر کا دہانہ ٹوٹ گیا اور اس میں اُن کے پاس کی ایک موری کی نجاست شامل ہو گئی، میونسپلٹی کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو بحث و مباحثہ کے بعد اُس نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی، اور بہت سے وزراء، ممبران ہاؤس آف لارڈز، ممبران پارلیمنٹ اور انجینئروں کی مداخلت کے بعد دو سال میں اس کی اصلاح و مرمت کی تجویز پاس ہوئی، لیکن اس مدت میں اس شہر کے باشندوں کے دل میں بذات خود اصلاح و مرمت کا خیال تک نہیں پیدا ہوا،

یہی وجہ ہے کہ جہاں اس قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم ہو جاتی ہے، وہاں اس زمانہ کے تمدنی سرو سامان کی بہت کمی نظر آتی ہے، مثلاً فرانس کے بڑے بڑے شہروں کی صرف چند سڑکوں پر برقی روشنی ہوتی ہے، اور ٹریموے صرف اُس کے چند بڑے بڑے شہروں میں چلتی ہے،

اس تاخیر اور کمی کے ساتھ ہر چیز کی قیمت بھی گران ہو جاتی ہے، چنانچہ فرانس میں گیس کی قیمت اور ملکوں سے زیادہ ہے، اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی اجرت وہاں لندن، برلن، بروسیلز، اسٹرڈم اور نیویارک سے

مین لٹائی جاتی ہے، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکومت کی بے پروائی اور عدم مداخلت کا نتیجہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تاخیر اور گرانی حکومت کی توجہ اور کثرت مداخلت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ (۱) اولاً تو میونسپلٹیون مین جو مرکزی حکومت کی قائم مقام ہوتی ہین ممبرون کی رایون مین سخت اختلاف و انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس تبدل و تغیر سے ان تمام چیزون کی کمپنیان بدلتی رہتی ہین، دوسرے وہ سرمایہ دارون سے بیدریغ روپیہ وصول کرتی ہین اس لیے تاوان کے خوف سے سرمایہ دار اس قسم کی کمپنیان نہین قائم کرتے، اور جو قائم کرتے ہین ان کو دیوالیہ ہونا پڑتا ہے، چنانچہ دو تین کمپنیون کے سوا فرانس مین ٹریموے کی تمام کمپنیان دیوالیہ ہوگئین،

(۲) ثانیاً حکومت جن چیزون کو خریدتی ہے ان کی قیمت ایک طویل مدت کے بعد ادا کرتی ہے، اور اس کے وسیع اور پیچیدار دفتری حکومت کا لازمی نتیجہ ہے، مثلاً ایک فوج کے کمانڈر نے ایک کارخانے مین جوتہ بنوایا جسکی قیمت سات فرانک اور اسی سینٹائم تھی، لیکن جب اسکو ادا کرنا چاہا تو وزارت جنگ کے تین خط وزارت مال کے ایک خط، اور دوسرے کمانڈرون اور دفترون کے افسرون کے پندرہ خط، ایک تجویز اور ایک یادداشت کے ذریعہ سے یہ رقم وصول ہوئی، اس بنا پر تاجر اس تاخیر کا معاوضہ اشیاء کی قیمت کی گرانی سے کرتے ہین، اور حکومت کو عموماً ہر چیز کی دوگنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، بلکہ ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ایک بار فوج کے لیے ۳۰ ہزار چمچے اور کانٹے خریدے تو ان مین ہر ایک کی قیمت پچاس سنٹیمات ادا کرنی پڑی، حالانکہ وہ عام طور پر دس سنٹیمات مین فروخت ہوتے تھے،

اس وسیع اور پیچیدار دفتری نظام سے جو مالی زیر باریان ہوتی ہین اس کی ایک نہایت واضح مثال یہ ہے کہ فرانس مین ایک اجنبی کمپنی نے دو عظیم الشان صنعتی مرکزون کے درمیان ایک ٹریموے لائن جاری کی جسکی سالانہ آمدنی ۰۰۰۰۰۱۱ فرانک ہوئی اور کمپنی کو ۷۴ فرانک دفتری نظام پر خرچ کرنا پڑا، لیکن مقامی حکومت کو ایک اجنبی شخص کی یہ کامیابی ناگوار ہوئی، اس لیے اس نے اس کی جگہ ایک فرنچ

انجینیر کو مقرر کر دیا، اور اُس فرنچ انجینیر نے سب سے پہلے نئے سرے سے دفتروں کی تنظیم و ترتیب کی، اور بہ کثرت ملازم مقرر کیے، جن کے نام اور عہدے الگ الگ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال سے کم میں مصارف بڑھ کر ۲۰ فیصدی ہوگئے، اب کمپنی کو اپنے دیوالیہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ انجینیر کا عہدہ اور اس کی تنخواہ تو قائم رکھی جائے، لیکن اس کے دفتری اقتدار کو اٹھا لیا جائے، حکومت نے اس درخواست کو قبول کر لیا، اور اب دوبارہ کمپنی کے مصارف اصلی حالت پر آگئے، لیکن اس لیٹش دفتری تجربے سے کمپنی کو تقریباً نصف ملین فرنک تاوان دینا پڑا،

اس کثرت مصارف کی بنا پر فرنچ نوآبادیوں کی حالت نہایت ابتر ہو رہی ہے، انگریز اپنی نوآبادیوں پر بہت کم روپیہ صرف کرتے ہیں، لیکن فرنچ نوآبادیوں پر سالانہ ۱۱ ملین صرف کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ہم کو ان سے تجارتی فائدہ دس ملین بھی نہیں حاصل ہوتا، بلکہ فرنچ نوآبادیوں پر جو رقم صرف ہوتی ہے، اس سے دوسری قوموں کی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ قومیں جس نرخ پر اپنے تجارتی سامان فروخت کرتی ہیں، ہم اُس نرخ پر فروخت کرنے سے عاجز ہیں، اس لیے ہماری نوآبادیوں کے باشندے دوسری قوموں سے کاروبار کرتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے دوسری قوموں سے جو تجارتی سامان خریدے ہیں، اس کا موازنہ اگر فرنچ تجارتی سامان سے کیا جائے تو ان کی قیمت ۶۰ ملین زیادہ ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ صرف وہ وسیع اور پیچیدار دفتری نظامِ حکومت ہے جس نے ہماری تجارت کو شکنجے میں جکڑ رکھا ہے، مثلاً ڈکوشتین (؟) میں جس کی مردم شماری ۱۰۰۰،۰۰۰،۳،۲ ہے ہم نے جس قدر ملازم رکھے ہیں اُن کی تعداد اُن ملازموں سے زیادہ ہے، جن کے ذریعہ سے انگریز ۳۰۰ ملین ہندوستانیوں پر حکومت کر رہے ہیں، سرکاری ملازمین کی اس کثرت اور دفتری نظام کی اس وسعت کو دیکھ کر ایک اخبار لکھتا ہے کہ:-

شاہان ماضی کے دورِ حکومت میں اُن کے ملکوں کے قیام کو ہمارے تاجر ہماری نوآبادیوں کے قیام پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اُن کو ان نوآبادیوں میں خطرناک دفتری پیچیدگی محسوس ہوتی ہے، ہم اپنے اوپر

حکومت کرنے کے اصول سے ناواقف ہوکر جن دفتری مظالم کے سامنے مجبوراً سرتسلیم خم کررہے

ہین اُن کے سامنے ظالم سے ظالم بادشاہ بھی ہیچ این،

اس بیتین دفتری نظام حکومت سے لازمی طور پر بجٹ مین غیرمعمولی اضافہ ہوجاتا ہے چنانچہ

۱۸۹۶ء مین ہمارا بجٹ ایک ملیار اور آٹھ سو ملین کا تھا لیکن اب ترقی کرکے چار ملیار ہوگیا، اور اگر اسمین

میونسپلٹیون کا بجٹ بھی شامل کرلیا جائے تو اس کی مجموعی تعداد پانچ ملیار ہوجاتی ہے لیکن اس قسم کے

بجٹ کی کمی صرف ٹکسون کے ذریعہ سے پوری کی جاسکتی ہے اس لیے حکومت کو ہر چیز پر غیرمعمولی ٹکس لگانا

پڑتا ہے اور جو چیزین معمولاً جس قدر زیادہ استعمال کی جاتی این اسی قدر اُن پر ٹکس کی شرح زیادہ ہوتی ہے،

مثلاً شراب پر جو ٹکس لگایا گیا ہے اس کی تعداد اس کی اصلی قیمت سے دس گنا زیادہ ہے، نمک، تنباکو اور

پٹرول کا بھی یہی حال ہے، ۱۸۹۵ء مین موٹر کمپنی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ حکومت یا میونسپلٹی کو ۱۰۵ فرنک منافع کے مقابل مین ۱۲۹ فرنک ٹکس ادا کرتی ہے اُسکو سو فرنک پر

دو سو فرنک ٹکس دینا پڑتا ہے اس بنا پر حکومت کا اقتدار جس قدر بڑھتا جاتا ہے اوسی قدر تمام پبلک اور

صنعتی کاروبار تباہ ہوتے جاتے این فرانس کی طرح دوسری لیٹن سلطنتون مین بھی جہان ایسی ہی وسیع الاقتدار

حکومت قائم ہے دفتری پیچیدگی کا یہی حال ہے، چنانچہ ایک اٹالین افسر نے اٹلی مین سوشیالسٹ حکومت اور

اس کے نقصانات کے متعلق جو یادداشت مرتب کی ہے اُس کے چند اقتباسات حسب ذیل این،

سرکاری افسر جو کمشنرون کے حاکم این صرف یہی نہین کہ ہم ان کو احکام کے ایجاد کرنے کا مجاز نہین

کرتے، بلکہ اُن کو بھی اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن کی تشریح کرین اور اُن کو عمل مین لائین حالانکہ

انتظامی حیثیت سے یہ نہایت ضروری ہے، اگر ہم اُن کے اُن فرائض و اختیارات کو جو قانون، سرکاری

فرامین اور وزراء کے حکم سے ان کو حاصل این مستثنیٰ کردین تو وہ ایک قدم بھی بغیر اس کے نہین

اُٹھا سکتے کہ ایک وزیر پہلے ان کو حکم دے پھر دوسرا وزیر اسکی تائید کرے اور کمشنر اور وکلاے مال

دفتروں اور یونیورسٹیوں کے افسر چھوٹی سی چھوٹی رقم بھی اس وقت تک صرف نہیں کرسکتے جب تک کسی وزیر کی اجازت نہ حاصل ہو جائے، میونسپلٹی یا کوئی خیراتی انسٹیٹیوشن اگر ایک میٹر رقبہ کی زمین خریدنا یا چند فرنک کی وصیت قبول کرنا چاہے تو اس کو میونسپلٹی کی کمیٹی یا اس خیراتی کام کے دفتر سے مشورہ لینا پڑیگا، اور یہ ضروری ہوگا کہ کمشنری کی انتظامی مجلس اس سے اتفاق کرے، بادشاہ کے سامنے اجازت حاصل کرنے کے لیے اس تجویز کو پیش کرے اور اسکو ایک یادداشت کے ساتھ وزارت کے دفتر میں بھیجے، اس کے ساتھ اسناد نتھی کرے، پھر وزیر اس کے متعلق مجلس شوری میں ایک یادداشت پیش کرے اور وہ مجلس اپنی راے اس کے متعلق ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنی دستخط سے ایک فرمان صادر کرے، اور مجلس حساب کے سامنے اسکی تصدیق ہو،

اس طرز حکومت نے اٹلی میں سرکاری ملازمین کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، اور اس کا بجٹ مصارف سے لبریز ہوگیا ہے، اس وقت ہندوستان کے جمہوریت پسند اصحاب جو ریفارم اسکیم کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں کیا ان تصریحات پر غور کرینگے؟ کیا وزراء اور ان کے اسٹاف کی تنخواہوں نے بجٹ میں کوئی غیر معمولی اضافہ نہیں کیا؟ اور کیا اس سے دفتری اقتدار میں پہلے سے زیادہ وسعت نہیں پیدا ہوگئی؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

المامون

علامہ شبلی رح

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے، قیمت عہ/ ۸ پیر

عربِ قدیم
پر
مستشرقین کی ایک نئی کتاب

از

جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج، جھنگ

زمانۂ حال کا پہلا ... سیاح جس نے عرب اور خصوصاً یمن کے آثار عتیقہ کا علمی لحاظ سے مطالعہ کیا، اور اپنے سفر کے حالات کو ایک لائقِ استناد کتاب میں جمع کیا، ڈنمارک کا ایک عالم نی بہر (WIEBUHR) نامی تھا، یہ ایک اتفاق حسنہ ہے کہ اس کے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد اسی کے ایک ہموطن یعنی ڈاکٹر نیلسن (کوپن ہیگن یونیورسٹی) نے عرب قدیم کی تاریخ، تمدن، مذہب، زبان، کتبات اور دیگر آثار کے متعلق ایک جامع و مانع تاریخ مرتب کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ان شعبوں میں زمانۂ حال میں اب تک جو تحقیقات ہو چکی ہیں، اُن کے نتائج کو ایک کتاب کی صورت میں یکجا پیش کیا جائے، یہ وہی ڈاکٹر نیلسن ہیں جو آج سے چند سال پہلے "عرب کے قدیم مذہب" کے متعلق ایک کتاب لکھ چکے ہیں، اور جن کی تحقیقات اور خیالات سے مشہور مستشرق لِٹمَن کو شدید اختلاف رہا ہے چنانچہ صاحب موخر الذکر اپنی تحریروں میں ایک سے زیادہ دفعہ لکھ چکے ہیں کہ میں ناظرین سے نیلسن کی کتاب (عرب کا قدیم مذہب) پڑھنے کی ہرگز سفارش نہیں کر سکتا، بہرحال اس اہم کام کی انجام دہی میں متعدد جرمن علمائے مستشرقین نے جو عرب قدیم کی اثریات کے ماہر خصوصی ہیں اُن کے ساتھ شرکت اور رفاقت کی ہے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں،

(۱) فرٹس ہومل جو منسن یونیورسٹی کے ایک پُرانے اور مسلم الثبوت استاد، اقوام و السنۂ سامیہ کے متعلق متعدد اور مستند کتابوں کے مصنف اور شاید ڈاکٹر نیلسن کے استاد ہیں (۲) رودوکناکس (ویین آسٹریا)

جو اس سے پیشتر یمن کی قدیم زبان اور وہان کے کتبون کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر چکے ہین اور کر رہے ہین (۳) گروہمن (۴) اور لتمان،

کتاب ہذا تین جلدون مین مکمل ہوگی، ان مین سے پہلی جلد جو عرب کے قدیم تمدن کے لیے وقف کی گئی ہے شائع ہو چکی ہے، اور عمدہ کاغذ پر نہایت نظرافروز شکل وصورت مین چھپی ہو اور ۹۰ تصاویر کے ساتھ مزین ہے، جو زیادہ تر قدیم محلات خرابات، کتبات اور دیگر آثار پر مشتمل ہین اس جلد کے کئی حصے یا ابواب ہین پہلے باب مین اس کتاب کے مرتب ومدون یعنی نیلسن کا ایک مبسوط مضمون بطور مقدمہ کے ہے جس مین اُنھون نے عربی اثریات کے متعلق زمانۂ حال کی تحقیقات اور انکشافات کی تاریخ بیان کی ہے، اور اُس کے مختلف شعبون مین نی بہر کے علمی سفر سے لیکر آج تک جو ترقی عہد بعہد ہوئی ہے اس کا ذکر کیا ہے، باقی ابواب یا حصص کی تفصیل حسب ذیل ہے،

ہومل :- جنوب عرب کی تاریخ کا مختصر خاکہ :-

رودوکناکس :- جنوب عرب کی قدیم ریاستون مین لوگون کی عام طرز معاش،

گروہمن :- جنوب عرب کے آثار عتیقہ،

نیلسن :- عرب کا قدیم مذہب،

ڈاکٹر ادوارد گلازر مشہور آثار کے ایک مشہور محقق گذرے ہین، اُنھون نے اپنے سفرون مین اندرون عرب سے بہت سے کتبے حاصل کیے تھے، جو اب وین (آسٹریا) کی "مجلس علمی" مین محفوظ ہین، ڈاکٹر صاحب مذکور اپنی حین حیات مین ان کتبات کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر گئے تھے، اب یہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ تمام قیمتی اور پُراز معلومات کتبات مع ترجمہ وتشریح کے زیر تبصرہ کتاب کی آئندہ جلدون مین شایع کیے جائین، مذکورۂ بالا مضامین کے علاوہ قدیم زبان کی صرف ونحو اور فہرست الفاظ درج کی جائیگی،

امید ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہو چکے گی تو اس کے واسطہ سے علما کے لیے قدیم عرب کے متعلق

ایسا مواد اور مسالہ مہیا ہوگا جس سے اب تک استفادہ نہیں ہوا تھا اور جنوبی عرب سبا معین اور ثمود وغیرہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات روز روشن میں آئیں گے

یہ کتاب اپنے مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے اس لایق ہے کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیا جائے، جسکے ذریعہ سے اردو دان اصحاب بھی مستشرقین کی محنت اور ان کی علمی تحقیقات سے مستفید ہو سکیں، اس بارہ میں میرا روے سخن ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی ایسے اصحاب سے ہے جو عربی زبان کے استاد فاضل ہونے کے ساتھ جرمن زبان میں بھی خوب مہارت رکھتے ہیں، انھوں نے لسانیات ایران کے متعدد حصص کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (دیکھو اورنٹیل کالج میگزین بابت فروری ۲۷ء) میری ناچیز راے میں کتاب ہذا اگر بدرجہ اولی نہیں تو کم ازکم بدرجہ مساوی اس بات کی ضرور مستحق ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے ترجمہ اور اشاعت کی طرف توجہ مبذول فرمائیں، بندہ بھی حسب استطاعت خود بعض حصص کا ترجمہ اپنے ذمہ لیکر اس مفید کام میں اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ وہ کسی شریک کار کی ضرورت محسوس کریں،

گل رعنا

از جناب مولانا حکیم عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جسمیں اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اُردو شعراء کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہیں، دار المصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا ہی، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلی ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت ؎عہ

منیجر

تلخیص تبصرہ

ریڈ انڈین کون ہین؟

مسٹرڈ یریل نامی ایک شخص نے ابھی حال مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کے ان اصلی باشندون کو "ریڈ انڈین" (سرخ ہندوستانی) کہنا کسی طرح مناسب نہین ہے، اس لیے کہ ان کا ایک بہت ہی مختصر حصہ اس رنگ کا ہے، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ ہر دو براعظمون مین جو مختلف قبائل آباد ہین اُن کے رنگ باہم مختلف ہین بعض ان مین سے تقریباً سیاہ ہین بعضون کا رنگ جنوبی یورپ کے باشندون سے قدرے زردی مائل ہے اور بعض شمالی قبائل کا رنگ سُرخ بھی ہے اور اسی سے غالباً متاثر ہوکر پہلے سیاحون نے اُن کا یہ نام رکھ دیا ہے لیکن اگر ان مین بعض قبائل رنگ کے اعتبار سے سُرخ بھی ہین پھر بھی ہندوستانی ان مین سے کوئی نہین ہے، لہذا تاوقتیکہ ان کا کوئی جدید نام نہین رکھا جائیگا یہ اسی قسم کے مختلف نامون سے (مثلاً ریڈ انڈین، ریڈ مین، اور ریڈ اسکن) پکارے جائینگے۔

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ باشندے دراصل کہان سے آئے؟ اور یہ اسقدر پیچیدہ سوال ہے کہ علم الانسان کے ماہرین آج تک اسمین پریشان ہین، جس نظریہ پر سب سے زیادہ اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایشیا سے شمال و مغربی گوشہ کے راستہ سے آئے اور رفتہ رفتہ مشرقی ساحل کی جانب وسطی اور جنوبی امریکہ کے پہاڑون اور میدانون مین پھیل گئے، یہان کے مختلف قبائل کے زبان و تمدن اور جسمانی ساخت وغیرہ مین جو شدید اختلافات ہین اور مایا اور ایزٹک جیسی قومون کی تہذیبین جو اسوقت موجود ہین اُن کے متعلق متعدد اور مختلف نظریے پیش کیے جا چکے ہین لیکن مسٹر ڈیریل کا نظریہ ان سب سے

بعد اگرچہ نہ جب یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ بعض شمالی قبائل منگولین نسل سے معلوم ہو رہے ہین اور اس بنا پر وہ شمالی
ایشیا کے راستہ سے ضرور آئے ہون گے، لیکن اگر ایک محدود رقبہ کے اندر دیکھا جائے تو تمام منگولین
اثرات ختم ہو جاتے ہین اور بعض اوقات امریکہ کے بعض قبائل تو شمالی ایشیا سے زیادہ ملایا اور پولینیشیا
سے ملتے جلتے معلوم ہوتے ہین، بعض ان مین سے نمایان طور پر سامی شکل وصورت کے نظر آتے ہین
اور اب تک ان مین سامی رسوم و رواج چلے آتے ہین، اس کے علاوہ ان مین جو مختلف زبانین رائج
ہین ان کو ان قبائل کی زبانون سے کوئی تعلق نہین جو ایشیا کے شمال و مغرب مین بستی ہین، بلکہ یہ اختلاف
زبان اختلاف [illegible] اور اختلاف رسوم اس بات کا صاف پتہ دیتا ہے کہ وہ کسی ایک نسل سے نہین
ہین، مسٹر [illegible] کو ان اختلافات کی تاویل کی بجز اس کے اور کوئی دلیل نہین ملی کہ وہ اولاً تو یہ کہین کہ
انسانی نسل کا شیوع بذات خود یہین ہوا اور ثانیاً یہ کہ بعد مین مختلف قومون اور نسلون کے باشندے
بھی مثلاً ایشیا کے مختلف حصون، فینیشیا، پالینیشیا اور یورپ سے آآ کر ملتے رہے، نیز یہ بھی امکان ہے کہ بحر
اطلانتک کے ساحلی ممالک اور بحر الکاہل کے اس براعظم سے بھی، جو کسی زمانہ مین اس کے وسط مین تھا،
کچھ لوگ آ کر آباد ہو گئے ہون، یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ نسل انسانی کا شیوع بذات خود اسی خطہ مین ہوا ہے
جسے آج ہم دنیائے جدید یا نئی دنیا کے نام سے موسوم کرتے ہین، بلکہ کثرت شواہد اور دلایل اس امر کی طرف
لیجاتے ہین کہ یہ نسل انسانی یہان یورپ سے کہین پیشتر وجود مین آ چکی ہے،

مسٹر وبرین کے اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض جو ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین مین اب تک
شیوع انسانی کے کوئی آثار نہین پائے گئے ہین، لیکن اس کے جواب مین وہ یہ کہتے ہین کہ اب تک
ان آثار کی تلاش ہی نہین ہوئی ہے اور کوئی وجہ نہین ہے کہ کل کو یا آئندہ سال تک "یہ آثار
نہ مل جائین"، لیکن اس جواب مین جو خامی ہے وہ یہ کہ امریکہ مین نہ صرف بوزنہ صورت انسان کا پتہ
نہین چلتا ہے بلکہ کسی ایسے وجود ہی کا خواہ زندہ ہو یا مردہ سرے سے پتہ نہین ہے جو انسان اور

بندر دونوں کے مشترک باپ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو دنیائے جدید اور دنیائے قدیم کے بندروں میں بہت بڑا فرق ہے، لیکن پھر بھی یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ تمام درمیانی کڑیاں غائب ہوگئی ہوں گی،

بہرحال اس کتاب کے سب سے دلچسپ ابواب وہ ہیں جن میں سٹر دیریل نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل کے عادات و اخلاق رسوم ورواج، اور مذہب کے حالات بیان کیے ہیں جو معلومات کے اعتبار سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں اُن کے عادات و اخلاق کے متعلق اب تک جو عام خیال چلا آتا تھا اس کی اُنھوں نے نہایت زوروں سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ گوری قوموں کا اثر ہے ورنہ یہ سُرخ ہندوستانی (ریڈانڈین) بالعموم نہایت سنجیدہ، بااخلاق اور دیانتدار ہوتے ہیں، یہ جانوروں پر بہت مہربان ہوتے ہیں اور پالتو جانور رکھنے کے بہت شایق ہوتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اکثر ایسے سُرخ ہندوستانیوں کو دیکھا ہے جنھوں نے صرف اس خیال سے اپنے خیموں کی جگہیں بدلی ہیں کہ کسی پرندے کو اپنا گھونسلا بنانے میں تکلیف نہ ہو، باوجود اس کے کہ ان گوری قوموں نے انھیں طرح طرح کے فریب اور دھوکے دیے ہیں، ان پر ہزار ہزار ظلم وستم کیے ہیں، انھیں مختلف ایذائیں پہنچائی ہیں، انھیں اپنا غلام بنا رکھا ہے (اور یہ سلوک اور برتاؤ ان کے ساتھ ابتدا سے چلا آتا ہے) پھر بھی ان کا ان اوصاف اور اخلاق کے ساتھ زندہ اور باقی رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ برٹش گائنا جو خراب حکومت کے لحاظ سے بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، صرف وہی ایک جگہ ایسی ہے جہاں ان سُرخ ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہے، ورنہ تمام امریکہ میں اُن کے ساتھ برا برتاؤ کیا جاتا ہے،

مصر کا ایک نیا دیوتا

مصر کو اپنے قدیم تہذیب و تمدن کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اور مصریوں کو اس پر اسی قدر ناز ہے کہ اب وہ اپنے وطن کو قدیم تہذیب و تمدن کا اصل گہوارہ قرار دینے کا بانگ دہل دعویٰ کر رہے ہیں، یہی

وجہ ہے کہ مصری اخبار و رسائل میں وہان کے قدیم تاریخ و تمدن پر ہمیشہ بحث و تحیص ہوتی رہتی ہے، اور وہ اپنی قدیم تاریخ کے چہرہ سے تاریکی کے بہت سے پردون کے چاک کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین،

لیکن افسوس ہے کہ مصر کی بارھوین سے سترھوین حکومت تک کا زمانہ ابتک تاریکی مین پڑا ہوا ہے، اور اہل علم مین اس دور کے متعلق بہت زیادہ اختلافات ہین، مگر مصر کی خوش قسمتی سے امریکہ کی ایک جماعت مصر کے قدیم تاریخ و تمدن کی جلوہ آرائی کی طرف مائل ہو گئی ہے، اور اس لیے وہ ان چند سال سے کھدائی کے ذریعہ اکتشافات کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہے،

ان چند سالون مین وہان کھدائی کا جو سلسلہ جاری رہا اس مین نمایان کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور وقتاً فوقتاً معارف کے اخبار علمیہ مین اُن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی سلسلہ مین جدید ترین اکتشافات جو ۱۹۲۲ء کے اواخر مین اتمام کو پہونچے ہین وہ ہیکل مدمود کے چند آثار ہین،

ان آثار مین سے شاہ سنوسرت سوم کا ایک مجسمہ ہے، جس کی کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مصر کی تیرھوین حکومت سے تعلق رکھتا ہے، جو ۲۲۲۶ ق م سے ۲۱۶۶ ق م تک وہان قائم رہی،

اور اسی مقام پر ایک دوسرا مجسمہ ملا ہے جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ سرزمین مصر پر اب تک جتنے آثار دستیاب ہوئے، ان مین اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہین ہے، کیونکہ یہ مجسمہ معبود منتو کا ہے جسکو علم الاصنام مین لڑائی کا دیوتا کہا جاتا ہے، اور اسی کے قریب اس کی رفیقہ راتوی کا مجسمہ بھی بنا ہوا ہے، علم الاصنام کے ان دونون دیوتا اور دیبی کے یہ مجسمے سب سے پہلی مرتبہ دستیاب ہوے ہین، اُن کے اکتشافات سے کم ازکم تاریخ کا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا کہ مصر مین وہان کی بارھوین حکومت سے رومانیون کے زمانہ یعنی تقریباً تین ہزار برس تک ان دونون کی پوجا کی گئی ہے، اس لیے مصر کے مشہور دیوتا (نع دسورج) سے ان دونون دیوتا اور دیبی کی پرستش کا زمانہ مصر مین زیادہ طویل ہے، اس نظریہ کی مزید تائید پتھر کی ایک لوح سے بھی ہوتی ہے جو اسی جگہ دستیاب ہوئی ہے، اس لوح مین حکومت رومانیہ کے ایک شاہی خانوادہ کی تصویر اس طرح منقوش ہے

کے والدین اپنے دو بچون کے ساتھ ہیکلِ محمود کی ایک عید کے موقع پر وہان زیارت کے لیے آئے ہین اور وہین ایک ضیافت مین مصروف ہین،

ہیکلِ محمود مین ان مجسمون کے علاوہ ایک خاص دیوار بھی کھڑی ہوئی ملی ہے جس پر بعض عبارتین کندہ ہین جس سے بعض اہم تاریخی عقدون کے حل ہونے کی امیدین وابستہ ہین، اُن کے علاوہ اس مقام پر بعض تاریخی شخصیتون کے چند اور مجسمے بھی پائے گئے ہین،

امید کی جاتی ہے کہ یہ اکتشافات مصر کی قدیم تاریخ و تمدن کے بعض اہم اسرار کی عقدہ کشائی کرینگے،

"ر"

عورتین بابل کے قانون مین

مسٹر جان اول ربک نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے کہ عورت نے قدیم بابلیون کے عہد سے موسوی شریعت تک اپنے حقوق و مرتبہ مین کیا ترقی کی، مصر کے ایک ممتاز اہل قلم استاذ سلیم عقاد نے عربی مین "مرکز المرأۃ فی قانون حمورابی وفی القانون الموسوی" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے، جو چند دن ہوے کہ ہمارے کتبخانہ مین موصول ہوئی ہے، مناسب ہے کہ مختصر طور پر اُس کے مباحث کا خلاصہ ناظرینِ معارف کے سامنے پیش کر دیا جائے،

کتاب تین فصلون پر مشتمل ہے، پہلی فصل مین کلدانی حکومت کو دو دور قدیم بابلی، اور حمورابی حکومت مین تقسیم کرکے دو بابون مین جگہ دی گئی ہے، چنانچہ پہلے دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہدِ حکومت مین جو تقریبا ۵۰۰۰ برس کا زمانہ ہے، عورتین مردون سے روپوش رہتی تھین، باپ کو حق حاصل تھا کہ اپنی لڑکیون کو ضرورت کے وقت چند روپیون مین فروخت کردے، اور یہ خرید و فروخت برابر جاری رہتی تھی، مرد اپنی بیوی کو صرف یہ کہکر طلاق دیسکتا تھا کہ "تو میری بیوی نہین" اور اس پر نہ کوئی ملامت کی جاتی اور نہ اس عہد کی سوسائٹی مین یہ فعل مذموم خیال کیا جاتا، لیکن اگر عورت کی زبان سے یہ جملہ نکلتا کہ "تو میرا شوہر نہین" تو وہ نہ صرف سوسائٹی مین

ملعون ہوتی بلکہ قانون کے حکم سے غرقاب کردی جاتی، اور اسی طرح اسی عہد میں یہ انسانیت سوز طریقہ بھی جاری تھا جیسا کہ مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ہر عورت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ ہیکل زہرہ میں جاتی اور کسی شخص سے . . . . . زنا اس کے ساتھ وہ اسوقت تک ہیکل سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی جب تک کہ وہ اس کا معاوضہ بھی کسی معمولی رقم کی صورت میں قبول نہ کر لیتی کہ یہ ایک دینی و مذہبی کام تھا اور وہ رقم نہایت متبرک و مقدس تصور کی جاتی تھی چنانچہ وہ شخص اپنی طرف سے وہ رقم یہ الفاظ کہتے ہوئے عورت کے سپرد کرتا کہ "دیوی زہرہ سے دعا کر کہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے"

اس کے بعد دوسرے باب میں بتایا گیا ہے کہ پھر بابل میں حکومت حمورابی کا دور ۲۱۲۳ ق م سے شروع ہوتا ہے جو تقریباً تمام پچھلی شریعتوں اور قانونوں کو منسوخ کر دیتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ۱۹۰۲ء میں موسیو مورگن کی سرکردگی میں جو وفد بلاد فارس گیا تھا اس نے خطہ سماری میں ایک حجری ستون کا انکشاف کر کے اس عہد کے تمام قوانین اہل علم کے سامنے پیش کر دیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے دور انسانیت کا جہاں تک اقتضا رہا، عورتوں کے حقوق و مرتبہ میں نمایاں ترقی ہوئی، مثلاً جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ قدیم بابلیوں کے عہد میں عورتوں کو طلاق لینے (خلع کرانے) کا مطلق حق حاصل نہ تھا، اور اگر ایسا کرتیں تو عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں مگر حمورابی قانون نے عورتوں کو اجازت دی کہ اگر ان کے پاس معقول وجوہ موجود ہوں تو شوہر سے طلاق لے سکتی ہیں اور اب یہ فعل نہ قانونی جرم باقی رہا، اور نہ سوسائٹی میں غیر مستحسن سمجھا جانے لگا مگر پھر بھی اس دور کے قانون میں بعض نقائص موجود رہ گئے تھے، مثلاً جن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائی جاتی، وہ دریا میں ڈال دی جاتیں اگر وہ پانی کی سطح پر آجاتیں تو وہ پاکباز ٹھہرتیں اور اگر غرقاب ہو جاتیں تو مجرم تصور کی جاتیں،

لیکن مولف نے یہ الزامی جواب دیکر قانون حمورابی کی طرف سے مدافعت کی ہے کہ اس عہد سے زیادہ متمدن عہد یعنی قرون وسطیٰ میں بھی گرجا کا یہی قانون نافذ تھا اور اسکو خداوندی حکم (Jugement de Dieu ou Ordalie) سے تعبیر کیا جاتا تھا،

پھر کنعانیوں کے بعد بنی اسرائیل کا دور آیا اور یہین سے کتاب کی دوسری فصل شروع ہوتی ہے، اس عہد کو بھی مولف نے دو دورمین تقسیم کیا ہے ایک حضرت موسیٰ سے پہلے بنی اسرائیل کا دور اول ہے اور دوسرا دور حضرت موسیٰ سے شروع ہوتا ہے اس موقع پر مولف نے مختلف مثالون سے دکھایا ہے کہ عورتون کے حقوق اور مرتبے کسی قدر جزدی اختلاف کے ساتھ بنی اسرائیل کے اس پہلے دورمین بھی حمورابی دور کے مماثل رہے البتہ بعض قوانین مین ترمیم و اصلاح ہوئی مثلاً اب متہمہ عورتون کو دریا مین ڈالنے کے بجائے ایک قسم کا متبرک تلخ پانی پلایا جاتا جسمین جوتون کی روندی ہوئی مٹی بھی ملائی جاتی، اگر وہ پانی اس عورت کو نقصان پہونچاتا تو وہ مجرم سمجھی جاتی ورنہ الزام سے بری کردیجاتی

اس کے بعد موسوی عہد مین عورتون کے حقوق و مراتب بتائے گئے ہین اور مولف نے مختلف دلائل و براہین اور یورپ کے ممتاز اہل علم کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہی وہ شریعت ہے جس نے عورتون کو انکے شایانِ شان حقوق و مراتب عطا کیے، اور جس کے قوانین انسانیت، شرافت، اور موجودہ تمدن کے صحیح معیار پر پورے اترتے ہین، البتہ متہمہ عورتون کو اس دور مین بھی پانی پلانے کا وہی طریقہ جاری رہا، اور اسی سلسلہ مین عورتون کے متعلق موسوی شرائع کا دنیا کے مختلف شرائع و قوانین سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، اور درحقیقت مولف کی سعی و محنت اور وسعتِ علم کا اسی موازنہ و تقابل سے پتہ چلتا ہے، اس موازنہ و تقابل مین موسوی شریعت کو فرانس کے نئے قوانین پر بھی ترجیح دی گئی ہے

سب سے آخری فصل مین قانون حمورابی اور موسوی کا تفصیلی موازنہ ہے جسمین جرمنی کے ایک ممتاز اہل قلم فریڈرک ڈلیٹش کے اس نظریہ کا تار و پود بکھیرا گیا ہے کہ قانون حمورابی کو شریعت موسوی پر تفوق حاصل ہے، مولف نے مثال کے طور پر دکھایا ہے کہ حمورابی قانون مین عورتون کو اپنی ملک مین تصرف کا کوئی اختیار نہین دیا گیا ہے، اور فرانسیسی قانون مین اس کا یہ حق اور زیادہ سلب کرلیا گیا ہے، کہ وہ اپنی مملوکہ اشیا کو نہ فروخت کرسکتی ہے، نہ رہن کرسکتی ہے، اور نہ اس کو شوہر کی مرضی کے خلاف کسی قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، برخلاف اس کے موسوی شریعت مین عورتون کو اس معاملہ مین ان شرائع سے بہت کچھ زیادہ حقوق حاصل ہین، افسوس ہے کہ مولف نے اپنے اس موازنہ و تقابل مین اسلامی شریعت کو پیش نظر نہین رکھا، ورنہ اسکے سامنے عورتون کے حقوق کا ایک اور عالم ہوتا،

"ر ـم"

اُخبارِ عِلمیہ

طبقات الارض کی کانفرنس، گذشتہ مہینہ مین واشنگٹن مین علم طبقات الارض کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کے اجلاس متواتر بیس دن تک ہوتے رہے، اس کانفرنس مین مختلف ممالک کے نمایندے شامل ہوئے تھے، چنانچہ حکومتِ مصر کی طرف سے استاذ محمود بک ایاظہ جو مصر کے باغات کے ناظم اعلیٰ ہین بھیجے گئے تھے تاکہ وہ کانفرنس کے سامنے باغات کے متعلق اپنے تجربات پیش کرین، کانفرنس طبقات الارض کے مختلف اہم مباحث پر بحث کرتی رہی، حکومت ولایات متحدہ امریکہ نے ارکینِ موتمر کی خاص پذیرائی کی، چنانچہ ایک مخصوص ٹرین اُن کے لیے متعین کر دی گئی تھی کہ وہ اسپر پورے ملک کا دورہ کر سکین،

ترکون کی عظیم الشان قومی تاریخ کی تدوین، علم تاریخ وجغرافیہ کو قومون کے عروج وزوال کے اسباب مین خاص امتیاز حاصل ہے، اس لیے حکومتِ ترکی نے ان علوم کی طرف خاص اعتنا کیا ہی، چنانچہ ان دونون علوم کی تدوین کے لیے علحدہ علحدہ دو مجلسین قائم کی گئی ہین جن کے ارکان ایسے ترک اہل علم منتخب ہوے ہین جو ترکی قومیت کے سب سے قوی العقیدہ پیرو ہین، یہ لوگ دس پندرہ سال مین قوم ترک اور بلاد ترکیہ کی مستند مکمل اور ضخیم تاریخ وجغرافیہ مرتب کرینگے، جن کے ماخذ جہانتک ممکن ہو مستند سے مستند ہون گے، ان ماہرین کو اسکی بھی اجازت دیگئی ہی کہ وہ اپنی خدمات مین غیر ملکون کے دیگر مستند مورخین اور جغرافیہ دانون سے اشتراک عمل کرین،

طہران مین عربی تعلیم، مصر کی حکومت کے سامنے قونصل مصر متعینہ ایران نے ایران کے پایہ تخت طہران مین ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی تحریک پیش کی تھی جسپر سردست حکومت مصر نے دو لائق اساتذہ کو ایران بھیجا ہے،

جو وہان کے مدارس مین عربی زبان کی تعلیم دینگے،

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی سیرت پر محدثین نے متعدد کتابین لکھی تھین جن مین سے ایک یعنی امام ابن جوزی کی سیرت چھپ چکی ہے لیکن ابھی حال مین ان کی سب سے قدیم سیرت ایک مصری عالم نے نہایت اہتمام اور تصحیح کے ساتھ شائع کی ہے اس کے مصنف ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکیم ہین جن کا زمانہ ۱۵۵ھ تا ۲۱۴ھ ہے، یہ امام شافعی کے معاصر اور امام مالک کے شاگرد ہین حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی ہے اس لیے یہ گویا ان کی وفات کے سب سے قریب عہد مین لکھی گئی ہے اور ان کے واسطے لکھی گئی ہے، جنھون نے صرف ایک دو واسطون سے اُن کے حالات سے واقفیت بہم پہونچائی تھی،

ٹیگور کی درسگاہ اور شاہان اسلام، گذشتہ سال ٹیگور مصر گئے تھے اہل مصر نے ان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا تھا، اور وہان کے شعراء نے اپنے عربی قصائد اُن کے سامنے پیش کیے اور عربی شاعری کے محاسن اور امتیازات اُن کو بتلائے اس وقت اُنھون نے اس زبان سے ناواقفیت کا عذر کیا لیکن وعدہ کیا کہ وہ ادھر توجہ کرین گے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹیگور کو عربی ادبیات کا بھی احساس ہوا اور اپنی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیے عربی کی کتابین جمع کرنے کا خیال ہوا شاہِ مصر نے ان کے اس خیال کی پوری قدردانی کی اور عربی ادبیات کی مصری مطبوعات اُن کی درسگاہ کے کتبخانہ کیلیے ہدیۃً بھیجی ہین، اور اعلیٰ حضرت نظامِ دکن نے ایک لاکھ روپے کی شاہانہ امداد اس غرض سے ان کو عنایت کی ہے کہ اس سے وہ اپنی درسگاہ مین اسلامی ادبیات کی ایک کرسی قائم کرین،

اڈیٹر المقتطف کی وفات، علمی حلقہ مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ مصر کے مشہور علمی صنعتی زراعتی اور فلسفیانہ رسالہ المقتطف کے دوسرے اڈیٹر ڈاکٹر یعقوب صروف نے بھی ۹ جولائی ۱۹۲۷ء

کو وفات پائی، یہ وہ شامی اہل قلم ہیں جس نے عربی ممالک میں سب سے پہلے سائنس، طبعیات، فلسفہ اور اختراعات جدیدہ کے معلومات بہم پہونچائے اور پورے پچاس برس اس نے اس اہم خدمت کو انجام دیا، ۱۸۷۶ء میں اس نے اس رسالہ کو جاری کیا تھا، اور اب تک اسی طرح پوری شان کے ساتھ جاری رہا، اس کی پیدائش ۱۸۵۲ء میں ہوئی تھی، بیروت امریکن کالج میں تعلیم پائی تھی، اور پھر وہیں ریاضیات کا پروفیسر مقرر ہو گیا تھا، وہیں اس نے رسالہ کی اشاعت کا اس کو اور اس کے رفیق فارس نمر کو جو پہلے وفات پاچکا ہے، خیال آیا تھا، ترکی حکومت نے اپنی اجازت سے ان کی ہمت افزائی کی، آخر یہ مصر میں آکر تکمیل کو پہنچا، یعقوب صروف کے بعد فواد صروف نے اس رسالہ کی زمام ادارت اپنے ہاتھ میں لی ہے،

عراق کی علمی مجلس ناکام رہی، شام کی علمی مجلس کے طرز پر عراق میں جس علمی مجلس یا ایکاڈیمی کے قائم کرنے کا خیال وہاں اہل علم واہل قلم اصحاب کو پیدا ہوا تھا، اور جس کے لیے وہاں کے وزیر تعلیم نے دس ہزار روپے منظور کیے تھے، افسوس ہو کہ وزارت تعلیم یہ حقیر رقم بھی نہ دے سکی، اور خواہش کی کہ لوگ بلا اجرت اعزازی طور سے اس کے خدمات انجام دیں، مگر یہ مفت کا سودا چک نہ سکا، اور تجویز ناکام رہی، یہی فرانسیسی اور انگریزی طرز حکومت کا نمایاں فرق ہے، شام کی فرانسیسی حکمداری میں ہر طرح کی سیاسی و انتظامی بے اطمینانی ہے مگر علم و فن کی ترقی کا کام جاری ہے، عراق کی انگریزی حکمداری میں ہر طرح کا سیاسی و انتظامی امن وامان ہے کہ تجارتی کاروبار اور تیل کی برآمد میں فرق نہ آنے پائے مگر علم و فن کا بازار سرد ہے،

پنجاب میں تعلیمی ترقی، جون کے آخری ہفتہ میں پارلیمنٹ میں کہا گیا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں سے اس وقت پنجاب کی تعلیمی رفتار ترقی سب سے تیز ہے، پچھلے چار برسوں کے اندر وہاں طلبہ کی تعداد

دونی ہوگئی ہے، پہلے وہان ۷ ، ۸ فیصدی تعلیم تھی اب بڑھکر ۱۴ تک پہونچ گئی ہے، وہان لازمی تعلیم بھی تیزی سے ترقی کررہی ہے، اس وقت اس کے دیہاتی رقبہ کے ۸۰ میل مین لازمی تعلیم جاری ہوچکی ہے مگر جب یہ حساب لگایا جائیگا کہ ابھی کام کرنے کے لیے کیا باقی ہے تو افسوس ہوگا کہ تعداد کے لحاظ سے ابھی ۹۶ فیصدی، اور رقبہ کے لحاظ سے ہزارون میل سے زیادہ کا کام باقی ہے، پنجاب کی اس تیز رفتاری کے معیار سے دوسرے صوبون کی سست رفتاری کا اندازہ لگائیے،

ولایات متحدہ امریکہ کی مخلوط آبادی ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری کے آخری اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ وہان کی ۱۰۵ ملین آبادی مین سے ۴۷،۶۸۰ ، ۷ انگلستان اور شمالی آئرلینڈ کے مہاجرین کی نسل مین سے ہین، ۵۰۶۲۳۶۸۰ جنوبی آئرلینڈ کے، ۱۳۳۲۲۶۱ اسٹریلیا کے، ۹۷۱۴ نیوزیلینڈ کے، ۱۲۱۷۳۳۷۴ جرمنی کے، ۱۰۸۲۳۹۹ فرانس کے، ۱۳۱۶۰۹۳ کے ۳۴۲۴۳۰ اٹلی کے، ۱۶۷۸۴۶۳ پولینڈ کے، ۱۲۶۰۶۹۵ ناروے کے ۲۲۳۴۶۶۹ روس کے اور ۱۸۶۷۵۳۲۲ سویڈن کے مہاجرین کی نسل سے ہین،

برطانیہ کی مجلس طبی کا اجلاس انگلستان کی مشہور وقیع مجلس طبی کا سالانہ اجلاس ۱۵ جولائی سے ۲۳ جولائی تک اڈنبرا مین منعقد ہوا، اجلاس مین ملک کے مشہور اطبا نے مختلف مباحث طبیہ پر نہایت وقیع مضامین پڑھے، جن مین سے پروفیسر مکلین کا مضمون "انسولین اور اس کا ذیابیطس مین عمل" یا پروفیسر جان ٹائٹ کا مضمون "طحال کی ترکیب اور اسکے وظائف" اور ڈاکٹر آبرین اور پروفیسر فریزر وغیرہ کے متعلق مباحث پر مضامین خاص اہمیت رکھتے ہین،

" ر "

باب التقریظ والانتقاد

شعر و شاعری عرفی

حیدرآباد دکن میں جامعۂ معارف کے نام سے فارسی کی جو علمی انجمن قائم ہوئی ہے اُس کے مقاصد کا بیان اس سے پہلے معارف میں آچکا ہے، اس انجمن کا سب سے پہلا کارنامہ شعر و شاعری عرفی ہے، فارسی زبان میں عرفی کی شاعری پر ایک مفصل تبصرہ ہے، جو آقا سید محمد علی استاذ فارسی نظام کالج کے فضل و کمال کا ممنون ہے،

آج کل ایرانیوں نے ہندوستان کے فارسی شعراء و ادباء کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، لیکن یہ انجمن اب اس تعصب اور بیگانگی کو دور کرکے ہندوستان کے فارسی شعراء و ادباء کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکالکر دنیا سے روشناس کرنا چاہتی ہے،

اس سلسلہ میں جامعۂ معارف میں آقا سید محمد علی نے سب سے پہلے عرفی کو لیا ہے اور اس کے حالات اور شعر و شاعری پر نہایت مفصل خطبہ دیا ہے جو ۴۰ صفحوں میں بعنوانِ بالا چھپا ہے، عرفی اگرچہ درحقیقت ایک ایرانی شاعر تھا، جو شیراز میں پیدا ہوا تھا، لیکن اس کے فضل و کمال نے ہندوستان میں نشو و نما پائی تھی، اور استاذ مرحوم نے شعر العجم کی چوتھی جلد میں ہندوستان کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ بتائی ہے کہ،

جو چیز یہاں باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اس میں ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہے کہ خود اس کے وطن میں نہ تھی،

اور اس کو متعدد مثالوں سے ثابت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

بعینہ یہی فرق شاعری مین بھی ہے، ایران کے اُن شعراء کو جو ایران سے ہندوستان مین آ گئے اور یہان کی آب و ہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، ان کا کلام اُن شعرائے ایران سے جو ایران ہی مین رہے، دونون کے کلام مین صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی، نظیری، طالب آملی، کلیم، قدسی، غزالی کے کلام مین جو لطافت، نزاکت، ادا، باریک خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی مین کہان پائی جا سکتی ہے،

آقا سید محمد علی بھی اپنی تقریر مین ہندوستان کی اس خصوصیت کو تسلیم کرتے ہین چنانچہ فرماتے ہین،

اگر عرفی در شیراز می ماند در ہند نمے آمد مثل شعرائے معاصر ایرانی خود شفائی و عزتی و عارف و کچیی و امثال ایشان گمنام یا کم نام میمرد و امروز ما عرفی امروزہ را نداشتیم، پس عرفی ہر در رہ ہند است و ہندوستان بوجود عرفی افتخار می نماید شیراز را اید احق بالیدن بہ وجود عرفی ندارد، آقائے شیراز خواہش داریم عرفی را بہ ہند واگذارید برائے افتخار شما سعدی و حافظ و قاآنی بس بست،

اس کے بعد انھون نے عرفی کے حالات بیان کیے ہین جن کے دو ماخذ یعنی مآثر رحیمی اور تذکرۂ عرفات مین یعنی مشاہدات مذکور ہین، استاد مرحوم نے بھی شعر العجم مین انھین دونون کو عرفی کے حالات کا مستند ترین ماخذ قرار دیا ہے، لیکن ان کا بہترین ماخذ ایک اور تھا یعنی خانخانان کے حکم سے محمد قاسم سراج جس نے عرفی کے دیوان کی جو ترتیب دی تھی اس پر عبد الباقی نے ایک دیباچہ لکھا تھا جس مین عرفی کے حالات اور واقعات درج کیے تھے، چنانچہ مآثر رحیمی مین اس کا ذکر آیا ہے اور اس تقریب سے مولانائے مرحوم بھی اس ماخذ سے واقف تھے لیکن ان کو یہ افسوس تھا کہ،

یہ نسخہ آج بالکل نایاب ہے ورنہ غالباً بہت سی دلچسپ باتین معلوم ہوتین،

لیکن آقا سید محمد علی کو خوش قسمتی سے یہ ماخذ بھی ہاتھ آیا ہے، لیکن مولانائے مرحوم نے اس ماخذ سے جن دلچسپ باتون کے معلوم ہونے کی توقع کی تھی، وہ پوری نہین ہوئی، اور انھون نے جو حالات بیان کیے ہین اُن سے اُن حالات پر مطلقاً کوئی اضافہ نہین ہوتا، جو شعر العجم مین مذکور ہین، آقا محمد علی نے دیوان عرفی کے متعلق

اپنی جو تحقیقات بیان کی ہے وہ تلخیص کے لایق ہے کہ اس سے بہت سے دلچسپ حقایق کی پردہ دری ہوتی ہے وہ کہتے ہین:۔ "محمد قاسم سراج نے خانخانان کے حکم سے عرفی کا جو دیوان مرتب کیا تھا اس مین قصیدہ غزل مثنوی اور قطعہ رباعی کے ہزار چودہ شعر تھے اس وقت جو کلیات تمام طور پر مرتب اول ہی لیکن اس مین اشعار کی تعداد چودہ ہزار سے کم ہے یعنی غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار قصائد کے تقریباً تین ہزار مثنوی مجمع الابکار کے تقریباً ایک ہزار چار سو مثنوی فرہاد و شیرین کے تقریباً پانچسو رباعیون کے تقریباً چار سو پچاس اور مقطعات کے تقریباً پانچسو ہین جن کی مجموعی تعداد تقریباً نو ہزار ہوتی ہے بقیہ اشعار کا حال معلوم نہین کیا ہوئے لیکن غزل کے ان چار ہزار اشعار مین ممکن ہے کہ ایک ہزار شعر عرفی کے ہون بقیہ اشعار ایسے شعرا کے ہین جو استاد نہین معلوم ہوتے بلکہ بالکل ہندی نظر آتے ہین عرفی قصیدے کا بہت بڑا استاد تھا جو انوری اور خاقانی کی ہمسری کا دعوی کرسکتا تھا لیکن اگر اس کی غزلون پر نظر ڈالی جائے تو وہ کسی غزل گو کے دوش بدوش نہین نظر آ ہو سکتا مین ایران مین تھا کہ عرفی کا کلیات جو ہندوستان مین چھاپا گیا تھا وہان آیا مین نے اس کے قصائد پڑھے تو تسلیم کیا کہ وہ ایک بہترین استاد ہے لیکن اس کی غزلون کے پڑھنے سے مجھ کو مایوسی ہوئی اور مایوسی کے ساتھ تعجب ہوا کہ جو شاعر قصیدہ مین اس قدر مضمون آفرین اور بلیغ ہو وہ غزل مین کیون مبتدی اور مہمل گو نظر آتا ہے اگرچہ اس کی غزلون مین چند عمدہ غزلین بھی نظر آئین تاہم میرا تعجب یون قائم رہا لیکن جب ہندوستان مین آیا تو یہان کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ یہان کے چھاپے خانے بہت سے اشعار کو چھاپ کر ایک شاعر کی طرف منسوب کر دیتے ہین اور ان کو لوگ وحی کی طرح قبول کر لیتے ہین حالانکہ وہ اشعار کسی طرح اس شاعر کی طرف منسوب نہین کیے جا سکتے، مثلاً حافظ کا جو دیوان ۱۸۲۵ء مین بمبئی مین چھپا ہے اس کی ایک غزل مین ایک شعر یہ ہے

از رنگ برگ پان و سپاری و چونہ شد　　　دندان آن نگار سفید و سیاہ و سرخ

حالانکہ خواجہ حافظ پان سپاری سے واقف نہ تھے

اسی طرح ہندوستان مین جو غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے چھپی ہین وہ کسی ہندی شاعر کی ہین اور اس

مجموعہ میں ایک غزل بھی ایسی نہیں ہے جو ظہیر کی طرف منسوب کی جا سکے، یہ ظہیر اپنے اس دیوان میں ایک جگہ کہتا ہے کہ میں صائب کے انداز میں شعر کہتا ہوں، حالانکہ ظہیر صائب سے چھ صدی پہلے گذرا ہے،

آقائے ممدوح کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پہلے یہ طریقہ تھا جو اب بھی موجود ہے کہ یہاں کے شعرا اساتذۂ قدیم کا تخلص اختیار کرتے تھے، چنانچہ سعدی ہندی کا نام ہم سب کو معلوم ہے اور ظہیر ہندی کی غزلیں ظہیر فاریابی کے نام سے مطبع نولکشور لکھنؤ نے شائع کی ہیں، دکن میں اب بھی ایک شاعر ہے جس کا تخلص نظامی ہے اس بنا پر میں نے یہ رائے قائم کی تھی موجودہ مطبوعہ نسخہ میں جو غزلیں عرفی کے نام سے شائع ہوئی ہیں وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی ہیں جس نے اپنا تخلص عرفی کیا تھا، البتہ اس میں چند غزلیں عرفی کی بھی شامل ہو گئی ہیں اور مطبع نولکشور اس خلط مبحث کا ذمہ دار ہے، لیکن جب میں نے قلمی نسخے دیکھے، یہاں تک کہ وہ قلمی نسخہ بھی میری نظر سے گذرا جو عرفی کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ قلمی نسخے بھی مطبوعہ نسخے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، اب میں نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جو مصیبت بیچارے خواجہ حافظ پر آئی تھی وہی غریب عرفی پر بھی آئی ہے، یعنی خواجہ حافظ کا دیوان خود اُن کے زمانے میں مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ اُن کے بعد اُن کے دولت مند شاگرد محمد گل اندام نے اُس کو مرتب کیا اور جس شخص کے یہاں خواجہ کے اشعار ملے اُس سے اُن کو حاصل کیا، یہاں تک کہ اخیر میں ایک غزل کی قیمت ایک اشرفی مقرر کی تاکہ اس لالچ سے جس شخص کے پاس حافظ کی غزلیں ہوں وہ اس کے حوالے کر دے، چنانچہ اشرفی کے لالچ سے بہت سے لوگ حافظ کے نام سے خود غزلیں لکھ کر یا دوسروں سے لکھوا کر لائے اور اس زرین صلہ کو حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ کے دیوان میں اس قسم کی غزلیں شامل ہو گئیں،

بنویس دلا بیار کاغذ   از عاشق بیقرار کاغذ

اسی طرح خود عرفی کا دیوان بھی اس کی زندگی میں مرتب نہیں ہوا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی ترتیب خانخانان کے حکم سے دی گئی، اس بنا پر اس میں دوسروں کی بہت زیادہ غزلیں بھی شامل ہو گئیں، مآثر رحیمی اور

کلیات عرفی کے دیباچہ کے مطابق عرفی نے پہلے ایک دیوان خود مرتب کیا تھا جسمین ۶ ہزار شعر تھے لیکن دوسرون کی نقل لینے سے پہلے ہی وہ ضائع ہوگیا چنانچہ اس نے خود ایک غزل مین جس کا ایک شعر یہ ہے

رصد شرع سر دیوان نشود محو کہ من ششش ہزار آیت احکام بہ زباختہ ام

اس پر افسوس کیا ہے، اس کے بعد اس نے ۹۹۶ھ مین آٹھ ہزار شعر کا ایک دوسرا دیوان مرتب کیا اور اسکے مرتب کرنے کے تین ... بعد وفات پائی اور اپنے مرض الموت مین اس دیوان کا مسودہ خانخانان کے پاس بھیجدیا کہ اس کی توجہ سے صاف ہوکے شائع ہو جائے، لیکن یہ مسودہ ۱۰۲۱ھ یعنی ۲۵ برس تک خانخانان کے کتب خانہ مین یونہین پڑا رہا، اس کے بعد محمد قاسم سراج کے سپرد کیا گیا کہ وہ اس کو مرتب و شائع کرے، اس کے ساتھ یہ تاکید بھی کی گئی کہ جس شخص کے پاس عرفی کے اور اشعار ہین ان کو بھی اس دیوان مین شامل کیا جائے، سراج نے اس دیباچہ سے کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار پہلے ضائع ہو چکے ہین، اس لیے اس کے تمام اشعار کی مجموعی تعداد چودہ ہزار رہے، اس کے دیوان کو چودہ ہزار شعر تک پہونچایا، اس اضافہ کے متعلق استاذ مرحوم شعر العجم مین لکھتے ہین کہ

> "صمصام الدولہ شاہنواز خان نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان مین داخل کر دیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے، وہ ناقص رہے، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، مرزا صائب نے اپنی بیاض مین عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہین جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے،"

لیکن اس عبارت سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام کب ہاتھ آیا؟ اور کس کے ہاتھ آیا؟ اگر وہ خود محمد قاسم سراج کو ملا تو اس کے متعلق آقا سید محمد علی فرماتے ہین کہ مجھ کو سراج کے ادبی پایہ اور شاعرانہ مذاق کا حال معلوم نہین ہے، ممکن ہے کہ وہ حاطب اللیل ہو اور عرفی کے نام سے رطب و یابس جو کچھ ملا ہو سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہو، خود خانخانان کو امور سلطنت اور کثرت مشاغل سے اول سے آخر تک سراج کے ترتیب دادہ

دیوان کے مطالعہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو' اور سراج نے عرفی کے نام سے چھ ہزار خارجی شعر کو شامل دیوان کرکے خانخانان سے عظیم الشان صلہ حاصل کرلیا ہو' لیکن اگر سراج کے علاوہ کسی اور نے یہ کمی پوری کی تو حقیقت اور بھی مشتبہ ہو جاتی ہے' بہرحال دیباچہ کلیات عرفی' مآثر رحیمی اور خود عرفی کے مادہ تاریخ کے مطابق عرفی نے جو دیوان خود مرتب کیا تھا' اس مین ۲۷۰ غزلین اور ۲۶ قصیدے تھے' لیکن اب مطبوعہ نسخے مین ۵۶۴ غزلین اور ۶۵ قصائد ہین' جن مین آقا سید محمد علی کے نزدیک تقریباً ۳ سو غزلین عرفی کی نہین ہین' اور ان کو عرفی کے اصل کلام سے الگ کیا جا سکتا ہے' البتہ قصائد سب کے سب عرفی کے ہین' کیونکہ سب کا انداز ایک ہی ہے' اور سب مین شاعرانہ احساسات موجود ہین' معلوم ہوتا ہے کہ سراج نے عرفی کے اور ممدوحین کے یہان سے لیکر بقیہ قصائد کو جمع کیا تھا'

شاید یہ کہا جائے کہ ایک قصیدہ گو شاعر قصیدہ کے مثل غـزل نہین کہہ سکتا' اسی طرح غزل گو شاعر غزل کے درجہ کے قصیدے نہین کہہ سکتے' مثلاً خاقانی اور انوری کی غزلون کا درجہ ان کے قصائد سے پست ہے' اور سعدی اور حافظ کے قصائد اُن کی غزلون سے فروتر ہین' اس لیے اگر عرفی کی غزلین اُس کے قصائد کے رتبہ کو نہین پہونچتین تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ جعلی اور مصنوعی ہین' لیکن اس فرقِ مراتب کے تسلیم کرلینے کے بعد بھی کم از کم یہ ماننا پڑیگا کہ گو ایک شاعر جس نے اپنی عمر کسی صنفِ شعر مین بسر کی ہے' دوسری صنف مین پست رتبہ ہو جاتا ہے' تاہم وہ اس مین بالکل مبتدی اور مہمل گو بھی نہین بن جاتا' مثلاً حافظ اور سعدی کے قصائد اگرچہ ان کی غزلون کے درجہ کو نہین پہونچتے' تاہم وہ بلند اور اُستادانہ اشعار سے بالکل خالی نہین ہین' اسی طرح انوری' ظہیری' اور خاقانی کی غزلین بھی اگرچہ اُن کے قصائد سے فروتر ہین لیکن باینہمہ ان کا انداز ان کے قصائد ہی کا ہے' لیکن عرفی کی طرف جو غزلین منسوب ہین وہ اس کے قصائد سے بالکل میل نہین کھاتین' چنانچہ اگر کوئی شخص انوری کے قصائد کو عرفی کے قصائد پر ترجیح دینا چاہے تو اُسکو اس خطرناک موازنہ مین نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا' لیکن عرفی کی غزلون پر غزل کے ہر استاد کی غزلون کو بہ آسانی ترجیح

رینا چاہے تو اس خطرناک موازنہ مین نہایت غور وفکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلون پر غزل کے بڑے استادون کی غزلون کو بہ آسانی ترجیح دیجاسکتی ہے، عرفی نے قصائد مین اساتذۂ قدیم کا تتبع کیا ہے اور کامیاب ہوا ہے، لیکن اس کے برعکس جہان کہین غزل مین کسی استاد کا تتبع کیا ہے، افسوسناک طور پر ناکام رہا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرفی نے بہت سے قصائد کی ابتدا مین تشبیب لکھی ہے جو ایک قسم کی غزل ہے لیکن اگر ان تشبیہون کا مقابلہ اس کی غزلون سے کیا جائے تو زبان دبیان مین زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوگا۔

مادی حیثیت سے عرفی کے کلام پر بحث کرنے کے بعد انھون نے معنوی حیثیت سے اس کے کلام پر نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلے مین سب سے پہلے تاریخی حیثیت سے اسکے اسلوب سخن اور انداز بیان کی تعیین کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ رودکی، دقیقی اور فردوسی کے زمانہ تک شعرائے ایران سادگی بیان اور فصاحت الفاظ کا زیادہ لحاظ کرتے تھے، اور تشبیہات واستعارات قریب الماخذ استعمال کرتے تھے لیکن نظامی اور خاقانی نے اس روش کو بدل کر دقیق مضامین پیدا کیے، اور بعید الفہم تشبیہات واستعارات سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے، اور اس سے صرف علما فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن ساتوین صدی مین امامی ہروی، مجد ہمگر، سعدی، ہمام اور خواجہ حافظ نے پھر اس پیچیدہ روش کو بدل کر قدما کا سادہ اسلوب بیان اختیار کیا، الفاظ، عام فہم اور سلیس استعمال کیے، اور تشبیہات واستعارات سے بہت کم کام لیا، اس لیے شاعری بالکل عام فہم ہوگئی، اور شعرگوئی کا عام مذاق پیدا ہوگیا، لیکن نوین صدی مین پھر اس روش مین انقلاب پیدا ہوا، اور شعرا نے پھر وہی نظامی اور خاقانی کا پیچیدہ انداز کلام اختیار کیا، امیر علی نوائی اور ملا عبدالرحمن جامی نے اس کی ابتدا کی، اور فغانی نے اس کے تتبع مین زیادہ نام پیدا کیا اور فغانی کے معاصرین مین اہلی شیرازی، خواجہ آصفی اور میر شاہی نے بھی اس کا تتبع کیا، یہان تک کہ لسانی، شریف تبریزی، یحییٰ لاہجی، محتشم کاشی، ضمیری اصفہانی اور وحشی بافقی کے زمانے تک یہ روش تمام ایران

ہندوستان اور توران پر محیط ہو گئی، اس کے بعد مرزا قلی سلی، خواجہ حسین ثنائی، ولی دشت بیاضی، حالی، قاضی نورالدین اصفہانی، فہمی، حاتم کاشی، تقی اصبری اور ساوجی وغیرہ نے اس اسلوب مین اور بھی اغراق و مبالغہ سے کام لیا، اس کے بعد عرفی کا زمانہ آیا تو اس نے اس شراب تند کو اور بھی دو آتشہ کر دیا، اور تمام شعرا، مثلاً فیضی، رکنائے مسیح اور حکیم شفائی بھی اس کی تقلید کرنے لگے، اور نوین صدی کے اواخر سے بارھوین صدی تک یہ روش قائم رہی، اور اس نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ سخنگوئی شاعری کی ایک مستقل صنف ہو گئی، اور اس مین متعدد کتابین تصنیف ہوئین، چونکہ اس روش نے ہندوستان مین زیادہ وسعت اور مقبولیت حاصل کی، اس لیے ہندوستان کے لوگ اس طرز کے اساتذہ مثلاً فیضی، عرفی، نظیری، بیدل، صائب اور غنی وغیرہ کی عزت شعرائے ایران سے زیادہ کرنے لگے، اور ایرانیون نے اس طرز کو ہندی طرز کا لقب دیا، اور آج تک ہندوستان مین یہی روش متداول و مقبول ہے، لیکن ایران مین بعض سیاسی اسباب کی بنا پر بعد کو یہ روش بدل گئی، اور بارھوین صدی کے اواخر مین ہاتف اصفہانی، صباحی بیدگلی اور لطف علی بیگ آذر وغیرہ نے وہی سعدی اور حافظ کی سادہ روش اختیار کر لی، اور اس روش نے قاآنی، سروش اور فروغی جیسے شعرا پیدا کر دیئے،

عرفی کے اسلوب و انداز بیان کے بعد انھون نے اس کے قصائد سے مثالین پیش کرکے اسکی تائید کی ہے، لیکن اس کے علاوہ عرفی کے کلام مین اور بھی بہت سی خصوصیات ہین، جن کو انھون نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے، لیکن انھون نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ بہرحال ایک ادبی مجلس کی شان کے موافق ہے، اور اگر شعبۂ جامعۂ معارف مین اس قسم کی تقریرین ہوتی رہین تو امید ہے کہ فارسی زبان اور فارسی شاعری کے متعلق بہت سے تاریخی مباحث سے ہندوستان آشنا ہو جائیگا، عام ناظرین کے لیے اس رسالہ کی قیمت ۶ آنہ ہے اور مولف کے پتہ سے حیدرآباد سے ملے گی،

"ع"

نقشِ ارژنگ

پنجاب کے ایک نوجوان شاعر چودھری جلال الدین صاحب اکبر بی اے نے اس نام سے اپنا مجموعۂ کلام شائع کیا ہے، اکبر بادشاہ کا خطاب جلال الدین تھا، اس مناسبت سے جلال الدین صاحب کا اکبر تخلص کرنا تاریخی مناسبت پر مبنی ہے، ان کا مجموعۂ کلام چھوٹی تقطیع کے ۲۰۴ صفحون میں ہے، اور مختصراً مختلف اصناف سخن پر حاوی ہے، شروع میں مختلف اصحاب کے قلم سے بہ ترتیب تعارف، مقدمہ اور گران قدر رائین لکھی گئی ہین، ان میں سے ہر صاحب نے اکبر کی شاعری کے متعلق حوصلہ افزا خیالات ظاہر کیے ہین،

یہ مجموعہ تین حصون پر منقسم ہے، پہلا نقوش رنگین جسمین مختلف عنوانون پر چند نظمین، رباعیات اور قطعات ہین، دوسرا نقش غیر فانی (دوم) یہ ان غزلون کا مجموعہ ہے جو انھون نے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج کی زندگی مین کہین، اور تیسرا نقش غیر فانی حصہ اول مین میٹرک پاس کرنے سے پہلے کی چند غزلین ہین،

پہلے حصہ مین شفق صبح، ایک تصویر دیکھ کر، تجلیِ اقبال لسان العصر اکبر، خونِ آرزو، تجدید آرزو، انارکلی، دعاے مستجاب، کے مختلف عنوانات پر ان کی نظمین نہایت دلکش فصیح اور موثر ہین،

یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے، کیا ہے؟ ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے کیا ہے؟

یہ روز و شب کا مقام وصال ہے کیا ہے؟ مری نگاہ کا حدِ کمال ہے، کیا ہے؟

بلندیون پہ یہ رنگین مکان کیسا ہے

جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے

رباعیات کے ذیل مین ہے،

جب روح غمِ جہان سے گھبراتی ہے ذکرِ غمِ شاہ سے سکون پاتی ہے

آئینے کی طرح آنسوؤں میں مجھ کو تصویرِ حسین کی نظر آتی ہے،

غزلوں میں اکبر نے حسرت موہانی کے رنگ کا تتبع کیا ہے، اور کامیابی کے ساتھ اس کی پیروی کی ہے، اس لیے اُن کو آئندہ پنجاب کا حسرت کہنا مناسب ہوگا، بیان کی سادگی، الفاظ کی روانی، ابتذال کے پرہیز، فارسی ترکیبوں کی ہلکی سی چاشنی، یہ سب باتیں اکبر میں پائی جاتی ہیں جس کا ثبوت اُن کا یہ کلام ہے،

بہارِ زندگانی گلستان معلوم ہوتی ہے تری تصویر سینے میں نہاں معلوم ہوتی ہے

مصیبت کشمکشہائے محبت کی نہیں جاتی وفا کی ٹیس دردِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

فروغِ بیخودی ہے اُن کے پیراہن کی رنگینی کوئی موجِ شرابِ ارغواں معلوم ہوتی ہے

فسانے قیس کے کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں کتابِ عشق دل کی داستاں معلوم ہوتی ہے

تری چشمِ خمار آلود میں اک ستمِ قاتل ہے نگاہِ مہربانی جانستاں معلوم ہوتی ہے

بہارِ نازسے اُس نوگلِ رعنا کی اے اکبر محبت گلستاں در گلستاں معلوم ہوتی ہے

اسی زمین اور قافیہ و ردیف میں تین غزلیں ہیں اور تینوں اچھی ہیں، ان کی ایک غزل کا شعر ہے اور کتنا اچھا شعر ہے،

وہ چشمِ دلنواز ہے پھر برسرِ کرم حاصل سکون یاس کی راحت نہیں مجھے

اسی قسم کے اور بہت سے اچھے شعر اُن کے کلام میں موجود ہیں جو اُن کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرتے ہیں، تاہم ان تمام خوبیوں کے ساتھ پنجاب کے حسرت کے متعلق ہمیں "یوپی کے حسرت" کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت میں عجلت کی، خاندانِ مومن کے رنگ کے لیے دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فارسی ترکیبوں اور محاوروں پر کامل عبور ہو، اس کے بغیر اس رنگ کا نباہنا آسان نہیں ہے،

بے ستم خوردۂ جنوں اکبر اسکی خانہ بدوشیاں نہ گئیں

ستم خوردن" فارسی کا کوئی محاورہ نہیں" اسکے بجائے اگر "ستم دیدہ" کہا جاتا تو محاورہ بھی صحیح ہوتا اور شعر بھی ہوجاتا،

نغمۂ پریشان" تبع کی حالت میں شاید صحیح نہو اشعار کے وزن اور بحر کی غلطیاں بھی موجود ہیں مثلاً

آنکھوں کو خاک کربلا مل جاسے ہر درد کی جو شی ہے دوا مل جائے

پہلا مصرع ساقط ہے، ان کے بعض اشعار میں واو رع گر جایا کرتی ہے، مثلاً

خدا سے کی طلب آخر قناعت ہوا قلب سیاہ روشن سراپا

حالانکہ اس میں سیاہ کو سیہ کہہ سکتے تھے،

مصوروں کی نظر دیکھ کر پریشان ہے سمن فروش نظر ہے کہ رنگ عریان ہے

عریان کی عین تقطیع سے خارج ہے، ذیل کے مصرع میں

یعنی ہر لفظ میں تجلیات

تجلیات "ی" کی تشدید کے ساتھ باندھا گیا ہے اگرچہ صحیح تجلیات ہے بغیر تشدید کی کہ یہ الف ت کے ساتھ تجلی کی جمع ہے اسمیں دو "ی" ہیں، الفاظ سے قطع نظر کرکے معانی کی حیثیت سے بھی بعض باتیں قابل گرفت ہیں، مگر تسلی یہ ہے کہ یہ تمام غلطیاں عارضی ہیں، خود اکبر کا جوہر ذاتی ہے، وہ بہت جلد اپنی اصلاح آپ کرے گا،

باش تا بادۂ این میکدہ در جوش آید

ہم اس دن کے منتظر ہیں کہ جب یہ "نقش اول"، "نقش ثانی" بنکر دلوں پر اپنا نقش بٹھائیگا،

امید ہے کہ اکبر صاحب اپنی مشق کو جاری رکھیں گے، اسی کے ساتھ وہ اس داد کے بھی مستحق ہیں کہ اردو محاورات اور زبان کی غلطیوں سے ان کا کلام عموماً پاک ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے ضرورت ہے کہ اصولی غلطیوں سے بھی آیندہ اُن کا کلام پاک رہے،

قیمت عہر :- حافظ عبدالمجید صاحب ۲۲ میلارام روڈ، لاہور،

تاریخ مسیح

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کی یہ ایک نئی تالیف شائع ہوئی ہے، خواجہ صاحب تبلیغی میدان کا نام ہیں ہر طرف پیام صلح دیکر صرف آریہ محاذ کے سامنے اپنا مورچہ قائم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ سناتن دھرمیوں کو کرشن بیتی لکھکر رام کر چکے ہیں، اب عیسائیوں کے سامنے تاریخ مسیح پیش کی ہے، اور سکھوں کیلیے گرونانک جی کے سوانحِ حیات مرتب کرنیوالے ہیں، تاریخِ مسیح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام سوانحِ حیات اور پیام دعوت کو عیسائیوں کی مختبر کتابوں انہی کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھکر سادہ اور سلیس طریقہ سے یکجا کردیا ہے، اس لیے یہ تاریخِ مسیح نہیں دراصل "سیرۃ مسیح" ہے، مصنف نے اس کے لیے تاریخِ مسیح نام صحیح نہیں تجویز کیا ہے کہ تاریخ کا اطلاق قوموں اور ملکوں کے حالات پر کیا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے اس کتاب کی تدوین میں چونکہ یہ ملحوظ رکھا ہے کہ جو کچھ لکھا جاے وہ عیسائیوں کے نقطۂ نظر کے مطابق ہو، اس لیے حالات کی صحت وعدم صحت کی تمام تر ذمہ داری عیسائیوں کی مقدس کتابوں اور عیسائی مصنفین پر ہے، اور اس لیے خواجہ صاحب نے اسلوب بیان میں بھی یہی نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھا ہے اور حضرت مسیح کے متعلق وہی الفاظ استعمال کیے ہیں جو بالعموم مسیحی مقدس کتابوں میں اُن کے متعلق ملتے ہیں، لیکن کہیں کہیں یہ احتیاط قائم نہ رہ سکی، مثلاً "آخری دعا" کے موقع پر "میری موت کا وقت آن پہونچا، اپنے "رسول" کو جلال بخش" کے جملہ میں رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ انجیل میں اس موقع پر "بیٹے" کا لفظ ہے" (یوحنا ۱۷ : ۱) خواجہ صاحب کو "نقلِ کفر" میں باک کیوں ہوا، وہ تو ہمیشہ سے ایک جری اہل قلم ہیں،

اسی طرح اس کتاب میں خواجہ صاحب نے اس کا بھی التزام رکھا ہے کہ سوانح و پیام مسیح میں

عیسائی دنیا مین جو مختلف فرقے ہوے ہین اور اس سلسلہ مین علمی تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے جو موشگافیان کی گئی ہین
انھین عمداً نظرانداز کر دیا جائے، اس لیے یہ کتاب دراصل محض سرسری اور سادہ حالات پر مشتمل ہے، لیکن
اس موقع پر بھی کہین کہین خواجہ صاحب نے بعض تاریخی و علمی حقایق کے انکشاف کی کوشش کی ہے
مثلاً اس (۵۰۰) ایک سامری عورت کے سلسلہ مین سامریون کے متعلق فرماتے ہین کہ "دراصل وہ فارسی نژاد
تھے"، لیکن تمام سامریون کو فارسی نژاد بتانا صحیح نہین ہے کیونکہ خود کتاب مقدس کی تصریحات سے پتہ
چلتا ہے کہ کمرون مین بنی اسرائیل کے ایسے قبائل بھی آباد تھے جو مذہب سامری کے پیرو تھے اور خصوصاً
خواجہ صاحب جس عورت کا تذکرہ فرما رہے ہین وہ خود اپنے الفاظ "ہمارے باپ یعقوب" اور "کنوان
عطا کیا" (یوحنا ۴ : ۱۲) سے اپنے اسرائیلی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے،

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس موضوع پر جتنی توسط سے جو حالات مل سکتے تھے، سب کو سلسل
اور مربوط طریقہ سے یکجا کر دیا گیا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر بعض چیزین ایسی نظرانداز ہو گئی ہین جنھین خاص
اہمیت حاصل ہے، مثلاً جس موقع پر بتایا گیا ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے قتل کا فیصلہ کیا وہان یہ بھی بتانا تھا
کہ فیصلہ قایافس سردار کاہن نے کیا اور اُسکے ساتھ اس کے متعلق یوحنا کے اس بیان کو بھی پیش کرنا تھا کہ
"اُس نے یہ اپنی طرف سے نہین کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی" (یوحنا ۱۱ : ۵۱) کیونکہ جیسا کہ
معلوم ہے پھر اسی قایافس ہی نے حضرت مسیح کے لیے مذہبی عدالت سے موت کا آخری فیصلہ سنایا،

خواجہ صاحب ان اسرائیلیات مین مسلمانون کے لیے جابجا قوسین مین اسلامی عقیدے بھی
نہایت مختصر جملون مین لکھتے گئے ہین اور آخر کے چند صفحون مین "حضرت عیسیٰ کی نسبت مسلمانون کا خیال"
کے عنوان سے اسلامی عقائد بھی پیش کیے ہین لیکن خواجہ صاحب کی یہ مختصر تصریحات اس مربوط اسرائیلی
افسانے کے سامنے جسکو خواجہ صاحب نے مرتب کیا ہے قطعی ناکافی ہین اگرچہ انھون نے بعد مین اس
موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی امید دلائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اسی موقع پر اس ضمیمہ کو اور وسعت دیتے

اور اسلامی عقائد اور اس کے استدلالات کو بھی مناظرانہ طرز تحریر سے علحدہ ہو کر یکجا کر دیتے، تاکہ ناظرین عیسائیوں کے عقائد کے موافق عیسائی التعلیم کا نمونہ" دیکھنے کے بعد اسلامی معتقدات سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتے،

آخرین "اسلامی علم وادب مین حضرت عیسیٰ کا ذکر" کے عنوان سے عیسائیون کو مخاطب کر کے لکھتے ہین کہ "اسلامی شعرا نے حضرت عیسیٰ کا نام بھی اپنی شاعری کا ایک مستقل باب قرار دے لیا جسمین ہر شاعر نے مختلف طریقون سے حضرت عیسیٰ کی تعریف لکھی ہے" اور اس ذیل مین مختلف شعراء کے کلام نمونہ کے طور پر پیش کیے ہین اس سے خواجہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح اور اُن کے معجزات پر مسلمانون کو اس درجہ یقین رہا کہ اُن کے ادبیات مین "اعجاز مسیحائی" ایک خاص عنوان قرار پا گیا، اور شعرا نے مختلف خیالات جذبات اور احساسات کے ادا کرنے مین اس وصف کو مجازاً استعارۃً تشبیہًا و تمثیل کے طور پر استعمال کیا،

افسوس ہے کہ خواجہ صاحب اپنی اس تالیف مین اپنے مخصوص طرز انشا کو قائم نہ رکھ سکے اور دیباچہ مین اس کا خود اعتراف کیا ہے لیکن اس سلسلہ مین انھون نے ایسی بے اعتنائی کی کہ وہی کا انشا ب رکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شایان شان نہین مثلاً "اسے بڑی فکر دامنگیر ہو گئی" "یا احکامات" "رہایش" اور "انکساری" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال اس سے بدگمانی ہوتی ہے کہ خواجہ صاحب نے اسمین خود محنت کم کی ہے...... حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب اب کامیاب مصنف ہو چکے ہین اُن کو اب خود زیادہ محنت کرنے کی ضرورت بھی کم ہے، خدا خواجہ صاحب کے قدر دانون کو سلامت رکھے اُن کی ہر تحریر کو وہ دعا تعویذ سمجھتے ہین اور ایک مصنف کے لیے اس عہد مین اس سے زیادہ اور کیا چاہیے' کتاب ۲۰۲ صفحون پر تمام ہوئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ اوسط درجے کا ہے، قیمت ۱۲/ جناب ابن عربی صاحب کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے طلب کیجیے،

"م"

مطبوعات جدیدہ

الکحل اور زندگی جناب جان اے ہنٹر ایم بی سی ایم کا ایک رسالہ الکحل اور زندگی کے نام سے ہے جس میں نہایت دلچسپ پیرایہ میں سائنس کے اصول کی روشنی میں شراب کے خطرناک اثرات بتاکر اُن سے محترز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب مختلف اسباق میں منقسم ہے انداز بیان نہایت سلیس اور دلکش ہے، اور سائنس کے اہم اور پیچیدہ مسائل دلچسپ تمثیلوں سے نہایت آسان پیرایہ میں سمجھائے گئے ہیں، جناب مولوی حامد حسن صاحب قادری نے اس رسالہ کو اردو میں منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان نہایت صاف سادہ اور سلیس ہے، حجم ۱۳۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ر پتہ:- سیکمین اینڈ کمپنی لمیٹیڈ، کلکتہ، بمبئی، مدراس، لندن،

شرف اصحاب الحدیث۔ یہ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ صاحب تاریخ بغداد کا ایک نایاب رسالہ ہے جسمین اُنھون نے جماعت اصحاب حدیث کے فضائل و مناقب لکھے ہین، شروع مین "اصحاب احادیث" کی اصطلاح متکلمین اسلام کے مقابلہ مین قائم ہوئی تھی کیونکہ محدثین کی مقدس جماعت جسمین آئمہ مجتہدین بھی تھے عقائد مین متکلمین کے عقائد سے اصولی اختلاف رکھتی تھی، حافظ ابوبکر خطیب بغدادی آخر عمر مین اسی جماعت مین داخل ہو گئے تھے اور اسی وقت یہ رسالہ ان کے قلم سے نکلا تھا اب تک یہ رسالہ حلیہ طبع سے عاری تھا جناب مولانا محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی شکریہ کے مستحق ہین کہ وہ اس نایاب رسالہ کو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے نقل کرلائے اور اُسکو اردو ترجمہ کے ساتھ فضائلِ محمدی کے نام سے موسوم کرکے شائع کیا ہے رسالہ مین جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے اس

جماعت کے فضائل ومناقب اور اس کا برسرِ حق ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے مقابل گروہ کی غلطیان اور گمراہیان بھی واضح کی گئی ہین، رسالہ کا ترجمہ صاف اور سلیس ہے، آخر کے دو صفون مین عربی اور اُردو دونون مین مؤلف کے سوانحِ حیات سرسری طور پر درج کیے گئے ہین، حجم مجموعی ۱۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت عہ، پتہ :- دفتر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی،

اسوۂ حسنہ، مولوی سیّد محمد اسحاق صاحب نے حدیث کی مختلف صحیح کتابون سے اخلاق و موعظت کی بائیس حدیثین جمع کی ہین اور اُن کا ترجمہ "اسوۂ حسنہ" یا "اسلامی اخلاق" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، لیکن کیا بہتر ہوتا اگر اخلاق کے مختلف ابواب قائم کر کے ان حدیثون کو ان کی مناسبت سے مختلف ابواب مین تقسیم کر دیا جاتا، بہرحال یہ کتاب مسلمانون کے لیے مفید اور اُن کے پڑھنے کے لائق ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۸۰، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، جلد خوشنما اور مطلّا ہے، قیمت ۱۲ / روپیہ : جناب محمد فخر الدین صاحب احمدیہ کتاب گھر قادیان،

دُرِّ ثمین، ہندوستان کی مشہور انگریزی شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو کے دلآویز انگریزی کلام کے منظوم ترجمے اُردو کے مختلف رسائل مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، جناب تصدق حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے ان دُرہائے ناسفتہ کو ایک سلسلہ مین منسلک کر کے "دُرِّ ثمین" کے نام سے شائع کیا ہے، اُردو ترجمون کے مقابل کے صفون پر انگریزی کی اصل نظمین بھی دیدی گئی ہین، ابتدا مین جناب اختر دہلوی اور جناب سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی رکن دارالترجمہ حیدرآباد کے دلچسپ مقدمے ہین، امید ہے کہ شائقینِ ادب اس شاعرۂ ہند کے انگریزی خیالی پیکرون کو اس ہندوستانی لباس مین پسند فرمائین گے، رسالہ کا حجم ۱۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت کتاب مجلد عہ، غیر مجلد عمر، پتہ :- احمدیہ پریس چار مینار، حیدرآباد،

سیرِ گل، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ نے اپنے ان سولہ مختصر افسانون کا مجموعہ "سیرِ گل" کے نام سے مرتب کیا ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسالون مین شائع ہو چکے ہین، ان مین کے چند افسانے

روسی اہل قلم چیخوف اور فرانس کے ایک اہل قلم موپاسان کے مختصر افسانون کا ترجمہ ہین اور چند جناب مترجم کے طبعزاد ہین اس لیے یہ سب اگرچہ ایک ہی قلم کی گلکاریان ہین تاہم ہر ایک مین مختلف رنگ کے نقش و نگار ہین فی الجملہ چیخوف کے افسانے پر لطف سادہ اور صحیح کیرکٹر کا بہترین نمونہ ہین جن مین تحلیل نفسی کے صحیح اصول از خود نمایان ہوتے ہین اور موپاسان کا افسانہ گورستان کی نازنین بھی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے مختصر افسانون کے طرز تحریر مین اصل جان سلاست اور روانی ہے جناب جمیل نے اس کے نباہنے کی خاص کوشش کی ہے لیکن کہین کہین انھین اپنی ناکامی کا اقرار کرنا پڑیگا، مگر پھر بھی طرز تحریر نہایت صاف سلیس اور سادہ ہے ابتدا مین جناب خواجہ غلام السیدین صاحب بی اے ایم ایڈ کا مقدمہ ہے جس مین انھون نے ان افسانون پر تبصرہ کیا ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ خاصہ ہے قیمت عہ مولف سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ سے طلب کرین

ہماری غذائین اس نام کے رسالہ مین جناب ڈاکٹر محمد مجیب الدین احمد خان صاحب جبانی لودھیانوی نے انسان کی عام غذاؤن کی علمی (سائنٹفک) اور طبی نقطۂ نظر سے تشریح کرکے اُن کے مفید یا مضر ہونے اور ان کی قوت غذائی کے تناسب اور اُن کے استعمال کرنے کے طریقے بتائے ہین اگرچہ جناب مولف نے اس رسالہ کو عام فہم بنانے کی خاص کوشش کی ہے لیکن طبی اصطلاحات کے بکثرت آجانے سے ایک حد تک نامانوسیت باقی رہ گئی ہے تاہم اردو مین یہ تالیف انسان کی سب سے ضروری سامان حیات پر سب سے پہلی کتاب ہے اس لیے ہماری قدردانی کی مستحق ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی قیمت عہ جناب مؤلف سے کنگ میڈیکل ہال دہلی کے پتہ سے طلب کرین

"

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۸

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُرتّبہ

سید سلیمان ندوی

اکتوبر ۱۹۲۷ء

قیمت: صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبی صلعم حصہ اوّل، طبع دوم، تقطیع ۲۰×۲۶، حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات، قیمت باختلاف کاغذ ۔ے ۔ اور ۔للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی، تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق وشمائل وغیرہ، طبع اول، قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان ۔للعہ

ایضاً حصہ دوم طبع دوم، قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد ۔عہ ۔ے

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عہ، قسم سوم ۔ے

الفاروق، حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس ۔للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس ۔عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ ۔عہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، قیمت ۔عہ

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری، مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ ۔عہ

رسائل شبلی، مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت ۔عہ

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، قیمت ۔للعہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز وتدریجی ترقی ۔للعہ

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور ۔ے

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور ۔ے

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو ۔ے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ، صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ ۔عہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، قیمت ۔۴ر

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصولی تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس حیثیت سے موازنہ ہے ۔للعہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ۔ے

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات، قیمت باختلاف کاغذ وطبع ۔للعہ ۔عہ ۔ے ۔۸ر

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ، اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس ۔عہ

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ و منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس، قیمت ۔ے

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے سب اس میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت ۔ے

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور کی مسجد، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ۔عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی، اے،

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپ کر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے، جسکی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط ونظام اور بعض عجیب حقائق مستورہ کا تفصیلی انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات	۶ر	تفسیر سورہ اللہب	۴ر
تفسیر سورہ والتین	۴ر	تفسیر سورہ والکوثر	۴ر
تفسیر سورہ القیامہ	۴ر	تفسیر سورہ عبس	۴ر
تفسیر سورہ والمرسلات	۴ر		

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اعلان

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معارف مدراس

وحیدرآباد کے طویل سفر سے اب تک واپس

تشریف نہ لا سکے، اِس لئے اس مہینہ کا پرچہ

بغیر شذرات کے شایع کیا جاتا ہے، آیندہ

ماہ مین اس کی تلافی ہو جائے گی،

"مینجر"

مجلد بستم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء	عدد چہارم

فہرست مضامین

مقالات

نکاح بلا ولی،

ضمیمۂ مباحث سابقہ | اوپر کا مضمون چھپ جانے کے بعد ایک اور واقعہ پر نظر پڑی جس سے ہمارے خیال کی مزید تائید ہوتی ہے، فاطمہ بنت قیسؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں، قدیم ہجرت کرنے والی صحابیاتؓ میں ان کا شمار ہے، سنہ ھ میں جب حضرت علیؓ کی فوج یمن بھیجی جا رہی تھی، ان کے شوہر بھی اس میں شامل تھے، انھوں نے کسی وجہ سے راستہ سے اپنی بیوی کو طلاق بھجوا دی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس آئیں، آپ نے فرمایا عدت گذرنے کے بعد اپنی نسبت مجھ سے مشورہ کر لینا، عدت کے بعد ان کے نکاح کے خواہاں کئی اکابر صحابہ تھے، جن میں حضرت معاویہؓ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ اور حضرت ابوجہمؓ تھے، آپ نے اپنی طرف سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نام پیش کیا، حضرت فاطمہؓ کے اہل خاندان نے اسامہؓ کو ناپسند کیا، اور خود حضرت فاطمہؓ کو بھی تامل تھا، مگر ارشاد نبوی سے وہ انحراف نہ کر سکیں اور آپ سے عرض کی،

امری بیدک فانکحنی من شئت | میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے جس سے چاہئے میرا نکاح کر دیجئے،

(مسلم ذکر دجال)

آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت اسامہؓ سے کر دیا، اور ان کے اولیاء کی ناپسندیدگی کی کوئی پروا نہ کی،

اس واقعہ کے متعدد اجزا ہیں، اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ثبوت مجھ کو دینا ہے، سب سے اوّل یہ کہ اُن کے اولیا یا اہل خاندان مدینہ میں موجود تھے، اور دوسرے یہ کہ انھوں نے اس کو ناپسند کیا، تیسرے یہ کہ اولیا نے نہیں بلکہ خود انھوں نے یا آنحضرت صلعم نے انکی طرف سے وکیل بنکر انکا نکاح کردیا،

ان کے اولیا موجود تھے، حضرت فاطمہؓ کے باپ قیس کا حال معلوم نہیں، لیکن تاہم ان کے خاندان بنی فہر کے ارکان موجود تھے، حضرت ابن اُم مکتوم ان کے رشتہ کے بھائی تھے، صحیح مسلم میں ہے،

انتقلی الی بیت ابن عمک عمرو بن ام مکتوم (مسلم) اپنے چچازاد بھائی عمرو بن ام مکتوم کے ہان چلی جاؤ،

اعتدی فی بیت ابن عمک ابن ام مکتوم (ایضاً) اپنے چچازاد بھائی ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گذارو،

انتقلی الی ابن عمک عبد اللّٰہ بن عمرو بن ام مکتوم وھو رجل من بنی فھر فھر قریش من البطن الذی ھی منہ، اپنے چچازاد بھائی عبد اللّٰہ بن عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ، وہ قریش کے خاندانِ فہر کے تھے، اور فاطمہ بھی اُسی خاندان کی تھیں،

وہ خود کہتی ہیں، کہ میں نے اپنے خاندان کے لوگوں میں عدت گذاری،

ان اعتد فی اھلی (مسلم باب طلاق مذکور) میں اپنے خاندان کے لوگوں میں عدت گذاروں،

ان کے علاوہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے حقیقی بھائی ضحاک بن قیس موجود تھے، جنکی عمر اس وقت غالباً سات برس کی ہوگی، یعنی اتنی ہی تھی، جتنی حضرت ام سلمہؓ کے صاحبزادہ کی تھی، جن کو اُن کی ماں نے اپنا نکاح پڑھانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ گذرچکا ہے، وہ سنہ ھ میں پیدا ہوئے تھے (دیکھو تہذیب و اصابہ وغیرہ)، صحیح مسلم میں اسی واقعہ کے ضمن میں ہے،

فاطمۃ بنت قیس اخت الضحاک بن قیس (ذکر ایلا) فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس کی بہن،

اب یہ بات باقی رہی کہ اُن کے اہل خاندان نے اس نکاح کو ناپسند کیا تھا، طبقات ابن سعد میں صرف تین راویوں کے واسطے تحریری روایت ہے یہ تینوں رجال مسلم کے ہیں،

اخبرنا یزید بن ہارون، اخبرنا محمد بن عمرو	ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، ان سے محمد بن عمرو
عن ابی سلمۃ عن فاطمۃ بنت قیس انہا	نے بیان کیا، انھون نے ابو سلمہ سے
حدثتہ کتبوا منہا کتابا، انہا کانت تحت رجل	ابو سلمہ نے خود فاطمہ بنت قیس سے، انھون نے بیان
من قریش من بنی مخزوم فطلقہا البتۃ فلما	کیا اور لوگون نے اس کو تحریر مین ضبط کر لیا، کہ
حلت ذکرت ان معاویۃ وابا جہم خطباہا	وہ قریش کے خاندان بنی مخزوم مین سے ایک کی
فذکرت ذلک لرسول اللہ صلعم فقال	زوجیت مین تھین، اس نے ان کو طلاق بائن دیدی
رسول اللہ صلعم اما معاویۃ فلا مال	جب وہ عدت گذار چکین تو اُن کو معاویہ اور
لہ واما ابو جہم فلا یضع عصاہ عن	ابوجہم نے پیام دیا، فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے اس کا
اہلہ، فاین انتم من اسامۃ بن زید	ذکر کیا تو آپ نے فرمایا معاویہ تو مفلس ہین، ابوجہم
فکان اہلہا کرہوا ذلک فقالت	اپنی بیوی پر ڈنڈا اٹھائے رہتے ہین، تم لوگ (خطاب
لا اتزوج الا من قال رسول اللہ	فاطمہ کے خاندان والون سے ہے) اسامہ کو کیون بھولے ہو
(جلد ۶ صفحہ ۴۰۱)	تو گویا فاطمہ کے خاندان والون نے انکو ناپسند کیا، فاطمہ نے کہا مین تو
	اسی سے بیاہ کرونگی، جس سے رسول اللہ صلعم نے کہا ہی،

صحیح مسلم مین ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا،

انکحی اسامۃ بن زید فکرہتہ، ثم قال انکحی	اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، تو مجھکو ناپسند ہوا،
اسامۃ فنکحتہ،	پھر آپ نے کہا کہ اسامہ سے نکاح کر لو تو مین نے
(باب طلاق مذکور)	ان سے نکاح کر لیا،

مسلم کی دوسری روایت مین ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ بیان کرتی ہین،

فلما کلمنی رسول اللہ صلعم قلت امری بیدک	توجب رسول اللہ صلعم نے مجھ سے گفتگو کی تو مین نے

فانکحنی من شئت (ذکر دجال) | کہا میرا معاملہ آپ کے ہاتھ مین ہے جس سے چاہئے میرا نکاح کردیجئے،

مسلم کی تیسری روایت مین ہے:

فانکحہا رسول اللہ صلعم اسامۃ بن زید | تو رسول اللہ صلعم نے اسامہ بن زیدؓ سے اُن کا نکاح کردیا،

(باب طلاق مذکور)

یہ پورا واقعہ ذہن نشین کرلینے کے بعد یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کے رشتہ دار اہل خاندان اور اولیا موجود ہین، تاہم براہ راست لڑکی کو (ان کا سن اس وقت سترہ برس معلوم ہوتا ہے) پیغام دیا جارہا ہے، لڑکی اپنا معاملہ اولیا کے ہاتھ مین نہین دیتی، بلکہ خود رسول اللہ صلعم کے ہاتھ مین دیتی ہے، اور رشتہ دارون کی مرضی کی پروا کئے بغیر خود (فنکحتہ) یا رسول اللہ صلعم کی وکالت مین (ولایت مین نہین) وہ حضرت اسامہؓ سے نکاح کرلیتی ہین،

ہمین یہ معلوم ہے کہ قاضی عیاض اور امام نووی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ کے اس باہمی نسب کو جو صحیح مسلم مین ہے، اہل انساب کی روایت کی بنا پر قبول کرنے مین تردد ظاہر کیا ہے۔ مگر روایات مسلم کے مقابلہ مین روایات انساب کیا چیز ہین؟ علاوہ ازین "اھلی" "میرے خاندان کا" کیا جواب ہوگا؟

المامون

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شایع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت ع۲ "منیجر"

معیارِ تاویل

لفظ "صلوٰۃ" قرآن شریف مین،

از

سید سلیمان ندوی،

ہم نے اگست کے شذرات مین ،، غیر مذہبی عربی تعلیم ،، کے فتنہ سے مسلمانون کو ہشیار کیا تھا، آج اُس کی متعدد پیش نظر مثالون مین سے ایک مثال آپ کے سامنے ہے، مولوی نعیم الرحمان صاحب ایم اے لکچرار عربی وفارسی الہ آباد یونیورسٹی، عربی کے لایق گریجویٹ ہین، عربی سے بعض تاریخی کتابون کا اردو مین ترجمہ کر چکے ہین، اب حال مین آپ نے مسئلۂ "صلوٰۃ" کے متعلق دادِ تحقیق دی ہے، نماز کا بعض لوگون پر سخت ہونا، خود قرآن کی شہادت ہے، اب اس کی سختی کو کم کرنے کیلئے، مختلف تجویزین سوچی جارہی ہین، بعض اصحاب تو نماز کے اوقات کو کم کرنا چاہتے ہین، بعض رکعات کی تخفیف کے خواستگار ہین، بعض ارکان کی تقلیل کے خواہشمند ہین، اور ان سب کا استدلال قرآن پاک سے ہے، یضل بہ کثیرًا و یھدی بہ کثیرًا،

مولانا نعیم الرحمان صاحب ایم اے کی رائے ہے کہ نماز کی مخصوص صورت صرف مسجدون مین جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والون کے لئے ہے، علحدہ اور منفرد اشخاص کے لئے یہ مخصوص صورت واجب نہین، بلکہ محض دل سے یادِ خدا،، کر لینا کافی ہے، کاش یہ بھی ہوتا،

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ گمراہیان اور غلطیان کیون پیش آرہی ہین؟ اس لئے آرہی ہین،

کہ "کتاب" کے ساتھ "سنت" کو نہین لیا جاتا، یہی غلطی گذشتہ معتزلہ نے بھی کی اور اب موجودہ معتزلہ بھی کر رہے ہین، تاہم گذشتہ معتزلہ اس قدر دلیر نہ تھے کہ وہ سنت متواترہ اور عمل متواتر کی تغلیط یا تکذیب کرین مگر اب دنیا اس دنیا نوسی زمانے سے علم و فہم مین بہت کچھ ترقی کر چکی ہے،

سوال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم پر صرف الفاظ قرآنی القا ہوئے یا ان کے معانی بھی القا ہوئے، اگر پہلی صورت ہے تو نعوذ باللہ اس عہد کے اصحاب علم خود حامل وحی سے زیادہ عالم بلکہ پیغمبر بننے کے مستحق ہین، اور اگر دوسری صورت ہے تو حامل وحی نے ان معانی کی تعلیم اپنے پیرون کو دی یا نہین، اگر نہین دی، تو

بلغ ما انزل الیك — جو تجھ پر اتارا گیا، اس کو دوسرون تک پہونچا،

کا فریضہ کیونکر ادا ہوا، اور

یعلمھم الکتاب — وہ قرآن اُن امیون کو سکھاتے ہین،

کس کی شان مین ہو گا، اور

لتبینه — تاکہ تم لوگون کے لئے اس کی تشریح کرو،

کا کس کو حکم ہو گا،

اور اگر آپ نے اس کے معانی و مطالب اور تشریحات اپنے پیرون کو بتائے تو وہ کیا ہوئے؟ اور کہان ہین؟ اور کیونکر مٹ گئے؟ اور کب مٹ گئے؟ اور

وانا له لحافظون — ہم ہین اس کی حفاظت کرنے والے،

کا وعدہ کیا ہوا، یہ حفاظت لفظی، معنوی، اور تشریحی ہر حیثیت سے تھی، اب اس تسلیم سے چارہ نہین کہ وہ عملی حیثیت سے تواتر عمل اہل اسلام اور علمی حیثیت سے صحائف سنت اور کتب حدیث مین موجود ہین، ان صحائف و کتب و احادیث و روایات پر اصولاً بحث کرنے کی گنجائش ہر وقت حاصل ہے،

مگر اُن سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن نہین، بنابرین قرآن پاک کی کسی آیتِ کریمہ کی تفسیر و تشریح کرتے وقت الفاظ اگر کئی معنی کو محتمل ہون تو عملِ تواتر اور روایت صحیح یہی دو چیزین ہین جو ان کے اصلی معنی کی تعیین کرین گی، اگر یہ سررشتہ ہاتھ مین نہو تو پھر صحت و خطا کا معیار کیا رہجائیگا،

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ قرآن پاک مین "اقامتِ صلوٰۃ" (نماز کھڑی کرنے کا) جو صحیح مفہوم ہے، اس کو ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے نہایت خوبی سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے، لیکن وہی ایک آیت اُن کے استقصار سے رہ گئی ہے، جو میری تحقیق مین اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم کو بالکل روشن کر دیتی ہے، اور کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہین چھوڑتی ہے، ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان صاحب سے بخلوص عرض ہے کہ وہ بھی اس پر غور فرمائین،

"اقامتِ صلوٰۃ" سے مطلق نماز کے معنی مقصود ہین، خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، یا صرف رہے کہ اس کے معنی "مسجد مین نمازِ باجماعت" کے ہون، اگر دوسرے معنی مراد ہین، تو چاہئے کہ غیر مسجد مین نمازِ باجماعت نہ ہو سکے جس طرح غیر گرجا مین عیسائیوں کی نماز اور غیر بتخانہ مین بت پرستون کی پوجا اور غیر آتشکدہ مین پارسیون کی عبادت نہین ہوسکتی؟ کیا ایسا کہنا اصولِ اسلام کا براہ راست منشا نہین ہے، اور اگر صرف "نماز" مراد ہے خواہ وہ کہین ہو تو پھر "صلوٰۃ" بمعنی مسجد کی مناسبت "اقامتِ صلوٰۃ" مین کیا رہجاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے معنی صرف "نماز باجماعت" کے ہین خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، تو پھر اقامتِ صلوٰۃ کے معنی "اقامتِ مسجد" کے نہین، بلکہ "اقامتِ جماعت" کے لینے ہون گے، اور "صلوٰۃ" بمعنی "مسجد" نہین، بلکہ بمعنی "جماعت" ہوگا، کیا آرامی یا عبرانی زبان مین "صلوٰۃ" جماعت کے معنی مین کہین آیا ہے؟ جس آیت کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ حسبِ ذیل ہے،

واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوٰة	اور جب اے رسول تو اُن مسلمان مجاہدین مین ہو، اور
فلتقم طآئفة منهم معك وليأخذوا	ان کے لئے نماز کو کھڑی کرے، تو ایک گروہ تیرے

اسلحتهم، فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم	ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیارون کو لئے رہے، اور
ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا	جب وہ سجدہ کرے تو تم لوگون کے پیچھے ہو جائے،
معك	اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہین پڑھی، وہ آئے
فاذا قضيتم الصلوٰة فاذكروا الله قياما	اور تیرے ساتھ نماز پڑھے . . . .
وقعودا وعلى جنوبكم فاذا اطمانتم	پھر جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے سوتے یاد
فاقيموا الصلوٰة ان الصلوٰة كانت على المؤمنين	کرو، اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز کھڑی کرو،
كتابا موقوتا (النساء ۱۵)	بیشک نماز مسلمانون پر مقررہ وقتون پر فرض ہے،

آیت کے ابتدائی حصہ مین "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم ہے، یہ میدانِ جنگ کا واقعہ ہے، دشمن باقاعدہ نماز کا موقع نہین دے رہا ہے، اب بتائیے کیا یہان اس میدانِ جنگ مین نماز چھوڑ کر مسجد کی تعمیر کا حکم ہے، یا میدانِ جنگ چھوڑ کر مسجد مین جاکر پہلے دوڑ کر نماز پڑھ آنے کا حکم ہے، یا محض نماز جماعت کا حکم ہے، آگے چلئے، ایک ایک رکعت نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری رکعت کے متعلق حکم ہے کہ پھر علٰحدہ علٰحدہ اٹھتے بیٹھتے، اور سوتے جس طرح موقع ملے یادِ الٰہی کر لو، پھر جب اطمینان ہو تو نماز کھڑی کرو،" اطمینان کے بعد ہی یعنی اسی سفر مین میدانِ جنگ کے اندر اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، اب یہان مسجد کہان سے آئی، کیا ہر صحرا، اور جنگل اور پہاڑ اور سمندر مین جہان جہان مسلمان فوج جائے، ہر منزل مین، دن مین پانچ وقت مسجد بنائی جائے، اور نماز پڑھی جائے،

حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطى،	سب نمازون کی نگہداشت کرو اور خصوصاً بیچ کی نماز کی،

اس آیت پاک کا ترجمہ آپ یہ کرتے ہین، کہ "تمام مسجدون کی حفاظت کرو اور خصوصاً بیچ کی یعنی مرکزی مسجد (خانہ کعبہ) کی"، بہت خوب! لیکن آیت اتنی ہی تو نہین ہے، بلکہ پوری آیت یون ہے،

حافظوا على الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین، فان خفتم فرجالا او رکبانا فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون ۔ (بقرہ ۱۳)

سب نمازون کی نگہداشت کرو خصوصًا بیچ کی نماز کی (یعنی عصر کی نماز) اور خدا کی سامنے خضوع وخشوع کے ساتھ کھڑے ہو، پھر اگر کوئی ڈر ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے) اور جب ڈر جاتا رہے، تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح تم کو اس نے بتایا جو تم نہین جانتے تھے،

اگر آپ کا ترجمہ اختیار کیا جائے تو معنی یہ ہون گے،

"سب مسجدون کی حفاظت کرو خصوصًا مرکزی مسجد کی، اور خدا کے سامنے خضوع اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہون، اگر ڈر ہو تو پیادہ اور سوار (جس طرح ہو سکے) اور جب خوف جاتا رہے تو تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا جو نہین جانتے تھے۔"

اس حالت مین اول آیت (حفاظت مسجد) کا آیت کے بعد کے حصون سے کیا تعلق رہے گا یعنی یہ کہ "اول تو کوشش کرو کہ مسجدون مین جاکر خصوصًا خانہ کعبہ مین جاکر نماز باجماعت ادا کرو، اور اگر اس ارادہ کی تکمیل مین جان کا خوف ہو تو خیر پیادہ ہو کر، اور اگر اس مین ڈر ہو تو سوار ہی ہو کر نماز پڑھ لو، اور جب ڈر جاتا رہے تو پھر اسی طرح پڑھو جس طرح خدا نے بتایا ہے" یہ سفر اور جنگ کا حکم ہے، جیسا کہ "خوف" اور "امن" کے الفاظ ظاہر کرتے ہین، اس کا تعلق مسجد کی نماز باجماعت سے نہین بلکہ نماز کی شکل وصورت یعنی ارکان سے ہے، یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع کی ہے جب صحابہؓ کی اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی، اسی لئے اس نماز عصر کا خاص طور سے ذکر ہے، مطلب تو یہ ہے کہ نماز ہر حال مین ادا کی جائے، خواہ صلح ہو یا جنگ، امن ہو یا خوف، اگر حالت جنگ ہو یا میدان جنگ مین دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو پیادہ

ہو کر پڑھو، اگر یہ بھی ممکن نہو تو سوار ہی پڑھو، پھر جب یہ حالت جاتی رہے تو جس طرح نماز کا طریقہ تم کو بتایا گیا ہے، اس طرح پڑھو،

اس کے سوا دوسرے معنی ہو نہیں سکتے، جنگ مین پیادہ ہو کر پڑھنے یا سوار ہو کر پڑھنے کی اجازت دینا، اور بحالت امن اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دینا جس طرح اُس نے یعنی (خدا نے) بتایا، نماز کی صورت و شکل اور ارکان سے اس کا تعلق ہوگا، "مسجدون کی نماز با جماعت" سے نہین، چونکہ ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے تفصیل ان رائے کی تغلیط کی ہے، اس لئے مجھے زیادہ کہنے کی حاجت نہین، صرف ایک بات کہنا چاہتا ہون جو مطلب قرآن پاک کا آیتون کا ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان لینا چاہتے ہین، آنحضرت صلعم اور صحابۂ کرام نے وہی سمجھا کہ نہین، اگر نہین سمجھا تو وہی مطلب ہوا کہ حامل وحی الٰہی اس کے پیرو خدا کے مراد و مفہوم سے واقف نہ ہوئے، اور بالآخر یہ عقدہ کشائی چودہ سو برس کے بعد ایک عجمی نے کی، اور اگر واقف تھے، تو کیا تمام عمر مین ایک دن بھی، ایک دن کے پانچ وقتون مین سے ایک وقت بھی ہزارون صحابہؓ مین سے کسی ایک نے بھی اس پر عمل کیا،

مولوی زبید احمد صاحب اپنے دلائل کا ترکش خالی کرنے کے لئے گھیرا رہے ہون گے اس لئے مین زیادہ ان کو روکنا نہین چاہتا، ناظرین ذرا ان کی تیراندازی کی داد دین، یہ مولویون مولویون کی لڑائی نہین، گریجویٹ گریجویٹ کی جنگ ہے، اس لئے براہِ عنایت "مولوی صاحبان" اپنی تکفیر و تفسیق کے بانے الگ رکھین، وہ اس مین دخل نہ دین،

لغات جدیدہ،

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت ۱۲ "منیجر"

لفظ صلوٰۃ قرآن شریف مین

از

مولوی زبید احمد صاحب ایم اے الٰہ آباد یونیورسٹی،

میرے قابل رفیق کار مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے کا نام گرامی محتاج تعارف نہین آپ پہلے مدراس گورنمنٹ کالج مین عربی و فارسی کے پروفیسر تھے، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی مین لکچرار ہین، آپکا علمی ذوق اور تحقیق و تدقیق کا شوق نہایت قابل تعریف ہے، آپکے علمی مقالات اردو کے موقر رسالون مین شائع ہوتے رہتے ہین، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی سے ایک سالانہ علمی رسالہ نکلنے لگا ہے، اس کے گذشتہ نمبر مین آپ نے مندرجہ بالا عنوان پر ایک فاضلانہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے، جس تفحص و کاوش سے یہ مقالہ لکھا گیا ہے وہ درحقیقت مولانا کے شایان شان ہے، لیکن آپ جن نتائج کو پہنچے ہین ان سے مجھکو کلی اختلاف ہے، ان اوراق مین یہ اختلاف مع دلائل طرفین ارباب علم و بصیرت کے سامنے پیش کرتا ہون تاکہ صحت و عدم صحت کے متعلق رائے قائم کیجا سکے، قبل اس کے اصل بحث کی طرف توجہ کرون، اپنے فاضل رفیق کار کی خدمت مین یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ مین یہ مضمون مناقشہ و مجادلہ کی غرض سے یا خدانخواستہ آپ کی قابلیت پر حملہ کرنے کی نیت سے نہین لکھ رہا ہون، حاشا وکلا، وکفی باللہ شہیدا، بلکہ محض تحقیق حق میرا مقصود ہے مولانا کے مضمون کا ماحصل یہ ہے،

۱- لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی لفظ ہے جسکے معنی مسجد کے ہین،

۲- قرآن شریف مین یہ لفظ " دعا و نماز " کے معنون مین بھی آیا ہے، مگر جہان کہین

قرآن شریف مین یہ لفظ مشتقات "اقامت" کا مفعول ہے، وہان تو اس کے معنی مسجد ہی کے ہین، اس سلسلہ مین آپ تجویز کے طور پر پیش کرتے ہین کہ جہان کہین قرآن شریف مین صلوٰۃ بمعنی "مسجد" ہے وہان یہ لفظ واؤ کے ساتھ لکھا جائے اور جہان کہین "دعا و استغفار" کے معنی مین ہو، وہان باقاعدہ الف کے ساتھ (یعنی صلاۃ) لکھا جائے،

۳- نماز کی معین شکل، صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ ترکیب سے ادا کرنا ضروری نہین،

پہلے دو نتیجے درحقیقت ایک ہی ہین، اس لیے دونون نتیجون پر مین بحیث مجموعی ایک ہی جگہ تنقید کرتا ہون، اور تیسرے نتیجہ کے متعلق، بعد مین علٰحدہ عرض کرونگا،

الف، لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی ہے، جس کے معنی مسجد کے ہین،

ب، اقیموا الصلوٰۃ مین، صلوٰۃ کے معنی مسجد ہی کے ہین،

مولانا کے دلائل کے ساتھ ساتھ اپنا جواب دیتا جاؤنگا، مولانا کے دلائل یہ ہین

۱- قرآن شریف مین بہت سے غیر عربی الفاظ مستعمل ہین جنکی بہترین مثال لفظ رمان ہے، ان مین سے ایک لفظ صلوٰۃ ہے، جسکی اصل "صلوتا" آرامی لفظ ہے جس کے معنی مسجد کے ہین،

جواب سے پہلے ایک چھوٹے سے مقدمہ کی ضرورت ہے،

عربی کا شمار سامی زبانون مین ہے جنمین آرامی، عبرانی، سریانی و حبشی وغیرہ زبانین داخل ہین، یہ بات محققین یورپ کے نزدیک ہنوز پایۂ ثبوت کو نہین پہنچی کہ ان مین سے کون سی زبان السنۂ سامیہ کی مان ہے، لیکن یہ ان کا آخری فیصلہ ہے کہ عربی (یعنی عرب کی زبان) السنۂ سامیہ کی اگر مان نہین ہے تو مان سے قریب تر ضرور ہے، کیونکہ اقوام سامیہ کا مسکن اولی عرب تھا، یعنی بالفاظ دیگر لغات آریہ (ہند یورپی شاخ) مین سنسکرت کی جو حیثیت ہے اس سے

کہین زیادہ عربی کی ہے لغات سامیہ مین، اس مسئلہ پر مین نے اپنی کتاب ادب العرب مین پوری بحث کی ہے، غرضکہ جب عربی زبان کو السنۂ سامیہ کی مان سے قریب ترجھ لیا گیا ہے تو اس صورت مین جو الفاظ آرامی عبرانی اور عربی مین مشترک ہون گے وہ عربی کے الفاظ سمجھے جائین گے نہ کہ آرامی و عبرانی کے، اگر یہ بات تسلیم نہ کیجائے، تو کم ازکم یہ تو ضرور ماننا پڑے گا، کہ مشترک الفاظ کے لیے، ان تینون زبانون مین سے کوئی ایک بھی دوسرے کی مرہون منت نہین، مثال کے طور پر یون سمجھو کہ ہندو یورپی زبانون مین سنسکرت کو مقدم سمجھا جاتا ہے، پس سنسکرت، ژند، یونانی، اور لاطینی مین جو الفاظ مشترک ہین ان کو یا تو سنسکرت کا ماننا چاہیے، یا کم ازکم ان کا دوسری زبانون مین مستقل وجود تسلیم کیا جائے، یہ ظلم ہے کہ "پدر" کے لیے سنسکرت، ژند، یونانی اور لاطینی زبانون مین جو ایک لفظ ہے اوسے سنسکرت کا نہ مانا جائے اور یونانی و لاطینی سمجھا جائے،

اقوام سامیہ کے شروع مین صرف ایک زبان تھی، "عربی" جب وہ عرب سے نکلکر دیگر ممالک مین آباد ہوئے، تو وہان کے مقامی طبعی اقتصادی و اجتماعی حالات کے ماتحت انکی اصل زبان مین فرق آجانا لازمی تھا جس طرح کہ سماٹرا، جاوا، کے عرب نژاد مسلمانون کی زبان، اصل عربی سے مختلف ہوکر دوسرے نام سے مشہور ہوگئی اسی طرح عربی سے آرامی و عبرانی وغیرہ زبانین مختلف ہوگئین اور کچھ زمانہ تک زندہ رہکر مردہ ہوگئین، ان کے مقابلہ مین اونکی مان یا بڑی بہن، زبان عرب وسط عرب مین پھلتی پھولتی رہی،

اس مقدمہ کے بعد عرض ہے کہ اگر لفظ "رحمن" یا "صلوۃ" عبرانی یا آرامی زبان مین جون کا تون ملجائے تو اسے عبرانی یا آرامی نہ سمجھو بلکہ خاص عربی کا لفظ جانو، ہان اگر غیر سامی لفظ عربی مین ملے تو وہ البتہ دوسری زبان کا لفظ ہے کیونکہ عربی کو غیر سامی زبان سے کچھ تعلق نہین، مثلاً سراج سامی لغت کا لفظ نہین، چراغ کا معرب ہے، مگر رحمن یا صلوۃ کو عربی لفظ نہ سمجھنا ظلم ہے

بالا الذکر لفظ کو دیکھو کہ مادہ رحم سے مشتق ہے جو اپنے جملہ مشتقات کے ساتھ عربی مین کس قدر مستعمل ہے، صیغہ بھی عربی صرف کے مطابق، ارحیم ورحمٰن کی وہی صورت ہے جو ندیم وندمان کی ہے، پھر کوئی وجہ نہین کہ اسے غیر عربی سمجھا جائے۔

قرآن شریف کی آیت واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن سے یہ استدلال کرنا کہ یہ غیر عربی لفظ ہے صحیح نہین، چونکہ لفظ رحمٰن علاوہ صفت ہونے کے عَلَم کی حیثیت سے بھی مستعمل ہوتا تھا، تو کفار نے آنحضرتؐ سے کہا کہ کبھی تم اللہ کی پرستش کے لیے کہتے ہو اور کبھی رحمٰن کی عبادت کے لیے، چنانچہ اس سے آگے کا جملہ انسجد لما تامرنا صاف بتا رہا ہے کہ کافرون کی مراد یہ تھی کہ کیا ہم ایسے بے مذہب اور بے اصول ہوگئے کہ تم جسکو کہو گے اس کو سجدہ کرین گے، بخاری کی روایت مین ہے کہ جب حضرت علیؓ نے عہدنامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریش نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہین جانتے، ظاہر ہے کہ یہ انکار لفظ کی حقیقت ومعنی سے نہ تھا بلکہ بعض دیگر مذاہب والے اپنے معبود کو رحمٰن کہتے تھے، کفار نے اس معبود کے ماننے سے انکار کیا، اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے کہے کہ مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے اور مسیح موعودؑ سے مراد غلام احمد صاحب قادیانی کو لے تو ہم یہ جواب مین کہین گے کہ ہم مسیح موعودؑ کو نہین جانتے، اس انکار سے یہ لازم نہین آتا کہ ہم لفظ مسیح موعودؑ سے واقف نہین، یا ہماری زبان کا لفظ نہین،

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمٰن عبرانی لفظ ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہو سکتے ہین کہ اس لفظ کو زیادہ تر یہود ونصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب بولتے تھے، قریش اپنے غیر مذہب والون کے معبود کا نام سمجھکر استعمال نہین کرتے تھے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کفار کی غلط فہمی دور کرنے کے فرمایا،

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ، یعنی اے رسول ان کافرون سے کہدے کہ خدا کہکر پکارو یا رحمٰن کہکر اس کے لیے سب اچھے نام ہین،

عربی مین معدودے چند الفاظ ایسے ہین کہ ان کا مادہ یا ماخذ مشخص نہین ہوتا کیونکہ اس مادہ کے دیگر مشتقات جو اس لفظ کے ہم معنی ہون عربی مین مستعمل نہین ہوتے ایسے الفاظ کا مادہ معلوم کرنے کے لیے علمائے لغت کو قدرے دشواری پیش آئی ہے، اور اس کے دو طریقے ہین، ایک تو یہ کہ دوسری سامی زبان مین اس مادہ کے مشتقات پاکر اس لفظ کو اس زبان سے منسوب کردیتے ہین، مگر یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ کیا یہ ممکن نہین کہ فی الواقع وہ لفظ عربی ہی کا ہو، لیکن مرور قرون سے دیگر مشتقات کا استعمال عربی مین متروک ہوگیا، اور دوسری سامی زبانون مین باقی رہا، دوسرا طریقہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ اس لفظ کو عربی ہی کا سمجھا جائے، اور ساتھ ہی کسی ایسے عربی مادہ کو اوس کا ماخذ قرار دیدیا جائے جس مین اس لفظ کا ماخذ بننے کی صلاحیت ہو، اس قسم کے الفاظ، لفظ برہان اور منبر وغیرہ ہین، ان کے لیے طریقہ اول کے مطابق مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ یہ عربی کے نہین، حبشی کے لفظ ہین، مگر یہ خیال غلط ہے، صاحب قاموس نے طریقہ دوم کی بنا پر ان کو بالترتیب برہن اور نبر سے جس کے معنی بلندی و بلند کرنے کے ہین نکالا ہے، اور یہ صحیح ہے،

علم لغت کی تدوین دوسری تیسری صدی ہجری مین شروع ہوئی، اگر ایام جاہلیت مین بھی علم لغت مدون ہوجاتا اور کتابین تصنیف ہوجاتین، تو ایسے شاذ و نادر الفاظ کے ماخذ مقرر کرنے مین کوئی دشواری نہ ہوتی، دو سو تین سو برس کے بعد مسلمانون نے علم لغت کی تدوین کی طرف توجہ کی تو وہ اب کس طرح یقین کے ساتھ بتا سکتے تھے، کہ ایسے الفاظ کی اصلیت کیا ہے،

قرآن شریف مین ان نام نہاد غیر عربی سامی الفاظ کا مستعمل ہونا صاف بتا رہا ہے، کہ اہل عرب ان الفاظ کو عہد نبوی مین عام طور پر بولتے تھے، خواہ ہمین اشعار جاہلیت سے

شہادت ملے یا نہ ملے، کیونکہ اس زمانہ کے کلام کا عشر عشیر بھی ہم تک نہیں پہنچا، اگر ایام جاہلیت میں یہ الفاظ عربی میں مروج نہ ہوتے تو قرآن شریف میں بھی نہ آتے ورنہ قریش کے فصحا نئے اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال پاکر قرآن شریف پر بہت اعتراض کرتے اور اسے کلام الٰہی ہرگز نہ مانتے، کیا آج اردو کا ادیب کوئی ایسا غیر اردو لفظ استعمال کرسکتا ہے جسکو اس سے پہلے کسی نے اردو میں مطلقاً استعمال نہ کیا ہو، مولانا کا پہلا استدلال یہ ہے کہ یہ لفظ "صلوتا" سے نکلا ہے جو آرامی زبان کا لفظ ہے، کیونکہ عربی قبل از اسلام میں یہ لفظ یا مشتقات کہیں مستعمل نہیں ہوئے

میں جو کچھ اوپر عرض کرآیا ہوں اسکی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن شریف نے ایسے لفظ کو استعمال کیا ہو جو اس سے پہلے عربوں کی زبان پر مروج نہ ہو، اگر ایام جاہلیت کی شاعری میں اس لفظ یا اس کے مشتقات کا استعمال نہ ملے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ یہ لفظ جاہلیت کی عربی میں مستعمل نہ ہوا ہوا، کیا ہمارے پاس ایام جاہلیت کا تمام کلام موجود ہے علاوہ بریں ایک شعر اعشیٰ کا تو خود فاضل مضمون نگار نے حاشیہ ذیل میں نقل کیا ہے جس میں لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے،

وقابلہا الریح فی دنہا وصلّی علی دنہا وارتسم

مگر ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمادیا ہے کہ مجھے اس قرأت پر شبہہ ہے وجہ شبہہ کچھ تحریر نہیں فرمائی جب لغت کی مستند کتابوں میں اسکا حوالہ موجود ہے تو پھر شبہہ کی کیا بات مولانا کے نزدیک صرف یہی ایک مثال ہے استعمال صلّی کی، عربی قبل از اسلام میں، مگر لسان العرب میں اس کے علاوہ اعشیٰ کا ایک اور شعر نقل ہے جس میں لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے (لسان جز ۱۲، ص ۱۹۰)

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی نوماً فان لجنب المرء مضطجعا

تیسرا شعر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے، (تفسیر ابن جریر جز اول ص...)

لہا مارس لا یبرح الدھر بیتہا وان ذبحت صلی علیہا و زمزما

چوتھا شعر نابغہ ذبیانی کا ہے، جس میں صلوٰۃ بمعنی دعائے رحمت آیا ہے ؎

فآب مصلوہ بعین جلیۃ وغودر بالجولان حزم و نائل

جب سرسری تلاش سے جاہلیت کے ایسے چار شعر دریافت ہوگئے جس مین لفظ صلی آیا ہے تو یہ کہنا کہ عربی قبل از اسلام مین یہ لفظ مستعمل نہین ہوا بالکل غلط ہے،

قرآن شریف مین صرف اللہ کا ایسا لفظ ہے جس کے نسبت جائز طور پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف سے پہلے عربی مین مستعمل نہ ہوا ہوگا، لیکن جب اشعار جاہلیت مین یہ لفظ بھی ملتا ہے تو صلوٰۃ جیسے الفاظ کے نہ ملنے کی کیا وجہ؟-

مولانا کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین غیر زبان کے الفاظ کا املا یہ ہے، کہ درمیانی الف کو املا مین نہین دکھلاتے، صرف اس سے پہلے حرف پر الف بنا دیتے ہین، مثلاً "اسماعیل" کا املا "اسمٰعیل" اور رحمان کا "رحمٰن" ہے، لفظ "صلاۃ" قرآن شریف مین "صلوٰۃ" لکھا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ غیر عربی لفظ ہے،

جواب مین عرض ہے کہ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا، تو "صلاۃ"، "صلت" لکھا جاتا نہ کہ "صلوٰۃ" یہ واؤ کیسا؟

مولانا ازراہ انصاف پسندی تسلیم کرتے ہین کہ بہت سے عربی الفاظ بھی اسی طرز مین لکھے جاتے ہین، مثلاً "ظالمین" کو "ظلمین" لکھتے ہین، یا اسکے برعکس بعض غیر عربی الفاظ پورے الف کے ساتھ لکھے جاتے ہین، مثلاً سراج جو یقینی طور پر غیر سامی لفظ ہے، بغیر الف نہین لکھا جاتا، لیکن مولانا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہین کہ عربی الفاظ کو نصف الف سے لکھنا محض کاتبون کی سہولت پسندی کا نتیجہ ہے، اور غیر عربی الفاظ کو پورے الف سے لکھنا ان کی غفلت کا، مولانا کا یہ محض قیاس ہی قیاس ہے، پرانی سے پرانی تحریرات مین مولانا کے مدعا کے خلاف پایا جاتا ہے

عربی و غیر عربی الفاظ کو ادھورے الف سے لکھنے کا قاعدہ زمانۂ نبوت سے جاری ہے، چنانچہ وہ خط جو آنحضرت صلعم نے مقوقس کے نام لکھا تھا اور جو اصل حال مین دستیاب ہوا ہے، اوسکے فوٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ جو یقیناً عربی لفظ ہے ادھورے الف سے تحریر ہے، بات صرف اتنی ہے کہ خواہ عربی الفاظ ہون یا غیر عربی، کاتبین درمیانی الف کو اکثر ظاہر نہین کرتے اور صرف حرف ماقبل پر الف بنا دینا کافی سمجھتے ہین، اس طرز املا کے لیے عربی یا غیر عربی الفاظ کی کوئی خصوصیت نہین اگر موسا و عیسا کو موسیٰ اور عیسیٰ لکھتے ہین تو ان کے غیر عربی ہونے کی وجہ سے نہین بلکہ عربی کا رسم املا ہی یہ ہے کہ اسمائے ناقص یائی کو یا کے ساتھ لکھتے ہین مثلاً اعلیٰ، اقصیٰ، حمیٰ وغیرہ، رہا مولانا کا یہ فرمانا کہ زکاۃ کو زکوۃ اور حیاۃ کو حیوۃ محض اس وجہ سے لکھا جاتا ہے کہ یہ دونون لفظ صلوۃ کی طرح آرامی لفظ ہین، نہایت تعجب خیز ہے کیونکہ ان دونون لفظون کے مشتقات جاہلیت کے ادب مین بکثرت مستعمل ہوئے ہین،

قرآن شریف مین مناۃ کا املا جو عربون کا ایک بت تھا، منوۃ ہے کیا یہ غیر عربی لفظ ہے اور کیا ربا عربی لفظ نہین جو ربو کی شکل مین لکھا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ مولانا مستشرقین سے ایسے مرعوب ہوگئے ہین کہ ان کے رکیک سے رکیک اجتہاد کے سامنے سر جھکا لیتے ہین، ان لوگون کی تبحر علمی اور تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے کہ مارگولیتھ لفظ اللہ کے لیے لکھتا ہے کہ یہ قریش کا مذکر دیوتا ہے اور "اللات" اسکی تانیث ہے، لفظ زندیق کی بابت یورپ کے ایک مشہور مشرق شناس کی رائے ہے کہ یہ آرامی لفظ صدیقی کا مفرس ہے، مگر ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے حال ہی مین اس تحقیق کو غلط ثابت کیا ہے،

مین آرامی زبان نہین جانتا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین لفظ صلوۃ پر جو آرٹیکل ہے اس مین لکھا ہے کہ آرامی مین مادہ صلاً ہے جس کے معنی جھکنے خم ہونے کے ہین

صلوتا اس سے اسم ہے جس کے معنی بھی جھکنے اور خم ہونے کے ہین اس مین یہ نہین لکھا کہ صلوتا کے معنی سجدے کے ہین،

عربی مین بھی یہ مادہ موجود ہے، لیکن ثلاثی مجرد سے نہین آتا، باب تفعیل کی بھی تو ابتدا عامیت سے جس کے یہ معنی ہین کہ اس معنی مین وہ مادہ ثلاثی مجرد سے نہین آتا، ایسے بیشمار الفاظ ہین خاص عربی کے جو ثلاثی مجرد سے نہین آتے اور ثلاثی مزید سے آتے ہین، مثلاً بغض اور تبغیض کہ ان کی گردان باب افعال سے آتی ہے نہ کہ مجرد سے، عربی مین صلاۃ کے معنی دعا کرنے کے ہین، جیسا کہ اعشیٰ وغیرہ کے شعرون سے ظاہر ہے، دعا چونکہ مخ العبادۃ ہے اس لیے نماز کو بھی کہتے ہین، آنحضرتؐ کے زمانہ سے نہین، بلکہ ہمیشہ سے، جس طرح آرامی صلا سے اسم صلوتا بنا، اسی طرح یہان صلاۃ ہوا، اگر یہ لفظ آرامی مین بھی پایا جاتا ہے اور عربی مین بھی، تو کیا اس کے یہ معنی ہین کہ یہ آرامی لفظ ہے،

علاوہ برین عربی کا مشہور عالم لغت زجاج کہتا ہے کہ صلوۃ کی اصل لزوم ہے صلی (ثلاثی مجرد) کے معنی "لزم" کے ہین، اسے لیجئے، اس بنا پر صلوۃ کی حقیقت ثلاثی مجرد سے بھی نکل آئی، جس قدر عربی کے لغت کی کتابین ہین، ان مین سے کسی مین بھی صلوۃ کو غیر عربی نہین کہا گیا لسان العرب مین کئی ایک وجوہ دیئے گئے ہین، (ملاحظہ ہو لسان العرب جز ۱۹- صفحہ ۱۱۹) اب ایک اعتراض باقی رہجاتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر صلوۃ عربی لفظ ہے تو پھر اس کے مختلف ماخذ مقرر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زبان مین ایسے الفاظ بے شمار ہوتے ہین جن کے لغوی و عرفی معنون مین کئی وجوہ سے مطابقت ہوتی ہے، "عرب" خاص عربی لفظ ہے مگر ملک عرب کو "عرب" کیون کہا جاتا ہے، اس کے کئی وجوہ بیان کئے جاتے ہین، "عروض" کے عربی نہ ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، مگر علم عروض کو عروض کہنے کی کئی وجہین بتائی جاتی ہین، علاوہ برین لغوی و عرفی

معنون مین مطابقت کرنے ہی کی ضرورت نہین پڑتی، بلکہ علم لغت کی کتابین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار ایسے الفاظ ہین، جن کے صرف لغوی معنی ہی بیان کرنے کے لیے تعلیل و توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ توجیہ ضروری نہین کہ ہمیشہ ایک ہو، پس اگر لفظ "صلوٰۃ" یا "تصلیہ" کے معنی نماز و دعا، بگی نماز تر کرنے مین ایک سے زیادہ توجیہ بیان کیگئی تو اس کے یہ معنی نہین ہین کہ لفظ صلوٰۃ عربی نہین ہے،

لفظ "صلوٰۃ" کو شرعی اصطلاح کہا گیا ہے، اس سے یہ مراد ہرگز نہین کہ لغوی معنی، اصطلاحی معنی سے بالکل مختلف ہین، قرآن شریف سے پہلے بھی صلوٰۃ نماز کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا، اسلام نے صرف اس قدر خصوصیت اور دیدی کہ اب صلوٰۃ سے مراد محض اسلامی نماز ہے، یعنی اقم الصلوٰۃ کے یہ معنی ہین کہ رسول کی بتائی ہوئی نماز پڑھو،

مولانا کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین دو موقعون پر لفظ "صلوٰۃ" ایسا آیا ہے کہ ایک جگہ تو بالاتفاق اس کے معنی مسجد کے ہین، اور دوسری جگہ قدرے اختلاف ہے، وہ دو موقع یہ ہین،

(الف) لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد

(ب) لاتقربوا الصلوٰة وانتم سكارى

مولانا فرماتے ہین کہ پہلی آیت مین "صلوٰۃ" کو سب مفسرین و علمائے لغت کنائس الیہود و مواضع الصلوٰۃ مراد لیتے ہین اور اسے عبرانی لفظ بتاتے ہین جسکی اصل "صلوتا" ہے،

اوّل تو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین صلوتا کے معنی جھکنے کے لکھے ہین نہ نمازگاہ کے دوسرے اگر اس کے معنی نمازگاہ کے بھی ہین، تو مین یہ عرض کرتا ہون کہ یہان چار اسمائے ظرف (بمعنی عبادتگاہ) مستعمل ہوئے ہین، یہ چارون الفاظ عربی الاصل ہین صوامع و بیع عیسائیون کی عبادت گاہین اور صلوات یہودون کے کنیسے اور مساجد مسلمانون کی نمازگاہین، ان مین سے تین کے عربی الاصل

ہونے مین تو کچھ شک نہین، صرف لفظ صلوات زیر بحث ہے، ممکن ہے عبرانی مین یہ لفظ عام نمازگاہ کے لیے مستعمل ہوتا ہو، سیاق کلام سے اور نیز مفسرین کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون کے کنیسون کو صلوات کہتے ہین، کیا محض اس وجہ سے کہ کنائس الیہود کو صلوات کہتے ہین، یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عربی مین صلوۃ بمعنی نماز کے ہے ہی نہین، قرآن شریف مین صرف ایک جگہ یہ آیا ہے جس کے معنی بھی "مطلق نماز گاہ" کے نہین بلکہ کنائس الیہود کے ہین، جسکا اطلاق عیسائیون کے صوامع اور مسلمانون کی مساجد پر نہین ہو سکتا، اگر بفرض محال "صلوات" کے معنی مطلق نماز گاہ کے بھی ہین، تو کم از کم اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے کہ خدا نے مسلمانون کی نماز گاہون کے لیے "مساجد" فرمایا نہ کہ "صلوات"، چنانچہ نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ کسی ادب کی کتاب مین کہین بھی صلوات بمعنی مساجد مستعمل نہین ہوا، کیا مولانا بتا سکتے ہین کہ صلوات المسلمین مساجد المسلمین کے معنی مین آیا ہے،

علاوہ برین، اقیموا الصلوۃ مین صلوۃ بمعنی مسجد "اقیموا" کے مفعول ہونے کی صلاحیت ہی نہین رکھتا، کیا اقام المسجد کہنا صحیح ہے، کیا مولانا کوئی نظیر پیش کر سکتے ہین، جو مفہوم مولانا اقیموا الصلوۃ سے نکالنا چاہتے ہین، اسکو خداوند تعالیٰ نے بجاے اقامۃ الصلوۃ کے "تعمیر مساجد" سے ادا کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ، دیکھیے آبادی مسجد اور اقامت الصلوۃ دو مختلف چیزین ہین، قرآن شریف مین دوسری جگہ تعمیر مسجد کے لیے لفظ اتخاذ آیا ہے، ان الذین اتخذوا مسجدا ضرارا، الخ، پھر آگے ہے لا تقم فیہ ابدا، یہان صاف ظاہر ہے کہ قیام فی المسجد سے مراد قیام صلوۃ ہے، اور کوئی معنی ممکن ہی نہین، اسی "لا تقم فیہ" کا متعدی اقام الصلوۃ ہے،

علاوہ برین اقامت اصطلاح شرع مین بمعنی تکبیر آتا ہے، جو اقامۃ الصلوۃ بمعنی اداے نماز

کے لیے شاہد ہے،

رہی دوسری آیت لا تقربوا الصلوٰۃ، یہاں لفظ صلوٰۃ کے مفہوم کی بابت علمائے مفسرین

میں قدرے اختلاف ہے، اکثر نے تو صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لی ہے، قرآن شریف میں اس قبیل کی کئی

ایک آیتیں ہیں، مثلاً، لا تقربوا النساء، ولا تقربوا مال الیتیم، لا تقربوا الفواحش، اور بعض

مفسرین یعنی زمخشری، ابوجعفر طوسی، اور مصنف صافی، صلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لیتے ہیں لیکن

صلوٰۃ بول کر مواضع الصلوٰۃ مراد لینا لغوی بحث نہیں ہے، اسکا تعلق علم بلاغت سے ہے،

یعنی مظروف بولکر ظرف مراد لینا، یا حذف مضاف جس طرح واسئل القریۃ، الایۃ میں قریۃ سے

اہل قریہ مراد ہیں، اور ان دونوں صورتوں کا تعلق علم بیان سے ہے نہ کہ علم لغت سے، اور یہ بات ہمارے

خلاف نہیں ہے، کیونکہ ان تینوں مفسرین میں سے کسی نے اس آیت میں لفظ صلوٰۃ کے متعلق لغوی

بحث کرکے یہ نہیں کہا کہ یہ عبرانی لفظ ہے، چنانچہ زمخشری کے الفاظ تو یہ ہیں، معناہ لا تقربوا

مواضعها وهي المساجد، ابوجعفر کہتے ہیں لا تقربوا اماکن الصلوٰۃ غرض کہ ان علمار نے یہاں

حذف مضاف یا مجاز مرسل قرار دیا ہے، البتہ آیت لهدمت صوامع وبيع صلوات میں ان

مفسرین نے صلوات کو کنیس الیہود قرار دیا ہے اور عبرانی لفظ بتلایا ہے، لا تقربوا الصلوٰۃ

میں بھی صلوٰۃ وہی عبرانی لفظ ہوتا تو یہ ظاہر کر دیتے اور مواضع الصلوٰۃ وغیرہ نہ لکھتے،

مولانا نے الزبیدی کا قول نقل کیا ہے، جس میں کوئی بات مولانا کے موافق یا ہمارے

خلاف نہیں، اور وہ قول یہ ہے،

والصلوٰۃ اختلف فی وزنها ومعناها	ترجمہ، لفظ صلوٰۃ کے وزن و معنی کی بابت اختلاف
اما وزنها فقیل فعلة بالتحریك وهو	ہے بعض کے نزدیک اسکا وزن فعلہ بحرکت عین ہے
الظاهر المشهور، وقیل بالسکون	اور یہ قول مشہور ہے بعض کے نزدیک بسکون عین ہے

فتکون حرکۃ العین منقولۃ من اللام	گر لام کی حرکت اس کو مل گئی، یہ ہمارے استاد
قالہ شیخنا واما معناھا فقیل الدعاء	کا قول ہے، اور رہے اس کے معنی، پس کہا گیا
وھو اصل معانیھا ومنہ قول الاعشی	ہے کہ اس کے معنی دعا کے ہیں، وہی اس کے اصل
وصلی علی دنھا وارتسم، ای دعا لھا	معانی کی بنیاد ہے، چنانچہ اعشی کا قول ہے وصلی علی
ان لاتحمض ولاتفسد... والصلاۃ	الخ...... اور صلاۃ رکوع وسجود والی عبادت کو
عبادۃ فیھا رکوع وسجود وفی المزھر	کہتے ہیں اور مزہر میں کہ یہ لفظ کلمات اسلامیہ
انھا من الکلمات الاسلامیہ وفی الکل نظر	میں سے ہے،

فاضل زبیدی، اس لفظ کا غیر عربی ہونا ہرگز نہیں مانتا، وہ آگے چلکر کہتا ہے،

وان ارادوا ان الشارع ارتجل ھذہ	اور اگر یہ کہا جائے کہ شریعت نے سب سے پہلے یہ لفظ استعمال
اللفظۃ فذالک ینافیہ قولہ تعالیٰ انا	کیا ہے تو یہ خیال، آیت کریمہ انا انزلناہ قرآنا
انزلناہ قرآنا عربیا۔ وفی الصحاح	عربیا کے خلاف ہے اور صحاح میں ہو کہ صلاۃ صلوات
الصلاۃ واحدۃ الصلوات المفروضۃ	مفروضہ کا واحد ہو اور وہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ
وھو اسم یوضع موضع المصدر	استعمال کیا جاتا ہو صلی صلاۃ کہتے ہیں اور صلی تصلیۃ
وصلی صلاۃ ولایقال صلی تصلیۃ	نہیں کہتے،

یہانتک کوئی بات زبیدی نے خلاف نہیں کی، بلکہ جو کچھ کہا ہمارے موافق کہا، وہ اس لفظ کا غیر عربی ہونا گوارا نہیں کرتا البتہ پہلی آیت میں "صلوات" کی تحقیق میں حسب معمول کنائس یہود کہتا ہے، لاتقربوا الصلوٰۃ کی تفسیر میں یہی فاضل لکھتا ہے کہ یہاں بحذف مضاف مراد مساجد سے ہے، آگے چلکر کہتا ہے کہ صلوات چھوٹے صومعوں کو کہتے ہیں، لیکن اسکا واحد ہم نے نہیں سنا، یعنی زبیدی کی رائے میں صلوات کا واحد صلاۃ بمعنی مسجد وکنیسہ کبھی مستعمل نہیں ہوا،

یہ بیان سراسر مولانا کے خلاف ہے، اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ علمائے لغت اور مفسرین نے لفظ صلوۃ کا عربی ماخذ معلوم کرنے کے لیے بیکار کوشش کی، اس موقعہ پر آپ نے چند علمائے لغت کے اقوال نقل کئے ہین مگر کسی قول سے مولانا کی تسکین نہ ہوئی، سمجھ مین نہین آتا کہ جب ان لوگون کو یہ معلوم تھا کہ صلوات بمعنی کنائس عبرانی لفظ موجود ہے تو صلاۃ بمعنی نماز کی لغوی تحقیق کے لیے اس کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کیا فائدہ تھا،

آگے چلکر مولانا لکھتے ہین کہ اب ثابت ہوگیا کہ یہ لفظ آرامی ہے جس کے معنی عبادت گاہ کے ہین، اور قرآن شریف مین لفظ صلوٰۃ کے یہی ابتدائی معنی ہین، آپ فرماتے ہین کہ عربی کا کوئی لفظ اس مفہوم کو خوبی کے ساتھ ادا نہین کرسکتا جیسا کہ آرامی لفظ صلوتا کی شکل معرب،

کیا خوب! یہ تو آپ نے سچ فرمایا کہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا تھا، مگر اس سے یہ کہان ثابت ہوگیا کہ یہ عربی لفظ نہین، آپ تو محض لفظ صلوۃ کی بابت یہ فرماتے ہین اور میرا اعتقاد ہے کہ قرآن مین جو لفظ جہان جو مفہوم ادا کر رہا ہے اس جگہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا ،

اس بحث کے بعد آگے چلکر آپ فرماتے ہین کہ قرآن مین صلاۃ کے معنی "مسجد" ہی کے نہین ہین، بلکہ دعا و استغفار کے بھی ہین جسکی تائید مین آپ نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے، سنئے الی الولیمۃ فلیجب وان کان صائما فلیصل، اس مین ایک ٹکڑا ان کان مفطراً فلیاکل رہ گیا ہے، مولانا کے حدیث نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ مولانا احادیث کے قائل ہین، لفظ صلوٰۃ کے معنی مشخص و معین کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ خود آنحضرت صلعم نے کیا معنی بتائے اور سامعین نے نزول قرآن کے وقت کیا معنی سمجھے، اور یہ صرف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوسکتا ہے صحاح ستہ کی ایک حدیث بھی مولانا پیش نہین کرسکتے جس مین اقیموا الصلوٰۃ کے معنی اقیموا المسجد ہو

مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہوکر کچھ احادیث سند مین پیش کرونگا مگر ذرا آگے چل کر مولانا نے ابوالبقا کا قول نقل کیا ہے : صلوٰۃ الرب علی النبی تعظیم الحرامۃ، وصلوٰۃ الملائکۃ اظہار الکرامۃ وصلوٰۃ الامۃ طلب الشفاعۃ، اس کے متعلق کچھ اختلاف نہین لیکن اس سے ذرا آگے چلکر مولانا نے راغب اصفہانی کا قول نقل کیا ہے،

الدعاء یکون بالخیر والشر، والصلوٰۃ لاتکون الا فی الخیر. . . . وکل موضع مدح اللہ تعالیٰ بفعل الصلوٰۃ اوحث علیہ ذکر بلفظ الاقامۃ، نحو والمقیمین الصلوٰۃ وغیرہ یہ تمام اقتباس مولانا کے خلاف ہے، اسلیے اصفہانی نے "صلاۃ" کے معنی دعائے خیر کے لیے ہین، مگر یہان مولانا نے راغب اصفہانی کے مفہوم کو غلط سمجھا ہے، اصفہانی کا منشا صرف یہ ہے، کہ "صلوا الصلوٰۃ" و "اقیموا الصلوٰۃ" مین بڑا فرق ہے، اقامۃ الصلوٰۃ کے معنی یہ ہین کہ نہایت عمدگی تعدیل ارکان وطانیت قلب کیساتھ نماز پڑھی جائے، یہ بحث آگے آئیگی، رہا ان کا یہ کہنا کہ مصلین منافقین کے لیے مستعمل ہوتا ہے، صحیح نہین، کیونکہ مصلین کے معنی نماز پڑھنے والون کے ہین، نہ کہ ریاکار نمازیون کے البتہ جب اس کے ساتھ ایسا قرینہ آجاتا ہے جس کے معنی ریا ونفاق کے ہون تو البتہ اس سے ریاکار نمازی مراد ہوتے ہین، مثلاً آیت کریمہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن مین مصلین کے معنی مین بقیہ الفاظ کی وجہ سے برے معنی داخل ہوگئے، اور رہی یہ روایت "ان المصلین کثیر والمقیمین لہا قلیل" اس کا یہ مطلب ہے کہ سرسری طور پر نماز پڑھنے والے بہت ہین مگر تعدیل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنے والے کم ہین ورنہ کلیۃً یہ کہدینا کہ مصلین ہمیشہ منافقین کے لیے آیا صحیح نہین، کیونکہ صلی ایک سے زیادہ مقامات پر عمدہ مفہوم کے ساتھ قرآن مین مستعمل ہوا ہے، مثلاً

۱۔ الذی ینھی عبداً اذا صلی، چونکہ یہ سورہ علق کی آیت ہے، بہت ممکن ہے کہ

عبد مصلّی ت مراد جناب رسالتمآب ہی ہون،

۲۔ وذکر اسم ربہ فصلّی

۳۔ فلا صدق ولا صلّی

۴۔ انا اعطیناک الکوثر فصلّ لربک وانحر

خود لفظ مصلین بھی دو جگہ اچھے معنی مین مستعمل ہوا ہے،

۱۔ الا المصلین الذین ہم علی صلاتہم دائمون،

۲۔ ولم نک من المصلین،

اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ ہم "نماز گاہ" کے علاوہ لفظ صلوٰۃ ان اور چار معنون مین

مستعمل ہونا فرض کئے لیتے ہین،

۱۔ بمعنی دعا عموماً و دعائے خیر خصوصاً

۲۔ بمعنی نماز مقررہ شکل مین،

۳۔ رحم و مغفرت کی دعا امت کے لیے،

۴۔ رسول مقبولؐ کے لیے تعظیم و تکریم،

لیکن اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کس موقع پر کیا معنی لیے جائین، مولانا نے ان سب آیات

کریمہ کی جنمین لفظ صلوٰۃ یا اس کے مشتقات آئے ہین، ایک قریب قریب مکمل فہرست دی ہے

کل ۱، یا ۲، کے قریب قرآن شریف مین صلوٰۃ مع مشتقات کے مستعمل ہوا ہے، مولانا کے نزدیک

مندرجہ ذیل اٹھارہ انیس موقعون پر صلوٰۃ، مندرجہ بالا معانی اربعہ مین سے کسی نہ کسی معنی مین مستعمل

ہوا ہے،

۱۔ اولئک علیہم صلوات من ربھم، سورہ ۲۔ آیۃ ۱۵۷،

۲۔ وھو قائم یصلی فی المحراب	سورۂ	۳	آیۃ	۳۸
۳۔ ان صلاتی ونسکی الخ	"	۶	"	۱۶۲
۴۔ ما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیہ	"	۸	"	۳۶
۵۔ لا تصل علی احد منھم	"	۹	"	۸۴
۶۔ وصلوات الرسول،	"	۹	"	۹۹
۷۔ ان صلاتک سکن لھم،	"	۹	"	۱۰۳
۸۔ اصلوتک تامرک	"	۱۱	"	۸۷
۹۔ ولا تجھر بصلاتک	"	۱۷	"	۱۱۰
۱۰۔ الذین ھم فی صلوتھم خاشعون،	"	۲۳	"	۱
۱۱۔ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ	"	۲۴	"	۴۱
۱۲۔ واقمن الصلوۃ	"	۳۳	"	۳۳
۱۳۔ ھو الذی یصلی علیک الخ	"	۳۳	"	۴۳
۱۴۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی	"	۳۳	"	۵۶
۱۵۔ قالوا لم نک من المصلین،	"	۷۴	"	۴۷
۱۶۔ فلا صدق ولا صلّی	"	۷۵	"	۳۱
۱۷۔ وذکر اسم ربہ فصلّی	"	۸۷	"	۱۵
۱۸۔ الذی ینھی عبداً اذا صلّی	"	۹۶	"	۱۰
۱۹۔ فویل للمصلین	"	۱۰۷		

اور بقیہ تمام آیات میں صلوۃ کے معنی مسجد کے ہیں،

جواب مین اول تو یہ عرض ہے کہ اٹھارہ انیس آیتون کی بابت آپنے جو یہ لکھا ہے کہ یہان معانی اربعہ مراد بیٹ جا سکتے ہین، اسکی دو صورتین ہین، ایک تو یہ کہ ہر جگہ چارون معنی مراد لیے جائین دوسرے یہ کہ ہر مقام پر ان مین سے کوئی ایک معنی مراد لیے جائین، پہلی صورت تو یقیناً غلط ہے، رہی دوسری صورت مولانا نے کوئی تصریح و تشریح نہین فرمائی کہ کس جگہ کون سے معنی لیے جائین، صلوٰۃ کل پانچ معانی ہوئے، ایک مسجد اور چار اوپر لکھے ہوئے، آپ نے امتیاز کرنے کے لیے چار کو انیس آیات کے لیے مخصوص رکھا اور ایک کو بقیہ مقامات کے لیے، کیا آپ سے یہ جائز طور پر توقع نہین کی جا سکتی کہ آپ ان معانی اربعہ کے لیے بھی مزید تشریح فرما دیتے، کہ کہان کیا معنی لیے جائین، جب آپ صلوٰۃ کو آرامی لفظ قرار دیکر نماز گاہ کے معنی مین لیتے ہین تو اسی لفظ صلوٰۃ کو بعض آیتون مین دعا اور نماز عرفی وغیرہ کے معنی مین اور بعض آیتون مین مسجد کے معنی مین کس اصول کی بنا پر سمجھ سکتے ہین، جب ہر جگہ وہی لفظ وہی اصل، پھر اختلاف کیسا آپ معانی اربعہ مین نماز شرعی کے مفہوم کو بھی شامل کرتے ہین تو جب بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقررہ کے ہین، تو پھر جہان کہین آپنے اسے مسجد کے معنی مین لینا چاہا ہے، وہان بھی نماز ہی کے معنی لینے مین کیا قباحت لازم آتی ہے کہ آپ کو اس قدر کاوش کرنی پڑی،

ان آیات پر جسمین "صلوٰۃ" بقول مولانا مسجد کے معنی مین آیا ہے، نظر ڈالنے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات مین صلوۃ زیادہ تر مفعول واقع ہوا ہے، اقامت کا اور ایک ایک دو دو جگہ امر، قضے، محافظت، قصر بہ، قیام الی، استعانۃ بہ وغیرہ کا،

مولانا فرماتے ہین کہ "اقامۃ الصلوٰۃ" کے معنی عام طور پر نماز ادا کرنے کے لیے جاتے ہین مگر میری تحقیق کے مطابق اس کے معنی مسجد قائم کرنا ہین۔ آگے چلکر مولانا نے مسجد کی اہمیت اور جماعت کی تاکید کا ذکر کیا ہے، جس سے کسی مسلمان کو کچھ اختلاف نہین ہو سکتا، لیکن یہ اہمیت

وتاکید اس صورت مین بھی قائم رہتی ہے جبکہ صلوٰۃ کو نماز ہی کے معنی مین لیا جائے، اگر جماعت کی افضلیت اور مسجد کی اہمیت سے انکار ہوتا تو البتہ صلوٰۃ کے معنی مسجد ثابت کرنے کی کوشش بکار آمد اور نتیجہ دہ ثابت ہوتی، اب تو یہ کوشش تحصیل حاصل ہے، بشرطیکہ کوئی خاص فرق نہ بیان کیا جائے، لیکن مولانا نے ایک خاص بات پیدا کی ہے جو اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اقامۃ الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی مسجد کے لیے جائین، وہ یہ ہے کہ نماز کی معینہ صورت صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ آداب رکوع وسجود سے ادا کرنا ضروری نہین، عام اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد مین جاکر یا جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور تنہا نماز بشکل عبادت مخصوصہ ادا کرے، تو اقیموا الصلوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، گو وارکعوا مع الراکعین کی تعمیل سے محروم رہیگا، اور اگر نہ جماعت کے ساتھ اور نہ تنہا نماز بشکل مخصوص ادا کرے تو وہ دونون حکمون کی عدم تعمیل کا ذمہ دار ہے، حقیقۃً یہ ایک بالکل نیا خیال ہے، اس خیال کو کہ یا تو نماز پڑھو جماعت کے ساتھ، ورنہ ضروری نہین، ثابت کرنے کے لیے مولانا نے، لفظ صلوٰۃ کے معنی مسجد مقرر کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ فی الواقع تحصیل حاصل کے ذیل مین نہین آسکتی،

اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہوسکتے ہین یا نہین، اس کے لیے مندرجۂ ذیل امور پیش نظر رکھے،

۱- ہم اوپر ثابت کر آئے ہین کہ "صلوٰۃ" عربی کا لفظ ہے، کسی لغت کی کتاب مین اس کے معنی مسجد کے نہین لکھے، خود آرامی زبان مین اس کے معنی جھکنے وغیرہ کے ہین نہ کہ نمازگاہ کے، قرآن شریف کی ایک آیۃ، لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد مین صلوات کے معنی سب اہل لغت نے کنائس الیہود کے لیے ہین نہ کہ مساجد کے، کیونکہ مساجد کا لفظ خود آگے موجود ہے،

اور آیۃ لا تقربوا الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی یا تو نماز کے ہین، یا مواضع الصلوٰۃ کے، بحذف مضاف،

۲- اگر صلوٰۃ کے معنی بفرض محال عبادت گاہ کے ہین تو اس سے مراد معابد الیہود لیے جا سکتے ہین، نہ کہ مساجد المسلمین، جسطرح اردو مین لفظ گرجا سے مسلمانون کی مسجدین مراد نہین ہوتین،

۳- خود مولانا تسلیم کرتے ہین کہ بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقرر کے ہین،

۴- اقامت الصلوٰۃ مین اگر صلوٰۃ بمعنی مسجد ہے تو اقام المسجد بھی جائز ہوگا مگر یہ ترکیب نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ ادب مین کہین نہین آئی، اگر بفرض محال یہ ترکیب صحیح بھی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسجدین قائم کرو، تو اس صورت مین تین قباحتین ہین،

(الف) محض مساجد بنا دینا یا قائم کر دینا کافی ہے۔

(ب) ہر شخص کیلئے مسجد قائم کرنا فرض ہو جائے گا،

(ج) اگر دوام و مواظبت کا مفہوم بھی لیا جائے، تو اس کے یہ معنی ہون گے کہ ہمیشہ مسجدین قائم کرتے رہو یعنی ہر مسلمان کے لیے ایک دفعہ مسجد قائم کر دینا کافی نہین بلکہ ہمیشہ مسجدین بناتا رہے یہ مذہب کیا ہوا آفت جان ہو گیا،

۵- فاذا قضیتم الصلوٰۃ فانتشروا مین مولانا کے نزدیک صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہین، مگر کیا لغۃً و محاورۃً اذا قضیتم المدرسۃ یا اذا قضیتم المسجد کے یہ معنی ہو سکتے ہین، جب تم مدرسہ یا مسجد سے فارغ ہو جاؤ، اگر صلوٰۃ کے معنی نماز کے لیے جائین تو کچھ قباحت نہین،

۶- اقامت کے معنی قابل لحاظ ہین، سب مفسرین بالاتفاق لکھتے ہین کہ اقامت الصلوٰۃ کے معنی تین ہو سکتے ہین (الف) تعدیل ارکان، کیونکہ اقام العود کے معنی لکڑی سیدھی کرنے کے ہین، یقیمون الصلوٰۃ ای یعدلون ارکانہا و یحفظون من ان یقع زیغ فی افعالہا، یا (ب) مواظبت کیونکہ محاورہ اقام السوق کے یہی معنی ہین، یا (ج) مستعدی و آمادگی و اہتمام تام و بلا سستی، اقامہ اذا جد فیہ

ان تینون معنون مین سے عام مفسرین نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ قرآن پاک مین دوسرے لفظ کے ساتھ اقامت اسی معنی مین استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اقیموا الوزن، ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والخشوع الخ، ابن الاثیر نے بھی یہی معنی لکھے ہین، یہ جو تین معنی اقامت کے اوپر بیان ہوئے ہین، یہ نماز کے ساتھ بھی مخصوص ہو سکتے ہین نہ کہ مسجد کے لیے،

۶- جماعت کی تاکید "اقامۃ الصلوٰۃ" سے ثابت نہین ہے، بلکہ دوسری آیتون، مانند واركعوا مع الراكعين وغیرہ سے منصوص ہے،

۷- مولانا آیۂ کریمہ حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطى مین صلوات سے عام مساجد اور صلوٰۃ وسطے سے مرکزی مسجد یعنی کعبۃ اللہ مراد لیتے ہین،

آج تک کسی مفسر نے یہان یہ معنی مراد نہین لیے، سب بالاتفاق نماز مراد لیتے ہین، اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ وسطے سے مراد عصر کی نماز ہے،

مین اوپر کہین لکھ آیا ہون کہ مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہو کر آگے احادیث نقل کرونگا، اب وہ موقع آگیا ہے، جب کسی لفظ کے مفہوم و معنی سمجھنے کے لیے زید و عمر کے قول سے استدلال کرنے کی ضرورت پڑے تو قول رسول مقبول سب سے زیادہ مقدم و مرجح ہوگا، خصوصًا اوس صورت مین جب کہ وہ لفظ ایسے کلام کا ہو جو آپ پر نازل ہوا اور جسکی تعلیم و تلقین آپ ہی نے کی ہو، اس معاملہ مین اہم سوال صحت روایت کا ہے، مگر یہ سوال، ہر عالم لغت کے قول کے متعلق بھی ناگزیر ہے، فرض کیجئے ایک لفظ قرآن کے معنی ایک عالم لغت کچھ بتاتا ہے اور حدیث نبوی مین اوسکے معنی کچھ اور ہین، تو آپ کوکسکو ترجیح دینگے، صحت روایت دونون صورتون مین مشترک ہے، کیونکہ عالم لغت کا قول اوسکی کتاب لغۃ مین درج ہے اور حدیث نبوی صحاح ستہ یا صحیحین مین درج

ہے، جنکی صحت کا معیار معتبر سے معتبر کتاب کی صحت سے زیادہ ہے،

"صلوٰۃ وسطےٰ" کے بارہ مین ایک نہین بہت سی حدیثین ہین، چنانچہ ابن جریر نے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر مین، احادیث سے پورے تین صفحات بھر دیئے ہین، ملاحظہ ہو، تفسیر طبری جزو دوم صفحہ ۳۴۲، اگر مولانا حدیث کے قائل ہین تو ان کو اتنی احادیث "صلوٰۃ وسطےٰ" سے نماز عصر مراد ہونے کے بارہ مین دیکھکر مرکزی مسجد کا خیال چھوڑ دینا چاہئے آنحضرت صلعم سے بہتر قرآن کے الفاظ کون سمجھ سکتا تھا،

رہی مولانا کی یہ تجویز کہ جہان صلاۃ کے معنی مسجد کے ہون وہان صلوٰۃ کو واو کے ساتھ بلا الف لکھا جائے، اسکی بابت ایسی صورت مین جبکہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے قرار نہین پاتے، کچھ عرض کرنا فضول ہے۔

۸- مین بحث کی خاطر فرض کئے لیتا ہون کہ اقیموا الصلوٰۃ کے معنی مسجد قائم کرنے یا مسجد مین جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے ہین، اور یہ بھی مانے لیتا ہون کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منفرد کے لیے نماز مخصوص ضروری نہین، لیکن جہان محض صلّ آیا ہے جیسے انا اعطیناک الکوثر فصل لربك وانحر، وہان صلّ کے معنی اگر نماز پڑھنے کے نہین تو اور کیا ہین، کیا یہان معنی دعا کے لیے جائین گے، یعنی نعوذ باللہ خدا کے واسطے دعا کرو، یہان مسجد وغیرہ کا کچھ ذکر نہین پس محض یہ معنی ہوئے کہ نماز پڑھو، جماعت کے ساتھ کی کوئی قید نہین، اور صلّ امر کا صیغہ ہے، لہذا نماز بلا جماعت بھی فرض ہوئی،

تعجب ہے مولانا نے اپنی فہرست مین انا اعطیناک الکوثر کا ذکر نہین کیا، اونکی فہرست مین آخری آیہ فویل للمصلین الخ ہے، ایسی ہی فروگذاشت اُن سے ایک اور آیت کے ساتھ ہوئی، سورۂ معارج کی جو یہ آیۃ، الذین هم علی صلاتهم دائمون آپنے نقل کی ہے اوسکے الا المصلین

سے نقل نہین کیا، حالانکہ لفظ مصلین کی وجہ سے یہ حصہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیئے تھا، یہ ٹکڑا بھی
آپ کے خلاف ہے، کیونکہ آپ مصلین کو منافقین کے ساتھ مخصوص کرنے کی طرف مائل معلوم ہوتے ہین
اور یہان مصلین منافقین کے لیے نہین آیا، بلکہ سچے مسلمانون کے لیے ہے،

۹- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ مولانا نے تو یہ معنی لیے ہین کہ
صبر اور مسجد کے ذریعہ مدد لو، مگر مین عرض کرتا ہون کہ یہان صرف نماز کے معنی مراد ہین، کیونکہ اگر اسکے
معنی مسجد یا نماز جماعت کے لیے جائین تو یہ قباحت ہے کہ اگر کوئی ایک مسلمان اپنی قوم سے علحدہ
سفر مین، وحشت مین، یا دشمنون مین گھر جائے تو وہ اس صورت مین صبر تو کر سکتا ہے، مگر مسجد یا جماعت
کہان سے لائیگا، خداوند تعالیٰ نے مصائب و آفات کے مقابلہ کرنے کا جو نسخہ بتایا ہے وہ اسی وقت
قابل عمل ہے جب کہ وہ اپنے ہم مذہبون مین ہو، تنہائی کی صورت مین اس نسخہ کا نصف حصہ بیکار رہے
لیکن اگر آپ صلوٰۃ کے معنی نماز کے معنی لین تو یہ صورت ہر جگہ ممکن ہو، صبر اندرونی کیفیت اور نماز بیرونی
حالت ہے جس طرح صبر ہر صورت مین ممکن ہے اس طرح نماز بھی ہر جگہ ممکن ہے، استعینوا امر کا صیغہ ہے
لہذا استعانت بالصبر والصلاۃ کی اہمیت سے انکار نہین کیا جا سکتا،

۱۰- احادیث سے ثابت ہے کہ منفرد شخص کے لیے بھی نماز بشکل عبادت مخصوصہ فرض ہے،
(ا) مولانا اپنے اس دعوے کی تائید مین فرماتے ہین کہ نماز، دعا اور ذکر سے مختلف ہے،
اور دعا اور ذکر کے لیے کوئی خاص شکل و صورت مقرر نہین مجھے تسلیم ہے لیکن اس سے یہ کہان
ثابت ہوتا ہے کہ نماز مخصوص منفرد کے لیے کتاب موقوت نہین، نماز کے دعا و ذکر سے مختلف
ہونے سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا سے دعا مانگین یا اس کا ذکر کرین تو کسی خاص طریقے کی
پابندی کی ضرورت نہین، مگر آپ تو خود تسلیم کرتے ہین کہ نماز دعا و ذکر سے جداگانہ چیز ہے، پھر دعا
و ذکر کا کسی صورت و شکل سے مقید نہ ہونا، انفرادی نماز کے کسی صورت سے مقید نہ ہونے کا کیونکر

مستلزم ہو سکتا ہے، آپ جماعت کی نماز کے سب مخصوصہ آداب کی فرضیت کہاں سے لے آئے ہیں، اقام الصلوۃ کے معنی مسجد میں نماز پڑھنے کے سہی مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ نماز مقررہ شکل میں یعنی اسلامی نماز پڑھو، کیا محض اقامتہ الصلوۃ کے معنی مسجد میں اسلامی نماز پڑھنے کے ہو سکتے، اگر یہ ہے، تو جہاں نماز بے مسجد کے ہوگی وہ بشکل مقررہ ہوگی،

بہر حال مولانا نے اپنے طویل قابلانہ مقالہ میں لفظ صلوۃ کی بابت تلاش و جستجو کر کے جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے، مولانا کی خدمت میں باادب و احترام گذارش ہے کہ جو کچھ اوپر عرض کر آیا ہوں اسکو بہ نظر غور ملاحظہ فرما کر اپنے تفحص و کاوش کے نتیجہ پر نظر ثانی فرمائیں،

وما توفیقی الا باللہ،

مزدک

از

جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے جامعہ عثمانیہ،

مزدک[1] کی شخصیت اور مذہب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا اس لئے مشکل ہے کہ اس کے جو حالات ہم تک پہونچے ہین وہ صرف زردشتیون ہی کے ذریعہ سے پہونچے ہین، ان سے اس بات کی توقع رکھنی کہ انھون نے مزدک اور اس کے عقائد کی صحیح معنون مین ترجمانی کی ہوگی بے سود ہے،

مزدک کا زمانہ چونکہ چھٹی صدی عیسوی کا تھا، اس لئے اس کے حالات کا بھی اچھی طرح معلوم کرنا مشکل ہے، تاہم اس کے جو حالات مختلف کتابون مین درج ہین ہم ذیل مین بیان کرتے ہین،

قباد (غباد) اپنے بھائی کے بعد ۴۸۸ء[2] مین تخت نشین ہوا، اس کے دس سال حکومت کرنے کے بعد (یعنی ۴۹۸ء مین) مزدک نیشاپوری نے مدائن مین اگر پیغمبری کا دعویٰ کیا، اس کے مذہب[3] مین زردشتی شریک ہونے لگے، قباد کو بھی اس کا مذہب پسند آیا، اور اس کا بدل و جان فریفتہ ہوگیا اور وہ مزدک کی ہر بات کو مانتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنے مذہب کی اشاعت کا اچھا موقعہ ملا اب وہ اپنی مرضی کے موافق ہر کام کرسکتا تھا،

---

[1] براؤن، [2] علامہ سر اقبال The Development of Metaphysics in Persia صفحہ (۱۸) سطر (۱۵) مین تحریر فرماتے ہین کہ یہ اجتماعیت کا پہلا پیغمبر مزدک انوشیروان کے عہد حکومت (۵۰۸-۵۴۱) مین ظہور پذیر ہوا، برخلاف اس کے قاموس العلوم انگریزی، براؤن، معجم البلدان، البیرونی، "جوامع الحکایات" اور نامۂ خسروان مین لکھا ہے کہ مزدک قباد کے زمانہ مین آیا، اس کی وفات کے متعلق اگر براؤن اور قاموس العلوم انگریزی کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انوشیروان کی سلطنت کے آغاز سے تین سال قبل یعنی ۵۲۸ء مین اس کا خاتمہ ہو گیا تھا،

[3] Encyclopaedia Britannica Volume XXI P 223 معجم البلدان صفحہ (۲۷۹) اور نامۂ خسروان،

بادشاہ کے منظورِ نظر ہونے کی وجہ سے اس کی جرأت بڑھ گئی تھی چنانچہ اس نے نوشیروان کی ماں کو اپنے حرکات سے رنجیدہ کر دیا، جب قباد کے امرانے یہ بات دیکھی تو انھون نے اس کو قتل کرنا مناسب سمجھا، اس لئے قباد کو گرفتار کرکے قید کر دیا، مگر وہ اس قید سے نکل بھاگا، اور کثیر فوج کے ساتھ ایران پر حملہ کرکے اپنے بھائی جاماسب اور دوسرے امرا کو گرفتار کر لیا، بعد مین اس نے سب کو معاف کر دیا، اس سے قباد کے خیالات مین تبدیلی ہوئی اور اس نے مزدکیون سے کنارہ کشی اختیار کر لی، قباد نے ۴۲ سال حکومت کے بعد ۵۳۱ء مین وفات پائی، اس طرح تقریباً ۴۲ سال تک مزدک کو اپنے مذہب کی تلقین کا اچھا موقعہ ملا،

قباد کے بعد نوشیروان تخت نشین ہوا، اس نے اپنا فرض اولین سمجھا کہ مزدک اور اس کے پیروؤن کو کسی نہ کسی طرح قتل کر ڈالے، پہلے اس نے چند مزدکیون پر اپنی مہربانی ظاہر کی، اس کے بعد رازمین تمام صوبہ داروں کو لکھ بھیجا کہ جہان کہین کوئی مزدکی نظر آئے اسے قتل کر ڈالا جائے، اپنے پایۂ تخت مین اس نے مزدکیون سے کہا کہ وہ بھی ان کے مذہب مین شریک ہونا چاہتا ہے، اور اپنے نئے مذہب پر ایمان لانے کا اعلان سب کے سامنے کریگا، اس طرح دھوکے سے اس نے تمام مزدکیون کو ایک باغ مین دعوت دی، اور وہان ان کے عالمِ بقا کو پہونچانے کا انتظام کر رکھا تھا، جون ہی وہ لوگ باغ مین قدم رکھتے تھے، نوشیروان کے سپاہی انھین گرفتار کرکے قتل کر ڈالتے

لہ قاموس العلوم انگریزی صفحہ ۲۹۴ مین مزدکیون کے قتل عام کی تاریخ ۵۲۸ء لکھی ہے، اس طرح یہ واقعہ مزدک کے مرنے سے تین سال قبل ہوا، مگر جوامع الحکایات، کے مقدمہ (صفحہ ۸۴ حکایات ۱۸۲، ۱۸۳) اور نامۂ خسروان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ مزدکیون کا قتل عام نوشیروان کے تخت نشین ہونے کے بعد ہوا، اس لحاظ سے ۵۳۱ء مزدک کی وفات اور مزدکیون کے قتل عام کی ہونی چاہئے، تاہم اس کے متعلق بہت اختلاف ہے،

اور الٹا دفن کر دیتے، اس طرح جب ان سب کا خاتمہ ہوگیا تو اس نے مزدک کو دعوت دی، اور اس کے ہمراہ تفریح کرتا ہوا اسی مقام پر آیا جہان سب مزدکی دفن کئے گئے تھے، نوشیروان نے مزدک سے کہا، لو یہ تو تمھارے ہی برے مذہب کا نتیجہ ہے" اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور اس کے سپاہیون نے اس کو گرفتار کر لیا اور اسی باغ مین جو مقام اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا، زندہ دفن کر دیا گیا، اس طرح ایک دن مین ۸۰ ہزار[1] مزدکی مارے گئے، جب یہ ہولناک واقعہ ظہور مین آیا اس وقت ایک ایرانی (جان میکر Johnma) نامی موجود تھا، یونانی مورخین Theophanes اور Theo ... Lalas نے ان کا بیان لکھا ہے، مزدک اور مزدکیون کے قتل کے وقت بادشاہ کا عیسائی طبیب (Bazes) بھی موجود تھا، اس طرح ان اہم واقعات کی عینی شہادتین موجود ہین،

مزدک کے مذہبی اصول کے متعلق یہ نہین کہا جا سکتا کہ آیا یہ اصول اسی کے ہین، یا کسی دوسرے شخص کے، بعض ماخذون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مصنف خرزان (Kharrizan) ہے جو فارس کے ایک صوبہ کا باشندہ تھا،

سر اقبال فرماتے ہین کہ "اس کے مذہب کی نہایت ہی اہم خصوصیت اجتماعیت (Communism) ہے" جس کو وہ مانی کے عمومی فلسفہ کے مقابلے مین ایک ادنی چیز سمجھتے ہین، سیاسی

---

[1] "جوامع الحکایات" صفحہ ۱۴۰ حکایت ۱۸۲ - ۱۰۳، نامۂ خسروان اور قاموس العلوم انگریزی سے قتل عام کا ہونا مسلم ہے، صرف قتل عام کی تاریخ کے متعلق مؤرخین مین اختلاف ہے، برخلاف اس کے براؤن کہتے ہین، کہ کثیر التعداد مزدکیون کا جو ۵۲۸ء کے اختتام یا ۵۲۹ء کے آغاز پر مقتول ہوئے، ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام ایک ہی دن مین مارے گئے، درست نہین معلوم ہوتا" کیونکہ نوشیروان کی حکومت کے آغاز مین ۵۳۱ء مین مزدکیون سے بچنے کیلئے پھر کارروائی عمل مین آئی تھی اس کے بعد بھی گو بظاہر نہین مگر پوشیدہ طور پر یہ فرقہ باقی رہا،

حیثیت سے اس کا مقصد امرا اور دستورون کی قوت کو گھٹانا تھا، مجوسی مزدک کو دہریہ سمجھتے تھے جو گوشت نہین کھاتا تھا، منوچہر نے اپنے مذہب مین خون ریزی جائز کر دی تھی، یہی عنصر مزدک کے بھی مذہب کا تھا، زردشتی اس کی مذمت کرتے ہین،

مزدک[1] نے لکھا ہے، کہ ابتدائے عالم سے جہان کے دو صانع ہین، ایک فاعل خیر جس کو یزدان کہتے ہین، یہ ایک نور ہے، دوسرا فاعل شر یعنی اہرمن جس کو ظلمت کہتے ہین، اور تاریکی سے تعبیر کرتے ہین، یزدان نیکی کا خدا ہے، اس سے بجز نیکی کے اور کچھ ظہور مین نہین آتا، چنانچہ عقول النفوس، افلاک کواکب وغیرہ یزدان ہی کے پیدا کئے ہوئے ہین، اس لئے اہرمن جس کا کام برائیون کا پیدا کرنا ہے ان پر قادر نہین ہے، عناصر اور مرکبات بھی یزدان کے پیدا کئے ہوئے ہین، مگر ان مین اہرمن کو دخل ہے، مثلاً آگ جلاتی ہے، زہر جاندار کو ہلاک کرتا ہے، پانی کشتی کو ڈبو دیتا ہے، ان تمام افعال مین نقصان رسانی پائی جاتی ہے، جو اہرمن کا خاصہ ہے، چونکہ اہرمن کو فلک پر جانے اور فتنہ برپا کرنے کی قوت نہین ہے، اس لئے عالم بالا کا نام جنت رکھا ہے، اور زمین جس مین اہرمن کا بھی تصرف ہے، اور ہمیشہ اہرمن کے افعال یزدان کے مخالف ہوتے ہین، اس لئے اس کا نام دوزخ مقرر کیا ہے، اہرمن کی اتنی قدرت نہین ہے، کہ وہ آسمان پر بھی اپنا تصرف کر سکے اس حیثیت وہ یزدان سے کمزور ہے اس لئے وہ زمین پر پوری پوری مخالفت کرتا ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جو یزدان پرست ہین، ان کو بہکائے اور تکلیف پہونچائے، تاکہ وہ اس سے برگشتہ ہوجائین،

وہ لوگ جو دنیاوی تکلیفون سے ڈر کر یزدان پرستی کرنے سے باز رہتے ہین ان کی روح عالم سفلی مین پڑی رہتی ہے، یہی اس کے لئے دوزخ ہے، اور جو لوگ اہرمن کے افعال سے ڈر کر

[1] کتاب الملل والنحل صفحہ (۱۹۲) تاریخ کامل (۱۵۲) نامۂ خسروان اور (The Develop me-nt of metaphysics in Persia)

یزدان پرستی کرتے ہین اور تکلیفون اور مصیبتون کو برداشت کرتے ہین، ان کے مرتے ہی ان کی روحین آسمان پر چلی جاتی ہین، اور وہ یزدان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہین، یہی ان کے لئے جنت ہے، اس لئے انسان کو اہرمن کے دام مین نہین آنا چاہئے،

مزدک نے ہستی کے دو پہلو بیان کئے ہین، ایک "رشید" ہے جس کے معنی نور کے ہین، دوسرا تار یعنی ظلمت، یعنی دونون پہلوؤن کو اہرمن اور یزدان کے نام سے تعبیر کیا ہے، وہ نوری افعال کو اختیاری اور ظلمت کو اتفاقی خیال کرتا ہے، نیکی کا سرچشمہ نور ہے، اور شر و فساد کا ظلمت، اب نور کے اجزا ظلمت سے جدا ہو گئے ہین جب وہ ملین گے تو اس وقت قیامت ہو گی،

اس نے اصول و ارکان تین بیان کئے ہین، یعنی پانی، مٹی، اور آگ، چونکہ یہ سب باہم ملے ہین، اُن کی آمیزش سے مدبر خیر و شر کے حادثات پیدا ہوئے ہین، جو کچھ ان کی حالت سے حاصل ہوا وہ مدبر شر ہے،

یزدان کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ حساس ہے اور عالم اصلی مین ایک کرسی پر اسی طرح بیٹھا ہے، جس طرح ایک بادشاہ بیٹھتا ہے، اس کے حکم بردار چار ہین جو اس کی پیشی مین رہتے ہین، بازکشا، یا دودھ، دانا، سور یعنی قوت تمیز، و قوت حفظ و قوت فہم و قوت سرور، یعنی پر یزدان کے کاروبار کا دارومدار ہے، اس سے کسی قدر مرتبہ مین کم سات شخص ہین، وہ بھی دربار مین حاضر رہتے ہین، وہ یہ ہین، سالار، پیشکار، بالون وبردان، کاروان، دستور، کودک،

ان ساتون مین بارہ روحانی قوتین ہین، خوانندہ، دہندہ، ستانندہ، برندہ، خورندہ، دوندہ، خیزندہ، کشندہ، زنندہ، کنندہ، آیندہ، شوندہ، پایندہ، جب کسی شخص مین یہ تمام صفات پیدا ہو جائین گے، اس کا درجہ خدا کے برابر ہو گا، اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی،

مزدک لوگون کو جنگ و جدال سے منع کرتا تھا، جو اکثر عورتون اور اموال کی وجہ

ہوتا ہے، اس لئے اس نے عورتون کو حلال کیا اور اموال کو جائز رکھا، (وکان من ذلک بنھی الناس عن المخالفة والقتال ولما کان اکثر ذلک انما یقع لسبب النساء والاموال فاحل النساء واباح الاموال) اس طرح اس نے کہا کہ عورتون کو آزادی دینی چاہئے اور مال سب مین مساوی تقسیم کیا جائے، کوئی زیادہ مال رکھنے کا مستحق نہین ہے، کیونکہ ایک شخص صاحب مال و منصب ہو دوسرا نادار، یہ انصاف کے خلاف ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کو ناداردن پر برابر تقسیم کردے، عورتون کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ بڑا ظلم ہے کہ عورت توحسین ہو اور اس کا مرد قبیح، انصاف اور عین دین یہ ہے کہ مرد اپنی جمیلہ بیوی کو چند روز کسی ایسے مرد کو عطا کرے جس کی زوجہ بدصورت ہو، تاکہ وہ اس سے کچھ دنون لطف اٹھائے، جو شخص اس قسم کی قسمت سے راضی نہ ہو اس کو مجبور کرنا چاہئے،

بعض مصنفون کا خیال ہے کہ مزدکی مذہب منوچہر مذہب کی طرح مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہا، اور یہی خیالات بعد کے فرقون مین ظہور پذیر ہوئے، اسی خیال کو نظام الملک نے سیاست نامہ مین نہایت شدومد سے بیان کیا ہے، اور اسماعیلیون کو جن سے اسے دلی نفرت تھی، مزدکیون کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اس مذہب کے مشہور پیرو مندرجہ ذیل بیان کئے جاتے ہین، جو مختلف زمانون مین تھے، فرہاد، سیراب، آئین، ہوش، محمد، قلی گرد، اسماعیل بیگ، احمدائی غزنی، اصفہان کے مضافات مین اس مذہب کے لوگ زیادہ رہتے تھے، اسلام کے عہد مین انھون نے اپنے نام مسلمانون سے رکھ لئے، تاکہ ان کے اصلی مذہب کا راز فاش نہ ہوجائے،

فضائے آسمانی

یا

جوِّ سماء

از مولوی حامد حسن قادری لکچرار سینٹ جانج کالج آگرہ

ایک ہیئت دان کا قول ہے کہ "آسمان کی فرضی تصویر جو شکل خلائے گنبد کے زمین کے افق سے افق تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے عظیم الشان اور نہایت عظیم الشان ہے، اور مین دل سے چاہتا ہون کہ مین آسمان کے اس تصور سے آگے نہ بڑھا ہوتا، لیکن اصلی آسمان عجیب پرہیبت چیز ہے، وہان اول ایک ایسی وسعت ہے جہان سے شان ورفعت کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت آتی ہے جہان سے عظمت وجلال شروع ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت پیدا ہوتی ہے جہان سے قہارانہ متانت کی ابتدا ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت نمایان ہوتی ہے جہان سے ہیبت شروع ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت ظاہر ہوتی ہے جہان سے وحشت کا آغاز ہوتا ہے، اور اس وسعت سے وسعتِ عالم کا خفیف سا اندازہ ہوتا ہے، اگر تم خوش وخرم ہو اور ایسا ہی رہنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کے مطالعہ کا نام نہ لو، تمام علوم وفنون مین علم فلکیات سب سے زیادہ دہشت خیز ووحشت انگیز ہے، لیکن اگر تم اپنے مستقبل کے لئے مضطرب وپریشان ہو تو فوراً علم ہیئت کا مطالعہ کرو اور تمھاری پریشانیان کم ہو جائینگی، لیکن یہ کمی عجیب وغریب ہوگی، یعنی دنیا کی ہر چیز کی اہمیت وعظمت تمھاری نظر مین گھٹ جائیگی، خلاصہ یہ کہ علم ہیئت اگر آبِ حیات ہے، تب بھی نہایت خوفناک ہے" اس علم کے مطالعہ سے جو واقعات معلوم ہوتے ہین، اور ایسی ہیبت ووحشت اپنے اندر رکھتے ہین وہ ستارون کی

بے اندازہ کثرت اور ان کے لامتناہی درمیانی فاصلے سے متعلق ہین،

ساحل بحر یا دلدل کے کنارے پر تم نے آلۂ جر ثقیل کا عمل دیکھا ہوگا، تم دیکھتے ہو کہ ایک ربع میل کے فاصلہ پر ایک بڑا وزن زنجیرون اور آلات کے ذریعہ سے ہوا مین معلق ہے، پھر تم وزن کو نیچے گرتے دیکھتے ہو، وہ زمین پر آتا ہے، اور پھر اوپر کی سمت واپس جاتا ہے، جب دو یا تین فٹ زمین سے بلند ہو جاتا ہے، تو تم یکایک ایک تیز آواز سنتے ہو، اور بڑی کوشش اور غور کے بعد دریافت کر سکتے ہو کہ وہ آواز ایک سکنڈ قبل پیدا ہوئی تھی، یعنی آواز کے پیدا ہونے اور تمھارے کان تک پہونچنے کے درمیان مین اتنا وقت گذر گیا کہ عمالِ جر ثقیل نے وزن کو زمین سے تین فٹ اوپر کھینچ لیا، آواز ایک سکنڈ مین ایک رُبع میل سے کچھ کم فاصلہ طے کرتی ہے، روشنی کے سفر مین بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہے، لیکن اسکی رفتار آواز کی رفتار سے بے حد تیز ہے، یعنی ایک سکنڈ مین ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ طے کر لیتی ہے، تو جو چیز ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل کے فاصلے پر ہو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ چیز ایک "ثانیۂ نور" کے فاصلے پر ہے، یعنی اتنی دور ہے جتنی دور روشنی ایک سکنڈ مین پہونچتی ہے، اب ایک سال مین تین کرور سکنڈ ہوتے ہین، اور آفتاب کی روشنی زمین پر پہونچنے کیلئے ۸ منٹ لیتی ہے، لہذا بجائے اس کے کہ ہم اس فاصلہ کا حساب میلون سے کرین یون بھی کہہ سکتے ہین کہ آفتاب زمین سے آٹھ "دقیقۂ نور" کے فاصلے پر ہے، (یعنی تقریباً آٹھ کرور نوے لاکھ میل) کس قدر عظیم الشان بعد ہے! اللہ اکبر!

آفتاب اور نظام آفتاب کے سیارون کے باہمی تناسب کا اندازہ کرنے کے لئے فرض کرو کہ ایک فٹ قطر کی طلائی گیند اور بہت سی چھوٹی چھوٹی گولیان جن کے قد مٹر کے دانے اور بچون کے کھیلنے کی گولیون کے درمیان ہین، پچاس فٹ سے دو سو فٹ تک کے فاصلے پر رکھی ہوئی ہین، اس طرح کا ایک نمونہ لندن کے میوزیم آف پریکٹیکل جیالوجی مین رکھا ہوا ہے، لیکن ہمارے آفتاب کے علاوہ اور آفتاب یا ثوابت کرورون کی تعداد مین ہین، ان مین قریب ترین ستارہ (جسکا نام الفاسین توری

ہم سے کم سے کم تین سال نور کے فاصلہ پر ہے، ایک سال نور ساڑھے پانچ کھرب میل کے برابر ہوتا ہے، تو یہ قریب ترین آفتاب تقریباً سولہ کھرب میل دور ہوا، اگر اس کی روشنی یکایک گل ہو جائے، تو ہم کو تین سال تک اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوگا،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ غیر متحرک ستارے یا ثوابت جو ہمارے آفتاب کے مثل آفتاب ہیں کتنے ہیں؟ سرسری اندازہ یہ ہے کہ زمین کے کرۂ شمالی اور کرۂ جنوبی دونوں سے خالی آنکھ سے نظر آنے والے ستارے (کیونکہ قطب شمالی کے کرۂ ارض سے جو ستارے نظر آتے ہیں وہ قطب جنوبی کے کرہ سے نظر نہیں آتے) تقریباً آٹھ ہزار ہیں، تم کہوگے کہ یہ تو کچھ بہت زیادہ نہیں ہیں، لیکن ٹھہرو اور سنو کہ دوربین کیا کہتی ہے، قوی ترین دوربین کی مدد سے تقریباً دس کروڑ ستارے نظر آتے ہیں جن کی روشنی ان کے فاصلے کی نسبت سے کم ہوتی چلی جاتی ہے، اور دشواری سے دکھائی دیتے ہیں، اب ہم اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں، گزشتہ نصف صدی کے اندر معلومات فلکی میں فوٹوگرافی نے حیرت انگیز وسعت پیدا کر دی ہے اور "خشک پلیٹ" کی ایجاد نے معلومات کا نیا دروازہ کھول دیا ہے، فوٹوگرافی کی معمولی پلیٹ جس کو ہم "تر پلیٹ" کہہ سکتے ہیں دیر تک کھلی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے، اور اس پر عکس صاف نہیں آسکتا، لیکن خشک پلیٹ گھنٹوں کھلی رہ سکتی ہے، ہیئت دان اس ہیئت کو ایک حصہ آسمان کے مقابل قائم کر دیتا ہے اور چار پانچ گھنٹہ کھلا رکھتا ہے، اس ترکیب سے وہ ستارے جو قوی سے قوی دوربین سے بھی نظر نہیں آتے اور چند سکنڈ یا چند منٹ میں معمولی پلیٹ پر نمایاں نہیں ہو سکتے خشک پلیٹ پر متواتر عکس ریز ہونے کی وجہ سے اپنا نقش ثبت کر دیتے ہیں، اور انسان آنکھ سے نہ دیکھ سکنے پر بھی ان کو دیکھ سکتا اور ان کے فاصلے کو ناپ سکتا ہے، اس طرح کروڑوں نئے ستاروں کا وجود ثابت ہو گیا ہے، یہ بے تعداد ستارے مختلف درجات نور رکھتے ہیں اور ماہران ہیئت نے ایسے ذرائع ایجاد کر لئے ہیں، کہ ان کی جسامت و فاصلہ کا قطعی و یقینی اندازہ کر سکتے ہیں، ان میں کثیر تعداد ہے، جو ہمارے آفتاب سے بدرجہا بڑی ہے، ایسے

ستارے بھی دریافت کئے گئے ہین جو ہم سے چار، پانچ، دس اور بارہ "سالِ نور" کے فاصلہ پر ہین، اور جدید تحقیقات کی بنا پر ایسے قوی اسباب موجود ہین کہ بہت فوٹو گرافی کے ستارون کو ۲۴ ہزار سالِ نور کے فاصلہ پر مان لیا جائے، یہ پر ہیبت تعداد میلون مین ظاہر نہین کی جاسکتی، ناظرین ایک سال نور کی میلون کی تعداد پیش نظر رکھین اب اس کے بعد کیا ہے؟ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے، نہ اندازہ کر سکتا ہے، خلاے بسیط کی حد بندی طاقت بشری سے باہر ہے،

لہذا یہ صحیح اور لازم نتیجہ ہے کہ یہ کرورون آفتاب جو ہمارے آفتاب کی مثل گرم و روشن ہین اپنا اپنا جداگانہ نظام رکھتے ہین، اور بہت سیارے ان کے گرد گردش کرتے ہین، وہ سیارے سرد ہو چکے ہین، اور اب روشنی نہین دیتے، بہر حال بعید ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹے ہین کہ نظر نہین آسکتے یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ ان مین سے بعض بلکہ اکثر سیارون کے اندر مادۂ حیات بھی موجود ہے، جو بالکل حیات ارضی نہین تو اس کے مشابہ ضرور ہے، اور گمانِ غالب ہے کہ ان بے شمار سیارون مین ذی عقل ہستیان آباد ہین، صحیح استدلال اور صائب غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچنا ذہنِ انسانی کی عجیب پرواز ہے،

ماہران فلکیات نے اجرام سماوی کی حرکت کے متعلق جس قدر نتائج اخذ کئے ہین ان مین اس نتیجہ سے زیادہ عجیب اور پر اسرار کوئی نتیجہ نہین کہ کرورون ستارون کے مجمع مین جنکی عدد انتہا کا ہم تصور بھی نہین کر سکتے، دو عظیم الشان لہرین مخالف سمتون مین حرکت کر رہی ہین، اور تمام ستارے انھین لہرون مین سے کسی ایک کے اندر شامل ہین، یہ ستارون کی لہرین کہان سے آرہی اور کدھر جا رہی ہین، اس کا جواب ابتک رازِ سر بستہ ہے، ایک اور نتیجہ جو آلۂ مقیاس الوان النجوم کی مدد سے حاصل ہوا ہے، یہ ہے کہ ہمارا آفتاب اور اس کے نظام کے کل سیارے ایک ستارۂ ویگا کی طرف حرکت کر رہے ہین، یہ صحیح ہے کہ یہ ستارہ ہم سے ہزارون کرور میل دور ہے

لیکن ہم کسی قدر تیزی کے ساتھ اس کی جانب دوڑے چلے جاتے ہیں، یعنی ۱۹ میل فی سکنڈ کی رفتار سے سچ یہ ہے کہ اس خوفناک تصادم مستقبل کے مقابلہ میں فقط اس امید کا سہارا ہے کہ ہمارے اور دوسرے ستارون کے درمیان فاصلہ بے حد و غایت ہے، اور کسی واقعۂ ہائلہ کے پیش آنے سے قبل ایک طویل زمانہ گذرنا ضروری ہے، نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ فضائے آسمانی مین جو قانون جذب و دفع جاری ہے اسکے زیر اثر ہمارا نظام شمسی ستارۂ ویگا کے پاس سے محفوظ گذر جائیگا جس طرح موٹر کار شاہراہ کے ہجوم کے اندر سے بے ضرر گذر جاتی ہے،

مطالعۂ فلکیات کی ترقی اور دلچسپی مین آلۂ مقیاس الالوان نے فوٹوگرافی سے کم حصہ نہین لیا واقعہ یہ ہے کہ ان دونون مفید ذرائع مشاہدہ نے ہر معمولی انسان کے لئے علم ہیئت کے ایجادات واکتشافات کو دلچسپ بنا دیا ہے، ہر شخص ان آلات کی مدد سے بہت سے اسرار فلکی کا خود مشاہدہ کرسکتا اور ان کی تصدیق کرسکتا ہے، اگرچہ اصلی راز جن کا انحصار پیمائش و حساب پر ہے سوائے ریاضی دان کے کسی کے بس کی نہین، اجرام سماوی کی حرکت وجسامت کا صحیح سے صحیح اندازہ لگانا علم ہیئت کی جان ہے، چنانچہ گرینچ کی شاہی رصدگاہ کے علمائے ہیئت نے نئے دم دار ستارے (یعنی ۱۹۱۰ء کے تیسرے تارے) کا فوٹو اس طریقہ سے لیا کہ اس سے قبل ایسا فوٹو کبھی نہ لیا گیا تھا ماہران فلکیات کئی ہفتے تک مسلسل روزانہ رات کو خشک پلیٹ پر دمدار تارے کا فوٹو دو دو تین تین گھنٹہ کے وقفہ کے بعد لیتے رہے، اور اس طرح جو تصویرین لی گیئن اور رائل اسٹرانومیکل سوسائٹی مین پیش کی گیئن ان سے تارے کی دم کی حیرت انگیز مختلف شکلین ظاہر ہوتی ہین، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ستارے کے کسی جاندار چیز کی تصاویر ہین، اکتوبر ۱۹۱۱ء مین ہیلز کومٹ (ہیلی کا دریافت کردہ دمدار تارہ) جس کا نہایت شوق و انتظار کے ساتھ انتظار تھا نظر آیا، اگرچہ عوام کے لئے مئی ۱۹۱۰ء سے قبل اسکے نظر آنے کی امید نہ تھی، دمدار تارے ماہران نجوم کے لئے غیر معمولی مسرت کا باعث ہوتے ہین،

ان سے مراد بڑے بڑے تارے ہین، اور نہ چھوٹے چھوٹے دمدار تارے جو صرف دور بین یا فوٹو گرافی کے ذریعہ نظر آسکتے ہین، ہر سال دو تین نکلتے رہتے ہین، بعض دمدار تارون کی آمد متوقع ہوتی ہے، بعض بالکل خلاف امید نظر آتے ہین، کچھ اس سبب سے کہ ان کا وقت مقرر نہین ہوتا، اور کچھ اس لئے کہ اس وقت کا اندازہ ابتک نہین ہو سکا، اڈمنڈ ہیلی پہلا عالم ہے جس نے ایک خاص دمدار تارے کی حرکت کا قانون دریافت کیا، اور پیشین گوئی کی کہ جو تارا ۱۶۸۲ء مین نظر آچکا ہے، وہی ۱۷۵۸ء مین نظر آئے گا، وہ اپنی پیشین گوئی کی صداقت کے مشاہدہ کے لئے زندہ نہ رہا، اس نے قیاس لگایا تھا کہ یہ ستارہ جس کو اب اس کے نام ہیلیز کومٹ کہا جاتا ہے، وہی ہے جو ۱۵۳۱ء اور ۱۶۰۷ء مین نظر آچکا ہے، اس کی پیشین گوئی ایک سال بعد پوری ہوئی، جس کا سبب وہ تغیرات تھے جو دو سیارون نپچون اور یورینس نے پیدا کر دیئے تھے، چونکہ یہ دونون سیارے ہیلی کے زمانہ مین دریافت نہین ہوئے تھے، اس لئے وہ دمدار تارے کی راہ مین ان سیارون کی رکاوٹ کا اندازہ نہ کر سکتا تھا، بہر حال ۱۷۵۹ء مین وہ تارا ظاہر ہوا اور غائب ہو گیا اور پھر ۱۸۳۵ء مین نمودار ہوا، اور اس کے بعد ۱۹۱۰ء مین پوری آب و تاب کیساتھ ظاہر ہونے کا انتظار تھا چنانچہ بالکل امید کے مطابق نمایان ہوا، اس کی مدت طلوع ۷۵، یا ۷۶، سال دریافت کی گئی ہے،

مثنوی فتح گجرات

علامۂ فیضی

از

مولٰنا سعید الدین خان بہادر متوسل سرکار بھوپال،

اکبر کی مہمات جنگی مین محمد حسین مرزا کی بغاوت کا استیصال ایک اہم واقعہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اکبر جب سورت سے روانہ ہو کر دار الخلافہ مین پہونچا تو محمد حسین مرزا نے سورت کے لینے کا ارادہ کیا، اور اس کے حدود مین آکر شورش برپا کی، اگرچہ اس مین اسکو ناکامی ہوئی، تاہم اس نے بہت سے مقامات پر قبضہ کر لیا، اور احمد آباد پر مسلط ہونے کی لئے پیش قدمی کی؛ اکبر نے روانہ ہوتے وقت گجرات کے تمام اختیارات خان اعظم کوکہ کو تفویض کر دیئے تھے، اور احمد آباد مین محمد حسین مرزا کا اسی سے مقابلہ تھا، لیکن خان اعظم حزم و احتیاط کی بنا پر اس سے معرکہ آرا نہ ہوا، اور اس کی خبر اکبر کو دی، اکبر کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے یلغار کرکے وہان پہونچنا چاہا، لشکر شاہی ابھی ایک برس لڑ کر گجرات سے آیا تھا، اور اُس نے اپنی جاگیرون سے روپیہ نہین وصول کیا تھا، اس لئے بادشاہ نے ان کو خزانۂ شاہی سے روپیہ دیا، دو ہزار کارآزمودہ بہادر ساتھ لئے، اور راستہ کے حاکمون کو حکم بھیجا کہ جتنی کوتل سانڈنیان ہون تیار کرکے اپنی انتخابی فوج کے ساتھ سر راہ حاضر ہون، غرض اس نے ۲۰ ربیع الثانی ۹۸۱ھ کو سانڈنیون پر بیٹھکر ساڑھے چار سو میل کی مسافت نو دن مین طے کی اور یہ واقعہ اس قدر اہم خیال کیا گیا کہ فیضی نے اس کو ایک مثنوی مین نظم کیا، جس کی نسبت علامہ شبلی مرحوم شعر العجم مین تحریر فرماتے ہین کہ :-

"اکبر کی مہم گجرات پر ایک مثنوی لکھی تھی، وہ بھی ناپید ہے، چند شعر ایک خط مین نقل کئے ہین،

لیکن یہ ناپید مثنوی میری قدیم کتابون مین قلمی موجود ہے، اور میرا ارادہ ہے، کہ اس کو طبع کرادون، مثنوی کے چند اشعار تحریر کرتا ہون، اکبر شاہ نے سانڈنی سوارون کے لشکر سے چڑھائی کی تھی اس لئے فیضی نے اس کا تلازمہ باندھا ہے،

چو سلطان انجم زحنا ور زمین　　برسم عرب گشتہ محمل نشین،
کف انداز شد بختی آسمان　　زمستی برآورد کف از دہان
کشیدند از خط صبحش مہار　　کہ پیوند خود نگسلد از قطار،
شہنشہ برآورد رنگ شاہنشہی　　بسر تاج اقبال ظل الٰہی، الخ

چند اشعار کے بعد اصل واقعہ کو شروع کرتا ہے،

کہ ناگہ یکے قاصدے تیزگام　　رسانید از خان عالم پیام
کہ گجراتیان اندر مکر و ریو،　　بصورت چو مردم بمعنی چو دیو
ہمہ متفق با محمد حسین　　کج اندیش و ناراست از جانبین
شہنشاہ را این سخن کار کرد　　برزم آوری عزم یلغار کرد
برون تاخت از آگرہ گرم حرب　　چو خورشید کز شرق تازد بغرب
نخستین طلب کرد جازہ را　　در آفاق افگند آوازہ را
ہمہ ساربان کمر بستہ چست　　بویس قرن کردہ نسبت درست
شتر چو فرشتہ سرشتہ ز نور　　باندک زمان رفت بسیار دور
قد خود بہ تعظیم کردہ دوتا　　کمر بستہ از بہر خدمت دوتا
بہ تعظیم بر سینہ بنہادہ دست　　ز راہ ادب باد وزانو نشست
قدیو عجم شاہ عالی تبار　　چو شاہ عرب بر شتر شد سوار

شتر زین سواری سرافراز شد | شتربان بعزت مدی ساز شد
ببوسے زمامش چو شہ دست برد | زمام ارادت بدستش سپرد
شتر مرکب موکب انبیا ست | سواری بر و نسبت مصطفےٰ است
شہنشہ سواری جمازہ کرد | رہ و رسم پیغمبری تازہ کرد

تاریخون مین ہے کہ اکبر نے اس مسافت کو نو دن مین طے کیا تھا، لیکن فیضی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر کی مدت صرف ایک ہفتہ تھی،

شہنشہ شتابان براہِ سفر | زعمر گرامی شتابندہ تر
بیک ہفتہ در احمدآباد رفت | تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت
رسانند ارباب معنی بعرض | کہ شاہ ولی را بود طی ارض
بر ارباب کشف و کرامت جلی است | کہ شاہ بحق رتبہ داخل ولی است

اکبر احمدآباد پہونچا تو شہر کے لوگ حاضرِ خدمت ہوئے، اور فریق آمادہ شر و فساد نظر آیا،

ہمہ پاکبازان شہر از نشیب | رسیدند ناگہ چو مردان غیب
مخالف پے جنگ آمادہ بود | میان را بکین بستہ ایستادہ بود
سپاہ مغل با محمد حسین، | چو شوخان عیار پر شور و شین
دلیران گجراتی سبز رنگ | سراسر در آئینۂ ملک زنگ

محمد حسین مرزا نے اختیار الملک سے ساز باز کر لیا تھا، اس لئے محمد حسین کے قتل کے بعد بھی وہ فتنہ جوئی سے باز نہ آیا، چنانچہ فیضی محمد حسین کے واقعہ قتل کے بعد لکھتا ہے، :-

چو آن فتنہ بنشست از تیغ شاہ | دگر فتنہ برخاست از رزمگاہ

سپہ دار گجراتیان اختیار کمین کردہ آہ پے کارزار

زرہ پوش گجراتیان یکسرہ طپان مرغ آہنی پنجرہ

لیکن اکبر نے اس کو بھی مغلوب کر لیا چنانچہ فیضی اختتام مثنوی کے قریب کہتا ہے۔

دو دشمن بیکبار مقہور شد چہ گویم کہ نور علی نور شد

ملک مژدہ گویان زبالا رسید کہ منشور (اِنَّا فَتَحْنَا) رسید

قضا گفت صد آفرین شاہ را تہجد خواند (النصر من اللہ) را

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ،

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلۂ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شائع ہوا ہے، اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت فاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی، کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہیں جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہیں، ضخامت ۴۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت سے

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

مصر کا قانونِ نکاح

ٹرکی کے تمدنی انقلابات کا نہایت گہرا اثر مصر پر پڑ رہا ہے، اور عجب نہین کہ رفتہ رفتہ یہ سیلاب دنیائے اسلام مین پھیل جائے، نکاح و طلاق کے مسائل اور معاملات مین ٹرکی نے جو کچھ کیا ہے، وہ اخبارات کے ذریعہ آپ تک پہونچ چکے ہین، اب یہ شورش مصر تک پہونچ چکی ہے، لیکن چونکہ بحمد اللہ مصر مین ایسے روشن دل اور روشن ضمیر علما موجود ہین جو نئے حالات کو اسلام کے مطابق کرنے کی قابلیت رکھتے ہین، اس لئے انقلاب مین بھی اعتدال کی ایک صورت وہان قائم رہجانے کی امید ہوتی ہے، چونکہ معارف مین مسئلۂ نکاح پر ایک مسلسل مضمون نکل رہا ہے، اس تقریب سے مصر کی پارلیمنٹ مین نکاح کے متعلق جو اصلاحی قانون پیش ہوا ہے اس کا بھی آپ کے سامنے آجانا مناسب ہے، یہ قانون مختلف مسائل نکاح طلاق، نفقہ، تعدد ازدواج وغیرہ پر مشتمل ہے، اور اس کے کل ۲۵ دفعات بہ ترتیب ذیل ہین، جو المنار مصر سے لیکر نقل کئے جاتے ہین،

۱۔ تعدد زوجات،

(دفعہ ۱) ایک شادی شدہ شخص اس شرعی قاضی کی اجازت کے بغیر جس کے حلقہ مین اس کا مکان ہے، نہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرسکتا ہے نہ کوئی شخص اس نکاح کو پڑھا سکتا ہے، نہ اس کی رجسٹری کرسکتا ہے،

(دفعہ ۲) قاضی ایک شادی شدہ شخص کو اس وقت تک دوسرے نکاح کی اجازت نہین دیسکتا

جب تک غور و فکر نہ کرلے، اور جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ حسن معاشرت کی قدرت رکھتا ہے، اور جو عورتیں اس کے نکاح مین ہین، اور اس کے آباد اجداد اور آل و اولاد مین جنکی کفالت اس کے ذمہ ہے، ان سے زیادہ لوگون کی کفالت کرسکتا ہے،

(دفعہ ۳) اس قانون پر عمل کرنے کے بعد نکاح کا جو دعویٰ ہوگا اگر عدالت کے سامنے اُس کا انکار کردیا جائے، تو جب تک سرکاری کاغذ کے ذریعہ سے ثابت نہ کیا جائے، اس کی سماعت نہ ہوگی،

۲- (طلاق)

(دفعہ ۴) جو شخص حالتِ نشہ مین ہو، یا اس سے بجبر طلاق دلوائی گئی ہو، اسکی طلاق واقع نہوگی،

(دفعہ ۵) جو طلاق کسی چیز کے کرنے نہ کرنے پر متعلق ہو، واقع نہ ہوگی،

(دفعہ ۶) لفظاً یا اشارۃً جس طلاق کی تعداد بیان کردی گئی ہو، اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۷) طلاق کنائی یعنی جس مین طلاق اور غیر طلاق دونون کا احتمال ہو اس سے صرف بائن طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۸) مکمل تین طلاق طلاق قبل خلوت صحیحہ، طلاق باخذ مال اور اس طلاق کے علاوہ جس کے متعلق اس قانون مین یا قانون رقم ۲۵ ۱۹۲۰ء مین یہ تصریح کردی گئی ہے کہ وہ بائن ہے، اور تمام طلاقین رجعی ہون گی،

۳- (شوہر کے شرائط پورے نہ کرنے پر فسخ)

(دفعہ ۹) اگر بی بی نکاح مین شوہر کو ایسی شرط کا پابند کرے جس مین اس کا فائدہ ہو، اور وہ مقاصد نکاح کے مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ اس کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کریگا، یا اس کی سوت کو طلاق دیدیگا، یا یہ کہ اس کو کسی دوسرے شہر مین نہ لیجائیگا، تو یہ شرط صحیح

اس کی پابندی لازمی ہو گی اور اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے، تو بی بی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا اور جب تک وہ اس شرط کو ساقط نہ کردے یا اس شرط کی مخالفت کرنے پر راضی نہ ہو جائے اس کا حق فسخ نکاح ساقط نہ ہوگا،

۴-(میاں بی بی مین نزاع اور نقصان کی وجہ سے طلاق)

(دفعہ ۱۰) اگر بی بی یہ دعوی کرے کہ شوہر اس کو ایسا نقصان پہونچا رہا ہے جس کے ساتھ ان دونون جیسے اشخاص مین عادةً معاشرت قائم نہین رکھی جاتی اور علیحدگی کی خواستگار ہو تو اگر ضرر ثابت ہو جائے اور قاضی اِن دونون کے درمیان مصالحت نہ کرا سکے تو وہ اس کو طلاق بائن دیدیگا، اور اگر ضرر ثابت نہ ہو تو قاضی دو پنچون کو بھیجے گا، اور ان دونون کی رائے کے مطابق جیسا کہ دفعات (۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵-اور ۱۶) مین مذکور ہے فیصلہ کریگا،

(دفعہ ۱۱) پنچون کے متعلق یہ شرط ہے کہ دونون مرد عادل ہون اور اگر ممکن ہو تو میاں بیوی کے خاندان سے ہون اور اگر ان دونون کے خاندان سے نہ ہون تو ایسے اشخاص ہون جن کو میاں بیوی کے حالات سے واقفیت حاصل ہو، ان مین مصالحت کرانیکی قدرت رکھتے ہون، اور نزاع کے احکام سے واقف ہون، گو قاضی کی تعلیم ہی سے سہی،

(دفعہ ۱۲) پنچون کے لئے یہ ضروری ہے کہ میاں بیوی کی نزاع کے اسباب سے واقف ہون اور مصالحت کے لئے پوری کوشش کرین اور اگر کسی معین طریقہ پر مصالحت ہو جائے تو کرا دین،

(دفعہ ۱۳) جب دونون پنچ مصالحت سے عاجز آجائین، اور ضرر رسانی شوہر کی جانب سے یا میاں بیوی دونون کی جانب سے ہو یا دونون کے حالات سے واقفیت نہ ہو سکے، تو بلا عوض طلاق بائن کے ذریعہ سے علیحدگی کرا دین،

(دفعہ ۱۴) اگر ضرر رسانی بی بی کی جانب سے ہو تو دونون پنچ وہ فیصلہ کرین جو متعینہ مصلحت کا

اقتضا ہو یعنی بی بی کو شوہر کی حفاظت مین رہنے دین یا بی بی سے معاوضہ لیکر طلاق بائن کے ذریعہ سے علحٰدگی کرا دین، لیکن اگر مصلحت یہ نہ ہو تو دونون پنچون کو اختیار ہے کہ علحٰدگی کرا دین اور اگر شوہر طلاق دینا یعنی چاہتا تو نکاح قائم رہنے دین لیکن اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو بی بی سے معاوضہ دلا کر طلاق دلا دین،

(دفعہ ۱۵) اگر دونون پنچ اختلاف کرین تو قاضی ان دونون کو دوبارہ تحقیقات کرنے کا حکم دے، اگر اب بھی ان دونون مین اختلاف باقی رہے تو دوسرے دو کو پنچ مقرر کرے،

(دفعہ ۱۶) دونون پنچون کا یہ فرض ہے کہ جو فیصلہ کرین اس کو تمام حالات مین قاضی کے سامنے پیش کرین، اور قاضی اس کو نافذ کرے،

(دفعہ ۱۷) اگر شوہر ایک سال یا اس سے زائد مدت کے لئے بی بی سے الگ کسی دوسرے مقام پر رہے، اور اگر بی بی کو اس کی دوری سے نقصان پہونچے، تو وہ قاضی سے طلاق بائن کی درخواست کر سکتی ہے، گو شوہر نے اتنا مال چھوڑ دیا ہو کہ وہ اس سے اپنے مصارف چلا سکتی ہو،

(دفعہ ۱۸) اگر مسافر شوہر کے پاس خطوط کا پہونچنا ممکن ہو تو قاضی اس کے لئے ایک مدت مقرر کریگا اور اس کو یہ اطلاع دیگا کہ اگر اس کے ساتھ رہنے کے لئے وہ نہ آیا یا اس کو اپنے پاس بلا نہ لیا یا اس کو طلاق نہ دیدی، تو قاضی اس کو طلاق دیدیگا، تو جب مدت گذر جائیگی اور وہ اس کی تعمیل نہ کریگا تو قاضی طلاق بائن کے ذریعہ سے دونون مین علحٰدگی کرا دیگا؛ اور اگر خطوط کا پہونچنا ناممکن ہوگا تو قاضی اس کو بلا اطلاع و تعین مدت طلاق دیدیگا،

(دفعہ ۱۹) ایک قیدی جس کے لئے آخر طور پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس کو ایک ایسی سزا دیگئی ہے جو اس کی آزادی کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لئے پابند کرے گی، اس کی بی بی اسکی قید کی مدت کے ایک سال گذر جانے پر قاضی سے بوجہ نقصان کے طلاق کی درخواست کر سکے گی، گو

اس نے اس قدر مال چھوڑا ہو جس سے وہ اپنے مصارف مین صرف کر سکتی ہو،

۵-(نسب کا دعوی)

(دفعہ ۲۰) میان بیوی کے درمیان اگر نکاح کے وقت سے ملاقات نہ ثابت ہو تو بی بی کے لڑکے کا دعوائے نسب نہ سنا جاویگا،

(دفعہ ۲۱) اگر ایک عورت شوہر کی غیر موجودگی کے ایک سال بعد بچہ جنتی ہے اس مدت مین دونون کے درمیان ملاقات ثابت نہین ہے، تو اس لڑکے کے نسب کا دعوی سنا نہ جائیگا،

(دفعہ ۲۲) ایک عورت جس کو طلاق دیگئی ہو یا اس کا شوہر مر گیا ہو، اگر طلاق اور وفات کے وقت سے ایک سال سے زائد مدت مین بچہ جنے تو اس کے نسب کا دعوی نہ سنا جائیگا،

۶- (نفقہ)

(دفعہ ۲۳) بی بی کی حالت کیسی ہی ہو لیکن اس کا نفقہ شوہر کی فراخ دستی اور تنگدستی کے مطابق معین کیا جائے گا،

(دفعہ ۲۴) عدت کے نفقہ کے متعلق تاریخ طلاق سے ایک سال سے زائد مدت کا دعوی نہ سنا جائیگا،

۷-(پرورش کا سن)

(دفعہ ۲۵) قاضی عورتون کو سات سال کے بعد نو سال تک لڑکے کی اور نو سال سے اگیارہ سال تک لڑکی کی پرورش کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے، کہ اس مین دونون کی مصلحت ہے، (ع)

فلسطین مین تعلیمی جدوجہد

"الفیحا" دمشق مین فلسطین کے "نظام تعلیم" پر جفا کے سرکاری مدرسہ کے مدرس اعلی سعید صباغ کے

بعض مفید بیانات شائع ہوئے ہیں جن سے وہان کی عام تعلیمی جد وجہد کا پتہ چلتا ہے،

سررشتۂ تعلیم کی نظامت اعلیٰ پر اگرچہ استعماریت کے اثر سے ایک انگریز فائز ہے، تاہم وہ اپنے صیغہ کے تمام فرائض ایک مجلسِ شوری کے مشورہ سے انجام دیتا ہے، یہ مجلس وہان کے ایسے مخصوص اہلِ علم پر مشتمل ہے جنھین تعلیمی صیغہ مین بھی نمایان حیثیت حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کے ماتحت سب سے اہم شعبہ صیغۂ تفتیش ہے، جس کے ماتحت مختلف علوم وفنون کے لئے جدا جدا انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر ہر ضلع مین متعین ہین، جو اپنے اپنے ضلع کے تمام ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ مدارس مین اپنے اپنے فن کی تعلیم کا معائنہ کرتے ہین، اور اساتذہ کے ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ مین تبادلہ کا انتظام کرتے ہین، مدارس کی عام نگرانی اور دیکھ بھال بھی اسی صیغہ کے متعلق ہے، اور پھر ضلع دار انسپکٹرون پر ہر ہر فن کے جدا جدا افسر ہوتے ہین، چنانچہ انھین اعلیٰ افسرون مین سے ایک پروفیسر خرل ہین، جو کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ مشرقی زبانون بالخصوص قدیم زبانون کے فلسفہ کے خاص ماہر شمار کئے جاتے ہین، اور اسی کے ساتھ تاریخ وجغرافیہ مین بھی ان کو خاص دستگاہ حاصل ہے، اور سررشتۂ تعلیم مین انھین علوم کی نگرانی ان کے سپرد ہے، ان کے علاوہ ایک اور پروفیسر جبرئیل کانول بھی قابلِ ذکر ہین جنھین علوم طبعیہ اور ریاضیات مین خاص امتیاز حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے پروفیسر اسعاف نشاشیبی کے خدمات بھی حاصل کرلئے ہین، انھین عربی علم وادب مین اس درجہ دستگاہ حاصل ہے کہ مصر وشام کے ممتاز اہلِ علم ان کے حاشیہ نشینون مین داخل ہین، ان کے علاوہ پروفیسر خلیل سکاکنی بھی جو وہان کے مختلف وطنی مدارس کے اہتمام کے فرائض انجام دیچکے ہین، اب سررشتۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے ہین،

یہی لوگ ناظم اعلیٰ یا چانسلر کی مجلسِ مشاورت کے ارکان ہین، تمام مدارس کے اساتذہ کو علمی و تعلیمی مشورے دیتے ہین، اور تعلیمی سلسلہ کی تمام نگرانی انھین کے سپرد ہوتی ہے،

خدا کا شکر ہے کہ ابتک مدارس کی تعلیمی زبان عربی ہی ہے، اسی مین تمام جدید و قدیم علوم وفنون کی تعلیم دیجاتی ہے، انگریزی زبان، زبان ثانی یا غیر ملکی زبان کے طور پر رائج کی گئی ہے، جس کی تعلیم ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ سے شروع ہوتی ہے،

سررشتۂ تعلیم نے تعلیم کی عام نشر و اشاعت، اور اس کو صحیح معیار پر لانے کے لئے مختلف طریقے رائج کئے ہین، چنانچہ ہر مدرسہ مین ایک کتب خانہ ضروری طور پر رکھا گیا ہے، جس مین مختلف قدیم و جدید علوم و فنون کی مفید کتابین جمع کیجاتی ہین، اور عربی زبان مین جدید علوم و فنون پر مصر و شام مین جو کتابین شائع ہوتی رہتی ہین، وہ یہان بالالتزام منگائی جاتی ہین،

اس کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے ماتحت ایک سالانہ اجلاس ہوتا ہے، جس مین تمام مدارس کے مدرسین اعلی، اور بعض دیگر ممتاز اساتذہ جمع ہوکر مدارس کے نظم و نسق اور علمی و تعلیمی ترقیون پر تبادلۂ خیالات کرتے ہین، اگرچہ وہان کے مدارس مین یوروپین اساتذہ بھی ہین، مگر با این ہمہ اس سالانہ اجلاس کی زبان عربی ہی ہوتی ہے،

اس کے علاوہ ہر تیسرے سال سررشتۂ تعلیم کی طرف سے تین علمی وفد تحقیق و تفحص کے لئے ملک سے باہر بھیجے جاتے ہین، جنمین سے ایک امریکن کالج بیروت کو جاتا ہے، دوسرا مصر کی یونیورسٹی مین اور تیسرا انگلستان کی یونیورسٹیون مین بھیجا جاتا ہے،

یہان کے اساتذہ کی علمی و تعلیمی ترقی کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے، اس کے لئے چند امتحانات مقرر ہین، جنمین وہ مختلف سالون مین شریک ہوتے ہین، اور اسی تناسب سے اون کے مقاصد مین ترقی کیجاتی ہے، جس کی وجہ سے اساتذہ کا علمی مطالعہ ہمیشہ جاری رہتا ہے،

خالص مذہبی مدارس اس سلسلہ سے الگ ہین، اور وہ اپنی قدیم حالت پر باقی ہین، مسلمانون نے بیروت مین اپنا ایک الگ اسلامیہ کالج بھی قائم کیا ہے، جسمین طلبہ کی خاصی تعداد ہے، اسکی بنا و تاسیس کا شرف ایک غیر متمدن اور پرجوش عالم کو حاصل ہے،

" ر "

اخبارِ علمیہ

دنیا کی مردم شماری مین ترقی، جدید تمدن کے بے شمار ہلاکت آفرین مصائب کے باوجود دنیا اپنی آبادی کے تناسب سے روبترقی ہے چنانچہ اٹھارہوین صدی کے اوائل مین دنیا کی آبادی ۶۰۰ملین نفوس پر مشتمل تھی، اور اب اس کی آبادی ۲۰۰۰ملین تک پہونچ گئی ہے،

جرمنی مین الحاد، جرمنی مین قیام جمہوریت سے پہلے وہان کے گرجون کا نظم ونسق حکومت کے تحت تھا جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقون کے گرجون مین پادریون کا عزل ونصب بھی کرتی تھی مگر ۱۹۱۹ء کے اعلانِ جمہوریت کے بعد حکومت نے صیغۂ مذہبی کو آزاد کر دیا، اور ان گرجون کا نظم ونسق وہان کی مسیحی انجمنین انفرادی طور پر انجام دینے لگین، مگر اس انقلاب کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ مسیحیت کے حق مین یہ مذہبی آزادی راس نہ آئی، اور وہان عام طور پر الحاد وزندقہ کی وبا پھیل گئی، خصوصاً پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگون نے اس طرف خاص پیش قدمی کی، چنانچہ ۱۹۲۱ء تک اس فرقہ کے ۲۴۶۳۰۲ اشخاص اپنے ملحد ہونے کا اعلان کر چکے تھے،

ایک جدید قسم کی شکر، جرمنی کے ڈاکٹر برجس چند سال سے لکڑی سے شکر تیار کرنے مین مصروف تھے، اب وہ اپنی جدوجہد مین کامیاب ہوگئے ہین، اور اپنے خاص اہتمام مین ایک کارخانہ کھول دیا ہے، جس کی شکر وہان کے بازارون مین آگئی ہے، اور مقبول ہو رہی ہے، یہ شکر کسی قدر خاکستری رنگ لئے ہوئے ہے، جسمین ۹۵ فی صدی خالص شکر کے اجزا ہین، اس اختراع سے خطرہ ہے کہ جس طرح

جرمنی نے دنیا کے مختلف حصون خصوصاً ہندوستان مین نیل کی زراعت کو نقصان پہونچایا، ایسا نہ ہو کہ گنے کی زراعت کا بھی خاتمہ نہ کر دے،

ہوائی جہازون کی ارزانی، اس وقت ہوائی جہازون کی تجارت مین مختلف ملکون مین مسابقت جاری ہے، جس کی وجہ سے ان کی قیمت مین نہایت ارزانی ہو رہی ہے، ابتک اس مسابقت مین جرمنی کو تفوق حاصل ہے، چنانچہ وہان بڑے جہازون کی قیمت ۱۰۰۰ پونڈ اور چھوٹے جہازون کی تقریباً ۳۰۰ پونڈ ہے،

پانی کی گہرائی کی پیمائش، فرانسیسی حکومت نے بحر اٹلانٹک کی گہرائی کی پیمائش کے لئے ایک جہاز روانہ کیا تھا، اس پیمائش کے نتائج پانی کی گہرائی کے ان قدیم نقشون سے بہت مختلف ثابت ہوئے، جو اس سے پہلے مرتب ہوئے تھے، اس کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ پانی کی گہرائی مین یکسانی رہنے کے بجائے ہمیشہ کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے،

جزیرون کی حرکت، اسی طرح حکومت اٹلی نے ایک وفد جزیرون کی حرکت کی تحقیق کیلئے بحر روم مین بھیجا تھا، اس وفد نے بھی اپنی روداد شائع کر دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جزیرۂ کورسیکا مغرب کی طرف نہایت آہستگی سے ہٹتا جاتا ہے، اور اس حرکت کا صحیح اندازہ تقریباً ایک صدی مین ۱۰ میٹر ہے،

امریکہ کی دولت، حکومت ولایاتِ متحدہ امریکہ کی دولت و ثروت سال بہ سال ترقی

کام مین مصروف ہون ایک امن وسکون کی حالت مین کام کر رہا ہو اور دوسرا شور وشغب مین، توگو دونون اپنے کام کو ایک ہی وقت ختم کرین گے مگر پہلے کی بہ نسبت دوسرا شخص زیادہ تھک جائیگا،

اور اس سلسلہ مین یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اہل علم مین بھی شدید اختلاف تھا کہ آیا اعصاب مین تھکن پیدا بھی ہوتی ہے کہ نہین، کیونکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اعصاب برقی تار کی قسم کے ٹھوس ہوتے ہین، اس لئے دراصل پریشانی و درماندگی کا تعلق عضلات سے ہوتا ہے، مگر ایک انگریز موجد ڈاکٹر ہل نے ایک نہایت باریک اور نازک تھرمامیٹر ایجاد کرکے اس اختلاف کا فیصلہ کردیا، اس سے دس ملین درجہ حرارت کے ایک جزء کے اختلاف کا پتہ چلتا ہے، موجد نے اس سے ثابت کیا ہے کہ انسان کے اعصاب سے ادنیٰ سے ادنیٰ سرگرمی جو ظاہر ہوتی ہے وہ بڑی مقدار مین حرارت کو بڑھا دیتی ہے، جو ایک طویل آرام کے بغیر اپنی طبعی حالت پر نہین پہونچتی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تمام کام کرنے والون مین سے خصوصاً دماغی کام کرنے والون کو بہت زیادہ آرام کرنے کی ضرورت ہے،

ایک مفید طبی آلہ کی ایجاد، آسٹریا کے ڈاکٹر روڈلف ایک ایسے کہربائی آلہ کی ایجاد مین کامیاب ہوگئے ہین جس سے مشتبہ موتون کی تحقیق ہوسکے گی، دیکھا گیا ہے کہ کبھی غشی وغیرہ سے مریض کی نبض ڈوب جاتی ہے، یا حبس دم ہوکر سکتہ کا ایسا عالم طاری ہوجاتا ہے کہ اطبا کو مریض کے موت وحیات مین تمیز باقی نہین رہتی اور اسکی وجہ سے موت کا فیصلہ کردیا جاتا ہے، مگر اب یہ جدید آلہ اس شبہہ کو زائل کرسکے گا، یہ آلہ مریض کے پیٹ پر لگایا جائیگا، اگر اس مین کچھ بھی جان باقی ہوگی تو اس کی کہربائی رو جسم مین حرکت پیدا کردیگی، پھر اسکی مدد سے مریض کی اکھڑی ہوئی سانس کو سنبھال لیا جائیگا، اگر یہ آلہ دراصل کامیاب ہوگیا تو یہ جدید علم طب مین بہت بڑا اضافہ ہوگا،

باب التقریظ والانتقاد

مرآۃ احمدی

تاریخ گجرات

گجرات کی تاریخین بہت سی فارسی مین لکھی گئی ہین، جن مین مفصل و مبسوط اور مستند ہونے کے لحاظ سے مرآۃ احمدی
کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، یہ مرزا محمد حسن معروف بہ علی محمد خان بہادر کی تصنیف ہے، ان کے باپ سنہ ۱۱۲۰ھ
مین [illegible] دہلی [illegible] گجرات کے وقائع نگار تھے، اس وقت علی محمد خان بھی اپنے باپ
کے ساتھ تھے، جوان ہو کر سنہ [illegible] مین گجرات کے دیوان مقرر ہوئے، تاریخ وفات نہین معلوم، مگر کتاب سے
معلوم ہوتا ہے کہ سنہ [illegible] تک وہ بقید حیات تھے، اور خود کتاب [illegible] صفر سنہ [illegible] کو اختتام کو پہونچی؛

مصنف کو چونکہ دفتری کاغذات و دستاویزات تک رسائی حاصل تھی اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے تمام
سرکاری کاغذات اور فرامین شاہی تک براہ راست رسائی حاصل تھی، اس لئے وہ تمام واقعات جو اس کے
مشاہدہ سے گذرے یا کاغذات سرکاری سے معلوم ہوئے، ان سب کو سلیقہ کے ساتھ اس کتاب مین یکجا
کر دیا ہے، شاہجہان اور عالمگیر کے بہت سے فرامین بلفظہٖ اس مین موجود ہین، اس بنا پر اس کی اہمیت
بہت زیادہ ہے، اس کے علاوہ یہ تاریخ گجرات کی مکمل تاریخ ہے یعنی اس زمانے سے جب گجرات پر ہندو راجہ
حکومت کرتے تھے اس وقت سے اپنے عہد تک ایک ہزار سال کے واقعات مصنف نے اس مین قلمبند کئے ہین، اور
یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تاریخ کے فرض کو نہایت دیانتداری اور غیر طرفداری کے ساتھ ادا کیا ہے،
چنانچہ خاتمہ مین لکھتا ہے:-

"کہ چون عہد نمودہ و برخود لازم و محتم شمردہ کہ در نگارش احوالات از رعایت و عداوت

خویش و بیگانہ پرہیز ورزیدہ آنچہ نفس الامر و بیان واقع باشد درج سازد۔"

یہ کتاب آج سے چالیس برس پہلے بمبئی میں ناقص صورت میں چھپی تھی، مگر یہ نسخہ نہ صرف ناقص تھا بلکہ جو چھپا بھی تھا وہ نہایت غلط، مسخ اور محرف تھا، ضرورت تھی کہ اس کتاب کو پوری صحت، اہتمام، اور تکمیل کے ساتھ چھاپا جائے، خوش قسمتی سے اس کا اصلی نسخہ جس پر خود مصنف کے دستخط اور ختم کتاب کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۷۶ھ کا لکھا ہوا، مصنف کے خاندان سے دربار کھنبائت کی سفارش سے چارلس نارمن سڈن صاحب وزیر مال ریاست بڑودہ کو ہاتھ آیا، گجرات کے رقبہ کے معتد بہ حصہ کی وراثت اور ملکیت کا شرف ریاست بڑودہ کو حاصل ہے، اس بنا پر تاریخ گجرات کا سلسلہ ریاست بڑودہ سے بھی آکر مل جاتا ہے، ایسی حالت میں ریاست مذکورہ کا فرض تھا کہ وہ اس اہم کتاب کی اشاعت کی خدمت اپنے سر لے، چنانچہ اس کام کے لئے خود ریاست کے دار العلوم بڑودہ کالج میں ایک مستحق اور لائق ہستی موجود تھی، اور وہ جناب پروفیسر نواب علی ایم اے کی ذات تھی، اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ اور طباعت کی خدمت کیلئے ہز ہائنس مہاراجہ گائیکواڑ کی حکومت قابلِ تحسین ہے کہ اس نے پروفیسر ممدوح کا انتخاب کیا، اور ممدوح نے نہایت قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا۔

اس وقت پیش نظر حصہ تاریخ مرآۃ احمدی کی جلد دوم ہے، جو پہلے ناقص اور غلط سلط چھپی تھی، اس میں ناقص حصہ پورا کیا گیا، غلطیوں کی تصحیح کی گئی، شروع میں دیباچہ لکھا گیا، آخر میں مختلف ضروری فہرستیں، اور تشریحی حوالوں کے نشان دیئے گئے، اسماء و اعلام کا ترجمہ بڑھایا گیا، اور اس طرح نہایت عمدہ ٹائپ میں اچھے کاغذ پر، یہ کلکتہ کے بپٹسٹ مشن پریس میں چھپوائی گئی، آخر میں مشہور بنگالی مورخ جدونا تھ سرکار کا مختصر انگریزی مقدمہ ہے،

یہ جلد ۱۱۲۰ھ سے جو فرخ سیر بادشاہ کا زمانہ تھا، اور جس کی طرف سے مہاراجہ اجیت سنگھ والی جودھپور گجرات کا صوبہ دار مقرر ہو کر آیا تھا، ۱۱۷۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے جب احمد شاہ ابدالی

ہندوستان پہنچ چکا تھا، اور گجرات تیموریون کی عملداری سے نکلکر مرہٹون کے قبضۂ تصرف مین وہ جاچکا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلد واقعات تاریخی کے لحاظ سے نہایت اہم اور نازک زمانہ کی تاریخ ہے، مرہٹون کے ماتحت دور ... ان کے عروج و کمال کا بیان بھی اس مین ضمناً آگیا ہے،

یہ ... گائیکواڑ بڑودہ کی جانب سے مشرقی کتابون کی اشاعت کا ایک سلسلہ ہے جس مین اب تک زیادہ تر سنسکرت کتابون کو جگہ ملی ہے، یہ فارسی کتاب (اور غالباً پہلی فارسی کتاب) اسمین داخل ہوکر شائع ہوئی ہے، اب تک اس سلسلہ مین ۴۴ کتابین شائع ہوچکی ہین اور اب یہ چوالیسوین کتاب ہے، سنٹرل لائبریری بڑودہ کے پتہ سے ملے گی، قیمت لعہ، ضخامت ۲۲۶ صفحے،

تاریخ فلسفۂ اسلام

جامعۂ ملیہ نے اردو مین کتابون کی تالیف و ترجمہ کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کی ایک کڑی یہ کتاب «تاریخ فلسفۂ اسلام» ہے، یہ کتاب اصل مین پروفیسر ٹی، جے، ڈی بوئر ایک ہالینڈی مستشرق کی جرمن کتاب کا ترجمہ ہے، جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، (برلن) معلم فلسفہ جامعہ ملیہ نے اس ترجمہ کی خدمت انجام دی ہے، ڈاکٹر صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے ہمکو ایک غیر زبان کی اہم تالیف سے روشناس کیا،

ڈی بوئر جیسا کہ خود اس کی طرف سے دیباچۂ مترجم مین اقرار کیا گیا ہے، اصل عربی ماخذ تک اسکی دسترس نہین ہوئی، بلکہ دوسرے یورپین مستشرقین نے اس موضوع کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کے اقتباسات کی یہ ترتیب ہے، جہان تک ایران کے عہد ساسانی اور اسلام کے عہد مین یہودی اور عیسائی علماء اور فلاسفہ کی کوششون کا اور عراق و شام مین ان کی علمی جد و جہد اور تراجم کا تعلق ہے، اس کتاب کے بیانات نہایت پرمعلومات اور محققانہ ہین، مگر نفس اسلامی فلسفہ اور مسلمان فلاسفہ کی

نسبت اس کا بیان نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہے،

عجیب بات ہے کہ انہین مشرقی علماء اور فلاسفہ کی تصنیفات وخیالات جن کو ہم نے ان کی اصلی زبانون مین اکثر پڑھا ہے، جب انھین کو یورپ کے مصنفین کی ترجمانی وتفسیر کے ذریعہ سے سنتے ہین، تو یہ معلوم ہی نہین ہوتا کہ یہ وہی خیالات آراء اور افکار ہین جن کو ہم نے پڑھا ہے، بلکہ ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے جو ہماری بار بار کی جانی پہچانی دنیا سے بالکل الگ ہوتی ہے،

کل کتاب سات بابون پر منقسم ہے، باب اول، فلسفۂ اسلامی کی نشو ونمو کا بیان، مشرقی حکمت یونانی علوم، باب دوم فلسفہ اور عربی علوم کے متعلق، علم اللسان، علم الفقہ، علم العقائد، علم ادب وتاریخ باب سوم فیثاغورسی فلسفہ کے متعلق دو فصلین، فلسفۂ فطرت اور اخوان الصفا، باب چہارم مشرق کے نوفلاطونی اور ارسطاطالیسی حکماء مین سے کندی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا، ابن الہیثم باب پنجم مشرق مین فلسفہ کا انحطاط، غزالی، اور قاموس نگار، باب ششم مین مغرب کے فلاسفہ مین سے ابن باجہ، ابن طفیل، اور ابن رشد، کا ذکر ہے، باب ہفتم مین خاتمہ ابن خلدون پر ہے:

سب سے پہلے یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہو کہ اسلامی فلسفہ کی تاریخ لکھی جائے، اور اس مین رازی کا ذکر نہ ہو، شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کا نام نہ ہو، ابو البرکات بغدادی کا تذکرہ نہو، ابن تیمیہ کا نام نہ آئے، اندلسی علماء مین ابن حزم اور محی الدین بن عربی کا نام نہ لینا ناقابل عفو جرم ہے پھر فلاسفہ کی فہرست مین ابن الہیثم کا نام دیکھنا جو علم المناظر والمرایا، اور ریاضیات کے ماہر اور مصنف تھے سخت تعجب انگیز ہے،

اسی طرح مسلمانون مین فلسفہ کا اصلی دور تیسری صدی ہجری کا ہے، جس مین علاف، ابو الہذیل نظام وغیرہ پیدا ہوئے، مصنف نے اس دور کا نہایت ناقص تذکرہ علم العقائد (یعنی علم کلام) کی تاریخ مین کیا ہے، دراصل یہ کتاب اس بحث پر صرف ایک خاکہ کی کتاب ہے، جیسا کہ خود مترجم نے

کے بعد جس نے دمشق کو ممالکِ اسلام کا دار السلطنۃ بنایا، مدینہ کی اہمیت محض ذہنی (شاید دینی ہو) حیثیت سے باقی رہ گئی، اسے اس پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کرے" یہ کس قدر عظیم الشان جھوٹ ہے، یہ کس عہد کا واقعہ ہے، کہ مدینہ منورہ مین ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کیجائے، اس عہد مین تو وہان ایک برائے نام یہودی اور عیسائی کا بھی وجود نہ تھا، اسی طرح علم الفقہ اور علم العقائد کے بیان مین بھی مصنفانہ اغلاط پائے جاتے ہین، جن پر حواشی کی ضرورت تھی،

بہر حال جامعۂ ملیہ نے اپنی چند ہی سال کی زندگی مین تالیفات و تراجم کا جو مفید سلسلہ قائم کیا ہے، یہ کتاب اس کی ایک اہم کڑی ہے، ہم ڈاکٹر سید عابد حسین کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، کہ انھون نے اردو مین اس بحث پر سب سے پہلی کتاب پیش کی ہے، ضخامت ۱۵۰ صفحے خط باریک، قیمت عہ، پتہ:۔ مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

شرح شادمانی

جلد دوم

برقصائد حسان العجم خاقانی

از

پروفیسر شادمان

خاقانی کی شاعری کا درجہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ اس حیثیت سے نہایت خوش قسمت ہے کہ اس کے قصائد قدیم زمانہ مین بھی داخلِ درس تھے، اور موجودہ دور مین بھی شاملِ نصاب ہین، اس کی اس خوش قسمتی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نصابِ تعلیم مین ایک مدت سے اس قسم کی کتابین زیادہ تر داخل ہوتی

ہیں جو مشکل، مغلق اور مبہم ہوں، اور خاقانی کے قصائد اس معیار پر پورے اترتے تھے، اس لئے جہان تک درس وتدریس کا تعلق ہے، اس کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا، اور آج بھی مشکل اور اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں اس کا بڑا حصہ قائم ہے، چنانچہ بی اے اور ایم اے کے فارسی کورسون مین اس کے قصائد کا انتخاب لازمی طور پر شامل ہوتا ہے، اور جامعات میں جو مشرقی امتحانات درجۂ کامل اور دبیر کامل وغیرہ کے نام سے قائم ہوئے ہیں ان کے نصاب مین بھی اس کے قصائد شامل ہین،

خاقانی کی اس مشکل پسندی نے ہمیشہ اہل علم کو اس کے قصائد کی شرح کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ قدیم زمانہ میں بھی اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہین، اور حال مین بھی اہل علم کی ایک جماعت نے مختلف زبانوں میں، جن میں اردو بھی شامل ہے، اس کے قصائد کی شرحین لکھی ہین، زیر ریویو شرح جس مین خاقانی کے تیرہ قصیدوں کی شرح کی گئی ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو مولوی سید محمد نقی صاحب سابق [illegible] پروفیسر [illegible] کالج ریاست [illegible] کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اور قدیم وجدید جس قدر شرحین مل سکی ہین سب کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے،

اس شرح کی ابتدا مین سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے، جس مین اس شرح کی ترتیب و ماخذ کا تذکرہ ہے، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس کو کاوش سے لکھا ہے، اس کے بعد خاقانی کے حالات ہین، جو زیادہ تر اس کے اشعار سے ماخوذ ہین، پھر خاقانی کے کلام پر ایک مختصر سا تبصرہ ہے جو بالکل ناکافی ہے، اس کے بعد قصائد کی شرح شروع ہوتی ہے، شرح کا مقصد ان طلبہ کی مشکلات کا دور کرنا ہے جن کے کورس مین خاقانی کے قصائد شامل ہین، اس لئے اگر شرح سے پہلے اجمالی طور پر ہر قصیدہ کا موضوع اور اس کی غرض وغایت بھی ظاہر کر دی جاتی تو قصیدہ کی شرح سمجھنے مین زیادہ آسانی ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ مصنف نے اس طرف بالکل توجہ نہین کی،

جو لوگ اس زمانے کے امتحانات کے طرز سے واقف ہین ان کو معلوم ہے کہ طلبہ

دماغ پر مختلف علوم اور مختلف کتابون کا کس قدر بار رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شروح وحواشی مین اختصار کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہین، اور زیادہ پڑھنے سے گھبراتے ہین، اس اصول کی بنا پر اگر اس شرح مین صرف خاقانی کے اشعار کے معانی ومطالب پر اکتفا کیا گیا ہوتا تو وہ طلبہ کے لئے زیادہ آسانیان پیدا کرتی، لیکن فاضل شارح نے تشریح کے ساتھ تنقید کا فرض بھی ادا کیا ہے، اور تنقید مین زیادہ تر صرف دو شخصون کو لیا ہے، ایک قابل نامی اور دوسرے فاضل بلگرامی، شرح کے اس طرز کو بعض لوگون نے ناپسند کیا ہے اور بعض لوگون نے پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے، اس لئے فاضل شارح نے دونون رایون پر عمل کیا ہے، اور آہستہ آہستہ تنقید کا رنگ ہلکا کرتے گئے ہین، شروع کے تین قصائد مین تنقیدی رنگ گہرا ہے، اور بقیہ قصائد مین ہلکا، لیکن بہرحال طلبہ کی موجودہ ذہنیت وحالت کے بدلنے کے لئے یہ شرح نہایت مفید کارآمد ہے، اس زمانہ مین طلبہ کا یہ حال ہے کہ جب وہ امتحانات کی تیاری کرتے ہین تو صرف تنکے کا سہارا ڈھونڈھتے ہین، ان کو ایک شرح ایک حاشیہ اور چند نوٹ کی ضرورت ہوتی ہے جس سے الفاظ کے معانی اور اشعار کے مطالب سمجھ مین آجائین، صحت و عدم صحت سے ان کو بحث نہین ہوتی، تقلید محض ان کا شعار ہوتی ہے، تنقید سے کوئی غرض نہین رکھتے، لیکن اس شرح مین مختلف شراح کے بیان کردہ مطالب ومعانی کو طلبہ کے سامنے رکھدیا گیا ہے، اور ان کی غلطی ظاہر کردی گئی ہے، اس لئے اگر انھون نے اس شرح کو سامنے رکھکر امتحان کی تیاری کی تو مختلف شراح کے مطالب ومعانی ان کے پیش نظر ہوجائین گے، اور ان کو صحیح وغلط مین امتیاز کرنے کا موقع حاصل ہوگا،

"ع"

کتاب الفلاحت،

ابوذکریا علامہ یحیٰی بن محمد اشبیلیؒ کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اسمین مصریون نبطیون، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کی گئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۲۷۱ صفحے قیمت لکھیہ

بنا پر ان کے حالات بجائے خود نہایت مؤثر ہین، اور مولانا کے طرزِ تحریر نے ان کو اور مؤثر بنا دیا ہے، امید ہے کہ اہل دل اصحاب اور عام مسلمان اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائین گے، قیمت عہ، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ :- مطبع قاسمی دیوبند،

رقعاتِ اکبر، لسان العصر جناب سید اکبر حسین الہ آبادی مرحوم کے خطوط کا ایک مجموعہ پہلے بھی شایع ہو چکا ہے، اب یہ نیا مجموعہ قومی کتبخانہ لاہور نے شایع کیا ہے چھوٹی تقطیع پر ۱۳۱ صفحے ہین، شروع مین سر شیخ عبد القادر (سابق اڈیٹر مخزن) کا مقدمہ ہے، اور اس کے بعد مختلف اشخاص کے نام اکبر کے خطوط ہین، سب سے پہلے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے نام ۴۳ خطوط ہین، پھر مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی کے نام دو خط ہین، بعد ازین سید افتخار حسین صاحب کے نام ۹ خط ہین، پھر ۱۰ خط ہز اکسیلنسی مہاراجہ کشن پرشاد صاحب حیدر آبادی کے نام ہین، اس کے بعد منشی شرف الدین صاحب رامپوری کے نام کے ۳۵ رقعے ہین، اور آخر مین سر شیخ عبد القادر صاحب کے نام ۹ خط ہین، یہ خطوط اکبر کے حالاتِ زندگی اور اخلاق کے جاننے کے لئے نہایت دلچسپ ہین، اکثر خطوط مین اکبر صاحب نے اپنے اشعار کے انتخابات دیئے ہین، اور تقریباً ہر خط مین دنیا سے دل برداشتگی کے تذکرے ہین، قیمت ۱۰/ پتہ :- قومی کتبخانہ ریلوے روڈ، لاہور،

سفرنامۂ یورپ، محترمہ جناب صغریٰ ہمایون بیگم صاحبہ نے ۱۹۲۴ء مین اپنے شوہر سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر کے ساتھ ممالکِ یورپ کا سفر کیا تھا، اس سفر کے حالات روزنامچہ کی صورت مین موصوفہ برابر لکھتی گئی تھین، اور اب اس کو دو جلدون مین مرتب کرکے شایع کیا ہے، نہایت تفصیل سے ہر چیز اور ہر واقعہ کو لکھا ہے، اس سے پہلے بھی بعض مسلمان خواتین کے سفرِ یورپ کے حالات چھپے ہین، مگر جو تفصیل اس مین ہے وہ ان مین نہین، یہ کتاب ایک مسلمان خاتون کے جذبات مشاہدہ اور نقطۂ نظر کی واقفیت کے لئے نہایت دلچسپ ہے طرزِ ادا سلیس، اور رواں ہے: انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، سوئزر لینڈ، اٹلی کے حالات سفر و مشاہدات کا ان مین تذکرہ ہے، قیمت شاید دو ڈھائی روپیہ ہو، سرورق پر لکھی نہین، پتہ :- صغریٰ منزل

ہمایون نگر، حیدرآباد دکن۔

ذکرِ مبارک، مرتبہ علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بھوپال نے سیرۃ نبوی میں یہ مختصر مگر مفید رسالہ اپنے چند سال پہلے لکھا تھا، جو بہت مقبول ہوا تھا، تین اڈیشن اس کے پہلے چھپ چکے ہیں، اب یہ اس کا چوتھا اڈیشن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے اپنی طرف سے چھپوا کر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کو دیے ہیں، قیمت ۵ر، دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکرِ جمیل، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے یہ رسالہ آنحضرت صلعم کے حالات میں غالباً اس غرض سے لکھا ہے کہ میلاد کی مجلس میں وہ پڑھا جائے اور عام مسلمانوں میں وہ تقسیم کیا جائے، چنانچہ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن ذوق و محبت کی زبان میں سرورِ کائنات علیہ السلام کے تمام سوانح مبارکہ لکھے ہیں، قیمت ۵ر، پتہ:۔ دفتر ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ۔

ذکر الحبیب، مولانا عبدالحق صاحب نے یہ رسالہ سرورِ کائنات کے اخلاق مبارکہ اور حلیۂ اقدس کے بیان میں مختصراً لکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ دونوں رسالے عام مسلمانوں میں تقسیم کئے جائیں، مستطیع اصحاب کو چاہئے کہ ان کے کئی کئی نسخے خرید کر غریب بھائیوں میں اور غیر مسلموں میں تقسیم کریں، قیمت ار، پتہ:۔ دفتر کانفرنس علی گڈھ،

جامع الآداب، مصر میں طلبہ اور بچوں کو نیک اخلاق و عادات کی تعلیم کے لئے آج کل عربی میں ایک کتاب لکھی گئی ہے، مولوی عبدالرحیم صاحب ناظم مکتبۂ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج پشاور نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، جس میں ہر چیز کے متعلق لڑکوں کو نہایت عمدہ تعلیم دی گئی ہے، بچوں کی خاطر اس کا خط بھی صاف اور باشان رکھا گیا ہے، تاکہ ان کو پڑھنے میں آسانی ہو، ضرورت ہے کہ والدین اسکو اپنے بچوں کے مطالعہ میں دیں، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۵۵ صفحے، قیمت نہیں لکھی، غالباً ۴ر یا ۶ر ہوگی، پتہ:۔ مصنف سے اسلامیہ کالج پشاور سے طلب کیجئے،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱

معارف

مجلسِ المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

نومبر ۱۹۲۷ء

قیمت : صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

ارکان دار المصنفین

کی

خدمت مین گذارش،

۱۹۲۶ء کے خاتمہ اور ۱۹۲۷ء کے آغاز مین ہم نے پانچ سو ایسے ارکان کے لئے قوم کے سامنے مرافعہ (اپیل) کیا تھا جو دار المصنفین کو بیس روپیے سالانہ دین، دار المصنفین اُن کی خدمت مین اپنا ماہوار رسالہ اور سال بھر کی مطبوعات پیش کریگا ہماری اس آواز پر دو سو شائقین علم نے لبیک کہا، اور عشہ کے حساب سے اپنا روپیہ ادا کر دیا جس کی وجہ سے ہم اس قابل ہو سکے کہ دار المصنفین کے کتبخانہ کی تعمیر کرا سکین چنانچہ آپ کی رکنیت سے جو کچھ روپیہ وصول ہوا جس کی مقدار چار ہزار کے قریب ہے، وہ کل کا کل مع اصل سرمایہ کے اسی پر صرف ہوا چنانچہ اس وقت تک اس تعمیر پر آٹھ ہزار روپیے خرچ ہو چکے ہین، شاید دو ہزار اور خرچ ہون،

چھ ہزار کی زائد رقم ہم نے اس امید پر صرف کی ہے کہ ۱۹۲۸ء مین آپ کی رکنیت کی رقم اس کی تلافی کر دیگی، اس بنا پر ہماری درخواست ہے کہ وہ تمام اصحاب جنھون نے ۱۹۲۷ء مین رکنیت قبول فرمائی ہے، وہ ۱۹۲۸ء مین بھی قبول فرمائین، اور جنوری ۱۹۲۸ء مین یا تو بیس روپیے بذریعہ منی آرڈر بھیجدین، یا ہم کو بیس روپیے کی وی پی بھیجنے کی اجازت دین،

۱۹۲۸ء مین ان کو دار المصنفین کی طرف سے حسب ذیل مطبوعات نذر کی گئی ہین اور کی جائینگی،

مجلد بستم | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۷ء | عدد پنجم

مضامین

شذرات

مدراس میں چند سال سے مجلس العلماء نام ایک مجلس ہے جسکا صدر مقام ترچناپلی ہے اس کے ماتحت ایک مدرسہ ہے جس میں غریب مسلمان بچے مفت تعلیم پاتے اور قیام کرتے ہیں، نصاب تعلیم میں قرآن پاک اور دینیات کے علاوہ اردو، تامل، ملکی زبان، اور انگریزی داخل ہے، اس مدرسہ کی ایک خوبصورت عمارت ہے، ہزار بارہ سو ماہوار اس کا خرچ ہے، جو بچے وہاں تعلیم پاتے ہیں سب کے سب یتیم ہیں، امسال اس کی صدارت کا شرف اڈیٹر معارف کو عطا کیا گیا تھا، اسی بنا پر مجھے ستمبر کے وسط میں مدراس جانا پڑا،

اس سفر پر آمادگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کئی سال سے مدراس کے احباب سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے مالی مدد کا وعدہ چلا آتا تھا، سبب یہ تھی کہ شاید یہ موقع اس عہد کے ایفا کے لئے مناسب ہو، چنانچہ میں ۱۷ ستمبر کی صبح کو ترچناپلی پہنچا، اسی دن جلسہ کا آغاز تھا، مدراس کے ان علاقوں کی مادری زبان تامل ہے، اردو یہاں کے مسلمان تک بھی برائے نام سمجھتے ہیں، جلسہ میں تمام تقریریں تامل میں ہوئیں، میرا خطبۂ صدارت بھی جو گو اردو میں چھپ ہوا تھا، وہاں تامل میں ترجمہ ہو کر اور چھپکر حاضرین میں تقسیم ہوا،

جلسہ میں علماء کی تعداد بھی ساٹھ ستر کے قریب موجود تھی، مختلف تجویزیں منظور ہوئیں، خیر یہ سب کاروائیاں تو ہوتی ہی رہیں، میرے نزدیک اصل چیز جو ہوئی وہ یہ ہے کہ رات کے وقت میری درخواست پر تمام علماء ایک

ہال مین جمع ہوئے، اور عربی مدارس کی اصلاح و ترقی اور اسلام کی موجودہ ضروریات اور علماء کے موجودہ فرائض پر ایک وسیع و مبسوط تقریر ان کے سامنے کیگئی، جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے، اور مقرر کے خیالات سے انھون نے اتفاق کیا، اور ان ضروریات کے پورا کرنے اور ان اصلاحات کے جاری کرنے پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی،

ترچناپلی ان علاقون کے ہندوؤن کا ایک نہایت مقدس مقام ہے، کرناٹک کی اسلامی حکومت کا دوسرا پایۂ تخت یہ شہر بھی تھا، سامنے پہاڑی پر قدیم مندر ہے، مگر اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان اور پرانا اور یادگار مندر کاویری ندی کے پار ہے، شہر کے پاس ہی دو ندیان آڑی ترچھی بہتی ہین، اور ان دونون کے تقاطع سے بیچ مین ایک چھوٹے سے جزیرہ کی صورت بن گئی ہے، اس جزیرہ پر ایک نہایت ہی قدیم، نہایت ہی عجیب اور نہایت ہی یادگار مندر بنا ہوا ہے، اول چارون طرف قلعہ کی جیسی سنگی بلند اور مضبوط دیوارین ہین، جنہین چارون رخ پر چار دروازے ہین، پھر اسی طرح ان دیوارون کے بعد پے درپے ایسی ہی قلعہ نما اور مضبوط سات دیوارین ہین، اور ہر دیوار مین پہلے ہی دروازون کے بالمقابل ساتون دیوارون مین دروازے ہین، ہر دروازے کے سامنے ایک سڑک نکلتی ہے، اس طرح مندر کے گرد چار سڑکین ہین، اور ہر سڑک کے دورویہ بازار ہین، یہ تمام دروازے اور عمارتین سنگ تراشی اور بت تراشی کے اعلیٰ نمونے ہین، پتھرون کو کاٹ کاٹ کر اس کے بت اور ہندو اصنام کے مختلف مناظر بنائے ہین، بیچ مین اصل مندر ہے، جسمین کرشنا دیوتا کا بت ہے، اور اس کے اوپر سونے کی چھتری اور کلس ہے، اسکی ایک طرف جاتریون اور میلون کے لیے ایک وسیع سائبان ہے، جو کئی سو ستونون پر قائم ہے، سورج دیوتا کی ایک پہاڑ کی طرح کی گاڑی ہے جو میلہ کے موقع پر نکالی جاتی ہے، اور ہزارون آدمی مل کر اس کو گھسیٹتے ہین،

لیکن ان تمام عجائبات سے زیادہ عجیب تریہ ہو کہ اسکی سب سے پہلی دیوار کی پشت پر ایک گوشہ مین جو سلیک گنبد

اور نیچے ... دیوار کے تعویذ میں، نہایت جلی قلم میں بخط نسخ (عربی) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کندہ ہوا ہے

... کر بھی ایک بیت بنا لیا ہے، اس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی لگالی ہے اور اس کتبہ پر شاید مدت

... لا الہ الا اللہ کے حروف مٹنے کے قریب ہیں، اور محمد

... کہا جاتا ہے کہ کوئی صوفی درویش یہاں آکر بیٹھ گئے تھے،

... زمانوں میں ... ان کی کرامت ہے

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، ذکر جمعیۃ العلماء کا تھا، اس مجلس کے پیش نظر یہ کام بھی ہے کہ دینی، اور تاریخ اسلام کے متعلق ... تصنیفات کا تامل زبان میں ترجمہ کرکے تامل بولنے والے مسلمانوں میں شائع کرے، چنانچہ اس مجلس ... کی نگرانی میں چند علماء کرام قرآن پاک کا تامل میں ترجمہ کر رہے ہیں، یہ ترجمہ نظر ثانی کے لیے ... مستند علماء کے پاس بھیجا جاتا ہے اور ان کے مشورہ کے بعد ترجمہ مستند ہو کر تحریر میں آتا ہے،

مدراس کے ان علاقوں میں عربی مدرسوں کی کمی نہیں ہے، مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان مقامات میں چالیس سے زیادہ ایسے مدرسے ہیں جن پر پچاس ہزار سے لیکر سات لاکھ سالانہ تک کے وقف ہیں، خود شہر مدراس میں عربی کے متعدد مدرسے ہیں جن میں ایک ساہوکار جمال محی الدین صاحب مرحوم کا مدرسہ جمالیہ ہے، جس کے لیے ان کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب اب دار الاقامہ کی نئی عمارت بھی بنوا رہے ہیں، اور جس کے تمام اخراجات وہ خود اس کے وقف سے ادا کرتے ہیں، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ مدرسہ جو پہلے پرانی طرز کا تھا، اس میں ایک سال سے اب نئی طرز پر تجدید اور اصلاح کی گئی ہے، نصاب بھی نیا بن گیا ہے، جس میں قرآن پاک، حدیث شریف، فقہ، اور ادب عربی کے ساتھ حساب جغرافیہ اور تاریخ کا اضافہ کیا گیا ہے، انگریزی لازمی کی گئی ہے، اور ابتدائی درجوں میں تامل اور اردو دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ خیال ہے کہ اس مدرسہ کو ان علاقوں کے مدرسوں کے لیے نمونہ کا مدرسہ بنایا جائے

اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے،

مدراس کے علاوہ مجھے اس سفر مین ویشارم، آمبور، عمرآباد، وانمباڑی، بنگلور، اور میسور بھی جانا پڑا، ہر جگہ بحمد اللہ مسلمانون کو ہشیار اور بیدار پایا، **ویشارم** جو ایک چھوٹی سی جگہ، مگر مدراس کے اسلامی پایہ تخت آرکاٹ کے قریب واقع ہے، اور مدراس کے مشہور فیاض و مخیر سی عبد الحکیم صاحب کا وطن ہے، موصوف نے یہان دو شفاخانے قائم کئے ہین، ایک جسمانی، اور دوسرا روحانی جسمانی شفاخانہ غربا کا اسپتال ہے، اور روحانی شفاخانہ لڑکون کا مدرسہ ہے جسمین اردو فارسی عربی، تامل، انگریزی اور دینیات کی کتابین پڑھائی جاتی ہین، امید ہے کہ وہان کے مسلمانون کی نگاہِ التفات سے ترقی پائیگا،

آرکاٹ کے کھنڈر جاکر دیکھے، مسجدون اور مقبرون کے سوا تمام عمارتین مٹ گئی ہین، مقبرون مین ایک پکی قبر ہے، جس پر ایک خوشنما پتھر لگا ہے، جس پر قاضی تلسانی کا نام اور سنہ وفات لکھا ہے، دیکھکر حیرت ہوئی کہ کہان آرکاٹ، ہندوستان کا ایک کنارہ، اور کہان تلسان کے قاضی جو شمالی افریقہ کا مشہور شہر ہے، مگر بعض بیانوردو آوارہ وطن عالمون اور درویشون کا فیض تھا جس نے ہندوستان کے ذرہ ذرہ کو توحید کے نور سے منور کر دیا، اونکی وفات کا سنہ گیارہوین صدی ہجری اور کچھ تھا،

آمبور بھی خدا کے فضل سے دولتمند مسلمان سوداگرون کا مرکز ہے، آج سے چند سال پہلے یہان کے تاجرون کی جو حالت تھی وہ گو باقی نہین ہے تاہم ایسی گئی گذری بھی نہین ہے، یہان ما شاء اللہ تقریب چھوٹے بڑے مدرسے ہین جنمین بعض تعلیم کے معیار کے لحاظ سے مکتب کی حیثیت رکھتے ہین، بعض ان سے کچھ اونچے ہین، لڑکیون کے مدرسے بھی ہین مگر یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ ان مکتبون اور ابتدائی مدرسون مین سے اکثر کی ایسی خوبصورت اور بلند عمارتین ہین، جو ہمارے

یہان کے بہت سے مدرسون اور اسکولون کو حاصل نہین اللہ نے تجارت مین بڑی برکت رکھی ہی،

آمبور کے قریب دو تاریخی مقام ہے جسکا نام گڑھ آمبور ہے، ایک پہاڑ کا دامن ہے جسمین حیدر آباد و آرکاٹ و اور میسور کی مشہور لڑائی ہوئی ہے، یہ میدان جنگ اب صلح کا میدان ہے، روشن کمپنی کے خوش عقیدہ مالکین اور شرکا مین سے محمد عمر صاحب نے اپنے نام سے یہان ایک نوآبادی بسائی ہے جس مین ان کے ذاتی مکانات و باغ کے علاوہ ایک خوشنما مسجد اور ایک عظیم الشان عمارت جامعہ دار السلام ہے، مدرسہ کی عمارت جس مین درسگاہ و دار الاقامہ شامل ہے، مین نے کمرے اور تمام ضروریات ہین، نہایت مستحکم، خوشنما اور بلند ہے، ستر اسی لڑکے ہین، آٹھ مدرسین ہین، نصاب مین بھی تجدید و اصلاح کیگئی ہے اور کوشش کیجا رہی ہے کہ یہ درسگاہ پورے اعلیٰ مدارس مین، صورت، اور عمارت، وسعت عقیدہ کی اشاعت کرے، یہان کے طلبہ اور مدرسین کے سامنے دینی مدارس اور طریقہ درس کی تغیر و اصلاح پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر ہوئی، اور جدید نصاب کے متعلق مشورے دیئے گئے

وانمباڑی: ان اطراف کے مسلمانون کی تعلیم کا مرکز ہے، یہان مسلمانون کا ایک کالج اور اسکول ہے، الحمد دونون کی عمارتین نفیس ہین، طلبہ کی تعداد بھی معقول ہے، مگر ان مین سب سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ بھی ہندو ہین، اور دونون ملکر اتحاد و اتفاق سے یہان کام کر رہے ہین، مگر سرمایہ تمامتر مسلمانون کا ہے، اور وہی اس کے منتظم بھی ہین، مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ اسکول مین ہندو اور مسلمان طلبہ اکثر درجون مین الگ الگ پڑھتے ہین، مگر ہندوون نے اپنے لئے ذریعہ تعلیم تامل اور مسلمانون نے اردو کو قرار دیا ہے، ایک ہی ملک کے ایک ہی شہر کے ایک ہی کالج کے ایک ہی درجہ کے طلبہ کی اس حیثیت سے تقسیم تعجب انگیز ہے، یہان بھی میرا لکچر مذہبی تعلیم اور ہندو مسلم اتحاد پر ہوا،

وانمباڑی میں اہلکے علاوہ چند عربی مدارس ہیں جنمین بعض بہت پرانے ہیں چنانچہ وہان کا مدرسہ مفید عام ۱۳۰۰ھ سے قائم ہی، یہان سبسے عجیب چیز لڑکیون کا مدرسہ ہی جس کیلئے ابھی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہی، پس پردہ لڑکیون کا امتحان لیا، بعض لڑکیون نے نہایت ہی عمدہ صحتِ مخارج کے ساتھ قرآن پڑھا، قرآن پاک کا ترجمہ سنایا، اردو پڑھی، فارسی عبارت کا ترجمہ کیا، یہان بھی مسلمان لڑکیون کی تعلیم پر ایک مختصر تقریر کیگئی، یہان عربی کا ایک پرانا مدرسہ معدن العلوم ہے، جسمین اس دفعہ دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا، طلبہ کے اصرار پر یہان عربی زبان مین عمؔ، کے فرائض پر بیٹھے بیٹھے کچھ تقریر کی جس کو طلبہ اور علمار نے توجہ سے سنا،

آمبور سے آتے ہوئے راستہ مین ویلور پڑا، یہان بھی کچھ دور اسلامی کے یادگار کھنڈر ملے شہر بڑا ہی، یہان ایک مدرسہ پرانا ہی جسکی تاریخ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کے قریب پہنچتی ہی، اور وہان کا فیض بھی وہان پہنچا ہی، دوسرا مدرسہ باقیات صالحات نیا ہی جسکو شاید تیس برس گذرے ہون، یہ مدراس کا سب سے بڑا مدرسہ ہی، مولانا عبد الوہاب صاحب مرحوم نے اسکی بناڈالی تھی، عمارت بھی نہایت شاندار ہی، درسگاہین اور لڑکون اور مدرسین کے رہنے کے کمرے بھی بلند و مستحکم ہین، مسجد بھی عظیم الشان ہی، ریل کا وقت کم ہونے کی وجہ سے چند منٹ سے زیادہ یہان ٹھہرنے کا اتفاق نہ ہوا، سرمایہ اس کے پاس کافی ہی، ابھی چندسال ہوئے کہ سی عبد الحکیم صاحب نے یہان ایک طب کا شعبہ قائم کرنے کے لیے پچاس ہزار روپیے دیئے ہین، اور بھی اسکو بڑی بڑی امدادین حاصل ہین، مگر بانیہمہ اس کا نصابِ درس پرانا ہے،

بنگلور، میسور کا کنٹونمنٹ اور ریاست کے دفاتر کا صدر مقام ہے یہان بھی مسلمانون کے مدارس ہین، لڑکیون کا ایک اچھا خاصہ مدرسہ ہے، یہان محمد علی ہال مین مسلمانون کی دینی و دنیوی تعلیم پر تقریر کیگئی، اور نوجوانون کو مذہبی تعلیم کی دعوت دیگئی،

میسور، ہندوستانی ریاستون مین اپنے انتظامات اور سیاسی تنظیم و قانونی آزادی کی حیثیت سے اوّل درجہ کی

یہ نہایت افسوس ہے کہ یہان مسلمانون کی تعلیمی حالت اچھی نہین، یہان چار پانچ فیصدی سے زیادہ مسلمان نہین، انکی مادری زبان تلنگی ہے، مسلمانون کا کوئی خاص مدرسہ نہین ہے، کوئی الگ اسکول ہے، حالانکہ یہان تعلیم کا نظام نہایت مکمل ہے، شہر مین دو چار خوشحال طلبہ وہان کے سرکاری کالج کے تعلق سے موجود ہین، عیسائیت کی تبلیغ پورے جوش سے جاری ہے، اور اب کچھ کچھ آریت نے بھی دخل پانا شروع کیا ہے، تاہم ایک دو مسلمانون کی کوششون سے جنمین سے ایک "دیوانہ ملا" (مگر یہ ملا، دیوانہ بکار خویش ہشیار ہے) ان کا نام مولانا سلیم دیوری ہے، انگریزی بھی جانتے ہین، انھون نے ایک چھوٹا سا یتیم خانہ قائم کیا ہے جسمین تین چار یتیم بچے ہین، انکی تعلیم و تربیت کا وہ بہت اچھا فرض انجام دے رہے ہین، انکو صنعت بھی سکھائی جاتی ہے، اور مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہے، خدا تعالیٰ اس کے کامون مین برکت دے تو یہان کی ایک اہم چیز ہوگی۔

میسور کے اندرونی علاقون مین مسلمانون کی حالت بہت بری ہے، کسی قسم کی تعلیم نہین ہے، جاہل پیرون کو فروغ ہے، ہم مین سب سے زیادہ حصہ [illegible] کے ایک [illegible] پیر صاحب کا ہے، ابھی پنجاب سے ایک نابینا مولوی گئے تھے، وہان جاکر اہلحدیث واحناف مین جھگڑا کرا دیا، [illegible] کی حالت تھی، جلسہ کے بعد مسلمانون کی حالت، مسلمانون مین اتحاد و مصالحت اور اسلام کے عقائد صحیحہ پر وعظ ہوا، بعد کو خطوط سے معلوم ہوا، کہ اس تقریر سے وہان دونون فرقون کی مخالفت مین بہت کمی ہوئی، خدا ایسا ہی کرے،

اس ضمن مین سب سے اہم کام یہ ہوا کہ میری کوشش سے نہین بلکہ صرف خدا کے فضل اور بعض مخلص مسلمانون کی ہمت سے جنمین سب سے پہلا نام ساہوکار رجال محمد صاحب کا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے دار الاقامہ کے لیے ستائیس ہزار کی رقم چندہ ہوئی جسمین تئیس ہزار وصول ہو گئے، اس طرح ارکانِ ندوۃ العلماء کو بڑی فکر سے نجات ملی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے،

مقالات

القضاء فی الاسلام

یعنی

اسلام مین فیصلۂ مقدمات

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

مولانا نے یہ مضمون ۲۲ء کے نومبر مین ادنیل کانفرنس کے اجلاس منعقدۂ الہ آباد مین پڑھا تھا، اور نئے موضوع ہونے اور مصنف کی تلاش و محنت کے سبب سے خاص طور سے پسند کیا گیا تھا، اس موضوع پر اب تک اردو مین کوئی چیز نہین لکھی گئی اکثر وہ اشخاص جو اسلامی قانون سے دلچسپی رکھتے ہین، اس قسم کے معلومات کے خواہشمند ہوتے ہین، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو معارف مین بھی شایع کیا جائے اور علحدہ رسالہ کی صورت مین بھی چھاپا جائے، "اڈیٹر"

اسلامی نظام حکومت مین قاضی کا منصب نہایت اہم ہے، اس بنا پر اسلام کے اساسی قانون یعنی قرآن مجید مین اس منصب کے تمام ضروری خصوصیات و اوصاف بہ تصریح مذکور ہین، مثلاً قاضی کے سامنے جو مقدمات پیش ہوتے ہین، ان مین مدعی، گواہ اور قاضی کو دو مختلف فرض انجام دینا پڑتا ہے، مدعی اور گواہ حق کو ثابت کرتے ہین اور بشرط ثبوت قاضی اس حق کو مدعا علیہ پر عائد کرتا ہے شرعی اصطلاح مین انہی دونون فرائض کا نام اثبات و الزام ہے، اور ان دونون مین مدعی و گواہ کے فرض یعنی "اثبات" کے لیے صداقت اور قاضی کے فرض یعنی "الزام" کے لیے عدالت ایک لازمی چیز ہے، اسلئے مدعی اور گواہ کا اخلاقی بلکہ قانونی فرض یہ ہے کہ سچائی کے ساتھ دعویٰ کو ثابت کرین، اور قاضی کا فرض یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ مدعا علیہ پر اس دعویٰ کا مطالبہ عائد کرے، اسی لیے قرآن مجید نے انفصال مقدمہ کے ان دونون ضروری اجزاء کا ذکر بتصریح کیا ہے،

وتمت کلمات ربك صدقا وعدلا، تیرے خدا کے احکام سچائی اور انصاف دونون حیثیتون سے مکمل ہین،

بالخصوص قاضی کے فرض یعنی عدل و انصاف کی ہدایت بار بار کی ہے،

وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل — تم لوگ جب لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ کرو،

اور یہ انصاف اس قدر لازم ہے کہ غیر قومیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں چنانچہ یہودیون کے معاملات کے متعلق

خود رسول اللہ صلعم کو حکم دیا گیا،

وإن حكمت فاحكم بينهم بالقسط إن الله يحب المقسطين، — اگر تم یہودیون کے معاملات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ خدا انصاف کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

لیکن یہ عادلانہ فیصلے اسی وقت کئے جا سکتے ہین جب وہ ایک عادلانہ قانون کے مطابق کئے جائین،

اور زمانۂ قدیم مین یہ عادلانہ قانون صرف آسمانی کتابون مین موجود تھا، اسلئے رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے

ارشاد ہوا،

فاحكم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهواءهم عما جاءك من الحق — ان آیات و احکام کے مطابق انکے درمیان فیصلہ کرو جنکو خدا نے اوتارا ہی اور جو حق تمہارے پاس آیا ہی اسکو چھوڑکر ان لوگون کی خواہشون کی پیروی نہ کرو،

اور جو لوگ عادلانہ قانون کے مطابق فیصلہ نہین کرتے ان کو سخت ملامت کیگئی،

ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون — جو لوگ خدا کی اوتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہین کرتے وہ لوگ کافر ہین،

دوسری آیتون مین اس قسم کے لوگون کو کہین فاسق اور کہین ظالم کہا گیا ہی اور ایک آیت مین اس کو زمانۂ

جاہلیت کا فیصلہ قرار دیا گیا ہے،

وإن كثيرا من الناس لفاسقون أفحكم الجاهلية يبغون — اور بہت لوگ فاسق ہین کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہین؟

یہی وجہ ہے کہ صرف صالح، ہدایت یافتہ اور برگزیدہ لوگون کو منصب قضاء کا اہل قرار دیا گیا، کیونکہ

صرف یہی لوگ خدائی احکام اور آسمانی قانون کے مطابق فیصلہ کرسکتے ہین، چنانچہ بہت سے انبیاء کے رشد و

صلاح اور ہدایت و برگزیدگی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

اولئک الذین آتیناهم الکتب والحکم والنبوة　　یہ وہ لوگ ہیں جنکو ہم نے کتاب دی اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا

اور ان لوگوں کے ہاتھ میں نہایت واضح قوانین و احکام دیدیئے گئے ہیں کہ قانونی پیچیدگیاں زنجیرِ عدل کی کڑیوں کو باہم الجھا نہ دیں،

ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوة ورزقنٰهم من الطیبات وفضلنٰهم علی العلمین وآتینٰهم بینٰت من الامر

ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب دی اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور ان کو پاک روزی اور تمام دنیا پر فضیلت دی اور اونکو کھلے ہوئے احکام دیئے،

منصبِ قضاء کے یہ ایجابی اور وجودی اجزاء تھے، لیکن سلبی اجزاء میں جو چیزیں عدل و انصاف میں رکاوٹ ڈالنے والی ہیں ان میں سب سے خطرناک چیز رشوت خوری ہے، اسلیے اوسکی نسبت ارشاد ہوا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون،

اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا طور پر نہ کھاؤ اور اوسکو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ جان بوجھکر خورد برد کر جاؤ،

قرآن مجید کے ساتھ احادیث میں بھی اس منصب کی ذمہ داریوں کے متعلق نہایت تفصیلی ہدایات موجود ہیں، مثلاً،

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین　　جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کر دیا گیا،

من طلب القضاء واستعان علیه وکل الیه ومن لم یطلبه ولم یستعن علیه انزل الله ملکا یسدده،

جس شخص نے منصبِ قضاء کو خود چاہا اور اس کے حاصل کرنے کیلئے دوسروں کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اوسی کے سپرد کر دیا گیا اور جس شخص نے نہ اسکو چاہا نہ اوس کے حاصل کرنے کیلئے دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اوسکے لیے خدا ایک فرشتے کو اتاریگا جو اوسکو سیدھا راستہ دکھائیگا،

القضاة ثلاثة واحد فی الجنة واثنان فی النار　　قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک جنت میں جائیگا اور باقی دو دوزخ میں

فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی	جو قاضی جنت میں جائیگا وہ وہ ہے جس نے حق کو سمجھکر فیصلہ کیا اور
بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو	جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ کیا وہ جہنم میں جائے گا،
فی النار ورجل قضی للناس علی جھل	اور جس نے بے سمجھے بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائیگا
فھو فی النار،	
لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے
الراشی والمرتشی	دونوں پر لعنت بھیجی،

انہیں ذمہ داریوں کی بنا پر صحابۂ کرام اس منصب کو بمشکل قبول کرتے تھے، چنانچہ ایک بار خود رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے روانہ کرنا چاہا تو انھوں نے ان الفاظ میں معذرت کی:

قسر سلنی وانا حدیث السن ولاعلم لی بالقضاء آپ مجھے روانہ فرماتے ہیں حالانکہ میں کمسن ہوں اور مجھکو فیصلہ کا علم نہیں ہے

سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایک بار دو شخصوں نے اور ایک مجمع میں فیصلہ کے لیے ایک شخص کی تلاش کرنے لگے، مجمع میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں فیصلہ کرونگا، حضرت ابومسعود انصاریؓ نے جو مجمع میں موجود تھے مٹھی بھر کنکری لیکر اسکو مارا اور فرمایا،

مہ انہ کان یکرہ التسرع الی الحکم	ٹھہرو، فیصلہ کرنے کے لیے بہت جلد تیار ہوجانا مکروہ خیال کیا جاتا تھا،

عہد رسالتؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں ان ہدایات وارشادات پر سختی کیساتھ عمل کیا اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا،

اجعلوا الناس عندکم فی الحق سواء قریبھم	انصاف میں تمام لوگوں کو برابر قرار دو، اور قریب وبعید کو یکساں
کبعیدھم وبعیدھم کقریبھم وایاکم والرشی	سمجھو اور رشوت سے سخت احتراز کرو،

اس کے ساتھ مزید احتیاط کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر

کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴،

کیا جائے اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا، اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب و داب کا اثر نہ پڑے گا[1]۔

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ایسے ہین جنکے ذریعہ سے رشوت لیجا سکتی ہے، مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ناجائز مالی فوائد بھی حاصل کر سکتے ہین، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قاضی شریح کو منصب قضا پر مامور کیا تو فرمایا،

لا تشتر ولا تبع ولا ترتش[2] نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو،

تحفے اور ہدیے بھی در پردہ رشوت بن سکتے ہین، اور موجودہ زمانہ مین حکام کے سامنے جو ڈالیان پیش کیجاتی ہین وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہین، اس لیے خود رسول اللہ صلعم نے تمام عمال کو ہدیہ لینے کی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو علانیہ رشوت قرار دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی خلافت سے پہلے ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت مین اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ان کے زمانہ خلافت مین وہی شخص ایک بار فریق مقدمہ ہوکر دربار خلافت مین حاضر ہوا، تو کہا کہ "اے امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیان ایک دوسرے سے جدا کیجاتی ہین" حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[3]،

فقہا نے اس مین اور بھی سختیان کی ہین، مثلاً ان کے نزدیک قاضی کسی کے یہان مخصوص دعوت بھی نہین کھا سکتا البتہ وہ عام دعوتون (مثلاً شادی بیاہ کی دعوتون) مین شریک ہو سکتا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کا ہدیہ اگرچہ وہ قبول کر سکتا ہے، لیکن جب ان کا مقدمہ اوس کے اجلاس مین دائر ہو تو اس کو ان کا ہدیہ بھی قبول نہین کرنا چاہیئے، اسی طرح اگر کوئی شخص معمولاً اس کو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ

---

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع بحوالہ الفاروق [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۰ [3] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۷۱

دیا کرتا تھا تو وہ اگرچہ اس کا ہدیہ لے سکتا ہے، لیکن اگر اس کا مقدمہ اس کے اجلاس میں دائر ہو یا وہ اس حالت میں ہدیے کی مقدار کو بڑھا دے تو قاضی کو اس کے قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہیے[1]

رشوت اور ہدیے کے علاوہ اور بھی بہت سے جذبات و احساسات غلط یا نامنصفانہ فیصلے کا سبب ہو سکتے ہیں، اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان جذبات و احساسات سے معرا ہو کر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا لا یقضی الحکم بین اثنین وھو غضبان قاضی غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے

ہمدردی یا مداہنت، دوستی و دشمنی سے بھی بہت سے حکام متاثر ہو جاتے ہیں، لیکن ان ہدایات کی بنا پر قضاۃ اسلام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، چنانچہ ایک بار قاضی شریح کے اجلاس میں ایک عورت ایک مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے آئی اور رونے لگی، امام شعبی بھی وہاں موجود تھے وہ بھی اس کے رونے سے متاثر ہو گئے اور کہا کہ "میں اس غریب کو مظلوم خیال کرتا ہوں" لیکن قاضی شریح پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور فرمایا کہ حضرت یوسف کے بھائی بھی تو شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے[2]، ان تمام احکام و ہدایات کے ساتھ امام یا قاضی القضاۃ کو ہمیشہ قاضیون کی نگرانی بھی کرتے رہنا چاہیے[3]

ان تمام ہدایات کے بعد بھی اسلام میں قاضی کی تنہا رائے انفصال مقدمہ کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کو علماء کی ایک جماعت کے مشورے سے فیصلہ صادر کرنا چاہیے[4] اور موجودہ زمانے کی قانونی اصطلاح میں اس برگزیدہ جماعت کو جوری یا اسیسر بھی کہہ سکتے ہیں،

اسلام میں امام مقدمات کے فیصلوں کے لیے ایک ساتھ دو قاضیوں کا تقرر بھی کر سکتا ہے اور ایسی حالت میں صرف ایک قاضی کو مقدمات کے فیصلے کا حق نہیں حاصل ہوتا[5] اور یہ بعینہ وہی صورت ہے

[1] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۱۰۰، [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۰، [3] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۰، [4] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۰۱، [5] ایضاً صفحہ ۲۹،

جو موجودہ زمانہ کی ہائیکورٹون مین پائی جاتی ہے،

قاضی کے تقرر کے شرائط فقہانے قاضی کے تقرر کے لیے دیانت، فقاہت، عدالت، راستبازی، پاکبازی، نیک کرداری اور اجتہاد کو ضروری قرار دیا ہے، اور قضاۃ اسلام نے ان اخلاقی محاسن کی بعض عجیب وغریب مثالین قائم کی ہین، مثلاً قاضی ابوخزیمہ جب اپنے کپڑے دھوتے تھے، یا شریک جنازہ ہوتے تھے، یا اور کوئی ذاتی کام کرتے تھے، توجب تک ان مشاغل مین مصروف رہتے تھے، اتنے زمانے کی تنخواہ نہین لیتے تھے اور کہتے تھے مین مسلمانون کا ملازم ہون اس لیے جب تک ان کے کام کے علاوہ دوسرے مشاغل مین مصروف رہون مجھے ان کے مال کا لینا جائز نہین[1]، ایک بار ان کو کسی مقدمہ کے متعلق ایک خط ملا جسکو انھون نے اپنی آستین مین رکھ لیا، ایک شخص نے اون سے اس خط کے کھولنے کی درخواست کی تو بولے اس کا تعلق انفصال مقدمہ سے ہے، اور فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، چنانچہ جب اجلاس پر بیٹھے تو خط کھولا[2]، ہمارے فقہا، نے قاضی کے تقرر کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کو انسانون کے عام اخلاق وعادات سے بھی واقف ہونا چاہیئے کیونکہ بہت سے فیصلے ان پر موقوف ہوتے ہین[3]، اور قضاۃ اسلام انسانی کیرکٹر کے مختلف مدارج سے جس قدر واقف تھے اوسکی مثال بعض مقدمات کے فیصلہ مین آے گی،

ہر مذہب کیلئے الگ الگ قضاۃ کا تقرر آج اگرچہ انگریزی سلطنت کے زیر حکومت مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین لیکن باینہمہ ایک ہی جج تمام مذاہب کے لوگون کا فیصلہ کرتا ہے، اسلام مین بھی اگرچہ ایک مدت تک ایک ہی قاضی اسلام کی تمام مختلف المذاہب رعایا کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن مصر مین ملک الظاہر بیبرس نے ۶۶۳ھ مین اسلام کے چارون فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے[4]۔

قاضی القضاۃ اسلام مین تمام قاضی ایک اور اعلیٰ عہدہ دار کے ماتحت ہوتے تھے، جسکو قاضی القضاۃ کہتے تھے اور اس زمانے مین اس کو چیف جسٹس کہہ سکتے ہین، اسلام مین سب سے پہلے یہ منصب امام ابویوسفؒ کو ملا جو

---

[1] کتاب الولاۃ صفحہ ۳۶۲۔ [2] ۳۶۳، [3] صفحہ ۳۰۴، [4] ہدایہ جلد ثالث کتاب ادب القاضی صفحہ ۱۱۱ [4] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۶،

امام ابوحنیفہ کے نہایت مشہور شاگرد تھے، اور انھوں نے اپنے اثر سے علماء کے لیے ایک خاص لباس رائج کیا، اور حنفی مذہب کی عام اشاعت کی،[1] چونکہ یہ بہت بڑا ذمہ دارانہ عہدہ تھا اس لیے بعض سلاطین نے اس پر ضمانت کا لینا ضروری سمجھا، چنانچہ معز الدولہ نے عبد اللہ بن الحسین بن ابی الشوارب کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تو یہ شرط لگادی کہ وہ سالانہ دو لاکھ درہم کی ضمانت ادا کرے،[2] اس باطنی اثر و اقتدار کے ساتھ قاضی القضاۃ کا اجلاس ظاہری حیثیت سے بھی نہایت شاندار ہوتا تھا، چنانچہ مقریزی لکھتا ہے،

جب خلیفہ خود مقرر کرتا ہے تو ایک آدمی کو جج کا منصب عطا کرتا ہے اور اس کو قاضی القضاۃ کا لقب دیتا ہے، اور اس کا درجہ خدام ارباب العمائم اور ارباب القلم میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات مبلغ (پروپیگنڈسٹ) بھی ہوتا ہے، اور اس کو اس وقت قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ کہتے ہیں، مصر میں کوئی چیز اس کے اختیارات سے باہر نہیں ہوتی اور دو شنبہ اور سہ شنبہ کو زیادہ تر جامع عمرو بن العاص مصر میں ایک فرش اور حریر کے مسند پر بیٹھ کر اجلاس کرتا ہے اور اپنے اپنے مقدمہ کی تاریخ کے مطابق گواہ اس کے گرد داہنے بائیں بیٹھتے ہیں اور اس کے اجلاس میں پانچ دربان ہوتے ہیں، دو اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں، دو مقصورہ (کٹہرہ) کے دروازے پر رہتے ہیں، اور ایک فریقین مقدمات کو اس کے سامنے لاکر پیش کرتا ہے، اس کے اجلاس میں چار احکام نویس ہوتے ہیں جن میں دو دو آمنے سامنے بیٹھتے ہیں، اس کے لیے کرسی دوات ہوتی ہے یعنی ایک روپہلی دوات جو محل کے خزانوں سے اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، اور ایک خاص تنخواہ دار شخص ہوتا ہے جو اس کو لاتا ہے، اس کی سواری کے لیے اصطبل سے ہمیشہ ایک خچر شہابی رنگ کا بھیجا جاتا ہے اور خچر کا یہ مخصوص رنگ تمام ارباب حکومت میں صرف اسی کے لیے مخصوص ہے، اور اس پر ایک وزنی اور محلی زین کسی جاتی ہے جو زینوں کے خزانہ سے آتی ہے، تہواروں

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۴ [2] ایضاً صفحہ ۹۰،

کے موقع پر اُن کی خدمت میں طوق بھیجے جاتے ہیں، اور اس کو ستمر سے خلعت پہنائے جاتے ہیں

لیکن اس کے ساتھ طبل و بوق نہیں ہوتا، البتہ جب وہ فیصلۂ مقدمات کے علاوہ تبلیغ و

اشاعت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے، تو خلعت کیساتھ طبل بوق اور جھنڈیاں بھی ہوتی ہیں

جو ان جھنڈیوں کے مثل ہوتی ہیں، جنکے ساتھ وزیر صاحب السیف کو مشرف کیا جاتا ہے،

اور جب وہ خاص طور پر فیصلہ کے لیے بیٹھتا ہے، تو اس کے گرد فوار کھڑے ہوتے ہیں اور

اور اس کے سامنے اعلان کرنے والے ہوتے ہیں، اور اگر خلیفہ یا وزیر اس جگہ ہوتے ہیں تو علانیہ

ان کے نام کا اعلان کرتے ہیں، اور اس کے سامنے لوگ دربانوں، اور پہرہ داروں کے ذریعہ

سے لائے جاتے ہیں اور جہان وہ موجود ہوتا ہے کوئی فوجی یا سویلین عہدہ دار اوس کے آگے

نہیں بڑھ سکتا اور کسی جانداد یا جنازے پر بغیر اوس کی اجازت کے نہیں جا سکتا، اور جبتک وہ

اجلاس پر ہے کوئی شخص اسکو اٹھا نہیں سکتا، اور کسی گواہ کی توثیق و تعدیل بغیر اوس کے

حکم کے نہیں کیجاسکتی وہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے محل میں بیٹھتا ہے،

اور اس کے نائب برابر فیصلہ کرتے رہتے ہیں، اور بیت المال کا وکیل اس کے سامنے حاضر

ہوتا ہے اور وہ ٹکسال کے دفتر کا بھی نگران ہوتا ہے، اور وہ خود اس کو بند کرتا ہے اور اس

پر مہر لگاتا ہے اور اس کے کھولنے کے وقت بھی موجود رہتا ہے[1]

دار العدل | اگرچہ عام لوگون کے مقدمات کے فیصلے کے لیے یہ انتظامات کافی تھے، لیکن خود حکام کے مقدمات

کے فیصلے کے لیے اسلام میں کوئی مستقل اور علیحدہ انتظام نہیں تھا، اور آج بھی اسکا کوئی الگ انتظام نہیں ہے

بلکہ وزیر ہند تک پر بھی عام عدالتوں ہی میں مقدمات دائر کیے جاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا

ہے کہ بعض حکام کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے کمیشن مقرر کر دیا جاتا ہے، یا عارضی طور پر خاص عدالتیں

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۲۴

قائم کر دی جاتی ہیں، لیکن اسلام میں ابتدا ہی سے یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اگر ان معاملات میں حکام کی کوئی خاص حیثیت قائم کیگئی تو اس سے ان کے رعب و داب میں فرق آجائیگا جو سیاست وحکومت کیلئے نہایت ضروری ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کو طلب کیا اور ایک تقریر میں فرمایا کہ جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے، اس پر ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم بھی اسکو سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ او ٹھو، لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ یہ ام عمال پر گران ہوگا، اور آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہوجائیگی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا خود رسول اللہ صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے؟ بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیاں لیکر اپنے حق سے باز آئے[1]

لیکن دمشق میں جب بعض امرا نے لوگوں پر مظالم کئے تو سلطان نور الدین شہید نے مستقل طور پر ایک دار العدل قائم کیا جس میں صرف ان مظالم کا فیصلہ کیا جاتا تھا جو وزرار، درامرار رعایا پر کرتے تھے، اور یہ پہلا دار العدل تھا جو اسلام میں قائم کیا گیا تھا[2]

ثالث اگر کسی شخص میں وہ تمام اوصاف پائے جائیں جو قاضی کے لیے ضروری ہیں، تو اس کو دو شخص اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کر سکتے ہیں، اور اگر وہ دونوں اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں تو انکا فیصلہ نافذ ہو سکتا ہے، البتہ اگر قاضی کے اجلاس میں اس کے فیصلہ کا مرافعہ کیا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق صحیح نہ ہو تو وہ اسکو منسوخ کر سکتا ہے، لیکن حدود و قصاص یعنی فوجداری کے مقدمات میں کسی شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حق حاصل نہیں ہے[3] موجودہ قانون بھی اسکی اجازت نہیں دیتا،

قاضی کے فرائض و اختیارات اسلام میں انفصال مقدمات کے علاوہ قاضی کے اور بھی چند فرائض ہیں، اور اس کے اختیارات میں اور بھی چند چیزیں داخل ہیں مثلاً اسلام میں:-

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰ [2] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۸۰ [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۰

(۱) اوقاف کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل ہے، اور قضاۃ اسلام نے جس مستعدی اور دیانت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تاریخ اسلام اس پر ناز کرسکتی ہے، مثلاً مصر مین پہلے اوقات کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا بلکہ وہ یا تو خود اہل وقف کے قبضے مین تھے یا ان کے متولی انکا انتظام کرتے تھے، لیکن ہشام کے عہد خلافت مین جب توبہ بن نمر مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو انھون نے کہا کہ "منافع وقف کے اصلی مستحق صرف فقرا، اور مساکین ہین، اس لیے مین ان کو خود اپنے قبضے مین لینا چاہتا ہون تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائین اور ان مین وراثت نہ جاری ہونے پائے"، چنانچہ انھون نے مصر کے تمام اوقاف کا انتظام اس وسیع پیمانے پر کیا کہ ان کے مرنے سے پہلے پہلے اوقاف کا ایک عظیم الشان محکمہ قائم ہوگیا[۱]، اور اس کے بعد تمام قضاۃ نے مختلف طریقون سے نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کی نگرانی کی، چنانچہ قاضی محمد بن ابواللیث نے تمام اوقاف کا بذات خود معائنہ کیا، اور خود اپنے قلم سے ان کی فہرست مرتب کی اور بہت سے اوقاف کے متعلق فیصلے کئے[۲]، قاضی ہارون بن عبداللہ مصر کے قاضی مقرر ہوکر آئے تو تمام اوقاف کے مداخل و مصارف سے واقفیت حاصل کی اور اس سے ایک وقف بھی نہ چھوٹا[۳]، مصر کے جو اوقاف قضاۃ اور اہل اوقاف کے قبضے مین تھے، قاضی لہیعہ نے شہادت لیکر یا خود اہل اوقاف سے اقرار کرواکے ان کی تجدید کی، چنانچہ اس پر ایک شخص نے ان کی تعریف کی تو فرمایا کہ "مین ایک مدت سے اس کو چاہتا تھا، اور خدا سے میری دعا تھی کہ مجھکو ان اوقاف کے فیصلے کا موقع عطا فرمائے اب یہ موقع نصیب ہوا تو مین نے ایک ایک وقف کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا اور ہر ایک کے متعلق نئی شہادتین حاصل کین[۴]"، قاضی عبداللہ عبدالرحمان بن عبداللہ العمری نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کو قائم و آباد رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ خود ان کی نگرانی کرتے تھے اور دن کے اکثر حصے مین معمارون کے ساتھ بیٹھکر وقف شدہ عمارات کی مرمت کرواتے تھے، چنانچہ ایک بار ان سے کہا گیا کہ امام مالک[رح] کے نزدیک اوقاف کی مرمت ضروری نہین" تو بولے کہ

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۴۶، [۲] ایضاً صفحہ ۴۵۰، [۳] ایضاً صفحہ ۴۴۴، [۴] ایضاً صفحہ ۴۲۴،

اگر وصیت بھی نہ ہوگی تو وہ کیونکر قائم رہ سکین گے؟[1] قاضی عبد الملک بن محمد الحزمی نے ہر مہینے کے تین دن اوقاف کی نگرانی کے لئے مخصوص کر دیئے تھے جن مین محکمۂ اوقاف کے اہل کارون کو ساتھ لیکر ان کی مرمت اصلاحات و حفاظت کا معائنہ کرتے تھے اگر ان مین کوئی خرابی نظر آتی تھی تو متولی کو دس کوڑے مارتے تھے،[2]

اوقاف کی طرح یتیمون کے مال و جائداد کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اس فرض کو بھی نہایت مستعدی سے ادا کیا تھا، [illegible] چنانچہ مصر مین پہلے یتیمون کے مال و دولت کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا، لیکن قاضی عبد الرحمن بن حدیج نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور ہر قبیلے کے چودھری (عریف) کو اس کا ضامن بنایا،[3] اس کے بعد قاضی خیر بن نعیم نے سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر کے حکم سے اس کو بیت المال مین داخل کیا، اور اس کے لئے علیحدہ علیحدہ رجسٹر بنوائے جنہین ہر یتیم کے مال کے مصارف و مداخل درج ہوتے تھے،[4] قاضی مفضل بن فضالہ یتیمون کے معاملات پر اس قدر نظر رکھتے تھے کہ ان کی نسبت ایک بزرگ یہ بار بار کہا کرتے تھے کہ

ولی الیتیم کا بیہ[5]   یعنی یتیم کے باپ کی طرح اسکی ولایت کا فرض ادا کیا،

قاضی ہارون بن عبد اللہ مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو بذات خود یتیمون کے مال کا معائنہ کیا، اس کا حساب لیا، اور ان کے معاملات مین کوئی خرابی دیکھی تو ان کے اولیاء کو سزا دی اور علانیہ ان کی تشہیر کی،[6] قاضی محمد بن ابو اللیث نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص کے قبضہ مین یتیمون کا مال ہوگا اور وہ اس کو حاضر نہ کرے گا تو وہ قانونی حفاظت کے حدود سے خارج کر دیا جائیگا، چنانچہ اس اعلان کے بعد ان کے رعب و داب سے خائف ہو کر لوگون نے یتیمون کا تمام سرمایہ اپنے قبضے سے نکال کر بیت المال مین داخل کر دیا،[7] قاضی عمری پہلے شخص تھے جنھون نے بیت المال مین ایک صندوق بنوا کر رکھ دیا تھا

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۹۵، [2] ایضاً صفحہ ۳۰۳، [3] ایضاً صفحہ ۳۲۲، [4] ایضاً صفحہ ۳۵۵، [5] ایضاً صفحہ ۳۸۲، [6] ایضاً صفحہ ۴۴۴، [7] ایضاً صفحہ ۴۵۰،

جس مین یتیمون کا تمام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا[1]، قاضی ہارون بن عبداللہ اگرچہ بذات خود یتیمون کے مال کی نگرانی نہایت دیانت سے کرتے تھے، لیکن جس صندوق مین یہ مال جمع کیا جاتا تھا، اسکی کنجی غیر محتاط اشخاص کے سپرد کردی تھی اور وہ اس مال کو بہت کچھ خورد برد کرجاتے تھے، چنانچہ قاضی محمد بن ابی اللیث نے ان پر اس کے متعلق مقدمہ دائر کروادیا[2]،

(۳) جو لوگ موجود نہ ہون ان کے مال کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اسی دیانت و سرگرمی سے ان کی نگرانی بھی کی، چنانچہ قاضی ہارون بن عبداللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام مال و دولت کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور ان کے لیے رجسٹر بنوائے[3]، قاضی محمد بن ابی اللیث نے عام اعلان کردیا تھا کہ جن لوگون کے ہاتھ مین غیر موجود اشخاص کا مال ہوگا، اگر وہ اس کو حاضر نہ کرینگے تو قانونی حفاظت سے محروم کردیے جائینگے[4]،

(۴) لاوارث لوگون کے مال و دولت کی نگرانی بھی قضاۃ کے فرائض مین داخل تھی، اور انھون نے اسی ایمانداری کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیا، چنانچہ قاضی ہارون بن عبداللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام سرمایہ کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے رجسٹر بنوائے[5]، قاضی عمری نے ایک صندوق بنواکر بیت المال مین رکھدیا تھا جس مین یتیمون اور لاوارثون کا مال جمع کیا جاتا تھا[6]،

انفصال مقدمہ | لیکن قاضی کا سب سے عام اور اہم فرض انفصال مقدمہ ہے، اور اس حیثیت سے اسلام مین قاضی کے فرائض حسب ذیل ہین،

۱۔ وہ مقدمہ کی پیشی اور شہادت گذراننے کے لیے ایک تاریخ مقرر کرے،

۲۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعی گواہون کو نہ پیش کرسکے تو وہ اوس کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے،

۳۔ وہ مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد خود اپنی مرضی سے اس پر نظر ثانی کرسکتا ہے،

---

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۴۰۹ [2] صفحہ ۴۵۰ [3] صفحہ ۴۴۴ [4] صفحہ ۴۵۰ [5] صفحہ ۴۴۴ [6] صفحہ ۵۰۴

۴۔ اس کو انفصال مقدمہ میں غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہئے[۱]

۵۔ اس کو مدعی اور مدعا علیہ کے ظاہری بیان اور وضاحتِ تقریر کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے گو یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ اندرونی حالات اور صحیح واقعات کے لحاظ سے صحیح نہ ہو[۲] یہی وجہ ہے کہ گو کسی جج کو مقدمہ کی اصلی حالت معلوم ہو لیکن وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ اس معاملے میں اسکی حیثیت صرف ایک شاہد کی ہوگی،

۶۔ اس کو مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات کو سنکر فیصلہ کرنا چاہئے[۳]

۷۔ وہ اگر فریقین کے درمیان صلح کرادے تو بہتر ہے[۴]

۸۔ اس کو فریقین کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے[۵]

۹۔ اگر مدعی مدعا علیہ کو حاضرِ عدالت کرانا چاہتا ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو طلب کرے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ صرف دعویٰ کرنے کے ساتھ ہی اس کو طلب کرنا چاہئے، یا جب مدعی یہ ثابت کرچکے کہ دعویٰ کی کوئی اصلیت ہے[۶] مدعا علیہ کے حاضر کرنے کے جو طریقے اس زمانے میں مستعمل ہیں قریب قریب وہی طریقے اسلام میں بھی ہیں[۷]

۱۰۔ فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہئے[۸]

موجودہ زمانے میں بھی انفصال مقدمات کے وقت یہ تمام پابندیاں ایک جج پر عائد ہوتی ہیں لیکن آج حکام کی بدمزاجی اور گھبراہٹ عموماً مشہور ہے اور مساوات بین الفریقین کے متعلق بمشکل کہا جاسکتا ہے کہ

---

[۱] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴، و دارقطنی صفحہ ۵۱۱۔ [۲] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الحکم بالظاہر واللحن بالحجۃ [illegible] [۳] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف القضاء۔ [۴] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین [۵] دارقطنی صفحہ ۵۱۲ [۶] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲۔ [۷] المقامات والمقابلات صفحہ ۵۰۔ [۸] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی۔

ہمارے حکام ان پر عمل کرتے ہیں یا کم از کم کر سکتے ہیں، لیکن اسلام کی عدالتی تاریخ میں اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے یہاں ایک شخص آیا اور انھوں نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریق مقدمہ بنکر ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے، اب آپ تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہیں[1]، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قاضی ایک فریق کی مہمانداری کرے تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے فریق کو بھی مہمان بنائے۔

یہ صرف دور خلافت راشدہ کی مستثنیٰ مثال نہیں ہے بلکہ زمانہ مابعد کے قضاۃ نے بھی اسی اصول مساوات پر عمل کیا ہے، چنانچہ ایک بار خلیفہ عبدالملک قاضی خیر بن نعیم کے اجلاس میں اپنے چچا زاد بھائی کا فریق بنکر آیا اور ان کے فرش پر بیٹھ گیا، انھوں نے کہا کہ "اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ کھڑے ہو"، عبدالملک کو یہ ذلت گوارا نہیں ہوئی، اور مقدمہ کو چھوڑ کر چلا آیا[2]۔

ایک بار خلیفہ ابو جعفر نے قاضی غوث بن سلیمان سے اپنا ایک ذاتی مقدمہ فیصل کرانا چاہا، جب داخلہ مقدمہ کے تمام شرائط پورے ہو چکے تو انھوں نے نہایت تہذیب سے کہا کہ "اب اگر مناسب ہو تو امیر المومنین اپنے فریق کے برابر بیٹھ جائیں"، چنانچہ وہ ان کے فرش سے اتر کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گیا[3]۔

سماعت مقدمات اسلام میں دعووں کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔

۱۔ بعض دعوے تو ایسے ہوتے ہیں جنکی تردید و تکذیب خود رسم و رواج سے ہو جاتی ہے، مثلاً ایک شخص ایک طویل مدت سے ایک گھر پر قابض ہے، ایک شخص اوسکے قبضہ و تصرف کو دیکھتا ہے لیکن اس طویل مدت میں کوئی روک ٹوک نہیں کرتا اور یہ بھی ظاہر نہیں کرتا کہ اس گھر سے اسکا حق متعلق ہے، کسی قسم کا خوف بھی اس اظہار میں مانع نہیں ہے، اور ان دونوں اشخاص میں قرابت یا وراثت کا کوئی تعلق بھی نہیں ہے بایں ہمہ وہ اس طویل مدت کے بعد اس گھر کی ملکیت کا دعویدار ہوتا ہے۔

۲۔ اس کے بالکل برعکس بعض دعوی ایسے ہوتے ہیں جنکی نسبت خود رسم و رواج سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سچے

---

[1] کنز العمال صفحہ ۱۱۰، [2] کتاب ولاۃ مصر الکندی صفحہ ۳۲۲، [3] ایضاً صفحہ ۳۷۵،

دعوے ہو سکتے ہیں مثلاً ایک مسافر کا یہ دعویٰ کہ فلاں شخص کے پاس میں نے فلاں چیز امانت رکھی ہے یا یہ کہ میں نے اپنے فلاں مسافر کو فلاں چیز کا امین بنایا ہے۔

۲۔ ان دونوں کے درمیان بعض دعوے ایسے ہوتے ہیں جنکی تصدیق اگرچہ رسم و رواج سے نہیں ہوتی تاہم رسم و رواج سے انکی تردید و تکذیب بھی نہیں ہوتی مثلاً دو شخصوں میں باہم بالکل بیگانگی ہے لیکن باین ہمہ ان میں ایک شخص دوسرے پر اپنے قرض کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان تینوں قسموں میں پہلے قسم کے دعویٰ کی تو سماعت ہی نہیں ہو سکتی، البتہ آخری دونوں دعوے قابل سماعت ہیں۔ اور ان کی سماعت کے متعلق قاضی کو حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں:

۱۔ ایک کام کو وہ کرنا نہیں چاہتا لیکن مقدمہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کیلئے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں ایسا کرونگا،[۲]

۲۔ وہ ایک شخص کے اقرار کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ انصاف و صداقت کا اقتضاء اوس کے اقرار کے خلاف ہے۔

۳۔ ایک حاکم دوسرے حاکم کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے[۴] جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام نے اپیل کا دروازہ کھول دیا ہے،

۴۔ وہ مقدمات میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کیلئے قرائن و علامات سے کام لے سکتا ہے[۵] کیونکہ اسلام میں مقدمات کے فیصلوں کی ایک بنیاد مثالی فیصلوں کی نظیر ہے[۶] اور انبیاء گذشتہ کے بعض فیصلوں سے یہ اختیارات مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ سنن نسائی کتاب آداب القضاء میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک بار دو عورتیں اپنے لڑکوں کو ساتھ لیکر باہر نکلیں، سوء اتفاق سے ایک کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لیگیا، اور جو لڑکا بچ گیا اس کے متعلق دونوں میں نزاع پیدا ہوئی، اور مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا انہوں نے اُس عورت کے حق میں فیصلہ کیا جو دونوں میں بڑی تھی فیصلہ کے بعد دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گذریں تو انہوں نے

---

[۱] الطرق الحکمیہ صفحہ [۲] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب التوسعۃ للحاکم فی ان یقول للشیء الذی لا یفعلہ افعل لیستبین الحق

[۳] الطرق الحکمیہ صفحہ [۴] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب نقض الحاکم ما یحکم بہ غیرہ ممن ھو مثلہ او اجل منہ

[۵] الطرق الحکمیہ صفحہ [۶] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم،

کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا؟ ان دونون نے واقعہ بیان کیا تو بولے دو چھری لاؤ مین اس لڑکے کو دو ٹکڑے کرکے دونون کے درمیان تقسیم کر دون" لیکن چھوٹی عورت اس پر راضی نہین ہوئی، اور کہا کہ "مین اپنا حصہ بھی اپنے فریق ہی کو دیتی ہون" انھون نے یہ لڑکا اسی کو دلوا دیا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱- انھون نے اس لڑکے کے دو ٹکڑے ہونے کی دھمکی اس لیے دی تھی کہ جس کا لڑکا ہے اس کی محبت اس کو گوارا نہ کرے گی، اور وہ اس پر راضی نہ ہوگی، حالانکہ وہ درحقیقت ایسا کرنا نہین چاہتے تھے،

۲- اگرچہ چھوٹی عورت نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اس کا حصہ بھی بڑی عورت کو دے دیا جائے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے اقرار کے خلاف فیصلہ کیا،

۳- انھون نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا،

۴- انھون نے چھوٹی عورت کی عدم رضامندی کو قرینہ قرار دیا اور اس سے اس کی محبت کا پتہ لگایا،

غنی کشمیری

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب تسلیم ایم اے

غنی آن سخنگوے بلبل صفیر		نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو آن نغمہ افروز در خانہ نیست		تہی تر از و ہیچ کاشانہ نیست (اقبال)

ہندوستان کے ان مشاہیر فارسی شعرا مین سے جنپر فارسی شاعری ہمیشہ ناز کرے گی، ایک مولانا غنی کشمیری ہین، تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے جہان ابو طالب کلیم کا تذکرہ کیا ہے، وہان ان کے ہمسر اور ہمعصر ملا محمد طاہر غنی کی طرف توجہ نہین فرمائی، اسکی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے، کہ غنی کسی نئی طرز کے موجد نہ تھے یا یہ کہ ان کا کسی دربار سے تعلق نہ تھا، تاہم کچھ بھی ہو اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ وہ اس قابل ضرور ہین کہ دنیا کو ان سے اور ان کے کلام سے روشناس کیا جاے،

جیسا کہ عام طور پر فارسی شعراء کے سوانح حیات کا حال ہے، مولانا غنی کے حالات زندگی بھی مفصل معلوم نہین تذکرہ نویس اپنی عادت کے موافق بجز دو چار مدحیہ جملون کے اور کچھ نہین لکھتے، شاعر کے اخلاق و عادات، خط و خال، خرافات و تفردات، ایسی چیزین ہین جنسے ان کو سروکار نہین ہوتا، غنی اس کلیہ سے کب مستثنیٰ ہو سکتے تھے، چنانچہ ان کی تاریخ تولد، والد کا نام، خاندانی حالات، طرز معاش، وغیرہ تک تاریکی مین ہین،

ابتدائی حالات بعض تذکرہ شمع انجمن مرتبہ نواب صدیق حسن خان مین صرف اتنا لکھا ہے :-

"غنی کشمیری از قبیلہ اسی ہست"

تذکرہ نویس تو خیر ان باتون کو غیر ضروری سمجھتے ہین، افسوس تو یہ ہے کہ خود مولانا نے بھی اپنے ابتدائی حالات کا صراحتہً یا کنایۃً کہین ذکر نہین کیا، تاہم مسلم ہے، کہ کشمیر کے رہنے والے تھے، اور ۱۰۷۹ھ[1] مین وفات پائی، ڈاکٹر ریو فرماتے ہین[2] کہ غنی نے عالم شباب مین انتقال کیا، ان کا یہ قول غالباً مرزا محمد افضل سرخوش کے بیان پر مبنی ہے[3]، جسکی اصلی عبارت یہ ہے،

"اما مرغ روحش در عین شباب بسرپنجہ شاہین اجل گرفتار گردید"

مگر مجھے اس سے اختلاف ہے اور اس کے دو وجوہ ہین،

(۱) غنی اپنے اشعار مین متعدد جگہ اپنی پیری کا ذکر کرتے ہین، اور نہایت صریح طور پر، ملاحظہ ہو،

(۱) ز پیری چنان گشتہ ام ناتوان　　　که دندان بجنبند جائے زبان

(۲) بریخت دندان ز دہن رفت جوانی برباد　　　آہ ازین ژالہ کہ در مزرع بختم افتاد

(۳) از ضعف پیری است مرا تکیہ چون عصا　　　گردم ہنوز ہرزہ چو طفلان نئے سوار

(۴) ز پیری ریخت دندانم ندادم تن بیاد حق　　　بازی آخرین تسبیح چون اطفال گم کردم

(۵) موئے سر کردم سفید اما خیالت در سر است　　　اخگر پنہان تہ این تودۂ خاکستر است

(ب) غنی کو ضعف اعضا کی بیحد شکایت تھی، اور یہی لاحق تھا، اور وہ اس سے اسقدر تنگ آگئے تھا کہ دعا کرتے تھے، "باشد اسے کاش عمر کوتاہ مرا" انھون نے خود اس ضعف کی مفصل کیفیت بیان کی ہے، فرماتے ہین:-

قوت رفتار دارم باوجود ضعف پا　　　چون قدم در راہ گذارم میبرد پایم ز جا

پشت پا گردید خم از فزود ضعف تن مرا　　　گرچہ محکم می شود چون رشتہ میگردد دوتا

---

[1] دیوان منتخب سراج مین بھی سنہ وفات ۱۰۷۹ھ ہے، [2] فہرست کتب فارسیہ محفوظ موزۂ برٹانیہ صفحہ ۶۹۳ [3] دیوان غنی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۲۲

اسی بات پر دال ہے، شاعری تو ان کے نزدیک ایک ثانوی چیز تھی، تمہید دیوان میں ہے،

"علم را نقاب عرفان ساختہ بشعرش پرداری برزدی نمود و معارف حقیقی در لباس علوم رسمی روپوش می ساخت"

اس بیان کی تصدیق وہ خود بھی فرماتے ہیں ؎

زشعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من چون میوۂ کہ بماند بزیر برگ نہان

مرزا محمد افضل سرخوش کلمات الشعرا میں لکھتے ہیں "تاریخ شعر گفتن او از لفظ غنی بر می آید" ابتدائے سخن گوئی

اگر صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ مولانا نے ۱۰۶۰ھ میں شاعری شروع کی، ابوطالب کلیم ۱۰۶۱ھ میں مرے ہیں، غنی نے تاریخ کہی ہے،

"طور معنی بود روشن از کلیم"

یہ مسلم ہے، کہ کلیم مولانا کے رفقا میں سے تھے، علامہ شبلیؒ ایک جگہ ضمناً لکھتے ہیں[1] کہ "یہ تینوں شاعر (کلیم، صائب اور غنی) کشمیر میں مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے، اور باہم مشاعرے رہتے تھے"

اب دیکھئے ۱۰۴۲ھ میں ظفر خان احسن کشمیر کی صوبہ داری پر فائز ہوا ہے، اور مرزا صائب اس کے ساتھ کشمیر آئے ہیں، اور وہاں سے ہوتے ہوئے باپ کے ساتھ وطن کو واپس چلے گئے ہیں[2]، علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں[3]، کہ مرزا نے اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہیں نکالا، ضرور ہے کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے ۱۰۴۲ھ ہی میں غنی سے ملاقات ہوئی ہوگی، اور کچھ مدت ہم صحبتی کا لطف رہا ہوگا، کلیم کی وفات پر غنی نے جو قطعۂ تاریخ لکھا ہے، اس میں ایک شعر ہے، ؎

عمرہا در یاد او زیر زمین
خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

---

[1] ص ۸ ہ [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۹۵ [3] ایضاً ص ۱۷۰، [4] ایضاً،

حاجی جان محمد قدسی اور علی قلی سلیم دونوں مولانا کے زمرۂ احباب میں داخل تھے[1]، اور مسلم طور پر ۱۰۵۸ھ سے پہلے فوت ہوئے، کلیم بھی ۱۰۵۵ھ میں کشمیر میں تھا[2]، یہ ممکن نہیں کہ ان تمام باکمال شعرائ کی ہم نشینی کے باوجود غنی سخن گوئی کی طرف متوجہ نہ ہوئے ہوں، مگر غنی نے ۱۰۶۰ھ ہی میں بالکل بے ساختہ طور پر غنی تخلص اختیار کرکے شاعری شروع کر دی ہو، اس بات کا واضح ثبوت کہ مولانا غنی ۱۰۶۰ھ سے بھی پہلے شاعری کرتے تھے ان کے اس شعر سے حاصل ہوتا ہے،

گلشن کشمیر امسال شاد بی کم است
گر گل ابرے نمایان است آن ہم بے نم است

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ۱۰۵۲ھ میں کشمیر پر قحط کا سخت حملہ ہوا ہے، اس وقت تربیت خان حاکم کشمیر تھا، مولانا غنی یہ اشعار اسی قحط کی طرف اشارہ کرتے ہیں، دیوان میں ایک قطعہ ہے جس سے الٰہی شاعر کی تاریخ وفات ۱۰۵۷ھ برآمد ہوتی ہے، اس میں تخلص طاہر دیا ہے،

گفت تاریخ وفاتش طاہر
بُرد الٰہی ز جہان گوئے سخن

قیاس ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے شروع میں طاہر تخلص کرتے ہوں اور بعد میں غنی اختیار کیا ہو، اور وہ حسنِ اتفاق سے ۱۰۶۰ھ میں، اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دیوان میں بجز اس قطعہ کے اور کوئی غزل یا فرد نہیں جس میں طاہر آتا ہو، یہ درست ہے، مگر دیوان میں متعدد غزلیں ایسی ہیں جن میں مقطع نہیں دیا گیا اور غیر مسلکہ اشعار میں بھی صرف معدودے چند تخلص کے حامل ہیں، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ردیف میں صرف پانچ سات غزلیں مکمل تی ہیں[3]، اور ردیف اول کے ۴۹ غیر منسلکہ اشعار میں صرف دو ہیں جن میں تخلص ہے، اس کے ساتھ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کہا جاتا ہے کہ غنی نے اپنے اشعار میں سے ایک بیاض مرتب کر لی تھی، اور باقی تلف کر دیے تھے، اگر یہ صحیح ہو تو اغلب ہے کہ انھوں نے ابتدائی اشعار ہی ضائع کئے ہونگے، بہرحال یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی یہ ایک نظریہ ہے

---

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۲۲۳ · [2] شعر العجم ج ۳ ص ۰۰ · [3] میر حسین دوست سنبھلی تذکرہ حسینی تتمہ دیوان غنی ص ۱۴۲،

سفر | نواب صدیق حسن خان کے اس فقرہ سے کہ "مدت العمر در شہر خویش گذرانید" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے کبھی کوئی سفر اختیار نہیں کیا، ممکن ہے وہ سفر کو ناپسند کرتے ہوں، کیونکہ فرماتے ہیں ؎

سفر چگونہ گزینم ز آستانہ خویش　　کہ ہمچو مردم چشم بقید خانہ خویش

مگر یہ صحیح نہیں کہ تمام عمر کہیں نہیں گئے، وہ خود ایک رباعی میں کشمیر سے دور ہونے کا کنایۃً ذکر کرتے ہیں؛

کردہ است ہوائے ہند دلگیر مرا　　ای بخت رسان بباغ کشمیر مرا

گشتم ز حرارت غریبی بے تاب　　از صبح وطن بدہ طباشیر مرا

احباب | غنی نے تمام عمر گوشۂ عزلت میں بسر کی، علامہ اقبال فرماتے ہیں، ع

"چو اندر سرا بود در بستہ داشت"

تمہید دیوان میں ہے کہ "بجز معنی یگانہ با ہیچکس آشنائی نمی کرد"

شاید یہی وجہ ہے، کہ ان کے دیوان میں ان کے دوستوں کا کوئی ذکر موجود نہیں، بلکہ وہ خود ان کے عدم حصول کے شاکی ہیں ؎

کردم ہر چند جستجو در عالم　　یاران موافق بجہان دیدم کم

افسوس کہ ہمچو مہرہائے شطرنج　　یک رنگ نیند ہم نشینان با ہم

تاہم اس کے بھی معترف ہیں کہ دنیا میں صحبت و اختلاط ناگزیر ہے، ؎

کس راز دام صحبت مردم نجات نیست　　عنقا است گوشہ گیر غنی در زمان ما

پہلے آچکا ہے، کہ قدسی، سلیم، صائب، ان کے رفقا میں سے تھے، کلیم اور امیر الامرا اسلام خان سے تو خاص انس تھا، ان کی تاریخ وفات کہی ہے اور جس خلوص کے ساتھ کہی ہے اسکا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے؛

قطعہ تاریخ وفات ابو طالب کلیم

حیف کز دیوار این گلشن پرید　　طالبا آن بلبل باغ نعیم

شاخ حسرت چون نمی ریزد تسلیم | شد سخن از مردن طالب یتیم
بردم از شوقش دل سخن | چون زبان نامہ یکگرد دو نیم
حسرہ با دریاد ... زمین | خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
ما نیست از اشتیاق یک دگر | گشتہ ... این ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی | طور معنی بود روشن از کلیم

امیر الامرا اسلام خان،

حیف کز فوت قدوۂ امرا | بہ سپہر داغ شد نصیب سیاہ
دور زان آفتاب اوج کمال | مردمک شد زگریہ ابر سیاہ
شد نفس نالہ در گلو مارا | ہمچو نے از مصیبت جانکاہ
جست این مصرع از زبان غنی | مرد اسلام خان والا جاہ

اہل وعیال مولانا دنیاوی تعلقات سے بالکل آزاد تھے، ان کے اہل وعیال کے متعلق تذکرہ نویس تو عادۃً خاموش ہیں، ان کے اشعار سے بھی پتہ نہیں چلتا، معلوم ہوتا ہے، انھوں نے شادی نہیں کی اور تجرد میں ہی زندگی بسر کرتے رہے،

مذہب اگرچہ صوفیانہ خیالات بھی دیوان میں موجود ہیں، اور امام حسینؓ کی تعریف میں بھی یہ شعر ہے،

کے بود رجز اسر خود توانند شد | کہ خاکپاے شہیدان کربلا باشد

مگر ذیل کے شعر سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ غنی اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں،

دفع شد وسواس خاطر از نماز باحفو | ما دست بستہ وا کردیم قفل بستہ را

دست بستہ سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے،

اخلاق وعادات مولانا محمد طاہر غنی کو مبدء فیاض سے طبیعت بھی غنی کرامت ہوئی تھی، وہ استغنا کی

بلند سطح پر پہنچے ہوئے تھے، جہان ان کی نگاہ مین دنیوی جاہ و احتشام کی کوئی وقعت نہین رہی تھی،
نصیرآبادی کے الفاظ مین "...... درکمال بے تعلقی بودہ چشم بر زخارف دنیاکہ در نظر عارف قدر
برگ کاہے ندارد نکشودہ و بعلت آن غنی معنوی ہم بود"
صاحب شمع انجمن[1] اس کی تصدیق یون کرتے ہین، " بغنائے طبعی مجبول بود، باوصف بے دستگاہی
بحضور خاطر بسر می برد، ازین جاست کہ غنی تخلص می کند"
عہد شاہجہانی کے پرتکلف تمدن مین جب کہ ساز عشرت کی صدائین فضائے ہند کو معمور کر رہی
تھین، اور وہ خواب آور نغمے کاہلی اور تنعم پرستی کا ایسا جذبہ پیدا کر رہے تھے، جسے حضرت عالمگیرؒ دیکھ کر
تھرا اُٹھے اور اس قحط الرجال کے زمانہ مین جب کہ مردانگی کے اوصاف مفقود ہو چلے تھے، ایسے شخص کا
پیدا ہونا جو صبر و استقلال، ایثار و استغنا کا نمونہ قائم کردے کچھ کم تعجب انگیز نہین استغنا کا یہ حال تھا کہ
صاحب مشاہیر کشمیر لکھتے ہین کہ مولانا نے اپنے رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ منتخب کر رکھا تھا، مگر
جب اندر ہوتے تو دروازہ بند کر دیا کرتے اور جب باہر تشریف لیجاتے تو کواڑ کھلے رکھتے، ایک دوست
نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ متاع دوکان تو مین ہون، جب مین نہ ہون تو دروازہ بند کرنا
بے سود ہے، علامۂ اقبال اسی واقعہ کو نظم کرتے ہوئے لکھتے ہین[2]:-

غنی آن سخن گوئے بلبل صفیر	نواسنج کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت	چو رفت از سرا تختہ را واگذاشت
یکے گفتش اے شاعر دلرسے	عجب دارد از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر	فقیر و با قلیم معنی امیر
ز من آنچہ دیدند یاران رواست	درین خانہ جز من متاعے کجاست

[1] قلمی نسخہ، [2] پیام مشرق صفحہ ۱۲۷،

غنی تا نشیند بکاشانه اش | متاع گرانی است در خانه اش
چو آن مفلس افسرده خانه نیست | تهی تر ازین هیچ کاشانه نیست

اپنے استغنا کا ذکر وہ خود ان الفاظ میں کرتے ہیں،

داده جوابم از در همت جنس | یعنی ز بار منت کس خم نگشته ایم
هرکه چون من زد قدم در راه استغنا غنی | اطلس گردون بپای همتش پاتابه است
لب سوال غنی پیش ممسکان مگشا | که ترسم از دهنت لقمه زبان گیرند

مولانا نے ہمیشہ اپنے آپ کو ارباب دولت و ثروت سے بے نیاز رکھا، وہ پیٹ کی خاطر کسی امیر یا بادشاہ کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرنا ذلت سمجھتے تھے[۱]، فرماتے ہیں، ؂

غنی از نیک نامی زر نه گیرد | که نام زر گرفتن هم گدائی است
سعی روزی بر نمیدارد دم از جای خویش | آبرو چون شمع می ریزم پی در پای خویش

صلۂ شعر کے قبول کرنے سے انھیں عار تھا، ؂

چرا غنی صلۂ شعر از کسی گیرد | همین بس است که شعرش گرفت عالم را

اسی بنا پر انھوں نے تمام عمر فقر و فاقہ میں بسر کی اور کبھی ملول خاطر نہ ہوئے، اور اس بے دستگاہی میں کمال جمعیت خاطر سے دن گذارتے رہے، انھوں نے اپنا اطمینان اس شعر میں ظاہر کیا ہے، ؂

ما بفقر و فاقه خورسندیم چو آسیا | گر رسد روزی غبار خاطر ما می شود

مولانا کی وسیع شخصیت، ان کی علو ہمتی، اور خودداری ایسی نہ تھی کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوتے، عوام تو کیا خواص بھی ان کا ادب کرتے تھے، خود حاکم کشمیر نہایت تعظیم سے پیش آتا تھا، مگر مولانا کی آزاد

۱؎ تاریخ حدیقہ میں یہ بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے کہ ۵ جلوس میں غنی نے شاہ جہان کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا اور ہزار روپیہ انعام پایا اس میں مصنف کو سہو ہوا ہے وہ شاعر فردغی تھا نہ کہ غنی،

طبیعت ان کے احترامات اور تکلفات کی گرانباری کی کب متحمل ہو سکتی تھی، وہ اس سے تنگ آگئے تھے، جھنجلا کر فرماتے ہیں ؎

از تواضعہائے مردم سخت حیرانم غنی ہرکسی افتد بپایم کندۂ پامی شود

روایات | مولانا کی شخصیت کے ارد گرد بھی بہت سی روایات جمع ہو گئی ہیں، تذکروں میں ایسے قصے عام طور پر تفریح کے لیے درج کیے جاتے ہیں، مگر بہت کم حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں، ہم مولانا کے متعلق دو روایات لکھیں گے، ان کے متعلق مشہور ہے[1] کہ شاہ ہند نے سیف خان حاکم کشمیر کو لکھا کہ غنی کو ہماری خدمت میں دہلی روانہ کردو، سیف خان نے غنی کو بادشاہ کا پیغام دیا، تو انھوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ لکھ دو غنی دیوانہ ہو گیا ہے، سیف خان نے کہا کہ بھلا ایک فرزانہ کو دیوانہ کس طرح لکھ سکتا ہوں، غنی دفعۃً دیوانہ وار دربار سے نکل کھڑے ہوئے، اور تین دن کے بعد مر گئے، قصہ کا وجود شاہِ ہند کے پیغام پر منحصر ہے، اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ غنی شاہی درباروں سے بے نیاز تھے، شاہِ ہند کے نام کی تصریح کہیں نہیں، شاہ جہان نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب غنی فوت ہوئے ہیں تو حضرت اورنگزیب عالمگیرؒ سریر آرائے سلطنت تھے، اب دیکھئے مولانا شاہی فرمان کے تین دن بعد فوت ہوئے ہیں، تو گویا حضرت عالمگیرؒ ہی کا فرمان گیا ہوگا، اب یہ قریباً ناممکن ہے، کیونکہ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ عالمگیر کے "زہد خشک" نے تو شاعری کا چراغ ہی گل کر دیا[2]۔

(۲) میر حسین دوست سنبھلی تذکرہ حسینی میں فرماتے ہیں،

"مرزا صائب این بیتش راشنیدہ عزیمت کشمیر نمودہ" شعر

موئے میان تو شدہ کر ابین کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن

پرسید کہ کر ابین گر نام رشتہ ایست کہ کوزہ گران کاسہ را دچرخ جدا می سازند، گفت بلے غنی دیوان خود را

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۳۰۳، اڈنبرا کیٹلاگ مرتبہ اشرف علی خان[2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۷۱

که از یک بیت برگزیده بود، و دو هزار بیت بیاض نگاشته و باقی را آب داده بود، پیش مرزا گذاشت میرزا

از مطالعهٔ آن نهایت محظوظ شد، خصوصاً بدین بیت حسرت مآخوذه گفت که کاش که این همه که در تمام عمر گفته ام باین

کشمیری می دادم و این یک بیت را از وی می کرد، بیت

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

یہ روایت بہت کچھ حقیقت پر مبنی ہے، مگر یہ درست نہیں کہ مرزا صائب محض غنی کی ملاقات کیلئے

ایران سے بھی آئے، پہلے آچکا ہے کہ مرزا ۱۰۴۲ھ میں کشمیر گئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے وطن کو واپس

چلے گئے، اور پھر انھوں نے اپنی زندگی تک ایران سے باہر قدم نہیں نکالا[۱]، البتہ اتنا ضرور ہے، کہ چون کسے از ہند وارد ایران می شد، مرزا صائب می فرمود کہ برائے ما تحفہ از ہند آوردہ و آن عبارت است از اشعار غنی

دیوان | کہا جاتا ہے کہ غنی نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار لکھے تھے، مگر ہم تک صرف دو ہزار کے قریب

اشعار پہنچے ہیں اور بقول سرخوش والہ داغستانی (صاحب ریاض الشعراء) نے بھی ان کے دو ہزار اشعار دیکھے تھے، تاہم تذکرہ

نویس اس بات پر متفق ہیں کہ انکا دیوان مرزا محمد علی ماہر نے ترتیب دیا، مگر مطبوعہ دیوان کے دیباچہ میں یہ عبارت ہے "اما بعد

مسلم مجرم بعرض میرساند... چون این ہیچمدان بجناب آن مغفور نسبت شاگردی داشت.... خواستم باتفاق

.... سر حلقۂ شاگردان رسید ملک شہید بتدوین دیوان حق شاگردی بتقدیم رسانم"

معلوم نہیں یہ مسلم کون ہیں، قرائن سے مقدم الذکر بیان زیادہ قابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے، البتہ

یہ ممکن ہے کہ مسلم نے ماہر کے مدون دیوان کو از سر نو ترتیب دیا ہو،

مطبوعہ دیوان میں دو ہزار کے قریب اشعار ہیں، جو فرد، قطعات، رباعیات پر مشتمل ہیں،

دیوان کے قلمی نسخے بھی نایاب نہیں برٹش میوزیم کا نسخہ (علامت OR 300) اٹھارہویں صدی

کے شق اوّل کا لکھا ہوا ہے، خط شکستہ آمیز ہے، اور متن خاصہ صحیح ہے، کیمبرج لائبریری میں چار

[۱] شعر العجم ج ۳ ص ۵، [۲] سراج الدین علیخان آرزو مجمع النفائس،

نسخے موجود ہین، انڈیا آفس، بانکی پور، دیوان ہند اور شاہانِ اودھ کے علمی خزانے بھی اس قیمتی چیز سے خالی نہین،

دیوان مین مکمل غزلیات کی نسبت فرد اور قطعات بہت زیادہ ہین، اور ایک نظر دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اللون جواہر ریزے بلانظم و ترتیب کہین کہین سے چنکر یکجا کر دیئے گئے ہین اور درحقیقت ایسا ہی ہے، مولانا کی زندگی مین تو ان کے اشعار بے ترتیب ہی رہے، ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردون، اور دوستون نے مختلف سفینون سے جمع کرکے دیوان مین منضبط کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض شعر الحاقی آگئے، اور بعض اصلی شعر اور لوگون کے ملک مین چلے گئے، مولانا کو اپنی زندگی مین بھی اس بات کی شکایت تھی، ؎

یاران برند شعر ما را　　　افسوس کہ نام ما نبرند

اور وہ غزل جس پر صائب نے تضمین کی ہے، ؎

در جواب آن غزل صائب کہ می گوید غنی

یاد ایامے کہ دیگر شوق ما سرپوش داشت

مطبوعہ دیوان مین نہین ہے،

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نطشے کی سوانح عمری اور اس کے خیالات، افکار، اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر سید مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے، باقی تین ابواب مین خیر و شر، مسیحیت، اور آئندہ سپر مین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح، قیمت عمر

پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ: سید عنایت احمد صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ

اطالیہ کے مشہور مستشرق نے جو ایک طرف علوم مشرقیہ کا عالم اور دوسری طرف خاندانی امیر و نواب ہے، اس بیسوین صدی عیسوی کے آغاز سے ایطالی زبان مین ایک ضخیم اسلامی تاریخ کی تالیف مین مصروف ہے جسکی متعدد جلدین شائع ہو چکی ہین، اس کتاب کا مختصر تذکرہ معارف کے کسی نمبر مین گذر چکا ہے، اس کی شہرت مشرق و مغرب دونون مین پھیل چکی ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ہر واقعہ کے متعلق بہ ترتیب سنین، مستند مورخین اسلام کے بیانات لفظی ترجمہ کے ساتھ ایطالی زبان مین یکجا کر دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے متعلق حواشی اور تبصرے، ذیل مین لکھے جائین، اس کتاب سے مؤلف کی تاریخ اسلام پر انتہا وسیع النظری ثابت ہوتی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے تذکرے لائق فضلائے یورپ کی زبان سے اب تک سنتے چلے آتے تھے، اور اسکی عمدگی و خوبی کا نقش دل پر بیٹھ چکا تھا کہ خبر معلوم ہوئی کہ اس کا ترجمہ ترکی زبان مین شروع ہو گیا ہے، اس ترکی ترجمہ کا ایک نسخہ دیار عرب تک بھی پہنچا، وہان سے ایک صاحب بصیرت نے اوس کو پڑھکر لکھا، کہ پرنس کائتانی کی تواریخ الاسلام طبل بلند بانگ، اور ہیچ باطن ثابت ہوئی، مغرب چاہے اسکی جتنی قدر کرے، مگر مشرق کی داد کی یہ مستحق نہین، اسی زمانہ مین معارف مین کسی عربی رسالہ کے

واسطہ معارف مین اس پرایک تبصرہ شائع ہوا، اس کو پڑھکر ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب ایم
اے نے لکھا کہ مین اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہون، ہمین پہلے تو تعجب ہوا کہ کیا ہمارے نوجوان
انگریزی خوانون مین کسی کو تاریخ اسلام سے بھی ایسی دلچسپی ہے، اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہوا کہ کیا کوئی ہم مین
ایطالی زبان کا جاننے والا بھی موجود ہے، مگر جیسا کہ شیخ صاحب کے تذکرہ مین پہلے لکھا جا چکا ہے، انھون نے اپنی
تعلیمی تاریخ سنا کر ہماری حیرت کو دور کر دیا،

موصوف نے پرنس کایتانی کی کتاب کا مقدمہ ہمارے پاس بھیجا ہے، اسکو پڑھکر معلوم ہوگا کہ
ہمارے بڑے سے بڑے مستشرق کو اسلام کی تاریخ اور علوم کی طرف توجہ کن جذبات اور دونون کا نتیجہ پہلے ہی
باب مین، ان کے خیالات بے حجاب ہو کر سامنے آجاتے ہین، بہرحال یہ مقدمہ ہم مسلمانون کے
پڑھنے کے لائق ہے، یہ مقدمہ چھ فصلون پر منقسم ہے جو بہ ترتیب آپ کے پیش نظر ہونگی، (معارف)

فصل اوّل

چھٹی صدی مسیحی اور ساتوین کے آغاز مین سلطنت بزنطینی کی مضطرب تاریخ سے کوئی علامت ان
عظیم الشان واقعات کی بطور پیش خیمہ کے ظاہر نہین ہوتی جو ساتوین صدی کے وسط مین ایشیا کو تہ و بالا کرنے
والے تھے کسی کو سان و گمان نہ تھا کہ تاریخ عالم مین ایک جدید طاقتور عنصر ظہور مین آنے والا ہے، جس کے
وجود سے تمام لوگ، خیر وقت تک بیخبر رہے،

عربون کے ناگہانی ظہور اور ان کی سریع ترقی نے چند سالون مین تمام مشرق کی ہیئت و صورت
کو بدل دیا، یونانی اور ایرانی جنکو ایک عرصۂ دراز کے اخلاقی، سیاسی اور فوجی انحطاط نے ذلیل و خراب حال
اور لامتناہی جنگون نے کمزور کر دیا تھا، ان نئے دشمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی تاب مقاومت نہ لا سکے
یہ واقعات اس قدر سرعت کیساتھ ظہور مین آئے کہ پیشتر اس کے کہ اس عہد کے لوگ ان کا علاج

اور مادی یونانی نقصانات کی اہمیت کو جنہیں جو انہیں پہنچے تھے یونانی جبل طارس کے پار دھکیل دیئے گئے تھے، اور سلطنت ایران صفحۂ تاریخ سے مٹ چکی تھی، یونانی اپنے پایۂ تخت بزنطین میں لرزہ بر تن، قوی ہیکل ایرانی دیو کو اہرتا دیکھ رہے تھے، لہذا انہیں نہ صرف اپنی شکست سے بلکہ جس سرعت سے ساسانی سلطنت تباہ کر دی گئی، اپنے حریف کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی فرصت تھی، یونانیوں نے سلطنت ایران کے برخلاف صدیوں تک پانی بہترین خون بہایا تھا مگر انہیں چنداں قابل لحاظ فتوحات حاصل نہ ہوئیں، اس کے برعکس عربوں کی نئی اور وحشی قوم کو دیکھو جنکو اس وقت تک کوئی جانتا نہ تھا، ان بدویوں نے اچانک اپنے دشوار گذار صحراؤں سے نکلکر چند دورے نیزے کی لڑائیوں میں بڑے کشت و خون کے بعد اس سلطنت کو شکست دی، اور دس سال سے کم مدت میں اسکو ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے محو کر دیا، چند سالوں کے بعد یہی وحشی بے شمار تعداد میں خود قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے نمودار ہوئے اور اگر وہ پسپا ہوئے تو ان کی پسپائی یقیناً بزنطینی پایۂ تخت کے محافظین کی شجاعت کی وجہ سے نہ تھی۔

اگر آج ہمارے لیے یہ بات معلوم کرنا ممکن ہو کہ ان دور دراز نسلوں کے دلوں میں کیا کچھ گذرا تو ہم بلا شبہ ان پر اسی قسم کا استعجاب اور خوف و ہراس مسلط دیکھیں گے جو اس شخص پر طاری ہوتا ہے جو اپنے بدن کے جزء اعظم کو آگ کے شعلوں میں فنا ہوتے دیکھتا ہے، اور خوف کھاتا ہے کہ باقی تمام جسم کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، جنگل کی آگ کے مانند جس کے شعلے جہاں کہیں پہنچتے ہیں نئی خوراک حاصل کرتے ہیں اس آگ نے جو عرب میں مشتعل ہوئی، چند سالوں کی قلیل مدت میں تمام دنیا کو بحر اٹلانٹک کے سواحل سے ہند کے تپتے ہوئے میدانوں تک زیر کر ڈالا اور تمام دنیا پر چھا جانے اور اس کو بھسم کر دینے کی دھمکی دی،،

حیرت و استعجاب کے وہ جذبات جو ان ناگہانی واقعات سے جنکی نظیر دنیا کی تاریخ میں تقریبًا ناپید ہے، اتنی صدیوں بعد ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں یقین ہے کہ خلفاء اولین کے ہمعصروں

نے ان کو بہت زیادہ محسوس کیا ہوگا، کیا شاید انھین س بات کا علم تھا کہ دشمن قبائل کی نقل وحرکت کو
کوئی چیز نہین روک سکتی؛ بوجہ اپنی انتہائی کمزوری کے عیسائی اقوام اس ہیبت ناک آتش زدگی کے
بالمقابل بے حس وحرکت اور بے دست وپا کھڑی رہین، ان سے کچھ نہ بن آیا، بلکہ انھین کچھ کرنے کی جرأت
تک نہ ہوئی، کسی مین اس آگ کے روکنے کی طاقت نہ تھی، جب یہ فرد ہوئی تو اس کا فرد ہونا بیرونی
مزاحمت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس کا اندرونی زور ختم ہو چکا تھا، صرف اس وقت عیسائی
اقوام کو اپنی مصیبت کی بے پایانی کو سمجھنے اور بازیافت کے لیے سعی کرنے کی فرصت اور مہلت ملی
یونانیون کی سُستی اور بزنطینی قیاصرہ کی کمزوری کی وجہ سے عیسائیت کئی آباد صوبے اور لاکھون پیرو کھو چکی
تھی، جنکی تعداد شاید کل پیروان دین مسیح کی ایک تہائی سے زیادہ تھی، خود دین مسیح کا گہوارہ بیدینون
کے قبضہ مین تھا، یہ مصیبت کبریٰ ہلاکت آفرین تھی جس کا مداوا کسی سے نہ ہو سکتا تھا، اگرچہ کھوئے ہوئے
املاک اور نفوس کی بازیافت کے لیے جدّ وجہد اس دن سے لیکر آج تک بند نہین ہوئی اور اب بھی
مشرق مین جاری ہے مگر جو فتوحات حاصل ہوئی ہین وہ اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے حقیر نظر آتی ہین
کہ اسّی برس سے کم عرصہ مین عیسائیت نے کیا کچھ ہاتھ سے دیا، اور تیرہ صدیون کی جدّ وجہد اور کشمکش کے
بعد کیا کچھ واپس لیا ہے، اس ناکامی پر دل وجگر کے جتنے بھی پھپھولے پھوڑے جائین، تھوڑے ہین، مگر
ہماری تلخ نوائی اور بھی زیادہ اندوہناک بنجاتی ہے اگر ہم ان فتوحات کو بھی حساب مین لین جو اسلام نے
سولھوین اور سترھوین صدی مین حاصل کین اور جنکو عیسائیت نے ابھی جزءًا واپس لیا ہے،

یہ جنگجو بہادر کون تھے؟ کس چیز نے ان کو اپنے بھیانک صحراؤن سے دنیا کی فتح کے لیے باہر نکلنے
کی تحریک کی؟ وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کے کس طرح قابل ہوئے، انھون نے چند سالون
کی مختصر مدت مین جو فتوحات حاصل کین وہ اتنی عظیم الشان اور مکمل کیون ثابت ہوئین، کہ باوجود تیرہ
صدیون کی جدوجہد اور ان کے قوی ذرائع ووسائل کے جو ہمارے اعلیٰ تمدن کے قبضۂ تصرف مین ہین،

ہم مذہب و تمدن اور دین کے اس بڑے دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب نہیں ہوئے؟ شاید ہم میں کوئی نقص ہے حالانکہ اس کے برعکس ہمارے حریفوں کو کوئی ناقابل انکار فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس کی بدولت وہ زبردست پہلے آرہے ہیں۔ اور ہم باوجود اپنی ترقیات کے ان کے اثر و نفوذ کو زائل نہیں کرسکے، یہ تو ین صدی میں ہی اور اس کے مابعد عیسائی اسلام کی فتح و ظفر کی تشریح سے ہرگز آگاہ نہ تھے، تشریح کے یہ معنی تھے کہ انسان کو اپنے نقائص کا علم ہو، اور یہ وہ بات ہے جو کبھی کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئی، خلفاء کے ہمعصر عیسائیوں نے اپنے آپ سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے، انھیں اس بات کا مبہم سا علم تھا کہ فاتحین ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں، اور یہ کہ وہ دین مسیح کو باطل قرار دیتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس نئے مذہب کی بنیاد ایک پیغمبر نے رکھی تھی جو یونانی اور لاطینی پادریوں والی عیسائیت کو منسوخ کرنے کا مدعی تھا، انھوں نے اس شخص کا نام سنا تھا مگر اس کے نام کا تلفظ ان کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ وہ اسے صحت اور درستی کے ساتھ نہیں پکار سکتے تھے، چونکہ نئے مذہب نے اپنے آپ کو تلوار کے زور سے بہت کشت و خون کے بعد پھیلایا تھا اور یونانی اور لاطینی پادریوں والی عیسائیت کو بڑی سختی کے ساتھ رد کیا تھا، اسلیے ان امور کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام اپنے آپ کو عوام کے ذہنوں میں ایک نہایت خونخوار صورت میں پیش کرے، اور ایک شیطانی دھوکا نظر آئے،

مدافعت کی ضرورت سے مجبور ہوکر عیسائی پادریوں نے جو اس وقت اپنی جاہل قوم پر مسلط تھے، اپنے خوفناک دشمن کو ہر ممکن ذریعہ سے بدنام کرنے کی کوشش کی، ان کی مدت سے خواہش تھی، کہ تمام دنیا کو عیسائی بنایا جائے، مگر اسلام کی عظیم الشان کامیابیاں نہ صرف ان کے لیے سد راہ ثابت ہوئیں، بلکہ خود عیسائیت کے وجود کے لیے ایک دائمی خطرہ بن گئیں، یہ خطرہ اس لحاظ سے اور بھی بڑا تھا، کہ عیسائیت ابھی تک دینی مسائل اور سیاسی تفرقوں کے باعث بے نتیجہ داخلی جھگڑوں میں مبتلا تھی، درحالیکہ عیسائی لوگ فرقہ بازی اور الحاد کی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے دشمن کا یک جہتی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتے تھے مسلمان

متعصب اور زبردست تھے، اور عیسائیت کے تمام نظام کو یک قلم معدوم قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ پادریوں والی عیسائیت وہ مذہب نہیں ہے جس کی حضرت مسیح نے تعلیم دی تھی بلکہ وہ پادریوں اور دیگر شریر لوگوں کی ساختہ پرداختہ چیز ہے، اس طرح اسلام وسط ایشیا، ایشیائی کوچک، افریقہ اور ہسپانیہ میں ہر روز نئے پیرو حاصل کر رہا تھا، ہر روز مسلمان تعداد میں بڑھتے تھے اور عیسائی گھٹتے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ ایک نئے مذہب نے ظہور کرکے عیسائی مذہب کو از سرتاپا رد کیا اور تمام دنیا کی اقوام کے مذہبی عقیدہ کی بنیادی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، کسی مذہب نے حتی کہ عیسائیت نے بھی اتنی سریع، مکمل اور پائدار فتوحات حاصل نہیں کی تھیں، لہذا عیسائی لوگ دین جدید کے بانی کو (نعوذ باللہ) ایک بیرحم فریبی اور شیطان مجسم[1] خیال کرنے لگے جس کا مقصد دنیا کے اکیلے سچے مذہب یعنی عیسائیت کو تباہ کرنا تھا، حضرت محمد (صلعم) ان کے دین اور ان کے جانشینوں سے بڑی نفرت کیجانے لگی، اس نفرت کے ساتھ خوف بھی شامل تھا اور جوں جوں عیسائی لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں زیادہ نقصانات برداشت کرتے گئے اور ان کا خطرہ بڑھتا گیا یہ نفرت بھی زیادہ ہوتی گئی، بجائے اس کے کہ یہ نفرت امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہوتی مختلف حالات نے اس کو بیدار اور قائم رکھنے میں حصہ لیا، کیونکہ جب مسلمانوں کا اندرونی زور ختم ہوگیا، اور وہ اس قابل نہ رہے کہ عیسائی اقوام کا نقصان کرکے اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کریں تو اس وقت بھی ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ کی دنیوی لڑائیوں اور بحر ابیض کے ساحلوں پر افریقی قراصین[2] (Corsairs) کی غارت گری نے اس نفرت کو زندہ رکھا اور دین

[1] نقل کفر کفر نباشد، ناظرین آئندہ ترجمہ پڑھتے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھیں۔ (مترجم)

[2] عہد متاخرین کی لاطینی زبان میں (Cursarius) بحری قزاق یا بحری قزاقوں کے جہاز کو کہتے ہیں، انگریزی لفظ (Corsair) فرانسیسی (Corsaire) اور ہسپانوی (Corsario) اسی سے مشتق ہیں عربوں نے اسکو ہسپانوی سے اخذ کرکے قرصان (جمع قراصین) بنالیا، شمالی افریقہ کے مسلمان بربری قراصین کے پہلو بہ پہلو یورپ کے عیسائی قراصین بھی تھے، اسٹینلی لین پول صاحب نے اپنی ایک مستقل تصنیف بربری قراصین کی تاریخ کے لیے وقف کی ہے۔ (مترجم)

... مین اور مرتدین کی وجہ سے عیسائی لوگ قدرتی طور پر خائف اور ہراسان رہے،
یہ نفرت جو اختلاف مذہب ونسل پر مبنی تھی صلیبی جنگون کے زمانہ مین اور بھی زیادہ ہو گئی،
ان لڑائیون کے دوران مین عیسائیون نے باوجود ہزارہا جانین صرف کرنے کے محض چند روزہ فتوحات
حاصل کین، اپنی نفرت کے ساتھ ان شکستون کی خفت اور غم وغصہ بھی شامل ہو گیا جو انھون نے ایسے
دشمن سے اٹھائی تھین جو اپنی فتح کو اس بات پر بطور حجت اور وجہ ثبوت کے پیش کرتا تھا کہ حق اسکی جانب پر ہے،
مسیح کی مقدس قبر کو چند سالون کی مختصر مدت کے لیے چھڑانے کے لیے لاکھون قیمتی جانون کی بے فائدہ قربانی کی
گئی، مگر یروشلم کی ریاست کے زوال کے بعد یہ مقام ہمیشہ کے لیے عیسائیت کے دشمنون کے ہاتھون مین واپس
چلا گیا، اور آج بھی ہلال صلیب پر، جو عیسائیون کے مقدس ترین معبد مین بحقارت وتنفر نما کو روشنی کرتا ہے،
اس سلطان کی زبردست حکومت کا نمائندہ و مظہر ہے جس کا بزعم خود حضرت محمدؐ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت
سے دین مسیح کو نیست ونابود کرنا فرض منصبی ہے،

ہم سے قریب تر زمانہ مین عیسائیت نے بہادرانہ کشمکش اور جنگ وجدال کے بعد ہسپانیہ کے
مورون (۱۴۹۲ء) پر فتح پائی مگر قسطنطنیہ کے ہاتھ سے جاتے رہنے اور مسلمانون کے ہنگری مین اور
وائنا کی دیوارون کے سامنے نمودار ہونے سے ان کے لیے یہ فتح بڑی گران قیمت ثابت ہوئی، خود اطالیہ
کا ملک جو کہ یورپ کی عظیم الشان نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ تھا، معرض خطر مین تھا، اور محض ایک سلطان کی اتفاقی
موت کی وجہ سے ایک تباہی خیز حملہ سے بچ گیا، اسی دوران مین وینس اور جینوا کے ہاتھ سے مشرق کی تمام
نوآبادیان یکے بعد دیگرے نکل گئین، ترکون کی عظیم الشان فتوحات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فتحمند
اسلام کے خوفناک قالب مین ازسرنو جان پڑ گئی ہے اور یہ کہ وہ خلفائے اولین کی شان وشوکت کی
ہمسری کرنا چاہتے ہین، اور یورپ اور باقی تمام دنیا کو مغلوب کرکے عیسائیت کو ہمیشہ کے لیے ذلیل
کرنا چاہتے ہین، جس طرح کہ آٹھوین صدی مسیحی مین پرینیز کے پہاڑون پر عربون کے حملہ کا رکنا محض

از نجہ (Mohammed) اور چارلس مارٹل کی وجہ سے نہ تھا، اسی طرح اگر ترکون نے سترہوین صدی مین یورپ کو مفتوح نہ کیا تو اس کا سہرا محض اہل ہنگری اور مقابلہ کے سر نہین ہے، وہ زبردست موجین جو عیسائی تمدن کی انتہائی حدود کے ساتھ ٹکرا رہی تھین، جسد اسلام کے منتشی ہونے سے پہلے کی آخری دھڑکنین تھین،

لیکن اگر ترکون کے اندرونی انحطاط نے یورپ مین ان کی پیشقدمی کو روک دیا، اور عیسائی اس قابل ہوئے کہ اپنی جد وجہد اور بازیافت کے کام کو از سرنو شروع کرین، جو آج بھی جاری ہے، تاہم فتح وظفر کا دن ہنوز دور ہے، مسئلہ شرقیہ کی تمام گذشتہ تاریخ، پچھلی لڑائی مین[1] (۱۸۹۷ء) یونانیون کی بد انجامی او شکست اور بلقان کی مسلسل مشکلات کے زمانہ تک ثابت کر رہی ہے، کہ اس شخص مین ابھی کتنا دم خم باقی ہے جسکو بے انصافی سے "مرد بیمار" کہا جاتا ہے، انیسوین صدی کے اختتام پر یونانیون کی شکست کے یہ معنی ہین کہ عیسائی تہذیب، اسلامی تمدن کے سامنے ایک دفعہ پھر پسپا ہوئی ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان اقوام اب بھی سمجھدار سرداروں کی ماتحتی مین مشرق کے انحطاط پذیر عیسائیون کے مقابلہ مین فوجی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہین،

یورپ اور دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات پر کئی پہلوؤن سے بحث ہوسکتی ہے، مگر تیرہ صدیون کی تاریخ کے مندرجۂ بالا مختصر اور سطحی بیان مین اس مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو لیا گیا ہے، چونکہ مین اس مقام پر اپنے مبحث سے دور نہین جانا چاہتا، اس لیے مین نے عمدًا دوسرے اہم پہلوؤن پر زور نہین

[1] یاد رہے کہ کتاب ہذا کا سن تالیف ۱۹۰۳ء اور سن اشاعت ۱۹۰۵ء ہے، مصنف نے اپنے عہد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آج بھی حرف بحرف صحیح ہے، اور امتداد زمانہ سے اس کی صحت مین ذرہ بھر فرق نہین آیا کیونکہ چار سال ہوئے ترکون نے مصطفی کمال کی زیر قیادت ایشیائے کوچک مین سمرنا کے محاذ پر یونانیون کو جو شکست فاش دی اس سے مصنف کے متذکرۂ بالا واقعات تاریخی کا اعادہ ہوگیا ہے، اور مصنف کے اخذ کردہ نتیجہ کی تصدیق مزید، (مترجم)

دیا ہے، جن کے رو سے یہ ثابت کرنا آسان ہے کہ اسلامی تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کیا کچھ دلچسپی رکھتا ہے؟
مگر یہ وسیع مضمون تاریخی لحاظ ہی سے دلچسپ نہین ہے بلکہ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے کئی مسائل
مبہم اور مجمل پڑے ہین، جو آج تک یورپ کے ماہرینِ سیاست کو بہت بےچین رکھتے ہین، اسلام آج بھی
عیسائیت کے بعد دنیا کا سب زبردست مذہب ہے، اور بوجہ اپنے معتقدین کے یقین کامل کے جو انھین اپنے
مذہب کی حقانیت پر ہے مسیحی عقائد کی اشاعت کے لیے بڑا بھاری سنگِ راہ ہے اور آیندہ کئی صدیون
تک رہیگا، آج بھی عیسائی یورپ باوجود ان بیشمار وسائل اور ساز و سامان کے جنکو وہ استعمال مین لا سکتا
ہے، اپنے تمدن کی آزادانہ توسیع کے راستہ مین اسلام کو مانند ایک ناقابلِ گذار دیوار کے حائل پاتا ہے۔

اسلامی شمسی قمری سال

تقویم المنہاج القویم

از

مولانا ابوالجلال صاحب ندوی

سنہ و سال کے حساب کے بغیر دنیا میں کسی متمدن قوم کا کام نہیں چل سکتا، انسان کا فطری سال شمسی ہے، اور فطری مہینہ قمری ہے، قمری مہینوں کے فطری ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مہینہ کے لئے شاید دنیا کی ہر زبان کا لفظ چاند کے نام سے مشتق ہے، عربی میں مہینہ کو شہر کہتے ہیں کلدانی میں شہرا چاند کا نام تھا، فارسی کا ماہ ہندی کے ماس اور چاند دونوں کا مرادف ہے انگریزی کا منتھ صاف صاف مون کا فرزند ہے؛ اس سے بھی واضح دلیل یہ ہے کہ مہینوں کے ایام ساری دنیا میں ہفتوں پر منقسم ہیں، وجہ یہ ہے کہ چاند کی حالتوں میں ہفتہ وار نمایاں امتیاز پیدا ہوتا رہتا ہے

فطری سال کے شمسی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "سال" کے ناموں کو ہر زبان میں نہیں تو کم از کم عرب اور ہندوستان کی بولی میں بارش سے خاص تعلق ہے، ہندی کا برش اسکی برشا کال سے خاص مناسبت رکھتا ہے، عربی کا عام (برس) اگرچہ بارش کے معنی نہیں دیتا مگر عوم (تیرنا) کو پانی سے خاص تعلق ہے، یہود کا پہلا مہینہ نیساں ہے، اس کا قدیم نام ابیب تھا، (ا ب ی ب) کو سامی زبانوں میں پانی سے خاص ربط ہے، چنانچہ اُباب پانی ہی کو کہتے ہیں، ابرنیسان ہماری فارسی زبان میں بہت مشہور ہے، سال کے بارہ مہینے فرض کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ دو برساتوں کے درمیان عموماً ۱۲ ہی مہینے گذرا کرتے ہیں،

بہر حال ہمارا طبعی سال شمسی اور طبعی مہینہ قمری ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام قدیم قومیں قمری مہینے اور شمسی سال استعمال کرتی تھیں، لیکن پورے ۱۲ قمری مہینوں کے ایام کی مجموعی تعداد شمسی سال کے ایام سے تقریباً گیارہ دن کم ہوتی ہے، اس لئے قمری مہینوں کو شمسی برسون میں تحویل کرنے کے لئے کبیسہ کا اصول عام طور پر رائج تھا،

یہ طریقہ یہود کی بدولت عرب میں بھی معروف تھا، لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اپنی ساری عبادتیں اور یادگار روایات صرف قمری مہینوں کے اعتبار سے رکھیں، رمضان کے روزے، عیدین کی نمازیں، اور کعبہ کا حج، ہر سال نہ عبادتیں ہیں، ان کے لئے اسلام نے کبیسہ کا اصول مرعی نہ رکھا، عرب کے بعض قبائل اپنی مرضی و منفعت کے لئے نسی کرتے تھے، یعنی ہر سال ایک قلمس (علم کا دریائے ذخار) کھڑا ہوکر اعلان کرتا تھا کہ اس سال فلان ماہ فلان ماہ میں تبدیل کردیا گیا، اسلام نے اس کی سختی سے مخالفت کی، بعض لوگوں نے نسی اور کبیسہ کو ایک چیز سمجھ رکھا ہے، اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے کبیسہ کو حرام کردیا،

ان کا یہ خیال غلط ہے، نسی اور کبیسہ ایک چیز نہیں، اور نہ کبیسہ کی خدا نے ممانعت کی ہے، بلکہ کبیسہ کا حساب تو خود قرآن پاک نے بھی استعمال کیا ہے، بلکہ اس نے صاف کہدیا ہے کہ چاند اور سورج دونوں کو اور ان کی منازل کو خدا نے اسی لئے بنایا ہے، تاکہ تم برسون کا حساب و شمار جانو۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ اسلام نے اپنی سالانہ عبادتوں کا مدار قمری مہینوں کو شمسی برسون میں تحویل کرنے پر نہیں رکھا، اس لئے مسلمانوں کا مذہبی سال یقیناً قمری ہے، اور اپنے مذہبی سال کو شمسی بنانے کی نہ تو ہم کو ضرورت ہے، اور نہ اجازت، اگر تمدنی حیثیت سے مالی کاروبار کیلئے ہمکو شمسی یا شمسی قمری سال استعمال کرنے کی اسلام نے کوئی ممانعت نہیں کی ہے،

ابتدا مین مسلمانون کو مالی سال الگ کرنے کی ضرورت بہت کم محسوس ہوئی، لیکن جس جس طرح تمدن بڑھتا گیا، حکومت پھیلتی گئی تو چونکہ مسلمان سلاطین نے اپنی ماتحت رعایا کے تمدنی رسم ورواج اور طرز حکومت مین بہت کم دخل دیا، اس لئے رعایا سے خراج وصول کرنے کے لئے انھین اسی شمسی حساب کی پابندی کرنی پڑی جو ایران و عراق مین پہلے سے رائج تھا، لیکن تنخواہون کی تقسیم کے لئے وہی عربی حساب قمری سالون کا قائم رہا،

۳۶۳ھ مین خلیفہ طائع للہ عباسی کے زمانہ مین قمری اور شمسی برسون کی میزان برابر رکھنے کے لئے قاعدہ مدخل آذار ایجاد ہوا، مسلمان کسی طرح اپنا سال ہجری چھوڑ نہین سکتے تھے، اور شمسی سنہ دوسرون کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا، اس لئے صورت یہ اختیار کی گئی کہ مسلمانون نے بھی رومیون کی طرح اپنا مالی سال آذار (مارچ) کے مہینہ سے شروع کیا، اور اپنے مالی سال کو بھی ہجرت ہی کی طرف منسوب کرتے تھے، مارچ کے مہینہ کی پہلی تاریخ جس سنہ ہجری مین پڑتی تھی، اسی سنہ کے نام سے یہ مالی سال بھی نامزد کرتے تھے، لیکن ہر ۳۳ برس قمری مین ایک برس مارچ کی پہلی تاریخ سے خالی ہوتا ہے، اس لئے ایک برس کا نام کا غذات سے محذوف ہوجاتا تھا، یہی قاعدہ مدخل آذار ترکون نے بھی قبول کیا، مگر اس مین بہت کچھ مالی دشواریان پیش آتی رہتی ہین،

قاعدہ مدخل آذار کے اس نقص کا نتیجہ ملک شاہ سلجوقی کے عہد ۴۶۷ھ مین یہ نکلا کہ ایک دن خزانہ مین خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا،

اس لئے فقہا سے فتوی لیکر ملک شاہ نے عمر خیام کو فارسی حساب کو از سر نو درست کرنیکا کام دیا، اس نے سات نامور حکما کی ایک مجلس ترتیب دی اور بحث و مباحثہ کے بعد کامل تین سال محنت کر کے سنہ ملکشاہی جلالی ایجاد کیا، اور زیج ملکشاہی مین اس کے اصول بیان کردیئے، ملکشاہی تقویم کا اصول وہی ہے جس پر نظام دکن کے سنہ الہی اکبر شاہی کی بنیاد قائم ہے،

پارسیون کا یزدجردی سال بھی دراصل خیالی اصول پر قائم ہے،

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی قوم کی مقدس تاریخ سے وابستہ نہین ہے اس کو قبول عام اور دوام و قیام حاصل نہ ہوسکا، اس لیے اسلامی ممالک مین ایک زمانہ سے مسلمانون کا ایک الگ شمسی سنہ تصنیف کرنے کا خیال ہو رہا تھا، ترکون نے اس پر بہت کچھ غور و فکر کیا، بھوپال مین بھی ایک سنہ محمدی ایجاد ہوا تھا، مگر چلا نہین،

حال ہی مین حسن دفتی بک ... ل القاضی ایک دمشقی عالم نے ایک شمسی ہجری تقویم بنا کر دنیائے اسلام پر ایک بڑا احسان کیا ہے، انھون نے اپنی محنت کے نتیجہ کو ایک کتاب تقویم المنہاج القویم کی صورت مین ہدیہ عام کیا ہے، قیمت ؟ پتہ مکتبہ سلفیہ قاہرہ،

قرآن مجید نے ایک موقع پر مسجد قبا کے روز تعمیر کو (اول یوم) کہا ہے، اسی آیت سے تفاؤل کی بنا پر صحابہ کرام نے اپنے سنین کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی، حسن دفتی بک نے حساب لگایا تو مسجد قبا کے سنگ بنیاد کا دن ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء روز سہ شنبہ تھا، اور یہ آفتاب کے برج میزان مین داخل ہونے کی تاریخ تھی، اس لیے انھون نے اپنے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا اسی تاریخ سے کی اور بجائے رومی مہینے استعمال کرنے کے عربی زبان کے اسمائے فصول کو دوبارہ زندہ کر کے حسب ذیل نامون سے انھون نے اس شمسی ہجری سنہ کو نامزد کیا،

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
خرفی (خریف کا مہینہ)	۳۰	خریف کا پہلا مہینہ ۱۹۳۱ء مین یکم خرفی مطابق ۲۳ ستمبر
وسمی (گھاس اگھنے والا)	۳۰	״ ״ دوسرا ״ ״ یکم وسمی ״ ۲۳ اکتوبر
برک (مسرما)	۳۰	״ ״ تیسرا ״ ״ یکم برک ״ ۲۳ نومبر
شیبان (برف)	۳۰	״ ״ چوتھا ״ ״ یکم شیبان ״ ۲۳ دسمبر

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
طان (سپید و شفاف)	۳۰	سردی کا دوسرا مہینہ سنہ ۱۲ میں یکم طان مطابق ۲۲ جنوری
زنہ (سختی سرما)	۳۰	" " تیسرا " " یکم زنہ " ۲۱ فروری
ربعی (ربیع والا)	۳۰ سال کبیسہ میں ۳۱	ربیع کا پہلا مہینہ " " یکم ربعی " ۲۳ مارچ
دفنی (بارش گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم دفنی ۲۳ اپریل
ناتق (رمضان کا قدیم نام)	۳۱	" " تیسرا " " یکم ناتق ۲۳ مئی
ناجر (پیاسا)	۳۱	گرما کا پہلا مہینہ " " یکم ناجر " ۲۲ جون
آجر (گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم آجر " ۲۳ جولائی
بجناخ (بجھانے والا)	۳۰	" " تیسرا " " یکم بجناخ ۲۳ اگست

اب تک عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شمسی سال کے ایام کی مقدار ۳۶۵ دن چھ گھنٹے ہیں، لیکن حقیقۃً اس کی مقدار اس سے کم یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے اور کچھ دقیقہ اور ثانیے ہیں حسابی صورت بیان میں یون کہین گے کہ ایک سال شمسی ۲۴۲۲۱۶ : ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے، اس بناء پر حسن توفیق بک نے ہر تین سال کو ۳۶۵ دن کا اور ہر سال کو جو ۴ پر پورا پورا تقسیم ہوجائے، ۳۶۶ دن کا قرار دیا ہے، لیکن ہر ۱۲۸ وان سال یعنی سنہ ۱۲۸ شمسی ہجری اور سنہ ۲۵۶ شمسی ہجری وغیرہ جو ۱۲۸ پر پورا پورا تقسیم صرف ۳۶۵ دن کا ہمارا متداول قمری ہجری سال ۳۵۴٫۳۶۷۰۶۸ دن کا ہوتا ہے، اس کی ابتدا یکم محرم سنہ ۱ھ سے ہوتی ہے، نیا شمسی ہجری سنہ اس سے ۶۷ دن بعد سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر ہمارے قمری ہجری اور شمسی ہجری سنون کے نامون مین فرق ہونا ضروریات سے ہے، اجناب حسن توفیق بک نے ان دونون سنین کے توازن کا قاعدہ یہ بتایا ہے، مثلاً،

(۱) ش = ق - ق/۳۳ یعنی شمسی ہجری سنہ اس طرح بنے گا کہ قمری ہجری سنہ کے نام

(۸) تحویل تاریخ،
(۹) تاریخ سے دن معلوم کرنا،
(۱۰) تصحیح تاریخ،
(۱۱) مالی سال،
(۱۲) فرنگی تقویم (کیلنڈر)،
(۱۳) شمسی قمری سنین کا فرق،
(۱۴) قمری ہجری اور شمسی میلادی کا تفاوت،
(۱۵) شمسی ہجری اور قمری ہجری کا فرق،
(۱۶) قمری ہجری سے سنہ مسیحی نکالنا،
(۱۷) شمسی ہجری کا طرز کبیسہ،
(۱۸) کبیسہ، مجلہ، اور عادیہ کی تمیز کا قاعدہ
(۱۹) قمری ہجری اور کبیسہ،
(۲۰) شمسی ہجری سنین کے پہلے دن کے نام، معلوم کرنے کے قواعد،
(۲۱) شمسی ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن معلوم کرنا،
(۲۲) شمسی ہجری کے مہینے،
(۲۳) مہینوں کے ایام کی تعداد،
(۲۴) قمری ہجری سالوں کے پہلے دن،
(۲۵) قمری ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن،
(۲۶) تاریخ میلادی کی تصحیحات،
(۲۷) سنہ میلادی کے ایام شہور،
(۲۸) تاریخ میلادی کی تصحیح کی کیفیت،
(۲۹) فرنگی مہینوں کے نام،
(۳۰) شمسی ہجری، قمری ہجری، اور سنہ مسیحی کے ایام کی مطابقت معلوم کرنے کے قواعد و فوائد، اور جداول کے ذریعہ اصول مذکورہ کی توضیح،

عربوں کی تہذیب

از

ایچ، جی، ویلز

مترجمہ جناب ریاض الحسن صاحب، بمبئی

سوفت دنیا میں کم کوئی ایسا انگریزی دان ہوگا جو مسٹر ایچ جی، ویلز کے نام سے ناواقف ہو، اس نے فن افسانہ نگاری میں جو قبول عام و شہرت پیدا کی ہے وہ محتاج بیان نہیں، اس کا قلم سائنس کے اہم سے اہم مسئلوں کو اس طرح افسانہ کی صورت میں پیش کرتا ہے کہ ان کو ہر شخص آسانی سے سمجھ جاتا ہے، جنگ عظیم کے زمانہ میں اس نے چند کتابیں تصنیف کیں جن میں عیسائی مذہب کے تمام بنیادی اصول کو پاش پاش کر دیا، ستمبر میں اس نے رسالہ پیرسن (لندن) میں ایک مضمون میں عیسائیت پر سخت حملہ کیا، عیسائیت کو انسانی فطرت کے بالکل منافی ٹھہرایا، یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ اس مضمون سے کتنا شور و غوغا برپا ہوا، عیسائیت کی اس نفرت نے کسی حد تک مسٹر ویلز کو بعض اسلامی اصولوں کا گرویدہ بنا دیا ہے، حسب ذیل مضمون اسی جذبہ کا نتیجہ ہے، اس میں انھوں نے عربوں کی ذہنی اور دماغی ترقی پر سپرد قلم کیا ہے، اس میں مختصراً فنون کے تمام شعبوں پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے، چونکہ مضمون دلچسپ ہے اس لیے ترجمہ درج ذیل ہے،

یہ دیکھا گیا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے لوگ جن کی ذہنی سطح عوام کیا بلکہ خواص سے بھی بہت بلند تھی، عیسائیت سے سخت بیزار رہے، بعض تو ان میں ایسے تھے جو اس کا اظہار علانیہ کرتے، اور بعض کسی ذاتی وجہ سے رک کر زبان اور قلم پر قفل لگا لیتے، ان میں سے بعض جنھوں نے صرف عیسائیت ہی، علاحدگی نہیں کی بلکہ عیسائیت سے بیزار ہوئے تو سیدھے دہریت کی طرف گئے، کیونکہ اسلام ان تک پہنچا ہی نہیں، اس گروہ میں والٹیر، روسو، نٹشے، ہربرٹ اسپنسر، ہکسلے، ڈارون، ہیوم، ایمرسن، ویلز کے نام قابل ذکر ہیں، ان میں سے بعض اگر دہریے نہیں تھے تو وہ عیسائی بھی نہیں تھے، بلکہ خدا کے متعلق ان کا عقیدہ، اسلامی عقیدہ کے قریب قریب تھا،

(مترجم)

ترکوں کی تاریخ جنگ صلیبی معرکہ آرائیوں کے قصے، اور اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑی بڑی لڑائیوں کے واقعات کا ذکر کرتے جن کی وجہ سے آج تک انسانیت کے اس دو بڑے گروہ میں نااتفاقی اور عدم رواداری کی خلیج حائل ہے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے دماغی نشو و نما، اور ان کے ارتقائی منازل کے متعلق کچھ سپرد قلم کیا جائے، یہ لوگ ساتویں صدی میں اس خطہ زمین پر پھیلنا شروع ہو گئے تھے جس پر کبھی یونانیوں کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا تھا، رسول اللہ صلعم سے چند پشت قبل ان کا دماغ نشو و نما کی ابتدائی منزل طے کر چکا تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا کافی چرچا تھا، مذہبی مباحثے منعقد ہوتے تھے جن میں اکثر

اور قبائلی روایات کو تازہ رکھنے کی روح حلول کیے ہوئے تھی، ان واقعات کا مقابلہ یونانیون کے صرف اس زمانہ سے ہو سکتا ہی جب انکی تہذیب کا آفتاب عین نصف النہار پر پورے آب و تاب کیساتھ جلوہ گر تھا، اس لیے کہ یونانیون نے سائنس کے علم کو ایجاد کیا، لیکن اگر یونان سائنس کا موجد ہے تو عرب بھی کسی طرح اس سے کم نہیں، آج دنیا مین علم و عمل کا جو پرتو ہمارے سامنے موجود ہے یہ سب عربون کا طفیل ہی جنکے ذریعہ سے یہ چیزین ہم تک پہنچین بعض لوگون کا یہ خیال کہ اس تجدّد علم مین روما کا بھی کچھ حصہ ہے، واقعات کی دنیا سے قطعاً دور ہے،

جب ہم عرب کا ذکر کرتے ہین تو اس سے ایک خاص چیز مراد ہوتی ہے، اسلام مین عربی تہذیب کو قدیم عربی تہذیب سے وہی تعلق ہے جو سکندر اعظم کے بعد سے یونانی تہذیب کو قدیم یونانی تہذیب سے ہے، عرب ابتدائی فاتحانہ حملون کے بعد یونانی ادب کے پہلو بہ پہلو آکر کھڑے ہو گئے، لیکن انھون نے اس سے جو کچھ استفادہ حاصل کیا وہ قدیم یونانی زبان کے ذریعہ سے نہ تھا، بلکہ عبرانی مین جو تراجم تھے انھون نے اسکو سامنے رکھا، نسطوری اور دوسرے عیسائی جو بازنطینی سلطنت کے مشرقی حصص مین آباد تھے عربون کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بہ نسبت بازنطینی درباری عیسائی پادریون کے کہین زیادہ تیز دماغ اور زود فہم ہو گئے تھے، اس گروہ کا اثر نہ صرف ساسانیون کے زمانہ تک محدود رہا بلکہ اسلام مین اثر آنے کے قوت حاصل کرنے سے قبل ان کا کافی اثر تھا، ایرانی انھین اپنا عقل کل مانتے تھے اس لیے کہ یونانی علم طب کو ان لوگون نے ایک حد تک محفوظ کر رکھا تھا، اور اس مین چند قابل قدر اضافے بھی کئے تھے، اموی خلفا کے دور مین صبار کے مشہور اطبا نسطوری تھے جنھون نے بغیر کسی دباؤ کے بخوشی اسلام قبول کیا تھا، ریاضی اور فلسفہ مین ارسطو کے بہت سے اقوال ان لوگون نے قدیم یونانی زبان مین اس حد تک جمع کئے تھے کہ اگر ان کا مقابلہ سینٹ جند یکٹ یا کیمبرج سے کیا جائے تو مؤخر الذکر کا درجہ بالکل ہیچ معلوم ہوتا ہے، ان نسطوری دماغون مین عربون نے اپنی تیز دماغی اور علم پروری کی جو قلم لگائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون کے چمن مین بہار آگئی، اور شجر علم جو مدتون سے سوکھا پڑا تھا، از سر نو بارآور ہو گیا، گویا علم کا ذوق اور اس کی تلاش و جستجو کا ایک دریا امنڈ آیا اور اپنے ساتھ بڑی سے بڑی چٹانون کو جو راہ مین حائل تھین خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا،

ایران نے جو اب تک مذہبی تحریکون کا جولانگاہ بنا تھا دوسری طرف ایک اور ہی گل کھلایا یعنی اس مذہب کے ساتھ جب اس کی ایک نہ پیش گئی تو اس نے بحث عربی وضع قطع اختیار کرکے اندر اندر ایک نیا مسلک شروع کیا جس سے اسلام مین ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑی جو تشیع کے نام سے مشہور ہے، یہ واضح رہے کہ یہ بیشتر خاص ایرانی اثر ہے، کتاب کو اس سے کچھ تعلق نہین، ایرانیون نے یونانی زبان بھی سیکھی اور یونان کو اس سے کافی فائدہ ہوا لیکن ایرانیون کے علاوہ ایک گروہ اور بھی تھا جو میدان علم مین کافی ترقی کر چکا تھا، یہ گروہ یہود کا تھا، عربی دماغ علم کا ایک خزینہ تھا اور یہود نہایت زود فہم تھے،

زمانہ وحی مین یہود کبھی نمایان نہین ہوئے، اسلام سے ہزار سال قبل انکی زبان یونانی تھی اور اس پر منحصر کا زمانہ [illegible] تھا لیکن آج تمام اسلامی ممالک مین ان کی تحریری اور تقریری زبان عربی ہے یہانتک کہ ان کی بعض پرانی اور اہم کتابین عربی مین لکھی گئین، مثلاً میمونیون کی کل مذہبی کتابین عربی مین ہین، زبان کی اس خلط ملط مین جسمین یہود کو زیادہ دخل تھا، آج یہ پتہ لگانا نہایت دشوار ہے کہ عربی تہذیب مین خالص یہود کا اثر کہان ختم ہوا، عربون کا کہان شروع ہوتا ہے،

اس کے علاوہ علم کا ایک تیسرا مشعل ہند مین روشن تھا جہان سے اس کی شعاعین برابر عرب پر پڑتی رہین یہ مشعل خاص علم ریاضی کا تھا جس کے متعلق اس وقت مفصل بحث کرنا طول لاطائل ہوگا، لیکن اس مین ذرا بھی شبہہ نہین کہ جس وقت عربی [illegible] آفتاب آسمان علم پر طلوع ہی کر رہا تھا اس وقت ایک طرف علوم سنسکرت کی بھی کہکشان جلوہ گر تھی، دونون زمانہ تک سرگوشیان رہین، یہان تک کہ تاریک آسمان جگمگا اٹھا، اموی خلفاء کے زمانہ مین عربون کا ذوق علم اور شوق جستجو معرض ہستی مین آگیا تھا، لیکن اس کا شاندار ظہور عباسیون کے زمانہ مین ہوا، دنیا کے تمام علوم مین تاریخ کا پایہ سب سے بلند ہے، عربی تہذیب کے ابتدائی دور مین جو قابل قدر مصنفین گذرے ہین، ان مین بیشتر حصہ مورخین کا ہے جو جغرافیہ کو بھی اکثر تاریخ کے رنگ مین لکھتے ہین، امتداد زمانہ سے جیسے جیسے علم کا شوق بڑھتا گیا ویسے تفریحی افسانہ نویسی کا فن ایجاد ہوا، لیکن جب علم کی

ضرورت خواص سے گذر کر عوام تک پہنچی اور کاروبار مین اس کی ضرورت پڑنے لگی تو آہستہ آہستہ ایک منظم تعلیمی درسگاہ وجود مین آنا شروع ہوئی، یہان تک کہ نوین اور دسوین صدی عیسوی مین علم القواعد اور علم اللسان کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جسکی مثال وہ خود آپ ہے، مغرب کی تعلیمی تحریک کے شروع ہونے سے صدیون قبل اسلامی دنیا مین متعدد مقامات پر مسجدون کے مدرسون سے بڑی بڑی یونیورسٹیان ہوگئی تھین، ان مین بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیان قابل ذکر این، ان مقامات پر علم کی جو مشعلین روشن تھین ان کی روشنی صرف اسی جگہ تک محدود نہ تھی بلکہ اسلامی دنیا سے تجاوز کر کے یکسان اطراف عالم پر پڑتی تھین، مشرق اور مغرب کے بیشمار طلبہ دور دراز ملکون سے صعوبتین برداشت کر کے آئے اور علم کی دولت سے مالامال ہوئے، قرطبہ کو لیجئے، یہان عیسائی طلبہ کی خاصی کثرت تھی جن کے ذریعہ سے عربی فلسفہ کی کرنین ہسپانیہ سے نکلکر پیرس، اکسفورڈ اور پڈوا (شمالی اٹلی کی یونیورسٹی) کی یونیورسٹیون پر چمکین اور ساری مغربی دنیا کو منور کر دیا، قرطبہ کے مشہور فلسفی ابن رشد[1] (۱۱۲۶-۱۱۹۸ ء) کی شخصیت غالبًا مغربی تہذیب پر عربی اثر کا بہترین نمونہ ہے اس نے ارسطو کے فلسفہ کی گہرائی اس وضاحت سے پیمائش کی کہ ایک مسئلہ کی مذہبی اور علمی حیثیت کو بالکل صفائی سے ایک ایک کر دیا اور اپنی اس شرح سے علمی تحقیقات کا وہ دروازہ دنیا پر کھولدیا جو اب تک تنگ نظر اسلامی پالیسی کے اثر کے ماتحت مذہبی مباحثون کے ہنگامون کی وجہ سے بند تھا، دوسری ممتاز شخصیت اس سلسلہ مین حکیم ابن سینا کی ہے (۹۸۰-۱۰۳۷ ء) جو اطبار کا سرتاج مانا جاتا ہے، یہ نامور ہستی اسلامی دنیا کے دوسرے سرے پر

---

[1] ابن رشد کے متعلق اب تک جتنی کتابین شایع ہوئی ہین ان مین غالبًا مولوی یونس مرحوم کی کتاب (شائع کردہ دارالمصنفین) نہایت جامع ہے، ابن رشد عقل کو عین مذہب سمجھتا ہے، اجتہاد اس کی نظر مین بہترین چیز ہے جو خدا نے انسان کو عقل کے ذریعہ سے عطا کی، اسلام اور علوم عقلیہ اس کے لیے ہم معنی الفاظ ہین اس لیے کہ وہ اسلام کو عین عقل کے مطابق سمجھتا ہے اور اس پر دلائل دیتا ہے، یونانی فلسفہ پر اسکو اکثر سخت اعتراض ہے،

یعنی بخارا مین علم و حکمت مین آئی، ابن سینا مدتون خراسان مین سفر کرتا رہا، ارسطو کے فلسفہ کا نامور شارح ہونے کا حق اس کو بھی حاصل ہے،

علم حفظان ترقی اور کتب بینی نقل کرنے کا فن اسکندریہ، دمشق، قاہرہ، اور بغداد مین رائج تھا، ... مین صرف ابتدائی تعلیم کے لیے شہر قرطبہ مین ۲۰ مدارس تھے،

تحقیقات ... کا قول ہے کہ فن ریاضی کی عظیم الشان عمارت عربون نے یونانیون کی قائم کردہ بنیاد پر تعمیر کی، اس لیے ابتدائی ایام مین عربون مین اعداد کا ذکر سننے مین نہین آیا، تھیوڈرک اعظم کے زمانہ مین بوتھیس نے چند نشانات کا استعمال کیا جو ہمارے موجودہ وتک ہندسون سے ملتے جلتے تھے، اس کے بعد جربرت کے ایک شاگرد نے بھی چند نشانات بنائے تھے جو موجودہ ہندسون سے بہ نسبت بوتھیس کے ہندسون کے قریب تر تھے، لیکن آخری ہندسہ یعنی صفر بارھوین صدی عیسوی تک مغرب کو معلوم نہین ہوا تھا، اسکی ایجاد یا دریافت کا سہرا ایک عرب ماہر فن ریاضی کے سر ہے جو محمد ابن موسیٰ خوارزمی کے نام سے مشہور تھا، اس نامور ہستی کو نہ صرف صفر دریافت کرنے کا فخر حاصل ہے بلکہ اس نے پہلے پہل اعشاریہ کا استعمال کیا اور ہندسون کی ترتیب موجودہ صورت مین کی گو چند ہندوستانیون کا دعویٰ ہے کہ صفر اور اعشاریہ ہند کی ایجاد ہے، مساحت کو لیجیے، اقلیدس مین عربون نے زیادہ اضافہ نہین کیا، مگر الجبرا خاص ان کی ایجاد ہے، علم مثلث کے علم کو ترقی دی اور اس کو عروج کو پہنچایا جس کے سلسلہ مین خطوط مماس، جیب ستوی وغیرہ ایجاد ہوئے، طبیعات مین بھی ان کی کافی ایجادین ہین، مثلاً شاقول (پنڈولم) ان کے زور دماغ کا نتیجہ ہے، عینک سازی مین ان کو کافی مہارت تھی، اور اس فن مین بھی بہت سی چیزین ان کی وجہ سے دنیا مین آئین، دنیائے نجوم بھی ان کے پے درپے دماغی حملون سے نہ بچ سکی، ستارون کی رفتار اور حرکت معلوم

---

۱ دیکھو تاریخ یورپ مصنفہ نیچر اور شول،

کرنے کے لیے بہت سے آلات ایجاد ہوئے، اور متعدد رصدگاہیں بنائی گئیں جو اب تک استعمال میں
ہیں۔ آفتاب کے گرد کرۂ ارض کا اپنے محور پر گردش اور آفتاب سے اس کے فاصلہ کا پتہ لگایا اور
موسم گرما اور سرما کے وہ اوقات معلوم کئے جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں غرضکہ فن نجوم مین انھون
نے نہایت قابل قدر اضافہ کیا، علم طب کو لیجئے یونانیون کے علم طب کو ان سے چار چاند لگ گئے،
انھون نے علم صحت اور علم الاجسام مین تحقیقاتین کین، اور دواؤن کے نام رکھے، ان کے خواص
دریافت کئے جو بعینہ آج رائج ہین، ان کا ایجاد کردہ طریقۂ علاج آج اس صدی مین بھی اکثر
استعمال کیا جاتا ہے، عرب جراح بیہوش کن دواؤن سے ناواقف نہ تھے اور اکثر تو ایسی
محیرالعقول جراحی کرتے کہ دنیا دنگ رہ جاتی، اور لطف یہ کہ یہ تمام علوم عربون نے اس زمانہ
مین رائج کئے جب مغرب جاہلیت کے دور سے گذر رہا تھا، دواؤن کے استعمال پر پادریون نے
سخت بندش کر رکھی تھی، تاکہ لوگ مذہبی رسوم، جھاڑ پھونک اور ٹوٹکون سے علاج کرائین،
علم کیمیا کے تو وہ سرے سے موجد تھے اور بہت سی نئی چیزین دریافت کین مثلاً کھار (پوٹاسی)
چاندی کا شورہ (نائٹریٹ آف سلور) گندھک وغیرہ، الکحل عربی زبان کا لفظ ہے، مگر معلوم ہوتا
ہے کہ اس کے اجزاء شراب کی شکل مین پلینی کو معلوم تھے، جو پہلی صدی عیسوی مین گذرا ہے،

مصنوعات مین وہ اپنے زمانہ سے بہت آگے تھے، عمدہ سے عمدہ اور خوبصورت چیزین
نہایت صفائی سے تیار کرتے تھے، سونا چاندی، تانبا، پیتل، لوہا، فولاد وغیرہ ان دھاتون پر نہایت
اعلیٰ درجہ کی نقاشی کرتے تھے مگر ان کے فن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کپڑا بننے مین آج تک
ان سے کوئی بازی نہین لیجا سکا، ہم آج ان کی بعض تیار کردہ چیزون کا مقابلہ اگر موجودہ زمانہ کی
مصنوعات سے کرتے ہین تو عقل دنگ ہوجاتی ہے، کاغذ سازی کا علم ان کو بخوبی معلوم تھا، وہ رنگین
چیزین وہ اپنے ہی بنائے رنگ سے رنگتے تھے، چمڑا بھگانے اور اس کو استعمال کے لائق بنانے

مین ان کو اتنا کمال تھا کہ اسکی دھوم سارے یورپ مین تھی، دوائیون مین ٹنکچر کا استعمال کرتے تھے شکر
بنانا، اس کا صاف کرنا عمدہ عمدہ شراب کی کشیدگی کا راز ان کو معلوم تھا، زراعت کے فن مین
بھی بڑا نام پیدا کیا، انھون نے سیراب کرنے کے لیے عمدہ پختہ بہترین تعمیر کی تھین، شور، اور بنجر زمین کو
[illegible] کے طریقون سے آگاہ تھے، زراعت کے سلسلہ مین قلم لگانے مین تو ایسے استاد تھے کہ
[illegible] سے قدرتی پھل پھول اگائے، مغرب مین انھون نے بہت سے مشرقی پھولون
کو [illegible] پھیلایا اور ان پر متعدد رسالے لکھے، اس سلسلہ مین ایک چیز کا انسانی دماغ
کی ترقی اور نشوونما کی نسبت سے اگر پتہ لگایا جائے تو وہ نہایت اہم ہے، یعنی صنعت کاغذسازی
اس صنعت کو عربون نے وسط ایشیا کے ذریعہ سے چینیون سے سیکھا، اور پھر یورپ نے عربون سے لیا،
کاغذ ایجاد ہونے کے قبل تک کتابین چمڑے کے ٹکڑون یا پاپیرس (ایک قسم کا قدیم مصری کاغذ)
پر لکھی جاتی تھین، عربون نے جب مصر پر قبضہ کیا تو پاپیرس کی برآمد بند ہوگئی، اس کمی نے چھاپنے کے
فن کو ایجاد ہونے مین کافی دیر لگائی، جس کی وجہ سے تعلیم مین سخت دقت لاحق ہوئی، قرون وسطی مین
یورپ کی تمام ترجہالت اگر اس روشنی مین دیکھی جائے تو صاف نظر آئے گی جسکو یورپ کے مورخین تسلیم
کرتے ہوئے رکتے ہین۔

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ آل البیت بغداد

چند سال گذرے کہ عراق کی وزارتِ اوقاف نے دار العلم بغداد میں ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرنا چاہی جس میں صحیح اسلامی مذہبی تعلیم کے ساتھ دورِ حاضر کے جدید علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل نظام قائم ہو، لیکن انگریزی استعماری حکومت کی موجودگی میں وزارتِ اوقاف اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی تو اس نے اپنے لائحۂ عمل کے صرف ایک حصہ کو عملی جامہ پہنایا، اور "شعبۂ دینیۂ عالیہ" کے نام سے اس یونیورسٹی کے ایک حصہ کا افتتاح ہوگیا، اس شعبہ کے ماتحت جو مدرسہ ہے اس میں مختلف علوم اسلامی کے لئے عالم اسلامی کے مختلف ممتاز اہل علم کے خدمات حاصل کئے گئے ہیں چنانچہ فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے استاذ محمد سعید راوی اور استاذ منیر قاضی، اہل سنت کے اصول فقہ کی تدریس کے لئے استاذ عبد الجلیل آل جبل، اور شیعی اصول فقہ کے لئے سید مرتضی آل یسین مقرر کئے گئے ہیں، اور عراق کے مشہور رہنما استاذ طٰہٰ بک ہاشمی مدیر معارف عام علم تاریخ، محاکمات تاریخیہ، اور تاریخ مذاہب پر اور ٹیونس کے مشہور رہنما استاذ عبد العزیز ثعالبی فلسفۂ اسلامی و حکمۃ تشریع پر فاضلانہ خطبات دیتے ہیں، علم النفس کے لئے ڈاکٹر ناجی بک اصیل، علم الاقتصاد کے لئے استاذ عبد الالہ حافظ، اور علم الاجتماع کی تدریس کے لئے استاذ صبیح بک نشأت مقرر ہیں،

اس شعبہ کی طرف سے سوصفحوں کا ایک رسالہ بھی شایع ہوتا ہے جس میں ان اساتذہ کے تمام خطبے شایع ہوتے ہیں، اس پرچہ کی اشاعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، بلکہ جب اساتذہ کے محاضرات سو صفحوں تک پہونچ جاتے ہیں تو وہ ایک پرچہ کی شکل میں شایع کردیئے جاتے ہیں، ابتک ایسے چھ پرچے شایع ہوچکے ہیں، پہلا پرچہ

شعبان ۱۳۶۵ھ میں اور آخری محرم ۱۳۶۶ھ میں نکلا تھا،

طلبہ اس مدرسہ میں ثانوی تعلیم ختم کرکے داخل ہو سکتے ہیں جن کے لئے ملکی وغیر ملکی کی کوئی شرط نہیں رکھی گئی ہے، داخلہ کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے،

مدرسہ کا افتتاح ۱۳۶۵ھ میں ہوا تھا جس میں وزارت اوقاف کی مجلس علماء نے ۱۲ طلبہ کو منتخب کرکے داخل کیا تھا، اور پھر جب ۱۳۶۶ھ میں یہ طلبہ دوسری جماعت میں پہونچے تو پہلی جماعت کیلئے ۱۴ طلبہ کا دوبارہ امتحان لیا گیا، اس عمارت کا افتتاح، ۲۰ لاکھ روپیہ سے عمل میں آیا ہے، مدرسہ کا احاطہ دریائے دجلہ کے کنارے ۱۴ ہزار میٹر مربع میں واقع ہے جس کے گردا گرد نہایت خوشنما باغ لگے ہوئے ہیں، عمارت دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ میں سات کمرے ہیں جو درس کے لئے مخصوص ہیں، اور دوسرے حصہ میں طلبہ کا دار الاقامہ ہے، اور ان دونوں حصوں کے وسط میں خطبوں کے لئے ایک شاندار ہال ہے جس میں ۵۰۰ اشخاص کی گنجایش ہے، اور پھر اس عمارت کے اوپر بھی ٹھیک اسی طرح ایک دوسری منزل بنی ہوئی ہے،

اور اس احاطہ کے پہلو میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں مثلاً انجنیری، طب قدیم و جدید، قانون، مختلف مشرقی و مغربی زبانوں کی تدریس، آثار عجائب خانہ، رصد خانہ، کتب خانہ، دار الاقامہ اور مسجد وغیرہ کیلئے جدا گانہ زمینیں نامزد کی جا چکی ہیں، خدا کرے کہ وزارت اوقاف کے منصوبے پورے ہوں اور دار العلم بغداد میں جامعہ آل البیت کے نام سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منظر سامنے آجائے، "د،ر"

ایک نوجوان ترک پروفیسر کے جدید نظریے

ترکی کے آخری حیرت انگیز انقلاب سے ترکوں کی ذہنی کیفیت میں بھی جو انقلاب ہوا ہے اس کا اثر وہاں کے علمی حلقہ پر بھی پڑا ہے اور اس سلسلہ میں جہاں بہت سے قابل ستایش علمی کارنامے انجام پا رہے ہیں وہاں اسی ہیجانی و وجدانی کیفیت میں ایسی چیزیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں جو مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ غایت درجہ پر لطف ہوتی

ہین، تعریج طبع کے لیے بیجا نہ ہوگا، اگر اس سلسلہ کی بعض نئی کڑیان ناظرین کے سامنے پیش کیجائین

اس ذہنی انقلاب کے سلسلہ مین ترکون مین بعض ایسے اہل علم افراد بھی نمایان ہوئے ہین جنھین ترکی قومیت، ادبیات، تمدن اور معاشرت کو دنیا کے سامنے قدیم سے قدیم شکل مین پیش کرنے کا خاص شغف ہے، کہ اگر ایک طرف یونان و مصر کے قدیم تمدن کو روشناس کیا جاتا ہے، اور ان کے متعلق اثری و کتبی دلائل و شواہد سے جدید نظریئے قائم کرکے پایۂ ثبوت تک پہونچائے جاتے ہین، تو دوسری طرف تورانی تمدن و آداب کی بھی بحث و تحقیق ہونی چاہئے،

چنانچہ کچھ دن گذرے کہ ترکی اخبار و رسائل مین یہ بحث نہایت زور و شور سے جاری تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام در اصل ترکی النسل تھے جب اس نظریئے کی بحث و تحقیق سے فرصت ملی تو زبان کا مسئلہ چھڑا، اور ایک آواز اٹھی کہ "ترکی زبان قدیم ترین علمی زبانون کا سرچشمہ ہے" نیز "قدیم سے قدیم تمدن مین ایسے شواہد موجود ہین جو اس کو تورانی تمدن کی ایک شاخ ثابت کرتے ہین، مثلاً یونانی زبان مین "نوموس" (NOMOS) کا لفظ جس کے معنی "قانون" کے ہین حقیقت مین ترکی لفظ "ناموس" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ترکی زبان مین "شرف و عزت" کے آتے ہین،

اسی طرح قانون حمورابی کے متعلق بابل مین جو انکشاف ہوا ہے، اور اس کو حمورابی قانون سے منسوب کیا گیا ہے، اس مین کی متعدد نقلین ترکون کے ان قدیم قبائل سے ماخوذ ہین جو قدیم زمانہ مین وہان آباد تھے،

اسی طرح ایک یہ نظریہ بھی ہے کہ ملک شام کی شہری بنا انھین اتراک کے ہاتھون انجام پائی، کیونکہ وہان طرابلس شام کے قریب جو جزیرہ "اروا د" ہے وہ لفظ "عورت" سے ماخوذ ہے، اور یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس جزیرہ مین صرف عورتین رہتی ہون، اس لئے اس کا نام "اروا د" یعنی عورت قرار پا گیا،

یہ نظریئے بظاہر اس درجہ مضحکہ خیز ہین کہ ہم ان کو ترکون کے خلاف ایک عام پروپیگنڈے سے تعبیر کرکے قابل اعتنا نہین سمجھتے، لیکن عالم اسلامی کے مشہور رہنما شکیب ارسلان نے جو ترکون کی محبت مین بھی کافی بدنام ہیں

یعنی رسالہ الزہرا مصر میں ان کو درج کر کے سرسری طور پر ان کی تردید کی ہے، مثلاً بتایا ہے کہ لفظ "ناموس" دراصل ترکی کا نہیں عربی زبان کا لفظ ہے، اور عربی میں یونانی زبان سے آیا، عربی میں اس کے دو معنی آتے ہیں، ایک "قانون و نظام" مثلاً ناموس نشو و ارتقاء، یا "نوامیس طبیعیہ" یا انجیل میں ہے "میں "ناموس" کی تنسیخ کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہوں" اور دوسرے معنی "شرف و عزت" مثلاً "فلان صاحب ناموس ہے" یہ دوسرے معنی دراصل عام محاورہ ہے، جو عربوں میں آخر زمانہ میں رائج ہوا، اور ترکی زبان میں دوسرے عربی الفاظ کے ساتھ یہ لفظ بھی داخل ہوا جیسا کہ اردو زبان میں بھی انھیں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ "ناموس" کا لفظ اسلام کے قبل سے فصیح عربی میں "شکار کی ٹٹی" اور "راہب کے خیمہ" اور "محرم راز" کے معنوں میں موجود ہے، اس لئے بہرحال ترکی زبان سے قبل عربی زبان میں یہ لفظ موجود تھا جس کی شہادت میں عربی زبان کے لغت کی کتابیں موجود ہیں، برخلاف اس کے خالص ترکی زبان میں یہ لفظ موجود نہیں ہے،

اور شاید ایڈیٹر رسالہ بھی ان مزخرفات کی طرف اعتنا نہیں کرتے اگر یہ ترکی یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر یوسف ضیا بک کے قلم کے "رشحات" نہ ہوتے، لیکن اس سلسلہ میں ہمیں شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہرا سے بھی ایک گونہ شکایت ہے، کہ انھوں نے ترکوں کے ایک فرد واحد کے فعل کو ترکوں کی پوری نوجوان جماعت "ترکان نو" کی طرف منسوب کر کے مضحکہ اڑایا ہے، باوجودیکہ اسی جماعت اور اسی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسروں نے یوسف ضیا بک کے خیالات کی نہ صرف تردید کی بلکہ یہاں تک لکھا گیا، کہ ایسے مزخرفات کی اشاعت ترکی یونیورسٹی کے لئے باعث ننگ و عار ہے، اور پھر ترکوں کے تمام ممتاز اخبارات یہاں تک کہ نیم سرکاری اخبار "جمہوریت" ان خیالات سے تبری کر کے یوسف ضیا بک کو ملعون کر چکے ہیں،

" ر "

خدا اور روح

محمد عبد الرؤف بی اے حیدرآباد دکن

روسی حکیم ٹالسٹائے نے جس طرح گہرے سے گہرے خیال کو نہایت سادگی سے بیان کردیا ہے، اُسی کا ایک نمونہ ذیل کی تحریر ہے،

حکیم ٹالسٹائے کہتا ہے:-

مجھکو خدا اور روح کا اسی طرح علم ہے جس طرح نامحدود کا یعنی بذریعہ تعریف نہین بلکہ بالکل ہی دوسرے طریقہ سے، تعریفات میرے لئے اس علم کو برباد کردینے والی ہین، جس طرح مجھکو اس کا یقینی علم ہے کہ اعداد نامحدود ہین اسی طرح مین جانتا ہون کہ ایک خدا ہے، اور مجھ مین روح ہے، میرے اس علم مین کسی قسم کا شک وشبہ نہین، کیونکہ مین ناگزیر طور پر اس تک پہونچ جاتا ہون، اعداد کی نامحدودیت کے یقین تک مین طریقہ جمع سے پہونچا ہون،

خدا کے یقینی علم تک میری رہبری یہ سوال کرتا ہے کہ مین کہان سے آیا؟

روح کے علم کے لئے یہ سوال کہ، مین کون ہون؟ میرا رہنما ہے،

جب یہ سادہ سوالات میری رہبری کرتے ہین تو مین اعداد کی نامحدودیت، خدا اور میری روح کے وجود کے قطعی علم تک پہونچ جاتا ہون،

ایک مین، مین، ایک شامل کرتا ہون پھر ایک کا اضافہ کرتا ہون اسی طرح ایک ایک بڑھاتا چلا جاتا ہون یا ایک لکڑی کو دو حصون مین تقسیم کرتا ہون، پھر دو دو جمع کرتا چلا جاتا ہون اس کے بعد مجھکو اس کا علم ناگزیر ہو جاتا ہے کہ عدد نامحدود ہے،

مین اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا جو میری نانی سے پیدا ہوئی اور میری نانی میری پڑنانی سے، آخر سب سے پہلا پیدا کرنے والا کون ہے؟ لہذا مین مجبوراً خدا کے وجود تک پہونچ جاتا ہون،

نیسے پاؤں "میں نہیں، میرے ہاتھ "میں نہیں، میرا سر" میں نہیں، یہاں تک کہ میرے خیالات بھی "میں نہیں،" آخر میں کیا ہوں؟ "میں" میں" ہوں! یعنی "میں" میری روح ہوں،

چاہے میں کسی بہت سے خدا کے وجود تک پہونچنے کی کوشش کروں، نتیجہ سب کا ایک ہے، میرے خیالات اور میری عقل کی ابتدا، خدا، میری محبت کی اصل وہی، اور میرے ارادہ کی بنیاد بھی وہی خدا،

روح کے تصور کی بھی یہی حالت ہے، اگر میں اپنی صداقت کی تلاش پر غور کروں تو مجھ کو علم ہوتا ہے کہ میری یہ صداقت کی تلاش میری ایک غیر مادی بنیاد پر مبنی ہے، یعنی میری روح پر،

اگر میں اپنے ابنائے جنس سے الفت کے جذبات کی طرف توجہ مبذول کروں تو مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو صرف میری روح ہے جو الفت رکھتی ہے،

کیا ہمارے تعلیم یافتہ احباب ان سادہ لیکن گہرے خیالات پر ایک لمحہ غور فرمائیں گے؟

اخبارِ علمیہ

"آیندہ" اس نام سے ایران مین ایک نہایت شاندار علمی وسیاسی ماہوار رسالہ ڈاکٹر افشار کی اڈیٹری مین طہران سے فارسی زبان مین نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے تازہ نمبر مین پہلا مضمون سرمایہ داری پر اور دوسرا مضمون ایران مین نمایندون کے طریقۂ انتخاب پر ہے، اُن کے علاوہ تاریخ فلسفہ پر ایک مضمون ہے جس مین دکھایا گیا ہے، کہ ایران کا دماغ اس کے لئے خاص طور سے موزون ہے، اور اسلامی زمانہ مین بھی دراصل ایرانیون ہی نے اس کی خدمت کی اور اسلام مین اس کو رواج دیا، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برمکیون کا مشہور آتش خانہ نوبہار ترکستان کے اس شہر مین واقع تھا جس کو اب افغانی مزارشریف کہتے ہین،

اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن مین اس وقت مصر کی ایک مسلمان خاتون بھی زیر تعلیم ہین جنھون نے حضرت رابعہ بصریہؓ کے سوانح وحالات کو اپنا موضوعِ مطالعہ قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے، کہ انھون نے ان کے متعلق بہت سے معلومات فراہم کئے ہین،

اس وقت ہندوستان کی دو اسلامی ریاستون سے بیک وقت اندلس کے متعلق دو نہایت عمدہ کتابین شائع ہوئی ہین، دار الترجمہ حیدرآباد دکن سے مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ نے اندلس کا جغرافیہ جس مین نئے اور پرانے نامون کی تطبیق بھی کی ہے، اور اس کا نقشہ بھی بنایا ہے، شائع کیا ہے، اور بھوپال سے میر دبیر قاضی [illegible] صاحب نے اندلس کا سفرنامہ شائع کیا ہے جس مین اندلس کے موجودہ آثار خاص طور سے بیان کئے ہین،

لاہور میں حفظ العلوم کے نام سے اردو لغات اور علوم اور سوانح کی جو قاموس تیار ہو رہی ہے، اور جس کا ذکر پہلے بھی معارف میں ہو چکا ہے، مولانا محمد علی، سر شیخ عبد القادر اور سید حسرت موہانی نے اس کی تحسین کی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ مولوی محمد شفیع صاحب وائس پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور جو مشرقی علوم کے نامور عالم و محقق ہیں اور … کے خاص شاگردوں میں ہیں وہ اس کے مضامین پر نظر ثانی کر رہے ہیں،

تعلیم زبان گراموفون، کسی دوسرے ملک کی زبان سیکھنے میں ایک بڑی دقت یہ تھی کہ خاص زبان کے بولنے والے استاد ہر طالب علم اور ہر اسکول کو میسر نہیں آسکتے تھے اور غیر زبان دان استاد کے ذریعے سے جو تعلیم ہوتی ہے، اس سے زبان کا لہجہ، الفاظ کا تلفظ اور محاورات کی واقفیت نہیں آتی، اس کا حل اس طرح کیا گیا کہ گراموفون کے ریکارڈوں میں فصیح زبان دان کی گفتگو اتاری جاتی ہے کہ طالب علم ان کو سنکر الفاظ، لہجہ اور تلفظ کی درستی کرین، یہ طریقہ اس قدر پسند کیا گیا اور مفید سمجھا گیا کہ لندن یونیورسٹی کالج میں اس کا ایک خاص شعبہ قائم ہو گیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے انگریز بچوں کو صحیح و فصیح فرنچ سکھائی جاتی ہے، اب اس صیغہ کے چلانے والوں نے اس طریقہ میں چند اور ترقیاں کی ہیں، کل تعلیم ۵۱ دوسرے ریکارڈوں میں دیجاتی ہے، اور الفاظ سے لیکر فقروں اور عبارتوں تک بتدریج ترقی رکھی گئی ہے، اور ان میں سے گرامر، ریڈر اور کتاب کا سب کام لیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ۲۰۰ صفحوں کی کتاب لکھی ہے، جس میں اس کے طریقے اور بیانات کی تشریح کی گئی ہے،

حضرت عیسیٰؑ کی انسانی سوانح عمریان، پروفیسر رینان جو اسلامی ادبیات اور علوم کے ماہر تھے، انھون نے شاید اسلام ہی کے اثر سے اس بات کی کوشش کی تھی، کہ انسانی حیثیت یعنی ایک پیغمبر کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری لکھیں، جس میں ان کی الوہی حیثیت کو کوئی درجہ نہ دیا جائے، اس وقت سے حضرت عیسیٰؑ کی اس حیثیت کے سوانح نگارون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، ابھی حال میں حضرت عیسیٰؑ کی دو سوانح عمریان لکھی گئی ہیں، ایک انگریزی میں اور

دوسری فرنچ مین، انگریزی کتاب کا نام مسیح کی ایک نئی سوانحری (A new Biography of Jesus) ہے، اور اس کے مصنف کا نام شرلے جیکسن کیس ہے، فرنچ کتاب کا نام (Jesus de la Légende à l'histoire) ہے اور مصنف کا نام ہنری باربوسے ہے، دونون نے حضرت عیسیٰؑ کی تاریخی شخصیت کو تسلیم کیا ہے، مگر ان کی اصلی شخصیت کے بارہ مین دونون کے دو خیال ہین، باربوسے نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ ایک "انقلاب پسند اشتراکی" (ریوولشنری کمیونسٹ) تھے، اور اسی لئے وہ دولتمندون سے نفرت کرتے تھے، اور غریبون سے محبت کرتے تھے، انگریز مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کبھی مسیح ہونے اور اپنی دوبارہ آمد کا دعویٰ نہین کیا، یہ بعد کے لوگون کا اضافہ ہے، ٹائمز (لندن) کے تعلیمی ضمیمہ (۲۶ اکتوبر) کے اڈیٹر نے ان دونون مصنفون کے دعوون کے ماننے سے انکار کیا ہے،

جرمنی مین ڈاکٹر، جرمنی مین ۴۴ ہزار ڈاکٹر ہین جن مین سے ۵۳۷۶ جراح (سرجن) ہین، ۲۲۲۶ جلدی اور دموی امراض کے اور ۹۳۴ اندرونی اعضاء کے ماہرین ہین،

شیطان کی پرستش، بعض سیاحون نے بیان کیا ہے کہ منگولستان (منگولیا) مین ایک فرقہ ہے جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، شیطان کے نام سے یہان بہت سے معبد ہین جن مین شیطان سے دعا مانگی جاتی ہے اور اس کے لئے انسانون کی قربانی کی جاتی ہے، انسان کو صندوق مین بند کرکے میدان مین بھوکا پیاسا چھوڑ دیتے ہین، جب وہ مرجاتا ہے، تو اس کو چیل کوے، گدھ وغیرہ کھا جاتے ہین، اس ملک کی آبادی ۲۵ لاکھ کی ہے، اور اس کی وسعت ۱۵ میل مربع ہے،

فلسطین کے قدیم آثار، فلسطین کی جمعیت آثار قدیمہ کے ارکان نے لندن کے مرکزی صیغہ مین عرض داشت

پیش کی ہے کہ روز بروز فلسطین کے بہت سے آثار قدیمہ برباد ہوتے جاتے ہیں، اس پر مشہور محقق آثار قدیمہ سر پیٹر کا خیال ہے کہ اس سے بچنے کا ایک واحد وسیلہ صرف یہی ہے کہ فلسطین میں جلد از جلد آثار قدیمہ کا عجائب خانہ قائم کر دیا جائے، امید ہے کہ موصوف کا مشورہ قبول کر لیا جائیگا،

طلاق کی عمر، ایک ماہر فلسفۂ اخلاق واقعات طلاق پر غور کرکے اس نتیجہ تک پہونچا ہے کہ طلاق کے حادثے بالعموم دو مختلف زمانوں میں واقع ہوتے ہیں، یا تو شادی کے بارہ برس کے بعد طلاق ہوتی ہے ورنہ بیس سال تک اجتماعی مدت گذار کر طلاقیں دیجاتی ہیں، اور اس کا یہ بھی خیال ہے ۶۰ فی صدی طلاق ایسے زن وشو میں ہوتی ہے جو صاحب اولاد نہیں ہوتے،

پیرس میں مسلمان، پیرس میں مسلمانوں کی آبادی ۶۵ ہزار ہے،

پیرس میں مرد اور عورت، پیرس میں مردوں کی بہ نسبت تین لاکھ تیس ہزار عورتیں زیادہ ہیں،

یورپ میں تعدد ازدواج، یہ خبر حیرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ وہی یورپ جو اسلام کے مسئلہ تعدد ازدواج پر سب سے زیادہ معترض تھا جنگ عظیم کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے چنانچہ المرشد بغداد ایک امریکن اخبار "سیلاح" سے ناقل ہے کہ یورپ اور امریکہ میں خود عورتیں ایسی سوسائٹیاں قائم کر رہی ہیں، جن کا مقصد ملک میں تعدد ازدواج کو رواج دینا ہے، اس قسم کی سوسائٹیاں، لندن پیرس برلن، اور برسلز میں قائم ہوئی ہیں،

ادبیات

جامِ صہبائی

از (از صہبائی)

(۱)

محرومِ بقا حبابِ شہرت کے مزے آلودۂ غم سرابِ دولت کے مزے
ہرچند محبت بھی ہے فانی لیکن فردوس نژاد ہین محبت کے مزے

(۲)

ہے دیر و حرم مین اور نہ میخانون مین مفقود ہے یہ بلند کاشانون مین،
ہرچند کہین نہین ہے تسکین یا رب لیکن ہے اگر تو تیرے دیوانون مین،

(۳)

زندہ تو بہت ہین سوزِ ہستی ہی نہین، میکش تو بہت ہین جوشِ مستی ہی نہین
عالم مین بہت، مگر عمل ہے مفقود حق بین تو بہت ہین حق پرستی ہی نہین

(۴)

بیگانۂ عقل و ہوش ہو جاتا ہون طوفانِ یمِ خروش ہو جاتا ہون
تقدیر کو کوستا ہون ہنگامِ شکست جب سوچتا ہون خموش ہو جاتا ہون،

(۵)

نیرنگِ طلسمِ زندگی کو پایا آلودۂ غم ہر اک خوشی کو پایا،
تسکین ہے اگر تو ذکرِ یزدان مین اکو سرچشمۂ بیخودی اسی کو پایا،

باب التقریظ والانتقاد

تلقیح فہوم اہل الاثر

مصنفہ

حافظ ابو الفرج ابن جوزی بغدادی

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات نے اسلام کو جسقدر فائدہ پہونچایا ہے اور اہل علم کو جس قدر ممنون احسان بنایا ہے، وہ محتاج بیان نہین ہے، امام ممدوح کی ایک تصنیف یہ کتاب بھی ہے جس کا نام تلقیح فہوم اہل الاثر فی مختصر السیر والاخبار ہے یہ کتاب ۱۸۹۳؁ء مین جیسا کہ اکتفاء القنوع کا بیان ہے، تلقیح فہوم اہل الآثار فی مختصر السیر والاخبار کے نام سے یورپ مین چھپ چکی ہے، اس مطبوعہ یورپ نسخہ کی اصل برلن کے کتبخانہ مین ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ہندوستان مین بھی ٹونک کے کتبخانہ مین موجود تھا، اس دوسرے نسخہ سے مولوی سید محمد یوسف رائے بریلوی ٹونکی نے نقل کر کے اور تصحیح کر کے اس کو دہلی سے شایع کیا ہے،

مولوی سید محمد یوسف ہندوستان کے ایک مشہور علمی خاندان سادات رائے بریلی کے رکن ہین، ان کو قدیم اور نایاب کتابون کا بڑا شوق ہے، وہ اکثر ہندوستان کے گوشون مین نایاب کتابون کو تلاش کرتے انکی نقلین لیتے اور بقیمت شایقین تک پہونچاتے رہتے ہین،

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین انھون نے کافی محنت صرف کی ہے، اس کے لئے انھون نے ابن سعد، کنز العمال، انساب سمعانی، سیرۃ ابن ہشام، سیرت مغلطائی، انوار محمدیہ، زرقانی، معارف ابن قتیبہ، خصائص کبری، استیعاب

مغنی، وغیرہ کتابون کے علاوہ حسب ذیل قلمی کتابون سے بھی مدد لی ہے،

مسند ابویعلی موصلی، تاریخ ابی حاتم، عسکری کی کتاب الاوائل اور ایک قلمی حاشیۂ استیعاب،

اس قدر محنت کے بعد بھی بعض مقامات پر تصحیح نہ ہو سکی، اور وہان حاشیہ دیکر (کذا فی الاصل) لکھدیا گیا ہے،

معلوم نہین مولانا نے برلن کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مدد لی یا نہین، مقدمۂ ناشرین اس نسخہ کا ذکر تو ہے، لیکن یہ نہین بتایا کہ اس سے کیون مدد نہین لی گئی،

فاضل ناشر کے حاشیے، ہم نے جا بجا سے پڑھا، یقیناً داد کے مستحق ہین، اور مفید ہین لیکن بعض مقامات پر جہان ان کو طویل حاشیہ دینا پڑا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے، ایک عجمی اپنے عجمی لحن مین بول رہا ہو، کاش ایسا نہ ہوتا،

اصل کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع مین ابتدا سے آفرینش حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی زندگی کے حالات ہین، اس کے بعد صحابہ کے حالات شروع ہوتے ہین، جس مین پہلے فضلِ صحابہؓ، صحابی کی تعریف، مراتبِ صحابہؓ اور صحابہؓ کی تعداد اور بڑے بڑے مشہور صحابہ کا ذکر ہے، پھر ردیف وار دوسرے صحابہؓ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مشہور صحابیاتؓ پھر ردیف وار عام صحابیاتؓ کا ذکر ہے، ہر قسم کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات کے بعد ان حدیثون کا ذکر ہے جن پر فقہ کا دار مدار ہے، اس کے بعد صحابہؓ کو مختلف طبقات پر تقسیم کرکے بتایا ہے، کہ کون حفاظ تھے، کون محدثین تھے، کن کا شمار فقہا مین تھا، وغیرہ وغیرہ اس کے بعد اولیات کا بیان پھر فن حدیث و رجال کے متعلق دوسری مفید باتین ہین

کتاب علوم و معلومات کا خزانہ ہے، حافظ ابن جوزی نے کوشش کرکے اس کوزہ مین دریا کو بند کیا ہے، اس بنا پر اس کی اشاعت اہل علم پر بڑا احسان ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کرین گے، اور اس سے فائدہ اٹھائین گے، قیمت ؟ پتہ محمد یوسف مدرسہ حاجی علی جان، گھنٹہ گھر دہلی،

"ج"

مشرقی کتبخانۂ پٹنہ کی فارسی کتابون

کی

آٹھوین فہرست

معارف ج ۴۰ نمبر ۳ مین پٹنہ لائبریری کی فارسی مخطوطات کی سات فہرستون پر ریویو ہو چکا ہے، اب ہمارے سامنے اس کی آٹھوین کڑی ہے، جو کتبخانہ کی عام فہرستون کے لحاظ سے گیارہوین جلد ہے، اس کے مرتب بھی وہی خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب ہین جنھون نے پچھلی جلدین ترتیب دی ہین، اس لئے اس مین بھی وہ تمام خوبیان جو پچھلی جلدون مین تھین موجود ہین،

اس جلد مین طب، منطق، ہندسہ، ہیأت و نجوم، رمل، فال، تعبیر، اسمائے جواہر، فن تعمیر، خط کشی و رنگ آمیزی اور عکس و تصویر کی کتابون کا تذکرہ ہے، جن مین حسب ذیل کتابین خاص اہمیت رکھتی ہین،

نور العین، ۴۸۰ھ کی تصنیف اور ۹۸۱ھ کی تحریر خط پاکیزہ نستعلیق مصنف ابی روح محمد بن منصور بن ابی عبد اللہ بن منصور جرجانی معروف بہ زرین دست، ملک شاہ سلجوقی کے حکم سے لکھی گئی، اس مین سوال و جواب کی شکل مین، آنکھون کی شناخت آنکھون کی قابل دید اور ناقابل دید بیماریان، اور ان کی دوا درمان، اور آنکھون کو نفع نقصان پہونچانے والی چیزون کا بیان ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کون کون عمل جراحی آنکھ کے کن کن امراض کو فائدہ پہونچا سکتے ہین، اور کون امراض چشم اس قسم کے ہین کہ انھین دوا تدبیر کچھ کام نہین کر سکتی، یہ تمام مباحث ۱۰ ابواب مین پھیلا کر لکھے گئے ہین، کتاب مین ۴۰۰ مسائل کا ذکر ہے، انداز بیان سوال و جواب کا ہے، مصنف نے کتاب مین بڑے بڑے حکما، مثلاً حنین بن اسحاق اور زکریا رازی وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان حکمائ نے زیادہ تفصیل کے ساتھ آنکھ کے امراض سے بحث نہین کی ہے، نمبر کتاب ۹۲۱،

۲۔ ذخیرہ خوارزم شاہی، مصنف کا نام یاقوت نے معجم البلدان ج ۵ ص ۵۵) ابو ابراہیم بن الحسین بن محمد الحسینی بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے اسماعیل بن الحسین بن محمد حسینی اور کتبخانہ کے نسخہ پر اسماعیل بن الحسین بن محمد بن احمد الحسینی الجرجانی لکھا ہے، سال وفات یاقوت نے ۵۳۱ھ بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے مختلف مقامات پر ۵۳۰ھ ۵۳۱ھ اور ۵۳۵ھ لکھا ہے، خود اس کتاب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف ۵۰۴ھ کے قریب خوارزم آیا، جب کہ محمد شاہ خوارزم سلطان سنجر کی طرف سے وہان (۴۹۱ھ تا ۵۲۱ھ) حاکم تھا، اسی کے نام سے یہ کتاب تصنیف کی، حاجی خلیفہ نے اس مصنف کی تین کتابون کا اور ذکر کیا ہے، یادگار، خفی علائی، (پٹنہ لائبریری ۹۲) اغراض الطب (انڈیا آفس نمبر ۲۲۰۶) اس کتاب کو مصنف نے ۹ حصون پر تقسیم کیا تھا جن مین سے ۸ حصے کتبخانہ مین موجود ہین، یہ کتاب فارسی زبان کی قدیم سے قدیم طبی انسائیکلوپیڈیا کا پرانے سے پرانا نسخہ ہے،

۳۔ علاجات دارا شکوہی مصنفہ نور الدین محمد عبد اللہ حکیم شیرازی،

۴۔ شرح بست باب طوسی، اسطرلاب کے بیان مین، شارح نظام الدین عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی، یہ کتاب بوہار لائبریری مین بھی ہے،

۵۔ کفایت التعلیم، مصنفہ امام ظہیر الدین، ابی المحامد محمد بن مسعود بن الزکی الغزنوی، خط صاف نستعلیق، فن نجوم کی ایک نایاب کتاب،

۶۔ معیار الازمان، مختلف اقوام کے شہور و سنن کے بیان مین ایک قیمتی تصنیف، مصنف کا نام ملکی الملک فخر الدولہ، دبیر الملک راجہ رتن سنگھ، بہادر ہشیار جنگ ہے، مصنف ۱۱۹۷ھ مین لکھنؤ مین پیدا ہوا، ۱۲۳۰ھ تک کمپنی کا ملازم تھا، پھر ملازمت سے الگ ہو کر لکھنؤ آرہا، ۱۲۴۳ھ مین یہ کتاب تصنیف کی، نسخہ ۱۲۴۹ھ کا لکھا ہے،

۷۔ رسالۂ رمل، نصیر الدین طوسی،

۸۔ بازنامہ، مصنف کا نام معلوم نہین، چڑیون کے حالات، ان کی بیماریان اور علاج،

نادر کتابون کے ذیل مین اور بھی کتابون کے نام ہین، مگر انکی تفصیل تطویل سے خالی نہین ہوگی

عبد الصمد صاحب کی ان کوششوں نے ان کو یورپ کے علقۂ علم میں بھی ممتاز کیا ہے، اور وہاں کے اچھے اچھے لوگوں نے ان پر تقریظیں لکھی ہیں جو صد درجہ حوصلہ افزا ہیں، اور یہ چیز ان کو یورپ کی شاگردی کے بغیر حاصل ہوئی ہے،

ان کو ... ملسکتی ہیں، " ن "

برہان اور عبرت،

برہان جناب خواجہ مولانا محمد عبد الحی صاحب فاروقی استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی نے قرآن مجید کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ کتاب اسی کی ایک کڑی ہے، الہلال کلکتہ نے تفسیر قرآن کا جو نیا طرز قائم کیا وہ اس دور جدید میں بہت مقبول ہوا، اور متعدد لوگوں نے اس کی نقل و تقلید کی خواجہ صاحب بھی اسی طرز کے مقلد ہیں، اس لئے ان کی تفسیر زیادہ تر سیاسی رنگ رکھتی ہے، قرآن پاک کے نزول کا منشا صرف حصول حکومت و سلطنت نہیں ہے، جس طرح جماعتی زندگی کی تعلیم دیا ہے اسی طرح وہ شخصی زندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے لیکن اس تفسیر کی یک طرفہ حیثیت نے اس کی تفسیری حیثیت کم کر دی ہے،

برہان جو سورہ نور کی تفسیر کا نام ہے، اور جس کا موضوع صرف عورتوں کی عصمت کا تحفظ ہے اس قسم کے مضامین کی تو گنجائش ہی نہیں رکھتا لیکن خواجہ صاحب نے اس میں بھی سیاست کی آمیزش کر دی ہے، بہرحال یہ تفسیر تفسیر تو ہے نہیں البتہ قرآن مجید کو اساس قرار دیکر اس میں دور جدید کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، لیکن تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہیں، مثلاً رجم کے متعلق جو مخصوص خیالات ظاہر کئے ہیں تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہیں، کیونکہ رجم کے متعلق وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا حکم قرآن مجید میں نہیں ہے، بلکہ وہ شریعت کے قوانین عامہ سے مستنبط ہے حالانکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حدود کے متعلق جب تک کوئی آیت نازل نہیں ہوتی تھی، رسول اللہ صلعم احکام توراة

کے مطابق سزا دیتے تھے، اور توراۃ مین زانی کے سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے، البتہ قرآن نے اس کے بجائے سو دُرّون کی سزا مقرر کی، اس لئے اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت نے رجم کی سزا کو جو بہ اتباعِ تورات رسول اللہ صلعم نے دی تھی منسوخ کر دیا یا وہ قائم ہے؟ لیکن نسخ کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ سو دُرّون کی سزا کا حکم رجم کے بعد نازل ہوا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت نہین ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی تعارض کی بنا پر دونون مین تطبیق دی ہے یعنی پہلے دُرّے لگائے ہین پھر رجم کیا ہے، کیونکہ ان دونون کا جمع کرنا ممکن تھا، بہرحال یہ ایک اصلاحی کتاب ہے جو قرآن مجید کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے، اس لئے قابلِ مطالعہ ہے، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ، ضخامت ۴۰ صفحہ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے،

عبرت خواجہ صاحب کی تفسیر القرآن کا یہ دوسرا ٹکڑہ ہے جس مین سورۂ یوسف کی تفسیر کی گئی ہے، اور حسب معمول سیاسی خیالات پر مشتمل ہے، بلکہ بعض جگہ اس نے نہایت بدنما صورت اختیار کر لی ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو متعدد مذہبی و اخلاقی نتائج نکالے ہین، ان مین چند نتائج حسب ذیل ہین،

(۱) انگریزون کے دورِ حکومت مین بکثرت لوگ قحط و گرانی سے مرتے ہین لیکن وقوعِ قحط سے پہلے وہ اس کا کوئی انتظام نہین کرتے بلکہ غلون کو خرید کر خود ہی مصنوعی قحط ڈال دیتے ہین،

(۲) مالیات کا صیغہ اصل ذریعۂ حکومت ہے لیکن فنانس ممبر صرف انگریز ہوتے ہین ہندوستانی نہین ہوتے،

اسی قسم کے سیاسی اور اصلاحی خیالات سے کتاب لبریز ہے، اور ان خیالات کا حصہ اصل تفسیر سے زیادہ ہے، سیاسی حیثیت سے کسی حکومت پر نکتہ چینی کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہین ہے لیکن سیاست خود ایک مستقل فن ہے، اور اسی فن کے حدود مین رہکر اس پر نکتہ چینی کیجا سکتی ہے قرآن مجید کا موضوع اس سے الگ ہے، اور وہ اس موضوع سے ذرہ برابر بھی نہین ہٹتا، خود عہد نبوی مین بہت سی جبار و قہار سلطنتین قائم تھین، اور وہ اپنی رعایا پر ظلم بھی کرتی تھین، لیکن قرآن مجید نے نہ انکے سیاسی نظام کو نہ انکے طریق حکمرانی پر کہین نکتہ چینی کی ہے، پھر ایسی مقدس کتاب کی تفسیر مین اصل متن کے مطالب و مقاصد کو چھوڑ کر خارج از بحث سیاسی بحث کہان تک مستحسن ہو سکتی ہے، بہرحال خواجہ صاحب کا جذبۂ حریت و آزادی قابل قدر ہے لیکن اسکا اظہار بے موقع کیا جاتا ہے، اس ٹکڑے کی لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے، ضخامت ۹۰ صفحہ قیمت عہ، اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے،

"ع"

مطبوعاتِ جدیدہ

سفرِ حجاز، از جناب خطیب قادر بادشاہ صاحب متخلص بہ بادشاہ مرحوم نے ۱۹۰۶ء میں حرمین شریفین کا جو سفر کیا تھا اس کے حالات وہ مراسلات کی صورت میں مخبرِ دکن مدراس کو روانہ کرتے رہتے تھے، بعد کو انھوں نے یہی مراسلات بہ ترمیم و اصلاح سفرنامے کی صورت میں شائع کر دیں اور ہمارے سامنے اس سفرنامہ کا دوسرا اڈیشن ہے، اب اگرچہ حجاز کی زمین و آسمان بالکل بدل گئے ہیں اور اس سرزمین مقدس میں بہت سے سیاسی و مذہبی انقلابات رونما ہو چکے ہیں، اس لئے اس پرانی داستان میں کوئی لطف باقی نہیں رہا، تاہم سفرِ حج کے جو سادہ حالات انھوں نے خلوص و صداقت سے بلا تصنع و تکلف لکھے ہیں وہ موثر ہیں، بالخصوص موقع بموقع ان کے چند اشعار اور بھی زیادہ دلچسپی پیدا کرتے ہیں، لکھائی چھپائی متوسط، ضخامت ۲۰۳ صفحے قیمت ۸ر نمبر ۵، گوڈون اسٹریٹ مدراس، خطیب محمد عبد الرشید سے مل سکتی ہے،

التحقیق الحسن فی اثبات التقمیص فی التکفین، مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب اختلافی مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسائل اکثر لکھا کرتے ہیں، انھوں نے اس رسالہ میں آثار و احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعین میں کفن میں قمیص دینے کا رواج تھا، اور اس پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہیں ان کے جوابات دیئے ہیں، رسالہ کے دیکھنے سے مصنف کی تحقیق و وسعت معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے، لکھائی چھپائی متوسط، ضخامت ۷۱ صفحہ قیمت و پتہ درج نہیں،

ہدایۃ المنطق، علم منطق فرنگی محل کے فضل و کمال کا ہر دور میں جزو کمال رہا ہے، جناب مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی افسر مدرس مدرسۂ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نے اس سنت دیرینہ کو اس دور میں زندہ کیا ہے، منطق کے مسائل کو اردو میں نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اور اصطلاحات منطقیہ کی پیچیدگیوں سے عموماً احتراز کیا ہے، تاکہ بچوں کو مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہو، لیکن باوجود اس اختصار کے منطق کے تمام ضروری مسائل اس رسالے میں آگئے ہیں، امید ہے کہ مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، ضخامت ۷۰ صفحہ، قیمت درج نہیں، مصنف سے معلوم ہو سکتی ہے

التقوالاجلیس فی الصلات الفعلیہ، عربی زبان مین بہت سے افعال کسی حرفِ جر کے ذریعہ سے متعدی ہوتے ہین جن کو اس فعل کا صلہ کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ ان افعال اور ان حروف کے مواقعِ استعمال کا علم تمام تر تتبع و استقراء پر موقوف ہے، اس لئے جن کی نظر وسیع نہین ہوتی وہ ان افعال کے صلات مین اکثر غلطیان کرتے ہین، اسی غرض سے مولوی محمد طیب کی مرحوم نے اس رسالہ مین اصولاً تمام افعال کے صلے بتائے ہین، اور اشعار و امثلہ سے اُن کی توضیح کی ہے، ادبا، بالخصوص طلبہ کے لئے وہ بہت مفید ہے، تقطیع خورد، ضخامت ۲۱۱ صفحہ، قیمت ۱۲، پتہ دار شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

جامع عثمانی، تقریباً ہر ملک اور ہر شہر کا قبلہ اور ان کے اوقاتِ نماز مین اختلاف ہوتا ہے، اس لئے اوقاتِ نماز کی صحیح تعیین ایک مذہبی خدمت ہے، اور مولوی محمد عبد اللہ صاحب اختر مدراسی نے جو علم ہیئت کا عمدہ ملکہ رکھتے ہین اس کتابچہ کے ذریعہ سے حیدر آباد دکن اور اس کے تعلقات کے متعلق یہ خدمت انجام دی ہے، اور اس اسلامی ریاست کے تمام نقشون کیلئے اوقاتِ نماز کی الگ الگ جدول بنادی ہے جو ۵۰ صفحات مین آئی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس اسلامی ریاست کے طول و عرض مین اس کی پابندی سے مسلمانون کے ایک اہم فریضۂ مذہبی پر ٹھیک مذہبی ہدایات کے مطابق عمل ہوسکے گا، لکھائی چھپائی معمولی قیمت اور پتہ درج نہین،

احمد خان دعزیزہ، یہ ایک ناول ہے جس کو آقا محمد کرمانی بی اے مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ متعلق بہ نظام کالج حیدر آباد دکن نے جدید فارسی زبان مین لکھا ہے، اور قصے کی دلچسپی کے ساتھ بعض اخلاقی نتائج بھی نکالے ہین جو لوگ قصص و حکایات کی چاشنی کے ساتھ جدید فارسی محاورات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ ناول مفید ہوگا ضخامت ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ مصنف سے مل سکتا ہے،

پسِ پردہ، یہ جناب آغا حیدر دہلوی کے ان چند مضامین کا مجموعہ ہے جو دلی کی زنانہ زبان اور زنانہ لب و لہجہ مین لکھے گئے ہین، قدیم زمانہ مین ریختی جو اردو شاعری کی ایک صنف ہے، زنانہ محاورات اور زنانہ زبان کے تحفظ کا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانہ مین ریختی کے غیر سنجیدہ خیالات نے اس کو بالکل تہذیب و شائستگی کے درجہ سے گرا دیا، اس لئے دورِ جدید مین گویا زنانہ زبان بالکل متروک ہوگئی، لیکن ان مضامین نے تہذیب و شائستگی کے ساتھ دوبارہ، تو ان کی

زبان کو زندہ کر دیا ہے، اور جو لوگ دہلی کی بیگمات کے محاورات سے واقف ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ مجموعہ بہت مفید ہوگا، اس مجموعہ میں بہت سے محاورات اور بہت سے الفاظ ایسے آگئے ہیں جن کو غیر زبان داں نہیں سمجھ سکتے، بہتر ہوتا کہ آخر میں ان کے حل کرنے کے لئے ایک فرہنگ لگا دی جاتی، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۰۲ صفحے تقطیع، قیمت ، پتہ: جناب عبد المقتدر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے مل سکتا ہے،

کتاب الہدیٰ، جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے کتاب الہدیٰ کے نام سے قرآن مجید کے متحد مضامین کو ان کے حوالوں کے ساتھ ساتھ یکجا کرنے کا جو کام شروع کیا تھا، اور جس کا مقدمہ کشاف الہدیٰ کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، اس کا پہلا حصہ اب شائع ہوا ہے، جس میں خدا کی ذات، صفات اور تمام اجزائے کائنات کی آفرینش کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیتوں کو یکجا کرکے ان کا ترجمہ اور ان کی شرح و تفسیر کی ہے، قدیم تفسیروں میں چونکہ ہر آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہے، اس لئے ان سے دل پر ایک مضمون کی تمام آیتوں کا جو مجموعی اثر پڑنا چاہئے عادۃً نہیں پڑتا، لیکن اس کتاب نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن مجید کے تمام مضامین و مطالب پر الگ الگ دفعۃً واحدۃً حاوی ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت ؟ پتہ: سیٹھ یعقوب حسن صاحب، میلاپور، مدراس،

گہوارۂ اردو، یہ کمسن بچوں کو اردو سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مؤلف مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی ہیں جنکو بچوں کی تعلیم کا اچھا خاصہ تجربہ بھی حاصل ہے، یہ رسالہ دو حصوں میں ہے، مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں کو ان کے گہوارہ ہی سے کچھ زبان سکھائی جائے جب بچہ اسی اصول پر انھوں نے اپنا یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ میں چھ ماہ کے بچہ سے لیکر جب وہ غوں غاں شروع کرتا ہے، بہ ترتیب چار سال کے بچہ کی زبانی تعلیم کے اسباق چھ چھ مہینے کے تفاوت سے لکھے گئے ہیں، ہر سبق میں اس کی عمر کی مناسبت کے الفاظ اور اسی مناسبت سے اس کی تدریجی ترقی کے سبق مصنف نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں جن میں زیادہ تر مفردات ہیں، دوسرے حصہ میں الف بے، اور فقرے اور عبارتیں ہیں، ہمیں امید ہے کہ کمسن بچوں کے والدین اس مفید جدت تعلیمی کو پسند کریں گے، قیمت ، پتہ: مصنف سے محلہ بیگم سرائے پورہ ضلع مونگیر،

رجسٹرڈ نمبر ا ۔ ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

دسمبر ۱۹۲۷ء

قیمت ۔/ہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

ارکان دار المصنفین

کی

خدمت مین گذارش،

سنہ ۱۹۲۶ء کے خاتمہ اور سنہ ۱۹۲۷ء کے آغاز مین ہم نے پانچ سو ایسے ارکان کے لئے قوم کے سامنے مرافعہ (اپیل) کیا تھا جو دار المصنفین کو بیس روپیے سالانہ دین، دار المصنفین اُن کی خدمت مین اپنا ماہوار رسالہ اور سال بھر کی مطبوعات پیش کریگا ہماری اس آواز پر دو سو شائقین علم نے لبیک کہا اور ۲۰ کے حساب سے اپنا روپیہ ادا کر دیا جس کی وجہ سے ہم اس قابل ہو سکے کہ دار المصنفین کے کتبخانہ کی تعمیر کرا سکین چنانچہ آپ کی رکنیت سے جو کچھ روپیہ وصول ہوا جس کی مقدار چار ہزار کے قریب ہے، وہ کل کا کل مع اصل سرمایہ کے اسی پر صرف ہوا چنانچہ اس وقت تک اس تعمیر پر آٹھ ہزار روپیے خرچ ہو چکے ہین، شاید دو ہزار اور خرچ ہون،

چھ ہزار کی زائد رقم ہم نے اس امید پر صرف کی ہے کہ سنہ ۱۹۲۸ء مین آپ کی رکنیت کی رقم اس کی تلافی کر دیگی، اس بنا پر ہماری درخواست ہے کہ وہ تمام اصحاب جنھون نے سنہ ۱۹۲۷ء مین رکنیت قبول فرمائی ہے، وہ سنہ ۱۹۲۸ء مین بھی قبول فرمائین، اور جنوری سنہ ۱۹۲۸ء مین یا تو بیس روپیے بذریعہ منی آرڈر بھیجدین، یا ہم کو بیس روپیے کی وی پی بھیجنے کی اجازت دین،

سنہ ۱۹۲۷ء مین ان کو دار المصنفین کی طرف سے حسب ذیل مطبوعات نذر کی گئی ہین اور کی جائین گی،

نام مطبوعات	رقم جو ادا کی گئی،	نام مطبوعات	رقم جو ادا کی گئی
۱۔ معارف	صہ	۲۔ نفسیات ترغیب	عاہ
۳۔ نیشنے	عہ	۴۔ خلفائے راشدینؓ	ہیر

۵۔ تاریخ فقہ اسلامی، زیر طبع ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحے، اور قیمت تخمینی للعہ

۶۔ مصارف ڈاک رجسٹری و پیکنگ برائے ارسال کتب، عاہ

اس طرح آپ کو سال کے آخر میں تقریباً ساڑھے سترہ روپیہ وصول ہو جائیں گے اور عہ آپ کے دفتر کے ذمہ نکلیں گے، آپ اتنی قیمت کی کوئی کتاب دفتر سے منگوا لیں، یا اس قیمت کو منہا کرکے کوئی بڑی کتاب منگوائیں اور بقیہ قیمت وی پی سے وصول کرنے کی اجازت دیں؛ آپ کے سامنے یہ دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں،

۱۹۳۳ء کی رکنیت کی اطلاع جلد مرحمت فرمایئے تاکہ آئندہ سال کے رجسٹر میں آپ کا نام درج کیا جائے، امید ہے کہ آپ ہماری اس درخواست کو قبول فرما کر ممنون فرمائیں گے،

مسعود علی ندوی
منیجر دار المصنفین
اعظم گڈھ

مجلد بستم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء | عدد ششم

مضامین

شذرات

اس نمبر پر یہ جلد تمام ہو جاتی ہے، جن صاحبون کا چندہ اس مہینہ ختم ہو گیا ہوگا، آیندہ جنوری کا پرچہ ان کے نام وی پی
ہوگا، جن صاحبون کو آیندہ خریداری منظور نہ ہو وہ اطلاع دیدین تو دفتر پر احسان ہوگا، بعض ایسے اصحاب بھی ہین جو پرچہ
خریدنا چاہتے ہین، مگر وی پی وصول ہونے پر ڈاکیہ کو دوسرے وقت اس کے لانے کی ہدایت کرتے ہین، مگر چونکہ ڈاک
کا ضابطہ صرف ایک ہی دفعہ ان کے پاس اس کے پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اس لیے وہ عموماً دوسری دفعہ نہین لیجاتا، یا
چند روز ڈاکخانہ مین امانت رہنے کے بعد وہ دفتر مین واپس آجاتا ہے، اور ان صاحبون کو دوبارہ وی، پی منگوانا پڑتا ہے
اس طرز عمل سے دفتر کو اور خریدارون کو دونون کو نقصان پہنچتا ہے، امید ہے کہ خریدار اصحاب اس طرز عمل کو بدل کر خود
اپنے کو بھی اور ہم کو بھی ممنون فرمائین گے۔

گذشتہ ماہ اکتوبر مین مدراس سے واپسی مین تقریباً دس برس کے بعد حیدرآباد میرا جانا ہوا، اور مسلسل ۲۰ روز تک وہان
رہنے کا اتفاق ہوا، اور اس قیام مین شہر کے ارکان و عمائد، اہل علم، اور اہل قلم اصحاب نے نمائندۂ دارالمصنفین کی جو قدر افزائی
کی، وہ اسکی توقع سے زیادہ تھی، ان دس برسون کے اندر حیدرآباد نے جو سب سے زیادہ شاندار ترقی کا منظر پیش کیا ہے
وہ اس کا **جامعۂ عثمانیہ** ہے، جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے توسل سے حیدرآباد مین تقریباً تمام ہندوستان کی روح
کھنچ کر آگئی ہے، جامعۂ عثمانیہ کی انجمن اتحاد کی تقریر مین مین نے ظرافتہً کہا تھا کہ ہم کو ہندوستان مین جو قحط رجال نظر آتا ہے
اس کی اصلی وجہ یہان آکر معلوم ہوئی، یعنی ہندوستان کے فضلا کا بڑا حصہ ہندوستان سے کھنچکر دکن مین آباد ہو گیا ہے،
اور ہندوستان خالی رہ گیا ہے، اس وقت میرے خیال مین جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے تعلق سے قدیم اور جدید

علوم کے ماہرین کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی، اس سے اعلیٰ حضرت فرمانروائے کشور دکن کی قدر دانی، مردم شناسی اور علم دوستی کا اندازہ ہوگا، داغ کا مصرع معنوی حیثیت سے اب موزون ہوا ہے،

حیدرآباد آجکل گلزار ہے،

لیکن اس خوشی کے ساتھ ایک غم بھی تھا کہ گو حیدرآباد کے آسمان مین سیکڑون ستارے چمک رہے ہین لیکن علم ودانش کا وہ آفتاب غروب تھا جو اس فظام شمسی کا مرکز تھا، یعنی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی مرحوم، مرحوم اب شہر سے باہر ایک پہاڑی کے دامن مین ایک لطیف وسبک بے سقف کی بارہ دری کے اندر استراحت فرما ہین، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتون سے سرفراز کرے،

اس بات مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین کہ جامعۂ عثمانیہ کی تجویز توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی، اور بالآخر اس طویل فکری مناظرہ کا کہ مغربی علوم وفنون کی تعلیم مادری زبان مین دی جاسکتی ہے یا نہین، اور اردو زبان اس قابل ہے یا نہین عملی استدلال سے فیصلہ ہوگیا، اور جامعۂ عثمانیہ نے ثابت کردیا کہ مادری زبان ہی مین تعلیم دماغی نشو ونما کے اصلی جوہر کو نمایان کرسکتی ہے، پروفیسرون اور استادون کو کیمیا، طبیعیات اور ریاضیات کے دقیق سے دقیق مسئلہ کو اردو اصطلاحات اور زبان مین تعلیم دیتے ہوئے دیکھکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ پر غیرمادری زبان اور مسئلہ کی دقت کا دوگونہ بار نہین پڑرہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی ہندوستان کو قومی تعلیم کا خیال آئیگا تو عثمانیہ یونیورسٹی ہی اس خیال کا سنگ بنیاد قرار پائے گی،

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ خوش قسمتی سے عثمانیہ یونیورسٹی کو ہر علم وفن کے لیے اچھے سے اچھے اور لائق سے لائق استاد جو اس بازار مین مل سکتے تھے میسر آئے ہین، اور اس حیثیت سے وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی سے کم

مرتبہ نہین ہے، بلکہ شاید وہ بہت سی سرکاری یونیورسٹیون سے اس بارہ مین بہتر ہو،

جامعہ کی بالفعل خود اپنی کوئی عمارت نہین، متعدد بڑی بڑی کوٹھیون اور کرایہ کی عمارتون کو جو اس پاس تھین کرایہ پر لیکر استعمال مین لایا جا رہا ہے، اور کہین کہین ان کو تھوڑے تغیر سے مصرف کے قابل بنا لیا گیا ہے اور بعض کمرے تو ایسے موزون بنگئے ہین کہ وہ بالکل بے جوڑ نہین معلوم ہوتے ہین، خصوصاً تجربہ گاہ، جو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اسی غرض کیلئے بنا ہے، تاہم اگر جامعہ کے لیے کوئی خاص عمارت بنجائے جو زیر غور ہے تو اس کی ظاہری شان وحیثیت بھی دوبالا ہوجائے،

کیمیا اور طبیعیات کے تجربہ گاہ بھی بہت کچھ ترقی یافتہ ہین، یہ سنکر خوشی ہوئی کہ طلبہ کی تعداد سال بسال آرٹس (فنون) کی جگہ علوم (سائنس) مین بڑھ رہی ہے، یہین کے تجربہ گاہ مین وہ نادر زمانہ چیز بھی دیکھنے مین آئی جس کو لوگ ریڈیم کہتے ہین، ایک مختصر کمرہ کو خاص اسی کے لیے موزون کیا گیا ہے، ہر طرف دروازہ بند کرکے اور بیرونی روشنی کی آمد کو سیاہ پردون سے روک کر جب کوٹھری بحر ظلمات بنائی گئی اور اس نور کا ٹکڑا ڈبیہ سے نکال کر جب آنکھ کے سامنے کیا گیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اندھیری رات مین سینکڑون چھوٹے چھوٹے تارے آسمان سے گر کر ادھر اودھر فضا مین پھیل رہے ہین،

جامعۂ عثمانیہ کا کوئی پہلو اگر قابل افسوس ہے تو وہ شعبۂ دینیات ہے، اس شعبہ مین ہندوستان کے بڑے بڑے فاضل استاد ہین، جنمین سے ایک بھی اگر ہندوستان کے کسی عربی مدرسہ کو میسر آجائین تو وہ اوسکی شہرت کے لیے کافی ہے، مگر یہان ہمدردی کی طرف طلبہ یا طلبہ کے اولیا، کا رجحان نہین، حالانکہ اعلیٰ حضرت نے اپنی خدمت دین پروری اور قدر شناسی کی وجہ سے اس شعبہ کے طلبہ کو حقوق ملازمت اور عزت سند مین وہی درجہ عنایت کیا ہے جو دوسرے

شعبون کے کامیاب طلبہ کو مرحمت فرمایا ہے، تاہم وہ مسلمان نہین، اس کو مسلمانون کی بدبختی کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے،

جامعۂ عثمانیہ کی تعلیمی کامیابی درحقیقت اس کے دار الترجمہ کی ممنونِ احسان ہے، یہی وہ شعبہ ہے، جس نے جامعہ کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ مادری زبان مین تعلیم کا اہم کام انجام دے، انگریزی، عربی، فارسی کے ضخیم اور دقیق تراجم کا کام یہان نہایت عمدگی سے انجام پا رہا ہے، یہان کے تراجم اگر اردو کتابون کے عام بازارون تک آجائین تو معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ سے اردو زبان کو کس حد تک مالا مال کر دیا گیا ہے، سیاسیات، طبعیات، ریاضیات، اخلاقیات، تاریخ اسلام، تاریخِ یورپ، تاریخ ہند، جغرافیہ، اور ہر علم و فن کی کتابین تیار ہو چکی ہین، اور تیار ہوتی جاتی ہین، اور اس وقت تک ایک سو کے قریب کتابین چھپ چکی ہین،

حیدرآباد کی علمی کوششون کا تیسرا میدان دائرۃ المعارف ہے جہان سے قدیم مشرقی کتابین چھپکر شائع ہوتی ہین، یہ دائرہ شاید آج سے تیس برس پہلے ملا عبد القیوم مرحوم اور نواب عماد الملک مرحوم کی کوششون سے وجود مین آیا، اور اس کے ذریعہ سے بہت سی قدیم و نادر عربی کتابین چھپکر شائقین علم کے ہاتھون تک پہنچین اور جنھون نے نسیم بہار بنکر حیدرآباد کی علم دوستی کی خوشبو چار دانگ عالم مین پھیلادی، اس وقت دائرہ مین ایسے محنتی اور جفاکش اور لائق کارکن اور مصححین موجود ہین، جو اپنے کام کو فرض شناسی کے ساتھ انجام دے رہے ہین، یہ افسوس ہے کہ دائرہ کی حیثیت ایک غیر سرکاری مجلس کی ہے، اور اس کا مطبع بھی اپنی حیثیت سے فروتر ہے، اور قلتِ سرمایہ کے باعث کام کرنے والون کا معاوضہ بھی اتنا نہین کہ وہ ایسے گران شہر مین فارغ البالی اور اطمینان سے کام کرسکین، گدائے گوشہ نشین کی یہ رائے، رموز مملکت مین مداخلت تو نہ سمجھی جائے گی کہ مجلس اشاعۃ العلوم نظامیہ اور دائرۃ المعارف کو ایک کر دیا جائے، تاکہ دونون کام ایک نظام مین منسلک ہوجائین اور دونون کو فائدہ پہنچ سکے،

کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کی علمی عمارت کا چوتھا ستون ہے، ہمارے خیال میں کتابوں کی کثرت، نوادر کی کثرت، قلمی کتابوں کی کثرت، فائدہ اٹھانے والوں کی کثرت، استفادہ کی سہولت اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے تمام مشرقی کتب خانوں سے بہتر ہے، دس برس کے بعد اس کو اب دیکھنے کا اتفاق ہوا، کتابیں بڑھتی جاتی ہیں، ضرورت ہے کہ نئی جدید فہرست نئے اسلوب پر تیار کیجائے، موجودہ ناظمِ کتب خانہ نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے، مگر یہ نہایت اہم، اور دقتِ نظر کا کام ہے، اس کے لیے خاص توجہ درکار ہے۔

--- .. ---

امسال **ندوۃ العلماء** کا سالانہ اجلاس امرتسر میں تھا، نومبر کی ۲۵-۲۶-۲۷ تاریخیں اس کے لیے مقرر تھیں، جناب مولانا غلام حسین صاحب وزیرامورِ داخلیہ و وزیرِ تعلیمات ریاست بہاولپور اس کے صدر تھے، جلسہ میں علماء اور تعلیم یافتہ اصحاب اور عام مسلمان شریک تھے، ریاست بہاولپور کو ندوۃ العلماء سے اس کے آغازِ کار سے جو تعلق رہا ہے مولانا مرحوم کی صدارت نے اس کو اور بھی مستحکم اور ناقابلِ شکست بنا دیا، دارالعلوم کی درسگاہ کی عمارت تمامتر اسی ریاست کی ایک شاہی خاتون کی مرہونِ منت ہے، ہماری امید تھی کہ اس درسگاہ کا ناتمام حصہ بھی اسی ریاست اسلامیہ کے دستِ جود وسخا سے انجام کو پہنچے، چنانچہ اس اجلاس میں جناب معلی القاب ہز ہائنس فرمانروائے ریاست بہاولپور خلد اللہ ملکہ کی طرف سے پندرہ ہزار کی گرانقدر امداد مرحمت فرمائی گئی، ہز ہائنس کی اس توجہ و التفات شاہی سے متاثر ہو کر ریاست عالیہ کے ارکان و عمائد نے بھی دس ہزار کی رقم فراہم کی، اور ریاست کی طرف سے دارالعلوم کے صیغۂ وظائف میں تین سو سالانہ کی جو رقم عنایت ہوئی تھی، وہ بڑھا کر پانچسو سالانہ کر دی گئی۔

--- ---

جہانتک مسلمانانِ شہر کا تعلق ہے، جلسہ کے اہتمام، حسنِ انتظام اور مہمان نوازی کے مصارف کے علاوہ ان سے خود ندوہ کو مالی امداد ان کی حیثیت سے کم ملی، جلسۂ عام میں دو ڈھائی ہزار کا عام چندہ ہوا، مگر اس کی تلافی کا وعدہ جنوری میں کیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار کی مزید رقم اس مہینہ میں جمع کیجائے گی، اور کانپور

ندوۃ العلماء اس ایفائے عہد کے لیے چشم براہ ہیں،

اس اجلاس کا معنوی حاصل یہ رہا کہ یہ طے پایا کہ دار العلوم میں مدرسین اور مبلغین کی تیاری کے لیے دو درجے کھولے جائیں، بڑی مشکل یہ ہے کہ نئے مدرسے جو نئے انداز پر کھل رہے ہیں، ان کے لیے لائق مدرسین نہیں ملتے اور روز بروز تدریس کا فن کم ہو رہا ہے، اسی طرح لائق اور قابل مبلغین کا قحط ہے، میری طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی، اور اس پر ایک گھنٹہ تک تقریر کا سلسلہ جاری رہا، ہم کو خوشی ہے کہ حاضرین نے اس ضرورت کا اعتراف کیا، اور اس کے لیے مسرت کیساتھ آمادگی کا اظہار کیا، تجویز تھی کہ ہونہار اور مستعد طلبہ کو اس کام کے لیے دو دو برس کے لیے پنتیس پنتیس روپیے تک کے وظیفے دیئے جائیں، اور ان کو دار العلوم میں تدریس و تبلیغ کی تعلیم دیجائے، چنانچہ اب تک اس شعبہ میں جن صاحبوں نے مالی امداد کا وعدہ فرمایا وہ حسب ذیل ہیں۔ ساہوکار جمال محی الدین صاحب مدراس ۳ وظیفے، مولانا غلام حسین صاحب صدر اجلاس و وزیر داخلیہ و تعلیمات بہاولپور ۱ وظیفہ، جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی ۱ وظیفہ، جناب حاجی نظام الدین صاحب ناظم مالیات حمایت اسلام لاہور، ۱ وظیفہ، مسلمانان ہوشیار پور ۱ وظیفہ، جناب منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد، ۱ وظیفہ، انجمن اسلامیہ امرتسر ۱ وظیفہ، دار العلوم کے فارغ التحصیل طلبہ جو اس درجہ میں داخل ہونا چاہیں، اپنی درخواستیں معتمد تعلیمات دار العلوم کے پاس بھیج سکتے ہیں،

حسب دستور، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کی دلگداز اور مؤثر تقریر جلسہ کی روح تھی، دار العلوم کے طلبہ نے عربی اور اردو میں جو تقریریں کیں وہ نہایت حوصلہ افزا تھیں، مولوی عبد الرحمان کاشغری کا عربی قصیدہ، اور محمد اکبر اور نجم الدین طالب علم کی تقریریں بہت پسند کی گئیں، اور ان کو انعامات دیے گئے، بعد میں فارغ التحصیل طلبہ، مولوی عبد الرحمان کاشغری، مولوی قاری محمد منیر لکھنوی، اور مولوی عتیق احمد بھاگلپوری کو سند فراغ دیگئی،

اور نسرے جمعیۃ العلماء کے اجلاس سالانہ کی شرکت کے لیے پشاور، عمر مین پہلی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا،
جمعیۃ العلماء سرحد کے اجلاس کے حالات اور تجویزین اخبارات مین شایع ہو چکی ہین، مولانا انور شاہ صاحب کا خطبۂ صدارت اپنی جامعیت اور بصیرت افزائی کے سبب سے لائق توصیف تھا، اجلاس مین صوبۂ سرحد کے بہت سے علماء شریک تھے، عام سرحدی مسلمان بھی بکثرت شریک تھے، تجویزون مین اہم چیزین ان رسوم و بدعات کے منانے اور چھوڑنے کی ہدایت تھی جو خاص طور سے صوبۂ سرحد اور افغانی مسلمانون مین جاری ہین، نیز مدارس اسلامیہ کے نصاب مین اصلاح اور جدید مسائل کے تصفیہ کے لیے علماء کی ایک مجلس کا تقرر، نیز صوبۂ سرحد مین ایک عربی درسگاہ کا قیام،

پشاور مین علمی اور تعلیمی حیثیت سے کوئی چیز قابلِ ذکر ہے تو وہ دار العلوم یعنی اسلامیہ کالج ہے، شہر سے چار پانچ میل باہر پشاور اور جمرود کے بیچ مین واقع ہے، وسیع عمارتین ہین، درسگاہین ہین، دار الاقامے ہین، کتبخانہ ہے، مسجد ہے، طلبہ کی بھی خاصی تعداد ہے، کئی سو لڑکے ہین جنہین خاص صوبۂ سرحد کے علاوہ بعض آزاد علاقون کے لڑکے بھی ہین، اس کالج کے متعلق مخالف و موافق دو رائین ہین جنمین سے ایک یہ ہے کہ یہ جاہل پٹھانون کو متمدن اور مہذب بنانے کی مشین ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بہادر اور آزاد پٹھانون کو غلام اور نامرد بنانے کا مہذب ذریعہ ہے، لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس تعلیم جدید سے قومیت کا احساس زندہ ہو رہا ہے، اور پھر ایک ایسی قوم مین یہ احساس جو مذہب، زبان اور نسل مین بالکل متحد اور ایک ہے . . . .

اسلامیہ کالج کا شرقی کتبخانہ بھی قابل قدر ہے، تقریباً اردو و فارسی نادر کتابون کا خاصہ ذخیرہ اوسکی الماریون مین ہے، اور اتفاق سے اوس کو ناظم بھی ایک لائق اور شائقِ علم عالم میسر آگیا ہے، قلمی کتابون مین بعض کتب دکھیا گئی ایک دو حدیث کی اور بعض دوسرے علوم کی نادر کتابین ہین، بعض نامور مصنفین کی تحریرین بھی ہین، اکتابین بھی سلیقہ سے

مرتب ہوگئی ہین، کتبخانہ کی چھپی ہوئی مفصل فہرست بھی شائع ہو چکی ہے،

صوبۂ سرحد مین مسلمانون کی تعداد تقریباً ۲۲ لاکھ ہے، اٹک کے مشہور دریا سے جہان اوس پار ہوئے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ زمین اور آب و ہوا بدل گئی، اور زبان پنجابی کے بجائے پشتو ہوگئی، یہ دریائے اٹک گویا ہندوستان کی طبعی حد ہے، دریا پر پرانے بادشاہون کے قلعے کے آثار ریل سے نظر آتے ہین، ریلوے پل پر آہنی پھاٹک اور مسلح سنتریون کا پہرہ بتاتا ہے کہ باب الہند شروع ہوگیا، پشاور سے دس بارہ میل پر جمرود آتا ہے، یہ بالکل درۂ خیبر کے دہانہ پر آباد ہے، مشہور درۂ خیبر کا ذکر تاریخون مین ہزارون بار پڑھا تھا، مگر ہندوستان کے اس پہاڑی پھاٹک کو دیکھنے کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا، جمرود سے لنڈی خانہ تک ۳۰ میل کی مسافت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو پہاڑون کے بیچ مین بیس میل کی ایک گلی ہے، جو افغانستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے افغانستان کو ملاتی ہے، مشہور مسجد علی جو کبھی ہندوستان اور افغانستان کی سرحد تھی، دو گز سے زیادہ بڑی مسجد نہ ہوگی، اور اس مقام پر اس قدر کم چوڑا راستہ ہے کہ اگر پہاڑ پر پچاس آدمی بھی ہون، تو وہ بڑی سی بڑی فوج کا راستہ بھی روک دین، حکومت برطانیہ نے اس تمام راستہ پر پورا دخل پا لیا ہے، اور تین قسم کے راستے اس مین نکال دیئے ہین، ایک کاروان کے لیے پرانا رستہ، دوسرا نہایت عمدہ راستہ موٹرون کے لیے اور تیسری ریلوے لائن، اور اونچی پہاڑیون پر مورچے بنائے ہین، پہاڑون کے داہنے بائین، اور بیچ بیچ آفریدیون، محسودیون، شنواریون وغیرہ کے مکانات اور کچے قلعے ہین، ہر چہار دیواری بجائے خود ایک قلعہ اور ایک خان کی حکومت ہے، اگر کسی دن یہ پوری قوم داعی قوم بجائے تو کیا ہو، اس کا سمجھنا آسان نہین،

مقالات

القضاء الاسلامی

۲

(از مولانا عبد السلام صاحب ندوی)

مقدمات فوجداری: اگرچہ خود عہد رسالت ہی میں ایک صحابیؓ کا تقرر بحیثیت افسر پولیس کے ہو چکا تھا، لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قائم ہوا، اور بعد میں اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث"، "والی مظالم"، "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبوں سے ممتاز ہوتے رہے، جن کے فرائض میں مختلف جرائم کی سزاؤں کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام، اور مجرمین کی سرکوبی شامل تھی، اور فوجداری کے جن مقدمات میں شہادت یا اقرار کا وجود نہیں ہوتا تھا، ان کا فیصلہ بھی انہیں افسروں سے متعلق تھا۔[۱]

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائیں اسلام نے مقرر کردی ہیں، اور بھی متعدد مذہبی، اخلاقی اور تمدنی جرائم ہیں جن کی اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے، اور عادةً عدالتوں میں کوئی شخص ان کے متعلق مرافعہ نہیں کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ اور وزن میں کمی کریں، کھانے پینے کی چیزوں میں مضر یا ناجائز چیزیں ملائیں، یا ناجائز چیزوں کی تجارت کریں تو گو اسلام میں ان کی کوئی سزا مقرر نہیں ہے، اور عام طور پر ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہیں ہوتے،

---

۱ الاحکام صفحہ ۱۰۵، ۲۱۸

لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی نہ کیجائے تو مذہب، اخلاق، اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائیں، اس لیے اس ضرورت کے لیے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جسکی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے مین ہوئی، اور انھون نے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عبداللہؓ اور حضرت سائبؓ کو مقرر کیا[1]، لیکن بعد کو چل کر احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہوگیا، اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہوگئے، کہ ان پر مستقل کتابین لکھی گئین، اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم مین اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے، بہرحال اسلام مین یہ صیغہ پولیس کے صیغے سے الگ تھا، اور ان جرائم پر سزا دینا، اونکی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض مین داخل تھا، لیکن ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہین، اور وہ ان کی تحقیقات کے لیے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایکبار ایک صحابیؓ نے اپنے بعض فوائد کے لیے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلعم کے خلاف ایک خط لکھا، اور اس کو ایک مشرکہ عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے، جنھون نے تعاقب کرکے اس کو گرفتار کیا، لیکن جب اس نے خط کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو ان لوگون نے دھمکی دی، کہ اگر تم نے خط واپس نہین کیا تو ہم تم کو برہنہ کردینگے، مجبوراً اس نے کمر سے خط نکال کر ان کے حوالہ کیا[2]۔

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے تعلق تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے، اور اس کے برخلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہوجاتی ہے[3]۔

(۲) انکشاف جرائم مین وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے، مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کرکے خود تمام غلامون مین جاکر سو رہا، معتضد نے تحقیقات شروع کی، تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا، چنانچہ اس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی جس نے

---

[1] موطائے امام مالک کتاب البیوع، [2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدراً، [3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۹،

نے کلب قتل کیا تھا، چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کر دیا اور اس کو سزائے قتل دی[1]،

(۳) وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے، اور رسول اللہ صلعم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے[2]، البتہ زمانۂ حراست کی مقدار مین اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک اسکی مدت صرف ایک مہینہ ہے، اور بعضون کے نزدیک اسکی کوئی تعیین نہین ہے بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کر سکتا ہے[3]،

پیروی مقدمات | اسلام مین اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمہ کی پیروی کرائی جاسکتی ہے لیکن یہ پتہ نہین چلتا کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ مین بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہین؟ بعض کتابون مین ہے کہ امام شافعی کے معاصرین مین یحییٰ بن ابان جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو ان کے پاس دو بھائی آئے، جو مقدمات مین وکیل ہوا کرتے تھے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور وہ کوئی بدعت نہین ہے[4]،

فیصلہ | ان تمام مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہین،

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ مین جس چیز کے متعلق نزاع ہے اسکی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا،

(۲) اور ان حالات کے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا،

اور اسلام مین ان دونون مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے ہین، مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کے پتہ لگانے کے لیے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ مدعی ایک ایسا دعویٰ کر رہا ہے، جو ظاہری حالات کے مطابق نہین ہے، اس کے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے، مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضے مین ہے، اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہین ہے، لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے، بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے، ایسی حالت مین انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اس کے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے، لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کر سکے، تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت

[1] الطرق الحکمیہ ص۱۱ [2] ص ۱۰۲ [3] ص ۱۰۱ [4] المقارنات والمقابلات ص ۵۱ - ۵۲

ہی کو سند قرار دے رہا ہے شہادت کے بجائے صرف حلف لیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی مشروعیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے،

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء	اگر لوگوں کو حقوق صرف ان کے دعوی کرنے سے دیئے جائیں
رجال واموالھم ولکن البینۃ علی المدعی	تو بہت سے لوگ لوگوں کے جان و مال کے مدعی ہو جائیں اس لیے
والیمین علی المدعی علیہ[1]	مدعی پر گواہ کا لانا فرض ہے، اور مدعا علیہ پر حلف،

اب اس حدیث کی رو سے اسلام میں مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد دو چیزوں یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے اور ہم ان دونوں چیزوں پر بہ تفصیل بحث کرتے ہیں۔

شہادت اس زمانے میں شہادت بہت زیادہ شرائط کی پابند نہیں ہے، لیکن اسلام نے شاہد کے لیے ایسے اوصاف ضروری قرار دیے ہیں جن سے انصاف و صداقت کا ظن غالب پیدا ہو، اور وہ اسکو لوگوں کی نگاہوں میں عام طور پر مقبول و برگزیدہ بنا سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

ممن ترضون من الشھداء	وہ گواہ جن کو تم پسند کرتے ہو،
واشھدوا ذوی عدل منکم،	اور اپنوں میں سے دو عادلوں کو گواہ بناؤ،

اس لیے جو لوگ ان اوصاف سے متصف نہیں ہیں وہ حق شہادت سے محروم کر دیئے گئے، اور رسول اللہ صلعم نے ان کی نسبت ارشاد فرمایا ہے،

لاتجوز شھادۃ خائن ولاخائنۃ ولازان ولازانیۃ[2]	خائن اور زانی مرد اور خائنہ اور زانیہ عورت کی شہادت جائز نہیں ہے۔

اور جو لوگ کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگا کر اس کو ثابت نہیں کر سکتے ان کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا

[1] صحیح مسلم میں ولکن البینۃ علی المدعی کا فقرہ نہیں ہے، لیکن بیہقی وغیرہ نے باسناد صحیح اس فقرے کی روایت کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی روایت کو لیا ہے، [2] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ،

ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا؛ واولٰئک ھم الفاسقون	ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو اور وہ لوگ فاسق ہیں بجز
الا الذین تابوا الخ،	ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی،

زنا، اور تہمت زنا ایک ہیں، اور دوسرے کبائر بھی داخل ہیں،

یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں جھوٹی شہادتوں کا رواج نہیں ہوا اور بعد میں بھی لوگ اس کو اس قدر اہم چیز خیال کرتے تھے کہ جھوٹی شہادت تو الگ بچوں تک کو شہادت دینے سے منع کرتے تھے، چنانچہ

قال ابراہیم کانوا ینھوننا ونحن غلمان عن العھد والشھادات؛	ابراہیم کہتے ہیں کہ بچپن میں لوگ ہم کو شہادت اور معاہدہ سے منع کرتے تھے،

لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجیئ قوم یبتدر شھادۃ احدھم یمینہ ویبتدر یمینہ شھادتہ	سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھران لوگوں کا جو ان کے بعد ہونگے (یعنی تابعین کا) پھران لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے (یعنی تبع تابعین کا) اس کے بعد ایک ایسی قوم آئیگی کہ ان میں ہر شخص کی شہادت اسکی قسم سے، اور اس کی قسم، اسکی شہادت سے سابقت کرے گی،

پھر جب یہ نامبارک زمانہ آیا تو قضاۃ اسلام نے شاہدوں کی تعدیل کی یعنی سرا و علانیۃ لوگوں کے ذریعہ سے شاہدوں کی عدالت، صداقت اور دوسرے اخلاقی اوصاف کے متعلق جانچ پڑتال کرنا شروع کی، لیکن چونکہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اسکی نظیر قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے اول اول جب قاضی شریح نے خفیہ طور پر شاہدوں کی اخلاقی تحقیقات کی تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ "احدثت" یعنی آپ نے یہ نئی بات پیدا کی

---

۱ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۱۵ ۲ مسلم کتاب المناقب ۳ ایضاً

مگر انھون نے خود اسی اعتراض کو جواب کے قالب مین بدل کر کہا کہ "احد ثوا فینفی لوگون نے بھی تو نئی نئی باتین پیدا کر لی ہین" لیکن بااینہمہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ

المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدود فی القذف، بجز اس شخص کے جس کو تہمت زنا کے لگانے کی وجہ سے سزا دیگئی ہو تمام مسلمان شہادت دینے مین عادل ہین،

اس لیے فقہاء کے نزدیک قاضی کو صرف گواہون کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنی چاہیئے، اور اس کے چال چلن کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہین کرنی چاہیئے۔ البتہ فوجداری کے مقدمات مین چونکہ قاضی کا یہ فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ملزم کے بری کرنے کی کوشش کرے، اس لیے وہ اس سلسلے مین گواہون کی چال چلن کے متعلق بھی جانچ پڑتال کر سکتا ہے، لیکن اگر فریق مقدمہ خود گواہ پر کوئی الزام لگائے تو خفیہ وعلانیہ دونون طریقون سے اس کے چال چلن کی جانچ پڑتال قاضی کے فرائض مین داخل ہو جاتی ہے۔ بلکہ امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک فوجداری اور دیوانی دونون قسم کے مقدمات مین قاضی کو گواہون کے چال چلن کی جانچ کرنی چاہیئے،[1]

بہرحال جب زمانہ مابعد مین عہد صحابہؓ کی طرح گواہون کی ثقاہت، اور عدالت پر اعتماد نہین رہا، تو قضاۃ اسلام نے ان کے چال چلن کے متعلق جانچ پڑتال شروع کر دی، چنانچہ مصر مین ایک زمانہ تک یہ رواج تھا کہ جب کوئی اچھا شخص شہادت دیتا تھا تو وہ بلاچون وچرا قبول کر لیجاتی تھی ورنہ اس کو مردود کر دیا جاتا تھا، اور اگر اس کی عدالت و ثقاہت غیر معلوم ہوتی تھی تو اس کے متعلق اس کے پڑوسیون سے پوچھ لیا جاتا تھا، اور وہ اس کی برائی، اور بھلائی جو کچھ بیان کر دیتے تھے اس پر عمل کیا جاتا تھا، لیکن جب جھوٹی شہادتون کا بہت زیادہ رواج ہوا تو قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ منصور کے زمانے مین خفیہ طور پر گواہون کے چال چلن کی جانچ پڑتال شروع کی، اور اس کے بعد اس کا عام رواج ہو گیا،[2]

یہ احتیاط تو ان گواہون کے متعلق تھی جو عام مقدمات مین شہادت دینے کے لیے پیش کئے جاتے تھے، لیکن مقدمات کے سلسلے الگ وقت و قیمت

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹ [2] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۵ [3] کتاب الولاۃ الکندی صفحہ ۳۶۱،

اور دستاویز وغیرہ پر جن گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی ان کے متعلق اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا اور چند ثقہ لوگ اس کے لیے مخصوص کرلیے گئے، چنانچہ بغداد میں سب سے پہلے قاضی اسمعیل مالکی نے اس قسم کی شہادتوں کے لیے ثقات کی ایک جماعت کو مخصوص کردیا اور دوسرے لوگوں کے لیے اسکی ممانعت کردی اور کہا کہ اب لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہوگئی ہے، اور شہادت کی باضابطگی اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے[1] اگرچہ بعد کو اس طریقہ کے رائج کرنے میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں، کیونکہ اس طریقہ سے اور لوگ اپنے ایک اخلاقی اور تمدنی حق سے محروم ہوجاتے تھے، اور در پردہ گویا ان کی اجازت پر حملہ ہوتا تھا، تاہم قضاۃ اسلام نے ان تمام مشکلات کی کچھ پروا نہیں کی، اور اس طریقہ کو نہایت عزم و استقلال کے ساتھ قائم رکھا، چنانچہ قاضی محمد بن مسروق جب مصر میں آئے اور وہاں ثقات کی ایک جماعت کو ان معاملات کی شہادت کے لیے مخصوص کیا تو لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے لیکن انھوں نے بھی ان کا مقابلہ کیا[2] قاضی مفضل بن فضالہ نے اس قسم کے گواہوں کی تعداد کو محدود کیا تو لوگوں پر سخت گران گذرا، اور اسحاق بن مفضل نے چند اشعار میں ان کی ہجو کی، چنانچہ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

> میں صبح تک خدا سے دعا کروں گا کہ تجھکو ایک لاغر کتا بنادے، تو نے ہمارے فیصلے میں ظالمانہ طریقہ اختیار کیا، اور گواہوں کی ایک جماعت کو ثقہ بنادیا، گذشتہ زمانے میں لوگوں نے یہ نہیں سنا تھا کہ ثقہ صرف چند آدمی ہیں[3]،

قاضی عمری نے اہل مدینہ میں قریش اور انصار وغیرہ کے آزاد شدہ غلاموں میں سے اس مقصد کیلئے سو آدمیوں کو منتخب کیا، اور مطرفی کو ان کا سردار بنایا تو بعض شعراء نے ان گواہوں کی ہجو لکھی[4] لیکن باایں ہمہ مشکلات اس تعیین و تحدید میں روز بروز زیادہ باقاعدگی اور باضابطگی پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ قاضی عبدالرحمان العمری

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۱۰۸، [2] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۸۹، [3] ایضاً صفحہ ۳۰۷،
[4] ایضاً صفحہ ۳۹۶،

نے سب سے پہلے ان گواہون کا نام باقاعدہ طور پر ایک رجسٹر مین درج کیا اور ان کے بعد اور قاضیون نے بھی اس کی تقلید کی[۱]، اگرچہ اس قسم کے گواہ نہایت ثقہ اور معزز لوگون مین سے انتخاب کیے جاتے تھے، چنانچہ جب قاضی عیسیٰ منکدر کے زمانے مین عبداللہ بن حکم نے جو اس جانچ پرتال پر مقرر کیا گیا تھا، عام بازاری لوگون کو عادل قرار دیکر گواہ بنا دیا تو بعض لوگون نے اس پر سخت اعتراض کیا[۲]، لیکن بایں ہمہ اس قسم کے ثقہ لوگون کی اخلاقی حالت مین بھی تغیرات ہو سکتے تھے، اس لیے قاضی لہیعہ بن عیسیٰ نے ہر چھ مہینہ کے بعد ان کی جانچ پرتال بھی شروع کر دی، اور ان مین جس شخص کو ناقابل اعتبار پایا، ان کو شہادت سے روک دیا[۳]،

مختلف فیہ شہادتین

اسلام نے شہادت کے لیے عقل، بلوغ، واقعہ کی یادداشت، گویائی، اسلام، عدالت، مروت اور غیر متہم ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لیے بظاہر دیوانے، نابالغ، گونگے، کافر اور فاسق یعنی بدکار لوگون کی شہادت قابل اعتبار نہین ہو سکتی، لیکن دیوانون اور گونگون کو چھوڑ کر بچون، کافرون، بدکارون کی اور اس قسم کے اور بھی بہت سے لوگون کی شہادت کے متعلق مباحث و اختلافات موجود ہین،

بچون کی شہادت

مثلاً امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ انھون نے بچون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا ہے، لیکن ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر بچے ہوشمند ہون اور ان مین شہادت کے اور تمام متذکرۂ بالا شرائط پائے جائین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اگر بچے آپس مین ایک دوسرے کے جسم و جان کو نقصان پہنچائین، اور موقع واردات سے منتشر ہونے سے پہلے ہی شہادت دین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک بار چھ لڑکے ایک ساتھ تیرنے کو گئے جنین ایک ڈوب گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، تو تین لڑکون نے دو لڑکون کے متعلق شہادت دی کہ انھون نے اس کو ڈبویا ہے، اور دو نے تین لڑکون کی نسبت اسی قسم کی شہادت دی تو

---

[۱] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۹۴،

[۲] ر صفحہ ۳۶۴، [۳] ر صفحہ ۳۲۴،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین لڑکیون سے دو خمس اور دو لڑکون سے تین خمس دیت دلوائی، قاضی شریح[1] کا قول ہو کہ اگر وہ متفقہ طور پر شہادت دین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، لیکن اگر باہم اختلاف کرین تو ان کی شہادت کو قبول نہین کیا جا سکتا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے گواہون کی نسبت فرمایا۔

ممن ترضون من الشہداء (وہ گواہ جنکو تم پسند کرتے ہو)

اور بچے ان لوگون مین شامل نہین ہین جنکو ہم شہادت کے لیے پسند کرتے ہین لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر بچون سے شہادت کی خواہش کیجائے، تو وہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزون ہین لیکن اسی کے ساتھ ان کے نزدیک وہ اسوقت شہادت کے قابل ہو سکتے ہین جب مصیبت کی آزمائش مین اپنے ہوش و حواس کو بجا رکھکر ثابت قدم رہ سکین اور فقہائے اسلام نے انھین کے قول کو قبول کیا ہے، لیکن بچون کی شہادت کیلئے اور بھی بہت سے شرائط لازمی ہین، مثلاً وہ مرد، آزاد اور مسلمان ہون اور ان مین واقعہ کے سمجھنے کی صلاحیت پائی جائے، ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو، ان کی شہادت مین اتفاق ہو، اختلاف نہ ہو، ایک دوسرے سے منتشر ہوکر گھرون مین چھپ نہ گئے ہون، ان کی شہادت باہم ایک دوسرے کے مقابل مین ہو، اور صرف باہمی قتل یا مارپیٹ کے مقدمات کے متعلق شہادت دین، کیونکہ شریعت نے بچون کے لیے تیراندازی، کشتی، اور تمام فوجی کرتبون کی تعلیم ضروری قرار دی ہے، اور ان کو ننگ و عار سے غیرت دلائی ہے اور بھاگ جانے کو شرمناک فعل قرار دیا ہے، اس لیے جب کبھی وہ تنہا ہوتے ہین تو لازمی طور پر باہم زدوکوب کرتے ہین، ایسی حالت مین اگر ہم اس قسم کے مقدمات کے متعلق ان کی شہادت قبول نہ کیجائے تو ان کے خون کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، حالانکہ شریعت نے انسان کے جانی نقصانات کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ہے[2]

کفار کی شہادت | کفار کی شہادت کی دو صورتین ہین،

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۵۲-۱۵۳-

(۱) ایک تو یہ کہ خود آپس مین ایک دوسرے کے موافق یا مخالف شہادت دین،

(۲) دوسرے یہ کہ وہ مسلمانون کے موافق یا مخالف شہادت دین،

پہلی صورت کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے، بعض لوگون کے نزدیک کفار کا باہم شہادت دینا جائز نہین ہے، کیونکہ خدا وند تعالیٰ فرماتا ہے،

فاغرینا بینهم العداوۃ والبغضاء	ہم نے کفار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے،

اور دشمن کی شہادت دشمن کے مقابل مین ناجائز ہے،

لیکن بہت سے لوگون کے نزدیک کفار کی باہمی شہادت جائز ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی ایک عیسائی کی شہادت کو ایک مجوسی کے لیے یا ایک مجوسی کی شہادت کو ایک عیسائی کے لیے جائز قرار دیا ہے، حماد بن ابی سلیمانؒ ایک عیسائی کی شہادت کو ایک یہودی اور عیسائی دونون کے لیے جائز سمجھتے ہین، لیکن امام زہریؒ کے نزدیک ایک عیسائی ایک عیسائی کے لیے اور ایک یہودی ایک یہودی کے لیے تو شہادت دے سکتا ہے، لیکن عیسائی کی شہادت یہودی کے مقابل مین اور یہودی کی شہادت عیسائی کے مقابل مین ناجائز ہے، بلکہ اصول یہ ہے کہ جب دو شخصون کے مذہب مین اختلاف ہو جاتا ہے تو ایک کی شہادت دوسرے کے لیے ناجائز ہو جاتی ہے، البتہ ایک کافر طبیب یا ڈاکٹر کی شہادت اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت ہوتی ہے،

جو لوگ کفار کی باہمی شہادت کے قائل ہین ان کا استدلال یہ ہے کہ خدا وند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

(۱) ومن اهل الکتاب من ان تامنه بقنطار یؤدّه الیك	اور اہل کتاب مین بعض لوگ ایسے ہین کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال رکھدو تو وہ تم کو ادا کر دینگے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن مین ایسے دیانت دار لوگ بھی موجود ہین جو خود مسلمانون کے مال کثیر کے امین ہو سکتے ہین، اور جو شخص دوسرے لوگون کے معاملات مین اس قدر متدین ہو سکتا ہے، وہ خود

اپنے اہل قرابت اور اہل مذہب کے معاملات میں تو اس سے بھی زیادہ متدین ہوگا،

(۲) والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض　　　کفار ایک دوسرے کے ولی ہیں،

اور ولایت کا درجہ شہادت سے بڑا ہے، اس لیے جب کفار میں باہمی ولایت خود قرآن مجید سے ثابت ہے تو ان کی باہمی شہادت کیوں نہیں جائز ہوگی، حدود و قصاص میں خود رسول اللہ صلعم نے ان کی شہادت قبول فرمائی ہے، اگر کوئی مسلمان سفر میں مرتا ہو اور وصیت پر کفار کو گواہ بنائے، تو ضرورۃً اس شہادت کو شریعت اسلام نے جائز رکھا ہے، لیکن خود کفار کے باہمی معاملات میں ان کی شہادت کی ضرورت اس سے بہت زیادہ ہے، کیونکہ کفار باہم بہت سے معاملات کرتے ہیں، اور ان میں بہت سے جرائم سرزد ہوتے ہیں، اور ان حالات میں کوئی مسلمان موجود نہیں ہوتا، اس لیے اگر باہم ان کی شہادتیں قبول نہ کیجائیں، تو ان کے تمام تمدنی حقوق ضائع ہوجائیں، بہت سے کفار اپنے مذہب کے رو سے عادل، راست باز اور امین ہوتے ہیں، اور اپنی قوم بلکہ خود مسلمانوں میں بھی اس حیثیت سے اس قدر شہرت و اعتماد رکھتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں پر بھی اتنا اعتماد نہیں کیا جاسکتا، خود خدا وند تعالیٰ نے ان کے ساتھ معاملت، ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح، اور ان کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا ہے، تو جب ہم ان چیزوں میں ان پر اعتماد کرتے ہیں تو ان کی شہادت پر بطریق اولیٰ اعتماد کیا جاسکتا ہے، بے شبہہ قرآن مجید نے ان کی باہمی دشمنی کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بعینہ اسی قسم کی فروعی عداوت ہے جو خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں موجود ہے، لیکن جس طرح یہ عداوت مسلمانوں کو باہمی شہادت سے نہیں روکتی، اسی طرح کفار کے لیے بھی اس قسم کی شہادت سے مانع نہیں ہے، دوسری صورت کے (یعنی یہ کہ کفار مسلمانوں کے لیے شہادت دے سکتے ہیں یا نہیں؟) متعلق قرآن و حدیث اور عمل صحابہؓ سے اس قدر بہ تصریح ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالت سفر میں مرنے لگے، اور اس جگہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ وصیت پر کفار کو گواہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اس کے متعلق یہ صریح آیت موجود ہے،

یا ایها الذین اٰمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنٰن ذوا عدل منکم او اٰخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت ،	مسلمانو! جب تم مین سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور وہ وصیت کرنے لگے) تو وصیت کرتے وقت تم مین گواہی کا یہ قاعدہ ہونا چاہئے) کہ تم مین کے دو معتبر (آدمیون) کی گواہی ہو، یا اگر تم کہین کو سفر کرو اور (حالت سفر مین) تم پر موت کی مصیبت آ پڑے (اور مسلمان گواہ میسر نہ ہون) تو تم مسلمانون کے سوا (دو گواہ غیر ہی سہی)

اس صورت کے سوا اسلام مین مسلمانون کے متعلق کافر کی شہادت کسی حالت مین مقبول نہین ہے کیونکہ سلطنتون کی بنیاد مختلف حیثیتون پر قائم ہوتی ہے، مثلاً اس زمانے مین یورپین حکومتون کی بنیاد قومی ونسلی امتیازات پر قائم ہے، اس لیے خود یورپین قومون کے مقدمات کی سماعت کے طریقے بھی عام رعایا سے مختلف ہین، اسلام نے اپنے حکومت کی بنیاد مذہبی امتیازات پر رکھی ہے، اس لیے وہ مسلمانون کے معاملے مین کسی غیر قوم کی شہادت کو قبول نہین کرتا، لیکن اس سے اس قوم کی تحقیر و تذلیل مقصود نہین، بلکہ مذہب وعقیدہ کا اصولی اختلاف دونون مین قابل اعتماد اشتراک نہین پیدا کرتا، اور شہادت کی بنیاد اعتماد ہی پر قائم ہے

لونڈی غلامون کی شہادت صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک لونڈی اور غلام شہادت کے معاملے مین آزاد لوگون کے برابر خیال کیے جاتے تھے، اور تمام مقدمات مین ان کی شہادت قبول کیجاتی تھی، چنانچہ ایک بار جب قاضی شریح نے کہا کہ "مین غلامون کی شہادت کو جائز نہین سمجھتا" تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہم تو جائز سمجھتے ہین، اس کے بعد قاضی شریح بھی غلامون کی شہادت کو جائز سمجھنے لگے، یہان تک کہ ایک بار ان کے اجلاس مین ایک غلام نے شہادت دی، اور ان سے کہا گیا کہ یہ غلام ہے تو بولے کہ "ہم سب کے سب لونڈی غلام ہین"۔ ایاس ابن معاویہؒ سے غلامون کی شہادت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھون نے تعجب سے کہا۔ کیا مین عبد العزیز بن صہیبؒ کی شہادت کو رد کرسکتا ہون؟ لیکن عہد صحابہؓ کے بعد اس مین اختلاف پیدا ہوا، اور چونکہ امام شافعیؒ

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے غلامون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا تھا، اس لیے عام طور پر ان کے اقوال شہرت اور صحت سے لوگ ان کے ہمخیال پیدا ہو گئے، لیکن قرآن، حدیث، آثار صحابہ، قیاس اور اصول شریعت سے ان بزرگون کے اقوال کی تائید نہین کیجا سکتی، کیونکہ شہادت کے لیے صرف ضبط، اسلام اور عدالت کی شرط ہے اور وہ غلامون مین پائی جاتی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کہتا ہے،

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا | اسی طرح ہم نے تم کو ایک عادل قوم بنایا تاکہ تم لوگ دوسرون پر شہادت دو اور پیغمبر تم پر شہادت دے،

اور اس مین شبہہ نہین کہ غلام اس عام خطاب مین داخل ہین، اس لئے خداوند تعالیٰ کا یہ قول

واشھدوا ذوی عدل منکم | اپنے مین سے عادل لوگون کو گواہ بناؤ،

آزاد لوگون کی طرح غلامون کو بھی شامل ہے،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ | اے ایمان والو! انصاف کے قائم والے بن کر خدا کے آگے گواہ بنو،

لونڈی غلام مومن ہین، اس لیے وہ گواہ بھی ہو سکتے ہین،

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے،

واستشھدوا شھیدین من رجالکم | اپنے مردون مین سے دو شخصون کو گواہ بناؤ،

اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ غلام ہمارے مردون مین شامل ہین،

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک | جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہ لوگ بہترین

ھم خیر البریۃ　　خلائق ہیں،

اور ایک غلام جو مومن وصالح ہو، وہ اس آیت کے بموجب بہترین خلائق میں شامل ہے، اسلیے اس کی شہادت کیونکر غیر مقبول ہوسکتی ہے،

روایت حدیث کا درجہ شہادت سے بڑھا ہوا ہے، اور ایک راوی کو گواہ سے زیادہ ثقہ وعادل ہونا چاہیے، لیکن جب غلام رسول اللہ صلعم سے حدیث روایت کرسکتا ہے تو وہ شہادت کیون نہین دیسکتا[1]

اندھون کی شہادت اندھون کی شہادت مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ وہ صرف سمعی شہادت دیسکتے ہین، لیکن چونکہ انسانون کا لب ولہجہ باہم بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اس لیے قطعی طور پر یہ نہین کہا جاسکتا کہ شخص کے متعلق وہ شہادت دے رہے ہین اوس کی آواز کو انھون نے بالکل غیر مشتبہ طور پر پہچان لیا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر وہ ایک شخص کی آواز کو اچھی طرح پہچانتے ہین تو وہ اس کے متعلق سمعی شہادت دے سکتے ہین[2]،

قرابتدارون کی شہادت قرابت دارون اور رشتہ دارون کی شہادت کے متعلق بھی اختلاف ہے، فقہ کی کتابون مین یہ روایت موجود ہے

لا تقبل شہادۃ الولد لوالدہ ولا الوالد لولدہ ولا المرأۃ لزوجہا ولا الزوج لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا المولی لعبدہ ولا الاجیر لمن استاجرہ[3]	لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، اور شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق اور آقا کی شہادت غلام کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر مقرر کیا، قبول نہین کیجاسکتی،

لیکن صحاح کی کتابون مین جن لوگون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا گیا ہے، وہ رسول اللہ صلعم

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۷۰-۱۷۱، [2] ایضاً صفحہ ۱۷۰، [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۸،

کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ ولا ذی غمر علی اخیہ ورد شہادۃ القانع لاہل البیت واجازہا لغیرہم ،[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد، خائنہ عورت، زانی مرد اور زانی عورت، اور اس شخص کی شہادت اس شخص کے متعلق جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے، جائز نہیں، اور آپ نے نوکر چاکر کی شہادت کو اس خاندان کے حق میں جس سے وہ تعلق رکھتا ہے مردود کر دیا، اور دوسرے لوگوں کے حق میں جائز رکھا،
لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ[2]	بدوی کی شہادت گاؤں کے مالک کے خلاف جائز نہیں،

لیکن قرابتدار، رشتہ دار، شرکاء اور اجیر وغیرہ ان ممنوع الشہادۃ لوگوں میں شامل نہیں ہیں، اور صحاح ستہ میں ان کے متعلق کوئی دوسری حدیث بھی موجود نہیں ہے، اور مذکورہ بالا حدیث جس میں ان لوگوں کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے بہت کچھ قابل بحث ہے، یہان تک کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ یہ قاضی شریحؒ کا قول ہے حدیث نہیں ہے، اس لیے اگر ایک رشتہ دار شہادت کے شرائط کا جامع یعنی ثقہ، قابل اعتماد اور عادل ہو تو وہ اپنے رشتہ داروں کے متعلق شہادت دے سکتا ہے، چنانچہ قاضی خیر بن نعیم کے متعلق کندی نے کتاب ولاۃ مصر میں لکھا ہے،

کان یجیز شہادۃ ذی رحم لرحمہ اذا کان معروفا بالعدالۃ[3]	ایک قرابتدار اگر عدالت میں مشہور ہوتا تھا تو دوسرے قرابتدار کے متعلق وہ اس کی شہادت کو جائز قرار دیتے تھے

نیل الاوطار میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ، قاضی شریحؒ، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ نے

۱؎ ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ ۲؎ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ صفحہ ۲۱۰،

۳؎ کتاب مذکور صفحہ ۳۵۱ ـ

بھی قرابت دارون کی شہادت کو جائز رکھا ہے، لیکن جو لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہین وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہین کہ قرابتدارون پر جانب داری کا شبہہ ہو سکتا ہے، لیکن جو قرابت دار اس قدر پابند مذہب ہون کہ اس کی راست بازی پر اس کا اثر پڑ سکے ان پر طرفداری کا شبہہ نہین کیا جا سکتا، اس لیے ان کی شہادت قبول کی جائے گی[1]

فاسق کی شہادت اسلام نے شہادت کے لیے جو اوصاف ضروری قرار دیئے ہین، ان کے لحاظ سے یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اکثر حالات مین اس قسم کے ثقہ، عادل، متدین اور پاکیزہ خو اشخاص کی شہادت کا بہم پہنچانا ناممکن ہوگا اور اس حالت مین بہت سے مقدمات کے غیر منفصل رہنے کا احتمال ہے، اس بنا پر اصلی سوال یہ ہے کہ فاسق یعنی بدعقیدہ، بداخلاق، اور بدکار لوگون کی شہادت معتبر ہو سکتی ہے، یا نہین؟

قرآن مجید نے اس قسم کے لوگون کی خبرون کو بالکل غیر معتبر نہین قرار دیا ہے، بلکہ ان کے متعلق تحقیقات کا حکم دیا ہے،

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا	مسلمانو! اگر کوئی بدکار تمھارے پاس کوئی خبر لادے تو پہلے اس کو تحقیق کر لو،

اور علامہ ابن قیم اس حکم ربانی کی توجیہ اس طرح کرتے ہین،

فان الکافر الفاسق قد یقوم علی خبرہ شواھد الصدق، فیجب قبولہ والعمل بہ[2]	کیونکہ ایک بدکار کافر کی خبر مین کبھی سچائی کی علامات اس قدر جمع ہو جاتی ہین کہ اس کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے،

شہادت بھی درحقیقت ایک قسم کی خبر ہی ہے، اس لیے قرآن مجید کی تصریح کے رو سے ایک بدکار شخص کی شہادت کو کلیۃً رد نہین کیا جا سکتا، البتہ اس کے متعلق ہر ممکن طریقہ سے تحقیقات کیجا سکتی ہی،

---

[1] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۵۵ [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۳،

بالخصوص ایسے زمانے میں جبکہ ثقہ اور متدین شخص بہت کم رہ جائیں، اور اس قسم کے بدکار لوگوں کی کثرت ہو جائے ان کی شہادت بلا تامل قبول کیجا سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں،

جب معدودے چند لوگوں کے سوا تمام لوگ بدکار ہو جائیں تو ان میں ایک کی شہادت دوسرے کے لیے قبول کیجا سکتی ہے، اور درجہ بدرجہ بہتر پھر اس سے کم درجے کے بہتر اشخاص کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، یہی بات ٹھیک ہے، اور اسی پر عمل ہے، گو بہت سے فقہا نے زبان سے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ بدکار کی سچائی کا جب گمان غالب ہو تو اس کی شہادت قبول کر لیجائے گی، اور اس پر فیصلہ کیا جائیگا، خداوند تعالیٰ نے بدکار کی خبر کے رد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، اس لیے مطلقًا اس کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی تحقیقات کیجائے گی تا یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سچا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اس پر عمل ہوگا، اور اگر جھوٹا ہوگا تو اس کی خبر رد کر دیجائے گی اور اس کی طرف توجہ نہ کیجائے گی،

اصل یہ ہے کہ شہادت کے رد و قبول کا دار و مدار سچائی کے ظن غالب پر ہے، اور یقینی بات یہ ہے کہ ایک آدمی ایک بات میں عادل اور دوسری میں فاسق ہوتا ہے، اس لیے اگر حاکم پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ جس چیز کے متعلق شہادت دے رہا ہے، اس میں عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کریگا، اور دوسرے معاملات میں اس کی بدکاری اس کے لیے مضر نہ ہوگی[1]

قرافی نے بھی بعض علماء کی یہی رائے نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ جب ہم غیر عادل گواہوں کے سوا کسی اور کو نہ پائیں گے تو ان میں سے شہادت کے لیے ایسے اشخاص کو پیش کریں گے جو ان میں سب سے بہتر اور سب سے کم بدکار ہوں تاکہ مصالح برباد نہ ہونے پائیں،

[1] الطرق الحکمیہ ۲۳، [2] ایضاً ۱۵۶-۱۵۷،

اس کے بعد محمد حافظ صبری نے المقارنات والمقابلات مین علامہ ابن قیم کی وہ رائے نقل کی ہے جسکا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے، اور لکھا ہے کہ قرافی اور ابن قیم کا مذہب قوانین جدیدہ سے جس نے قبول شہادت کے معاملے مین بہت زیادہ وسعت اور گنجائش پیدا کر دی ہے، بہت زیادہ قریب ہے، اور یہی ٹھیک ہے۱؎

احناف نے اگرچہ بدکار شخص کی شہادت کو ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر کوئی حاکم ایسے شخص کی شہادت پر فیصلہ کر دے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، بلکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایک بدکار آدمی صاحب وجاہت اور باوقار ہو تو اسکی شہادت بھی قبول کیجا سکتی ہے کیونکہ اپنی وجاہت کی وجہ سے وہ روپیہ لیکر گواہی نہ دیگا اور اپنے وقار کی وجہ سے جھوٹ نہ بولیگا۲؎

عورتون کی شہادت

عورتون کی شہادت دو قسم کی ہے، ایک تو وہ جسمین وہ مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیتی ہین، دوسرے وہ جسمین ان کو تنہا شہادت دینی پڑتی ہے، مثلاً عورتون کے مخصوص معاملات یعنی حمل، حیض، رضاعت اور عورتون کے جسمانی عیوب کے متعلق تنہا عورتون کی شہادت قابل تسلیم ہوسکتی ہے، لیکن ان معاملات مین ان کی تعداد مین اختلافات ہین، بعض ائمہ کے نزدیک چار اور بعض کے نزدیک تین عورتون سے کم کی شہادت مقبول نہین ہے، لیکن بعض کے نزدیک دو عورتون کی شہادت کافی ہے، البتہ ولادت کے متعلق صرف ایک عورت یعنی دائی کی تنہا شہادت قابل قبول ہوسکتی ہے، بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تمام معاملات مین جنسے عورتون کے سوا کوئی دوسرا شخص واقف نہین ہوسکتا، صرف ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہوسکتی ہے، رضاعت کے متعلق بھی ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہو، حدود یعنی ان مقدمات مین جنمین ملزمین کو سزائین دیجاتی ہین عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے اور ان مقدمات مین وہ نہ تنہا شہادت دیسکتی ہین، نہ مردون کیساتھ شریک ہوکر ان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، لیکن طاؤس کا قول ہے کہ عورتین زنا کے سوا اور تمام تعزیری معاملات مین مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیسکتی ہین، طلاق و نکاح وغیرہ کے متعلق بعض ائمہ کے نزدیک عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے، لیکن بعض ائمہ نے اس کو جائز رکھا ہے۳؎

۱؎ المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۹ ۲؎ ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹۰ ۳؎ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶

غنی کشمیری

(۲)

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سینئم ایم اے

غنی کی شاعری

یہ مسلم ہے کہ ایک حقیقی شاعر کے جذبات نسبتہً سریع الانفعال ہوتے ہین، اور اسی وجہ سے شعر کے تاثر کا راز بھی انہین دبی حسیات کے اظہار مین مضمر ہے، غنی کی شاعری، باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت خیال بندی اور دقت بندی پر زیادہ مائل ہے، ان کے جذبات اور احساسات کا صحیح آئینہ ہے، وہ خود اس کی تصدیق ان الفاظ مین کرتے ہین

از کسے پنہان نمیداریم راز خویش را ... هرچه در دل هست ما را بر زبان می آوریم

شاعری بقول علامہ شبلی، تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے مولانا غنی فعلاً اور قولاً اسے ثابت کرتے ہین، فرماتے ہین:-

از فکر تا سخن شود قابلِ رقم ... مانند خامہ سر ز گریبان نمی کشم

تخیل غنی کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت تخیل ہے تخیل شاعری کے لئے روح در وان سے کم نہین، بلکہ بہتیرے لوگ تو یہ کہتے ہین، کہ شاعری صرف قوت تخیل کا نام ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو غنی سرتاپا شاعری ہے، اور اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک نمایان مظہر ہے، اس کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہے، کہ مناظر قدرت کی ہر چیز مین ہر بار جب وہ اسے دیکھتا ہے، ایک نیا عالم پنہان پاتا ہے، اور دنیا کے معمولی واقعات اس کے سامنے نئے

نئے انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں، مثالیں ملاحظہ ہوں،

ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہیں، قوت تخیل کی بدولت ایسا نظر آتا ہے کہ وہ رعنائی کے باعث بس اڑا ہی چاہتا ہے، چنانچہ اس کے لئے قید و بند کی کہتے ہیں، تاکہ وہ اس بلند پروازی سے باز آجائے ؎

ز شوخی بسکہ در پرواز بینم ہر نفس گل را — چو بلبل می توان کردن ز گلبین در قفس گل را

دوسرا منظر دیکھئے پھول اپنے حسن و نزاکت پر ناز کرتا ہے، کہ معشوق سیر کو چمن میں آنکلا پھول کی رعنائی معشوق کے حسن کے مقابلے میں پھیکی نظر آئی، تو شاعر کی قوت تخیل نے سمجھا کہ پھول کا رنگ فق ہوگیا،

چون بہ سیر چمن آن دلبر طناز آید — رنگ گل پیشتر از بوی بپرواز آید

اور منظر ملاحظہ ہو اسی پھول کو پھر دیکھتے ہیں بلبل اپنی والہانہ محبت میں سرشار اس پر ہر وقت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے، یعنی کی قوت تخیل بلبل کے پاؤں پر رگہائے گل کا ایک جال بن دیتی ہے،

ہر رگ گل رشتۂ پا شد بپای عندلیب — دام دیگر نیست حاجت از برای عندلیب

ہر پھول میں جو زیرے ہوئے ہیں، ان کو زر گل کہتے ہیں، نرگس کو چشم مست سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، ان دونوں کے مجموعہ نے یہ خیال پیدا کیا، کہ چشم مست نے چونکہ بادہ کشی کا عام رواج پیدا کر دیا ہے اس لئے نرگس کے پاس جو کچھ زر تھا، وہ اس نے صرف کر دیا،

آن چشم مست بادہ کشی را چو عام کرد — نرگس زر یکہ داشت ہمہ صرف جام کرد

یہاں پر زر پر ایہام ہے

بہار کے دن ہیں، چمن کی رنگینی میں نرگس نے بھی حصہ لیا ہے، لوگوں پر مے نوشی کا شوق غلبہ پا رہا ہے، چنانچہ اس کی طیاری میں ساغر مینا کی گردن پر رکھے ہوئے ہے، یہ تمام نظارہ یہ تخیل پیدا کرتا ہے کہ :-

در موسم بہار چو نرگس ز شوق مے — سر می کشد ز گردن مینا پیالہ ہا

وہی بہار ہے، بید ہوا مین لرز رہا ہے، نوک دار پتے تازہ تازہ نکلے ہین مولانا کی قوت تخیل اس سے یہ مضمون پیدا کرتی ہے،

مجنون شد ست بید کہ در موسم بہار خونش بجوش آمد و خنجر بخود کشید

بید کے پتون کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی ہے؛

غنی قوس قزح کو دیکھتے ہین، اس مین زرد رنگ غالب نظر آتا ہے خیال کرتے ہین کہ قوس اپنی خوبصورتی اور بلندی پر تفاخر کرناچاہا ہے، مگر جب ابروے یار کے ساتھ مقابلہ کیا ہے تو شرمندگی اور یاس سے رنگ متغیر ہوگیا ہے؛ ؎

قوس قزح اگرچہ بگردون کشیدہ سر ابروے یار دیدہ رنگش پریدہ است،

سرو کو قد یار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین، اگر غنی خیال کرتے ہین کہ جب سرو نے معشوق کی قد کے ساتھ اپنی قامت کا مقابلہ کیا تو اپنی بے مایگی کا احساس ہوا، چنانچہ بھاگنے کی ٹھہرائی، مگر قمری نے جھٹ اپنی گردن کا طوق اس کے پاؤن مین ڈال دیا، تاکہ بھاگ نہ جائے،

از شرم قامتش سرو چون در گریز روکرد قمری ز طوق گردن زنجیر پاے او کرد

(قمری کو سرو کا عاشق قرار دیا جاتا ہے،)

اس سے بڑھ کر تخیل کی وسعت کیا ہوسکتی ہے، کوہ بیستون کی بلندی صحراے نجد کی فراخی کا خیال مولانا کے دل مین عشق کی ہمہ گیری کا نقشہ قائم کرتا ہے،

عشق را دامے ست دہست و بلند روزگار کوہکن در بیستون مجنون بصحرا بند شد

لوگ عام طور پر کمان کو کندھے پر ڈال کر لیجاتے ہین، غنی کو قوت تخیل سے یہ نظر آتا ہے کہ کمان نے ابروے یار کی ہمسری کا دعوی کیا، مگر اس قدر خجلت اٹھانی پڑی کہ اس نے مارے شرم کے جان دیدی اور اسے کندھے پر اٹھا کر لائے ہین،

کمان پیش دو ابروئیش بدعوی رفت از خجلت تہی کرد آنچنان قالب کہ آورد ند بر دوشش

ہلال کو دیکھا تو ابروے یار کا خیال آیا، تخیل نے ایک نئی توجیہ پیش کی کہ آسمان نے یار کے ابرو کا مصرع

سونے کے پانی سے لکھا، لوگون نے اس کا نام ہلال رکھدیا،

گردون ز شوق مصرع ابروے آن نگار باآب زر رقم زدہ نامش ہلال شد،

تاکند در یوزۂ آتش بہ گلشن از چنار کاسہ بر کف ہست سرواز آشیان بلبلان

سرو کو انسان کے قدسے تشبیہ دیتے ہین اور بلبلون کے گھونسلے کی پیالہ سے مشابہت ظاہر ہے، چنار

کی نسبت یہ خیال ہے کہ اس سے آگ نکلتی ہے مولانا کی قوت تخئیل یہ منظر پیش کرتی ہے، کہ سرو کے ہاتھ مین پیالہ

اور وہ آگ کی بھیک مانگ رہا ہے، کس قدر لطیف تخیل ہے،

پہلے آچکا ہے، کہ قوت تخیل کی بدولت دنیا کے عام واقعات نئے نئے انداز مین نظر آتے ہین غنی بھی چونکہ ایک

وسیع تخیل کے مالک ہین وہ بھی عام چیزون مین نئے نئے معنی پیدا کرتے ہین، مثلاً ملاحظہ ہو، نماز کے قیام وقعود ورکوع

وسجود، کو فرط اشتیاق سے تعبیر کرتے ہین،

از نماز م نیست مطلب غیر جست وجوے دوست میروم از اشتیاق افتان وخیزان سوے دوست

زلیخا پاکدامنی کا دعویٰ کرتی ہے، مگر یہ ادعا اس قدر غلط تھا، کہ پیراہن یوسف کا چاک زلیخا کی پاکدامنی

کا تمسخر اڑا رہا ہے،

چاک پیراہن یوسف بنود بے معنی خندہ بر پاکی دامان زلیخا دارد

چاک اور خندہ کی مناسبت لطیف ہے،

ایک اور جگہ فرہاد کے اپنے سر پر تیشہ مارنے سے یہ معنی نکالتے ہین کہ کسی سنگین دل کا ستم رسیدہ ہے،

ستم رسیدۂ سنگین دل است پنداری کہ جائے دست بسر تیشہ می زند فرہاد

مولانا کو معلوم ہے کہ شمع کو زیادہ روشن کرنے کے لئے بتی کو ذرا کاٹ دیتے ہیں، تاکہ جلا ہوا حصہ جھڑ جائے مگر قوت تخیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے، کہ تلوار کی ہوا دم عیسیٰ سے بھی اچھی ہے،

دم بریدن سر شمع می کند روشن　　　که خوشتر از دم عیسیٰ بود دم شمشیر

تخیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تعلیل ہے غنی اس میدان کے بھی مرد ہیں، فرماتے ہیں :-

تہمت خانہ نشینی نہ پسندید بخویش　　　ورنہ مجنون گلہ از سختی زنجیر نداشت

لطافت تخیل دیکھئے مجنون زنجیروں سے اس لئے متنفر نہ تھا کہ ان کی سختیاں شاق تھیں، بلکہ وجہ یہ تھی کہ چونکہ وہ خانہ نشینی کو پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے وہ یہ تہمت گوارا نہیں کر سکتا،

ہست میل خوردن پان گلرخان ہند را　　　عاشقان گوئی کہ از خون خودش داد آب

ہندوستان میں پان عام طور پر کھایا جاتا ہے، مگر مہ جبینوں کے لبان نازک پر تو اور ہی زیب دیتا ہے؛ مولانا کے تخیل نے یہ علت پیش کی ہے کہ عاشقوں نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے، اس لئے معشوق اسے رغبت سے کھاتے ہیں۔

معشوق کی لمبی لمبی سیاہ زلفیں اس کے حنا بستہ پاؤں تک لٹک رہی ہیں، غنی فرماتے ہیں، کہ یہ تو لازمی ہے اور اس کے ثبوت ہیں، ان کی قوت تخیل نے تعلیل پیش کی، کہ چونکہ زلف کو سیاہ ہونے کی نسبت سے ہندو کہا جاتا ہے، اور ایک ہندو کے لئے آتش پرستی سے بڑھکر اور کوئی عمدہ کام نہیں، اس لئے مجبوراً سیاہ زلفیں سرخ حنائی پاؤں کو بوسہ دے رہی ہیں،

کند در پیش آن پائے نگارین سجدہ زلفش　　　بلے کارے بہ از آتش پرستی نیست ہندو را

"قوت تخیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے بالکل الگ ہوتا ہے" (علامہ شبلی) اس میں شک نہیں کہ منطقی اصولوں کے رو سے یہ استدلال غلط ہوتا ہے، مگر شاعر کے انداز بیان کی دلفریبی ہی سامع کو اس کی طرف ملتفت نہیں ہونے دیتی، مولانا غنی اکثر اس استدلال سے کام لیتے ہیں، مثلاً فرماتے ہیں،

عزتِ شاہ و گدا زیرِ زمین یکسان است		می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی

قبر مین شاہ و گدا سب کی عزت یکسان ہوتی ہے، اس دعوی کو غنی یون ثابت کرتے ہین کہ دیکھو زمین سب کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے یعنی تعظیم کرتی ہے،

یہ بات کہ جو ذلیل ہوتے ہین، انھین اپنی ذلت کی پروا نہین ہوتی، اس کو غنی اس طرح ثابت کرتے ہین۔

از تنزل پست فطرت را نباشد ہیچ باک		بیم افتادن نباشد ہر کہ باشد نے سوار

کمینہ آدمی کو اپنی ذلت کا کوئی ڈر نہین ہوتا، کیونکہ جو شخص سرکنڈے کے گھوڑے پر سوار ہو اسے گرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے؟

چاند کے داغ دیکھتے ہین تو قوت تخیل یہ استدلال پیش کرتی ہے، کہ یہ کلنک کا ٹیکہ اس لئے ہے کہ چاند اکتساب نور کی بدولت خورشید کا شرمندۂ احسان ہے، چنانچہ فرماتے ہین،

کاسۂ خود پر مکن زنہار از خوانِ کسے		داغ از احسانِ خورشید است بر دل ماہ را

چشم کرم مدار ز شاہان کہ جز نمد		آئینہ خلعتے ز سکندر نیافت است

صاف طینت لوگون کو بادشاہون اور امیرون سے لطف و کرم کی توقع رکھنا فضول ہے، ثبوت یہ ہے کہ آئینہ نے بجز نمد کے اور کوئی خلعت سکندر سے نہین پائی،

روزی کی تنگی کو اس طرح ثابت کرتے ہین،

خوشہ چینان را درین مزرع امیدِ توشہ نیست		حاصلِ نہ خرمنِ افلاک جز یک خوشہ نیست

ناداروں کو اس دنیا سے کوئی توقع نہین ہو سکتی، کیونکہ نہ افلاک کا حاصل صرف ایک (پروین کا) خوشہ ہے

حجام کی تعریف کی ہے، کہ استغنا سے اس کا کیسہ اس قدر پر ہو چکا ہے، کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس کا بدیہی ثبوت یہی ہے، کہ وہ کسی کے ہاتھ سے بجز ناخن کے اور کچھ نہین لیتا،

ز نقدِ بے نیازی کیسۂ او تہی تا بر شد — کہ از دست کسے چیزے بجز ناخن نمی گیرد

یہاں ناخن گرفتن پر ایہام ہے۔ ناخن گرفتن ناخن کاٹنا۔ ع

ناخن چو شد بلند گرفتن سزائے اوست (حاجی گیلانی)

تخئیل کی بے اعتدالی: تخئیل کا استعمال اس قدر کرتے ہیں کہ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں، سچ پوچھئے تو یہی انکی شاعری کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے تخئیل کو استعمال کرنے کا بڑا موقع مبالغہ میں ملتا ہے، چونکہ مبالغہ میں اصلیت کی ضرورت نہیں ہوئی اس لئے خیال بندی کے لئے میدان وسیع ہوتا ہے، اور استعارہ در استعارہ سے اشعار اور بھی چیستان بن کر رہ جاتے ہیں، نمونے ملاحظہ ہوں،

معشوق کے دم زندگی بخش کی تعریف میں فرماتے ہیں،

دم جاں بخش تو تا رنگ حیرت ریخت در عالم — ز مہر آئینہ در پیش نفس دیدم مسیحا را

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے، کہ دنیا کے حضرت عیسیٰ اس قدر وقف تحیر و سکوت ہو گئے ہیں کہ ان کی زندگی تک کا شک پڑ گیا ہے، اور اس لئے آئینۂ آفتاب سامنے رکھا گیا ہے، تاکہ ان کی حیات کا احساس ہو

طفل اشکم گر بیازی رو بصحرا آورد — کاغذ بادی شمارد ابر دریا بار را

(اگر میرے اشک کا لڑکا کھیلتا ہوا صحرا کی طرف آ نکلے تو ابر دریا بار کو بھی پتنگ خیال کرے)

مطلب یہ ہے، کہ میں اس قدر روتا ہوں کہ "ابر دریا بار" کی بھی اس کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں یہاں تو صحرا کے صحرا سیل زدہ ہو جاتے ہیں، تخئیل کی مزید بے اعتدالی دیکھئے کہ اگر طفل اشک باندھا ہے، تو اس کے لئے کھیل کود میدان سامان ہوا سب کا ذکر کرتے چلے جاتے ہیں،

۳۔ معشوق کے شغفِ شانہ کشی کو مبالغہ سے بیان کرتے ہیں مگر بے اعتدالی نے مار زلف کے دانت چھیلنے پر مجبور کیا ہے،

دندان مار گرچہ بافسون توان کشید — از زلف او جدا نتوان کرد شانہ را

ہے چشم سیاہ کی توصیف کی ہے، مگر سیاہی کا اثر صرف نام لینے سے ہی زبان تک پہونچا دیا ہے،

از بسکہ وصفِ چشمِ سیاہ تو کردہ ایم　　　گردید میل سرمہ زبان در دہانِ ما

۵۔ عام طور پر تنگ دہنی خوبصورتی میں داخل سمجھی جاتی ہے، شاعروں کے تخیل نے اسے چھوٹا کرتے کرتے نقطہ اور پھر نقطہ موہومہ بنا دیا، مولانا نے اسے معدوم کیا تو اسی تخیل میں اپنی ہستی کو بھی نیست کرنے کو تیار ہو گئے،

بگذر از خویش چو بینی دہنِ یار غنی　　　دل بہ ہستی چہ دہی راہ عدم در پیش است

تشبیہات کے استعمال میں بھی سر رشتۂ اعتدال ہاتھ سے چھوٹ جانے کا احتمال ہوتا ہے، بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیتے ہیں، پھر دوسری کی جس قدر خصوصیتیں ہوتی ہیں وہ پہلی میں ثابت کرتے چلے جاتے ہیں، غنی اس بارے میں اکثر لغزش کھاتے ہیں، چنانچہ ان کے دیوان میں اس قسم کے متعدد شعر دیکھنے میں آئے ہیں، مثلاً:-

پہلے کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے، پھر بال کے تمام خصائص، آنکھ میں پڑنا، کاسہ کا چرخ سے جدا کرنا وغیرہ ثابت کئے ہیں،

(۱) دیدم میانِ یار و ندیدم دہانِ یار　　　نتوان بہ ہیچ دید چو در دیدہ مو فتد

قاعدہ ہے جب آنکھوں میں بال پڑتا ہے تو چبھتا ہے، پھر آنکھیں کھولی نہیں جاتیں، غنی کہتے ہیں میں نے معشوق کی کمر دیکھی، لیکن اس کا منہ نہ دیکھ سکا، کیونکہ جب آنکھوں میں بال پڑ جاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہیں آتی،

موئے میانِ تو شدہ کرایین　　　کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن،

کرایین وہ بال ہوتا ہے جس سے کوزہ گر کاسہ کو چرخ سے جدا کرتے ہیں، غنی کہتے ہیں، تیری کمر کا بال اب کرایین بن گیا ہے، اور کئی کاسۂ سر تن سے جدا کئے ہیں، کرایین کی نسبت سے کاسۂ تن وغیرہ سب آئے ہیں،

---

[۱] کردے بہ نطق نقطۂ موہومہ را دو نیم　　　ای ناقضِ کلامِ حکیمان بیانِ تو

[۲] شعر العجم ج ۴، ص ۱۵۴،

از کنارم دخترِ رز کرد تا پہلو تہی | کارِ من اکنون غنی با طفلِ اشک افتادہ است

مطلب یہ ہے، کہ جب سے شراب چھوٹی ہے، غم و رنج سے آنسو بہا رہا ہوں، شراب کو دخترِ رز کہا جاتا ہے، مگر تخیل کی بے اعتدالی نے مولانا کو دختر کی مناسبت سے طفل کو بھی ساتھ لانے پر مجبور کیا ہے، اور یعین واقف کا شعر اسی مضمون میں اس سے بھی زیادہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ ؎

ہم صحبتی دخترِ رز کردہ ملولم | اے شیخ ترا گر پسرے ہست بمن دہ

۴۔ خضاب موے زلیخا گر کند یوسف | کہ بردہ است سیاہی ز دیدۂ یعقوب

یوسف شاید زلیخا کے بالوں میں خضاب لگانے جاتے ہیں، کہ انھوں نے یعقوب کی آنکھ سے سیاہی لے لی ہے،

نابینائی میں آنکھ کی سیاہی زائل ہوجاتی ہے حضرت یعقوبؑ بیٹے کی فراق میں نابینا ہوگئے تھے، اس لئے شاعر خیال کرتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے باپ کے آنکھ کی سیاہی اس لئے لی ہے، کہ موے زلیخا کے لئے وسمہ کا کام دے، تخیل کی بے اعتدالی اس سے بڑھکر کیا ہوگی، کہ آنکھ کی سیاہی کا وسمہ لگا رہے ہیں،

۵۔ زبس در ہجر در ہجر دم نقشِ ابرِ بے تو جا دارد | شود قوسِ قزح ہر گہ پرد رنگی ز رخسارم

یہ نقشِ ابر اس طرح میرا جزو بدن بن گیا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے میرا رنگ اڑتا ہے تو قوسِ قزح کی شکل اختیار کر لیتا ہے،

مولانا کہنا یہ چاہتے ہیں، کہ وہ خیالِ یار میں اس قدر محو ہیں، کہ فنا فی المعشوق کی حد کو پہونچ گئے ہیں، مگر تخیل کے بے جا استعمال نے ایک دور از کار اور فرضی تشبیہ پیدا کر دی ہے،

دیکھئے اس نکتہ کو جامی کس خوبی سے ادا کرتے ہیں، ؎

بس کہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی | ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

دلہائے عاشقان برہ دوست آب شد | ما بپائے نازک او شیشہ پارہا ست

گو عاشقوں کے دل دوست کی راہ میں گھل گئے ہیں، لیکن اس کے نازک پاؤں میں شیشہ کے ذروں کی طرح چبھ رہے ہیں، دل کو شیشہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں مگر غنی اس شیشہ کے ٹکڑے کو معشوق کے پاؤں میں چبھو دیتے ہیں،

شاعرانہ استدلال غنی کی شاعری کی دوسری خصوصیت شاعرانہ استدلال ہے، شاعری کی اس صنف کا آغاز خسرو سے ہوا، اور انجام صائب پر، مگر غنی نے اسے اس قدر ترقی دی کہ خاص فن بنا دیا غنی کا استدلال نہایت عمدہ اور شاعرانہ ہوتا ہے، ذیل کی مثالوں سے اندازہ ہوگا،

۱۔ در بکر بستن مضمون رنگین لطف نیست | کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

۲۔ با تو نزدیکم و سے دورم ز فیض عام تو | موم در زیر نگین خالی ست از نقش نگین

۳۔ توکل پیشہ را روزی بدست خویش می باشد | مکد انگشت خود کودک چو بنود شیر پستان را

۴۔ نصیبے نیست از اہل کرم برگشتہ بختان را | کہ ہرگز پر نسازد کاسۂ گرداب را دریا،

۵۔ می نواز د ساز عیش ہر دم کہ طالع یافت قوت | با شد از پائے مگس مضراب تار عنکبوت

۶۔ بے ریاضت نہ شود نشۂ عرفان حاصل | تا کد و خشک نگردید مئے ناب نیافت،

۷۔ تواں از چرب دستی کرد اسیر خویش سرکش را | کہ تار شمع دیدم شعلہ را زنجیر پا باشد:

۸۔ زند ربط بہم پیوستگان را گفتگو برہم | سخن چون در میان آید دو لب از ہم جدا گردد

۹۔ رفیق اہل غفلت ہر کہ شد از کار می ماند | چو پائے خفتہ پائے دیگر از رفتار می ماند

۱۰۔ نمی سازد غذای چرب زائل ضعف پیری را | کمان را گرچہ روغن می دہی فربہ نمی گردد

۱۱۔ نباشد دل زیار گرم خو برداشتن آسان | ز آتش چون جہاند فند جدا گرم فغان گردد

۱۲۔ نیست حسن بے بقا شایستۂ دل بستگی | باچراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

۱۳- میر سد روزی ہرکس در خور ہمت ز غیب | کے بدام عنکبوت افتد شکار ے جز مگس

۱۴- نیست شہرت طلب آنکس کہ کمالے دارد | ہرگز انگشت نما بدر نباشد چو ہلال،

۱۵- وقت پیری بے مذاق عمر نتوان زیستن | کے تواند داشت بے فلفل کسے کافور را

۱۶- خرق عادت کے بکار آید دل افسردہ را | گر رود بر آب (؟) معتقد نشد مردہ را

۱۷- رسوا بود کسے کہ سخن چین بود غنیؔ | ہرجا کہ خامہ ایست زبانش بریدہ نیست

جدت ادا و مضمون آفرینی

فارسی شاعری کے دور اول کی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی تھی، مگر زنی کے ساتھ طرز ادا میں جدت اور اسالیب بیان میں زیادہ رنگینی آتی گئی، حتی کہ باریک بینی اور دقت آفرینی تک نوبت پہونچی، اور بال کی کھال نکالی گئی، تشبیہیں بعید از کار، اور استعارات پیچیدہ ہوگئے، اور شاعری محسوسات سے نکل کر طلسم خانہ خیال میں گم ہوگئی، غنی کا عہد فارسی شاعری کا آخری دور تھا، مضامین اس وقت تک اس قدر فرسودہ ہو چکے تھے، کہ غنی خود اس کا ذکر کرتے ہیں، ؎

از بسکہ شعر گفتن شد مبتذل درین عہد | لب بستن است اکنون مضمون تازہ بستن،

تاہم مولانا انھیں مضامین کو جو مدتوں جولانگاہ خیال رہے، اس جدت سے ادا کرتے ہیں، اور انھیں پرانی باتوں میں ایسے نکتے پیدا کرتے ہیں کہ شعر دل پذیر ہو جاتا ہے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

۱- دنیا میں اپنا عدم وقار اس طرح ثابت کرتے ہیں،

بارہا با سایہ سنجیدیم خود را در وقار | از نگین بر زمین بنشست و ما بر خاستیم،

ہم نے کئی مرتبہ اپنے وقار کا سایہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے مگر وہ زیادہ وزن دار ثابت ہوا ہے)

کیونکہ یہ مسلم ہے کہ انسان جب اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے،

۲- غنی صدر جی کی خودداری کے مدعی ہیں، اس نکتہ کو کہ جب کسی مجلس میں انسان کی توقیر و تعظیم میں فرق آ ہو تو وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے، نہایت جدت سے ادا کرتے ہیں،

کس پے تعظیم ما از اہل مجلس بر نخاست　　　بہر پاس عزت آخر خود زجا بر خاستم

دیکھئے معشوق مسیح کی تعریف مین غنی کا وہ مشہور شعر جس نے صائب اور بیدل سے خراج تحسین وصول کیا، کس انوکھی تشبیہ کا حامل ہے، ؎

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر　　　دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے اسی شعر پر کہا ہے، ؎

خط سبز آنست جان بود ائی دانستم　　　دام در سبزہ نہان بود ائی دانستم

ارباب نظر جانتے ہین کہ یہ چبائے ہوے نوالہ کا چبانا ہے، اس مین وہ لطافت نہین رہی،

غنی ساغر بکفِ جمشید پیش میفروش آمد　　　کہ شاید در بہائے بادہ گیرد ملک دنیارا

جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی اور اس کا شمار بڑی قیمتی چیزون مین کیا جاتا تھا، مولانا فرماتے ہین کہ جمشید وہی جام جہان نما لے کر میفروش کی خدمت مین حاضر ہوتا ہے اور اس کے عوض دو چار گھونٹ بادہ لینے کا متمنی ہے، مگر پھر بھی وثوق نہین شاید میفروش اسے مہنگا سودا خیال کرے، دیکھئے کتنا وسیع مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے،

تنویر بارقہ کا ہیبت زا نظارہ، اللہ تعالیٰ کی صنعت کاملہ کا حیرت انگیز نمونہ ہے، مولانا غنی کی مضمون آفرینی ملاحظہ ہو، ؎

چون بزم افروز صنع خویش گردد تند بے پروا　　　چراغ برق را در بادہ باران می کند روشن

مشہور ہے کہ جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی، مگر غنی اس سے دنیا کی تنگی کا استدلال کرتے ہین،

غنی تا چند پرسی وسعت آن ازحصار جام جم پیدا　　　کہ باشد وسعت آن ازحصار جام جم پیدا

ہم پہلے کہہ آئے ہین کہ غنی کے زمانہ مین قحط الرجال کا یہ عالم تھا کہ حضرت اورنگ زیب کے دل سے آگاہ ہے بھی وا ہ وا ہ نکلتی تھی، غنی اس وقت کا مقابلہ عہد رسالت سے کرتے ہین تو ایسا مین فرق معلوم ہوتا ہے کہ بے اختیار

پکار اُٹھتے ہین ؎

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند | عجب است این زمان گر سایۂ آدم شود پیدا

روحانی امور مین استدلال اور قیاسات کی بیچارگی اکثر شاعر بیان کرتے ہین، مگر غنی نے جس تشبیہ سے ثابت کیا ہے وہ نہایت پر زور اور معنی خیز ہے؛ ؎

دل با ستدلال بستم ماندم از مقصود دور | نردبان کردم تصور راہ ناہموار را

لوگ اپنی سالگرہ کی خوشی مناتے ہین، مگر مولانا فرماتے ہین، اس سے تو اُلٹے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک سال عمر کا کم ہوگیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی قابل غور ہے کہ گرہ دینے سے تاگے کی لمبائی کم ہو جاتی ہے، ؎

گشت چون رشتۂ عمرم کوتاہ | معنی سالگرہ فہمیدم،

غنی دنیا کی نیرنگیان عجیب تشبیہ سے ثابت کرتے ہین، تلک الایام نداولہا بین الناس

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن | کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

یعقوبؑ کی مصیبت دیکھئے کہ ان کا وہی لخت جگر جس کے فراق مین وہ آنکھین کھو بیٹھے ہین ایک اور انسان کی آنکھون کی ٹھنڈک کا سامان بنتا ہے،

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

کاروان بگذشت و من از کاہلی ماندم براہ | ہر خواب ما ہم آواز جرس افسانہ شد

نیست حسن بے بقا شایستۂ دلبستگی | با چراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

جز آبلۂ پائے من امروز درین دشت | جرسے نبود قافلۂ ریگ روان را

رفتیم سوے یار ندیدیم رُخے بار | مانند رہروے کہ رود در رو بہ آفتاب

ایہام | مولانا کی طبیعت ایہام کی طرف بہت مائل ہے، چنانچہ محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء (قلمی نسخہ) مین لکھتے ہین، .... اکثر شعرش بطرز ایہام است و در طرز ایہام بندی خلاش اد اردو بلیغا

خوب می بند د طبعش بر ایہام این قدر راغب بود، کہ روزے مطلع تازہ گفتہ پیش محمد علی خواند ؎

بے چراغ است اگر بزم خیال م غم نیست　　　مصرعہ ریختہ شمع است کہ در عالم ہست

"مرزا...... بطرز الیشان فرمود، گفت مصرع ریختہ کہ در عمر خود گفتہ باشد ہمین خواہد بود"

ان کے اکثر شعرون مین مضامین کی بنیاد الفاظ پر ہوتی ہے، یعنی لفظ کے لغوی معانی کو حقیقی بات قرار دیکر اس پر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہین، مثلاً یہ شعر ؎

امروز منم شہرۂ عالم ز نحیفی　　　عمریست کہ از ضعف فتادم بزبانہا

"زبان افتادن" کے اصطلاحی معنی مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی زبان پر چڑھنا، مولانا انھین معنون کو لے کر مضمون قائم کرتے ہین، کہ کمزوری مین مین کچھ آج سے مشہور نہین، مدت سے زبانون پر چڑھ گیا ہون اور ساتھ ہی ضعف کی رعایت سے کہا ہے، کہ مین اس قدر ضعیف ہون کہ لوگون کی زبانون پر چڑھا پھرتا ہون،

نمی بینم زمانے سایہ افگن بر سر مجنون　　　مگر گاہے کہ بنشیند بزیر شاخ آہوئے

مین نے ایک درخت کو بھی مجنون کے سر پر سایہ ڈالتے نہین دیکھا، البتہ کبھی کبھی ہرن کے سینگ کا سایہ مل جاتا ہے، یہان شاخ پر ایہام ہے،

کسے کہ زندہ بہ اظہار زندگی باشد　　　دمی کہ گشت ز دعوی خموش گویا نیست

"گویا" کے دو معنی ہین، بولنے والا اور حرف تشبیہ، یہان دونون کو لیکر ایہام پیدا کیا گیا ہے

کسے بہ پرسش احوال من نمی آید　　　بغیر گریہ کہ آمد بحال خویش مرا

یہان گریہ آمدن کے لغوی معنون کو لے کر مضمون کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

دم بریدن بہ شمع می کند روشن　　　کہ خوش تراز دم عیسی بود دم شمشیر

یہان دم، وقت، سانس، اور دھار کے سہ گانہ معنون مین استعمال کیا گیا ہے،

فراغتے بہ نیستان بوریا دارم　　　مباد راہ درین بیشہ شیر قالی را

(مجھے اپنے بوریا پر وہ فارغ البالی نصیب ہے کہ مین نہین چاہتا کہ جاہ و احتشام کی کوئی علامت بھی مجھے میسر ہونے)

یہان شعر قالی پر ایہام ہے اور کنایہ ہے، تلمیح اور تقول ہے،

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین۔ مولانا کو اس صنعت مین اس قدر شغف ہے کہ وہ ضلع جگت کی حد کو بھی پہونچ جاتے ہین، مثلاً :-

شدہ از خوردن پانش زبان لعل — لبش لعل و دہن سوراخ آن لعل

کند در ہر قدم فریاد خلخال — کہ حسن گلرخان پا در رکاب است

چو دیدم قامت از پا فتادم — مکن رحمے کہ از بالا فتادم

دقت پسندی | قدما کے وقت مین چونکہ شاعری کا آغاز تھا اور نئے مضامین کی کثرت تھی، اس لئے ان کی تشبیہین صاف اور سادہ ہوتی تھین، مگر مرور زمان تمام مضامین بندھ چکنے کی وجہ سے ختم ہو چکے، قریب المأخذ تشبیہات کام آ چکے، تو مجبوراً متاخرین کے لئے بغیر تکلف اور آورد کے اور کوئی میدان نہ رہا، اور استعارہ در استعارہ اور دور از کار تشبیہات سے کام لینا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر شعر چیستان بن کر رہ گئے، مولانا غنی بھی اپنے آپ کو اس ورطہ سے نہ نکال سکے، اسی بنا پر جب عنایت خان ابن ظفر خان نے اشعار کے پیچیدہ ہونے کو قابل اعتراض قرار دیا، تو مولانا نے فرمایا "تا حال اعتمادے بر شعر فہمی عنایت خان داشتم امروز آن اعتماد برخاست"

ہم بخوف طوالت صرف دو تین مثالون پر قناعت کرین گے، ؎

دم جان بخش او تا رنگ حیرت ریخت در عالم — ز مہر آئینہ در پیش نفس دیدم مسیحا را

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی حیرت سے بے ہوش ہو گئے ہین اور ان کی زندگی کے احساس کے لئے آفتاب کا آئینہ ان کے منہ کے سامنے رکھنا پڑا ہے، اب اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے:

۱؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاے موتی کا معجزہ منسوب کیا جاتا ہے،

۲؎ جب کسی آدمی کی نسبت معلوم کرنا ہو، کہ آیا مرچکا ہے، یا ابھی رمق جان باقی ہے، تو آئینہ منہ کے سامنے رکھتے ہین، کیونکہ سانس اگر آتا ہوتا ہے، تو آئینہ مکدر ہو جاتا ہے،

۳؎ حضرت عیسیٰ کا مسکن آسمان چہارم خیال کیا جاتا ہے، اور آفتاب کا محل گردش بھی پرانے نظام ہیئت کے مطابق وہی قرار دیا جاتا ہے اسی نسبت سے آئینۂ آفتاب باندھا ہے،

۴؎ معشوق کے کلام کو زندگی بخش کہتے ہین،

اب غور کیجئے ان تمام چیزون کے لانے سے شعر کس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے، ؎

بدست از زلف او تا سر خط دیوانگی دارم چو کلکم شکل زنجیرست از نقش قدم پیدا

(جب میرے ہاتھون مین اس کی زلفون کی عطا کردہ دستاویز دیوانگی موجود ہے، میرے نقش قدم میرے لئے قلم کے حروف کی طرح زنجیر بنے ہوئے نظر آتے ہین)

مطلب یہ ہے کہ مجھے ان عنبر بیز زلفون نے دیوانہ کر دیا ہے، مگر مین ان مین اس قدر گرفتار ہون کہ ان کے اردگرد پھرتا رہتا ہون، اور کہین نہین جا سکتا، مولانا نے صرف اپنی انتہائی گرفتاری اور فریفتگی کا اظہار کیا ہے، مگر نہایت پیچیدہ طریقہ سے جس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے، کہ خوانندہ اس سے واقف ہو کہ جب ایک شخص از خود رفتگی مین کسی چیز کے اردگرد پھرتا ہے، تو اس کے نقش قدم اس بے نظمی مین ایسی ترتیب اختیار کرتے ہین جو زنجیر کے مشابہ ہوتی ہے،

مرا از دست این مشکل کشایان دل بتنگ آمد زناخنہا گرہ چون غنچہ افتا دست درکارم

مطلب یہ ہے کہ ان غمخوارون کے ہاتھون مین تنگ آچکا ہون، کیونکہ انکی مساعی سے تو اُلٹے میری مشکلین بڑھ جاتی ہین، شعر کے سمجھنے کے لئے اُمور ذیل کا جاننا ضروری ہے،

گرہ درکار افتادن سے مراد کام مین پیچیدگی پیدا ہونا اور توقف پڑنا، ناخن ہائے غنچہ سے مراد وہ برگ سبز ہین جو غنچہ کے نیچے ہوا کرتے ہین چونکہ ان کے درمیان غنچہ کی گرہ ہوتی ہے اس لئے اسی تمثیل سے گرہ کار کی ناکشودگی ثابت کی گئی ہے، (باقی باقی)

پرنس کائتانی کی اطالی تواریخِ اسلام

کا

مقدمہ

(ترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ)

فصل دوم

یورپ اور دنیائے اسلام کی اس باہمی جنگ وجدال کو زمانہ قدیم میں ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور آیندہ بھی حاصل رہے گی، کیونکہ تہذیب حاضرہ ایشیا کے پرانے اور قدامت پسند تمدن پر جو تجزیہ وتحلیل کا عمل کر رہی ہے، مسلمان اقوام میں اس کے رد عمل اور مقابلہ کی ناقابلِ تسخیر قوت موجود ہے، یہ کشمکش کئی مختلف پہلو رکھتی ہے اور مورخ کے سامنے بہت سے مسائلِ مہمہ پیش کرتی ہے، لہذا بے انتہا ملاحظات کے لیے میدان کھلا ہے اور مطالعہ وتحقیق کے لیے بہت سا مواد موجود ہے، عیسائی کلیسا کی رائے میں ظہورِ اسلام ایک بڑی مصیبت تھی جو اس پر نازل ہوئی، کیونکہ اسلام نے اس کے بہت سے پیرو ہمیشہ کے لیے توڑ لیے اور اسے بیحد اخلاقی اور مادی نقصانات پہنچائے، مگر وہ کتاب ابھی تک قلمبند ہونے والی ہے جو اس بھلائی اور فائدہ کو دکھلائے جو اس مذہب نے عیسائیت کو اس کے بیمار اور ناکارہ اعضاء کو قطع کرکے اور اس کو ایک سخت امتحان میں ڈالکر پہنچایا ہے، کیا پروٹسٹنٹ اصلاح نے ایک مفید اثر پیدا نہیں کیا تھا جس کی بدولت فرقہ کیتھولک کا تنزل رک گیا؟ ہمارا ارادہ اسلام کی مدافعت میں کوئی کتاب لکھنے کا نہیں ہے، کیونکہ ہمارے فرائض میں سے ایک یہ بھی فرض ہوگا

کہ ہم ان بیشمار غلطیوں اور ناگفتہ بہ مصائب کو انصاف کے ساتھ بلا رعایت بیان کریں جنہیں اس جنگجو مذہب نے نوع انسان کو مبتلا کیا، مگر بہت مناسب ہوگا کہ اسلام کے مطالعہ کے دوران میں ہم اس افسوسناک منظر کو فراموش نہ کریں جو ساتوین صدی مسیحی کے وسط میں سلطنت بزنطینی کے اخلاقی اور سیاسی حالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ وہ "آرتھوڈوکس عیسائیت" جس کے یونانی اور روسی لوگ ہمیشہ سے معتقد رہے ہیں اور جس نے ساتوین صدی سے لیکر آج تک ترقی کی طرف ایک قدم نہیں بڑھایا، (عدم ظہور اسلام میں) کیا صورت اختیار کرتی، ہم اس پر یہ بھی اضافہ کر سکتے ہیں کہ عیسائیت کے مختلف فرقون میں جو اس وقت موجود ہیں، اور تھوڈوکس فرقہ بوجہ اپنے جمود کے جو تنزل و ادبار کے مساوی ہے، بلا شبہہ سب سے زیادہ بدنصیب ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مشرق قریب اور قرون وسطی کے یورپ کا کیا انجام ہوتا اگر اسلام پیدا نہ ہوتا اور زوال پذیر اور ظلمت زدہ آرتھوڈوکس عیسائیت ہی اس وقت سے لیکر آج تک بلا شرکت غیرے حکمرانی کے لیے باقی رہتی اور (عہد اسلام کی) اس عظیم الشان عربی ایرانی تہذیب کی پیدائش میں سد راہ ہوتی جس نے قرون وسطی کی تاریک صدیوں میں دنیا کو روشن اور منور رکھا، جو شخص مشرق کی سیاحت کرے وہ آرتھوڈوکس فرقہ کی پستی کو بمقابلہ دوسرے عیسائی فرقون یعنی کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے بچشم خود ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اور اس تنقید کے مفہوم و معنی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جو بعض اصحاب کو شاید غیر منصفانہ معلوم ہو، ظہور اسلام سے پہلے ہی مشرق میں آرتھوڈوکس فرقہ توسیع و اشاعت کی تمام قوت کو ضایع کر چکا تھا، ساتوین صدی کے عیسائیون نے اپنے تمام قوی کو بے سود مذہبی جھگڑون اور مباحثون میں صرف کر رکھا تھا اور قدیم عیسائیت کے اعلی مقصد و مدعا یعنی تمام نوع انسان کو دین حق کی تبلیغ کرنے اور ان کو ابدی ہلاکت سے بچانے سے بالکل غافل ہو چکے تھے، آرتھوڈوکس عیسائی پیشتر ہی سے اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ جب انہیں اسلام کے ساتھ معرکہ پیش آیا تو ان کی کمزوری ان کے لیے لازمی طور پر مہلک ثابت ہوئی، یونانیون کی اخلاقی اور فوجی کمزوری اور ساسانیون کا سیاسی انحطاط بدرجہ مساوی تھے۔ اسی طرح مجوسی مذہب بھی فرسودہ ہو چکا تھا۔ غرض یہ کہ مشرق قریب ایسے تمدنوں کے بوجھ کے نیچے کراہ رہا تھا

جن کی اندرونی قوت اور زور بالکل ختم ہوچکا تھا جنین احیا اور نوزائیدگی کی قوت ناپید تھی اور جو درحقیقت پیرانہ ضعیفی کے مارے بالکل ناتوان و نزار ہوچکے تھے،

پھر اچانک دین اسلام نے ظہور کیا، اس کا ظہور گویا تباہی اور بربادی کا تہدید آمیز پیغام تھا، اس کے اصول اگرچہ عیسائیت کے مثل اعلیٰ نہ تھے مگر ایشیائی وہ افریقی اقوام کیلئے زیادہ قریب الفہم تھے[1]، ان اصول کی بدولت اسلام نے آغاز ہی سے ایسی ناقابل تسخیر قوت پیدا کرلی جس سے وہ آسانی کے ساتھ مسیحی دین پر غالب آگیا، اس دین جدید نے کمزور اور ضعیف اقوام مین ایک برقی لہر دوڑادی، ان کے فرسودہ جسمون کو حیات تازہ بخشی اور ایک عظیم الشان تہذیب پیدا کی، اگرچہ اس کا تبلیغی زور زیادہ تر صرف ہوچکا ہے، مگر وہ آج بھی دنیا کی زبردست روحانی یا اخلاقی قوتون مین سے ایک قوت ہے اور ایشیا اور افریقہ مین عیسائی خیالات وعقائد کی اشاعت مین سدراہ ہے۔

فصل سوم

ان مختصر ملاحظات سے اس بات کا سمجھنا آسان ہوگا کہ اسلام کی نسبت ہمیشہ سے عیسائیون کے کیا خیالات واحساسات رہے ہین اور کس طرح مدت دراز سے عیسائیون اور مسلمانون کے باہمی تعلقات کی کچھ ایسی نوعیت رہی ہے کہ اس نے فریقین کو ایک دوسرے کے متعلق دلچسپی سے بے لاگ رائے قائم کرنے سے باز رکھا ہے، ان دو مذہبون کے درمیان اتنی مدت سے اور ایسی شدت سے لڑائی ٹھنی رہی ہے کہ ان کے پیرو ہمیشہ سے صرف خوف اور گہری نفرت کے جذبات سے متاثر رہے ہین، بوجہ دینوی روایات کے یہ نفرت وحقارت ان کی طبیعت مین راسخ ہوگئی ہے، اور اس عہد مین بھی نفرت کی یہ آگ ترکون کی غلطیون کے سبب کئی بار مشتعل

---

[1] یعنی ناکارایشیا اور افریقہ کی وحشی وغیر مہذب اقوام کے فہم و ذہانت مسیحیت کے "اصول عالیہ" کی حقیقت عالیہ تک پہنچنے سے قاصر ہین مگر مصنف علام اس امر واقعہ کے متعلق کیا ارشاد فرمائین گے، کہ عہد حاضر مین متمدن اور مہذب یورپ مین بھی تربیت یافتہ آبادی کا معتدبہ حصہ مسیحیت کی بعیدالفہم تعلیم سے قطعی بیزار ہوچکا ہے (مترجم)

ہو چکی ہے، کئی صدیوں تک عیسائیوں اور مسلمانوں نے اس طور پر زندگی بسر کی ہے اور اب بھی بسر کر رہے ہیں کہ ان کے دل و دماغ باہمی تعصبات اور بدگمانیوں سے مکدر رہے ہیں جو نقصانات کی یاد انتقام کے جذبہ ایذا یافت کی خواہش اور شدید مذہبی جوش کا نتیجہ ہیں، اگرچہ جغرافی، سیاسی اور تجارتی وجوہات سے ان کے مابین ہمیشہ میل جول قائم رہا ہے، تاہم باہمی تنفر اس قدر شدید رہا ہے کہ فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے فریق کے مذہب پر نظر التفات کرنے اور اس کا اطمینان وسکون کے ساتھ مطالعہ کرنے کا روادار نہ تھا، ہر ایک از خود خیال کرتا تھا کہ دوسرا فریق گمراہ ہے اور اس لیے توجہ یا التفات کا مستحق نہیں، یہ صرف انیسویں صدی کی علمی تحریک اور محققانہ میلان کی مقدم فضیلت ہے کہ شایستہ اور مہذب اشخاص کی ایک محدود جماعت اپنے دنیوی دشمن کا بلا رو رعایت مطالعہ کرنے پر راغب ہوئی اور ان لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد جو اپنی قابلیت کو ان تحقیقات میں صرف کرتے ہیں، صاف بتا رہی ہے کہ موجودہ نسل نے آخر کار اس مضمون کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے؛

اگرچہ اٹھارہویں صدی کے عیسائی، اسلامی اصول وعقائد سے اسی قدر نابلد تھے جس قدر ان کے ساتویں صدی والے آبا و اجداد، مگر یہ قول انیسویں صدی کی آخری نسلوں پر صادق نہیں آسکتا، اس بات کو ملاحظہ کرنا خالی از دلچسپی نہیں کہ کس طرح اسلام کے متعلق علما کی دقیقہ شناسی نے مسیحیت کے مبادی اور منابع کی علمی تحقیق کے قدم بقدم ترقی کی ہے، تحقیق و تفتیش کے ان دونوں میدانوں میں زمانۂ حال کے علما محققین نے راست بازی اور علمی منصف مزاجی کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہمارے عہد کے لیے باعث عزت و شرف ہے، تحقیق مذاہب میں علما کو ہمیشہ سے مسیحیت کے ساتھ سب سے زیادہ دلچسپی رہی ہے، مگر اسلام کو اس لحاظ سے بلا شبہہ دوسرا درجہ حاصل ہے، سائنس یعنی علم وحکمت نے تربیت یافتہ لوگوں کے درمیان مذہبی جوش، اور مذہبی جنگ وجدال کے جذبہ کو نیست ونابود کر دیا ہے، چنانچہ زمانۂ حال کی تاریخی تحقیقات میں موجودہ نسل نے جس میں تجزیہ وتشریح کا ولولہ جاری وساری ہے، بجائے قدیم مذاہب یا اخلاقی قواعد کو فنا کرنے یا ان کا مضحکہ اڑانے کے اس بات کا نہایت اقرار کیا ہے کہ حقیقت علیا تک پہنچنا

ناممکن ہے اور اس تصور (یعنی ذات باری کے تصور) کو تمام نقلی اور روایتی حشو وزوائد سے پاک کرکے جو دنیا گذشتہ کے اخلاقی و ذہنی ضروریات سے پیدا ہوئے تھے، ایسی بنیاد پر قائم کیا ہے جو موجودہ علمی مذاق کے زیادہ قرین ہے۔ اس قسم کی تحقیقات میں اسلام کا مطالعہ ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ یہی وہ مذہب ہے جس کے بانی کے متعلق کثیر التعداد معتبر دستاویزیں اور سندیں موجود ہیں، اور جو بدین لحاظ دوسرے مذاہب کی پیدائش پر بالواسطہ روشنی ڈالتا ہے، اور جو اگرچہ عیسائیت کے چھ صدی بعد ظاہر ہوا، ایک طرح سے بطریق قیاس قدیم مسیحیت کے متعلق بعض مخفی اور مشکل نکتوں کے سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے،

حضرت مسیح اور حضرت محمد صلعم دونوں نے جاہل اور اکھڑ قوموں کے درمیان جو ہر نئی چیز کے دشمن تھے، ایک نئے دین کا وعظ کیا، قدیم مقدس روایات کی مخالفت کی، مطلب پرستوں کو جو اپنی دینی یا دنیوی اغراض رکھتے تھے، نقصان پہنچایا اور ایک عالمگیر انقلاب کے لیے راستہ صاف کر دیا، دونوں نے سامی اقوام کے درمیان تبلیغ کی جنہیں دیگر اقوام کی نسبت مذہبی احساس زیادہ قوی ہے اور حالیکہ حضرت مسیح کے حالات زندگی اور عہد رسالت ایسی تاریکی کے پردے میں مستور ہیں کہ جس کا ازالہ اناجیل بھی محض ناقص طور پر کرتی ہیں، حضرت محمد (صلعم) کا عہد نبوت روایات کے ایک ضخیم ذخیرہ کے واسطے، خلف تک منقول ہوا ہے، اگرچہ ان روایات کا صرف ایک حصہ مستند ہے مگر تمام کی تمام غایت درجہ کی دلچسپی اور فائدہ رکھتی ہیں، زمانۂ حال کے مورخ کے نزدیک محمد (صلعم) شیطان کا پلوٹھا بیٹا نہیں ہے (جیسا کہ حروب صلیبی کے مورخین کا خیال تھا) نہ وہ ایسا آدمی ہے جو لوگوں کو جہنم کے ہولناک عذاب سے ڈرا کر دھوکہ دیتا تھا اور نہ وہ اب ایک مفتری خیال کیا جاتا ہے جس کی تکذیب ضروری ہے، بجائے اس کے وہ ایک انسان ہے جو انتہائی درجہ کی دلچسپی رکھتا ہے اور ایک مذہب کا بانی ہے جس نے مسیحیت سے اتر کر دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا اخلاقی اور سیاسی انقلاب پیدا کیا ہے،

عہد حاضرہ کے علما اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ وہ اقوام کی وسیع نقل و حرکت اور مختلف انسانوں

وہ ایجون اور تمدنون کے اختلافات کے اسباب وعلل کو دریافت کرین، ان پچھلے سالون مین کتب علمی کی ایک کثیر تعداد شائع ہوئی ہے، جس مین اسلام کے ہر پہلو کا مطالعہ ایسے محققانہ انداز سے خالی الذہن ہوکر کیا گیا ہے جس کی بدولت جدید اسکول نے طبعیات کے میدان مین بڑے بڑے اکتشافات کئے ہین، اس سلسلہ مین انیسوین صدی کے پچھلے بیس سالون مین بڑی تسلی بخش ترقی ہوئی ہے، اگرچہ جو کتابین پہلے پہل لکھی گئی ہین ان مین ابھی تک وہ نفرت پائی جاتی ہے جو ان دو مذہبون کی قدیمی معاندانہ کشمکش سے متوارث ہوتی چلی آئی ہے، قدیم مورخین کا موضوع اس امر کو ثابت کرنا تھا، کہ کس طرح محمد (صلعم) نے جو ان کے نزدیک ایک مفتری تھا (نعوذ باللہ) اپنے معصونکو دھوکہ دینے مین کامیابی حاصل کی، بعد مین اس قضیہ کو بطریق دیگر پیش کیا گیا یعنی اس کے متعلق فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس بات کا دریافت کرنا ضروری سمجھا گیا کہ وہ کون تھا؟ اس نے کیا کچھ کیا؟ اس کی تعلیمات اور اصول مذہب مین کونسی بات اچھی اور کونسی بری تھی؟ اور پھر ان مقدمات سے اس بانی مذہب کے کام کو پر کھکر نتائج اخذ کیے جائین، اس کے گردوپیش کے حالات کیسے تھے؟ اور کس طرح اسکی آواز کی گونج نے ایک قوم کی قوم کو دنیوی غفلت سے بیدار کرکے تسخیر عالم کی طرف تحریک کی؟ اس زعم کو کہ وہ ایک مفتری تھا، ترک کردیا گیا؛ کیونکہ ایک ایسے مذہب پر افترا کا الزام لگانا ناممکن تھا جس نے روئے زمین کو بدل دیا تھا، اس بات کو محسوس کیا گیا کہ نبی (علیہ السّلام) کی تعلیم نے ساز قلب انسانی کے کسی گہرے اندرونی تار کو چھیڑا تھا، اور اب بھی اس کی گہرائیون مین بڑے زور کے ساتھ جنبش پیدا کر رہی ہے اگرچہ پیغمبر کی آواز کو خاموش ہوئے تیرہ صدیان گذر چکی ہین

مگر چونکہ علماء نے حضرت محمدؐ کی واحد ذات کو اپنی تحقیقات کی بنیاد قرار دیا اس لیے وہ پیشتر کی طرح غلطی مین مبتلا رہے بلکہ انھون نے اس طرح حقیقت کی تلاش مین ایک مصنوعی رکاوٹ پیدا کرلی، یہ بات انسان کی طبیعت مین داخل ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو ایک خاص شخص کے ساتھ منسوب کرتا ہے یعنی ہر ایک شئے کی اصل کو کسی ایک شخص واحد کی ذات مین ڈھونڈھتا ہے اور جو دیگر اہم عناصر اس کے علاوہ ہین ان کو نظرانداز کرتا ہے، ان عناصر سے ہماری مراد جماعت انسانی کے وہ حالات ہین جن کے درمیان رہکر ایک خاص شخص

مصروف کار رہا، اور جنھون نے علمِ دین کی ابتدائی، اور اصلی تعلیمات مین آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کی اور ان پر اضافہ کیا، یہ محض اس اکیلے شخص کی ذات نہ تھی بلکہ یہ کل جماعت انسانی تھی، اپنے مجموعہ محاسن و معایب کے تھی جس نے عظیم الشان تاریخی واقعات کو پیدا کیا، ہم مطالعہ و تحقیق کے وقت فرد کو اس جماعت سے علحدہ نہین کر سکتے جس کے درمیان اُسنے سعد وجہد جاری رکھی، یہ بات کہنا کہ ایک معمولی تربیت والے انسان کی مختصر زندگی جو ایک غیر مہذب اور ناشائستہ فضا مین گذری تھی، جیسی کہ ساتوین صدی مین مدینہ کی حالت تھی، ایک عالمگیر انقلاب کا باعث ہو سکتی ہے، ایک ایسا دعویٰ ہے جو انسان کو بالضرور غلطی مین مبتلا کریگا، اور جس کا ثابت کرنا خاصہ مشکل ہے، یہ دعویٰ درحقیقت ایسا مشکل ہے کہ وہ لوگ جو اس کو پیش کرتے ہین، اس بات پر مجبور ہو جاتے ہین کہ جہان وجوہ اور واقعات مفقود ہون، وہان کی پوری کرنے کے لیے اپنے تخیل کو کام مین لائین، ان اغلاط کو رفع کرنے کے لیے ایک جدید طبقہ علمار کا ظاہر ہوا جس کے مد نظر کوئی دعویٰ نہ تھا، اور جو کسی خاص بات کو ثابت کرنا نہین چاہتا تھا، انھون نے اخبار و آثار کو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیا، ان کو یکجا جمع کر کے مرتب و مدون کیا، اور ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور صرف اس بات کو مد نظر رکھا کہ سچ اور جھوٹ کو صاف صاف آشکارا کیا جائے، ان کی اس صبر آزما محنت و کوشش سے سچائی کی روشنی خود بخود ظاہر ہوئی، اور جھوٹی روایات اور قدیم تعصبات کی تاریکی مین اجالا ہونا شروع ہوا، آج ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ اسلام کے متعلق تاریخی تحقیقات نے وہ راستہ اختیار کر لیا ہے، جو سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ابھی ہم کو بہت سا راستہ طے کرنا ہے اور بہت سے رخنے بند کرنے ہین، تاہم تاریخِ اسلام مضبوط بنیاد پر قائم ہو چکی ہے، اور مبادیِ اسلام کی واحد اور اصلی صورت نظر آنے لگی ہے، تالیف ہذا کا مقصد صرف یہ ہے کہ مین نے ان تحقیقات عالیہ مین جو ناچیز حصہ لیا ہے، اس کو پیش کرون،

لہ معارف: بشرطیکہ ہمارا فاضل ایطالی شہزادہ تہذیب اور شائستگی کے معنی پہلے متعین کر لے، یہ بھی مباحثہ طلب امر ہے کہ شخص جماعت کو پیدا کرتا ہے، یا جماعت شخص کو پیدا کرتی ہے، اگر دوسرا مفروضہ صحیح ہو تو جاہلون مین کبھی انقلاب پیدا نہ ہو، تاریخ کی مثالین اس پر گواہ ہین پھر اسی طرح سوال ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے عہد کی جماعت نے حضرت مسیح کو پیدا کیا یا حضرت مسیح نے اس جماعت کو پیدا کیا،

روداد ترتیب رقعات عالمگیری

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے،

رقعات عالمگیری کی ترتیب کا جو کام دار المصنفین کی طرف سے انجام پارہا ہے، اُس کے متعلق بعض شائقین اکثر سوالات کرتے رہتے ہین، اس غرض سے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کام کس نہج سے اور کس طرح انجام دیا جا رہا ہے،

ذیل مین سید نجیب اشرف صاحب ندوی کی مرسلہ دفتری روداد شائع کرتے ہین، "معارف"

مین نے اپنے ایک عریضہ مین جناب کو لکھا تھا کہ اورنگ زیب کے خطوط کو یکجا اور تمام جمع کرنے کے لئے ایک عمر کی ضرورت ہے، یہ تمام مجموعے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی کسی ایک لائبریری ایک شہر یا ایک صوبہ مین جمع نہین بلکہ یورپ مین بھی مختلف مقامات پر منتشر ہین، کوئی برٹش میوزیم عجائب خانہ مین ہے کوئی دفتر وزیر ہند مین، کوئی پیرس مین، کوئی برلن مین وقس علی ہذا، اور چونکہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد جہان تک مین سمجھا ہون کسی ایک خاص کتاب کا الٹ کرنا نہین، بلکہ ایک ایک عہد (PERIOD) کے متعلق اورنگ زیب کے تمام خطوط کا جمع کرنا ہے، اس لئے مین نے ابتدا ہی سے یہ طریقہ رکھا ہے کہ جس جس کتاب مین بھی جو جو خط مل گیا اور جس جس جگہ بھی اس کا پتہ چلا اسے نقل کر لیا، چنانچہ جن مجموعون اور تاریخون مین یہ خطوط ہین، ان کی فہرست بطور ضمیمہ الگ درج ہے، جناب بابو جدو ناتھ سرکار وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے ہم ممنون ہین کہ ان کی توجہ سے برٹش میوزیم، انڈیا آفس، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، خدا بخش خان کے کتب خانہ سے کتابین نقل کرنے کے لئے آجاتی ہین،

اس کے علاوہ یقیناً آپ کو اس بات کا بھی کامل علم ہوگا، کہ شاہجہان کے آخری بارہ سال اور اس کے بعد کی خانہ جنگی کی کوئی تاریخ اب تک شائع نہین ہوئی ہے، اور ان کی عدم موجودگی مین ان خطوط کی ترتیب نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے،

عالمگیر نامہ اگرچہ شائع ہو چکا ہے لیکن وہ اورنگ زیب کا سرکاری روزنامچہ یا بیان ہے، اور وہ بھی صرف برادرانہ جنگ کے متعلق، مآثر عالمگیری بالکل بیکار ہے۔ اس عہد کے لئے چار یا پانچ قلمی کتابوں کی ضرورت ہوئی ان میں سے تین تو ہندوستان ہی میں مرسے سے ؟ نہیں ہیں، نہایت محنت و جانفشانی سے اس کام کے لئے حسب ذیل قلمی کتابوں کو نقل کرایا، جن کی فہرست درج ذیل ہے:-

فہرست کتب نقل شدہ

نمبر	نام کتاب	صفحات	کیفیت	ماخذ
(۱)	بادشاہ نامہ وارث	۷۰۰ صفحہ	شاہجہان کے ۲۰ سال کے روزانہ حالات	نقل از کتبخانہ خدا بخش خان و مقابلہ کردہ ایشیاٹک سوسائٹی
(۲)	تاریخ صالح کنبو	۷۰۰ صفحہ	شاہجہان کے آخری سالوں کی تاریخ	"
(۳)	آداب عالمگیری	۷۰۰ صفحے	اورنگزیب کے خطوط بتوسط ابو الفتح ولید از شاہجہان وخطوط شہزادی اکبر بنام اورنگ زیب وغیرہ	"
(۴)	ظفر نامہ عالمگیری مصنفہ عاقل خان رازی	۱۰۰ صفحہ		از ایشیاٹک سوسائٹی بنگال
(۵)	تاریخ شاہ شجاعی	۲۲۶ صفحے	شاہ شجاع کے ایک افسر کا چشم دید حال و خطوط	انڈیا آفس لائبریری
(۶)	تاریخ جنگ دارا	۱۴۰ صفحے	مصنفہ صادق بنارسی معتمد اکبر پسر عالمگیر	خدا بخش خان لائبریری
(۷)	فیاض القوانین	۲۵۰ صفحے	خطوط مراد، شجاع، دارا، جہان آرا بنام اورنگزیب شاہجہان وغیرہ	جدونات سرکار لائبریری
(۸)	خطوط مرزا راجہ	۱۰۰ صفحے	خطوط راجہ جے سنگھ متعلق تعاقب دارا و جواب از جانب عالمگیر	پیرس قومی کتبخانہ
(۹)	انشائے فارسی	۵۰ صفحے	خطوط اورنگزیب بنام اکبر وغیرہ	ایشیاٹک سوسائٹی

(۱۰) روزنامچۂ اورنگزیب ۰۰ ۳صفحے پیدائش سے موت تک کے لئو بیار روزانہ حالات مع تعیین سن ہجری اور سن عیسوی، خود تیار کردہ وکتبخانہ جدو ناتھ سرکار،

(۱۱) مجموعہ خطوط ۰ ۱۰۰ صفحے خطوط سلاطین دکن اور اورنگزیب شاہجہان وغیرہ، سرسالار جنگ لائبریری،

(۱۲) تلخیص خطوط و واقعات از ۵۰ صفحے، برٹش میوزیم نمبر ۲۲۸۸۶، فتوحات عالمگیری مصنفہ ایشر داس ناگر،

(۱۳) مجموعہ فرامین خطوط عالمگیر متعلق سیواجی وغیرہ ۴۰ صفحے ملوکہ (Mr. D. B. Parasnis (Poona))

(۱۴) 〃 〃 ۴۰ 〃 (Mr Vasu dev Vishnu (Satara))

(۱۵) 〃 〃 ۲۰ 〃 (Mr William (mino (London))

(۱۶) 〃 〃 ۲۰ 〃 (Dhar State Dhar)

(۱۷) تاریخ فرینہ شاہجہان ۲۰۰ زیر کتابت (بوہار لائبریری امپیریل لائبریری کلکتہ،

(۱۸) طبقات رجائی مندرجہ خطوط، ۴۰ زیر کتابت و ترتیب

(۱۹) خطوط از بہارستان، ۲۰۰ 〃 عالمگیر کا خط بنام شاہ ایران و فرمان معافی محصول،

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کتابوں کی نقل و ترتیب کے بعد دوسرا کام ان کا اصل یا دوسرے نسخون سے بالاستیعاب مقابلہ بھی تھا اور یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں ہے، اس لئے اس کی دشواری واہمیت و وقت طلبی کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں،

اب نفس خطوط کے متعلق عرض ہے،

ہر خط کو یون تو چار مرتبہ پڑھنا پڑتا ہے

(الف) ہر خط کو جس جس نسخہ مین وہ ہے، اس سے مقابلہ کرکے اس مین ایک ایک نقطہ کا جو اختلاف ہو اس کو لکھنا، چنانچہ بعض خطوط چار چار یا پانچ پانچ مرتبہ مقابلہ کے لئے ہی پڑھنے پڑے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو خط مین ۲۶ گھنٹے

ختم ہو گئے۔

(ب) اشخاص و مقامات کے ناموں کے لئے پڑھنا،

(ج) واقعات کو تاریخی (CHRONOLOGIC-ALLY) ترتیب دینے کے لئے پڑھنا (جواب تیار ہو چکی ہے)

(د) کتابوں سے ان خطوط کا پتہ چلانا جن کے جواب میں یہ خطوط لکھے گئے ہیں، یا جو جوابات ان خطوط کے متعلق لکھے گئے ہیں، اور ان کو نقل کرنا، اس کے علاوہ ایسے خطوط کا پتہ چلانا جن سے ان خطوط کے متعلقہ واقعات پر بین الاقوامی یا ڈپلومیٹک روشنی پڑتی ہے، مثلاً حکومت ایران سے خط وکتابت، دکنی حکومت کی شیعہ سلطنت کے قیام کے لئے سازش یا قندھار کے متعلق مراسلات وغیرہ، میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ ایک جگہ، ایک راستہ یا ایک آدمی کے تعین و تحقیق میں ہفتہ کا ہفتہ گذر جاتا ہے،

میں نے آپ کو اپنے ایک سابق عریضہ میں جس کی بنا پر آپ نے معارف کے شذرہ میں بھی تذکرہ کیا تھا، لکھا تھا کہ پہلی جلد اس طرح ہوگی۔

جلد اول، حصہ اول،

(۱) خطوط بنام شاہجہان،

(الف) نظامت ملتان (ب) محاصرۂ قندھار، (ج) واپسی از قندھار تا برہان پور (د) قیام دہ ماہہ برہان پور

(ہ) قیام دولت آباد، (و) دلیسی ریاستیں، (ز) جنگ گولکنڈہ، (ح) جنگ بیجاپور، (ط) خانہ جنگی، (ی) بعد از جنگ تا وفات شاہجہان،

(۲) خطوط بنام شاہ شجاع،

(۳) خطوط بنام مراد بخش،

(۴) خطوط بنام جہان آرا بیگم،

(۵) خطوط بنام سلطان معظم،

(۷) ضمیمہ،

(الف) خطوط شاہجہان بنام اورنگ زیب،

(ب) خطوط شاہجہان بنام دارا، مرادبخش، شاہ شجاع وغیرہ،

(ج) خطوط مرادبخش بنام اورنگ زیب، شاہ شجاع، شاہجہان وغیرہ،

(د) خطوط شجاع بنام اورنگ زیب، مراد، شاہجہان، وغیرہ،

(ہ) خطوط جہان آرا بنام اورنگ زیب، مراد وغیرہ،

(و) خطوط دارا بنام سلیمان شکوہ، اورنگ زیب وغیرہ،

(ز) خطوط شاہ ایران، وغیرہ،

اس کے علاوہ اس جلد کی ابتدا مین ایک دیباچہ ہوگا، اور اس کی مفصل ذیل سرخیان ہونگی:۔

"دیباچہ"

(الف)

(۱) فن انشار کی تاریخ:۔

(الف) ابتدا، (ب) مختلف اقوام مین اس کا رواج،

۲۔ اسلامی ادبیات مین اس کا درجہ۔۔۔۔ عربی و فارسی،

(الف) دار الانشار (ب) اس فن پر کتابین عربی و فارسی، (ج) ہندوستان مین اس سلسلہ مین کوشش، اس کی ارتقار، اس کے اقسام،

۳۔ تاریخی خطوط عموماً اور مکاتیب اورنگزیب کی خصوصاً تاریخی اہمیت،

(الف) ان کے اقسام (ب) ان کی موجودگی، (ج) خطوط کون لکھتا تھا، (د) اورنگزیب خط نویس کے اعتبار سے،

(ب)

(۴) تاریخ اورنگزیب پر روشنی،

(۱) گورنر

(الف) ایک ناظم کی حیثیت سے :-

نظام حکومت ، زراعت ، مالگذاری ، افسروں کی سفارش و تنبیہ ، ہندو افسروں سے برتاؤ ، ایمانداری ، راست بازی ، انتظام جرائم ، فوج کا ضابطہ تنخواہ کا صحیح مصرف ، ہندوؤں کی آبادی ، تجارت وغیرہ ،

(ب) محاصرہ قندہار :-

روانگی ، حربی قابلیت ، ناکامیابی کے اسباب ، اورنگزیب کی معصومیت ،

(ج) سرحدی قبائل اور دیسی ریاستیں :-

بوج قبائل دیوگڈھ ، جوار ، چاندہ ، کرناٹک ، سیواجی وغیرہ ،

(د) گولکنڈہ و بیجاپور :-

ڈپلومیٹک قابلیت ، میر جملہ ، اورنگزیب کی اصلی نیت ، جنگ کا افسوس ناک انجام ،

(۲) خانہ جنگی ،

(الف) تعلقات باپ سے ،

(ب) " دارا "

(ج) " جہان آرا "

(د) " مراد "

(ہ) " شجاع "

(و) " وزراء و حکام "

(ز) دارا کی اورنگزیب کو ذلیل کرنے کی مسلسل سازشیں ، باپ کا ضرورت سے زیادہ لاڈ و پیار ، باپ کے کان بھرنا ، سرحدی قبائل کو در غلانا ، جھوٹے الزامات تراشنا ، دخل در معقولات ، دربار میں حملے کرنے وغیرہ ، دارا کی دوسرے بھائیوں کے

خلاف سازش، اس کا مذہبی عقیدہ، اس کی تنگ ظرفی بھائیون کے خلاف کارروائیان، اوران سب کا لازمی نتیجہ شاہجہان کی علالت کی خواہشکے ساتھ بھائیون کی جنگ کا آغاز،

(ج) مراد و شجاع کی جلد بازی، اورنگزیب کا تدبر، اس کا حقیقی ارادہ ... یقیناً حکومت تھا، .. ثبوت میر جملہ سے سازش مراد سے معاہدہ، برادرانہ خطوط بنام شجاع،

(د) دارا، جہان آرا، شاہجہان وغیرہ کا متفقہ طور سے اورنگزیب کو تباہ کرنیکی کوشش ہندی خط بنام دارا بنام شجاع و بنام راو

(ی) باپ سے سلوک، ضرورت جنگ، و بعد از جنگ تلافی مافات،

(ک) مراد کی قید،

(ل) دارا کا معاملہ،

(م) شجاع سے جنگ،

(۳) بین الاقوامی تعلقات بلخ و بخارا، ایران وغیرہ سے خط و کتابت، ایران سے مراد کی طلب امداد، ایران کا حقیقی مقصد اور اس کا ثبوت، اسکا دکن کی اسلامی سلطنتون پر مہلک اثر،

(۴) خاتمہ،

اس کے علاوہ آخر مین اختلافات قرأۃ کا ایک ضمیمہ ہوگا، اس کے بعد جتنے آدمی اور مقامات کا تذکرہ آیا ہے انکے مختصر حالات، اور بشرط امکان راستون اور محاصرہ کے مقامون کے نقشے بھی دیئے جائین گے، یہ صرف حصہ اول جلد اول کے حصہ دوم مین جو خطوط ہین وہ چونکہ اسی عہد کے ہین اس لئے ان پر کوئی الگ دیباچہ تو نہ ہوگا، لیکن سوانح و مقامات کا ضمیمہ اور جن جن لوگون کے جوابات ملے ہین انکے بھی خطوط کا ضمیمہ دیا جائیگا، اور اس طرح یہ جلد اورنگ زیب کے عہد شہزادگی سے لیکر تخت نشینی و جنگ برادرانہ کے خاتمہ تک کی مفصل تاریخ ہوگی،

سرمد کی زندگی
کا
ایک کہنہ ترین ورق

سرمد کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں، ان میں سب سے قدیم کتاب دبستان المذاہب ہے جس کا مصنف ۱۰۵۵ھ میں حیدرآباد دکن میں اس سے ملا تھا، اس کے بعد عہد عالمگیری کے دو تذکرہ نویس علی قلی خان واله داغستانی (یا نصیرآبادی) اور شیر خان لودی نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے قتل کا حال لکھا ہے، اس کے بعد دوسرے بہت سے متاخر زمانہ کے تذکرے ہیں اور یہی سرمایہ ہے جو اب تک سرمد کے حالات زندگی کے بیان و تشریح میں کم و بیش استعمال کیا گیا ہے، لیکن اب ہمارے ایک لائق دوست مولوی ابو محمد صاحب نیر ناقی نے سرمد کے متعلق ایک اور پرانی دستاویز کی تحقیق کی ہے، یہ دستاویز بانکی پور کے مشہور مشرقی کتبخانہ کی ایک قلمی کتاب مجمع الافکار میں ہے، صاحب مجمع الافکار نے اس کو نواب معتمد خان کی یادداشت سے بعینہ نقل کیا ہے

نواب معتمد خان شاہجہان کے دربار کا ایک مشہور امیر تھا، وہ اورنگ زیب اور داراشکوہ کی جنگ میں داراشکوہ کی طرف سے لڑتا ہوا ۱۰۶۸ھ میں مارا گیا،[1] اس لئے اس کا بیان متعصب اور ظاہر پرست اورنگ زیب کے عہد کی رنگ آمیزی سے خالی ہوگا، اور چونکہ وہ داراشکوہ کا طرفدار تھا اس لئے یہ شبہہ نہ گذریگا کہ داراشکوہ کی دشمنی میں اسنے اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے،

معتمد خان لاہور میں سرمد سے ملا تھا، اور سرمد کے محبوب ابھے چند کو بھی اس نے دیکھا تھا، معتمد خان نے اپنی

---

[1] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۱۱۵

ملاقات کی تاریخ نہیں لکھی ہے، لیکن اتنا پتہ دیا ہے کہ وہ شاہجہان کے ساتھ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے لاہور میں اس سے ملا تھا، یہ ظاہر ہے کہ سرمد سندھ سے بالاتفاق ۱۰۴۲ھ میں آیا تھا، اور وہاں چند سال تک رہا، اور ۱۰۴۷ھ میں وہ دبستان المذاہب کے مصنف کے بیان کے مطابق حیدر آباد میں تھا، اور ۱۰۵۶ھ میں معتمد خان مر گیا، اب شاہجہان کے سفر کشمیر کی تاریخیں دیکھئے، شاہجہان چار بار کشمیر گیا ہے اور آیا ہے، پہلی دفعہ ۱۰۴۳ھ میں گیا اور آیا، دوسری دفعہ ۱۰۴۴ھ میں جا کر ۱۰۴۵ھ میں لاہور واپس آیا، پھر ۱۰۴۵ھ میں جا کر ۱۰۴۶ھ میں واپس آیا، پھر ۱۰۵۰ھ میں کشمیر گیا، اور ۱۰۵۱ھ میں واپس آیا، اس بنا پر نواب معتمد خان کا سرمد سے ملنا ۱۰۴۳ھ کے سفر لاہور میں ناممکن ہے کہ وہ اس وقت سے سندھ میں تھا، اس لئے یہ ملاقات ۱۰۴۵ھ میں ہوئی ہوگی، یا ۱۰۴۶ھ میں یا ۱۰۵۱ھ میں،

اس تمہید کے بعد اب مجمع الافکار کی عبارت آپ کے سامنے ہے،

" از واردات طبع نواب معتمد خان مرحوم است: سرمد نام یہود پسرے کہ بعد کسب فضیلت کردہ چندے در خدمت شیخ بہاؤ الدین محمد، و برخے در ملازمت میر محمد باقر داما دبسر بردہ در ۱۰۴۲ھ بہ ہوائے سیر و تفریح تماشائے ممالک ہندوستان قدم ہمت در بادیہ طلب نہادہ، از راہ دریا بولایت ٹھٹھہ رسید واز اتفاقات حسنہ در نمک زار ٹھٹھہ بکمند عشق ہندو پسرے اسیر گشتہ از ان کان ملاحت نمک جوش محبت می نماید، و در آغاز تعلق و گرفتاری آن کافر بے رحم نگاہ آشنا بجانب او نمی کند بدرش از بیم رسوائی نزد محمود بیگ بخشی واقعہ نویس ٹھٹھہ اظہار این معنی می نماید، و آں بے درد یک چندے مطلوب او را دعا صبا و شمال متعذر بود مخفی می دارد، آشوب عشق و جنون سرمد بہ شورش درمی آرد، از تلاطم محبت و جوش و خروش جنون انچہ در بساط داشتہ با آتش سوختہ خود را از لوث تعلقات پاک ساختہ، خاکستر نشین بچار بالش سلطنت دانستہ عریان بر لباس زمین عار نشینی نشینند اتفاقاً بیتے از محمود بیگ بخشی واقعہ نویس در گوش او می رسد

کلید مخزن افلاک گر در دست من باشد　　کواکب را براہ اہل حاجت چون درم پاشم

سرمد ابیات گفتہ نزد محمود بیگ فرستاد،

اے باد بگو بہ میرزا اے بخشی　　کاے کردہ فلک بزیر رایت رخشی

گفتی کہ کواکب چون درم می بخشم خورشید مرا نیز بمن می بخشی

چون نشاء محبت را از صدق چاشنی داشت، دامن خودش از آلودگی پاک بود، و پس از مدتے سر و سراپا برہنہ رو نورد بادیۂ جنون گشتہ بہ لاہور شتافتند و چون موکب سفر حضرت شہنشاہی از سیر و تماشاے گلگشت ہمیشہ بہار کشمیر عطف عنان نمودہ در مستقر السلطنۃ لاہور نزول اجلال ارزانی فرمودہ، راقم الحروف در باغ صلاح آنجا یافتہ بذوق ملاقات شتافت، سرمد را دید نہ سر و پا برہنہ عریان، نہ لباس عاریت، بید موی سر و ریش در ہم رجولیدہ و ژولیدہ؟ و مجذوب شدہ سے، سخن بہت و یاد را، با فلک و ملک در جنگ و گاہ بکائنات در عالم سخن بسیار گفتے و شعر خواندے اکثر مربوط و احیاناً نامربوط لیکن بہر حال رشتۂ رضا جوئی محبوب از دست نہ دادہ، و محبوبش بالاپوش کہنہ بر خود پیچیدہ نشستہ بود، خالی از ملاحت نبود، و فارسی را درست می گفت و طبیعت موزون ہم داشت"

نواب معتمد خان کی اس تحریر کے بعد سرمد کی زندگی کے متعلق دوسری سب سے پرانی تحریر دبستان المذاہب کے مصنف کی ہے جس نے [illegible]ھ میں حیدرآباد میں اس سے ملاقات کی تھی، لیکن یہ دونون تحریرین عہد عالمگیری سے پہلے کی ہین، اور ان سے "عالمگیر اور سرمد کے تعلقات پر روشنی نہین پڑتی، یہ روشنی دوسرے تذکرون سے حاصل ہوسکتی ہے، معارف مین جب منصور حلاج پر ایک مضمون لکھا گیا تھا، تو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا کہ ابھی ایک "شہید" اور باقی ہے، کیا عجب ہے کہ اس "شہید" کی قتل کی بھی باری آجائے،

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نطشے کی سوانحعمری اور اس کے خیالات، افکار اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے باقی تین ابواب مین خیر و شر مسیحیت، اور آیندہ بشر یعنی فوق البشر پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح

قیمت عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ امریکہ اپنی دولت و ثروت مین دنیا کے تمام براعظمون سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ باوجودیکہ اس کی آبادی سارے عالم کے تناسب سے صرف ۲ ۱/۲ فی صدی ہے، اور اس کا رقبہ دنیا کے پورے رقبہ کے تناسب سے صرف ۱/۲ ۶ فی صدی ہے، اگر دنیا کی دولت و ثروت کا نصف حصہ امریکہ کی سرزمین سے وابستہ ہے، کیونکہ روئی، لوہا، فولاد، سیسہ، لکڑی، تانبا، اور پٹرول وغیرہ کا وجود دنیا مین جس قدر ہے، ان مین کم سے کم ۵۰ فی صدی اور اکثر چیزون کا اس سے زیادہ حصہ صرف امریکہ کے قبضۂ قدرت مین ہے،

مفلوک ہندوستان جس مین ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط صرف ۶ پائی روزانہ ہی اس کے تخیل سے یہ بالاتر ہے کہ امریکہ مین اس وقت ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط ۶۰۰ پونڈ سالانہ ہے، جو آج سے ۲۳ سال پہلے ۲۷۳ پونڈ کی تعداد مین تھا، اور ۵۰ سال پہلے ۱۲۵ پونڈ کی تعداد تھی، ۱۲۵ سے ۶۰۰ پونڈ کی ترقی صرف ۵۰ سال کی صنعتی و تجارتی جد وجہد کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے،

خیر بازیچۂ ہندوستان اور آزاد امریکہ کی ثروت کا موازنہ تو ایک المناک داستان چھیڑ دیگا، جب امریکہ کا خود یورپ کے ممتاز و متمدن ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ مین ایسے ۴۰ فی صدی افراد ہین جو ڈنمارک اور آسٹریلیا کے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ اصحاب ثروت سے زیادہ صاحب ثروت ہین، اور جرمنی کے اصحاب ثروت کے تناسب سے امریکہ مین ایسے ۶۰ فی صدی اشخاص پائے جاتے ہین، اور جب جدید تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے مرکز پیرس کے اصحاب ثروت کا تناسب دیکھا جائے تو امریکہ مین ۵۰ فی صدی ایسے افراد ملین گے جن کی ثروت کے مقابلہ مین

کوئی صاحب ثروت پیش نہیں کیا جا سکتا، اور ان کے علاوہ سوئیڈن اور ہالینڈ وغیرہ کا تناسب تو پورے پورے ۱۰۰ فی صدی ہے۔

اس کے باوجود امریکہ کے ہر دس آدمیوں میں صرف چار شخص ایسے ہوتے ہیں جو معاش پیدا کرتے ہیں، اور باقی ۶ شخص انہیں چار اشخاص کی محنت سے پرورش پاتے ہیں،

ایک طرف ان کی دولت و ثروت کی یہ بہتات ہے اب دوسری طرف ان کی تعلیمی دلچسپیوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی چاہیے،

یہاں کے اکثر حصوں میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم جبری قرار دی گئی، حکومت کی طرف سے مدارس قائم ہیں جن کے تمام اخراجات خود حکومت برداشت کرتی ہے، ابتدائی تعلیم کی مدت آٹھ سال اور ثانوی کی چار سال ہے، ان مدارس میں ۵ سے ۲۰ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، ان کے علاوہ غیر سرکاری مدرسے بھی قائم ہیں جن میں بالعموم سرکاری مدارس کی عمر کی قید سے بڑھ جانے کی وجہ سے طلبہ آکر داخل ہوتے ہیں، اس کے علاوہ بعض دیگر وجوہ سے بھی طلبہ ان مدارس کا رخ کرتے ہیں،

آج کل وہاں ۵ سے ۱۷ برس کے ۲۹ ملین لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن میں سے ۲۵ ملین سرکاری مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں جن میں سے ہر لڑکے پر ۱۴، ۱۵ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا ہے، اور یہ تعداد ان طلبہ کے علاوہ ہے جو غیر سرکاری مدرسوں میں تعلیم پا رہے ہیں، امریکہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہاں کی اعلیٰ تعلیم میں ہر قسم کے طلبہ بلا امتیاز شریک ہوتے ہیں جس کا اندازہ یونیورسٹی کے طلبہ کی مجموعی تعداد سے لگایا جا سکتا ہے، چنانچہ ۱۹۱۰ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۲۰۵ ہزار تھی، پھر یہی تعداد ۱۹۲۲ء میں ۵۲۰ ہزار تک پہونچ گئی، اور اس سال ۱۹۲۶ء میں صرف کلمبو یونیورسٹی نیویارک سے ۷۰۰۰ مرد اور عورتیں فارغ التحصیل ہوئی ہیں صرف یہاں کی یونیورسٹیوں کے مصارف .. ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہیں جس کا ایک تہائی حصہ طلبہ کی فیس سے ادا ہوتا ہے،

امریکہ کے اس تعلیمی سلسلہ کے ساتھ وہاں کے شعبہ نشر و اشاعت کو دیکھا جائے تو مثلاً صرف ۱۹۱۲ء میں ۵۰ ملین

کتابین چھپ کر شائع ہوئین، اور اسی طرح ۱۹۲۵ء مین ۲۵۳ ملین کتابین طبع ہوئین، اور اگر آج کل کی کتابون کی مجموعی تعداد دریافت کرتی ہے تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہان کی شایع شدہ کتابون کی مجموعی تعداد روزانہ اتنی ہوتی ہے کہ امریکہ کے ہر ایک مرد وعورت، لڑکے اور لڑکی کے حصہ مین تین تین کتابین آتی ہین یعنی وہان کی مجموعی آبادی سے تین گنا زیادہ کتابین روزانہ طبع ہوتی ہین، اور پھر اخبارون کی تعداد کو شمار کیا جائے تو وہان کے ہر چار آدمیون مین مستقل ایک اخبار حصہ مین آتا ہے، اور ان کے علاوہ ماہوار، ہفتہ وار رسالے وغیرہ کی تعداد ۲۶ ہزار ہے،

اس لئے اگر امریکہ اپنی دولت وثروت اور کیمیاوی وصنعتی ترقیون مین یورپ سے پیش پیش ہے تو علمی وتعلیمی میدان مین بھی بہت آگے نکل چکا ہے،

"ر"

جاپانی اخبار نویسی

تمام متمدن ممالک مین امریکہ اور انگلستان اخباری ترقی کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ خیال کئے جاتے ہین لیکن حال مین ایک جاپانی اخبار نویس نے امریکہ کے رسالہ ایشیا مین جاپانی اخبار نویسی کی ترقی پر ایک مضمون لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاپان اس مین امریکہ اور انگلستان پر بھی فوقیت رکھتا ہے، اس مضمون کا خلاصہ نومبر ۱۹۲۶ء کے مقتطف مین شایع ہوا ہے، اور ہم معارف مین اس کا خلاصہ شایع کرتے ہین،

جاپان کا رقبہ امریکہ کے ایک صوبے کے رقبہ کے برابر ہے، اور اس کی مردم شماری ۶۵ ملین ہے حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری ۱۰۵ ملین سے بھی زائد ہے، لیکن باایں ہمہ جاپان مین ۱۱۳۰ اخبار روزانہ اور ۲۸۵۰ اخبار ہفتہ وار اور ماہوار نکلتے ہین، روزانہ اخبارات کی مجموعی تعداد جو ہر روز شایع ہوتی ہے، ۱۰ ملین ہے یا بالفاظ دیگر ہر ۶ آدمی کے حصے مین ایک اخبار آتا ہے،

اس دس ملین کی تعداد مین تقریباً نصف یعنی پانچ ملین کی تعداد صرف دس بڑے اخبارات پوری کرتے ہین جو ٹوکیو اور اوساکا سے شائع ہوتے ہین، ان مین دو اخبار جو "اوساکا ماینشی" کمپنی سے تعلق

رکھتے ہین سب سے بڑے ہین، ایک کا نام "اوساکا مینشی" ہے جس کی روزانہ اشاعت تقریباً ایک ملین ۲ لاکھ ہے، دوسرے

کا نام "ٹوکیو نیشی نیشی" ہے اور وہ روزانہ ۹۰۰ ہزار کی تعداد مین چھپتا ہے،

ان دونون کے بعد دو اخبارون کا درجہ ہے جو "اوساکا اساہی" کمپنی سے تعلق رکھتے ہین، ان مین ایک کا

نام "اوساکا اساہی" ہے جو اوساکا سے شائع ہوتا ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو اساہی" ہے جو ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے،

ان کی اشاعت کی مجموعی تعداد ایک ملین روزانہ ہے،

ان چارون اخبارات کے بعد ۹ اخبار اور ہین جن کی روزانہ اشاعت نصف ملین سے ایک لاکھ تک ہے،

جاپان سے انگریزی اخبارات بھی شائع ہوتے ہین جن مین سب سے بڑا اور سب سے زیادہ وسیع الاشاعت اخبار

"اوساکا مائنیشی" کمپنی کی طرف سے ۲۰ صفحات مین شائع ہوتا ہے، ایک اخبار جس کا نام "معلن جاپانی" ہے ایک

امریکن ٹوکیو سے شائع کرتا ہے، اور زیادہ تر اس کی اشاعت یورپین لوگون مین ہے، "کوبی کرانیکل" کے نام سے

ایک انگریز ایک اخبار نکالتا ہے جس کے ذریعہ سے حکومت کے سیاسی کامون پر نکتہ چینی کرتا ہے، ایک اور انگریزی اخبار

"ٹوکیو ٹیمس" ہے جو پہلے حکومت کی زبان تھا، اب معلوم نہین کہ وزارت خارجیہ سے اس کا تعلق ہے یا نہین؟

جاپان مین اس اخباری ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ "اوساکا مائنیشی" اور "اوساکا اساہی" کمپنی مین تاجرانہ

مقابلہ نے سخت رشک و رقابت پیدا کر دی ہے چنانچہ ۲ سال کا زمانہ گذرا کہ "اوساکا مائنیشی" کمپنی نے ڈھائی لاکھ گنی

کے صرف سے ایک عظیم الشان شش منزلہ عمارت بنوائی، تو اخبار "ٹوکیو نیشی نیشی" نے بھی ایک عالی شان عمارت تیار

کرائی اور اخبار "ٹوکیو اساہی" بھی عنقریب اپنی جدید عمارت مین منتقل ہونا چاہتا ہے، جو ریلوے اسٹیشن کے قریب

۴۰ ہزار گنی کے صرف سے تیار ہوئی ہے،

اخیر دو سالون مین اخبار "مائنیشی" نے پانچ ہوائی جہاز مزید کر "ٹوکیو" اور "اوساکا" کے درمیان ہوائی

ڈاک قائم کر دی، جس کے ذریعہ سے خبرین اور تصویرین روانہ کیجاتی تھین، اس کی دیکھا دیکھی اخبار "اوساکا اساہی"

نے بھی ہوائی جہاز خریدے اور "اوساکا" اور "نوگو" اور "ٹوکیو" اور "سنداے" کے درمیان ہوائی ڈاک کا انتظام کیا

اس اخباری رقابت سے پبلک کو بڑا فائدہ پہونچتا ہے کیونکہ جب ایک اخبار اپنی شام کی اشاعت کو مفت تقسیم کرتا ہے تو دوسرا اخبار بھی اس کی تقلید کرتا ہے، یا جب کوئی اخبار دیہاتون مین جہان اخبار کی اشاعت زیادہ ہوتی ہے کوئی مقامی ضمیمہ شایع کرتا ہے، تو دوسرے اخبارات بھی ایسا کرتے ہین،

ضمیمون کی اشاعت ایک ایسی چیز ہے جو جاپانی اخبارات کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے مثلاً اخبار "المانیشی" روزانہ سو ضمیمے شایع کرتا ہے جن مین لوکل خبرین شایع ہوتی ہین اور خریدارون کے یہان مفت روانہ کئے جاتے ہین یہ ضمیمے زیادہ تر دیہاتون مین شایع ہوتے ہین، اور ان مین دیہن کی مخصوص خبرین درج ہوتی ہین لیکن جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے مثلاً کوئی بڑی جنگ چھڑ جاتی ہے، یا بڑا زلزلہ آتا ہے یا کوئی عام دبا پھیل جاتی ہے، یا بادشاہ کی وفات ہوجاتی ہے تو بڑے بڑے شہرون مین بھی ضمیمے شایع ہوتے ہین،

بعض اوقات یہ ضمیمے صرف ایک چھوٹے سے ورق پر شایع ہوتے ہین اور ان مین صرف ایک مختصر سی خبر درج ہوتی ہے، اخبار بیچنے والے اُن کو لیجاتے ہین اور گذرگاہون مین اس زور سے چیخے ہین کہ گویا صورِ اسرافیل پھونکا جاتا ہے، اور لوگ ان کو اس لئے خریدتے ہین کہ مبادا دنیا فنا ہوجائے اور ہم واقعاتِ عالم سے بے خبر رہین،

اس رشک و رقابت کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہے کہ اخبارات کثیر رقم صرف کرکے اطراف عالم سے خبرین جمع کرتے ہین، چنانچہ ستمبر ۱۹۲۳ء مین جب جاپان مین سخت زلزلہ آیا تو "اوساکا مانیشی" اور "ٹوکیو نیتی نیشی" کمپنی نے ۴۴ ہزار گنی کے صرف سے مخبرین و مصورین کی ایک جماعت مقرر کردی اور انھون نے تمام مقامات سے زلزلہ کے متعلق اہم خبرین اور تصویرین مہیا کین، چونکہ زلزلہ کی وجہ سے ڈاک بالکل بند ہوگئی تھی، اس لئے اس کمپنی نے ملک کے گوشے گوشے مین زلزلہ کے متعلق خبرین اور تصویرین روانہ کین جن مین بعض متحرک تصویرین بھی تھین اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اخبار "المانیشی" اور "الاساہی" ریل، ہوائی جہاز اور تار پر بھی اعتماد نہین کرتے کیونکہ بعض اوقات ریلین ٹکرا جاتی ہین، ہوائی جہاز ٹوٹ جاتے ہین، اور تار کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اس لئے ان اخبارات نے

پیامبر کبوترون کی بہت بڑی تعداد پال رکھی ہے، جو مخبرون اور ہوائی جہازون کے ساتھ روانہ کی جاتی ہین، اور جب مخبرون اور ہوائی جہازون کو کوئی سانحہ پیش آجاتا ہے تو وہ ان کبوترون کے ذریعہ سے خبرین روانہ کردیتے ہین،

ان دونون کمپنیون مین خبررسانی کے متعلق جو مقابلہ پیدا ہوگیا ہے، اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۶ء مین جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہ جاپان حالت نزع مین ہے، تو ان دونون کمپنیون نے شاہی محل کے قریب دو گھر کرایہ پر لئے، اور اخبار نویسون کی ایک جماعت مقرر کی اور ان کے لئے خبررسانی کے تمام ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موٹر، ہوائی جہاز، نامہ بر کبوتر وغیرہ مہیا کردیئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی پبلک شاہی خاندان کے حالات سے کس قدر شغف رکھتی ہے،

ان اخبارات کے اشاعت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ "الاوساکا مانیشی" کمپنی کے دفتر مین ۲۲۶۵ آدمی ملازم ہین جو مختلف خدمات انجام دیتے ہین،

خبرون کی فراہمی کا جو طریقہ یورپ اور امریکہ مین جاری ہے، وہی جاپان مین بھی ہے، یعنی ریوٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرح یہان بھی کمپنیان قائم ہین، جو خبرین جمع کرتی ہین، اور جو اخبار ان کمپنیون سے تعلق رکھتے ہین وہ ان خبرون کو شائع کرتے ہین،

بڑے بڑے اخبار مراسلہ نگار بھی مقرر کرتے ہین بالخصوص یورپ، امریکہ اور ایشیا کے بڑے بڑے شہرون مین خاص جاپانی مراسلہ نگار مقرر ہین تاکہ اہم واقعات کے متعلق خاص جاپانیون کے نقطۂ نظر کے مطابق خبرین شائع کی جاسکین،

جاپان مین اس اخباری ترقی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے ہر طبقہ مین تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی ہے چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی مدارس کے طلبا مین ۹۰ فی صدی سکنڈری مدارس مین داخل ہوتے ہین، جاپان کے تمام مدارس اور کالج کی تعداد ۴۴ ہزار ہے، جس مین ساڑھے دس ملین سے زیادہ طلبا تعلیم پاتے ہین،

تعلیم کی اشاعت کے ساتھ جاپانی مطالعہ کا بھی نہایت ذوق رکھتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۶ء مین جاپان مین مختلف موضوع پر ... کتابین شائع ہوئین، انگریزی، فرنچ، جرمن اور چینی زبانون مین جو کتابین باہر سے آئین اور فروخت ہوئین انکی قیمت ...

ع

کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے؟

پروفیسر پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف (دہلی) نے چند ماہرین علوم السنہ کی معاونت سے "سری کرشن اسمبلی" کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، جس میں علوم السنہ کی روشنی میں مختلف علمی مباحث کی تحقیق و تدقیق اور ان پر بحث و تمحیص ہوگی، اس مجلس نے اپنے دائرہ عمل کو چند نظریوں میں محدود کر لیا ہے، اور اس کی تمام سعی و کاوش انھیں چند مسائل کے اثبات میں صرف ہوگی، اس مجلس کا ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ سری کرشن دراصل ایک اسرائیلی پیغمبر تھے، کیونکہ محققین علوم السنہ کے نزدیک یہ بپایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ "بعل سرقیص کاہن" یا "بال سری کشن کاہنا" یہ چار الفاظ عبرانی زبان کے ہیں جو اسی زبان میں نہایت وضاحت صحیح رسم خط کے ساتھ موجود ہیں، اور اس سلسلہ میں اس کڑی کو ملا دینے سے اس نظریہ پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ قدیم و جدید برج بھاشا اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں عبرانی، آشوری، بابلی، عربی اور حمیری زبانوں کے بکثرت الفاظ موجود ہیں،

اسی طرح اس مجلس علمی کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ **اردو** ایک ایسی زبان ہے جو **عالمگیر زبان** (LEN-GUEFRANCA) کی حیثیت سے قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ برج بھاشا کی ایک مکمل ترین شکل ہے، جو قدیم سامی زبانوں (عبرانی، آشوری، عربی) اور سنسکرت اور دیگر زبانوں سے مرتب ہوئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ زبان ہندوستان میں مسلمانوں کے داخلہ سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی، اور اس کے بعد جب عرب، ترک، مغل، پٹھان ہندوستان آئے تو الفاظ کا بہت بڑا نیا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اور اس کو برج بھاشا میں داخل کر دیا، اور اسی طرح یورپین اقوام کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر اس زبان میں انھیں سامی، سنسکرت اور فارسی زبانوں کے ذریعہ سے اٹلی، جرمن، فرنچ، یونانی اور انگریزی زبانوں کے بہت سے الفاظ داخل ہو چکے تھے، اس لئے اردو زبان لینگو فرینکو کی حیثیت سے دنیا میں مقبول ہوگی، اور خصوصاً جہان کے الفاظ اس زبان میں زیادہ موجود ہیں وہاں بڑی آسانی سے سمجھی اور بولی جا سکتی ہے،

اس مجلس نے اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ یورپ کی انگریزی اور دیگر زبانوں کے حروف تہجی عبرانی زبان

سے ماخوذ ہین، مثلاً

ابجد	A. B. C. D
کلمن	K. L. M. N
قرشت	Q R. S T وغیرہ

اس مجلس نے اپنا ایک ماہوار جاری کیا ہے جس مین اپنی اور ان جیسے چند اور مباحث پر بحث و تمحیص ہوتی رہتی ہے اور اس نے ہندوستان کی موجودہ فضا کا لحاظ کرکے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ اس کے قیام کا منشا محض علمی تحقیق و جستجو ہے ان مباحث سے کسی خاص فرقہ اور مذہب کی دل آزاری مقصود نہین،

مجلس کو توقع ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اہل قلم ان مباحث مین کافی حصہ لے کر ان کے تحقیقی مدارج کو ترقی دین گے، ناظرین معارف مین جو لوگ ان مباحث مین حصہ لینا چاہین، وہ "سری کشن امبلی عباس منزل جامع مسجد اسٹریٹ دہلی" کے عنوان سے خط و کتابت کر سکتے ہین،

"ر"

علی گڑھ میگزین کا نو کیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء مین شایع ہوگا، اس پرچہ مین تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشا پردازون کے مضامین اور بلند پایہ شعراء کے افکار عالیہ شایع ہونگے، پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی، اور کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا، تمام اہل علم و ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جنکا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے استدعا کیجاتی ہے کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کرین، مضامین اور حصۂ نظم اڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل بھیج دینے چاہئین

خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے،

منیجر علی گڑھ میگزین،،

اخبار علمیہ

انسان خوار نباتات، جزیرہ مڈگاسکر جنوبی مشرقی حصہ مین ایک درخت ہے جو انسان کو کھا جاتا ہے ، وہین پر انسانون کا ایک قبیلہ ہے جس کا نام مکودوس ہے ، وہ اس مقدس درخت کی پرستش کرتا ہے ، یہ درخت دس فیٹ سے عموماً زیادہ بلند نہین ہوتا ، اور اسکی شکل پیپے کی طرح مدور ہوتی ہے ، اور اسکی پھننگ سے دس پتے بڑے بڑے نیچے لٹکا کرتے ہین ہر پتے کی سطح پر زہریلے کانٹے ہوتے ہین ، اس قبیلہ کے لوگ تہوار کے دن سال مین ایک دفعہ اپنے قبیلہ کی حسین ترین لڑکی اس درخت کو قربانی دیتے ہین ، اور اس دن وہ نہایت ہنسی خوشی اور ناچ رنگ مناتے ہین ،

سامریون کی توراۃ، سامری فرقہ کے ان موسویون کے پاس جو نابلس (شام) مین رہتے ہین ، حضرت موسیٰ کی پانچون کتابون کا سب سے قدیم نسخہ موجود ہے ، جو مطبوعہ اور مشہورہ نسخہ سے جو موجودہ یہودیون کے پاس ہے مختلف ہے ، سامریون کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ حضرت موسیٰؑ کی اولاد مین سے ایک کا لکھا ہوا ہے ، اور جو بنی اسرائیل کے کنعان مین داخل ہونے کے تھوڑے دن کے بعد لکھا گیا ،

قرآن پاک عرب عیسائی کی نگاہ مین، فلسطین مین سرکاری مدرسون کے اعلیٰ مدرسین کی کانفرنس اس غرض سے منعقد کیگئی تھی ، تاکہ فلسطین کے مدارس کا نظام و نصاب تعلیم مقرر کیا جائے ، اس کانفرنس مین استاذ انیس صہداوی نے جو مسیحی ہین اور یافا کے مدرسۂ ثانویہ کے مدرس اعلیٰ ہین ، یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مدرسون کے اعلیٰ درجون مین قرآن کی تعلیم لازمی قرار دیجائے ، تاکہ عیسائیون کی آیندہ نسل قرآن کی بلاغت کے فائدہ سے محروم نہ رہے ، اور انکی

زبان درست ہو، اور ملکۂ بیان حاصل ہو،

مچھلی کی تیز روی، سب سے تیز مچھلی ایک گھنٹہ مین ۵۰ میل کی مسافت پانی مین طے کرتی ہے،

چاے اور انگریز، دنیا مین جتنی چاے پیدا ہوتی ہے، اس کا آدھا حصہ انگریزون کے مصرف مین آتا ہے،

شعاع رنجن کے مضر اثرات، رنجن کی شعاعین انسان کے جسم مین نفوذ کرکے اس کے فاسد مادون کو اطبا کے سامنے واضح کرتی ہین، ان شعاعون کے انکشاف کو ابھی نہایت تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اسی قلیل مدت مین ان کا استعمال نہایت سرعت سے عام ہوچکا ہے، خصوصاً مرض سرطان اور سلسلۂ تناسل مین بعض تغیرات پیدا کرنے مین نہایت مفید ثابت ہوا ہے،

گر یورپ کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اب پروفیسر مولر نے ان شعاعون کے متعلق بعض ایسے تجربون کا اعلان کیا ہے، جس سے ممکن ہے کہ یورپ مین بعض مخصوص چیزون کے لیے ان کے استعمال مین بہت کچھ کمی آجائے، پروفیسر مولر نے ان شعاعون کو بعض کیڑون اور چوہون پر آزمایا، اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ یہ شعاعین چہرے کی ساخت اور اس کے آب و تاب مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیتی ہین، اور زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ خرابی نسلاً بعد نسل متوارث ہوجاتی ہے، اور جس درجہ نسل بڑھتی جائیگی چہرہ کی بدہیئتی مین ترقی ہوتی جائے گی، کیونکہ اس کے نشو و نما کا وہ نظام ہی سرے سے قائم نہین رہتا جو ان شعاعون کے اثر انداز ہونے سے پہلے قائم تھا، اس لیے پروفیسر مولر نے ان تمام لوگون سے جو ان شعاعون کو سلسلۂ تناسل مین استعمال کرتے ہین، پرہیز کرنے کی درخواست کی ہے، اور پروفیسر مولر نے یورپ کی ان خواتین کو خاص طور پر مخاطب

کیا ہے جو بانجھپن اختیار کرنے کے لیے ان شعاعون کو کام مین لاتی ہین، کیا خدا کی قدرت ہے کہ یہی شعاعین جو آج تک یورپ مین حسن و شباب کی بہترین محافظ سمجھی جاتی تھین، اب وہی شعاعین ان کے لیے اس درجہ تباہ کن ثابت ہو رہی ہین،

روئی کی کاشت کا رقبہ، سنہ ۱۹۲۰ء کے اعداد و شمار سے جو اب تک آخری اعداد و شمار مین، واضح ہوتا ہے کہ روئی کی کاشت ولایات متحدہ امریکہ مین ۰۰۰.۶۹۳۳ ایکڑ زمین مین، اور اس کے علاوہ ہندوستان مین ۰۰.۳۶ ۳۴۶،۲ ایکڑ، اور مصر مین ۱۵۷۳۶۶۲ ایکڑ، اس طرح تقریباً ساری دنیا مین ۶۰ ملین زمین روئی کے لیے وقف ہے،

فن زراعت مین ایک سریع السیر انقلاب، علوم جدیدہ کے ماہرین زراعت کی طبعی پیداوار پر کوئی لائق توجہ دسترس حاصل نہین کیا ہے، مگر امریکہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ نیویارک کے ایک انسٹیٹیوشن نے یہ مہم بھی سر کر لی، اور گیہون کی فصل جو بالعموم پانچ چھ مہینہ مین تیار ہوتی ہے، صرف ۵۰ دن مین تیار کر کے کاٹ لیگئی،

امریکہ کی اس تمام زرعی جد و جہد کا مقصد یہ ہے کہ صنعت و حرفت کی تجارت مین مثلاً فورڈ ایک دن مین ایک ہزار موٹر تیار کر سکتا ہے، اور اس کو یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جائین کہ اس کو ترقی دیکر ایک دن مثلاً پانچ ہزار تک پہنچائے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کاشتکار بھی ایسے وسائل اختیار نہ کرے کہ وہ بھی ایسے ہی اصول پیش نظر رکھ کر اپنی زراعت سے فائدہ اٹھائے اور فائدہ پہنچا سکے، مگر فن زراعت مین اہم دشواری اسکی طبعی پیداوار ہے، کہ زمین زیادہ سے زیادہ سال مین تین یا چار فصل پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اسی مشکل کو حل کرنے کی جد و جہد جاری ہے، چنانچہ ۵۰ دن کی جو فصل حاصل کیگئی ہے اسی کی ایک کامیاب پہلی منزل ہے،

اس فصل کے حصول کی صورت یہ اختیار کیگئی کہ پہلے بیج کو ایک شب کہربائی قوت کے سامنے رکھ کر اس مین حرارت پیدا کیگئی، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سرعت کیساتھ زمین سے اپنی غذا حاصل کرسکے، اور پھر اس مین اکسیڈ کربون کی ایک معتدبہ مقدار کا اضافہ کرکے اس کو زمین کے سپرد کردیا گیا، اس طرح بیج نے چار چھ مہینہ کے مرحلہ کو صرف ۳۵ دن مین طے کرلیا، اور پختہ غلون سے لدی ہوئی کھیتی کاٹ لیگئی، مگر افسوس ہے کہ انسٹیٹیوشن نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ اگرچہ یہ تجربہ صحیح ثابت ہوا، اور اس کے علاوہ آلو وغیرہ پر بھی تجربہ کیا جاچکا، مگر ان طریقون پر عمل کرنے مین جو دشواریان اور وسائل اختیار کرنے پڑتے ہین، وہ عام کاشتکار برداشت نہین کرسکتے، اس لیے اس طریقہ کی ترویج سردست قطعی طور پر ناممکن ہے، ممکن ہے کہ آیندہ کوئی معقول صورت پیدا کرسکے،

لومڑی کی فاقہ کشی، کہا جاتا ہے کہ حیوانون مین لومڑی سب سے زیادہ دنون تک بے آب و دانہ رہ سکتی ہے، چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ لومڑی کی فاقہ کشی کی انتہائی مدت دو سال ہے، اسی طرح دوسرے جانورون کے متعلق بھی آزمایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مینڈک کو ۱۶ مہینے تک غذا نہ دیجائے تو بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح کچھوا بھی چند ہفتون تک غذا سے بے نیاز رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے

ماہ پرواز، یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ فن پرواز کی جدوجہد مین اکثر سالون مین ماہ مئی کو ایک نمایان خصوصیت حاصل رہی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۱۹ء کے ماہ مئی مین انگلستان کے ماہر پرواز مسٹر کاک نے جزیرہ نیوفونڈلینڈ سے آئرلینڈ تک پرواز کرکے سب سے پہلی مرتبہ بحر اٹلانٹک کو عبور کیا، سنہ ۱۹۲۳ء کے مئی مین امریکہ کے چند ماہرین نے بحر پاسفک کو چند مراحل مین عبور کیا، سنہ ۱۹۲۶ء کے مئی مین کمانڈر برڈ نے قطب شمالی کی طرف پرواز کی، اور اس سال سنہ ۱۹۲۷ء کے مئی مین ایک نوجوان امریکی ۴۲۲۰ فٹ بلندی تک پہنچا جو اب تک انسان کی غایت پرواز ہے اور پھر اسی سال اسی مہینہ مین امریکہ مشہور معروف لنڈبرگ نیویارک سے پیرس تک کے سفر کو ایک ہی مرحلہ مین طے کیا، اس لیے اگر اس مہینہ کو "ماہِ پرواز" سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا

"ز"

باب التقریظ والانتقاد

رحلت مصطفیٰ

مؤلفہ مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی نے اس رسالہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام حالات جو آپکی وفات سے تعلق رکھتے ہین یکجا کر دیئے ہین، اس لیے دراصل یہ رسالہ اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہے، اور سیرت نبوی صلعم مین ایک خاص باب کا اضافہ ہے، کیونکہ انسان کی زندگی کے آخری لمحے اس کی تمام زندگی کا آئینہ ہوتے ہین، جس مین اس کے تمام اخلاقی حالات و اوصاف نہایت واضح طور پر آشکارا ہو جاتے ہین، اگر اس کی زندگی راست بازی، اخلاص، صداقت، دیانت، جرأت، بسالت، اور دیگر اوصاف حمیدہ سے مملو تھی، تو جس درجہ یہ اوصاف اس مین موجود ہون گے اسی درجہ اس آئینہ مین ان کا واضح پرتو منعکس ہوگا، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو آپکی وفات کی اطلاع چند ماہ پیشتر ہی ملجاتی ہے، جس کا آپ نہایت خندہ جبینی سے استقبال فرماتے ہین، حیات کے آخری لمحون مین آپ کو اسلام اور مسلمانون کیلئے جو کام انجام دینا تھا، ادا فرماتے ہین، اور وہ ساعت جیسے جیسے قریب آتی جاتی ہے، جوارِ خداوندی کا اشتیاق بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ دعا، و دوا کی بھی ممانعت کر دیجاتی ہے، اور آپ ہو الرفیق الاعلیٰ ہو الرفیق الاعلیٰ کا ورد فرماتے ہوئے دنیا سے تشریف لیجاتے ہین، دنیا کی بلند ترین سیرت کا

یہی مرقع رحلت مصطفےٰ میں کھینچا گیا ہے، جناب مولف کو اس کی ترتیب و تالیف میں لائق ستائش جد و جہد کرنی پڑی ہے جس کے لیے وہ قابل مبارکباد ہیں، لیکن رسالہ کی تالیف میں چند فروگذاشتیں بھی ہیں، جن میں اہم مسئلہ اسکی زبان کا ہے، مثلاً اردو اسلوب تحریر میں پیشوایان مذاہب کےلیے ایک خاص طریقہ یہ رائج ہے کہ ان کے ناموں کے آگے توصیفی الفاظ بڑھا دیے جاتے ہیں، اور انکی اس قدر پابندی کیجاتی ہے کہ کسی موقع پر بغیر توصیفی الفاظ بڑھائے کسی نام کو لے لینا ان کی شان میں گستاخی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، اس لیے مثلاً محض یہ لکھنا "غرضیکہ جب ابوبکر ہوئے اور رسول اللہ کو یہ جواب دیا" (ص ۴۴) "ام سلمہ کہتی ہیں" (ص ۶۲) "عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے" (ص ۵۳) موزوں نہیں معلوم ہوتا،

اسی طرح یہ بھی ملحوظ رکھنا تھا کہ جس شخص یا جماعت کی گفتگو نقل کیجا رہی ہے اگر وہ اردو زبان میں گفتگو کرتی تو وہی اسلوب ہوتا جو رسالہ کی زبان میں اختیار کیا گیا ہے، مثلاً حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ سے یہ فرمانا کہ "تجھ تو تین دن میں ڈنڈے کا غلام ہوگا" (ص ۴۰) یا حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلعم کی موجودگی میں ازواج مطہراتؓ سے یوں خطاب کرنا "آپ بیمار ہوتے ہیں تو آنسو سے بہاتی ہو، تندرست ہوتے ہیں تو گردن لیتی ہو" (ص ۴۹) یا جا بجا صحابہ کرامؓ سے آنحضرت صلعم کے خطاب کو صیغۂ واحد سے ادا کیا گیا ہے جو اردو میں تحقیر کا پہلو پیدا کرتا ہے مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد "ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے" (ص ۲۰) یا حضرت معاذ بن جبلؓ سے ارشاد فرمانا "میں تجھے ایسے لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں" (ص ۱۹) اسی سلسلہ میں اس موقع پر یہ تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ آپ اردو اسلوب بیان میں آنحضرت صلعم کے متعلق صیغۂ واحد سے گفتگو کرنا غلطی سوء ادب سمجھا گیا ہے، گو گفتگو کرنیوالا آپ کی شان میں جس درجہ اعلیٰ وارفع اوصاف بیان کرے لیکن مؤلف رحلت مصطفےٰ نے ان چیزوں کو نظرانداز کر دیا ہے،

رسالہ میں ایک دو مقام پر ایسے واقعات بھی آ گئے ہیں، جنکا تعلق آپ کی ازدواجی زندگی سے ہے، اور اگرچہ ان واقعات پر اس لحاظ سے نظر نہیں ڈالنی چاہیے کہ یہ خطاب ایک پیغمبر کا اپنی امتی سے یا امتی کا ایک

پیغمبر حصہ ہے، بلکہ واضح طور پر لکھنا چاہیے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے یا ایک شوہر اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہے، اسکے باوجود ضرورت تھی کہ جناب مؤلف انتہائی حزم و احتیاط سے ایسی گفتگوؤن کو نقل کرتے مثلاً "مین خوب جانتی ہون آپ میری موت چاہتے ہین، تاکہ میرے گھر مین کوئی بیوی لے کر زندگی بھر عیش کرین" (ص ۲۲) اسی واقعہ کو اردو کی ایک دوسری بلند پایہ کتاب مین یون ادا کیا گیا ہے، "آپ میری موت مناتے ہین، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی حجرے مین نئی بیوی لاکر رکھین"،

رسالہ کے اسلوب تحریر کے علاوہ چند چیزین اور بھی قابل تذکرہ ہین، مثلاً ایک ہی واقعہ کو دو مختلف موقعون پر درج کرنا، جیسے جب آپ حضرت میمونہؓ کے مکان مین تھے اس وقت حضرت عمرؓ کی امامت کا تذکرہ مسند عائشہ و ابن سعد کے حوالہ سے پھر ص ۲۰ پر یہی واقعہ اسی ابن سعد کے حوالہ سے اس وقت درج کیا گیا ہے جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان مین اٹھ آئے تھے، روایات کے انتخاب مین بھی احتیاط مد نظر نہین رہی ہے یہان تک کہ ابن عساکر اور عقد الفرید سے بھی استناد کیا گیا ہے،

اسی طرح مؤلف نے آنحضرت صلعم کی وراثت کے سلسلہ مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپنے اپنے مال اور جائداد مین اس لیے وراثت کی ممانعت فرمائی کہ آپ دنیا سے "سرمایہ داری" اور "غیر منقولہ جائداد کی شخصی ملکیت" کو فنا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ دنیا عہد طفولیت مین تھی اس لیے آپنے اس مین بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال مین برتا تھا، ہمین حیرت ہے کہ آجکل ہندوستان کا نوجوان سیاسی طبقہ ایک طرف مذہب کو سیاست مین دخل انداز ہونے سے روکنا چاہتا ہے، پھر دوسری طرف اپنے وقتی سیاسی نظریون مین مذہب سے خلاف قیاس مسائل استنباط کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اگر آنحضرت صلعم کے طرز عمل کا یہی مقصود ہوتا تو پہلے آیات توریث منسوخ ہوتین،

رسالہ مین بعض غیر متعلق چیزین بھی آگئی ہین، مثلاً وصال نبوی کے تذکرہ مین "حضرت ابوبکر کی عظمت" کے عنوان سے ان مین اور حضرت عمرؓ مین موازنہ کرنا اور بعض مورخین کا حضرت عمرؓ ہی کو اسلام کا ہیرو قرار دینے پر تعجب کا

اظہار کرنا، اس کا تذکرہ اگر ہو سکتا تھا تو رحلت صدیقی مین نہ کہ رحلت مصطفوی مین،

اس مختصر رسالہ پراس تفصیلی تبصرہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک بسیط سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس کے بعد اسی طرح خلفائے راشدین، دیگر صحابہ کرام اور ائمہ صالحین و دیگر رجال اسلام کے حالات وفات شائع ہونے والے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ باقی حصون کی طباعت سے پیشتر ان امور کو پیش نظر رکھکر نظر ثانی کر لیجائے، ورنہ یہ رسالہ اپنی جگہ غاصت درجہ مفید اور صحیح تاریخی واقعات سے مملو ہے، اور رقت انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ناممکن ہے کہ پڑھتے پڑھتے آنکھین اشکبار نہ ہوجائین، اور رسالہ کی عام زبان بھی صاف سلیس، اور صحیح ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۸ر ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۲۰۲ ۱۰ بالی گنج کلکتہ سے طلب کیجئے

کلیات ولی

مرتبہ

مولوی علی احسن صاحب احسن مارہروی،

تصحیح وتہذیب کے ساتھ قدیم کتابون کی اشاعت ایک علمی خدمت ہے، اور اب اس نے اس قدر وسعت واہمیت حاصل کر لی ہے کہ تصنیف وتالیف کے برابر سمجھی جاتی ہے،

یہ خدمت اگرچہ ہر زمانے مین جاری رہی ہے، لیکن یورپ نے سب سے پہلے اس کا معیار بلند کیا اور اسکی دیکھا دیکھی مصر وہندوستان مین اس کی تقلید کیگئی، جس سے بہت سی قدیم کتابین، جو کیڑون کی معاش کا ذریعہ ہو رہی تھین، دست برد زمانہ سے محفوظ ہوگئین،

ہندوستان مین مرکزی حیثیت سے دائرۃ المعارف حیدرآباد قدیم عربی کتابون کی اشاعت کر رہا ہے اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن اردو کتابون کی اشاعت مین مصروف ہے، اور اس سلسلہ مین اس نے حال مین ایک نہایت قدیم کتاب یعنی دیوان ولی کو نہایت خوبی کے ساتھ شائع کیا ہے،

ولی کا دیوان اگرچہ اس سے پہلے یورپ اور ہندوستان مین چھپ چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی جابجا

ہندوستان مین موجود ہین، لیکن اس کے مطبوعہ وقلمی نسخے اب اس قدر نایاب ہین کہ عام دسترس سے باہر ہین، اور اس کے ساتھ باہم اس قدر مختلف ومتناقض ہین کہ ان پر عام اعتماد نہین کیا جاسکتا، اس لیے اسکی ضرورت تھی کہ ان تمام نسخون کے مقابلہ ومواز نہ سے ایک نہایت مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کرکے شائع کیا جاتا، اور مولوی علی احسن صاحب مارہروی نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور دیوانِ ولی کے دس نسخون سے مقابلہ کرکے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمایا، اور اس کے ساتھ مختلف تذکرون سے ولی کے حالات بہم پہنچائے ان کے کلام پر ایک مفصل ریویو کیا، غیر معروف ومتروک قدیم دکنی الفاظ کی ایک فرہنگ مین تشریح کی اور اس نسخہ کو اشاعت کے لیے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیا، اگر انجمن کا مقصد محض تجارتی ہوتا تو وہ اسی نسخے کو تجارتی نقطۂ نظر سے نظر فریب صورت مین پبلک کے سامنے پیش کردیتی، لیکن انجمن کے سکرٹری مولوی عبدالحق صاحب نے اس پر علمی حیثیت سے نگاہ ڈالی اور اس حیثیت سے ان کو اس نسخہ کی ترتیب وتہذیب مین اور بھی زیادہ کد وکاوش کی ضرورت نظر آئی، چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس کے مقدمہ سے غیر ضروری باتین حذف کرکے صرف اسی قدر باقی رکھا جس کا تعلق ولی کے کلام سے تھا، اس کے ساتھ اس نسخہ کا اپنے قلمی نسخون سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اختلافِ نسخ اس سے بہت زیادہ ہے، جس قدر اس نسخے مین دکھایا گیا ہے، اور ساتھ ہی ولی کا کچھ کلام ایسا بھی ہے جو مولوی احسن صاحب کے فراہم کردہ نسخون مین موجود نہین ہے، اس لیے انھون نے اصل کتاب مین دو ضمیمے اور شامل کئے، جن مین ایک ضمیمہ اس کلام کا ہے جو انجمن کے نسخون مین ہے اور احسن صاحب کے فراہم کردہ نسخون مین نہین، دوسرا ضمیمہ اختلافِ نسخ کا ہے، اور وہ اس ضمیمہ سے بہت زیادہ بڑا ہے، اب اس تصحیح وترتیب وترمیم واضافہ سے ولی کا دیوان جو چند بوسیدہ اوراق مین کیڑون کی غذا بن رہا تھا، پانچ چھ سو صفحون کی ایک کتاب بن گیا ہے، جو ٹائپ مین شائع ہوئی ہے،

کتاب کی ابتدا ولی کے حالات اور تبصرہ کلام سے ہوئی ہے، اگرچہ جامع کتاب نے تقریباً تمام تذکرون کی ورق گردانی کی ہے، لیکن ولی کے حالات مین انھون نے کوئی نئی بات نہین لکھی ہے، اور نہ غیر معمولی دلچسپ حالات

فراہم کئے ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان حالات کو حالات کہا بھی نہیں جا سکتا، صرف ولی کے نام، وطن اور مذہب میں جو اختلافات تھے، ان میں اپنی رائے کی تائید میں قرائن و قیاسات سے مدد لیکر چند دلائل فراہم کئے ہیں، جو تذکرہ نویسون کی شان ہے، اس کے بعد ولی کے کلام پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا ہے جس میں اگرچہ اب بھی بہت سی غیر ضروری باتین شامل ہیں، تاہم اس میں تقریبًا تمام حیثیتون سے ولی کے کلام پر نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد فرہنگ الفاظ ہے جس سے ولی بلکہ قدما کے کلام کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے، فرہنگ کے بعد دیوان شروع ہوتا ہے، جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، اور اسی میں جابجا حاشیے پر اختلاف نسخ دکھایا گیا ہے یا اور کوئی مفید بات درج کیگئی ہے،

جناب احسن صاحب کا کارنامہ یہیں ختم ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد مولوی عبد الحق صاحب کا اضافہ شروع ہوتا ہے، اس میں سب سے پہلے ضمیمہ نمبر ۱ ہے، جو ولی کے اس کلام پر مشتمل ہے جو احسن صاحب کے مرتبہ نسخون میں نہیں ہے، پھر ضمیمہ نمبر ۲ کی باری آتی ہے جس میں ان نسخون کے اختلافات کو دکھایا گیا ہے، جو انجمن اور اس مرتبہ نسخے کے درمیان نظر آئے، اور یہ ضمیمہ بہت بڑا ہے، اخیر میں [illegible] شامل ہے، اور اس طرح ایک نہایت عمدہ کتاب شائع ہوگئی ہے، جس سے اردو زبان، اردو شاعری اردو املا و طرز کتابت کے متعلق بہت سی تاریخی باتین معلوم ہوسکتی ہیں،

کتاب کی قیمت مجلد ؏ غیر مجلد ؏ ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے،

"ع"

کتاب الفلاحت

ابو ذکریا علامہ یحیی ابن شبلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اس میں صحرائی و بستانی پودون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس، حجم ۱۱۶ صفحے قیمت ؏

سے نجات ان باتون پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۷۰ صفحے، قیمت ۲/ پتہ، ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۲۰۰۰ بالی گنج کلکتہ،

ائمۂ اسلام شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام کا یہ اردو ترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس رسالہ مین مصنف نے اس شبہہ کا جواب دیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین مین باہم اختلاف کیون ہے؟ آخر مین مترجم نے بعض ان اصولی اصطلاحات کا فرہنگ اضافہ کیا ہے، جو اس رسالہ مین مستعمل ہوئے ہین، اور عام اردو خوان ان کو نہین جانتے، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، قیمت شاید ۱۲/ ہو، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور

نجد و حجاز، سید رشید رضا صاحب اڈیٹر المنار نے نجد و حجاز کے مسئلہ پر المنار، در الاہرام مین جو سلسلہ مضامین لکھا تھا، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم کتبخانہ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اور وہ ایک مسلسل کتاب کی صورت مین ہے، اس مین نجد و حجاز کی جنگ، اس کے اسباب، سلطان نجد کی سرکاری تحریرین، معاہدات، نجدیون کا قبور اور قبون کے ساتھ برتاؤ، اور اسکی شرعی حیثیت اور شریف حسین کے اعمال یہ سب مفصل لکھے ہین، ۱۰۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ درمیانی، قیمت ۸/ پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۲ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

اسلامی کہانیان، چھوٹے مسلمان بچون کے مطالعہ کے لیے آسان اور سہل زبان مین اسلامی قصون اور کہانیون کی بڑی ضرورت ہے، شیخ بدر الاسلام صاحب فضل بی اے بی ٹی نے اس نام سے ایک مختصر رسالہ لکھکر اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے، اس رسالہ مین بارہ تاریخی کہانیان ہین، آخر مین دو نظمین ہین، اور خاتمہ مین انھین کہانیون کے متعلق بچون سے سوالات پوچھے گئے ہین، بچون کے خیال سے عبارت اور خیالات دونون صاف ہین، اس رسالہ مین اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ نہایت مختصر ہے، قیمت ۳/ مجلد ۴/ پتہ:- حالی بک ڈپو، پانی پت،